- فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ ۝
- وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ۝
- اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۝
- فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝
- لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝
- تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
- اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝

الواقعہ ۵۶
۷۷ - ۸۳

مفہوم

۱-: میں نجوم کے مشرق و مغرب کی طرف باقاعدگی کے ساتھ سفر کرنے والوں کی شہادت پیش کرتا ہوں۔
۲-: کاش تم جانتے کہ وہ کتنی بڑی شہادت ہے۔ (کہ پیغمبرِ عربی کی تعلیم انسانی موت و حیات کا مکمل دستور العمل ہے۔)
۳-: یقیناً وہ قرآن بہت عظمت والا ہے۔
۴-: وہ محفوظ کتاب میں موجود ہے۔
۵-: اس (قرآن) کی حقیقت کو وہی لوگ پاتے ہیں۔ جو کفر و شرک کی تمام نجاستوں سے پاکیزہ ہیں۔ یعنی جسم و جان سے ستھرے ہوں۔
۶-: اور اس کا نزول ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔
۷-: کیا اس حدیث (قرآن کریم) کے بارہ میں تم مداہنت سے کام لیتے ہو۔

اُمّتِ مُسلمہ (اہل الذکر و القرآن) (پاکستان)

فہرست مضامین تفسیر القرآن بالقرآن۔ (جلد سوم)

سورۃ اعراف

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ

اے مخاطب!

غور کرو کہ ہم آیات کو کسطرح پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ
تصریفِ آیات کے ساتھ قرآن کریم میں تفقہ کیا کریں

ترجمۃ القرآن بتصریف آیات الفرقان

المعروف بہ

تفسیر القرآن بالقرآن

جلد سوم ۳

مشتمل بر تفسیر سورۃ المائدہ، الانعام اور اعراف

شائع کردہ

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰- این سمن آباد لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن فہمی کے قرآنی اصول

• تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اوّل کے شروع میں ۱۲۸ صفحات کا دیباچہ دیا گیا ہے، جس میں قرآنِ کریم کو سمجھنے کے وُہ اصول درج ہیں جو قرآنِ کریم نے خود پیش کئے ہیں۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد سوم میں جو اسوقت آپکے ہاتھوں میں ہے، بعض مقامات پر مذکورہ بالا دیباچہ کے حوالے دئے گئے ہیں۔ قارئین کرام کو وُہ حوالے مذکورہ دیباچہ میں درج ملیں گے۔

اَلحمدُ لِلّٰہ • ذاتِ ارحم الراحمین کے فضل و احسان سے تفسیر القرآن بالقرآن کی تیسری جلد طبع ہو کر منظرِ عام پر آگئی ہے۔ اس کا اندازِ تفسیر بھی یہ ہے:۔

۱۔ اس میں دائیں طرف قرآن مجید کا عربی متن ہے اور متن کے بین السطور ہر عربی لفظ کا اردو ترجمہ اُس لفظ کے نیچے لکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مفہوم بندی یا جگہ کی عدم گنجائش کی بدولت کسی عربی لفظ کا اردو ترجمہ اُس کے آگے پیچھے ہو گیا ہو، ورنہ کوشش یہی کی گئی ہے کہ ہر لفظ کا ترجمہ اُس کے عین نیچے آئے تاکہ ہر غیر عربی دان بھی ہر لفظ کا لغوی ترجمہ بخوبی جان سکے۔

۲۔ عربی متن اور لفظی ترجمہ کے بالمقابل بائیں طرف با محاورہ ترجمہ ہے۔ جس میں بریکٹوں کے استعمال کی غرض ترجمہ کے محذوف مفہوم کو نمایاں کرنا ہے۔

۳۔ دائیں طرف کے عربی متن کے وضاحت طلب الفاظ پر الگ الگ اس طرح کے ۱ ۲ ۳ نمبر لگائے گئے ہیں اور آئت مجیدہ کے خاتمہ پر نمبر زدہ الفاظ کے وضاحتی نوٹ بھی بالترتیب ساتھ ہی دیدئے گئے ہیں، اس طرح:۔ ۱ ۲ ۳ وغیرہ۔

۴۔ بائیں طرف کے با محاورہ ترجمہ میں جہاں عام تراجم سے اختلاف کیا گیا ہے، وہاں بھی یہی انداز اختیار کیا ہے کہ متن کے عربی الفاظ اور مقابل کے اردو ترجمہ پر مذکورہ بالا انداز کے نمبر لگا کر ساتھ ہی وضاحتی نوٹ میں ترجمہ کے اختلاف کی وُہ دلیل درج کی گئی ہے جس کی رُو سے اختلاف حق بجانب ہے۔

۵۔ الفاظ اور جملوں کی تفسیر کیلئے ہر مقام پر تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز اختیار کیا ہے اور مناسب مقامات پر صحیفۂ فطرت کی مشاہداتی آیات مجیدہ بطورِ دلیل لائی گئی ہیں۔

(ادارہ بلاغ القرآن)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الۡمَآئِدَۃِ : مَدَنِیَّۃٌ

• یہ خداتعالیٰ کی کتاب لاریب قرآن مجید کی پانچویں سورت مجیدہ ہے ۔ چونکہ اس کے شروع میں المائدہ یعنے دسترخوان کی نعمتِ عظمیٰ حلال چوپایوں کا نشانِ حلت بتایا گیا ہے جن کا گوشت نوعِ انسانی کے دسترخوان کی زینت بنتا ہے اور اس کے اخیر پر حضرت مسیحؑ کے ذکر میں اُس ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے المائدہ کا لفظ لایا گیا ہے جو پوری نوعِ انسانی کے لئے بلاتمیز اعلیٰ وادنیٰ سب کے دسترخوان کا ضامن ہے ، اسلئے اس سورۃ مجیدہ کا نام نامی سورۃ المائدہ شریفہ ہے ۔

• اِس سورۃ مجیدہ کی ۱۲۰ آئتیں ہیں ۔ اس سے ماقبل سورۃ نسآء یَاَیُّهَا النَّاسُ کے خطاب سے شروع ہوئی تھی اور یہ یَاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا کے خطاب سے شروع ہوئی ہے سورۃ نِسآء میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ضمناً بھی آیا تھا اور خطاباً بھی ۔ حالانکہ اگرچہ وہ یَاَیُّهَا النَّاس کے خطاب سے شروع ہوئی تھی مگر خداتعالیٰ نے اپنے مخصوص اسلوب بیان کے مطابق پوری نوعِ انسانی سے متعلقہ مسائل بھی بیان فرمائے اور اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے متعلقہ بھی ۔ واضح رہے چونکہ قرآنِ کریم فی ذاتہٖ پوری نوعِ انسانی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے اسلئے کوئی سورۃ خواہ کسی بھی خطاب سے شروع ہوتی ہو ، اُس میں نوعِ انسانی کےلئے احکام بھی موجود ہوتے ہیں اور اُن کی اتباع کرنیوالی یا مخالفت کرنیوالی سابقہ اقوام کے حالات بھی برائے عبرت موجود ہوتے ہیں ۔

• فلہٰذا یہ سورت مجیدہ اگرچہ یَاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا کے الفاظ میں اہلِ ایمان کے نام کے خطاب سے شروع ہوئی ہے ۔ لیکن اِس میں بھی اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے حالات بھی درج ہیں ، ان کے نام بالواسطہ اور بلاواسطہ خطاب بھی ہیں اور ان کے بزرگوں کے نیکوکاروں کے حالات بھی درج ہیں اور نافرمانوں کے بھی ۔

• جیسے کہ زیرِ بحث سورۃ مجیدہ میں یَاَهۡلَ الۡكِتٰبِ کا بلاواسطہ خطاب یہود و نصاریٰ کے نام آیت نمبر ۱۵ + ۱۹ میں دو مرتبہ آیا ہے اور قُلۡ یَاَهۡلَ الۡكِتٰبِ کا بالواسطہ خطاب آیت نمبر ۵۹ + ۶۸ + ۷۷ میں آیا ہے ۔ یہودیوں کے بزرگوں کی مذمت بھی اِس سورۃ مجیدہ میں جگہ جگہ موجود ہے ۔ اور نصاریٰ کے بزرگوں میں سے جنہوں نے حضرت مسیحؑ کو خود خدا یا تین خداؤں میں کا تیسرا قرار دیا ، اُنہیں حقیقت حال کا کافر قرار دیا ہے : لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ۷۳ لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ؕ۱۷ لیکن نصاریٰ

میں سے جو حقیقت شناس افراد زمانۂ رسالتِ محمدیؐ کے وقت موجود تھے، اور جو قرآن کریم کو سُن کر فوراً ایمان لے آئے، اُن کی خبر ۵/۸۳-۸۴ میں بالفاظ ذیل موجود ہے:- وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ○ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ○ ۵/۸۳-۸۴ اور جب وہ سنتے ہیں جو رسولؐ عربی کی طرف نازل ہُوا ہے تو تُو دیکھتا ہے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں، اسلئے کہ اُنہوں نے حق، قرآن کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم اس حق پر ایمان لائے تو ہمیں اس کے گواہوں میں لکھ لے۔ اور کیا رکاوٹ ہے ہمارے لئے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں، جبکہ ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمارا نشوونما دینے والا ہمیں صالحین کی قوم (صحابہؓ رسولؐ) میں داخل کر دے۔

● پھر اگرچہ سورہ مائدہ شریفہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ کے خطاب سے شروع ہُوئی ہے۔ لیکن اسی خطاب کو متعدد بار دُہرا دُہرا کر ایمان والوں کے نام مختلف احکام جاری کئے گئے ہیں۔ چنانچہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا خطاب آیت نمبر ۱-۲-۶-۸-۱۱-۳۵-۵۴-۵۷-۸۷-۹۰-۹۴-۹۵-۱۰۵-۱۰۶ وغیرہ میں باربار دُہرایا گیا ہے۔ اور جہاں آنحضورؐ کے نام کا خطاب ہے اگرچہ تعداد میں کم ہے تاہم مظہر و محذوف دونوں انداز سے آنحضورؐ کو مخاطب فرمایا گیا ہے۔ مظہر خطاب کی مثال آیت نمبر ۴۱ اور ۶۷ میں موجود ہے:- یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۵/۴۱ اے رسولؐ! آپ کو وہ لوگ غمگین نہ کر دیں جو انکار میں جلدی کرتے ہیں۔

● دوسرا مظہر خطاب یہ ہے:- یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ○ ۵/۶۷ اے رسولؐ! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے ربّ کیطرف سے نازل ہُوا ہے۔ اُسے لوگوں تک پہنچا دیجئے گا۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (یاد رکھئے کہ) آپ نے اس کارِ رسالت کو انجام نہیں دیا۔ (ہمارا پیغام اگرچہ مُلّا، پیر اور سرمایہ دار، تینوں بااثر گروہوں کیخلاف ہے اور وہ اس کے عوض آپ کو ایذا پہنچانے کی پوری کوشش کرینگے۔) لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھیگا۔ بیشک انکار کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● آنحضورؐ کے نام قُل کے لفظ کیساتھ سات مرتبہ خطاب کیا گیا ہے۔ المختصر! قرآن کریم کی ذاتی حیثیت کو نگاہوں میں رکھنے سے حقیقت حال بصورتِ نصف النہار عیاں ہوجاتی ہے کہ سورۃ کے ابتدائی خطاب کا مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ساری سورۃ شریفہ میں یہی خطاب جاری رہے گا۔ اسی خطاب کو بار بار دہرایا بھی جاتا ہے اور حسب ضرورت اُسے بدلا بھی جاتا ہے۔

سابقہ سورت کیساتھ ربط

● سورۃ مائدہ کا سابقہ سورۃ کیساتھ مرکزی ربط یہ ہے کہ سورۃ نساء میں ذاتی ذاتی ملکیت کی نفی کی گئی ہے (دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم میں تفسیر آیات نمبر ۱۲۶-۱۳۱

۱۳۲ ۔ اور اس سورۃ مجیدہ المائدہ میں حضرت مسیحؑ کی سنتِ مبارکہ کی سند سے ایک ایسے معاشرہ کے قیام کی خبر دی گئی ہے جس میں ہر فردِ معاشرہ کے مائدہ (دسترخوان یعنی (ضروریاتِ زندگی میں سے) خصوصاً ضرورتِ خوراک کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور ہر فردِ معاشرہ سکھ کا سانس لینے کے قابل ہو جاتا ہے ۔ قرآن کریم نے ایسے معاشرہ کو سورۃ طٰہٰ کی آیات نمبر ۱۱۸-۱۱۹ میں جنّت کہا ہے اور سورہ مائدہ میں اُسے المائدہ کے نام سے منسوب کیا ہے ، یعنی بچھا ہوا دسترخوان کہ جس سے کسی کو رد کیا جا سکے اور نہ کسی کی کوئی احتیاج باقی رہے ۔

● اِس سورۃ مجیدہ کی آیات نمبر ۱۲ - ۱۳ میں آزاد اسلامی حکومت اور متوازن معاشرہ کو جنّت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔ اور تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰ پر سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۲ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ قرآن کریم نے فتح کی ضد شکست کو جہنّم کہا ہے ۔

● دُنیوی جنّت یعنی مائدہ کی پوری تفصیل اپنے مقام پر آیت مجیدہ ۵/۱۱۱ تا ۱۱۵ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں آگے آ رہی ہے سورۃ مجیدہ کے سلسلہ وار اور گہرے مطالعہ سے دُنیوی جنّت و جہنّم کی حقیقت نکھر کر سامنے آتی چلی جائیگی اِنْشَاءَ اللّٰہ ! اُخروی جنّت و جہنّم اپنے مقام پر برحق ہے ، جس کے انکار سے ایمان رُخصت ہو جاتا ہے ۔ لیکن اس سورۃ مجیدہ میں دُنیوی جنّت و جہنّم کی بھی پوری وضاحت کر دی گئی ہے جو آیت ۱۲ - ۱۳ ہی سے شروع ہو جاتی ہے ۔ اور اخیر تک مسلسل چلی جاتی ہے ۔

تصریفِ آیات کا قرآنی اسلوب

● سورۃ مائدہ شریفہ میں تصریف آیات کیساتھ سُود خور کی سزا بھی بتادی گئی ہے جو آیات نمبر ۳۳ - ۳۴ میں مذکور ہے ۔ قرآن کریم نے سود خوروں کو اسلامی حکومت کے باغیوں ، ڈاکوؤں کی سطح کے مجرم قرار دیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے باغی ، قانون شکن ، غیر مہذب ڈاکو ہیں ، مگر سُود خور مہذّب ڈاکو ہیں ۔ وہ ڈاکو رات کو ڈکیتی کی وارداتیں چھپ چھپ کر کرتے ہیں مگر سود خور ، یہ وارداتیں سفید چادروں پر گاؤ تکیے لگائے کھلے بندوں دن دہاڑے کرتے ہیں ۔ قرآن کریم نے سُود خوروں کو خدا تعالیٰ کے باغی قرار دیا اور ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے ۲/۲۷۹ ۔ یہ بحث سورۃ مائدہ کی آیات متعلقہ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں تصریف آیات کے ذریعہ اپنے مقام پر تفصیلاً آ رہی ہے ۔

نبیوں سے بازپرس

● سورۃ مائدہ کے اخیر میں حضرت مسیحؑ کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ قیامت کو ان سے پُوچھا جائیگا کہ کیا تم نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کیساتھ ملا کر تین اِلٰہ بنالو ۔ وہ جواب دینگے کہ میں نے ایسا نہیں کہا تھا ۔ بالفاظ دیگر سورۃ مجیدہ کا خاتمہ اس وضاحت پر کیا گیا ہے کہ نبیوں کو شفیع یا ان کیطرف منسوب صلیب وغیرہ کو کفارۂ گناہ قرار دینے سے نجات ممکن نہیں بلکہ صرف اور صرف اطاعت پر منحصر ہے ، چنانچہ ضابطۂ خداوندی کی اطاعت پر زور دیتے ہوئے سُورۃ زیرِ نظر کو یوں شروع کیا گیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۵

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو پورے کرو عہد

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى

حلال کئے گئے واسطے تمہارے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے سوائے اسکے جو پڑھا جائیگا

عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط

اوپر تمہارے نہ حلال کرنیوالے شکار کے اور جب ہو تم بحالت حرمت

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ ۱

بیشک اللہ حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

ایمان والو! سب عہد پورے کرو (جو پہلے ضابطہ قرآن مجید کی رُو سے تم پر لازم آتے ہیں۔ اسی ضمن میں) تمہارے لئے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے حلال کئے گئے ہیں (ان میں سے) سوائے اُسکے جو تم پر پڑھا جائیگا۔ اور جب تم حرمت کی حالت (یعنی ایام حج) میں ہو تو (مذکورہ حلال جانوروں کے) شکار کو حلال جاننے والے نہ ہونا۔ (اس عہد کو بھی پورا کرو) بلا شُبہ اللہ تعالیٰ وہی حکم کرتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ (اُس کا ہر ارادہ تمہاری آسانی کے لئے ہے)۔

- عا اوفوا بالعقود میں وہ تمام عہد آ گئے جو الّذین اٰمنوا میں موجود ہیں کہ مومن خدا تعالیٰ کی پوری فرمانبرداری کا عہد کرتا ہے۔
- عا بھیمہ کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے "جگالی کرنیوالے" اسکی مکمل بحث آگے الگ سُرخی کے تحت آ رہی ہے۔
- عا انعام کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے "گھاس خور چوپائے" ثبوت کیلئے ملاحظہ فرمائیں الانعام کی قرآنی لُغت۔ سورۃ طٰہٰ میں آیا ہے:- وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۵ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ $\frac{۲۰}{۵۳-۵۴}$ = اور وہ (اللہ) آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر ہم اُس کیساتھ (زمین سے) مختلف اقسام کی نباتات نکالتے ہیں۔ نباتات کو تم خود بھی کھاؤ اور اپنے گھاس خور چوپایوں کو بھی چراؤ —— اس آیت مجیدہ سے قرآنی لُغت کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ الانعام وہ چوپائے ہیں جو زمین سے پیدا شدہ نباتات (گھاس وغیرہ) چرتے ہیں۔ اب نباتات خور چوپایوں میں گائے، بھینس، اونٹ، بھیڑ بکری بھی ہیں اور گھوڑا گدھا وغیرہ بھی گھاس خور ہونیکی بدولت الانعام میں شامل ہیں۔

بھیمۃ الانعام سے مُراد ہے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے

اُوپر $\frac{۲۰}{۵۳-۵۴}$ کی قرآنی لُغت کیساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ الانعام کا قرآنی معنیٰ ہے نباتات یعنی گھاس چرنے والے چارپائے۔ اُوپر سُورۃ مائدہ کی آیت عا میں کہا گیا ہے کہ تمہارے لئے بھیمۃ الانعام حلال کئے گئے ہیں۔ یعنی الانعام میں سے بھیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے حلال فرمائے گئے ہیں۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھیمۃ الانعام کی پہچان کیا ہے؟ اسکے جواب کیلئے پہلے خدا تعالیٰ کا سورۃ نور میں ساری مخلوق کے متعلق ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیں:-

- وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ

یَمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ ط ۲۴/۴۵ = اور اللہ نے ہر جاندار پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر اُن میں سے بعض وہ ہے جو پیٹ کے بل چلتا ہے۔ اور اُن میں سے بعض وہ ہے جو دو پیروں پر چلتا ہے اور بعض وہ ہے جو چار پیروں پر چلتا ہے ۔ اُن میں پیٹ کے بل رینگنے والے سانپ، بچھو وغیرہ ہیں ۔ دو پیروں پر چلنے والے پرندے اور چار پیروں پر چلنے والے ہیں بھیڑ بکری، گائے بھینس، گھوڑا گدھا، کتا بلا اور شیر چیتا وغیرہ ۔ اسی سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۵ میں جو آگے آرہی ہے، چوپایوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں شکاری اور شکار۔ موذی اور غیر موذی یعنی درندے اور چرندے۔ قرآن مجید نے ان کے الگ الگ نام بتائے ہیں ۔ الجوارح اور الانعام ۔ زخم دینے والے گوشت خور (یعنی شکاری) اور گھاس کھانیوالے (یعنے شکار) آیت زیر بحث ۵/۱ میں جو کہا گیا ہے اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ ۔ تو اس سے کھل کر ثابت ہوچکا کہ الانعام ، یعنی گھاس کھانیوالے چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے کھانے کے لئے حلال کئے گئے ہیں۔ الجوارح یعنی زخم دینے والے شکاری، گوشت خور چوپائے مطلقاً حرام ہیں ۔ اُنکی کوئی بھی قسم حلال نہیں خواہ وہ شیر چیتا وغیرہ قسم کے اونچے درجے کے شکاری چوپائے ہوں، خواہ لومڑ اور گیدڑ وغیرہ قسم کے نچلے درجے کے شکاری گوشت خور چوپائے ہوں ۔ اس تمہید کے بعد :۔

● یہاں پہنچ کر ابھی سابقہ سوال بدستور قائم ہے کہ جب آیت مجیدہ ۵/۱ میں الانعام یعنی گھاس خور چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے چوپائے حلال کئے گئے ہیں تو ان کی قرآنی پہچان کیا ہے ؟ اسکے لئے قرآن مجید کے مستقل اسلوب تفسیر، تصریف آیات ۵/۶۵ + ۵/۱۰۵ کے مطابق ذیل کی متقابل آیات مجیدہ ملاحظہ فرمائیں ۔ دائیں طرف آیت مجیدہ ۵/۱ درج ہے اور بائیں طرف اسکی تفسیر کرنیوالی آیات مجیدہ ۶/۱۴۲ تا ۱۴۴ درج ہیں :۔

آیت حلت بھیمۃ الانعام	آیات تفسیر بھیمۃ الانعام
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ...... اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ ۵/۱	وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَۃً وَّفَرْشًا کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ـــ ۵ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ـــ ۵ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ۶/۱۴۲ تا ۱۴۴
(مفہوم) ایمان والو! ...... تمہارے لئے الانعام (یعنی گھاس چرنیوالے) چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے چوپائے حلال کئے گئے ہیں ۔	(مفہوم) اور گھاس چرنیوالے چوپایوں میں سے کچھ لدو ہیں اور کچھ پست قد ہیں ۔ اللہ نے جو تمہیں چرنیوالے چوپائے عطا کئے ہیں اُن میں سے آٹھ قسمیں کھایا کرو، بھیڑ نر مادہ کی قسم، بکری نر مادہ کی قسم، اُونٹ نر مادہ کی قسم اور گائے نر مادہ کی قسم ۔

• اب غور فرمائیں کہ دائیں طرف بھیمۃ الانعام کو حلال بتایا گیا ہے۔ اور بائیں طرف آٹھ قسمیں۔ بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے نر مادہ کے کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ آٹھوں قسمیں بھیمۃ الانعام ہیں۔ نیز یاد رہے کہ اَلضّان، اَلمعز، اَلابل اور اَلبقر میں الف لام عہدی ذہنی ہے، جس میں اثنین کی قرآنی خبر کے مطابق نر و مادہ دونوں شامل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ہر وُہ چوپایہ بھیمۃ الانعام میں شامل ہے جو ان آٹھ قسموں میں اُس صفت کے لحاظ سے شامل ہو، جو مذکورہ آٹھوں قسموں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔ اب اور آگے پڑھئے۔

• اوپر ۲۲ کے حوالہ سے بتایا جا چکا ہے کہ گھاس کھانے والے سب چارپائے الانعام میں داخل ہیں۔ لیکن ۱ کی قرآنی خبر کے مطابق الانعام میں سے حلال صرف بھیمۃ الانعام ہیں۔ گھوڑا، گدھا اور خچر بھی چونکہ گھاس کھاتے ہیں، لہٰذا یہ الانعام میں تو شامل ہیں۔ مگر حلال نہیں ہیں۔ کیونکہ ۹ ۷/۴۰ میں بتایا گیا ہے کہ:۔ "تمہارے لئے اللہ نے الانعام پیدا کئے ہیں جن میں سے بعض سواری کے لئے ہیں اور بعض کھانے کے لئے ہیں۔ نیز ۸/۱۶ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کے لئے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ تینوں نوعیں گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کیلئے حلال ہیں کھانے کے لئے نہیں۔

حِلّت کا تمیزی نشان جُگالی ہے

• اب بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے کھانے کے لئے حلال ہیں اور گھوڑا گدھا خچر وغیرہ سواری کیلئے حلال مگر کھانے کیلئے حرام ہیں پس قرآنِ کریم کی رو سے چوپایوں کا مخصوص تمیزی نشان وُہ ہے جو بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے اور گھوڑے خچر اور گدھے میں مشترکہ طور پر نہیں پایا جاتا۔ وُہ ہے جُگالی اور صرف جُگالی جو اول الذکر گھاس خور چوپایوں میں قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے اور مؤخر الذکر گھاس خور چوپایوں سے قدرِ مشترک کے طور پر غائب ہے۔

• آپ حلال جانوروں کے اس تمیزی نشان جُگالی کو لے کر کرۂ ارض کے گرد گھوم جائیں۔ آپ کو حلال و حرام چوپایوں میں امتیاز کرنے میں رائی برابر بھی دقت پیش نہیں آئے گی۔ نہ آپ کو غیر ملکی چوپایوں کا نام دریافت کرنا پڑے گا، نہ کسی کے عربی نام کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ فقہ کے حلال و حرام کی فہرستوں کے دفتر اپنے ساتھ اٹھائے پھرنے کی زحمت گوارا کرنا پڑے گی۔ یہ ہے قرآنِ کریم کا بتایا ہوا حلال و حرام چوپایوں کا تمیزی نشان۔ اس کے برعکس جو لوگ قرآنِ حکیم کو نامکمل قرار دے کر کتا، بلا، ریچھ، بندر وغیرہ کی حرمت کی سند غیر اللہ کتابوں سے حاصل کرتے ہیں، ہمارا یہ چیلنج ہے کہ اپنی فہرستیں دیکھ کر بتائیں کہ جنوبی امریکہ کا جاگور، ٹاپیر، الاما، الپاکا، ریا، کنڈر، ارمادلو اور سلوتھ حلال ہیں یا حرام؟ نیز سائبیریا کا ڈینڈیر، آسٹریلیا کا کنگرو اور افریقہ کا زیبلا کون سی فہرست میں درج ہیں؟ حلال کی فہرست میں یا حرام کی فہرست میں؟

● پورے حتم و یقین کیساتھ کہا جاسکتا ہے کہ فقہ کی حلال و حرام کی فہرستیں مذکورہ بالا جانوروں کی حلّت و حرمت کا فیصلہ دینے سے یکسر قاصر ہیں، کیونکہ وُہ حلّت و حرمت کے تمیزی نشان کی نشاندہی کرنے کی بجائے جانوروں کے ناموں کیساتھ حلال اور حرام کی خبر دیتی ہیں اس لئے کرۂ ارض کے تمام چوپایوں کی حلّت و حرمت کی خبر دینا فقہ کے بس کا روگ نہیں۔ یہ خداوندِ عزّ و جلّ کی پاک کتاب قرآنِ کریم ہی کی شان ہے جس نے پورے کرۂ ارض پر پائے جانیوالے چوپایوں کی حِلّت و حُرمت کا تمیزی نشان بتا کر فیصلہ کر دیا ہے کہ نہ چوپایوں کے مُلکی نام دریافت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اُن کے عربی ناموں کے کھوج لگانے سے کوئی غرض ہے۔ کیوں کہ حلّت و حرمت کے قرآنی تمیزی نشان سے اس راستے کی تمام رکاوٹوں کو دُور کرکے رکھدیا گیا ہے کہ ہر جُگالی کرنیوالا چوپایہ حلال ہے اور نہ کرنے والا حرام۔

جُگالی کرنیوالے چوپایوں کا ایک مخصوص تمیزی نشان

● پھر ذاتِ باری نے جُگالی کرنے والے چوپایوں میں ایک مخصوص نشان یہ رکھدیا ہے کہ جتنے بھی جگالی کرنیوالے چوپائے ہیں۔ اُن سب کے سامنے کے نیچے کے دانت تو ہوتے ہیں مگر اُوپر کے دانت ہرگز نہیں ہوتے۔ چوپایوں کی حلّت کے اس مخصوص خداوندی نشان نے اس گوشے میں مزید آسانی پیدا کر دی ہے کہ بالفرض آپ کسی غیر مُلک کے جنگل میں موجود ہیں۔ آپ کسی جنگلی چوپائے کا شکار کرتے ہیں۔ وُہ زخمی ہو کر آپ کے قبضے میں آجاتا ہے۔ اب آپ کے لئے یہ امر صد فیصد ناممکن ہے کہ آپ اُسے جگالی کرتے ہوئے دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچیں کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ اس لئے ذاتِ باری کے پیدا کردہ جُگالی کرنیوالے چوپایوں کے اس مخصوص نشان کو دیکھ لیں کہ اُس کے سامنے کے نیچے والے دانت موجود اور اوپر والے ندارد ہیں تو بڑے شوق سے ذبح کرکے کباب بنائیں اور جنگل میں حلال کبابوں کیساتھ بھوک مٹائیں۔ الختصر! حلال چوپایوں کا مشترکہ نشان جگالی ہے اور جگالی کرنیوالے چوپایوں کا مشترکہ نشان ہے سامنے کے اوپر والے دانتوں کا نہ ہونا۔

رجوع الی المطلوب

● آیتِ مجیدہ ۵ میں چوپایوں کی حِلّت و حُرمت کا تمیزی نشان بتاتے اور حلّت و حُرمت کے حُکم کی پُوری پُوری پابندی کی تاکید کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اَے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کے شعائر یعنی اُس کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔ یوں تو ساری کائنات شعائر اللہ ہے۔ یہاں پر چند ایک بیان ہوئی ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ حلال کرنا نشانیوں اللہ کو اور

اے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید) پر ایمان لائے ہو تم اللہ کی جملہ نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔ اور نہ حرمت والے (کسی بھی) مہینے کی[1] اور نہ

لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ
نہ مہینے حرمت والے کو اور نہ ہدی کو اور پٹے والے جانوروں کو
وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنْ
اور نہ آنیوالوں گھر حرمت والے کو، چاہتے ہیں وہ فضل طرف سے
رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ
رب اپنے کے اور مطابق رضا کے۔ اور جب حلال ہو جاؤ تم تو شکار کرو
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ
اور نہ مجرم کرے تم کو دشمنی اُس قوم کی کہ روکا انہوں نے تم کو طرف
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ
مسجد حرمت والی کے کہ تم زیادتی کرو۔ اور تم تعاون کرو اوپر بھلائی
وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ
کے اور بچاؤ کے۔ اور نہ تعاون کرو تم اوپر گناہ اور ظلم کے
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾
اور بچو مخالفت اللہ سے۔ بلاشبہ اللہ سخت ہے عذاب کرنے میں۔

بیت اللہ کے تحائف[۲] کی اور نہ حج کے موقعہ پر بیت اللہ میں پیش کئے جانیوالے جانوروں[۳] کی۔ اور نہ بیت الحرام میں آنیوالوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں[۴] (یعنی جو اجتماع حج میں رضائے الٰہی کے مطابق تلاشِ معاش کرتے ہیں، اور جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ تو پھر تمہیں (بری) شکار کرنے کی اجازت ہے۔ (ایام حج میں (بری) شکار کرنا حرام کر دیا گیا ہے)[۵] اور یاد رکھو کہ تمہیں اُس قوم کی دشمنی جس نے تمہیں حرمت والی مسجد (بیت اللہ شریف سے) روکدیا تھا۔ اس جرم کی مجرم نہ کردے کہ تم اُس کے ساتھ زیادتی کر دو[۶] (دشمنوں کیساتھ بھی انصاف کرنا) اور تم (آپس میں ایکدوسرے کیساتھ بھی، اور دوسری قوموں کیساتھ بھی) بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنا اور گناہ کے کاموں اور ظلم و سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کرنا[۷] اور بچو تم اللہ تعالیٰ (کے حکموں) کی مخالفت سے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (مجرموں[۸] کو) عذاب کرنے میں بہت سخت ہے۔

حُرمت والے مہینوں کی بے حُرمتی نہ کرو

• **عا** آیت بالا میں ذاتِ باری نے اپنی نشانیوں کی بے حُرمتی سے انتہائی سختی کیساتھ منع فرمایا ہے۔ اور ان میں سرفہرست بیان فرمایا ہے حرمت والے مہینوں کو۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم امنِ عالم کا علمبردار ہے۔ باری تعالیٰ نے عالمی امن قائم رکھنے کے لئے حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس کا حکم دے رکھا ہے اور اس سالانہ امن کانفرنس کے قیام کے لئے چار مہینوں کے لئے جنگ کرنا مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے۔

• إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ ۹/۳۶ بلاشبہ اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب (کائنات) میں مہینوں کی گنتی اُس دن بارہ ہے جب اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ ان میں سے چار مہینے حُرمت والے ہیں۔ (قیامِ امنِ عالم

کیلئے)۔ یہی قانون سیدھا ہے (جس میں کوئی پیچ وخم نہیں ہے)۔ اسی سورہ توبہ میں، امنِ عالم میں خلل ڈالنے والے مفسدوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے:۔
• فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۹/۲
پس تم (حُرمت کے) چار مہینے زمین میں چل پھر لو۔ اور جانے رہو کہ تم اللّٰہ کو عاجز کرنیوالے نہیں ہو۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید) کے منکروں کو رسوا کرنیوالا ہے۔ آگے اِسی سورہ توبہ کی آئت نمبر ۵ میں مومنوں کو ارشاد ہوا ہے:۔
• فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ۹/۵ = (ایمان والو!) پھر جب حُرمت والے) چار مہینے گزر جائیں تو (فسادی) مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو ـــ المختصر! باری تعالیٰ نے سال میں چار مہینوں کیلئے حکماً جنگ بندی مقرر فرما دی ہے تاکہ حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس کے لئے عام راستے محفوظ اور بے خطر ہو جائیں اور متحارب قوموں کے تمام متنازعہ مسائل امن کانفرنس میں پیش کرکے بلا جنگ وجدال طے کئے جائیں۔ آئت بالا میں خداوند تعالیٰ نے امنِ عالم کے قیام کے لئے حرمت والے چار مہینوں کو جن میں حکماً جنگ بندی کر دی گئی ہے۔ اپنے شعائر میں سرِ فہرست رکھا ہے۔

حُرمت والے مہینے کون کونسے ہیں

• کتبِ روایات نے حُرمت والے مہینے یہ بتائے ہیں: محرّم، رجب، ذیقعد اور ذی الحج۔ لیکن چونکہ یہ مسلسل اور متواتر نہیں، بلکہ کٹویں ہیں، یعنی محرّم اور رجب کے درمیان پانچ مہینوں کا فاصلہ ہے۔ اس لئے یہ قرآنی میزان پر پُورے نہیں اُترتے۔ کیونکہ آپ اُوپر دیکھ چکے ہیں، ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حُرمت کے چار مہینوں میں سالانہ عالمی امن کانفرنس کیلئے کوئی جنگ نہ کی جائے۔ لیکن جب چار مہینے حرمت والے گزر جائیں = فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ تو فسادی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو تاکہ فساد ختم ہو جائے۔ اب غور فرمائیں کہ ارشادِ باری ہے جب حرمت کے چار مہینے گزر جائیں مگر چونکہ حرمت کے روایتی چار مہینے گزارتے ہوئے نو مہینے گزر جاتے ہیں، اس لئے یہ غیر قرآنی اور خود ایجاد کردہ ہیں۔ قرآن مجید نے جو حُرمت کے چار مہینے بتائے ہیں وہ کٹویں نہیں ہیں، بلکہ حج کے مہینے کیساتھ مسلسل مربوط ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان کے مُطابق حُرمت کے چار مہینوں کی نشاندہی باندازِ ذیل کی ہے:۔

قرآن مجید کے بتائے ہوئے حُرمت کے چار مہینے

• سورہ بقرہ میں روزوں کی گنتی بتاتے ہوئے ارشاد ہُوا:۔
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۲/۱۸۵ روزوں کی گنتی رمضان کا پورا مہینہ ہے (۲۹ یا ۳۰ دن)۔ باری تعالیٰ نے رمضان شریف سے متعلقہ مسائل کی وضاحت کے بعد

جنگِ جہاد کے مسائل بیان کرتے ہُوئے حُرمت والے مہینوں کا ذکر باندازِ ذیل فرمایا ہے:۔

● اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۲/۱۹۴ حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہی ہے اور (تین) حرمت والے مہینوں کا بدلہ بھی وہ تین مہینے ہیں۔ (اگر دشمن حرمت والے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو تم حُرمت والے مہینوں ہی میں اُس سے بدلہ چکا لیا کرو۔ یعنی حُرمت کے مہینوں ہی میں اُس کے دانت توڑ دیا کرو)۔

اَب غور فرمائیں

● آیتِ بالا ۲/۱۹۴ میں اَلشَّھْرُ الحرام کے الفاظ آئے ہیں۔ یہاں الشھر کا الف لام عہدی ذکری ہے کیونکہ ما قبل ذکر آچکا ہے شَھْرُ رَمَضَانَ کے الفاظ میں ماہِ رمضان کا۔ پس حرمت کا پہلا مہینہ تو ہُوا رمضان شریف کا اور اُس کے بعد آیا ہے حُرُمٰت بصیغہ جمع۔ چونکہ حرمت والے مہینوں کی گنتی ۹/۳۶ میں چار بتا دی گئی ہے۔ اس لئے حُرُمٰت کی جمع سے تین ہی مہینے حُرمت والے مراد ہیں نیز چونکہ ۹/۵ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ کے الفاظ سے ثابت ہے کہ حرمت والے مہینے پے در پے آتے ہیں۔ جو یکے بعد دیگرے مسلسل گزر جاتے ہیں۔ اس لئے بصورتِ نصف النّہار ثابت ہوا کہ باقی تین مہینے رمضان شریف کے ساتھ والے عین اگلے ہیں:۔ شوال، ذی قعد اور ذی الحج۔ رمضان کے بعد یہ تینوں مسلسل اور مربوط ہیں۔ پس قرآن مجید کے مطابق حرمت والے چار مہینے ہیں:۔

● رمضان، شوال، ذیقعد اور ذی الحج جو مسلسل ہیں اور یکے بعد دیگر یکبارگی گزر جانے کی بدولت قرآنی میزان پر پُورے اُترتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ ۵/۲ میں اِن کے متعلق ارشاد ہُوا ہے کہ اگر دشمن حرمت والے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو تم نے مار نہیں کھانا۔ بلکہ اُنہی مہینوں میں اُس کے حملہ کا دندان شکن جواب دینا ہے

نیازِ کعبہ کے تحفوں کی بے حرمتی نہ کرو

● ۵/۲ لفظ ھدی کا سہ حرفی مادہ ھ۔ د۔ ی = ھدی ہے جس کا مصدری معنی آگے ہوتا ہے۔ اسی لئے راستہ بتانے والے کو جو راستہ بتاتے وقت آگے آگے ہوتا ہے ھَادِیٌ کہتے ہیں نیز تحفہ چونکہ آگے رکھا جاتا، آگے پیش کیا جاتا ہے اس لئے تحفے کی ہر چیز کو ھدیہ کہتے ہیں جس کی جمع ہے ھدی۔ آیتِ صدر میں اَلْھَدْیَ پر الف لام تخصیص کا آیا ہے۔ اس لئے یہاں الھدی سے مراد وُہ تحائف ہیں جو نیازِ کعبہ کے لئے حاجی لوگ حج کے موقعہ پر اپنے ساتھ لے جائیں۔ خواہ وُہ از قسم نقدی، کپڑا، جنس ہوں یا از قسم ذبح کئے جانیوالے چوپائے ہوں۔ آیت مجیدہ میں ان تحائف کی بے حُرمتی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ نیازِ کعبہ کی ھدی کی بے حرمتی یہ ہے کہ اُسے جائز مقام پر خرچ کرنے کی بجائے ناجائز خرچ کیا جائے۔ واضح رہے کہ حج چونکہ سالانہ عالمی امن کانفرنس ہے اس لئے اس موقعہ پر پیش کی جانیوالی سب کی سب ھدی یا تو مہمانوں کی خدمت پر خرچ ہونی چاہئیں اور یا

کعبہ مکرمہ کے عالمی امن مرکز کو اس قدر مضبوط کرنے پر خرچ کی جانی چاہئیں کہ پوری دُنیا میں یہ مرکز سب سے زیادہ طاقتور ہوتا کہ وُہ سالانہ عالمی امن کانفرنس میں کئے گئے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کی طاقت بھی رکھتا ہو یو۔این۔او کے عالمی امن مرکز کی طرح نہ ہو کہ وُہ فیصلہ تو کر دے کہ بھارت کشمیر میں رائے شماری کرائے۔ مگر اپنے اِس فیصلے پر عمل کرانے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح یو۔این۔او یہ فیصلہ تو کر دے کہ اسرائیلی حکومت عربوں کے دبائے ہوئے علاقے خالی کر دے مگر خالی کرا نہ سکے۔ پس الھدی کی بے حرمتی یہ ہے کہ عالمی امن مرکز کے کرتا دھرتا اُس مال کو اس طرح خرچ کریں کہ وُہ خُود تو عیش کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور عالمی امن مرکز کرۂ ارض کی بیشتر حکومتوں سے کمزور رہے۔ حتیٰ کہ خود اہلِ اسلام کو اپنے متنازعہ فیہ مسائل کیلئے کسی اور نام نہاد امن مرکز کی طرف رجوع کرنا پڑے۔

نیازِ کعبہ یعنی قربانی کے جانوروں کی بےحرمتی نہ کرو

● ۳؎ لفظ القلائد جمع ہے القلادہ کی، جس کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ل۔د = قلد، جس کے بنیادی معنے بٹی ہوئی رسّی کے ہیں۔ الاقلید کہتے ہیں اونٹ کی نکیل کی رسّی کو۔ چونکہ دیہاتیوں کے ہاں بٹی ہوئی رسی چوپایوں کے گلے میں ڈالی جاتی ہے اس لئے جو رسّی چوپایوں کے گلے میں ڈالی جائے اسے بھی قلادہ کہا جاتا ہے۔ پھر گھر میں پالے جانیوالے جانوروں کے گلے میں جو شوق کیساتھ خوب صورت پٹہ یا گانی وغیرہ ڈالی جاتی ہے اُسے بھی قلادہ کہا جاتا ہے، جس کی جمع ہے قلائد۔ آیت زیرِ بحث میں چونکہ قلائد پر الف لام تخصیص کا آیا ہے، القلائد کی صورت میں، اس لئے اس سے مراد ہیں وُہ چوپائے جو پٹہ ڈال کر نیازِ کعبہ کیلئے گھر پر پالے جائیں۔ پھر چونکہ نیازِ کعبہ کیلئے گھر پر پالنے کی بجائے بازار سے بھی حلال چوپائے خرید لئے جاتے ہیں۔ اس لئے القلائد سے وُہ تمام حلال چوپائے بھی مراد ہیں جو نیازِ کعبہ کے طور پر پیش کئے جائیں جنہیں عرفِ عام میں قُربانی کے جانور کہا جاتا ہے۔ اب القلائد یعنی قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی یہ ہے کہ انہیں ذبح کر کے چھوڑ دیا جائے اور پھر انہیں ریت میں دبا دیا جائے۔ آیت زیرِ نظر میں اس بے حرمتی سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔

بیت اللہ کا قصد کرنیوالوں کی بے حرمتی نہ کرو

● ۴؎ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ کا معنیٰ ہے بیت اللہ شریف کا قصد کرنیوالے۔ آمّین اسم فاعل ہے اَمّ سے، جس کا مصدری معنیٰ ہے قصد کرنا۔ یہاں بیت اللہ شریف کا قصد کرنیوالوں میں سے یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا کے الفاظ میں اُن لوگوں کو مخصوص کر دیا گیا ہے جو حج کے سفر میں اللہ کی رضا کے مطابق اُس کا فضل تلاش کریں یعنی وُہ اللہ کی رضا کے مطابق کسی بھی جائز طریقے سے کاروبار کر کے تلاشِ معاش کر سکتے ہیں۔ اہلِ اسلام کے ہاں یہ غیر قرآنی عقیدہ چل رہا ہے کہ حج کے سفر میں کاروبار کرنا حرام ہے۔ حالانکہ آیتِ بالا کے علاوہ سورہ بقرہ کی آیتِ ذیل نمبر ۱۹۸/۲ میں بھی حج

کے سفر میں حاجیوں کیلئے کاروبار، محنت مشقّت اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ تلاشِ معاش کی اجازت ہے۔ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْؕ تم پر کوئی ہرج نہیں ہے کہ تم حج کے سفر میں (اللہ کی رضا کے مطابق (۲/۱۹۸) کام کرکے) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

● پس ایسے حاجیوں کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے جو حج کے سفر میں ایّامِ حج سے ماقبل یا مابعد محنت مشقّت، دستکاری یا تجارت کے ذریعہ تلاشِ معاش کریں۔ ایسے لوگوں کو طعنے دینا کہ تم ایسے بھوکے ننگے اور قلّاش ہو یا اتنے لالچی اور حریص ہو کہ حج کے سفر میں بھی کمائی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو، یہ اُن کی بے حرمتی ہے جس سے منع کر دیا گیا ہے۔ اگر سفرِ حج میں کسی حاجی کا سفر خرچ ختم ہو جائے تو بجائے اس کے کہ وہ دُوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرے، کیا یہ بہتر نہیں کہ وُہ محنت مشقّت یا صنعت و تجارت میں سے جو فن بھی جانتا ہو، اُسکے ذریعہ سفر خرچ بنا کر کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ذلّت سے بچ جائے۔ اور اگر وُہ زیادہ مال کما کر گھر بھی لے آئے تو آیاتِ مجیدہ ۲/۱۹۸ اور ۵/۲ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے۔ اور ایسے حاجیوں کو طعنے دیکر اُن کی بے حرمتی، بے عزتی اور رسوائی سے مطلقاً منع کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے جسمانی محنت یا فنی مہارت کیساتھ کما کر اپنی آن اور عزّتِ نفس کو محفوظ کرنیوالے افراد بھی شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

ایّامِ حج میں بّری شکار حرام ہے

● ۵/۲ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایّامِ حج میں بّری شکار نہ کیا جائے، بلکہ اس عشرہ کے بعد جب حج سے فارغ ہو جائیں تو پھر بّری شکار کریں۔ کیونکہ ایّامِ حج میں جب دُور دُور اطراف و اکناف سے حاجی لوگ بیت اللہ شریف کے ارد گرد جمع ہوں تو ممکن ہے کہ شکاری فائر تو کرے یہ سمجھ کر کہ وُہ ہرن وغیرہ کسی شکار کو نشانہ بنا رہا ہے، مگر وُہ کوئی آدمی ہو جو قضائے حاجت کیلئے دور نکل آیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امنِ عالم اس قدر عزیز ہے کہ حج کی سالانہ امن کانفرنس میں شریک ہونیوالے ہر فرد کو بھی شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں میں داخل کر رکھا ہے۔ چونکہ ایّامِ حج میں بّری شکار کے ذریعہ کسی بھی ایسے فرد کی بے حرمتی کا احتمال ہے اس لئے بّری شکار حرام کر دیا گیا ہے۔

● اسی سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵/۱ میں بھی غیر محلّی الصّید وانتم حرمٌ (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے) کے الفاظ میں بھی ایّامِ حج میں بّری شکار حرام کر دیا گیا ہے اور آگے آیت نمبر ۵/۹۵ میں بھی تکرارِ تاکیدی کے طور پر ارشاد ہوا ہے۔

● یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ ۵/۹۵ = ایمان والو! جب تم ایّامِ حج میں ہو تو (بّری) شکار مت مارا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ سوال بار بار ابھر رہا ہو کہ ہمنے اَلصَّیْد کا معنیٰ بّری شکار کیوں

کیا ہے جبکہ یہاں برّی کیلئے متن میں کوئی لفظ مذکورہ بالا آیتوں میں سے کسی بھی آیت میں نہیں آیا۔ جواباً عرض ہے کہ الصّید پر الف لام تخصیص کا آیا ہے جس سے مراد برّی شکار ہے اور اس پر قرآنی دلیل اگلی آیت نمبر ۹۶/۵ میں بالفاظ ذیل موجود ہے • اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۹۶/۵ اور تمہارے لئے (ایّام حج میں) بحری شکار کرنا اور اُس کا کھانا حلال کیا گیا ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدے کیلئے، اور تم پر برّی شکار (ایام حج میں) حرام کردیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص ایّام حج میں جان بُوجھ کر برّی شکار کرے تو وُہ قرآنی سزا کا مستحق ہے

• اگر کوئی شخص دورانِ ایّام حج برّی شکار کرے تو اسے ضابطۂ خداوندی میں ذیل کی سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے • وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۗ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۹۵/۵ اور جو کوئی تم میں سے اُسے (برّی شکار کو) جان بوجھ کر مارے تو اسکا بدلہ چار پایوں میں سے اُس کی مثل ہے جو مارا ہے۔ جس کا فیصلہ تم میں سے دو عدل والے (منصف) کریں۔ یہ ہدیہ کعبہ پہنچنے والا ہو۔ یہ کفّارہ ہے مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے رکھنا تاکہ وُہ اپنے جُرم (کی سزا) کا مزہ چکھے۔ جو اِس سے پہلے گزر گیا۔ وُہ اللہ نے معاف کردیا ہے۔ اور جو کوئی اس کے بعد اس کا اعادہ کرے تو اللہ اُسکو اُسکی سزا دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب سزا دینے والا ہے۔

دشمنوں کیساتھ انصاف کرنا

• ۶ـ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ ...... الخ میں صحابہ کرامؓ کو ارشاد ہوا ہے کہ کفّارِ مکّہ، جنہوں نے تمہیں مسجدِ حرام سے روک کر اپنی دشمنی کا ثبوت پیش کیا تھا، اقتدار میسّر آنے کے بعد تمہارے لئے یہ لائق نہیں کہ تم کو ان کی دُشمنی، اس جُرم کا مجرم کردے کہ تم اُن پر زیادتی کرو۔ بلکہ تم ان سے انصاف ہی کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ضابطہ ہی امن وسلامتی کا ہے۔ اِس کی رُو سے ہر مجرم کو اُسکے جُرم سے ذرہ بھر بھی زائد سزا نہیں دی جاتی۔ بلکہ اگر مجرم تائب ہو کر آئندہ کیلئے اصلاح کا اقرار کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔ اور اس چیز کی تاکید قرآن مجید کے اوّلین مخاطبین صحابہ کرامؓ کو تاکید کی گئی ہے اور اُن کے بعد ہر اُس قوم کو جو ضابطۂ خداوندی قرآن حکیم پر ایمان لائے، تاکید ہے کہ وُہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد دورِ جہالت کے طور طریقے مطلقاً ترک کردے۔ یعنی جو غیر مسلم اربابِ اقتدار کا طریقہ ہے کہ دُشمن کیساتھ انصاف کرنا ضروری سمجھا ہی نہیں جاتا۔ بلکہ کسی فرد بشر کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی پہچان ہی یہ ہے کہ وُہ اس کے حکموں کے مطابق دُشمنوں پر بھی زیادتی نہ کرے، بلکہ اُن کے ساتھ بھی پُورا پُورا انصاف ہی کرتا ہو۔

بھلائی کے کاموں میں تعاون کرو اور برائی کے کاموں میں ہرگز تعاون نہ کرنا

● وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ کا تعلق بھی سابقہ شق سے ہے جس میں دشمنوں کیساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم چونکہ انسان کی انفرادیت اور اجتماعیت دونوں سے متعلقہ احکام دیتا ہے۔ اس لئے انفرادی طور پر بھی اگر دو دوست ہیں اور ان کا کوئی مشترکہ دشمن ہے۔ اب اگر ان میں سے ایک دوست بھلائی کے کاموں میں دوسرے دوست سے تعاون کا طلبگار ہوتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ ضرور تعاون کرو۔ لیکن اگر ان میں سے ایک دوست اپنے مشترکہ دشمن پر گناہ وظلم کیساتھ زیادتی کرنے میں دوسرے دوست کے تعاون کا طلب گار ہو، تو ارشاد ہوتا ہے کہ ہرگز ہرگز تعاون نہ کرنا۔

● اور اسی طرح اجتماعی طور پر اگر دو دوست سلطنتیں ہیں اور کوئی سلطنت اُن کی مشترکہ دشمن ہے۔ اب اگر اُن میں سے ایک دوست سلطنت بھلائی کے کاموں میں اپنی دوست سلطنت سے تعاون کی متمنی ہو تو ارشاد ہوا ہے کہ ضرور ضرور تعاون کرو لیکن اگر ایک دوست سلطنت مشترکہ دشمن سلطنت پر گناہ وظلم کیساتھ زیادتی کرنے میں تعاون کی طلب گار ہو تو ارشاد باری ہے کہ اپنی دشمن سلطنت کے مقابلے پر بھی تعاون ہرگز ہرگز نہ کرنا۔

● یہی حال صدرِ ریاست اور اُسکے عمّال وعوام کا ہے، کہ صدرِ مملکت اصلاحی احکام نافذ کرے تو اس کے عمّال اور عوام کو حکم ہوتا ہے کہ برّ وتقوی یعنی بھلائی اور بچاؤ کے کاموں میں ضرور ضرور تعاون کرو۔ لیکن اگر صدرِ مملکت بھی گناہ اور ظلم پر مبنی احکام صادر کرے تو حکم ہوتا ہے کہ نہ اس کے عمّال اُس کے ساتھ تعاون کریں نہ عوام۔

● ۸ آیت مجیدہ ۲/۵ زیرِ بحث کے آخری جملے یہ ہیں:۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ چونکہ یہ آیت مجیدہ یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے ان دونوں جملوں کا معنٰی یہ ہے کہ: اے ایمان والو! بچو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنے احکام کی مخالفت کرنیوالوں کو) سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

خلاصۂ بحث

● المختصر! آیتِ بالا ۲/۵ زیرِ نظر میں اللہ تعالیٰ نے شعائر اللہ یعنی اپنی نشانیوں کی بے حرمتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اپنی ان گنت نشانیوں میں سے ذیل کی چند نشانیاں (یعنی شعائر اللہ) پیش فرمائی ہیں:۔

۱۔ حرمت والے مہینے اللہ کی نشانی ہیں۔ اُن میں جنگ چھیڑنا، ان کی بے حرمتی ہے۔ لیکن اگر دشمن حرمت کے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو حرمت والے مہینوں ہی میں اُسکو دندان شکن جواب دینا — حرمت والے مہینے کی بے حرمتی اُس نے کی ہے تم نے نہیں کی۔

۲۔ نیازِ کعبہ کے تحائف (ھدی) اللہ کی نشانی ہیں اُنہیں بے جا استعمال کرنا، ان کی بے حُرمتی ہے۔ یعنی بیت اللہ کے عالمی امن مرکز کے اربابِ بست و کشاد خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور یہ عالمی امن مرکز نہ عالمی مرکز بن سکے نہ طاقتور۔ ان تحائف سے مرکز کو طاقتور سے طاقتور بناتے چلے جاؤ تاکہ یہ فی الواقعہ عالمی امن مرکز بن سکے۔

۳۔ نیازِ کعبہ کے طور پر پیش کئے جانیوالے القلائد (عرف عام کے مطابق قربانی کے) جانور اللہ کی نشانی ہیں، انہیں ضرورت سے زائد ذبح کر کے ریت کی نذر کر دینا ان کی بے حُرمتی ہے۔ انہیں اتنے ذبح کرو جتنے کھائے جا سکیں۔ جو جانور بچ رہیں ان کی خطیر رقوم کیساتھ مرکز کو مضبوط اور مضبوط تر کرتے چلے جاؤ تاکہ یہ فی الواقعہ مضبوط عالمی مرکز بن جائے۔

۴۔ حجِ بیت اللہ کا قصد کرنیوالوں میں سے جو لوگ جائز طریقے سے تلاش معاش کریں وہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں یعنی اللہ کی نشانی ہیں۔ انہیں طعنے دینا ان کی بے حرمتی ہے۔ دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے کما کر سفر خرچ کی کمی پوری کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

۵۔ ایامِ حج میں برّی شکار کی حرمت بھی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ ایّامِ حج میں برّی شکار کر کے اس حرمت کی بے حرمتی نہ کرنا۔ جب حج سے فارغ ہو جاؤ تو پھر برّی شکار کر سکتے ہو۔ ان ایام میں بحری شکار حلال ہے $\frac{5}{96}$۔

۶۔ اے صحابۂ رسول ﷺ! تمہارے جن دشمنوں نے تمہیں بیت اللہ شریف سے روک دیا تھا۔ جب وہ مغلوب ہو جائیں تو تم اُن کے ساتھ بھی انصاف کرنا۔ دشمنوں کیساتھ انصاف کرنا بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ اس حکم کی مخالفت کر کے اس کی بے حرمتی نہ کرنا۔ تمہیں اُس قوم کی دشمنی بے انصافی کا مجرم نہ بنا دے جس نے تمہیں بیت اللہ سے روک دیا تھا۔

۷۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں انداز سے بھلائی اور تقویٰ کے کاموں میں ایکدوسرے کیساتھ تعاون کرنا اور گناہ و ظلم کے کاموں میں تعاون نہ کرنے کا خداوندی حکم بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ اس حکم کی مخالفت کر کے اس کی بے حرمتی نہ کرنا۔

● اخیر پر ارشاد ہوا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ حکموں کی مخالفت سے بچو (ورنہ یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ اُس کے احکام کی مخالفت کرنیوالوں کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

● دیکھیئے! آیت بالا ۲ میں آیت ۱ کے اوّلین حکم اَوْفُوا بِالْعُقُودِ کے ماتحت مندرجہ بالا تمام احکامِ خداوندی کو پورا کرنے اور اللہ کی منہیات سے پوری طرح احتراز کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اب اگلی آیت

مجیدہ میں، آیت اول کے جملہ "اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ" والی استثنا کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں کہ ان چیزوں کی وضاحت کر دی گئی ہے جو خود حلال جانوروں کی حرام ہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ

حرام کیا گیا تم پر ہر قسم مردہ۔ اور خون اور

لَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ

گوشت غدود کا اور جو منسوب ہوا غیر اللہ کی طرف ساتھ اسکے

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا

اور گلا گھٹا اور چوٹ لگا اور گر کر مرا اور سینگ لگا اور جسے

أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى

کھالیا درندے نے سوائے جو ذبح کیا تم نے اور جو ذبح ہوا اوپر

النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ

مزار کے اور یہ کہ تقسیم کرو تم ساتھ فالوں کے۔ یہ ہے

فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ

قانون شکنی۔ آج مایوس ہوگئے وہ لوگ جو کافر ہوئے، سے

دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ

دین تمہارے۔ پس نہ ڈرو اُن سے اور ڈرو مجھ سے ہر زمانہ

أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

مکمل کردیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا اور پوری کی میں نے اوپر تمہارے

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي

نعمت اپنی اور پسند کیا میں نے واسطے تمہارے فرمانبرداری کو دین۔ پھر جو ہوئے

مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣﴾

قرار بھوک سے نہ جھکنے والا واسطے گناہ کے پس بیشک اللہ بچانے والا مہربان

(ایمان والو!) حرام کیا گیا ہے تم پر (جگالی کرنے والے چوپایوں کا (ہر قسم کا مردہ ہے[1] اور ہر قسم کا خون[2] اور غدود[3] کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ کیطرف منسوب کیا گیا ہو[4]، اور وہ جو گلا گھٹ کر مرگیا[5] اور وہ جو چوٹ لگنے سے مرگیا[6] اور وہ جو گر کر مرگیا[7] اور وہ جو سینگ لگ کر مرگیا[8] اور جسے کسی درندے نے کھالیا[9] سوائے اُس کے جسے تم نے (ذبح کرکے خون سے) پاک کرلیا۔ اور وہ جو کسی استھان خانقاہ پر ذبح ہوا[10] اور یہ کہ (انکا گوشت) تم قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کرو[11] یہ سب حدود شکنی ہے۔ آج کے دن وہ لوگ جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کیا ہے تمہارے دین سے مایوس ہوگئے ہیں۔ پس تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو (اے نوعِ انسانی!) ہر زمانے میں مَیں نے تمہارے لئے تمہارا ضابطۂ حیات مکمل کردیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت (کتاب) پوری کردی۔ اور تمہارے لئے اپنی فرمانبرداری کو اپنا ضابطۂ حیات پسند فرمایا۔ پھر جو کوئی بھوک سے بے چین ہوجائے (تو جان بچانے کیلئے مذکورہ بالا حرام چیزیں کھا سکتا ہے مگر) وہ گناہ (نافرمانی) کی طرف جھکنے والا نہ ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ (مجبوری کی حالت میں جان بچانے کیلئے) بچاؤ دینے والا ہے۔ اور رحمت فرمانے والا ہے۔

عـ۱ تا ۱۱ یہ ہے ۵ میں آمدہ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ کی تفصیل کہ جگالی کرنیوالے حلال جانوروں میں مذکورہ بالا نمبر زدہ گیارہ چیزیں حرام ہیں۔

لحم الخنزیر

● اس آیت مجیدہ میں آمدہ مرکّب اضافی لحم الخنزیر سے عام تراجم میں سؤر کا گوشت مراد لیا گیا ہے۔ اور اس طرح سؤر کی حُرمت اس آیت سے ثابت کی جاتی ہے۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے ۵/۱ میں گھاس کھانیوالے چوپایوں میں سے بہیمہ قسم یعنی جگالی کرنیوالوں کو حلال بتا کر غیر بہیمہ یعنی جُگالی نہ کرنیوالوں کی حُرمت کا اعلان کر رکھا ہے تو پھر سُؤر کو، جو غیر بہیمہ میں داخل ہونے کی بدولت ۵/۱ میں حرام ثابت ہو چکا، باقی حرام جانوروں سے الگ طور پر پھر حرام بتانے کا کیا مطلب؟

● یاد رہے کہ آیت بالا ۵/۳ میں اِلاّ ما یتلیٰ علیکم کی تفصیل درج ہے۔ حلال جانوروں کے اندر جو چیزیں حرام ہیں اور یا جن صُورتوں میں وُہ حلال ہوتے ہوئے حرام ہو جاتے ہیں اُن کی فہرست دیدیگئی ہے۔ مردہ[1] - خون[2] - لحم الخنزیر[3] - غیر اللہ کی طرف منسوب[4] - گلا گھونٹ کر مرا[5] - چوٹ لگنے سے مرا[6] - گر کر مرا[7] - آپس میں لڑ کر سینگ لگنے سے مرا[8] - درندے کا کھایا[9] - خانقاہ پر ذبح کیا گیا[10] - اور فال کے تیروں سے تقسیم کیا گیا[11] - پس جب اس آیت مجیدہ میں لحم الخنزیر سمیت گیارہ صورتیں حلال جانوروں ہی کے بعض حصّوں اور بعض حالتوں کی حُرمت کی ہیں تو ثابت ہوا کہ لحم خنزیر بھی حلال جانوروں ہی کا حرام بتایا گیا ہے اور وُہ ہے غدود کا گوشت۔

ایک غلط فہمی کی وضاحت

● مَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ میں آمدہ مَا عمُوم کے سہارے لحم خنزیر سے سُؤر کا گوشت مراد لیکر سؤر کی حُرمت لی جاتی ہے۔ کیونکہ اس ما عموم سے غیر اللہ کی طرف منسوب پیرا، لڈو، پتاشے، مٹھائی وغیرہ ہر چیز حرام ہو جاتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے، چونکہ ما اُھِلَّ لِغیر اللہ بہٖ سے بہیمۃ الانعام کے سوا ہر چیز مُراد ہے۔ اس لئے لحم الخنزیر سے مراد سُؤر کا گوشت ہے۔ لیکن عربی ادب کا قاعدہ ہے کہ جب مَا عُموم کسی دائرہ میں محدود ہو تو اُس دائرہ کے اندر ہی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ لہٰذا یہاں مَا عام ہے لیکن حلال کے دائرے میں محدود جانوروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ گائے، بھینس، بھیڑ بکری وغیرہ کوئی سا حلال جانور بھی غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ دائرے میں محدود مَا عُموم کی مثال اسی آیت مجیدہ میں مَا اکل السبع اور ما ذبح علی النّصب کے جملوں میں مذکور ہے۔ جن میں اگرچہ مَا عام ہے لیکن درندہ کھا جائے یا کسی استھان پر ذبح ہو، کے جملوں سے یہاں حلال جانوروں کے سوا کھیر پراٹھوں کا کسی مزار پر ذبح ہونا یا درندوں کا کھا جانا مراد لیا ہی نہیں جا سکتا۔

مُردہ خون اور غدود کے گوشت کی یکجے بعد دیگرے حرمت قابلِ غور ہے

● حلال جانور پہلے نمبر پر اُسوقت حرام ہو جاتا ہے جب وُہ مر جائے، یعنی وُہ ذبح نہ کیا گیا ہو۔ یہ اس لئے کہ خون حرام ہے جو بلا ذبح کئے مرجانے سے اُس کے اندر رہ جاتا ہے اور جب ذبح کرکے خون نکال دیا جائے تو حرام خون تو نکل گیا لیکن باقی گوشت میں ابھی اور حرام چیزیں موجود ہیں۔ وُہ ہے لحم خنزیر یعنی

غدود کا گوشت، جھلیاں اور پھیپھڑے وغیرہ۔ جن میں حلال جانور کو ذبح کر لینے کے باوجود اُس کا وُہ گوشت بھی حرام ہے جہاں جانور کو چوٹ لگی ہو اور اُس مقام پر خون جم گیا ہو۔ اور اس سے آگے ہے حلال جانوروں یا ان کے گوشت کو فال کے تیروں کیساتھ تقسیم کرنے کا مسئلہ۔ واضح رہے کہ قرعہ اور فال کے ذریعہ تقسیم کا سوال پیدا ہی اُس وقت ہوتا ہے جب دونوں ڈھیر برابر نہ ہوں اور کسی ایک ڈھیر کے متعلق الگ الگ فریقین یہ چاہتے ہوں کہ یہ مجھے ملے۔ قرعہ اور فال میں ایک تو قسمت و تقدیر جیسے قاطع ایمان نظریے کا عمل دخل ہے کہ جونسا ڈھیر یا جانور کسی کی قسمت میں ہوگا مل جائیگا اور دوسرے یہ کہ جس شخص کو ناقص مال ملتا ہے اُس کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے قرعہ کے طریقے سے جانوروں یا ان کے گوشت کو تقسیم کرنے سے خود جانوروں یا گوشت کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حرام تو ہوئی قرعہ اندازی، اس سے حلال جانور حرام کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس سوال کا جواب بھی اسی آئت مجیدہ میں موجود ہے کہ جس طرح حرام تو ہے کسی استھان، مزار یا خانقاہ پر جانور ذبح کرنا۔ تو جس طرح اِس حرام فعل سے کسی مزار پر کے مذبوحہ حلال جانور کو حرام ٹھہرا دیا گیا ہے جس پر یہ حرام فعل وارد ہوا ہے، اُسی طرح قرعہ اندازی کا حرام فعل بھی جن حلال جانوروں یا گوشت پر وارد ہوگا وُہ بھی حرام ہو جائیں گے۔

تکمیلِ دین

• آئت زیر بحث ۵/۳ میں جو آئت کا یہ ٹکڑا آیا ہے ؟ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت، اس کے متعلق روائتی تفاسیر میں بتایا گیا ہے کہ آج دن تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا گیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی گئی ہے سے مراد یہ ہے کہ یہ آئت نزول کے لحاظ سے بالکل آخری آئت ہے۔ اس نظریے پر متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں:۔

• ۱ پہلا یہ کہ کیا سابقہ اُمتوں اور رسولوں کو کامل دین نہیں دیا گیا تھا، جو کامل دین اس اُمت کو ملا ہے۔

• ۲ پھر جیسے کہ روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ مکمل دین اِس آخری اُمت ہی کو دیا گیا ہے تو آیات ذیل کی نفی لازم آتی ہے:۔ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۴۲/۱۳۔ ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے اُسی دین کی وُہی شرع کر دی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور وہی شرع جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ اور وہی شرع جس کا حکم ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔ پھر سورہ انعام میں حضرت ابراہیمؑ سمیت اٹھارہ نبیوں کے نام لیکر آنحضورؐ کو حکم ہوا ہے:۔ اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ ۶/۹۰ یہ وُہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی تھی۔ اے رسولؐ! آپ اُنکی ہدایت کی اقتداء فرمائیں۔ کیا ان الفاظ میں آنحضورؐ کو نامکمل اور ناقص دین کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ العیاذ باللہ!

• ۳ پھر اگر ؟ اتممت علیکم نعمتی کے الفاظ سے یہ مانا جائے کہ یہ منزل کے لحاظ سے آخری آئت مجیدہ ہے تو

آئتِ ذیل کا کیا بنیگا۔

● وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۶/۱۱۶ اور تیرے پروردگار کے کلمات صدق و عدل کیساتھ ختم ہو چکے ہیں۔ بتائیے! یہ آئت آخری ہے یا الیوم اکملت والی؟

● برادرانِ عزیز! حقیقت حال وُہی ہے جو عرض کر دی گئی ہے کہ یہاں اَلْیَوْمَ کا معنی آج دِن نہیں۔ بلکہ ہر دن ہر زمانہ ہے۔ یعنی سابقہ تمام رسولوں ؑ اور اُمتوں کو کامل دین دیا گیا تھا۔ الیوم میں الف لام استغراق کا ہے اور یوم کا معنیٰ ہے زمانہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں، ہر نبی اور ہر اُمت کو کامل دین عطا فرمایا تھا، اور وُہ ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت عطا فرمائی گئی تھی جیسے کہ ۴۲/۱۳ کے حوالہ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا میں بھی اوپر گزر چکا ہے اور ۶/۹۱ کا حوالہ بھی اوپر دیا جا چکا ہے کہ آنحضور ؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ سابقہ انبیاء کی ہدائت کی اقتداء فرمائیں۔

● ۶/۱۱۵ میں بھی اس چیز کی تائید موجود ہے:۔ تمّت کلمت ربّك صدقا وّعدلا ط لا مبدّل لکلمٰتہ۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات قوانین (ہر دور میں) مکمل طور پر عطا کیئے گئے ہیں۔ اُسکے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں نہ وُہ تبدیل ہوتے ہیں ۶/۳۴ اور نہ خود اللہ تعالیٰ انہیں بدلتا ہے ۵۰/۲۹

حرام شکاری جانوروں کے ذریعہ شکار حلال ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں شکاری جانوروں کے ذریعہ بہیمہ قسم کے حلال جانوروں کا شکار کرنا حلال ٹھہرایا گیا ہے۔ بشرطیکہ اُنہیں سدھایا جا چکا ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ

سوال کرینگے آپ سے کیا حلال ہوا واسطے اُن کے کہدیجئے حلال کیا گیا

لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

واسطے تمہارے پاکیزہ اور جو سدھاتے ہو تم شکاری جانوروں کو

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا

سدھاتے ہو انہیں جیسے کہ تعلیم دی تمکو اللہ نے پس کھاؤ اس

مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ

سے جو وہ روکیں واسطے تمہارے اور کرو ذکر نام اللہ کا

عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

اوپر اُس کے اور ڈرو اللہ سے بیشک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے

(اے رسول ؑ!) لوگ آپ سے سوال کریں گے کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ آپ فرما دیجئے گا کہ تمہارے لئے صحت بخش (گوشت) حلال کیا گیا ہے۔ اور (تمہارے لئے حلال جانوروں کا وہ شکار بھی حلال کیا گیا ہے) جو تم شکاری جانوروں کو تعلیم دیتے ہو، کتّوں کو سدھانے والے ہو کر۔ تم اُنہیں تعلیم دیتے ہو اُس (جبلی علم) سے جو اللہ نے تمہیں (جبلی طور پر) سکھایا ہے۔ پس اُس شکار کو کھایا کرو جسے وہ تمہارے لئے روک رکھیں اور اُس پر اللہ کے نام کا ذکر کیا کرو (یعنی اللہ کے نام کیساتھ ذبح کیا کرو)

اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت سے بچو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے۔

سدھائے ہوئے کُتّے کا پکڑا ہوا شکار

● علہ قاموس القرآن کے صفحہ ۲۹۵ پر مکلّبین کا معنیٰ لکھا ہے۔ "مُکلّبین :۔ کُتّے کو شکار سکھلانے والے۔ تکلیب سے اسم فاعل جمع مذکر بحالت نصبی وجرّی۔ واحد مکلّبٌ"۔ کُتّا بھی شکاری جانور ہے۔ بہت جلد سدھایا جاسکتا ہے، دوسرے شکاری جانوروں کے ساتھ ساتھ سدھائے ہوئے کتّوں کا شکار بھی حلال قرار دیا گیا ہے۔ کتّوں کو سدھانے والوں کیلئے خاص لفظ لایا گیا ہے مُکلّبین۔ شکاری جانوروں کو سدھانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وُہ شکار کو کھائیں نہیں۔ صرف پکڑ رکھیں، تاکہ اُسے ذبح کرلیا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ جب سدھایا ہوا کتّا یا دوسرا شکاری جانور شکار کو پکڑیگا تو یقیناً اُس کے دانت شکار کے جسم میں پیوست ہوں گے۔ اس طرح کتّا اور دوسرے شکاری جانور کھانے کیلئے ضرور حرام ہیں مگر ان سے شکار کو پکڑنے کی خدمت لینا حلال اور جائز ہے۔

جبلّی تعلیم

● علہ مِمّا علّمکمُ اللہ۔ شکاری جانوروں کو سدھانے کی تعلیم نوعِ انسانی کو بذریعہ وحی نہیں دی گئی۔ بلکہ یہ تعلیم انسانی جبلّت میں رکھ دی گئی ہے۔ اور جبلّی تعلیم کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ہر قسم کی صنعت وحرفت کا کام نوعِ انسانی اسی خداوندی جبلّی تعلیم کے ذریعہ سرانجام دے رہی ہے اور اِس میدان میں شبانہ روز ترقی بھی اِسی خداوندی تعلیم کے ذریعہ کرتی چلی جارہی ہے۔ تار برقی، وائرلیس، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹیلیویژن وغیرہ، آئے دن کی نئی سے نئی ایجادیں سب اسی جبلّی تعلیم کی مظہر ہیں۔

ذبح کے بغیر شکار حلال نہیں

● علہ واذکروا اسم اللہ علیہ کے جملہ میں شکار کو ذبح کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ ذبح کا معنیٰ ہے شاہ رگ کو حلق کی طرف سے کاٹنا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ جسم کا سارا خون جو حرام ہے پوری طرح بہہ جائے۔ شکار کے ضمن میں یہ نظریات محلِّ نظر ہیں جو یہ کہا جاتا ہے کہ تیر یا گولی کا نشانہ کرتے وقت بسم اللہ پڑھ دی جائے اور یا شکار کو پکڑنے کے لئے کتّا چھوڑتے وقت اللہ کے نام کا ذکر کرلیا جائے تو شکار حلال ہوتا ہے۔ کیوں کہ شکار اُس وقت تک حلال نہیں ہوتا جب تک کہ ذبح کرکے اُسکا خون خارج نہ کردیا جائے۔ نہ تیر یا گولی سے جسم کا سارا خون خارج ہوسکتا ہے نہ شکاری جانور کے پکڑنے سے بلکہ سارا خون صرف شاہ رگ کاٹنے سے خارج ہوسکتا ہے۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مسئلہ حلّت کے ضمن میں واضح کردیا گیا ہے کہ جو اہل کتاب دینِ اللہ پر قائم ہیں، ان کے کھانے بھی حلال ہیں اور رشتے بھی۔ مگر ان سے وُہ مشرک اہل کتاب ہرگز مراد نہیں جو حضرات عزیرؑ و مسیحؑ کو خدا کے بیٹے بنائے بیٹھے ہیں۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ

آج دن (زمانۂ رسالتِ محمدیؐ میں جبکہ) کی کرتیوائے جانورں

آج حلال کیئے گئے واسطے تمہارے پاکیزہ کھانے اور کھانا اُن لوگوں کا

اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ ز

جو کتاب دیئے گئے حلال ہے واسطے تمہارے اور کھانا تمہارا حلال ہے ان کیلئے

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور پاکدامن عورتوں میں سے مومنہ عورتوں کے اور پاکدامن عورتوں میں سے

الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ

ان لوگوں کے جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے۔ جب تم دو انہیں

اُجُوْرَھُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا

مہران کا نکاح میں رکھنے والے نہ مستی جھاڑنے والے اور نہ

مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ ط وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ

رکھنے والے چھپی آشنائی۔ اور جو کوئی انکار کرے بعد ایمان کے پس بیشک

حَبِطَ عَمَلُہٗ ز وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۵

ضائع ہوا عمل اُسکا اور وہ بیچ قیامت کے ہیں۔ میں سے گھاٹا پانیوالوں کے

سمیت) تمام صحت بخش چیزیں تمہارے لیئے حلال کر دی گئی ہیں۔ اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں انکا کھانا تمہارے لیئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ اور حلال ہیں تمہارے لئے مومنہ پاکدامن عورتوں میں سے اور حلال ہیں واسطے تمہارے پاکدامن عورتیں اُن لوگوں کی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے عله، جب ادا کردو تم اُنہیں اُنکا زرِ مہر۔ اس شرط پر کہ ہو تم انہیں قیدِ نکاح میں رکھنے والے نہ صرف وقتی مستی جھاڑنیوالے۔ اور نہ ہی ہو تم چھپی آشنائی رکھنے والے۔ اور (یاد رکھو کہ) جو کوئی ایمان لانے کے بعد عملاً انکار کریگا تو یقیناً یقیناً اُس کا عمل ضائع ہو جائیگا۔ اور بلاشبہ وُہ قیامت کے دارالجزاء میں نقصان اُٹھانیوالوں میں سے ہوگا۔ (نجات نہیں پائیگا)۔ ع ٥ ٥

اہلِ کتاب کا کھانا اور رشتے

● عله آیت بالا میں:- جن اہل کتاب کا کھانا اور عورتیں، مومنوں کیلئے حلال بتائی گئی ہیں وُہ، وُہ اہل کتاب نہیں ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے خود کافر اور مشرک قرار دیا ہے:-

● وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ ٩/٣٠ اور کہا یہودیوں نے کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اللہ کے بیٹے ٹھہرانے والے یقیناً مشرک ہیں اور اُدھر ارشاد باری ہے:- اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ ٩/٢٨ بلاشبہ مشرک نجس ہیں۔ تو بتائیے! کیا ناپاکوں کا کھانا مومنوں کے لئے حلال کیا گیا ہے؟ ہرگز نہیں۔

● ٢/٢٢١ میں ارشاد ہوا ہے:- وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکٰتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ ط - وَلَا تُنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا ط اور مشرکہ عورتوں کے نکاح مومن مردوں سے نہ کرنا جبتک وُہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور مشرک مردوں کے نکاح مومنہ عورتوں سے نہ کرنا جبتک وُہ مومن نہ ہو جائیں۔

• پس اہل روایات کا یہ مسئلہ قرآن کریم کے صد فیصد خلاف ہے کہ مشرک یہود و نصاریٰ کا کھانا بھی حلال ہے اور اُن کی عورتیں بھی حلال ہیں۔ حالانکہ اس غلط مسئلہ کی بدولت یہود و نصاریٰ اپنی عورتیں جاسوسی کیلئے مسلمانوں کے نکاح میں دیدیتے ہیں جو بر وقت جاسوسی کر کے اہل اسلام کو نقصان پہنچاتی چلی آرہی ہیں۔ فاعتبروا!

• یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آئت مجیدہ ۵ میں جو اہلِ کتاب کا کھانا اور عورتیں حلال بتائی گئی ہیں اُس سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب آیاتِ ذیل میں دیا گیا ہے:۔

• لَيْسُوا سَوَآءً ۚ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ○ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ ۳/۱۱۳-۱۱۴

(مفہوم) سب ایک سے نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو رات کی ابتدائی گھڑیوں میں اللہ کی آئتیں پڑھتے ہیں اور حضور الٰہی میں سجدۂ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے، نیکیوں کا حکم اور برائیوں سے منع کرتے ہیں وُہی اہلِ کتاب صالح لوگ ہیں۔

• اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○ ۲۸/۵۲-۵۳ وُہ لوگ جنہیں اِس (قرآن) سے پہلے کتاب دی گئی ہے (اُنکا ایک گروہ) اِس پر ایمان لاتا ہے۔ اور جب وُہ اُن پر پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بیشک وُہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ بیشک ہم اس سے پہلے فرمانبردار ہیں ـــــ اہلِ کتاب کے مومن گروہ کی یہی خبر ۵/۸۲-۸۳ میں بھی دی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جن اہلِ کتاب کا کھانا اور اُن کی عورتیں حلال ٹھہرائی گئی ہیں وُہ خدا کے بیٹے ٹھہرانے اور ایک کی بجائے تین خدا ماننے والے نہیں، بلکہ یہ وُہ لوگ تھے جو زمانۂ رسالتِ محمدی میں اصل دین پر قائم تھے۔ قرآن کریم نے اُنہیں اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ بتایا ہے۔ کاش کہ مسلمان اس غلط مسئلہ سے توبہ کر کے اس کے مضر اثرات سے محفوظ ہو جائیں۔

وضو کا حکم

• سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں صلوٰۃِ موقّت یعنی نماز کی ادائیگی کیلئے وضو کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلت و حرمت کے مسائل کے بعد آئتِ وضو کا کیا مقام ہے؟ یعنی حلال و حرام کی وضاحت کے ساتھ وضو کے مسئلہ کا کیا ربط ہو سکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ سورہ مائدہ کی پہلی آئت کے پہلے جملے میں ارشاد ہوا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۵/۱ ایمان والو! قبولِ ایمان کی رُو سے جس قدر عہد تم پر لازم آئیں سب کو پورے کرتے رہو۔ اور اِس حکم کے بعد حلت و حرمت

سے متعلقہ متعدد عہدوں کی وضاحت کرنے کے بعد ساتھ ہی ساتھ صلوٰۃِ موقّت کے اُس عہد کیطرف رُخ کیا گیا ہے جو پیچھے ۴/۱۰۳ میں اِنَّ الصَّلٰوۃَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○ کے الفاظ میں لیا گیا ہے کہ بلاشبہ مومنوں پر صلوٰۃ مقررہ وقتوں پر فرض کر دی گئی ہے۔ فلھذا اگلی آیت مجیدہ میں اسی عہد صلوٰۃِ موقّت کے متعلق واضح کیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم کھڑے ہو واسطے صلوٰۃ کے

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا

تو دھو لیا کرو منہ اپنے اور بازو اپنے سمیت کہنیوں کے اور مسح کرو

بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا

کا سروں اپنے۔ اور دھو لو پیر اپنے مع ٹخنوں کے اور اگر ہو تم جنبی تو پاک ہو جاؤ

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ

اگر تم ہو بیمار یا اوپر سفر کے یا آئے ایک بیچ میں سے تمہارے بیچ سے جائے ضرور کے

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

یا تم نے ملاپ کیا بیویوں سے پھر تم نہ پاؤ پانی تو ارادہ کرو مٹی

طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

پاکیزہ پھر پونچھ لو مونہوں اپنوں اور بازوؤں اپنوں کو اس سے نہیں ارادہ کرتا اللہ

لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ

کہ ٹھہرائے اوپر تمہارے سے کوئی تنگی ولیکن ارادہ کرتا ہے کہ پاک کرے تم کو

وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ

اور تاکہ پوری کرے نعمت اپنی اوپر تمہارے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ ۶

تاکہ تم شکر گزار رہو

اے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو (ہمارے عہد) صلوٰۃ کی ادائیگی کا ارادہ کرو تو اپنے مونہوں کو دھو لیا کرو۔ اور دھو لیا کرو اپنے بازوؤں کو کہنیوں سمیت۔ اور اپنے سروں کو پونچھ لیا کرو۔ اور پیروں کو ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو [۱]

اور اگر تم بحالت جنابت ہو تو پاک ہو لیا کرو [۲] (یعنی غسل کر لیا کرو) اور اگر تم بیمار ہو (یا پانی کا استعمال مضر پڑتا ہے) اور تم سفر پہ ہو، یا تم میں سے کوئی شخص قضاءِ حاجت سے فارغ ہوا ہو، یا تم نے بیویوں سے اختلاط کیا۔ اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاکیزہ مٹی کا قصد کیا کرو۔ (یعنی غلاظت کو پاکیزہ مٹی کیساتھ دور کر لیا کرو) پھر اپنے مونہوں (چہروں) اور بازوؤں کو گرد و غبار سے پونچھ لیا کرو [۳]۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی بھی تنگی کا ارادہ نہیں کرتا [۴] اور لیکن وُہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں نجاست سے پاک کرنے اور تم پر (اس گوشے میں بھی) اپنی قانونی نعمت پوری کر دے [۶] (تاکہ تم پر ادائے صلوٰۃِ موقّت میں کوئی تنگی نہ رہے) تاکہ تم شکر گزاری کرتے رہو۔

● وضو کے متعلق دو مکاتب فکر میں بہت پرانا جھگڑا

چل رہا ہے ایک طرف وضو میں پیروں کو دھویا جاتا ہے اور دوسری طرف پیروں پر مسح کیا جاتا ہے اور پیروں پر مسح کرنے کی یہ دلیل لائی جاتی ہے کہ جب اَرْجُلَكُمْ معطوف ہے رُءُوْسِكُمْ کا اور رُءُوْسِ مفعول ہے فعل امر اِمْسَحُوْا کا، تو اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح سر کے مسح کا حکم دیا گیا ہے، اُسی طرح پیروں کے بھی مسح ہی کا حکم ہے، کیونکہ معطوف اور معطوف الیہ ایک حکم میں ہوتے ہیں۔

● اس سلسلے میں سمجھنے کی چیز یہ ہے کہ اَرْجُلَكُمْ، رُءُوْسِكُمْ کا معطوف ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ عربی قواعد کا یہ غیر متبدّل قاعدہ ہے کہ معطوف کے اعراب اپنے معطوف علیہ کے اعراب کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ اِس کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ رُءُوْسِ، جسے معطوف علیہ قرار دیا جاتا ہے مجرور ہے اور اَرْجُلَ جسے معطوف ٹھہرایا جاتا ہے منصوب ہے پس رُءُوْسِ اور اَرْجُلَ بوجہ عدم مطابقت اعراب باہم معطوف معطوف علیہ نہیں ہیں۔ بلکہ اَرْجُلَكُمْ معطوف ہے وُجُوْهَكُمْ اور اَيْدِيَكُمْ کا۔ کیونکہ اعراب کی مطابقت ان میں ہے رُءُوْسِ اور اَرْجُلَ میں ہرگز نہیں۔ ہاں اگر اَرْجُلَكُمْ کی بجائے اَرْجُلِكُمْ ہوتا تو پھر یہ یقیناً یقیناً معطوف ہوتا رُءُوْسِكُمْ کا اور پیروں کا مسح کیا جاتا۔

زیر زبر کا فرق

● عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے یعنی اُسکے آخری حرف پر ہمیشہ پیش آتی ہے اور مفعول ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ یعنی اُس کے آخری حرف پر زبر آتی ہے۔ جیسے کہ آیت زیر بحث ۶ میں پہلا فعل امر ہے اغْسِلُوْا اور وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اس کے دونوں مفعول منصوب ہیں، یعنی وُجُوْهَ کے آخری حرف ہَ پر بھی زبر ہے اور اَيْدِيَ کے آخری حرف يَ پر بھی زبر ہے۔ پس وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ بوجہ مطابقت اعراب باہم معطوف معطوف علیہ ہیں۔ اور جس طرح یہاں مُونہوں کے لئے دھونے کا حکم ہے۔ اُسی طرح بازوؤں کیلئے بھی دھونے کا حکم ہے۔ لیکن آیت زیر نظر کے دوسرے فعل امر اِمْسَحُوْا کا مفعول منصوب نہیں۔ آپ پوچھیں گے کہ یہاں امسحوا فعل کا مفعول رُءُوْسِكُمْ، سِ کی زیر کیساتھ کیوں آیا ہے؟ حالانکہ مندرجہ بالا قاعدے کے مطابق مفعول منصوب ہونا چاہیے تھا۔ یعنی رُءُوْس کے سین پر زبر آنی چاہیے تھی۔

● یہ وہ اہم ترین سوال ہے، جس کے صحیح جواب پر وضو میں پیروں کے دھونے یا مسح کرنے کے متنازعہ مسئلہ کے صحیح فیصلے کا انحصار ہے۔

● جواباً عرض ہے کہ یہاں عربی قواعد کے ایک دوسرے قاعدے نے اثر انداز ہو کر سِ کی زبر کو زیر کے ساتھ تبدیل کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب کسی اسم پر کوئی حرفِ جار داخل ہوتا ہے تو اُسے مجرور کر دیتا ہے یعنی اُس کے مقامی اعراب کو بدل کر اُسکے آخری حرف کے نیچے زیر لے آتا ہے، جیسے کہ رُءُوْسَ کا مقامی اعراب سَ کی زبر ہے، لیعنی اگر بائے جارہ داخل نہ ہوتی تو اِمْسَحُوْا رُءُوْسَكُمْ ہوتا۔ یاد رہے کہ یہاں سِ

کے نیچے زیر بائے جارہ کے داخل ہونے کی بدولت آئی ہے۔ لیکن ایک بات اور بھی یاد رکھئیگا، اگرچہ بِرُءُوْسِكُمْ بائے جارہ کی بدولت مجرور ہو کر آیا ہے۔ لیکن محلاً منصوب ہے۔ یعنی رُءُوْسِ مفعول ہی ہے اِمْسَحُوْا کا۔ اور سروں کے مسح کرنے ہی کا حکم دیا گیا ہے۔

● اب غور طلب یہ امر ہے کہ آئت مجیدہ میں بِرُءُوْسِكُمْ کے بعد آیا ہے وَ اَرْجُلَكُمْ۔ عربی قواعد کے غیر متبدل قاعدہ کے مطابق اگر اَرْجُلَ، بِرُءُوْسِ کا معطوف ہوتا تو اَرْجُلِ آتا۔ اور جس طرح بِرُءُوْسِكُمْ محلاً منصوب ہے اُسی طرح اَرْجُلَكُمْ بھی محلاً منصوب ہوتا۔ لیکن چونکہ خداوندی تنزیل میں اَرْجُلَكُمْ، لام کی زبر کیساتھ آیا ہے۔ اس لئے بدرجہ اتم ثابت ہوا کہ نہ اَرْجُلَكُمْ، بِرُءُوْسِكُمْ کا معطوف ہے اور نہ پیروں کے مسح کا حکم ہے۔ بلکہ یہ اُس معطوف علیہ کا معطوف ہے جس کے ساتھ اِس کے اعراب مطابق ہیں۔ وہ ہے اَيْدِيَكُمْ جو خود معطوف ہے وُجُوْهَكُمْ کا۔ اور یہ دونوں مفعول ہیں فعل امر اغْسِلُوْا کے۔ پس مطابق اعراب کی سند کیساتھ اَرْجُلَكُمْ اُسی فعل امر کا مفعول معطوف ہے۔ جس کے مفعول، اس کے معطوف علیہ وُجُوْهَكُمْ اور اَيْدِيَكُمْ ہیں۔ اور چونکہ وُجُوْهَكُمْ اُسی فعل امر کا مفعول معطوف ہے جس کے مفعول، اس کے معطوف علیہ وُجُوْهَكُمْ اور اَيْدِيَكُمْ ہیں اور چونکہ وُجُوْهَكُمْ اور اَيْدِيَكُمْ دونوں مفعول ہیں فعل امر اغْسِلُوْا کے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ جس طرح مونہوں اور بازؤں کے دھونے کا حکم ہے۔ اُسی طرح پیروں کے بھی دھونے کا حکم دیا گیا ہے، مسح کرنے کا نہیں۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

● یہاں پہنچ کر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیروں کو دھلوانا ہی مقصود تھا تو خدا تعالیٰ نے اَرْجُلَكُمْ کو اغْسِلُوْا کے مفعول کی شکل میں وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ کیوں نازل نہ فرمایا؟ جواباً عرض ہے کہ وضو کی ترتیب کو قائم رکھنے کے لئے پہلے مونہوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر کہنیوں سمیت بازؤں کو پھر سر کے مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد پیروں کو دھونے کا۔ اگر وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ کیساتھ ہی وَ اَرْجُلَكُمْ نازل ہوتا تو وضو کی ترتیب یہ ہو جاتی کہ پہلے منہ دھوتے، پھر بازو دھوتے، پھر پیر دھوتے اور اخیر پر سر کا مسح کرتے۔ اس طرح چونکہ خداوندی ترتیب متبدل ہو کر رہ جاتی، اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی پسندیدہ ترتیب کے مطابق الفاظ کو ترتیب دی ہے۔

جنب بمعنی بدخوابی بھی ہے

● ٦ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا کے حکم میں بدخوابی بھی شامل ہے جس کی بدولت غسل واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بیویوں سے خلوت کا ذکر اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کے الفاظ میں الگ مذکور ہے۔ جس میں بدخوابی شامل ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ قرآن کریم کا مخصوص

اسلوبِ بیان ہے کہ اُس نے بدخوابی اور بیویوں کی مقاربت کا الگ الگ ذکر کرکے واضح کر دیا ہے کہ دونوں حالتیں جنب کی ہیں اور دونوں میں غسل لازم ہے۔ نیز جلد دوم میں آیت مجیدہ ۴/۴۳ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ وہاں بھی من وعن یہی وضاحت موجود ہے۔

● ۳ فَاطَّهَّرُوْا سے مراد غسل کرنا ہے۔ بعض حلقوں میں غسلِ جنابت کے خلاف جراثیم پائے جاتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ فَاطَّهَّرُوْا کے الفاظ سے بصورت نصف النہار ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے جنابت کو ناپاک قرار دیا ہے۔ جیسے کہ وضو کے لئے جن اعضا کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے وُہ ناپاک نہیں ہوتے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ منہ اور کہنیوں سمیت بازو ناپاک ہوتے ہیں۔ پاک اعضاء کو صلوٰۃ کے تقدس کے لئے دھونے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں فَاغْسِلُوْا آیا ہے فَاطَّهَّرُوْا نہیں آیا۔ اس کے برعکس جنابت کو ناپاکی قرار دے کر فَاطَّهَّرُوْا کا حکم نافذ کیا گیا ہے کہ اگر تم جنابت سے ہونا پاک ہو جاؤ اور اس حکم کے تحت پورے جسم کا غسل کیا جائیگا۔ سورہ نساء ۴/۴۳ میں فَاطَّهَّرُوْا کی بجائے تَغْتَسِلُوْا آیا ہے۔ نیز یہاں فَاطَّهَّرُوْا کے الفاظ سے صرف اعضاءِ مخصوصہ کی طہارت کا حکم اخذ کرنا اپنے آپ کو مقامِ انسانیت تک سے گرا دینے کے مصداق ہے۔ کیونکہ جنسی فراغت کے بعد اعضاءِ مستعملہ کی عدم طہارت کی ضرورت کا تصور تو ڈھور ڈنگروں کیلئے ہے۔ نوعِ انسانی تو جنسی فراغت کے بعد جبلّی طور پر ہی اعضاءِ مستعملہ کی فوری طہارت کیلئے بے چین ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فَطَّهَّرُوْا کے الفاظ میں پورے جسم کے غسل کا حکم دیا گیا ہے۔

تیمّم کا معنی مُونہوں اور ہاتھوں پر مٹی ملنا نہیں بلکہ اُنکے لئے مسح یعنی اُن پر سے گرد وغبار کو صاف کرنا ہے

● تیمّم کی مروّجہ شکل یہ ہے کہ وضو کے لئے پانی نہ ملے تو مونہوں اور بازوؤں پر مٹی مل لی جاتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ قرآنی الفاظ اس تصوّر کے حامل نہیں۔ وہاں الفاظ یہ ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی قضاءِ حاجت سے فارغ ہوا ہو یا بیوی سے مقاربت کرے اور پانی نہ پائے تو پاکیزہ مٹی کا قصد کرے۔ یعنی پاکیزہ مٹی کیساتھ آلائش صاف کرے اور اس کے آگے ارشاد ہوا ہے:۔ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۚ۔ دیکھیے یہاں پاکیزہ مٹی کے استعمال کے بعد فا آئی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ پاکیزہ مٹی کے استعمال کے حکم کے بعد فاءِ تعقیب لا کر ارشاد ہوا ہے:۔ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ پھر غلاظت کو صاف کرنے کے لئے حسبِ ضرورت پاکیزہ مٹی کے استعمال کے بعد اپنے مونہوں اور بازوؤں کو مٹی یعنی گرد وغبار سے صاف کر لیا کرو (کپڑے کے ساتھ پونچھ لیا کرو)۔ مسح کا معنی مفردات امام راغب مطبوعہ اہلحدیث اکیڈمی کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۹۹۰ کالم ۲ پر اس کے سہ حرفی مادہ م۔س۔ح کے ماتحت لکھا ہے۔ "اَلْمَسْحُ کے معنے کسی چیز پر ہاتھ پھیرنے اور اس سے نشان اور آلائش

صاف کر دیئے گئے ہیں۔ ...... چنانچہ محاورہ یہ ہے مَسَحْتُ یَدِیْ بِالْمِنْدِیْلِ میں نے رومال کیساتھ ہاتھ پونچھا" ——— پس ان لغوی دلائل سے عیاں ہے کہ مسح کا معنیٰ مٹی پونچھنا ہے، ملنا نہیں۔ اور پونچھنے کا عمل کسی کپڑے یا رومال وغیرہ ہی سے ہو گا۔

مٹی میں بھی طہارت سے متعلقہ اجزاء موجود ہیں

● اب مٹی کے اجزا پر غور فرمائیں۔ جس ذاتِ مقدّس نے نجاست و آلائش کو مٹی کیساتھ صاف کرنے کا حکم دیا ہے، اُس نے اس میں ایسے کیمیادی اجزاء بھی رکھ دئے ہیں، جو غلاظت کے مضر اثرات کو زائل کر دیتے ہیں۔ تجربہ کے طور پر اگر کچھ غلاظت کو مٹی میں دبا دیا جائے تو چند دن کے بعد کھود کر دیکھیں تو غلاظت کا وجود معدوم ہو چکا ہو گا۔ پس پاکیزہ مٹی کا استعمال مذکورہ تجربہ سے بھی ثابت ہوا کہ صرف غلاظت کو صاف کرنے کیلئے ہے مُونہوں اور ہاتھوں پر ملنے کیلئے نہیں۔ مُونہوں اور بازؤوں پر کپڑے کیساتھ مسح کرنا ہے۔ مُنہ اور بازؤوں پر مٹی ملنا قرآنِ کریم کی رُو سے نہ تیمّم ہے نہ مسح۔

● ہے مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ میں آمدہ لفظ حرج کا معنیٰ ذہنی تنگی بھی ہے۔ جیسے کہ $\frac{۴}{٦٥}$ میں آنحضرتؐ کے فیصلوں کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں کو چاہیے کہ آپؐ جو فیصلے کریں، اُس سے کوئی ذہنی تنگی محسوس نہ کریں۔ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ $\frac{۴}{٦٥}$

مسئلہِ تیمّم پر کُتبِ روایات کی حاشیہ آرائی

● آگے بڑھنے سے پہلے پر کُتبِ روایات کی طبع آزمائی کا نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ وضو سے متعلقہ جملہ احکام $\frac{٥}{٦}$ میں دے دئے گئے ہیں اور اسی آئت مجیدہ میں اُس حالت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ جس جگہ پانی میسّر نہ ہو تو وہاں غلاظت کو پاکیزہ مٹی کیساتھ رفع کر لیا کرو اور اس کے بعد مُونہوں اور بازؤوں کو کپڑے کیساتھ پونچھ لیا کرو۔ لیکن کتبِ روایات نے یہ تاثر دیا ہے کہ باری تعالیٰ نے وضو کا حکم تو نازل کر دیا مگر یہ نہ بتایا کہ جہاں پانی نہ ملے وہاں کیا کرنا ہو گا۔ چنانچہ بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۰ پر کتابِ تیمّم کی پہلی ہی روائت میں لکھا ہے کہ تیمّم سے متعلقہ حکم اُسوقت نازل ہوا جب ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اس لئے آنحضورؐ نے اُس کی تلاش کیلئے قیام فرمایا۔ اس مقام پر پانی نہیں تھا۔ اس لئے صحابہؓ بہت پریشان ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی کہ دیکھا آپ کی بیٹی نے کیا کیا ہے۔ رسولِ خدا اور صحابہؓ کو وہاں ٹھہرا لیا ہے، جہاں پانی نہیں ہے۔ اس سے آگے مترجم بخاری شریف کے اردو ترجمہ کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:۔

"عائشہؓ کہتی ہیں کہ ابوبکرؓ مجھ پر غصّے ہوئے اور جو کچھ اللہ نے چاہا کہ وہ کہیں انہوں نے کہا۔ اور اپنے

ہاتھ سے میرے کولہے میں کونچے دینے لگے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے زانو پر سر مبارک رکھے ہوئے آرام فرمارہے تھے اس وجہ سے میں حرکت نہ کرسکی۔ چونکہ آنحضرتؐ ایسے مقام پر مقیم ہوگئے تھے جہاں پانی نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آئت تیمم نازل فرمائی" (مذکورہ بخاری شریف صفحہ ۲۰۱)

● آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ طہارت، وضو اور تیمم کے تمام مسائل ایک ہی آئت مجیدہ ۶ میں نازل کر دئے گئے تھے۔ اور عقل سلیم بھی اسی چیز کو تسلیم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ، جو علیم وخبیر ہے اُسکے متعلق اس امر کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا کہ وُہ وضو کا حکم تو نازل کردے مگر جہاں پانی موجود نہ ہو اُس کے متعلق کچھ نہ بتائے، بلکہ اُسے شانِ نزول کے اسباب کی انتظار میں یونہی چھوڑ دے۔ افسوس ہے کہ مذکورہ شانِ نزول باری تعالیٰ کو عام قانون سازوں جتنی عقل کا مالک بھی قرار نہیں دیتا جو قانون بناتے وقت اُس کی متعلقہ ہر ممکن صُورت کی وضاحت کردیتے ہیں۔ اللہ علیم و علام نے وضو کے حکم کے ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ جہاں پانی نہ پاؤ وہاں تیمم اور مسح کرلیا کرو۔

صلوٰۃ موقّت نماز کے آداب میں سے وضو اور تیمم کی وضاحت کے بعد، جس سے صلوٰۃ کی ادائیگی کو ایسے مقام پر بھی آسان کردیا گیا ہے جہاں پانی نہ ملتا ہو، سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں پھر نوعِ انسانی کی اصل صلوٰۃ نظامِ ربوبیّت کے قیام کی تاکید کی گئی ہے۔ کیوں کہ صرف صلوٰۃ موقّت کی ادائیگی کے بعد یہ سمجھ لینا غلط ہے کہ ہمارا کام ختم ہوچکا ہے۔ بلکہ اصل مقصد اُس پکّے وعدے کو عملی جامہ پہنانا ہے جو ضابطۂ خداوندی قرآنِ کریم کے اوّلین سبق الحمد للہ ربّ العالمین کے الفاظ میں کیا جاتا ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ

اور یاد رکھو نعمت اللہ کی اوپر تمہارے اور وعدہ

الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

جو پکا کیا تم کو ساتھ اسکے جب کہا تم نے سُنا ہم نے اور اطاعت

وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ

کی ہم نے۔ اور ڈرو اللہ سے۔ بیشک ہے اللہ جاننے والا ساتھ والی

الصُّدُورِ ۝ ۷

ذہنوں کی کو۔

اور (ایمان والو!) اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت [علے] (آئینِ قرآنیہ) کو ہمیشہ یاد رکھو جو اُس نے تم پر فرمائی ہے۔ اور اُس عہد کو بھی ہمیشہ یاد رکھو جس کے ساتھ اللہ نے تمہیں پکّا کیا ہے (یعنی قرآن مجید کا اوّلین عہدِ ربوبیّت) [عشہ] جب تم نے کہا کہ سُنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے [علہ] پس اس عہدِ واثق کی مخالفت سے بچتے رہنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ایک ایک فرد کی) ذہنی پوشیدگیوں کو بھی خوب خوب جاننے والا ہے۔

اللہ کی نعمت اُس کا قانون ہے

● اللہ تعالیٰ نے اپنی جس نعمت کو یاد رکھنے کا حکم دیا ہے وُہ اس

کے متعلق پیچھے سیاق کلام ۵/۳ میں حلال جانوروں میں حرام کی فہرست بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :-
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ میں نے ہر زمانے میں تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور تم پر اپنی قانونی نعمت پوری کر دی اور اس کے بعد آیت نمبر ۵/۶ میں بھی وضو اور تیمم اور مسح کے مسائل بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :- مَا یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی قسم کی تنگی کا ارادہ نہیں کرتا ولیکن وہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں پاکیزہ کرے اور تم پر اپنی قانونی نعمت پوری کر دے۔ پس آیت زیر بحث ۵/۷ میں قانونی نعمت کو یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ ہمارا ہر عمل خدا تعالیٰ کے نازل کردہ قانون، ضابطہ حیات قرآن مجید کے مطابق ہو۔

● ع۲ میثاقہ الذی واثقکم سے مراد وہ اولین عہدِ ربوبیتِ عالمین ہے جو خدا تعالیٰ اپنی کتاب کے اول سبق الحمد للہ رب العلمین کے اس عہد واثق کیساتھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالمین کا رب ہے۔ ہم معاشرہ میں نظامِ ربوبیتِ عامہ قائم کریں گے۔ اس عہد کے اولین پابند صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ حضرتِ عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں رات کو گشت کرکے پتہ لگاتے تھے کہ کوئی فرد معاشرہ ضروریات ربوبیت سے محروم تو نہیں۔ اگر کوئی فردِ محروم پایا جاتا تو سامانِ ربوبیت اپنی پیٹھ پر لاد کر پہنچایا کرتے تھے۔

● ع۳ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کے الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو ارشاد ہوا ہے کہ اُس وقت کو بھی یاد رکھو جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے قرآنِ کریم کا پیغام سُنا اور اطاعت کی ہے۔ پس واتقوا اللہ کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے کئے ہوئے اس عہد کو یاد رکھنا۔ بھول نہ جانا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم ہوتا ہے کہ جب تمہیں حکومت میسّر آئے تو جس قوم نے تم پر ظلم زیادتی کرکے تمہیں مسجدِ حرام سے روک دیا، وطنِ مالوف مکہ معظمہ سے نکالدیا تھا۔ اُسکے ساتھ بھی ناانصافی نہ کرنا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ ہو جاؤ کھڑے

لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ

واسطے اللہ کے گواہی دینے والے ساتھ انصاف کے اور نہ مجرم کرے تم کو

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف ھُوَ اَقْرَبُ

دشمنی کسی قوم کی اوپر یہ کہ نہ کرو تم عدل۔ عدل کرنا وہ بہت قریب

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ (کی رضا اور خوشنودی) کیلئے انصاف کیساتھ (سچی) گواہی دینے والے ہو جاؤ۔ اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی (جس نے تم پر ظلم زیادتی کی ہے، تمہیں گھروں سے نکالدیا ہے) اِس کھلے جرم کا مجرم نہ کر دے کہ تم اُسکے ساتھ انصاف نہ کرو (یاد رکھو! اُن کے ساتھ بھی) انصاف ہی کرنا وہ (یعنی انصاف کرنا ہی) بہت قریب ہے۔ تقویٰ شعاری کے (یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے

لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۸

واسطے بچنے کے - اور ڈرو اللہ سے - بیشک اللہ تعالیٰ باخبر ہے ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو۔

بچنے کی یہی صورت ہے کہ دشمنوں سے بھی انصاف کرو) بیشک تم اس (حکم کی اطاعت یا نافرمانی میں) جو بھی کام کرو گے اللہ اُس سے خوب خوب باخبر ہے

● آئت بالا میں حکم عام مخصوص البعض کے طور پر صحابہؓ کے خطاب کے بعد اگلی آیات مجیدہ میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ۹

وعدہ کیا اللہ نے اُن سے جو ایمان لائیں اور عمل کریں اچھے واسطے اُنکے بچاؤ ہے اور بدلہ ہے بڑا

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کیساتھ وعدہ کر رکھا ہے جو ایمان لائیں اور معاشرہ کی اصلاح کے اعمال انجام دیں۔ اُن کے لئے (ہر قسم کے مصائب و خطرات سے) بچاؤ ہے اور اُن کے عملوں کا بہت بڑا بدلہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ۱۰

اور جو لوگ انکار کریں اور جھٹلائیں آئتوں ہماری کو وہی لوگ ہیں والے جلنے کے

اور جو لوگ انکار کریں اور ہماری (تنزیلی اور تکوینی) آئتوں کو جھٹلائیں - وُہ لوگ وہی ہیں جن کے اعمال (اس دنیا میں اکارت گئے اور قیامت میں) ناکامی کی آگ میں جلیں گے۔

● عہ جحیم کا سہ حرفی مادہ ج - ح - م = جحم ہے ۔ اس کا بنیادی معنیٰ ہے رُک جانا ۔ تنگ ذہن ہو جانا ۔ اس تنگ ذہنی کی بدولت چونکہ حاسد آتشِ حسد میں جل بھُن جاتا ہے ۔ اس لئے جحیم کا معنیٰ مجازی آگ بھی لیا جاتا ہے - نیز اصلی آگ کے لئے بھی مستعمل ہے - قیامت کی سزا کے لئے جو اَلنّار ، اَلجحیم اور اَلجہنّم کے الفاظ آئے ہیں اُن کی وضاحت اپنے مقام پر بالتفصیل آگے آ رہی ہے ۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے ایک خاص واقعہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے :-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو نعمت کو اللہ کی اوپر تمہارے جب ارادہ کیا ایک قوم نے کہ بڑھائے طرف تمہاری ہاتھ اپنے ۔ پس روکدیئے ہاتھ اُن کے طرف سے تمہاری

اے وُہ لوگو جو (ضابطۂ خداوندی قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو جو اُس نے تم پر فرمائی کہ جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائے ۔ (یعنی تمہارے ساتھ جنگ کرے) پھر (اللہ تعالیٰ نے) تمہاری طرف بڑھنے سے انکے ہاتھ روکدیئے (تمہاری فوجی تیاری کو دیکھ کر اُنکے حوصلے پست ہو گئے) پس اللہ کے

اللّٰهَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۱

اللہ سے ۔ اور اوپر اللہ کے پس چاہیئے بھروسہ کریں مومن ع ۲

قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو اور چاہیئے کہ مومن اسی طرح اللہ کے قانون پر بھروسہ کریں (یعنی ہمیشہ کیل کانٹے سے تیار رہا کریں ۔) عل

● عل اللہ تعالیٰ پر توکل کا یہ مفہوم نہیں کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہیں اور زبانی زبانی اللہ توکل، اللہ توکل کا ورد کرتے رہیں۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے قانون پر بھروسہ کرکے اُس پر پُورا پُورا عمل کیا جائے۔ دشمن کے خطرے سے محفوظ رہنے کا خداوندی قانون یہ ہے کہ فوجی تیاری ہمیشہ کے لئے مکمل رکھی جائے جیسے کہ سورہ انفال میں ارشاد ہُوا ہے :۔

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴿﴾ اور ایمان والو! دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو اور ذرائع رسل ورسائل کی فراوانی بھی تیار کرتے رہو۔ تم (اس فوجی قوت) کیساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔

● یہ ہے اللہ پر توکل کہ فوجی قوت ہر آن کیل کانٹے کیساتھ اس قدر تیار ہو کہ دشمن گھر بیٹھے کانپتا رہے۔ جب آنحضورؐ نے اسی مکمل فوجی تیاری کیساتھ مکہ معظمہ پر حملہ کیا تو دشمن کو مقابلے کی ہمت نہ ہوئی اور بیت الحرام کی چابیاں بلا جنگ وجدال آنحضورؐ کے حوالے کر دیں۔ اسی طرح کے ایک اور واقعہ کی خبر آیت بالا ﴿۱۱﴾ میں دی گئی ہے کہ ایک قوم نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اُن کی فوجی تیاری کو دیکھ کر رُک گئی۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۷ کیساتھ ہے۔ جس میں عہد ربوبیت عامہ کے پکے میثاق کو یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ماضی کے ایک واقعہ بنی اسرائیل سے لئے گئے میثاق کو بطور مثال بیان کیا گیا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہُوا ہے :۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ

اور بیشک لیا اللہ نے پکا عہد بنی اسرائیل سے

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ

اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ نگران ۔ اور کہا

اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ

اللہ نے بیشک میں ساتھ ہوں تمہارے البتہ اگر قائم کرو تم اجتماعی نظام

اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ

اور دو قرب بھی بولوں کو اور ایمان لاؤ ساتھ رسولوں میرے اور مدد کرو تم ان کی

اور البتہ تحقیق اللہ نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا اور اُن میں ہمنے (قیام ربوبیت کے لئے اُن کے بارہ قبیلوں کے) بارہ نگران مقرر کئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے (اپنے نبی کی معرفت) اُن سے کہدیا کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہو۔ اگر تم (صلوٰۃ موقت کے ذریعہ) اجتماعی نظام قائم کرو، اور اپنے کمزوروں کو قرب بھی دو عل اور میرے رسولوں پر ایمان بھی لاؤ اور ان کی مدد بھی کرو (اور کمزوروں کی کمزوری دور کرنے کیلئے)

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ
اور قرض دو اللہ کو قرض اچھا ۔ ضرور دور کروں گا تم سے

سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
بدحالیاں تمہاری اور ضرور داخل کروں گا تمکو باغوں جاری ہیں نیچے ان کے

الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ۱۲
نہریں پھر جس نے انکار کیا پیچھے اسکے میں سے تمہارے پس تحقیق گمراہ ہوا سیدھی راہ سے

اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض بھی دو، تو میں ضرور ضرور تمہاری بدحالیاں دُور کر دونگا اور ضرور ضرور تمہیں ایسے باغات میں داخل کر دونگا کہ اُن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔[۳] پھر (ان باغوں میں داخل ہونے) کے بعد[۴] تم میں سے جس نے (اجتماعیّت کا) انکار کیا تو بلاشبہ وُہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔ (وُہ جہنم کی سزا کا مستحق ہے)[۵]

● علہ الزّکوٰۃ کے سہ حرفی مادہ ز۔ک۔و کا بنیادی معنیٰ ہے بڑھنا پھولنا، نشوونما پانا۔ کمزور کا طاقتور اور دُبلے کا فربہ ہونا۔ جیسے کہ زَکَا الزَّرْعُ کا معنیٰ ہے۔ کھیتی بڑھی۔ زَکَا الرَّجُلُ، آدمی مالدار ہوا۔ فربہ ہوا۔ اِتُوا الزَّکوٰۃَ کا مصدری معنیٰ ہے کمزور کو نشوونما دینا۔ دُبلے کو فربہ کرنا۔ اس مادہ کا معنیٰ پاک کرنا بھی ہے۔ آنحضور کو حکم ہوا ہے۔

● خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۹/۱۰۳ اے رسول! آپ مالداروں کے مالوں سے صدقات وصول کریں اور اُس مال کیساتھ کمزوروں کو مالی کمزوری سے پاک کریں اور اُس کے ساتھ ان کی نشوونما کریں، اُنکے دُبلوں کو فربہی عطا فرمائیں۔ اس آیت مجیدہ میں طہارت بالمال اور تزکّی بالمال کے حکم سے بصورت نصف النّہار عیاں ہے کہ طہارت کا معنیٰ مالی کمزوری سے پاک کرنا اور زکوٰۃ کا معنیٰ کمزوروں کو نشوونما اور دُبلوں کو فربہی دینا ہے۔ اس مادہ کا معنیٰ نیک اعمال کیساتھ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرنا بھی ہے۔

● علہ اقرضوا اللہ قرضا حسنا کے الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ یہ قرض حسنہ غریبوں، کمزوروں اور دُبلوں کی غریبی اور کمزوری دُور کرنے کے لئے مانگا جا رہا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے قرض کی کیا حاجت ہے؟

● علہ جنّٰتٍ تجری من تحتها الانهر ہموار و متوازن نظامِ ربوبیّت کیلئے ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ جنّت کی اُخروی زندگی میں تو ظاہر ہے کہ ضروریاتِ زندگی کی بے پایاں فراوانی ہوگی جس کیلئے دُودھ اور شہد کی بہتی نہروں کی اصطلاح ۱۵/۲۷ میں آئی ہے۔ مگر یاد رہے کہ دُنیا میں بھی ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے بھی جنّتٍ تجری من تحتها الانهر کی اصطلاح مستعمل ہے۔ جیسے کہ آیت بالا ۵/۱۲ میں بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے کہ اگر تم نے اجتماعی نظام قائم کیا تو ہم تمہیں ضرور ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کی سطح میں نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ دُنیوی جنّت کا ذکر ہے۔ کیونکہ ا۔

● علہ فمن کفر بعد ذٰلک کے الفاظ سے بھی عیاں ہے کہ کفر کرنا یا نہ کرنا صرف دُنیا میں ممکن ہے جو دار العمل ہے۔ اُخروی زندگی جو دار الجزا ہے اُس میں انکار کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

● فقد ضلّ سواء السّبیل سے بھی دُنیوی زندگی ثابت ہے۔ کیونکہ گمراہ ہونا یا نہ ہونا بھی دُنیوی زندگی ہی سے

متعلق ہے۔ یعنی اس زندگی میں جنّت ہموار و متوازن معاشرہ کا قیام ہے جس کی اساس اجتماعیّت پر قائم ہوتی ہے اور اس سیدھی راہ سے بھٹک جانا، گمراہ ہو جانا ہے انفرادیّت، جس میں سب کچھ طاقتور سمیٹتے چلے جاتے ہیں اور کمزور بچاروں کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔

● بنی اسرائیل کو مذکورہ جنّت حضرت موسیٰؑ کے قائم کردہ نظامِ ربوبیّت کے ذریعہ میسر آئی، جس کی شکل محسوس آزاد اسلامی حکومت تھی جس کا ذکر آیاتِ ذیل میں آیا ہے۔ یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین [2/47+122] اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور بےشک میں نے تمہیں اہلِ جہان پر فضیلت بخشی (یعنی تمہیں حکومت عطا فرمائی) سورہ شعراء میں خبر دی گئی ہے:۔

● فاخرجنٰھم من جنّٰت وّعیون ۝ وّکنوز وّ مقام کریم ۝ کذٰلک ط واورثنٰھا بنی اسرآءیل ۝ [26/57 تا 59] پس ہم نے قومِ فرعون کو لدے پھدے باغوں اور بہتے چشموں، اور بھرے خزانوں اور نفیس محلّات سے نکال باہر کیا۔ ایسا ہی ہوا اور ان سب چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا —— لیکن سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے قیامِ نظامِ ربوبیّت کے پکّے عہد کو توڑ دیا، اجتماعیّت کی بجائے انفرادیّت کی گمراہی میں گم ہو گئے تو اُن پر غلامی کی لعنت مسلّط کر دی گئی۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا
پھر بوجہ توڑنے ان کے عہد اپنا لعنت کی ہمنے اُنکو اور پایا ہمنے

قُلُوبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ
ذہنوں اُنکے کو سخت۔ وہ بدلتے ہیں کلام کو سے موقعہ اسکے کے

وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ
اور بھلا دیا حصّہ جو نصیحت کئے گئے ساتھ اسکے اور نہ رکے گا تو خبر پانا

عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ فَاعْفُ
اوپر خیانت اُن کی اُن ہی سے مگر تھوڑے ان میں سے درگذر کر تو

عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝
اُن سے اور الگ ہو جا۔ بیشک اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنیوالوں کو

پھر (عطاءِ جنّت کے بعد) اس سبب سے کہ بنی اسرائیل نے (ربوبیّت عالمین کے) پکّے وعدے کو توڑ دیا تو ہم نے اُنہیں ملعون کر دیا۔ (اُن سے حکومت چھین گئی اور غلامی کی سزا اُن پر مسلّط کر دی گئی) ہمنے ان کے ذہنوں کو سخت پایا[1]۔ وہ ہمارے کلام کو اُسکے اصل مقام سے بدل دیتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے اُس حصّے کو بھلا دیا جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی[2] اور اے رسولؐ! آپ اُن کی خیانتوں سے تھوڑے افراد کے سوا ضرور خبر پاتے رہیں گے۔ سو ان سے درگزر فرمائیں اور ان سے الگ ہو جائیں (یہی حسن کا راز انداز ہے) بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔ ۱۳

● عملہ جعلنا قلوبھم قٰسیة۔ ہمنے جعلنا کا معنیٰ لکھا ہے پایا۔ اگر اس کا معنیٰ کر دیا صحیح مانا جائے

تو سوال پیدا ہوتا ہے جس کے ذہن کو خود اللہ تعالیٰ نے سخت کر دیا ہو۔ تو پھر اگر وُہ ہدایت نہ پائے تو اُس کا کیا قصور ؟ پس چونکہ اس طرح جزا سزا کا سارا قانون درہم برہم ہوجاتا ہے۔ اس لئے مرقومہ ترجمہ صحیح ہے جس کی علمی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید ہماری صرف و نحو کی غلطیاں بھی نکالتا ہے۔ مروّجہ گرامر میں ثلاثی مجرّد کا خاصہ وجدان نہیں مانا گیا۔ لیکن آیت بالا $\frac{5}{13}$ میں جَعَلَ۔ یَجْعَلُ بروزن فَعَلَ۔ یَفْعَلُ کے باب کا خاصہ وجدان بالصراحت ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ لَعَنّٰھُمْ کی وجہ بیان ہوئی ہے بنی اسرائیل کا اپنا نقضِ میثاق اور اللہ کے کلام میں تحریف کی وجہ بتائی گئی ہے۔ بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی۔ جس کی بدولت وُہ کلامِ الٰہی میں تحریف کرتے تھے۔ چونکہ آیت زیرِ نظر میں بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی مقدّم اور تحریفِ کلام موخر ہے۔ پس جعلنا قلوبھم قسیۃ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ ہمنے ان کے ذہنوں کو سخت کر دیا۔ بلکہ صحیح معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے اُن کے ذہنوں کو سخت پایا اور اِس قساوتِ قلبی کا یہ نتیجہ تھا کہ وُہ کلامِ خداوندی میں تحریف کیا کرتے تھے۔

ہر کسی کا حِصّہ اسکی ضروریاتِ زندگی ہیں

● ۲ سے نسوحظّاً مّمّا ذکّروا بہٖ کے الفاظ نقضِ میثاق کے بدل کے طور پر آئے ہیں۔ کہ ربوبیّت عالمینی کی رُو سے عہد تو یہ لیا گیا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کا حِصّہ اُس کی ضروریاتِ زندگی ہیں تاکہ کسی زیردست و کمزور انسان کے حقوقِ ضروریات غصب نہ ہونے پائیں۔ لیکن وُہ اپنے کئے ہوئے عہدِ ربوبیّت کو توڑ کر اُس نصیحت کو بھول گئے کہ اُن کا حِصّہ، حصّہ مذکورہ سے زائد نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کے بالادست افراد نے انفرادی مفاد کے پیچھے پڑ کر زیردست عوام کو فقر و فاقہ کے جہنّم میں دھکیل دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذلّت و غلامی کی لعنت اُن پر مسلّط ہوگئی۔

اَمن و سکون کا قرآنی نسخہ

● آگے بڑھنے سے پہلے اس حقیقت کا عیاں کرنا ضروری ہے کہ مشاہدہ کی رُو سے کرّہِ ارض پر صرف اسلامی ممالک ہی وُہ ہیں جن میں آئے دِن حکومتوں کے تختے اُلٹتے رہتے، اور داخلی انتشار کے لاوے پھوٹتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جتنی غیرمسلم حکومتیں ہیں اُن میں امن و سکون ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلم ممالک کے سوا باقی کرّہِ ارض دو نظاموں میں بٹا ہوا ہے، ایک تو ہیں اشتراکی ممالک جن میں عوام کی ضروریاتِ زندگی، خوراک، لباس، علاج، تعلیم اور رہائش کی پوری پوری ذمہ داری اُٹھائی گئی ہے۔ اور دُوسرے ہیں سرمایہ داری نظام کے حامل، اُن میں بھی تعلیم و علاج تو سرکاری ہے اور باقی ضروریاتِ زندگی کیلئے عوام کو اِتنی مزدوری یومیہ دی جاتی ہے۔ کہ وُہ بافراغت زندگی بسر کر رہے ہیں:

● لیکن اسلامی ممالک میں عوام کی ضروریاتِ زندگی کی ضمانت حکومتوں نے چونکہ اپنے ذمہ نہیں لی، اس لئے ان ملکوں میں استحصالی نظام جاری ہے۔ جس کی بدولت عوام کو اِتنی مزدوری یومیہ نہیں دی جاتی کہ اُنہیں بافراغت ضروریاتِ زندگی میسّر آتی رہیں چونکہ ہر طرف انفرادیت کی حکمرانی ہے اس لئے اوپر کے طبقے میں حصولِ اقتدار

کے جوڑ توڑ جاری رہتے ہیں اور باقی طبقوں میں حصولِ زر کی دوڑ دوڑی جا رہی ہوتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں داخلی سکون کی بجائے انتشار کا دور دورہ رہتا ہے ۔ اور اوپر والوں کے مسلسل جوڑ توڑ کی بدولت آئے دِن اسلامی حکومتوں کے تختے اُلٹتے رہتے ہیں ۔

● المختصر! امن و سکون کا قرآنی نسخہ وہی ہے جس کا یہ تکراری اعلان کتابِ لاریب میں موجود ہے :- وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اَے نوعِ آدم تیرا پیدائشی حق ہے کہ زمین میں تجھے رہنے کیلئے مکان بھی بلا کرایہ میسّر اور آخری دم تک کے لئے تجھے ضروریاتِ زندگی بھی مسلسل ملتی رہیں ۔ بغض و عداوت کے سوتے پھوٹتے ہیں ، ہموار و متوازن ضروریاتِ زندگی کے میسّر نہ آنے سے ، کہ بعض کے ہاں ضروریاتِ زندگی ٹھوکریں کھا رہی ہوں اور بعض اِن سے محروم محض ہو کر رہ جائیں ۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آئت مجیدہ ۵/۱۳ میں یہودیوں کی عہد شکنی کا ذکر تھا ۔ اگلی آئت مجیدہ میں نصاریٰ کے متعلق بتایا گیا ہے :-

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا
اور ہی سے جن لوگوں نے کہا بیشک ہم نصرانی ہیں ۔ لیا ہم نے
مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ
پکا عہد ان کا ۔ پھر وہ بھول گئے حصّہ جو نصیحت کیے گئے ساتھ اسکے
فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى
پس ڈالدی ہمنے درمیان انکے دشمنی اور بُغض تک
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا
دِن قیامت ، اور عنقریب خبر دیگا ان کو اللہ ساتھ اسکے جو
كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۱۴
تھے بناوٹیں بنایا کرتے ۔

اور (یہود کے بعد دوسرے اہلِ کتاب کا بھی حال سن لو) کہ اُن میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں ، ہمنے اُن سے (بھی یہود کی طرح ربوبیّتِ عامہ کا) پکّا عہد لیا ۔ پھر وُہ بھی اپنے اُس حِصّے کو بھول گئے جس کی اُنہیں نصیحت کی گئی تھی [۱] پھر ہمنے اُن کے درمیان قیامت تک کے لئے عداوت اور بُغض کے آثار پائے [۲] (یہ تو ہُوا دُنیوی عذاب) اور (اُخروی عذاب کے لئے قیامت کو) عنقریب اللہ تعالیٰ اُنہیں (اُن کی اُن مکاریوں کی) خبر دیگا جو وُہ بناوٹیں بنایا کرتے تھے ۔

● [۱] نسوا حظًّا مّمّا ذُکّروا بہٖ کے وُہی الفاظ نصاریٰ کے لئے استعمال ہوئے ہیں جو یہود کیلئے آئے تھے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دو اقوام کی خداوندی کتابوں میں اُن سے اُن کے حِصّہ ، یعنی حقوقِ ربوبیّت کا عہد لیا گیا تھا ۔ جسے دونوں قوموں نے بھلا دیا ۔ اور غیر متوازن نظام قائم کر لئے ۔

● [۲] فاغرینا بَیْنَھُمُ العداوۃ وَالبغضآء اِلیٰ یَومِ القیٰمۃ ۔ میں اُنکی جس باہمی عداوت کا ذکر کیا گیا ہے وُہ بھی غیر متوازن نظاموں ہی کا نتیجہ ہے ۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا جو باہمی گٹھ جوڑ مشاہدۃً موجود ہے ، اِس آئت کی رُو سے اُس کا کیا جواب ہے ؟ جواباً عرض ہے کہ آئت بالا میں تو اُن کی ذہنی پوشیدگیوں کی خبر دی

گئی ہے کہ ان میں سے جس قوم کو موقعہ میسر آتا ہے دوسری کو کمزور اور زیردست بنا دیتی ہے۔ مگر قرآنِ کریم نے یہ بھی خبر دیدی ہے کہ وُہ اہلِ اسلام کے مقابلے پر باہمی عداوت کو چھپا کر ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں جیسے کہ اسی سورہ مائدہ کی آئت نمبر ۵۱ میں ارشاد ہوا ہے۔

● یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۵/۵۱ ایمان والو! یہود اور نصارٰی کو دوست نہ بنانا۔ وُہ آپس میں ایکدوسرے کے دوست ہیں ـــــ بالفاظ دیگر یہود و نصارٰی میں اہلِ اسلام کے مشترکہ دُشمن ہونے کے باوجود قیامت تک کیلئے نہ مٹنے والی دُشمنی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ عیسائیوں نے یہودیوں کو کرۂ ارض پر بکھیر کر ذلیل و خوار کر دیا تھا۔ مگر اب عرب مسلمانوں کے مقابلے پر اُنہی کو اسرائیلی ریاست کی صورت میں بطور ہتھیار استعمال کیا جا رہا ہے۔

یہود و نصارٰی سے اتمامِ حجت

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں یہود و نصارٰی دونوں کو مخاطب کر کے قبولِ ہدایت کیلئے اتمامِ حجت کر دیگئی ہے کہ اب ہمارا رسول آچکا

یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا
اے والو کتاب کے بیشک آیا طرف تمہاری رسول ہمارا
یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ
بیان کرتا ہے واسطے تمہارے بہت اس سے جو کہ تم چھپاتے تھے
الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ؕ قَدْ جَآءَکُمْ
کتاب سے اور درگذر کرتا ہے سے بہت کے بیشک آیا پاس تمہارے
مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۞ ۱۵
طرف سے اللہ کے نور یعنی کتاب خود بیان کرنیوالی
یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ
راہنمائی کرتا ہے ساتھ اسکے اللہ جو اتباع کرتا ہے رضا اسکی
السَّلٰمِ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ
راہیں سلامتی کی۔ اور نکالتا ہے انہیں بیچ اندھیروں کے طرف روشنی کے
بِاِذْنِهٖ وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۞ ۱۶
ساتھ قانون اپنے اور راہنمائی کرتا ہے طرف راہ سیدھی کے۔

اے اہلِ کتاب (خصوصاً یہودیو اور نصرانیو!) بلاشبہ تمہارے پاس ہمارا بھیجا ہوا رسول ﷺ آچکا ہے۔ تم نے جو کچھ کتاب میں سے چھپایا ہُوا ہے، اُس میں سے بہت سا حصّہ کھول کر بیان کرتا ہے اور بہت سے حصّے سے (جسے تم نے چھپایا نہیں) درگزر کرتا ہے عہ۱ بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی یعنی خود بیان کرنے والی کتاب آگئی ہے عہ۲

اُس کیساتھ اللہ رہنمائی کرتا ہے سلامتی کی راہوں کی اُنہیں جو اُس کی رضا (یعنی قرآنِ کریم) کی پیروی کرتے ہیں عہ۳ (اور قرآنِ کریم کی روشنی کیساتھ) نکالتا ہے اُنہیں، اندھیروں سے (اور لاتا ہے) طرف روشنی کے اپنے قانون کیساتھ اور ان کی رہنمائی کرتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔

● عہ۱ یہود و نصرٰی نے کتبِ الٰہیہ کے جن مسائل کو بگاڑ لیا ہے۔ قرآن کریم نے اُنکی خبر دیدی ہے اور جنہیں

نہیں بگاڑا اُن سے درگزر کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم سابقہ کتب الہیہ کا مصدّق بھی ہے اور مہیمن بھی ہے ۵/۴۸

نورٌ و کتٰبٌ مُّبین میں واؤ تفسیری ہے

● ع۲ ان الفاظ میں آمدہ واؤ کو بعض لوگ واؤ مغائرت قرار دے کر نور سے مراد لیتے ہیں رسولِ عربی سلام علیہ۔ اور کتٰبٌ مُّبین سے مراد لیتے ہیں قرآن کریم۔ حالانکہ قرآن بھر میں آنحضور ؐ کو کہیں بھی نور نہیں کہا گیا۔ اور اس کے برعکس قرآن مجید کو متعدد بار نور کہا گیا ہے۔ جیسے کہ ۴/۱۷۴ میں واؤ تفسیری کے انداز میں فیصلہ کن الفاظ موجود ہیں۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ اے نوعِ انسانی! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل آگئے ہیں (قرآن کریم) یعنی ہمنے تمہاری طرف نورِ مبین (قرآن کریم) نازل کر دیا ہے۔ دیکھئے! یہاں برہان اور نورِ مبین ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جو بذریعہ تنزیل آئی تھی، بذریعہ بعثت نہیں۔ نیز آیت ذیل میں نور کو بشری رسول ؐ سے الگ چیز بتایا گیا ہے۔

● فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا۔ ۶۴/۸ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے بشری رسول کیساتھ اور ایمان لاؤ اُس نور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے۔ اس آیت مجیدہ میں نور کی یہ صفت خاص کر دی گئی ہے کہ وُہ بذریعہ تنزیل آیا تھا۔ حالانکہ بشری رسول ؐ بذریعہ تنزیل نہیں، بلکہ بذریعہ بعثت آیا کرتے تھے۔ اس لئے کسی بھی بشری رسول ؐ کو نور قرار دینا خلافِ قرآن ہے۔

آنحضور ؐ کی بشریت

● سورہِ کہف، سورہ حٰم سجدہ اور سورہ بنی اسرائیل میں آنحضور ؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے:۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶ اے رسول ؐ کہدیجئیگا کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں ـــ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۱۷/۹۳ اے رسول ؐ کہدیجئیگا کہ میرا رب پاک ہے۔ میں تو نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول ؐ ہوں۔

● ع۳ سُبُلَ السَّلٰمِ یعنی سلامتی کی راہیں نور ہی کی بدولت میسّر آتی ہیں۔ کیوں کہ اندھیروں میں انسان کبھی تو راستے کے اینٹ پتھروں کیساتھ ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اور کبھی کھائی، خندق یا گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اور اُوپر آپ دیکھ چکے ہیں نور صرف قرآن کریم ہے۔

● ع۴ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ کے الفاظ میں رضوانِ الٰہی کی اتباع کی خبر دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ رضوانِ الٰہی صرف تنزیلِ خداوندی ہے۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے ۷/۳:۔ پیروی کرو صرف اُسکی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اور اُسکے سوا کے خیرخواہوں کی پیروی نہ کرنا۔ خود آنحضور ؐ کو بھی تکرار ارشاد ہوا ہے وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۳۳/۲ + ۱۰/۱۰۹ اے رسول ؐ پیروی کیجئے اُس کی (یعنی قرآن کریم کی) جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے۔

● نیز بتکرارِ کثیر آنحضورؐ سے بھی اعلان کرا دیا گیا ہے :- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۷/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۷/۲۰۳ + ۴۹/۹

آنحضورؐ کی اتباع

● اس ضمن میں آخری سوال یہ ہے کہ ۳/۳۱ میں ارشاد ہوا ہے :- قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ۔ کہہ دیجئیگا اے رسولؐ! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اس کا کیا جواب ہے۔ یہاں دیکھنا یہ ہے کہ جب اُوپر کی آیاتِ کثیرہ ۳۳/۲ + ۱۰/۱۰۹ + ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۷/۲۰۳ + ۴۶/۹ سے بارشاد الٰہی اور باعلان رسولؐ مقبول عیاں ہے کہ آنحضورؐ قرآن کریم کی اتباع (پیروی) کرتے تھے تو بصُورتِ نصف النہار ثابت ہوچکا کہ قرآن کریم کی پیروی ہی رسولؐ مقبول کی پیروی ہے۔ اس کے ضمن میں جن کتابوں کو احادیث کے نام سے اتباعِ رسولؐ کا نام دیدیا گیا ہے وُہ کُتب احادیث نہیں بلکہ کُتب روایات ہیں۔ کیونکہ وُہ آنحضورؐ کے دوسو سال بعد سُنے سنائے غیر یقینی طریقے سے جمع کی گئی تھیں۔ وہ آنحضورؐ کی طرف منسوب ہیں جیسے کہ علماء کرام روائت بیان کرنے کے بعد خود کہتے ہیں اَوْ کَمَا قَالَ، یا جس طرح نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا۔ اَوْ شک کیلئے آتا ہے یقین کیلئے نہیں آتا۔

● سلسلۂ درس کے سیاق کلام میں چونکہ ذکر ہو رہا تھا نصاریٰ کا۔ اس لئے اگلی آئت مجیدہ میں اُنہی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
البتہ تحقیق کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ ہے وہ
الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ
مسیح بیٹا مریم کا۔ کہہ پھر کون اختیار رکھتا ہے
مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ
مقابلے اللہ کے کچھ اگر وہ ارادہ کرتا کہ ہلاک کرے مسیح
ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ
بیٹے مریم اور ماں اسکی کو اور جو بیچ زمین ہے سارا
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ
اور واسطے اللہ کے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی اور جو ہے
يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷
بیچ دونوں کے پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے قانون ساز

بیشک (وحدت باری کا) انکار کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ وُہ مریمؑ کا بیٹا مسیحؑ اللہ ہے (اے رسولؐ!) کہہ دیجئیگا کہ (مسیح کس طرح اللہ ہو سکتا ہے جبکہ وُہ موت کے قانون ۳/۱۸۵ ۲۱/۳۵ - ۳۴ ۲۹/۵۷ کے مطابق فوت ہو چکا ہے بلکہ اگر اللہ تعالےٰ یہ ارادہ کرتا کہ مسیحؑ ابن مریمؑ، اُسکی ماںؑ، اور ہر جاندار جو زمین میں موجود ہے سب کے سب کو ہلاک کر دے تو اُسکے مقابلے پر کسے ذرا سا بھی اختیار حاصل ہے (کہ اُسے روک سکتا) حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں میں جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے۔ وُہ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قانون بنانے والا ہے۔

صحت مفہوم کے دلائل

● آئت بالا کا مندرجہ بالا مفہوم د۔
مشاہدہ کائنات اور قواعدِ عرب کے عین مطابق ہے کہ حضرت مسیحؑ اور اُن کی والدہ محترمہؓ فوت ہو چکے ہیں۔ مسیحؑ اللہ نہیں تھے۔ اللہ تو وُہ ہے جس نے اپنے غیر متبدّل قانون کے مطابق دونوں ماں بیٹوں کو فوت کر دیا تھا۔ بلکہ اگر وُہ ان کی ہلاکت کے ساتھ ہی یہ بھی ارادہ کرتا کہ زمین میں جو کچھ ہے سب کو ہلاک کر دے تو کوئی بھی اُس کے ارادے میں مخل نہیں ہو سکتا تھا۔ کیوں؟ اس کیوں کا جواب للہ ملک السموات والارض وما بینھما کے الفاظ میں دیدیا گیا ہے کہ آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے اندر جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے اور وُہ ہر چیز کے صحیح صحیح اور غیر متبدّل قوانین بنانیوالا ہے۔ موت کا قانون بھی اسی کا متعین کردہ ہے۔ مسیحؑ و مریمؓ اگرچہ انتہائی برگزیدہ انسان تھے مگر موت کے قانونِ خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے تھے؛

وفات مسیح و مریمؓ

● افسوس ہے کہ حضرت مسیحؑ کو خدا تعالیٰ کے غیر متبدّل قانون کے خلاف زندہ اور چوتھے آسمان پر مقیم مانا جاتا ہے۔ اور ان کی زندگی پر آئتِ بالا کے الفاظ ذیل کو مروجہ ترجمہ کیساتھ بطور دلیل لایا جاتا ہے: قل فمن یملک من اللہ شیئا ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم وامّہ ۵/۱۷ کہدے پھر اللہ کے سامنے کس کا بس چلتا ہے اگر وُہ چاہے کہ مسیح مریم کے بیٹے اور اُس کی ماں اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کر دے۔ (ترجمہ مولوی احمد علی صاحب مرحوم لاہوری)

● اس ترجمہ کے الفاظ "اگر چاہے" سے دلیل لائی جاتی ہے کہ حضرت مسیح زندہ ہیں۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ زمین کی ہر مخلوق کو جو زندہ ہے مسیح کو بھی ہلاک کر دے جو زندہ ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت مسیح کو زندہ ماننے والے بھول گئے ہیں کہ اس آئت میں مسیح علیہ سلامُ کیساتھ ساتھ حضرت مریمؑ بھی ایک ہی ضمن میں مذکور ہیں اور مذکورہ بالا ترجمہ کا ملخص یہ ہے "مسیح، اسکی والدہ زمین کے تمام لوگوں کو اگر اللہ چاہے تو ہلاک کر دے۔"

● اگر اس ترجمے کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت کی زندہ زمینی مخلوق کیساتھ ساتھ حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہؓ دونوں زندہ تھے، اور اب بھی صرف مسیحؑ ہی زندہ نہیں بلکہ اُن کی والدہ بھی زندہ ہے۔ لیکن جبکہ حضرت مریمؓ کو زندہ نہیں مانا جاتا تو جس قاعدے کے مطابق حضرت مریمؓ کو فوت شدہ مانا جاتا ہے اُسی قاعدہ کی رُو سے حضرت مسیحؑ بھی فوت شدہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر آئت زیرِ بحث کی سند کیساتھ حضرت مسیحؑ کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہو تو حضرت مریمؓ کا زندہ ہونا بھی ثابت ہوگا۔

مزید تحقیق

● آئت بالا ۵/۱۷ سے حضرت مسیحؑ کو زندہ ثابت کرنے کی راہ میں ناقابلِ انکار حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریمؓ کا متوفی ہونا جملہ مکاتبِ فکر میں ایک متفقہ مسلمہ امر ہے۔ اور

اس چیز سے بھی انکار کی گنجائش موجود نہیں کہ آیتِ صدر میں حضرات مسیحؑ و مریمؑ کو ایک ہی مقام دیا گیا ہے، یعنی اس آیت مجیدہ کی رُو سے اگر زندہ مانا جائیگا تو دونوں کو، اور متوفی مانا جائیگا تو دونوں کو۔ ان میں سے ایک کو مردہ اور ایک کو زندہ مانا ہی نہیں جا سکتا۔ اب چونکہ حضرت مریمؑ متفقہ مسلّہ کے مطابق فوت ہو چکی ہیں جنہیں زندہ کیا ہی نہیں جا سکتا، اس لئے ثابت ہُوا کہ حضرت بھی فوت ہو چکے ہیں۔ اور آیت مجیدہ کے الفاظ اِنْ اَرَادَ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ اگر اللہ ارادہ کرے یا چاہے، بلکہ صحیح معنیٰ اس کا یہ ہے کہ "اگر اللہ چاہتا یا اگر ارادہ کرتا" اور آیت مجیدہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:-

● اگر اللہ تعالیٰ مسیحؑ اور اس کی ماں کی ہلاکت کیساتھ یہ بھی ارادہ کرتا کہ تمام زمینی مخلوق کو ہلاک کر دے تو کِسے اختیار تھا کہ اُسے روک سکتا۔ کیوں کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی ہر چیز پر خدا تعالیٰ کی حکمرانی ہے۔

وفاتِ مسیح و مریمؑ کے مزید دلائل

● اسی سورہ مائدہ میں آگے چل کر ارشاد ہُوا ہے:-

مَا المسیح ابن مریم اِلَّا رسولٌ قد خلت من قبله الرُّسل $\frac{5}{75}$

نہیں ہیں مسیحؑ ابن مریمؑ مگر صرف اللہ کے رسول، اُن سے پہلے والے سب رسولؑ فوت ہو چکے ہیں ـــــ عین یہی الفاظ آنحضورؐ کے متعلق سورہ آل عمران میں آئے ہیں:- مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رسولٌ قد خلت من قبله الرُّسل

نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسولؐ۔ اُن سے پہلے والے سب رسولؑ فوت ہو چکے ہیں۔ اب ان دونوں آیات مجیدہ $\frac{5}{75}$ اور $\frac{3}{144}$ کا تقابل ملاحظہ فرمائیں۔ جس طرح حضرت مسیحؑ سے پہلے والے سب رسولؑ یقیناً یقیناً بلا اختلاف فوت ہو چکے ہیں اُسی طرح جناب رسولؐ مقبول سے پہلے والے سب رسولؑ بھی معہ حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں۔ مسیحؑ سمیت اُن میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔ پس حضرت مسیحؑ کو زندہ قرار دینا خلافِ قرآن ہے۔ آپؑ موت کے غیر متبدّل قانونِ خداوندی کے مطابق فوت ہو چکے ہوئے ہیں۔ $\frac{3}{144}$

● دوسرے نمبر پر اسی آیت مجیدہ میں حضرت مسیحؑ و مریمؑ کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد اخیر پر جملہ لایا گیا ہے:- واللہ علیٰ کل شیئٍ قدیر۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ "حقیقت یہ ہے اللہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین متعین کرنیوالا ہے۔" اس جملہ میں خود اپنے متعین کردہ موت کے قانون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس کے لئے تکرار تاکیدی کے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں:- کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ $\frac{3}{185}$ $\frac{21}{34-35}$ $\frac{29}{57}$ پس آیت مجیدہ کے اخیر پر تعیینِ قوانین کے اعلان سے بھی ثابت ہوا کہ ہر نفس کیلئے موت کا قانون ہے زندہ اُٹھا لئے جانے کا کوئی نہیں۔

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم سب اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں

● سابقہ آیات مجیدہ میں نصاریٰ کا یہ دعویٰ، کہ مسیحؑ ہی اللہ ہے، کی تردید کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اُنکے اِس عجیب و غریب دعویٰ کا بُطلان کیا گیا ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے

پیارے ہیں۔ چنانچہ بزبان تنزیل ارشاد ہوا ہے:۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا
اور کہا یہود نے اور نصاریٰ نے ہم ہیں بیٹے
اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
اللہ کے اور پیارے اسکے ۔ کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تمکو
بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ
بدلے گناہوں تمہارے ۔ بلکہ تم بندے ہو اُن ہی سے جو پیدا کیے
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
بچاؤ دیتا ہے واسطے اسکے جو چاہتا ہے اور عذاب کرتا ہے
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اُسے جو چاہتا ہے ۔ اور ہے واسطے اللہ کے حکومت آسمانوں
وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ ۱۸
اور زمین کی اور جو اُن کے اندر ہے اور طرف اسی کے رہنے کی جگہ ہے
● يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا
اے والو کتاب کے بیشک آیا تمہارے پاس رسول ہمارا
يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا
بیان کرتا ہے واسطے تمہارے اوپر خاتمہ کے بیچ سے رسولوں
مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ
کے ۔ کہ تم کہو نہیں آیا ہمارے پاس میں سے خوشخبری دینے
بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اور ڈرانیوالا ۔ اور ہے اللہ اوپر تمام چیزوں کے

اور یہود و نصاریٰ (دونوں الگ الگ) کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں اور ہم سب اس کے پیارے ہیں۔ کہہ دیجئیگا (اے رسول صلعم! اگر ایسا ہے تو) پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے بدلے عذاب کیوں دیتا ہے۔ (نہ تم اللہ کے بیٹے ہو نہ اُس کے پیارے) بلکہ تم سب بندے ہو، اُسی مخلوق میں سے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ وہ اللہ جسے بچاؤ دیتا، اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے اور جسے عذاب دیتا ہے اپنے قانون کے مطابق ہی عذاب دیتا ہے۔ (یاد رکھو کہ) آسمانوں اور زمین اور اُن دونوں کے اندر جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ کی حکمرانی ہے اور (اعمال کی جوابدہی کے لئے اُسی کی عدالت عالیہ میں تم سب نے) حاضر ہونا ہے۔

اے اہلِ کتاب! (دوبارہ سن لو کہ) تمہارے پاس ہمارا پیغام پہنچانیوالا آگیا ہے۔ وہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے (وہ آیا ہے) رسولوں کے خاتمے پر (یعنی وہ آخری رسول صلعم ہے) کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی نیک اعمال کی نیک جزا کی خوش خبری دینے والا آیا ہے اور نہ بُرے عملوں کی بُری سزا سے ڈرانیوالا آیا ہے۔ پس تمہارے پاس ہمارا خوش خبری دینے والا اور ڈرانیوالا آ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین

قَدِیْرٌ ٥
قانون بنانیوالا

ع ١٩

متعین فرمانے والا ہے۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت کریمہ میں یہودیوں کو حضرت موسیٰ سلام علیہ کے الفاظ میں اپنی نعمت یاد کرائی گئی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ
اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے اے قوم
اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ
میری یاد کرو نعمت اللہ کی اوپر تمہارے جب ٹھہرائے بیچ
فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ
تمہارے انبیاء اور ٹھہرایا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو
مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٠
جو نہیں دیا گیا کوئی ایک میں سے جہانوں کے

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب موسیٰ ع نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر ارزانی فرمائی جب اس نے تم میں نبی مبعوث فرمائے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ (حکومت عطا فرمائی) اور تمہیں وہ کچھ دیا جو (اس زمانے اور اس علاقے کے) کسی شخص (یا قوم) کو نہیں دیا گیا تھا۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ
اے میری قوم داخل ہو جاؤ ارض مقدس میں
الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى
جو لکھ دی اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ پھرنا اوپر
اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝٢١
پیٹھوں اپنی کے ۔ پھر تم لوٹو گے گھاٹا پانیوالے

(وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب حضرت موسیٰ سلام علیہ نے اپنی قوم سے کہا) اے میری قوم ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ، جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور پیٹھ موڑ کر (میدان سے) بھاگ نہ آنا۔ ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اس پر صدیوں کی غلامی میں رہنے والے سہل انگار یہودیوں نے انتہائی نامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ
کہا انہوں نے اے موسیٰ بیشک بیچ اسکے ایک قوم ہے جنگجو
وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ
اور بیشک ہم ہرگز نہ داخل ہونگے بیچ اسکے حتیٰ کہ وہ نکل جائیں اسکے
يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝٢٢
پھر اگر وہ نکل جائیں اسکے تو بیشک ہم داخل ہو جانے ہونگے

(بنی اسرائیل نے) کہا اے موسیٰ! اس میں ایک بڑی جنگجو قوم ہے بیشک ہم اس میں اسوقت تک داخل نہ ہونگے جبتک کہ وہ لوگ اس میں سے نکل نہ جائیں! پھر اگر وہ نکل جائیں تو پھر ہم بیشک اس میں داخل ہونے والے ہوں گے۔

لمبی غلامی کے گہرے اثرات

• جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ زمین لکھ دی ہے قرآن کی حالت یہ تھی کہ وُہ جنگ کے بغیر قبضہ چاہتے تھے۔ اگر سابقہ قوم اُس سے خود بخود نکل جائے تو وُہ پھر اس زمین کا انتظام سنبھال لیتے۔ بالفاظ دیگر فرعون کی طویل غلامی نے جنگ سے گریز پائی ان کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ لہذا اُنہوں نے ارضِ مقدس کی طرف منہ نہ کیا۔ حالانکہ معلوم ہوتا ہے اُس وقت مذکورہ زمین کے حکمرانوں کی حالت اسقدر کمزور ہو چکی تھی کہ صرف شہر میں داخل ہونے ہی سے قبضہ میسّر آسکتا تھا۔ جیسے کہ اِسی چیز کی خبر اگلی آئت مجیدہ میں حضرات موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں بھائیوں نے بنی اسرائیل کو وضاحتاً دے دی تھی :-

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ

کہا دو مردوں نے ہیں سے اُن کے جو ڈرتے تھے، انعام فرمایا

اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا

اللہ نے اوپر دونوں کے داخل ہو اُوپر اُن کے دروازے سے پھر جب

دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ

داخل ہو گئے تم اُن پر تو بیشک تم غالب ہونے والے ہو اور اوپر اللہ کے پس بھروسہ کرو تو کل اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۳

ہو تم مومن

اُن میں سے اُن دو آدمیوں نے، جو (اللہ سے) ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر انعام نبوّت فرمایا تھا کہا تم اُن (بستی والوں) پر داخل ہو جاؤ پھر جب تم ان پر داخل ہو گئے، تو پھر بلا شبہ تم آپ غالب آجاؤ گے اور پس تم اللہ (کے قانون پر) بھروسہ کرو اگر تم اللہ کے قانون پر ایمان رکھتے ہو۔

• حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم عیش پرستیوں کے چکّر میں پڑ کر عوام کے حقوقِ ربوبیّت سے غافل ہو جاتی ہے تو اسوقت اپنے اس جرم کی بدولت یقیناً میزانِ خداوندی میں قابل سزا ٹھہرتی ہے۔ ایسی قوم پر اس حد تک غفلت چھا جاتی ہے کہ جو، اور جیسی بھی قوم اُس وقت اُس کی طرف بڑھتی ہے اُس کے لئے داخلے کے تمام دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ وُہ اس کے مقابلے کے لئے اپنے عشرتکدوں سے باہر نکلنے تک کی زحمت گوارا نہیں کر سکتی۔ اور اگر مقابلے پر آ بھی جائے تو دُم دبا کر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتی ——

یہی حال اُس وقت ارضِ مقدّس کے حکمرانوں کا تھا۔ کردار لخلافہ کے صدر دروازے تک پہنچنے میں کوئی مزاحمت کرنیوالا موجود نہیں تھا۔ شہر میں داخلہ ہی فتح کا نشان تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے جنہیں فرعون کی غلامی نے جہانبانی کے نام تک سے نا آشنا کر دیا تھا، اور جو دشمن کے مقابلے کے تصوّر تک سے کانپتے تھے ایسی سستی فتح بھی قبول نہ کی۔ صرف شہر کے دروازے سے داخلے تک سے اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ حضرت

موسیٰؑ کو یہ جواب دیا:۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا
کہا اے موسیٰ بیشک ہم ہرگز نہ داخل ہونگے اس میں کبھی
مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ
جبتک وہ موجود ہیں بیچ اسکے پس جا تو اور تیرا رب
فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ ۲۴
پس لڑو تم دونو بیشک ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں۔

انہوں (بنی اسرائیل) نے کہا اے موسیٰؑ ہم کبھی بھی اُس (شہر) میں داخل نہیں ہوں گے جبتک کہ وُہ قوم اُس میں موجود ہے۔ پس جا تو اور تیرا رب، پھر تم دونوں (اس قوم سے) لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھیں گے۔ (اور جب تو اس قوم کو وہاں سے نکال دیگا تو ہم داخل ہو جائیں گے)

● قوم کی اس مثالی بزدلی پر حضرت موسیٰؑ بے حد پریشان ہوئے اور حضورِ الٰہی میں دردمندانہ انداز میں عرض کیا:۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ
کہا اے میرے رب بیشک میں نہیں مالک مگر اپنا اور بھائی اپنے کا
فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ۲۵
پس فرق کر تو درمیان ہمارے اور درمیان قوم فاسقوں کے۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا اے میرے پالنے والے میں تو اپنے آپ اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ پس تو ہمارے اور اس حدود ناآشنا قوم کے درمیان خود فرق کر دے۔

● اس کے جواب میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ
کہا پس بیشک وہ حرام کردیگئی اوپر اُن کے چالیس
سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ
سال کیلئے سرگرداں پھرینگے بیچ زمین کے۔ پس نہ افسوس کر اوپر قوم
الْفٰسِقِيْنَ ۝ ۲۶ ع
فاسقوں کے

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ اے موسیٰؑ (یہ ارضِ مقدس جو اُن کے لئے لکھدی گئی ہوئی ہے۔ اُن کی نامردی کی بدولت) اُن پر چالیس سال کیلئے حرام ہو چکی ہے۔ سرگرداں پھریں گے زمین میں پھر آپ حدود ناآشنا قوم پر افسوس نہ کریں۔

● آیت ۲۵ میں ارشاد ہوا ہے کہ ارضِ مقدس بنی اسرائیل کیلئے لکھدی گئی ہے۔ مگر اس آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اُن کی بزدلی اور نامردی کی بدولت اب اُن پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔ چالیس سال کی سزا سے صاف ظاہر ہے کہ اس عرصے میں دورِ غلامی کی پیداوار اور ذلت کے ٹکڑوں سے پلے ہوئے نامرد بزدل مرکر ختم ہو جائیں اور آزادی کی پیداوار نئی نسل جو آزاد فضا میں پل کر جوان ہوئی وُہ چالیس سال کے بعد اس زمین مقدس کو اپنی جدّوجہد کیساتھ حاصل کرے گی۔

● واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی مشروط ہے اور ہر وُہ چیز جو وُہ عطا فرماتا ہے وُہ بھی مشروط ہوتی ہے۔

۱ ۝ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۲۲/۴۰ اور ضرور ضرور اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے نیز
۲ ۝ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۶/۱۲۸ وہ اللہ لوگوں کا مددگار ہے اُنہی اعمال کیساتھ جو وُہ خود بجالاتے ہیں۔

۳ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ ۝ ۱۳/۱۱ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اُسوقت نہیں بدلتا جبتک کہ وُہ اپنی حالت کو خود نہیں بدلتی۔

۴ ۝ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ = ۱۵/۲۱ اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے موجود ہیں مگر ہم اتنا ہی دیتے ہیں جتنا نوعِ انسانی خود معلوم کرتی ہے۔

۵ ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ ۵۳/۳۹ اور یہ کہ انسان کیلئے وہی کچھ ہے جس کیلئے وُہ خود کوشش کرے

• بنی اسرائیل کیلئے ایک سنہری موقعہ تھا کہ جسے اُنہوں نے اپنی بُزدلی اور نامردی کی بدولت ضائع کر دیا۔ اس لئے وہی حکومت جو اُنہیں چالیس سال پیشتر مل رہی تھی، چالیس سال کے بعد ملی۔ پس واضح رہے کہ ارضِ مقدّسہ کے لئے جو کَتَبَ لَكُمْ کے الفاظ آئے ہیں، وُہ مشروط تھے۔ اگر بنی اسرائیل میسّر آمدہ موقعہ سے فائدہ اٹھا کر شہر میں داخل ہونے کی جُرأت کرتے، تو اُسی وقت وُہ علاقہ زیر نگیں ہو جاتا۔ بصورتِ دیگر چالیس سال کے بعد میسّر آیا مگر بلا خود اُنکی کوشش ہی کی بدولت کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر عطا انسان کی اپنی جدّوجہد کیساتھ مشروط ہے۔

• آیاتِ بالا میں اگرچہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے لیکن اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکمرانی اور جہانبانی بُزدلوں اور نامردوں کا حصّہ نہیں، بلکہ اُن لوگوں کا حصّہ ہے جو ایک طرف تو دشمن کے حالات سے ہر آن باخبر رہیں، اور دُوسری طرف موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کیلئے ہر وقت تیار ہوں۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اٹل ہے اور اٹل رہے گا۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس امر کے اعلان کیلئے بنی اسرائیل کو نوعِ آدم کے دو افراد کا واقعہ سنائیں کہ نہ کوئی فرد یا قوم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور پیاری ہے اور نہ اُسے کسی قوم کیساتھ کوئی ذاتی عناد ہے بلکہ جو فرد بھی اُسکے قانون کے مطابق عمل کرتا ہے اُس کی محنت مقبول یعنی ثمر بار ہوتی ہے اُسے خدا تعالیٰ کی قربت نصیب ہوتی ہے، اور جو اُس کے قوانین کی مخالفت کرتا ہے اُس کی محنت نامقبول یعنی ثمرور نہیں ہوتی اور نہ اُسے قرب حاصل ہوتا ہے۔

• زیرِ بحث آیتوالی اگلی آیت مجیدہ انتہائی قابلِ غور ہے۔ اسکے ساتھ حضرت آدم کے دو بیٹوں کا وہ بنیادی قصّہ چسپاں کیا گیا ہے۔ جو محرّف بائبل میں درج ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

وَاتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ ۘ

اور پڑھ اور پران کے خبر دو بیٹوں نوعِ آدم کی ساتھ سچ کے

اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِهِمَا وَلَمۡ

جب دونوں قریب ہو گئے قریب ہونا پھر قبول ہوا ایک دونوں میں سے اور نہ

یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقۡتُلَنَّكَ ؕ قَالَ

قبول ہوا سے دوسرے کے۔ کہا ضرور قتل کردوں گا تجھے کہا

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ۝۲۷

سوائے اسکے نہیں قبول کرتا اللہ سے بچنے والوں کے

پڑھ کر سنا دے (اے رسول) اُن بنی اسرائیل) پر بنی نوعِ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر، جب وہ دونو الگ الگ ایسا عمل بجالائے کہ اس سے قربت نصیب ہو (انکی محنت ثمرور ہو) پس اُن میں سے ایک کا عمل قبول ہوا (اس کی محنت ثمر بار ہوئی) [علہ] اور دوسرے کا عمل نامقبول ہوا۔ اُس نے (مقبول عمل والے کو) کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا [علہ] اُس نے کہا سوائے اس کے کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے عمل قبول کرتا ہے جو اُسکے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں [علہ]

● علہ اس آیت مجیدہ کی ابتدا میں واؤ آئی ہے اُس کا عطف آیت نمبر ۱۸ اپر ہے جس میں اہلِ کتاب کے اِس دعوے کا ذکر ہے کہ وُہ اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں، اس آیت میں ایک واقعہ بیان کرکے واضح کر دیا گیا ہے کہ نہ کوئی فرد یا قوم اللہ کی اولاد ہے نہ پیاری ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قربت اُنہیں میسّر ہے جو متقین ہیں۔ یعنی جو قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

● علہ۲ کتبِ تفاسیر نے اس واقعہ کو حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصّہ قرار دیا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ جب قرآن کریم کی رُو سے نوعِ آدم کی پیدائش کسی ایک شخص کا بُت بنانے سے ثابت ہی نہیں ہوتی بلکہ ۱۱/۶۱ ۲۰/۵۵ اور ۷۱/۱۸ کی قرآنی شہادت کے مطابق نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق زمین سے بتائی گئی ہے تو ثابت ہوا کہ زیرِ بحث قصّہ نوعِ آدم کے دو افراد کا ہے، حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا نہیں۔

● علہ۳ قَرَّبَا قُرۡبَانًا کے الفاظ سے کتبِ تفاسیر نے جانوروں کی قُربانی مُراد لیکر یہ تصوّر دیا ہے کہ مذکورہ افراد نے الگ الگ جانوروں کو ذبح کیا تھا۔ ایک کی قربانی مقبول ہوئی اور دوسرے کی رد کردی گئی۔ اس کے ضمن میں واضح کیا جاتا ہے کہ جانوروں کو خدا کے نام پر ذبح کرنے کیلئے قرآن بھر میں ہرگز کہیں بھی قربانی کا لفظ نہیں آیا۔ خدا تعالیٰ خون بہانے سے خوش نہیں ہوتا۔ بُت پرست اقوام بزعمِ خویش اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے مینڈھے اور بکرے کے علاوہ گھوڑے اور بھینسے تک کو دیوی دیوتاؤں کے چرنوں پر بھینٹ چڑھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ ایسے تصوّرات سے پاک و منزّہ ہے۔ حج کے موقعہ پر غذائی ضروریات کیلئے ذبح کئے جانیوالے جانوروں کیلئے بھی قربانی کا لفظ نہیں آیا، بلکہ ھدی اور قلائد کے الفاظ آئے ہیں، ھدی کا معنیٰ ہے تحفہ اور قلائد کا معنیٰ ہے گھر میں پالے ہوئے جانور۔

● ۵ روایاتی تفاسیر پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جانوروں کی متصوّرہ قُربانی کے مقبول یا مردُود قرار دیئے جانے کا پیمانہ کونسا ہے، جس سے ناپ کر مذکورہ دو افراد نے جان لیا کہ فلاں کی قربانی مقبول ہوئی ہے اور فلاں کی مردُود۔ واضح رہے کہ قَرَّبَا قُرْبَانًا سے مراد ہر دو افراد کے اعمال ہیں جن میں وقت اور محنت قربان کی۔ مثلاً دونوں نے الگ کاشت کی۔ ایک نے بروقت زمین تیار کی۔ عمدہ اور صحت مند بیج ڈالا۔ بروقت پانی دیتا رہا۔ کھیتی کی رکھوالی کی۔ اس طرح اُس نے جس قدر وقت اور محنت کی قربانی دی وُہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول ہُوئی، اور قبولیت کی شکلِ محسوس یہ سامنے آئی کہ اُسکا کھیت ثمرور فصل کیسا تھ لہلہا اُٹھا۔ اور آخری نتیجے کے طور پر اُس نے اُسے کاٹا، گاہا اور ڈھیروں اناج کی بوریاں بھر کر گھر لے گیا۔

● اس کے برعکس دوسرے نے مذکورہ بالا قانونی مراحل میں سُستی کی۔ نہ اچھی طرح زمین تیار کی نہ اچھا بیج ڈالا۔ نہ بروقت پانی دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے جو وقت اور محنت کی قربانی دی وُہ نامقبول ہوئی۔ اور نامقبولیت کی شکلِ محسوس یہ تھی کہ ناقص فصل پیدا ہوئی۔ اور آخری نتیجہ کے طور پر اُسے اتنی کم پیداوار میسّر آئی کہ قربان کیئے گئے بیج کی واپسی بھی مشکل ہو گئی۔

● ۶ لَاَقْتُلَنَّكَ کے الفاظ میں انسانی دستور کے ایک گھناؤنے گوشے کی خبر دی گئی ہے کہ جب کوئی شخص خود قوانینِ خداوندی کی مخالفت کر کے یعنی اُن سے اعراض برت کر اپنے آپ کو محنت کے ثمر سے خود محروم کر لیتا ہے تو پھر دوسروں کے خلاف، جو قوانینِ خداوندی پر عمل کر کے محنت کے ثمر سے بہرہ ور ہوتے ہیں، حسد کی آگ بھڑکا لیتا ہے، خود تو اُس میں جل رہا ہوتا ہے مگر دُوسرے کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ آیت زیرِ بحث میں ثمر سے محروم فرد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس نے دُوسرے سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا۔ میں نہیں دیکھ سکتا کہ تو ثمرِ محنت سے بہرہ ور ہو اور میں محروم پھرتا رہوں یہ ہے برادرانِ عزیز! بیج، وقت اور محنت کے مقبول یا نامقبول ہونے کا وہ پیمانہ جس سے دونوں نے معلوم کر لیا کہ کس کی بیج، محنت اور وقت کی قربانی مقبول ہوئی ہے اور کس کی نامقبول۔

● ۷ يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ کے الفاظ سے روائتی تفاسیر نے یہ تصوّر دیا ہے کہ قُربانی اُن کی منظور ہوتی ہے جو متقی ہیں اور متقی کا معنٰی یہ لیا جاتا ہے کہ جو نماز روزہ کا پابند ہو۔ لیکن واضح رہے کہ نماز روزہ کی پابندی بھی اگرچہ اِتقا میں داخل ہے۔ لیکن لفظ متقین کا مطلق معنیٰ ہے بچنے والے۔ کس چیز سے بچنے والے؟ قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے۔

● اب قوانینِ خداوندی دو حصّوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک تو ہیں اللہ تعالیٰ کے وُہ قوانین جو اِس بھری دنیا میں ہر آن جاری و ساری ہیں۔ جو لوگ اِن کی مخالفت سے بچتے ہیں وُہ یقیناً یقیناً دُنیوی خطرات سے بچنے

والے ، یعنی متقین ہیں ۔ قوانینِ خداوندی کے اِس گوشے میں مومن اور کافر کا کوئی امتیاز موجود نہیں ۔ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی کا منکر بھی کائناتی قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچیگا تو یقیناً یقیناً اُس کا بہتر ثمر پائے گا ۔ اور جو کوئی اُن کی مخالفت سے نہیں بچیگا ، خواہ وہ مومن اور مسلمان ہی کیوں نہ کہلاتا ہو ، اُسے ضرور ضرور محرومی و ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ کیوں کہ قوانینِ خداوندی میں مطلقاً کوئی لوچ لچک موجود نہیں ۔ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ضرور ضرور ہاتھ جل جاتا ہے اور آگ اور دیگر ضرر رساں چیزوں سے بچنے والے قوانینِ خداوندی کے اس گوشے کے متقین ہیں ۔

● قوانینِ خداوندی کا دوسرا حصہ وہ ہے جسکو اُس نے اپنی کتابوں کی صورت میں نازل فرمایا ہے جو اسوقت اُس کی کتابِ لاریب قرآن مجید میں موجود و محفوظ ہے ۔ خدا تعالیٰ کے تنزیلی قوانین پر عمل کرنے سے دُنیوی معاشرہ بھی جنّت بداماں ہو جاتا ہے اور اُخروی زندگی کی کامیابی بھی مقدّر ہو جاتی ہے ۔

● آیتِ بالا میں تو خود اپنے غلط عمل کی بدولت محروم ہو جانے والے (یعنی جس کی قربانی قبول نہ ہوئی اُس) کی قتل کی دھمکی کی خبر ہے مگر اگلی آیت میں دوسرے کا جواب مذکور ہے کہ اگر تو میرے قتل کیلئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تیرے قتل کیلئے ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا :-

لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَیَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا

البتہ اگر تو بڑھائے طرف میری ہاتھ اپنا کہ تو مجھے قتل کرے نہیں ہوں

بِبَاسِطٍ يَّدِیَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ

بڑھانے والا ہاتھ اپنا طرف تیری کہ تجھے قتل کروں ۔ بیشک میں ڈرتا ہوں

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۲۸

اللہ سے پالنے والا جہانوں کا

اِنِّیْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ

بیشک میں ارادہ کرتا ہوں کہ تو اٹھائے گناہ میرا اور گناہ اپنا پھر تو ہو جائیگا

مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۲۹

میں سے والوں آگ کے اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا ۔

(اُس نے مزید کہا کہ) اگر تو میرے قتل کیلئے میری طرف ہاتھ بڑھائیگا تو میں تیرے قتل کے لئے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا [1] (کیونکہ) بیشک میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو جہانوں کو پالنے والا ہے [2] (میں اس چیز سے بچنے والا ہوں ، متقی ہوں کہ قتلِ ناحق کے ذریعہ اُسکے عذاب کا مستحق ٹھہروں) ۔

میں چاہتا ہوں (کہ زیادتی ہو تو تیری طرف سے ہو ۔ اس طرح) میرے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہو اور اپنے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہو [3] پھر تو ہو جائیگا آگ والوں میں سے ۔ اور یہی ہے سزا بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں کی [4]

● [1] مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِیَ اِلَيْكَ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ جسے قتل کی دھمکی دی گئی تھی اُس نے کہدیا کہ میں تجھے ہرگز قتل کرنا نہیں چاہتا ۔ اگر تو قتل کے لئے وار کریگا تو میں صرف اُس سے بچاؤ کی کوشش کروں گا ۔

میرا ارادۂ قتل ہرگز نہیں ہوگا۔

● عـ۲ـہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ اُس کا صرف بچاؤ کی کوشش کرنا اور قتل کے ارادہ کے جواب میں اُسکا ارادۂ قتل نہ کرنا اس لئے تھا کہ وُہ ربّ العلمین سے ڈرتا تھا۔ یعنی وُہ قوانینِ خداوندی کے تنزیلی گوشے کی رُو سے بھی متّقی تھا۔ جس میں حکم دیا گیا ہے کسی جان کو ناحق قتل نہ کرنا۔ ارادۂ قتل کا مجرم، قاتل اُس وقت ٹھہرتا ہے جب وُہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا چکے۔ اِس سے پہلے پہلے وُہ صرف ارادۂ قتل کے جرم کی سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، واجب القتل نہیں ٹھہرتا۔

● عـ۳ـہ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ کے الفاظ میں کہنے والے نے یہ کہا کہ تیرا ارادہ قتل ہے، میرا ارادہ قتل نہیں میں صرف اپنا بچاؤ کرونگا۔ اس طرح اگر تُو مجھے قتل کر دے تو میرے قتل کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا اور اگر میرے ہاتھ سے تجھے کوئی زخم آجائے یا تو میرے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو یہ بھی تیرا ہی گناہ قرار پائیگا۔ اور اس گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہی ہوگا۔

● عـ۴ـہ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے دُنیوی یا اُخروی سزا کا مستحق دونوں صُورتوں میں تُو ہوگا۔ کیوں کہ تُو جارح ہوگا اور میں مدافعت کرنیوالا۔ لیکن اس نصیحت و وضاحت کے باوجود اُس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ پھر مطیع کیا واسطے اسکے نفس اسکے نے قتل کرنا بھائی اپنے کا پھر اسکے قتل کر دیا فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ۳۰ پس ہو گیا بیچ ٹوٹے والوں کے	پھر اُس کے نفسِ (امّارہ) نے اُسے اپنے بھائی کو قتل کرنے کیلئے اپنا مطیع کر لیا۔ لہٰذا اُس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ (اس طرح) وُہ خود ہی خسارہ پانیوالوں میں سے ہوگیا۔

● اس طرح جب اُس نے اپنی آتشِ حسد کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اور مقتول کی لاش کو کہیں دفن کر دیا۔ لیکن واضح رہے کہ ایسے وقتوں پر مجرم سے کوئی نہ کوئی ایسی خامی رہ جاتی ہے جو سراغرسانی کے ضمن میں ممدّ و معاون بنتی ہے اور ماہر سراغرساں، عام لفظوں میں کھوجی یا سب انسپکٹر پولیس، اُس خامی کی مدد سے لاش برآمد کر لیتے ہیں۔ مجرم نہیں جانتا کہ اُس سے کون سی خامی رہ گئی ہوئی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اس چیز کی خبر دی گئی ہے کہ قاتل نے لاش کو چھپا تو دیا لیکن ایک تیز فہم کھوجی سراغرساں نے لاش برآمد کر لی۔ اور اُسے بتا دیا کہ اُس نے کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیا تھا۔ تاکہ اُس کا قتل کا جرم ثابت نہ ہونے پائے۔ اس پر قاتل نے اپنی خامی پر افسوس کیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ
پھر مقرر کیا اللہ نے کھوجی کھودتا تھا بیچ زمین کے
لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ
تاکہ ظاہر کرے کسطرح چھپائی لاش بھائی اپنے کی کہا
یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا
اے افسوس کیا عاجز ہوا میں کہ ہوؤں میں مانند اس
الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ
کھوجی کے پھر چھپاتا لاش بھائی اپنے کی پھر ہو گیا
مِنَ النّٰدِمِیْنَ ۚۛ ۳۱
میں سے شرمساروں کے

پھر اللہ تعالیٰ (کے قانون کیمطابق سراغ لگانے کیلئے حکومت) نے ایک تیز فہم آدمی (کھوجی کو مقرر کیا[1] جو (لاش کو برآمد کرنے کے لئے جگہ جگہ سے) زمین کو کھودتا تھا[2] تاکہ قاتل پر ظاہر کر دے کہ اُس نے کس طرح اپنے بھائی کی لاش[3] کو چھپا دیا تھا۔ (اس پر اُس نے) کہا ہائے افسوس کہ میں عاجز ہو گیا۔ کہ میں ہوتا اس تیز فہم آدمی جیسا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا (اس طرح کہ یہ سراغ نہ لگا سکتا)۔ پھر (جب لاش برآمد ہو گئی تو وہ) شرمسار ہونے والوں سے ہو گیا۔

اشرف المخلوقات انسان ہے کوّا نہیں

● علہ غراباً سے کتب تفاسیر نے کوّا پرندہ مراد لیا۔ اور اس پر یہ واقعہ چسپاں کر رکھا ہے کہ حضرت آدم کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ لاش کو دفن کس طرح کیا جاتا ہے۔ اس لئے اُٹھائے اُٹھائے پھرتا رہا۔ ایکدن کیا دیکھتا ہے کہ ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو مار ڈالا اور اُس کی لاش کو زمین کھود کر دفن کر دیا اس پر وہ نادم ہوا اور کہا ہائے افسوس میں اس کوّے جتنی عقل بھی نہیں رکھتا لیکن واضح رہے کہ انسان کی نسبت کوّے کو عقلمند تسلیم کرنے میں مشاہدہ معارض ہے کہ اشرف المخلوقات انسان ہے کوّا نہیں۔ آئے دن نئی ایجادیں انسان کر رہا ہے کوّے نہیں کر رہے۔ اس لئے قواعدِ عرب کیمطابق جہاں مشاہدہ معارض ہو وہاں حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنے لینا لازم ہے۔ غراب کے حقیقی معنے ہیں کوّا۔ اب اس کے مجازی معنوں پر غور فرمائیں:۔

● لغت منتہی الارب جلد چہارم کے صفحہ ۳۰۴ پر غراب کا معنیٰ لکھا ہے "تیزیٔ ہر چیز" اس سے عقل کی تیزی اور زیادتی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس لئے رَجُلٌ "غرابٌ" تیز فہم آدمی کو کہا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں غراباً صفت آئی ہے اپنے موصوف رَجُلاً کی۔ عربی ادب، خصوصاً قرآن کریم میں موصوف محذوف رکھ کر، موصوف کیلئے صرف صفت بارہا مستعمل ہے۔ جیسے کہ آیٰتٌ بیّنٰتٌ کیلئے صرف بیّنٰت صفت ٢/٨٧ ٢/١٥٩ اور ٥/٣٢ میں آئی ہے۔ جس طرح ان آیات مجیدہ میں بیّنٰت سے مراد آیٰت بیّنٰت ہے۔ اُسی طرح آیت زیر بحث میں غُراباً سے مراد ہے رَجُلاً غراباً ہے، تیز فہم، بہت ذہین، بہت عقلمند آدمی یعنی کھوجی، جو صرف

پیروں کے نشانات کے ذریعہ وقرینہ کا کھوج لگا کر مال مسروقہ اور مقتولوں کی لاشیں برآمد کردیتا ہے ۔ یہاں سیاقِ کلام کے مطابق جہاں ایک قتل کا واقعہ بیان ہوا ہے، لاش کا کھوج لگا کر قاتل کا پتہ لگانے کیلئے سراغرساں یعنی کھوجی مراد ہے ۔

● یہاں پہنچ کر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعۂ قتل کو قرآنِ کریم میں، جو ایک نصیحت نامہ ہے ($\frac{١٩}{٢٩}$) نازل کرنے کی کیا غرض ہے؟ کیا اس سے نوعِ آدم کی ہجواور کوّوں کی فضیلت بتانا مقصود ہے ۔ یا یہ کہ مقتولوں کی لاش اور مال مسروقہ کی برآمدگی کیلئے کھوجیوں کی خدمات حاصل کرنے کی نصیحت کی گئی ہے ۔ اس کا جواب عقل والوں کی طرف سے تو یہی ہو سکتا ہے ۔ کہ اس واقعہ کے نزول کی غرض موخر الذکر ہی ہو سکتی ہے ۔ جو واقعتہً نصیحت بھی ہے اور قیامت تک کیلئے کارآمد اور سودمند بھی ۔

عہ٢ فَبَعَثَ اللّٰہُ کا لفظی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، بھیجا، مقرر فرمایا ۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں ہر اُس کام کو جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُس کی رضا کے مطابق انجام دیا جائے ۔ اُسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے ۔ جیسے کہ حضرت موسیٰؑ کیلئے کوہِ طور پر ستر کاتبوں نے کتاب لکھی تھی لیکن چونکہ یہ عمل اللہ کے حکم اور اس کی رضا کے مطابق تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی طرف منسوب کیا ہے ۔ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ $\frac{٧}{١٤٥}$ اور موسیٰؑ کیلئے کتاب کو تختیوں پر ہم نے لکھا ۔ اسی طرح چونکہ مقتول کی لاش اور قاتل کے کھوج کے لئے حکومت کا کھوجی مقرر کرنا، قانونِ خداوندی اور اس کی رضا کے مطابق ہے اس لئے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا = چنانچہ جب لاش برآمد ہوگئی، تو قاتل شرمسار ہوگیا ۔

● اس سے آگے اگرچہ قاتل کو اُس کے جرمِ قتل کی پاداش میں قتل کر دینے کا ذکر موجود نہیں لیکن عدمِ ذکر عدمِ وجود کی دلیل نہیں ہوتا ۔ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کا خداوندی قانون قرآن مجید میں موجود ہے اسلئے قاتل کو جرمِ قتل کی پاداش میں سزائے موت دیدی گئی $\frac{٥}{٤٥}$ ۔

● عہ٣ يَبْحَثُ کے مادہ ب ۔ ح ۔ ث کا معنیٰ ہے، کریدنا ۔ يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ کا معنیٰ ہے کہ کھوجی نے زمین کو جگہ بہ جگہ کرید کر کھود کر لاش برآمد کردی ۔ اس مادہ سے بحث ومباحثہ بھی آیا ہے ۔ بحث میں بھی کرید کی جاتی ہے ● عہ٤ سَوْاٰۃَ کا معنیٰ لاش تمام مفسرین کے ہاں متفقہ مسلّم ہے ۔

● عہ٥ يُوَارِي کے سہ حرفی مادہ و ۔ ر ۔ ی کا معنیٰ چھپانا ہے، مذکردہ لاش کو دفن کرکے چھپا دیا گیا تھا ۔

بھائی کے قتل کا واقعہ قوم بنی اسرائیل کا ہے ۔

● کتبِ تفاسیر نے اِس واقعہ کو حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل قابیل کے نام سے پیش کیا ہے اور اسے تخلیق نوعِ آدم کے بالکل ابتدائی دور کی طرف منسوب کر رکھا ہے لیکن واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ

ببانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ یہ واقعہ حضرت آدم کے وقت کا نہیں بلکہ اس کا تعلق بنی اسرائیل کیساتھ ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
سے وقت مذکورہ بالا لکھا ہم نے اوپر بنی اسرائیل

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ
بیشک یہ کہ جس نے قتل کیا ایک جان کو بغیر کسی جان کے یا فساد

فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ
بیچ زمین پس گویا کہ قتل کیا اس نے انسانوں سب کو اور جس نے

اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا
زندہ رکھا اسے تو گویا زندہ رکھا انسانوں سب کو اور البتہ تحقیق آئے انکے پاس رسول ہمارے

بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝
ساتھ دلائل کے پھر بیشک اکثریت میں سے انکے پیچھے اسکے بیچ زمین کے حد سے نکلنے والے ہیں

۳۲

مذکورہ بالا وجہ علہ سے ہمنے بنی اسرائیل پر (بھی اپنا فیصلہ) فرض کر دیا تھا کہ جو کوئی کسی ایک جان کو بغیر اس کے کہ اُس نے کسی جان کو قتل کیا ہو، یا زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے (کسی ایک جان کو قتل کر دے) تو گویا اُس نے ساری نوع انسانی کو قتل کر دیا ؏ اور جس نے ایک جان کو زندہ (بچا لیا) تو گویا اس نے ساری نوعِ انسانی کو زندہ رکھا اور بیشک اُن (بنی اسرائیل) کے پاس ہمارے بہت سے رسول ؏ واضح دلائل لیکر آئے۔ پھر اس کے بعد ان میں اکثر لوگ قتل ناحق کے ذریعہ فساد فی الارض کرکے حد سے نکلنے والے ہیں۔

● ؏ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ کے الفاظ سے کھُل کر عیاں ہو رہا ہے کہ بھائی کا بھائی کو قتل کرنے کا مذکورہ قصہ بنی اسرائیل کے زمانہ کا ہے حضرت آدم سلامٌ علیہ کے زمانے کا نہیں۔

● کسی جان کو ناحق قتل کرنے کو پوری نوعِ انسانی کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ مذکورہ قصہ انسان پر کوّے کی فضیلت جتانے کیلئے نہیں نازل کیا گیا۔ بلکہ ناحق قتل کو مطلقاً روکنے کیلئے بطور عبرت نازل کیا گیا ہے۔ کہ بھائی کو سرِعام قتل کی دھمکی دینے والا جب قتل کا ارتکاب کر چکا تو اپنے جرمِ قتل کو چھپانے کیلئے لاش کو دفن کرکے چھپا دیا۔ باری تعالیٰ کے قانونِ عدل و انصاف کے مطابق ذہینِ انسانی، کھوجی کے ذریعہ لاش برآمد کر لی گئی اور قاتل کو جان کے بدلے جان کی سزا دیدی گئی۔

ایک جان کا قتل پوری نوعِ انسانی کا قتل ہے

● قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا کے الفاظ میں قتلِ انسانی کو اِس لئے ایک متعدی جرم قرار دیا گیا ہے کہ ایک قتلِ ناحق ہو جائے تو قاتل اور مقتول کے خاندانوں میں دائمی عداوت قائم ہو جاتی ہے اور آگے دن فریقین کے ہاتھوں فریقین کے بے گناہ افراد قتل ہوتے رہتے ہیں۔ دونوں خاندانوں کے دوست اور دشمن خاندان الگ الگ دھڑوں میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہی سلسلہ دو قوموں یا دو ملکوں میں چل جائے تو دونوں قوموں اور ملکوں کی

دوست اور دشمن قومیں اور ملک الگ الگ قوموں اور ملکوں کے دھڑوں میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اور پورے کرّہ ارض پر اس قدر شدید تناؤ پیدا ہو جاتا ہے کہ پوری نوع انسانی اپنے آپ کو موت کے مُنہ میں محسوس کرنے لگتی ہے۔ اسی نقشہ کو خدا تعالیٰ نے ایک قتل ناحق کو فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ اس آیت مجیدہ میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ قتل ناحق سے پوری پوری پرہیز کی جائے اور اگر کسی شخص سے کوئی قتل ناحق ہو جائے۔ اور وُہ اپنے جرم کو چھپانے کیلئے لاش کو دفن بھی کر دے تو ماہر کھوجیوں کی خدمات حاصل کرکے لاش برآمد کر لی جائے اور قاتل کو گرفتار کرکے اُسے قانونی سزا دی جائے تاکہ مقتول کے ورثاء کا جذبۂ انتقام ٹھنڈا ہو جائے اور قتل کا جُرم، متعدی جُرم کی شکل اختیار نہ کرنے پائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سیاق کلام کے عین مطابق اسلامی حکومت کے باغیوں، ملک میں قتل و غارت اور دہشت گردوں کے ذریعہ فساد پھیلانیوالوں اور خدا تعالیٰ کے مخصوص دشمن سُود خواروں کی سزا بیان کی گئی ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ
سوائے اسکے نہیں کہ سزا اُن لوگوں کی جو جنگ کریں اللہ

رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ
اور رسول اسکے سے اور کوشش کریں بیچ زمین کے فساد کی یہ کہ

يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ
قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا قطع کیے جائیں ہاتھ اُن کے

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ
اور پیر اُنکے بوجہ بغاوت کے یا جلا وطن کیے جائیں سے زمین کے۔ مذکورہ واسطے اُنکے

خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ
رسوائی ہے بیچ دنیا کے اور واسطے اُنکے بیچ آخرت کے عذاب ہے

عَظِيْمٌ ۝ ۳۳

سوائے اس کے نہیں کہ اُن لوگوں کی سزا جو اللہ اور اُس کے رسول کیساتھ جنگ کریں ۱ (یعنی اسلامی حکومت کے باغی اور سُود خوار) اور وُہ لوگ جو (قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے ذریعہ) زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کریں، یہ ہے کہ یا تو وُہ قتل کر دیئے جائیں یا صلیب دے دیئے یا روکدئے جائیں اُن کے ہاتھ اور پَیر (یعنی قید کر دئے جائیں) ۲ بوجہ ان کی بغاوت کے۔ اور یا زمین میں سے جلا وطن کر دئے جائیں۔ یہ سزا ان کی دنیا کی رسوائی کیلئے ہے اور ان کیلئے اُخروی زندگی میں بہت بڑا عذاب ہے۔

بر طا

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا
سوائے اُن کے جو توبہ کر لیں سے پہلے کہ تم قابو پاؤ

سوائے ان لوگوں کے (یعنی وُہ لوگ اس سزا سے

عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۟

اُو پر اُنکے - پس جانتے رہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بچاؤ دینوالا ہے

آیت نمبر ۳۴ ع ۹

مستثنےٰ ہیں جو اس سے پہلے توبہ کریں کہ تم انہیں گرفتار کر لو (گرفتاری کے بعد کی توبہ قبول نہ ہوگی) پس جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ (اپنے توبہ کے قانون کے ذریعہ مجرموں کو بھی) بچاؤ دینے والا مہربان ہے۔ عہ

● عہ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے الفاظ سے دو گروہ مراد ہیں:-

(الف) پہلا گروہ تو وہ ہے جس کی تعریف یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا کے الفاظ میں کر دی گئی ہے کہ وہ اسلامی حکومت میں فساد پھیلاتے ہیں۔ قانون کو ہاتھ میں لیتے اور دن دہاڑے نیکوں کو لوٹتے پھرتے ہیں، اور اُنکی راہ میں جو مزاحم ہو اُسے موت کے گھاٹ اتارتے چلے جاتے ہیں۔ اِسکے ضمن میں ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جو فساد فی الارض کرتا ہے اِس آیت مجیدہ میں ایسے لوگوں کو اسلامی حکومت کے باغی قرار دیا گیا ہے۔

(ب) دوسرا گروہ ہے سُود خوروں کا جسے سورۃ بقرہ میں خود اللہ تعالیٰ نے یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے زمرہ میں شامل کر رکھا ہے۔ دیکھئے! ارشاد باری تعالیٰ ہے:- یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۲۷۹/۲ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم سچے مومن ہو تو (اپنے قرضداروں سے زمانہ کفر میں جسقدر سُود تم لے چکے، لے چکے۔ اب اسلام قبول کرنے کے بعد نہیں) باقی سُود چھوڑ دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ تمہارا اللہ اور رسول کیساتھ اعلانِ جنگ ہے۔

سُود خوری کی سزا

● اب غور فرمائیں کہ ۲۷۹/۲ میں سُود خور، بارشادِ الٰہی فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے زمرہ میں شامل ہیں۔ اِن کھلے بندوں اللہ و رسول صلعم کا اعلان جنگ ہے۔ اور آیت زیر بحث ۵/۳۳ میں اِس جرم کی سزا کا اعلان کیا گیا ہے:- اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ...... الخ - یہ اعلان اِنَّمَا کلمہ حصر سے شروع کیا گیا ہے اور ترجمہ یہ ہے:- سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں (یعنی یہ پکی بات ہے، پتھر پر لکیر ہے جو کبھی مٹ نہیں سکتی کہ) جو لوگ اللہ اور اسکے رسول صلعم کیساتھ جنگ کریں اُن کی سزا یہ ہے ...... بالفاظ دیگر اسلامی حکومت کے باغیوں اور سُود خوروں کیلئے ذیل کی تین سزائیں مقرر کیگئی ہیں:-

ا۔ اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا - پہلی - یہ کہ انہیں قتل یا صلیب کے ذریعہ سزائے موت دی جائے۔

ب۔ اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ - دوسری یہ کہ یا اُن کے ہاتھ، پاؤں روک دیئے جائیں۔ یعنی قید کر دیا جائے۔

ج۔ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ - تیسری یہ کہ یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔

● سُود خوری کی یہ سزا محترم محمد اسلم مخدوم صاحب شادیوال ضلع گجرات (پنجاب پاکستان) کے تفکر فی القرآن کا نتیجہ ہے۔ آپنے ۱۹۷۴ء میں "سُود کی سزا قرآن حکیم میں موجود ہے" کے نام سے ایک کتابچہ بھی شائع کیا تھا جو تعریف آیات

کے قرآنی اسلوب کی اساس پر لکھا گیا، اِنَّ الْقُرْاٰنَ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضاً کے ایسے حقیقت بدوش دلائل کا حامل ہے کہ انکار کی گنجائش تک موجود نہیں علامہ عصرِ حاضر کی یہ ایک عظیم ریسرچ اور قابلِ قدر کارنامہ ہے جَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَآءِ۔

قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا حامل نہیں

● آیت زیرِ بحث کے ان الفاظ او تقطع ایدیھم وارجلھم مِنْ خلافٍ سے روائتی تفاسیر نے یہ وحشیانہ مفہوم لیا ہے کہ اللہ و رسول سے متحارب افراد کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں قطع کر دیا جائے۔ حالانکہ یہ تصور خود آیات زیرِ بحث ۵/۳۴ کے آخری جملہ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کے خلاف ہے کہ ہاتھ پاؤں کٹوا دینے کے بعد غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کا کون سا مقام باقی رہ جاتا ہے۔

● واضح رہے کہ عربی زبان میں قطع کا معنیٰ روکنا بھی ہے۔ جیسے کہ سورہ عنکبوت میں قوم لوط کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انہیں حضرت لوط ؑ نے کہا: اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۲۹/۲۹ کیا تم وہ ہو جو جنسی تسکین کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو اور راستہ روک کر راہگیروں کو لوٹتے ہو ـــــ پس قطعِ اید و ارجل کا معنیٰ ہاتھوں اور پیروں کا کاٹنا نہیں، بلکہ ہاتھ پیروں کو روک دینا ہے اور اس سے مراد قید کرنا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا ہرگز حامل نہیں ہے۔

اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا تصوّر بھی ایک غلط تفہیم کا نتیجہ ہے

● ۵/۳۳ تقطع ایدیھم وارجلھم کے بعد جو مِنْ خِلَافٍ کے الفاظ آئے ہیں، ان میں مِنْ سببیہ ہے اور خلافٍ بمعنی مخالفت و بغاوت ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے باغیوں کی یہ سزائیں ان کی مخالفت و بغاوت کی وجہ سے مقرر فرمائی گئی ہیں۔ مِنْ سببیہ کی مثال ۷۱/۲۵ میں بالفاظ ذیل موجود ہے جہاں قوم نوح ؑ کے غرق کئے جانے کا سبب بیان کیا گیا ہے مِمَّا خَطِیْٓئٰتِھِمْ اُغْرِقُوْا وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے۔

● پس مِنْ خِلَافٍ سے یہ بہیمانہ تصوّر اخذ کرنا غلط تفہیم ہی کی بدولت ہے کہ اسلامی حکومت کے باغیوں کے اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ صحیح مفہوم جس سے دامنِ قرآن و اسلام پر سے بہیمانہ سزاؤں کا داغ بھی دُھل جاتا ہے یہ ہے کہ مذکورہ تین سزاؤں کے تعین کا سبب خود اُن کی بغاوت ہے۔

● اسلامی سلطنت کے باغیوں اور سُود خوروں کی مذکورہ بالا سزا کی تین صورتوں پر غور فرمائیں ا۔

۱۔ پہلی صُورت ہے قتل یا صلیب یعنی سزائے موت۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر مجرم اس قدر خطرناک ہو کہ اس کے زندہ رہنے سے ملکی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو تو اُسے سزائے موت ہی دی جائیگی۔

۲۔ دُوسری صُورت ہے عمر قید کرنا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر مجرم کو موت کی سزا دینے سے کسی داخلی یا خارجی انتشار کا خطرہ لاحق ہو تو پھر سزائے موت کی بجائے عمر قید کی اجازت دے دی گئی ہے۔

۳۔ اور تیسری صورت ہے جلا وطنی کی۔ اگر باغی کو زندہ رکھنے میں کوئی داخلی یا خارجی خطرہ لاحق نہ ہو کہ وُہ غیر ملکی طاقتوں سے مل کر ملک کے خلاف سازشیں کرکے اس کی سالمیت کے لئے خطرہ پیدا نہ کرسکے گا تو اُسے مُلک بدر کردینے کی اجازت ہے۔

قرآن کریم زندگی اور آزادی کا ضامن ہے

● اسلامی حکومت کے لئے خطرناک ترین افراد کی مذکورہ بالا سزاؤں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم نوعِ انسانی کی زندگی اور آزادی کا ضامن ہے۔ قید و بند اور موت کی سزا انسان اپنے آپ پر خود مسلّط کر لیتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ملک کے باغی تک کے لئے بھی اگر اُس سے خطرہ نہ ہو تو اُسے زندہ اور آزاد رکھنے کیلئے جلا وطنی کی سزا دیگئی ہے۔ قید کرنا اور موت کی سزا دینا خداوند غفورٌ رحیم کی شانِ رحیمی کے خلاف ہے۔ اس لئے آیت مجیدہ میں غیر مبہم الفاظ میں اعلان کردیا گیا ہے کہ یہ قید و بند اور قتل و صلیب کی سزا مِنْ خِلَافٍ دی جارہی ہے، یعنی جو مجرموں کی اپنی مخالفت و بغاوت کی بدولت ہے۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جانتے رہو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بچاؤ دینے والا مہربان ہے۔

باغیوں اور سُود خواروں کیلئے توبہ کی گنجائش

● ۳۴ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا کے الفاظ میں مذکورہ ہر سہ سزاؤں کے مستحق افراد کیلئے بھی توبہ کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ مگر گرفتار ہونے کے بعد نہیں۔ کیونکہ جب مجرم گرفتار ہو کر اپنے اوپر کسی ایک سزا کو مسلّط ہوتا ہوا دیکھے گا تو منافقانہ طور پر توبہ کرسکتا ہے۔ اس لئے توبہ کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ باغی اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے ازخود توبہ کرکے اسلامی حکومت کا مطیع و فرمانبردار ہونے کا اعلان کردے اور سود خوار سود خواری ترک کرکے، سودی کاروبار سے ازخود توبہ کرلے۔ تو پھر اعلان کیا گیا ہے فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

● افسوس اس امر کا ہے اللہ تعالیٰ نے تو مذکورہ سزاؤں کے مستحق افراد کیلئے بھی توبہ کی گنجائش رکھ کر اپنے غفورٌ رحیم ہونے کا اعلان فرمایا ہے مگر روائتی تفاسیر کی غلط تفہیم زندہ انسانوں کے اُلٹے ہاتھ پیر کاٹنے کا تصوّر پیدا کرتی ہے۔ چور کی سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنے اور آئت زیر بحث سے باغیوں کیلئے اُلٹے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنے کا تصوّر قرآن اور اسلام کے دامن پر وُہ داغ ہے جس کی بدولت مہذّب اور ترقی یافتہ قومیں جو صرف انسانی سطح پر کھڑے ہو کر غور کرتے ہوئے انسانی حقوق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو چکی ہیں، قرآن کریم کو بہیمانہ سزاؤں کا حامل سمجھ کر اس سے دور ہٹ جاتی ہیں۔ اگر گہری نظر کیساتھ غور کیا جائے تو قرآن کریم کو وحشیانہ سزاؤں کا حامل قرار دینے والی تفہیم ہی قرآن اور اسلام کے فروغ کی راہ میں سدِّ سکندری بن کر کھڑی ہو گئی ہے۔

● سُود خواری بھی ایک تاریخی المیہ بن کر رہ گئی ہے کہ قرآن کہتا ہے، کوئی شخص اُسوقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وُہ سود خواری کو ترک نہ کرے اور اگر وُہ ترک نہیں کرتا تو اس کا اللہ و رسول[۳۰] کیساتھ اعلانِ جنگ ہے۔

مگر ادھر پورا اسلامی معاشرہ سودی کاروبار پر چل رہا ہے۔ العیاذ باللہ!

پس چہ باید کرد • سُود کی لعنت سے آزاد ہونے کیلئے لازم ہے کہ معاشرہ کا پورا ڈھانچہ تبدیل کیا جائے۔ کوئی ملک اُس وقت تک اسلامی نہیں ہو سکتا جبتک اُس میں سودی نظام کی بجائے صدقاتی نظام قائم نہ ہو۔ کیونکہ ارشاد باری ہے۔ یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ۲/۲۷۶ اللہ تعالیٰ سُودی نظام کو مٹاتا اور اور صدقاتی نظام کو بڑھاتا ہے۔ یعنی اللہ حکم دیتا ہے کہ سُودی نظام کو ختم کرکے صدقاتی نظام قائم کیا جائے۔ اس کی محسوس شکل یہ ہے کہ خزانہ کا نام بیت المال رکھا جائے۔ المال سے مراد ہے عوام کا مال۔ اور بیت المال کا معنیٰ ہے عوام کے مال کا گھر۔ اِسے صرف عوام اور مُلک کی فلاح کے لئے مختص کیا جائے۔ نظامِ مساوات قائم کرکے حصولِ زر کی دوڑ ختم کر دی جائے۔ معیارِ زندگی میانہ روی قرار دیا جائے۔ اور اس پر سب سے پہلے اربابِ اقتدار عامل ہو کر عوامی میانہ معیارِ زندگی پر اُتر آئیں۔ انفرادی جائز ضرورتوں کے لئے بھی بیت المال سے بلا سود یعنی صدقاتی قرضہ دیا جائے اور کاروبار کے لئے بلا سُود صدقاتی قرضہ جات بیت المال ہی سے ملیں۔ اس طرح یمحق اللہ الربٰوا اور یُربی الصدقٰت کی عملی تفسیر سامنے آسکتی ہے۔ جو اُسوقت تک ہرگز ہرگز بر دئے کار نہیں آسکتی جبتک حصولِ زر کی دوڑ ختم کرکے ہر کسی کو صرف ضروریاتِ زندگی کا حقدار قرار نہ دیا جائے۔ اور یہ سب کچھ حکومتی سطح پر کیا جائے۔ جبتک معاشرہ کے پورے ڈھانچے کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالا جائے اُسوقت تک اللہ و رسُول کیساتھ اعلان جنگ پر مبنی سُودی نظام ہرگز ختم نہیں ہو سکتا۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا رابطہ آیت نمبر ۲۷ کیساتھ ہے۔

پیچھے ۵/۲۷ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ حصولِ قربِ الٰہی کے ضمن میں دو بھائیوں کا قصہ گزر چکا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک بھائی نے قوانینِ خداوندی کے مطابق عمل کیا۔ وقت اور محنت کی قربانی دی۔ اور صحیح نتیجے کے ظہور کی شکل میں اُس کی محنت قبول ہوئی۔ دوسرے نے قوانینِ خداوندی سے اعراض برتا اور غلط نتیجہ کی صُورت میں اُس کی محنت نامقبول ٹھہری، ردّ کر دی گئی۔ اس ردّ و قبول کو ۵/۲۷ میں خدا کے قرب اور عدمِ قرب کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، یعنی دونوں کے متعلق آیا ہے قَرَّبَا قُرۡبَانًا۔ یعنی دونوں نے حصولِ قُرب کے لئے الگ الگ عمل پیش کیا اور نتیجہ کے طور پر بتایا گیا ہے فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِهِمَا وَ لَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ ۵/۲۷ کہ ایک عمل برائے حصولِ قربِ قبول ہُوا اور دوسرے کا نامقبول۔ اگلی آیت مجیدہ ۵/۳۵ میں بھی یہی فیصلہ دیا گیا ہے کہ قربِ الٰہی کا ذریعہ اللہ کے قوانین میں مسلسل جدوجہد کرتے رہنا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ	اے وُہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ (کے مقررہ کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین) کی
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور	

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا

تلاش کرو طرف اُسکے قرب کا ذریعہ اور کوشش کرو

فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ٢٥

بیچ راہ اُسکی تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

مخالفت سے بچتے رہو اور اس کی طرف اُس کے قرب کا عملی ذریعہ علہ تلاش کرو یعنی ع۲ اس کی راہ میں (تلاشِ قرب کیلئے اُس کے قوانین کے مطابق کوشش کرتے رہو) تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ (تمہیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے)۔ ع۳

● علہ اس آئت مجیدہ کو عرفِ عام میں آئتِ وسیلہ کہا جاتا ہے اور اس سے مُراد یہ لے لیگئی ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے پیر پکڑنا ضروری ہے جو خود تو کوئی کام نہ کرتا ہو۔ مُریدوں کی کمائی پر عیش اڑاتا ہو۔ یہ ہے روائتی تفاسیر کی رو سے وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کا مفہوم۔ لیکن :-

● ع۲ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ میں آمدہ درمیانی واؤ تفسیری ہے وسیلہ کا معنیٰ ذریعہ قرب ہے۔ اور تفسیر جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی اللہ کے قرب کا ذریعہ، اُسکے قوانین کے مطابق مسلسل اور انتھک کوشش کرتے رہنا ہے۔

● اس آئت کے مرقومہ مفہوم کی صحت معلوم کرنے کیلئے اِتَّقُوْا ، اَلْوَسِيْلَةَ اور جَاهِدُوْا کے بنیادی معنوں کا جاننا ضروری ہے :-

اِتَّقُوْا ● یہ مصدر اِتِّقَاءٌ سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے۔ اس مصدر کا معنیٰ ہے بچنا، ڈرنا۔ اور اِتَّقُوا اللّٰهَ کا معنیٰ ہے تم سب بچو اللہ سے یا ڈرو اللہ سے اب کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی ضرر رساں یا خوفناک ذات تو ہے نہیں جس سے بچا یا ڈرا جائے۔ اس لئے اِتَّقُوا اللّٰه کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت سے بچو۔ قوانینِ الٰہی کی مخالفت کی تباہ کاریوں سے ڈرو، بچو۔ اب یہ امر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قوانینِ خداوندی کے دو حصے ہیں، تنزیلی اور تکوینی۔ تکوینی وُہ ہیں جو مشاہداتِ عالم میں شبانہ روز جاری ہیں اور تنزیلی وُہ ہیں جو اِس وقت قرآن حکیم میں محفوظ ہیں۔ پس آئت مجیدہ زیرِ نظر ٥/٢٥ میں اِتَّقُوا اللّٰه کا معنی ہے :۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو۔

اَلْوَسِيْلَةَ ● اس لفظ کا سہ حرفی مادہ و۔ س۔ ل = وسل ہے۔ اس کا بنیادی معنیٰ ہے اعمال کے ذریعہ قرب حاصل کرنا۔ المنجد میں صفحہ ١٣٦٨ پر ہے :- وَسَلَ يَسِلُ وَسِيْلًا" وَتَوَسَّلَ وَتَوَسَّلَ اِلَى اللّٰهِ بِعَمَلٍ اَوْ وَسِيْلَةٍ عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا ۔ اِسی چیز کو ٩٦/١٩ میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کے الفاظ میں موجود ہے ، سجدہ کر، یعنی قوانینِ خداوندی کی اطاعت کر اور قریب ہو جا۔ بالفاظِ دیگر قربِ الٰہی کے اُسی ذریعہ کو ٩٦/١٩ میں واضح کیا گیا ہے جس کا حکم وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

میں دیا گیا ہے کہ قوانینِ الٰہی کی اطاعت کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بناؤ اور اسی چیز کی وضاحت واؤ تفسیری کی صورت میں وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں اُس کے قوانین کے مطابق کوشش کرتے چلے جاؤ۔ تاکہ فلاح پاؤ۔ دُنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو جاؤ۔

جَاهِدُوْا ● اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ج۔ ھ۔ د = جہد۔ اس کا بنیادی مصدری معنیٰ ہے انتھک کوشش کرنا خواہ حصولِ مقصد کیلئے مخالف طاقتوں سے جنگ بھی کرنا پڑے۔ مگر یاد رہے کہ انسانی کوشش، خواہ جنگ و جدال سے اِدھر اُدھر تک کی ہو اور خواہ اُس کے لئے میدانِ جنگ میں اُترنا بھی پڑے، مقبول وہی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے کائناتی اور تنزیلی قوانین کے مطابق ہو۔ اس لئے جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اُس کے قوانینِ تکوینی اور تنزیلی کے مطابق انتھک کوشش کرتے چلے جاؤ۔ بس یہی ہے فلاح و کامیابی کا ابدی راز۔ لہٰذا آئتِ وسیلہ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ $\frac{5}{35}$ کا صحیح مفہوم، جو قیامت تک کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دیتا چلا جائیگا یہ ہے:-

● ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو، اور اِس طرح اُس کے قوانین کی اطاعت ہی کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بناؤ۔ یعنی اُس کے قوانین کے مطابق انتھک کوشش کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

● آئتِ مجیدہ کا آخری جملہ بھی وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ کے عین مطابق مفہوم پیش کرتا ہے۔

۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ عربی زبان میں فلاحۃ" کاشتکاری کو اور فلّاح کاشتکار کو کہتے ہیں۔ جب کھیتی پک کر تیار ہو جائے تو اُسے الفلاح یعنی کامیابی کہتے ہیں اور مُفْلِحُوْنَ اُن کاشتکاروں کو کہا جاتا ہے جن کی محنت ٹھکانے لگے اور وُہ اپنی محنت کا ثمر، اناج کی صورت میں اپنے گھر لے آئیں۔ اِس طرح ایک مُفلح جسے اپنی صحیح محنت کا ثمر میسّر آئے وُہ مقرّب ہے، اُسے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہے۔ اِسی طرح ہر وُہ محنت کش جو قوانینِ خداوندی کے مطابق انتھک محنت کر کے اپنی محنت کے ثمر سے بہرہ ور ہو جاتا ہے وُہ مقرّب ہے بشرطیکہ اُس نے کہیں کوئی ہیرا پھیری نہ کی ہو۔ یہ ہے آئتِ وسیلہ کا صحیح مفہوم جسے روائتی تفاسیر نے پیر پکڑنے کی دلیل بنا دیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئتِ مجیدہ کا ربط آئت نمبر ٣٣ کیساتھ ہے جس میں آنحضورؐ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کے باغیوں کی سزا مقرر کرنے کے بعد اعلان کر دیا گیا ہے کہ بلا توبہ سزا معاف نہیں ہو گی۔ اگلی آئتِ مجیدہ میں مجرموں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر اُن کے پاس زمین بھر کی پُوری دولت ہو اور اتنی ہی اور بھی ہو اور وُہ اُسے فدیہ میں دیکر اُخروی عذاب سے بچنا چاہیں تو ہرگز بچ نہ سکیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم
بیشک جن لوگوں نے انکار کیا اگر یہ کہ واسطے انکے ہو
مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا
جو کچھ زمین کے ہے سارا ۔ اور مثل اسکی ساتھ اسکے تاکہ وہ فدیہ دیں
بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ
ساتھ اسکے بدلے سزا دن قیامت کے نہ قبول ہوگا ان سے
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ۳۶
اور واسطے انکے سزا ہے دردناک

بیشک جو لوگ (ضابطہ خداوندی کا) انکار کریں اگر (بفرضِ محال) اُن کے پاس اتنا سارا مال ہو جو زمین میں ہے اور اُتنا ہی اور بھی ہو اور وُہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کیلئے سارے کا سارا فدیہ میں دیدیں تو اُن سے قبول نہیں کیا جائیگا ۔ بلکہ اُن کے لئے (اُس دن) دردناک عذاب ہوگا ۔ (اُخروی عذاب سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اس دنیا میں توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلی جائے)

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِنہی لوگوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وُہ عذاب سے نکلنے کی کوشش کریں گے مگر نکل نہ سکیں گے :۔

يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا
ارادہ کرینگے وہ کہ نکلیں بیچ سے آگ کے اور نہیں
هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝ ۳۷
وہ نکلنے والے بیچ سے اُسکے اور واسطے انکے عذاب ہے قائم رہنے والا

وُہ جلانے والے عذاب میں سے نکلنے کی کوشش کریں گے لیکن وُہ اس سے نکلنے والے نہیں ہوں گے ۔ کیوں کہ اُن کے لئے (ٹلنے والا عذاب نہیں ۔ بلکہ) قائم رہنے والا عذاب ہے ۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت ۳۳ ہٰذا کیساتھ ہے، جس میں اسلامی ریاست کے باغیوں کی سزا کے سلسلے میں قطع ید و رِجل یعنی عمر قید کا ذکر گزر چکا ہے ۔ چنانچہ جس طرح اسلامی ریاست کے بے توبہ باغی اور سُود خور کی سزا اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا یعنی عمر قید ہے ۔ اُسی طرح اسلامی ریاست میں چور اور چورنی کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں، بلکہ جُرم کی نوعیت کے مطابق قید کرنا ہے :۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا
اور چور مرد اور چور عورت کاٹ دو
أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ
قوت دونوں کی بدلہ اسکا جو کمایا انہوں نے عبرت طرف اللہ کے
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۳۸
اور ہے اللہ غالب حکمت والا ۔

اور چور مرد اور چورنی عورت (دونوں کے لئے چوری کی سزا یہ ہے کہ دونوں کی چوری کی طاقت قطع کردو (انہیں قید کردو) اللہ کی طرف سے اِن دونوں کیلئے قطع ید کا حکم سزا مطابق اندازۂ جُرم ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑھ کر غالب اور بڑا حکمت والا ہے ۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ
پھر جو کوئی توبہ کرے بعد چوری اپنی کے اور اصلاح کرے
فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
تو بیشک اللہ رجوع برحمت ہوگا اوپر اسکے بیشک ہے اللہ چھپانیوالا مہربان

پھر جو کوئی (اُن میں سے) اپنے ظلم (یعنی چوری کرنے کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کر لے تو پھر بلاشبہ اللہ تعالیٰ عیب پوشی کرنیوالا ہے۔ بہت بڑھ کر مہربانی فرمانے والا ہے۔

● ع۱ عربی زبان میں ید کا معنیٰ ہاتھ بھی ہے اور طاقت بھی ہے۔ جیسے کہ حضرت داؤد ؑ کے متعلق ارشاد ہُوا ہے وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۳۸/۱۷ ہمارے طاقتور بندے داؤد کا ذکر کیجئے ــــ دیکھئے! یہاں ذَا الْاَيْدِ کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں ہے کہ حضرت داؤد ؑ کے ہاتھ بصیغہ جمع تین چار یا پانچ سات تھے۔ بلکہ آپ کو آپ کی مُلکی، فوجی، علمی، اخلاقی اور نبوّت و رسالت کی متعدّد طاقتوں کے لحاظ سے ذا الاید یعنی بہت سی قوتوں والا کہا گیا ہے۔

● ع۲ قطع کا معنیٰ کاٹنا بھی ہے اور روکنا بھی ہے۔ جیسے کہ حضرت لوط ؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اغلام باز بھی ہو اور لوگوں کو لوٹنے کے لئے ان کا راستہ بھی کاٹتے ہو۔ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۲۹/۲۹ ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ یہاں قطع سبیل کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ قوم لوط ؑ کدال کیساتھ راستے کاٹتے تھے۔ بلکہ راستہ روک کر لوگوں کو لوٹتے تھے۔ پس الفاظ کی لُغت کے مطابق قطع ید کا معنیٰ چور کے ہاتھ روک دینا، یعنی اسکی اصلاح کیلئے قید کر دینا ہے۔ ہاتھ کاٹ کر لنجے اور بھیک منگے بنانا نہیں۔

● یوں تو قطع ید کی وضاحت آیت نمبر ۵/۳۳ میں کھل کر دی گئی ہے کہ اسکا معنیٰ اور مفہوم بہیمیت یعنی زندہ انسانوں کے ہاتھ کاٹکر انہیں بیکار و معذور کر دینا نہیں بلکہ قید کرنا ہے۔ لیکن اِن ہر دو آیات مجیدہ ۵/۳۸-۳۹ کے داخلی چار جُملوں کی ترتیب اور انکا باہمی ربط چور کا ہاتھ کاٹنے کے کھل کر خلاف جاتا ہے۔ ہم نے پچھلے صفحہ پر ان جملوں پر خط کھینچ کر ایک سے چار تک نمبر لگا دیئے ہیں تاکہ ربط و مفہوم سمجھنے میں آسانی رہے۔ ذیل میں ہر چہار جملوں کو بالترتیب زیر بحث لایا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ چور کے ہاتھ کاٹ ڈالنا چاروں جملوں کے خلاف ہے۔ یاد رہے کہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا کے بعد عین متصل پہلے نمبر پر یہ جملہ مبارکہ آیا ہے۔
(۱) جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (مفہوم) یہ قطع ید کا حُکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے، سزا اندازہ جرم کیمطابق ہے (نہ کم نہ زیادہ)۔ دیکھئے! اِن الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ چور مرد ہو یا عورت، اُنکی سزا عین جُرم کے برابر ہوگی۔ تو اب بتائیے کہ اگر ایک ہزار روپے کے چور کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے اور ایک لاکھ دو لاکھ یا دس لاکھ روپے کے چور کا بھی پنجہ الگ کر دیا جائے تو جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا کے خداوندی حکم کی تعمیل یعنی سزا مطابق جُرم کے سلسلے

میں ہم نے کیا کیا؟ ۔ نیز چوری کی کم و بیش مالیت کے عوض اگر ہاتھ کاٹنے کے مقام کو دو چار انچ نیچے اوپر کرنے لگیں تو بتائیے کہ سزا باندازۂ جرم کی تعمیل کس طرح مضحکہ خیز بن کر رہ جاتی ہے ۔ کیونکہ بازو سے پنجہ خواہ کسی بھی مقام سے الگ کیا جائے، لنجا ہو جانے کے نتیجے میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ یعنی پانچ سو روپیہ کے چور کو بھی لنجا اور پانچ لاکھ کے چور کو بھی لنجا کر دینے میں جَزَآءً بِمَا كَسَبَا کے خداوندی حکم کے تعمیلی تقاضے ہرگز پورے نہیں ہوتے ۔

● فلہٰذا جیسے کہ آیۂ مجیدہ کے ترجمہ میں لکھا گیا ہے کہ قطع ید کا معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ چوری کرنے کی طاقت کو روک دینا ہے ۔ جس کی صورت محسوس یہ ہے کہ مجرم کو اُس کے جرم کے مطابق قید کر کے معاشرہ سے الگ کر دیا جائے ۔ اور اس طرح جَزَآءً بِمَا كَسَبَا کی تعمیلی صورت یہ ہو گی کہ اگر پانچ سو روپے کے چور کو تین ماہ قید کی سزا دی گئی ہے تو ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ روپے کے چوروں کو سزا اندازہ جرم کے مطابق بالترتیب بڑھتی چلی جائے گی ۔ پس ثابت ہوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا کا معنیٰ ہاتھ کاٹ لینا، متصلہ اوّلین جملہ جَزَآءً بِمَا كَسَبَا کے خلاف ہے ۔ اس کے بعد متصلہ دوسرا جملہ یہ ہے :۔

۲۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۔ اس جملہ کے مطابق غور طلب یہ امر ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دینے اور اُس کے بیوی بچوں کو فاقوں کے جہنم میں دھکیل دینے اور انہیں بھک منگے بنا کر معاشرے پر بوجھ بنا دینے میں کون سی حکمت ہے ؟ حکمت کا معنیٰ یہ ہے کہ نقصان بھی نہ ہو اور کام بھی سدھر جائے ۔ قرآنی حکم قید کر دینے میں وُہ حکمت پوشیدہ ہے جس میں نہ افراد معاشرہ کے ہاتھ کاٹ کر انہیں ناکارہ کر دینے کا تصوّر ہے اور نہ آئے دن ہاتھ کٹوں اور بھک منگوں میں اضافہ کرنے کا ۔ یاد رہے کہ قید خانوں میں (جنہیں صحیح طور پر اصلاح خانے بنایا جانا ضروری ہے، اوران کے نام بھی جیل خانوں کی بجائے اصلاح خانے رکھنا لازم ہے) چوروں کی اصلاح کرنا ہی وُہ حکمت ہے جو مذکورہ بالا جملہ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کے تقاضے پورے کر سکتی ہے کہ چور، کچھ عرصہ معاشرہ سے الگ اصلاح خانے میں رہ کر پھر سے شریف شہری بن جائے ۔ پس ثابت ہوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا کے الفاظ سے چور کا پنجہ الگ کر دینے کا تصوّر، اس کے دوسرے متصلہ جملہ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کے بھی خلاف ہے ۔ فلہٰذا یکسر غلط ہے ۔

۳۔ تیسرے نمبر پر متصلہ جملہ آیا ہے :۔ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۔ پھر جو شخص چوری کرنے کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس پر رجوع برحمت ہو گا ۔ یعنی اُسے معاف کر دے گا ۔ اب غور فرمائیں کہ "اگر چور پکڑا ۔ مال برآمد کیا اور ہاتھ کاٹ ڈالا" ہی آیت زیر بحث کی تعمیل صورت صحیح ہو تو بتائیے کہ چور کو توبہ اور اصلاح کا موقعہ کب ملیگا؟ نیز بتائیے کہ ہاتھ کاٹ ڈالنے کے بعد وُہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو پھر کیا فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ کا یہ مفہوم ہو سکیگا کہ اُسے کٹا ہوا ہاتھ واپس مل جائیگا!

● فلہذا جب چور کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا تصور تیسرے متصلہ جملہ کیساتھ بھی فِٹ نہیں بیٹھتا تو ثابت ہُوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا سے ہاتھ کاٹ ڈالنے کا مفہوم اخذ کرنا غلط ہے۔

۴۔ اس سے اگلا چوتھا اور آخری متصلہ جملہ ہے اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ عیبوں کو ڈھانپنے والا مہربان ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توبہ اور اصلاح کے بعد کٹا ہوا ہاتھ واپس نہیں مل سکتا تو عیب پوشی کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کٹا ہوا ہاتھ عمر بھر کیلئے جرم پر پردہ پڑنے نہیں دیگا۔ وُہ ہمیشہ کیلئے اس امر کا ڈھنڈورچی بنا رہیگا کہ یہ چور ہے۔ اس طرح توبہ اور اصلاح کے باوجود تائب اور مصلح کو معاشرہ میں اس کا کھویا ہُوا عزت مقام دوبارہ ہرگز میسر نہیں آسکتا۔ پس چونکہ ہاتھ کاٹنے کا نظریہ آئت مجیدہ کے چاروں متصلہ جملوں کے خلاف ہے۔ اس لئے بدرجہ اتم ثابت ہوا کہ قطع ید کا معنٰی ہاتھ کاٹنا نہیں، وُہ طاقت روکدینا ہے جو چوری پر اکساتی ہو اور اُس کی عملی صورت چور کو قید کر کے اُس کی اصلاح کرنا ہے۔

جُملہ انبیاء کا دین اور شریعت ایک تھی

● اب سطور ذیل میں یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ سابقہ انبیاء کے ہاں بھی چور کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ قید کرنا ہی تھی۔ اور آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاءؑ کی شریعت ایک تھی اُس میں سرِمُوفرق نہیں تھا، جیسے کہ سُورہ شوریٰ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی .... ۴۲/۱۳ (ایمان والو!) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنے دین کی وہی اکلوتی شرع کردی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور اے رسولؐ! وُہی شریعت جو ہم نے آپکی طرف وحی فرمائی ہے۔ اور وہی شریعت جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا ــــــ اس آئت مجیدہ سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاء کرام کو شریعتِ واحدہ عطا کیگئی تھی۔ اور اس کے لبعد اب دیکھئے کہ سورہ یوسفؑ میں شریعتِ یعقوبی کی سزا بتائی گئی ہے چور کو قید کرنا:۔

● فرزندانِ یعقوبؑ جب دوسری مرتبہ غلّہ لینے کیلئے مصر تشریف لے گئے تو اُن کے چھوٹے بھائی پر چوری کا الزام آگیا۔ اس پر اُن سے پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں چور کی سزا کیا ہے؟ تو برادران یوسفؑ نے جواب دیا:۔ قَالُوْا جَزَآؤُہٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِہٖ فَھُوَ جَزَآؤُہٗ ؕ کَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ○ ۱۲/۷۵ انہوں نے کہا جس کی بوری میں چوری کا پیمانہ پایا گیا ہے وُہ اپنی جزا آپ ہے (یعنی وُہ قید کر دیا جائے) ہم اپنی شریعت (یعقوبی) میں چوروں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

● دیکھا آپنے کہ شریعتِ یعقوبی میں جو آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاء کرام کی اکلوتی شریعت ہے، چور کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں تھی بلکہ قید کرنا تھا۔ چنانچہ برادر یوسفؑ شریعت یعقوبی کے مطابق قید کر لیا گیا تھا، اس کا ہاتھ

نہیں گیا تھا ۔ پس جملہ انبیاء کی الوہی شریعت کے قرآنی کلیہ کے مطابق بھی ثابت ہوا کہ ۵ کے الفاظ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا کا قرآنی معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ اُس قوت کو روک دینا ہے جو چوری پر اُکساتی ہے ۔ جس کی مختلف صورتیں اظہر من الشمس ہیں کہ اگر چور بیکار و بے روزگار ہے تو اُسے وقفۂ سزا کے بعد روزگار مہیا کیا جائے ۔ اور اگر وُہ کوئی کام نہیں جانتا تو اُسے اصلاح خانے میں کوئی ایک ہنر سکھایا جائے ۔ اگر چور کے پیچھے کوئی رسّہ گیر طاقت ہے تو اُسے پوری طرح ختم کر دیا جائے ۔ کیونکہ چور کو قید کرنا اور رسّہ گیروں سے چشم پوشی کرنا فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا کے خلاف ہے ۔ فی الحقیقت رسّہ گیر ادارے چور ساز ادارے ہیں ۔ انکا خاتمہ لازم ہے ۔

قید خانے نہیں اصلاح خانے

● قرآنی ہدایات کیمطابق قید خانوں یعنی جیل خانوں کا نام اور کام دونوں کو تبدیل کرنا لازم ۔ کیونکہ چوری کے جُرم یا دوسرے جُرموں کے مجرموں کو غرضِ اصلاح کے بغیر قید کر دینا بھی خلافِ قرآن ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لاریب اصلاحِ معاشرہ کی اور امنِ عالم کی علمبردار ہے ۔ اگر کوئی مجرم سال دو سال کی قید کاٹ کر معاشرہ میں لوٹ کر آنے کے بعد چور کا چور ہی رہے تو ظاہر ہے وقفۂ قید مطلقاً بیکار ہی چلا گیا ۔ پس جتنے وقفہ کیلئے کسی مجرم کو معاشرہ سے الگ کرکے اصلاح خانے میں رکھا جائے ، لازم ہے کہ اُس وقفے میں مجرم کی پُوری طرح اصلاح کر دی جائے ، تاکہ وُہ جیل یعنی اصلاح خانے سے واپس آکر مجرمانہ عادات و خصائل سے پوری طرح الگ ہو چکا ہو ۔ فلھذا لازم ہے کہ وُہ سرکاری ادارے جن میں مجرموں کو قید کیا جائے ، انکا نظام بھی ایسی بُنیادوں پر تبدیل کیا جائے کہ اس ادارے یعنی محکمہ جیل کا اوڑھنا بچھونا ہی اصلاحِ مجرمین ہو ۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ ان اداروں کا نام جیل خانوں اور قید خانوں کی بجائے اصلاح خانے رکھا جائے ۔

● چوری کی صحیح قرآنی سزا کی وضاحت کے بعد پروردگارِ عالم نے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور ؐ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے ، یعنی پُوری نوعِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی کے لئے ہے ۔ اس میں بے جا تصرّف کرنیوالوں کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی سزا مقرر کرتا اور معاف کرتا ہے ۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ
(اے رسول ؐ !) کیا نہیں جانا تو نے بلاشبہ اللہ واسطے اُسکے حکومت
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ
ہے آسمانوں اور زمین کی ۔ عذاب کرتا ہے جسے چاہے
وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
اور معاف کرتا ہے واسطے جس کے چاہے ۔ اور اللہ واسطے ہر

(اے رسول ؐ !) کیا آپ نے جانا نہیں (یعنی آپکو جاننا چاہیے کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ وُہ ہے کہ واسطے اسی کے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ۔ اور وُہ جسے عذاب کا حکم دیتا ہے تو قانونِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے اور جسے معاف کرتا ہے تو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی معاف کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قانون متعیّن

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ ۴۰

چیز کے قانون بنانے والا ہے۔

کرنے والا ہے۔

● سزا کا قانون اُن لوگوں کیلئے جو ربوبیت عالمینی میں رکاوٹ بنتے ہیں اور معاف انہیں کیا جاتا ہے جو تائب ہوکر راہ راست پر آجاتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کے تسکین قلب کے لئے ارشاد ہوا کہ جو لوگ ضابطۂ خداوندی کے انکار میں جلدی کرتے اور جھوٹ بولتے ہیں آپ اُن کے لئے غمگین نہ ہوں:۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ

اے ہمارے رسول! نہ غمگین کریں تجھے وہ لوگ جو جلدی کرتے

فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ

بیچ انکار کے، میں سے ان کے کہا ایمان لائے ہم ساتھ منہوں اپنے کے اور

تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ

ایمان لائے ذہن اُنکے اور میں سے یہودیوں کے سُننے والے

لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ

واسطے جھوٹ کے۔ سُننے والے واسطے دوسری قوم کے نہیں آئے پاس تیرے

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ

تبدیل کرتے ہیں کلام کو سے پیچھے مقام اسکے کے وہ کہتے ہیں

اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ

اگر دیئے جاؤ تم یہ تو لے لو اُسے اور اگر نہ دیئے جاؤ

فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ

تو بچ جاؤ جو کوئی ارادہ کرے اللہ اسکی سزا کا تو نہیں تو مالک واسطے

لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ

اسکے سے اللہ کے کچھ وہی لوگ ہیں نہیں ارادہ کرتا اللہ

اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۖۚ وَّ

کہ پاک ٹھہرائے اذہان انکے۔ واسطے انکے بیچ دُنیا کے رسوائی ہے

لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ ۴۱

واسطے اُنکے بیچ آخرت کے سزا ہے بہت بڑی۔

اے ہمارے رسولؐ! وُہ لوگ آپ کو غمگین نہ کریں (یعنی آپ اُن سے غمگین نہ ہوں) جو (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات کے) انکار میں جلدی کرتے ہیں، اُن لوگوں میں سے جو مُنہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے اذہان ہرگز ایمان نہیں لاتے۔ اور یہودیوں میں سے بھی وُہ لوگ (آپکو غمگین نہ کریں) جو جھوٹ بولنے کیلئے (آپ سے قرآن مجید سُنتے ہیں یعنی آپ سے سُنتے ہوئے کے خلاف) اُس قوم کے آگے جھوٹ بولنے کیلئے سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے۔ وُہ لوگ ہمارے کلام کو اصل مقام سے بدل دیتے ہیں (اپنی قوم کو) کہتے ہیں کہ اگر تم رسولؐ کی طرف سے یہ دیئے جاؤ (جو ہم کہتے ہیں) تو لے لیا کرو۔ اور اگر تمہیں یہ تعلیم نہ دی جائے تو اُس سے بچ جاؤ۔ (اے رسولؐ!) جس کسی کو اللہ تعالیٰ اُسکی گمراہی کی سزا دینے کا ارادہ کرے تو اُس کیلئے (اُس سزا سے بچانے کا) آپکو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ مذکورہ بالا وُہ لوگ ہیں کہ اللہ نے (ان کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت) اُنکے قلوب کو پاکیزہ ٹھہرانے کا ارادہ نہیں کیا۔ اُن کے لئے (اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق) اِس دنیا میں بھی رُسواکن سزا ہے۔ اور آخرت میں اُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

● سابقہ آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے یہودیوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضورؐ کی خدمت میں جاسوسی کرنے کیلئے آتے تھے۔ وہ مُنہ سے تو ایمان کا اقرار کرتے مگر اُن کے اَذہان مُطلقاً اِنکاری تھے۔ آپ کے کلام اور آپکے پروگرام کو مخالف قوم تک پہنچانے کیلئے حاضر ہُوا کرتے۔ اگلی آیت مجیدہ میں تکرار تاکیدی کے طور پر ارشاد ہُوا ہے کہ وہ آپکے کلام کو اسلئے سنتے تھے کہ اُس میں جھوٹ ملا کر لوگوں تک پہنچائیں اور معاذ اللہ حرام مال کھانے کیلئے آنحضورؐ کو سند بنائیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ

سننے والے ہیں واسطے جھوٹ کے کھانیوالے ہیں حرام کے

فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ

پس اگر آویں پاس تیرے پھر فیصلہ کر درمیان اُنکے یا اعراض

عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ

کر اُن سے - اور اگر تو اعراض کرے اُن سے تو نہ

يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ

تکلیف دینگے تجھے ذرہ بھر - اور اگر فیصلہ کرے تو تو فیصلہ کرنا

بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲

درمیان اُنکے ساتھ انصاف کے - بیشک اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنیوالوں کو

(دوبارہ سُن لیجئے گا کہ یہودی لوگ) قرآن کو سنتے ہی ہیں اس کے ذمہ جھوٹ لگانے کے لئے۔ اور وُہ حرام کھانیوالے ہیں۔

پھر (اے رسُولؐ!) اگر وُہ (یہودی اپنے جھگڑوں کے فیصلے کرانے کیلئے) آپکے پاس آئیں، تو پھر آپ کو اختیار ہے کہ اُن کے فیصلے کریں یا اُن سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ اُن سے اعراض فرمائیں تو وُہ لوگ آپ کو ذرّہ بھر بھی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ اُن کے درمیان مقدمات کے فیصلے کریں تو انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف (کیساتھ فیصلے) کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

یہود کی مفاد پرستی

● آیات بالا میں ایک طرف تو یہودیوں کی یہ حالت بیان کی گئی ہے کہ وُہ قرآنی احکام کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو کچھ آنحضورؐ سے سُنتے اُسے بدل کر اپنی قوم کو سُناتے تھے اور خود توراۃ مقدّس کے احکام کو بھی اپنے ڈھب کے مطابق تبدیل کر رکھا تھا ۵/۱۳ دوسری طرف یہ بھی بتا دیا ہے کہ وُہ اپنے باہمی مقدمات کے فیصلے کرانے کے لئے آنحضورؐ کی عدالت میں لایا کرتے تھے۔ اگلی آیت مجیدہ سے ظاہر ہے کہ اُن کا ایمان نہ توراۃ مقدّس پر ہے نہ قرآن مجید پر۔ بلکہ ان کا ایمان مفاد پرستی کے گرد گھومتا ہے۔ اگر اپنے تحرّف قوانین میں فائدہ دیکھا تو اُدھر کو جُھک گئے اور قرآنی احکام میں فائدہ نظر آیا تو اپنے مقدّمے آنحضورؐ کے پاس لے آئے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا

اور وہ کیسے حاکم بنائیں تجکو اور پاس اُنکے ہے توراۃ بیچ اُسکے

حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ

حکم ہے اللہ کا - پھر وہ پھر گئے ہیں بعد اس کے

اور (اے رسُولؐ!) یہ یہودی لوگ اپنے مقدمات میں آپکو کس طرح حاکم ٹھہراتے ہیں، حالاں کہ اُن کے پاس تورات ہے (اگرچہ انھوں نے اُس میں رَدّوبدل

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ ۴۳

اور نہیں ہیں وہ علیٰ ایمان لانیوالے

کرلیا ہے ۔ ۵ لیکن کہتے بھی ہیں کہ) اس میں اللہ کے احکام ہیں ۔ پھر اس کے (یعنی یہ کہنے کے) بعد بھی وُہ اُس سے اعراض کرتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ وُہ مومن نہیں ہیں ۔

اصل توراۃ میں ہدایت بھی ہے اور نُور بھی ہے فیصلے صرف منزل من اللہ کیساتھ کیے جائیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ اصل تورات میں بھی ہدایت و نور نازل فرمایا گیا ۔ اور اصل انجیل میں بھی ہدایت و نور نازل ہوا تھا ۔ بغور ملاحظہ فرمائیں ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ

بیشک ہم نے نازل کیا توراۃ کو بیچ اُسکے ھدایت اور نور ہے

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

فیصلے کرتے تھے ساتھ اسکے نبی جنہوں نے فرمانبرداری کی واسطے اُن لوگوں کے

هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا

جو یہودی ہوئے اور مشائخ اور علماء اسلئے کہ

اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ

حفاظت کرائے گئے تھے کتاب اللہ کی اور تھے وہ اوپر اُس

شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ

کے گواہ ۔ پس نہ ڈرو لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ

اور نہ بیچو آیتیں میری قیمت تھوڑی ۔ اور جو لوگ نہ

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۴۴

فیصلہ کریں ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے لیس وہی وہ ہیں کافر ۔

بیشک ہمیں نے تورات کو نازل فرمایا ہے ۔ اُس میں (ہماری تمام کتابوں کی طرح) ہدایت بھی ہے اور (ہر مسئلہ کے حل کیلئے) روشنی بھی ہے ۔ ہمارے بہت سے نبی جنہوں نے ہماری فرمانبرداری کی اسی (غیر محرّف تورات) کیساتھ یہودیوں کے (جھگڑوں کے) فیصلے کرتے رہے تھے ۔ اور ان کے مشائخ و علماء بھی (اسی کیساتھ ان کے فیصلے کرتے رہے تھے) یہ اس لئے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (توراۃ مقدّس) کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وُہ اُس پر خود گواہ تھے (اُنہیں کہ دیا گیا تھا کہ) لوگوں سے مت ڈرو ، بلکہ صرف میرے قانون کی مخالفت سے ڈرو ۔ اور میری آیتوں کو دنیا کے حقیر مال کے عوض نہ بیچنا ۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کیساتھ جھگڑوں کا فیصلہ نہیں کرتے ۔ وُہ وہی تو کافر ہیں ۔

توراۃ میں بھی قرآنی احکام ہی تھے

سورہ شعراء میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم سے پہلی جملہ کتب

الٰہی میں قرآنی قوانین ہی نازل کئے گئے تھے۔ وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَؕ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُۙ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَۙ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍؕ وَاِنَّهٗ لَفِىۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ ۔ ۲۶ ۱۹۲ تا ۱۹۶

یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔ رُوح الامین اسے لیکر آپکے قلبِ اطہر پر نازل ہوا تاکہ آپ منذرین میں سے ہو جائیں۔ اس کی زبان عربی مبین ہے۔ یہی احکام سابقہ جملہ کتابوں میں تھے۔

● نیز سُورہ شوریٰ ۴۲/۱۳ کے حوالے سے پیچھے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جملہ انبیاء سلامٌ علیھم کو ایک ہی دین اور اصلی وُہ ایک ہی شریعت عطا کی گئی تھی جو دین اور شریعت آنحضورؐ کو دی گئی ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اِسی امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ جو قوانین سابقہ اُمتوں پر فرض کئے گئے تھے، وہی قوانین قرآنِ کریم میں بالفاظِ ذیل موجود ہیں:-

وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَاۤ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ
اور فرض کیا ہم نے اوپر ان کے بیچ اسکے بیشک جان بدلہ جان

وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ وَالۡاُذُنَ
اور آنکھ بدلہ آنکھ اور ناک بدلہ ناک اور کان

بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ ؕ
بدلہ کان اور دانت بدلہ دانت اور زخموں کا بدلہ ہے

فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ
پھر جو کوئی صدقہ کرے ساتھ اسکے تو وہ کفارہ ہے واسطے اسکے اور جو نہ فیصلے کریں

بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝ ۴۵
ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے پس وہی وہ ظالم ہیں۔

اور ہم نے اُس (توراۃ) میں اہلِ کتاب) پر فرض کر دیا کہ جان کا بدلہ جان ہے (یعنی جو شخص کسی شخص کو قتل کر دے تو اُس کے بدلے اُسے قتل کر دیا جائے) اور (اسی طرح) آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے۔ اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے۔ اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں کا بدلہ بھی لیا جانا فرض ہے۔ پھر اگر مجرم کو وُہ شخص خود معاف کر دے جس پر ان میں سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو اسکا معاف کر دینا مجرم کا کفارہ ہو جائیگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ نہ فیصلے کریں اُس ضابطہ کیساتھ جو اللہ نے نازل کیا ہے تو (ظالم ہو کر) وُہی لوگ تو ظالم ہیں۔

انجیل مقدس میں بھی ہدایت و نور تھا

● حقیقی تورات کی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں انجیل مقدس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس میں بھی ہدایت و نور نازل کیا گیا تھا۔ وُہ بھی قرآنی دین ہی کی حامل تھی:-

وَقَفَّيۡنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ
اور بھیجا ہم نے اوپر راستے اُنکے عیسیٰ بیٹے مریم کو

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ ۖ وَ
تصدیق کرنیوالا واسطے اسکے جو پہلے اسکے تھا، میں سے تورات کے اور

اور ہم نے (توراۃ والے نبیوںؑ کے بعد) اُنہی کے راستے پر مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو (نبی بنا کر) بھیجا جو تصدیق کرنیوالا تھا اُس (تعلیم) کی جو اُس سے پہلے تورات میں (نازل کی گئی) تھی۔ اور ہم نے اُسے انجیل

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ

دی ہم نے اسکو انجیل ۔ بیچ اسکے ہدایت ہے اور نور

وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اور تصدیق کرنیوالی واسطے اسکے جو آگے سے توراۃ کے

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ۴۶

اور ہدایت اور نصیحت واسطے تقویٰ شعاروں کے

عطا فرمائی۔ اس میں (بھی توراۃ کی طرح ہر نسلِ انسانی کیلئے) ہدایت اور روشنی تھی۔ اور وہ اسی تعلیم کی تصدیق کرنیوالی تھی جو اس سے پہلے توراۃ میں (نازل کی گئی) تھی۔ اور وہ تقویٰ شعار لوگوں کے لئے (مکمل طور پر) ہدایت اور نصیحت ہے۔

● علہ توراۃ مقدس بہت سے انبیاء کے صحف مبارکہ کا نام ہے۔ اسی لئے ۵/۴۴ میں ارشاد ہوا ہے کہ توراۃ کیساتھ بہت سے نبی لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے ـــــ آیتِ بالا میں انجیل مقدس کی تعریف کے بعد اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے :-

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ

اور چاہیئے کہ فیصلہ کریں اہلِ انجیل ساتھ اسکے جو نازل کیا

اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اللہ نے بیچ اسکے۔ اور جو نہ فیصلہ کریں ساتھ اسکے جو نازل

فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ۴۷

کیا اللہ نے پس وہی وہ حد سے پھاندنے والے ہیں۔

اور اہلِ انجیل پر لازم ہے کہ وہ اُن (قوانین) کے ساتھ مقدموں کے فیصلے کیا کریں جو خود اللہ تعالیٰ نے انجیل کے اندر نازل فرمائے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اُس ضابطے کیساتھ فیصلے نہ کریں جو خود اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ وہی وہ تو اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندنے والے ہیں۔

قرآنِ حکیم توراۃ وانجیل کا نگہبان ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ قرآنِ کریم توراۃ وانجیل کا نگہبان ہے۔ یہ اس لئے کہ پیچھے متعدد بار بتایا گیا ہے کہ توراۃ وانجیل میں یہود و نصاریٰ نے اپنے حسبِ منشا تحریف کر لی ہوئی ہے۔ حضرت مسیحؑ و عزیرؑ کو خدا تعالیٰ کے بیٹے قرار دیا۔ نصاریٰ نے صلیب کا عقیدہ ایجاد کرکے اُسے گناہوں کا کفارہ ٹھہرالیا ہے۔ وہ غیر اللہ ضابطوں کیساتھ فیصلے کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضور صلعم کے نام خصوصی حکم جاری کیا گیا ہے کہ آپ مقدموں کے فیصلے صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کیساتھ کیا کریں :-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

اور نازل کی ہم نے طرف تیری کتاب ساتھ حق کے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

تصدیق کرنیوالی واسطے اسکے جو پہلے ہے کتاب کے

اور (اے رسولؐ) ہمنے آپ کی طرف (قرآنِ کریم اپنی لاریب) کتابِ حق کیساتھ نازل فرمائی ہے۔ جو تصدیق کرنیوالی ہے اُن کی جو اُس سے پہلے کتابیں (نازل کی گئی تھیں) اور یہ اُن پر نگہبان ہے (اہلِ کتاب نے جو اُن میں تحریف کر رکھی ہے ۵/۱۳، ۴/۴۶ یہ اُن کی تصحیح کرنے

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ
اور نگہبان اُوپر اُسکے پس فیصلے کر درمیان اُنکے ساتھ اُسکے جو نازل کیا
اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ
اللہ نے اور نہ پیروی کرنا خواہشوں اُنکی جب آچکا تیرے پاس سے
الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ
حق کے ۔ واسطے سب کے ٹھہرایا ہمنے واسطے تمہارے ایک شریعت اور طریقہ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً
اور اگر چاہے اللہ (زبردستی) البتہ کردے تم کو جماعت ایک
وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا
اور لیکن تاکہ ظاہر کرے تم کو بیچ اُسکے جو دیا تمکو پس آگے بڑھو
الْخَيْرٰتِ ۚ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا
نیکیوں میں ۔ طرف اللہ کے لوٹنا ہے تم سب کو ۔
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ۴۸
پھر وہ خبر دیگا تم کو اُسکی جسے تم جس میں اختلاف کیا کرتے ۔

والی ہے) پس اے رسول[۳]! آپ اُن کے درمیان فیصلے فرمایا کریں اُس ضابطہ کیساتھ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور آپ اِس کے بعد، کہ آپ کے پاس حق قرآن آچکا ہے، اُن (اہلِ کتاب) کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ ہم نے سب کیلئے ایک ہی شریعت یعنی ایک ہی طریقہ مقرر فرمایا ہے ۔ اور اگر ہم زبردستی چاہتے (یعنی اگر ہمارا قانونِ مشیّت یہ ہوتا کہ سب کو زبردستی راہِ راست پر لایا جائے) تو ہم اعمال کی رُو سے بھی تم سب کو ایک جماعت بنا دیتے (سب نیکوکار ہو جاتے) اور لیکن (ہمارا قانونِ مشیّت یہ ہے کہ تم اچھے یا بُرے عمل جیسے چاہو خود کرو) [۱] تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اُس میں تم کو (تمہارے اپنے عملوں کے مطابق) ظاہر کرے ۔ پس تم نیکیوں میں آگے بڑھو ۔ (اعمال کی جوابدہی کیلئے) تم سب کا لَوٹ کر آنا اللہ ہی کی طرف ہے [۲] پھر وُہ تمہیں خبر دے گا اُس چیز کی جس میں تم (مفاد پرستی کیلئے) خود اختلاف کیا کرتے تھے ۔

● عہ ۱ "اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ" ۴۰ "اچھے یا بُرے جیسے عمل تم خود چاہو کرو" کے خداوندی اعلان کے مطابق حضرت انسان کو عمل بجا لانے میں صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے ۔ اِس لئے وضاحت فرما دی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ زبردستی ہی کے مطابق دین میں راست پر لانا چاہتا تو اعمال کی رُو سے بھی پوری نوعِ اِنسانی ایک ہی گروہ ہوتی ۔ دین میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۲۵۶ کے مطابق جبر نہیں ہے اس لئے نوعِ انسانی کو عمل بجا لانے میں صاحبِ اختیار بنا کر حکم دیدیا گیا ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ نیکیوں میں آگے بڑھو ۔ اعمال کی جوابدہی کے لئے تم نے ضرور اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے ۔

● عہ ۲ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ طرف اللہ کے ہے لوٹ کر آنا تمہارا ۔ چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا اور دنیا میں بھیجا ہے ۔ چنانچہ بے پایاں نعمتوں کیساتھ نوازا اور حکم دیا ہے کہ ان میں بے جا تصرّف نہ کرنا ۔ کیوں کہ یہ پوری نوعِ انسانی کے لئے پیدا کی گئی ہیں ۲/۲۹ ۔ اس لئے باری تعالیٰ نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے ، جس میں ہر فردِ بشر نے اپنے اپنے اچھے بُرے اعمال کی جوابدہی کے لئے عدالتِ خداوندی میں حاضر ہونا اور اچھا یا بُرا پُورا پُورا بدلہ پانا ہے ۔

آنحضور کو صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کیساتھ فیصلے کرنیکا تکراری حکم

● پچھلی آیات کریمات میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کیساتھ فیصلے کرنیوالے کافر ہیں ۴۴، ظالم ہیں ۴۵، فاسق ہیں ۴۷۔ اسی ضمن میں آنحضور صلعم کو آیت بالا ۴۸ میں حکم دیا گیا ہے فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اے رسول! آپ صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ یعنی اُس ضابطے کیساتھ فیصلے کیا کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۴۹ میں اسی حکم کو تکرار تاکیدی کے طور پر باندازِ مخصوص دُہرایا گیا ہے:۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
اور یہ کہ فیصلے کر درمیان اُن کے ساتھ اُسکے جو اُتارا اللہ نے اور نہ

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ
پیروی کر خواہشوں اُنکی اور احتیاط کر اُن سے یہ کہ

يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ
نہ بہکا دیں آپکو سے بعض حصّے اُسکے جو اُتارا اللہ نے طرف تیری

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ
پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لے یقیناً ارادہ کرتا ہے اللہ کہ

يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
پہنچائے اُنکو مصیبت بوجہ بعض گناہوں اُنکے حقیقت یہ ہے کہ اکثر سے

النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ ۴۹
لوگوں کے البتہ حدّوں کو پھاندنے والے ہیں

اور (اے رسول صلعم! دوبارہ تاکیداً حکم دیا جاتا ہے) کہ آپ ان کے درمیان مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (یعنی اُس ضابطے) کیساتھ فیصلے فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اُن کی خواہشوں کی اتباع نہ کرنا۔ اور ان سے محتاط رہنا، ایسا نہ ہو کہ وُہ آپکو اُس (ضابطے) کے کسی حصے سے بہکا دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے۔ پھر اگر وُہ (اس پر ایمان لانے کے بعد پھر جائیں) تو جان لیجئے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے بدلے ان پر (اپنا قانونی) عذاب لے آئے۔ اور بلاشبہ نوعِ انسانی کے اکثر لوگ (فرمانبردار نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کی حدّوں کو پھاندنے والے ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ
کیا پھر فیصلہ جاہلیت کا چاہتے ہیں وہ۔ اور کون ہے بہتر

مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ۵۰
اللہ سے فیصلہ کرنے میں واسطے اُس قوم کے جو یقین رکھتی ہے

ع ۱۱

کیا (یہ غیر مَنَزَّل مِن اللہ کے ساتھ فیصلہ کرانے والے) زمانۂ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُس قوم کے لئے جو اللہ کے فیصلوں پر یقین رکھنے والی ہے، اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے دینے والا کون ہے؟ (کوئی بھی نہیں ہے)

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ایمان والوں کے نام حکم جاری کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بنائیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بناؤ یہودیوں
وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
اور نصاریٰ کو دوست بعض انکے ہیں دوست
بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ
بعض کے اور جو دوست بنائے انہیں تم میں سے تو بیشک وہ انہی میں سے ہے
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۵۱
بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت یافتہ ٹھہراتا قوم ظالموں کو

(رکوع ۸) اے وہ لوگو! (جو ہمارے نازل کردہ ضابطہ حیات پر) ایمان لائے ہو، یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنے دوست نہ بنانا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں (وہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے) اور تم میں سے جو کوئی انہیں (یہود کو یا نصاریٰ کو) دوست بنائے تو (وہ جان لے کہ) بیشک وہ انہی میں سے ہے، بیشک اللہ اُس قوم کو ہدایت یافتہ نہیں قرار دیتا، جو قوم کہ بے ٹھکانہ کام کرنیوالی ہے۔

● اگلی آیت مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کو دوست بنانا نفاق کی علامت بتائی گئی ہے۔ چنانچہ کھُل کر بیان کر دیا گیا ہے۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ
پھر تو دیکھتا ہے ان کو کہ اذہان جن کے بیماری ہے، جلدی کرتے ہیں
فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ
متعلق انکے کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ آ جائے ہم پر گردش
فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ
پس قریب ہے اللہ کہ آئے ساتھ فتح کے یا حکم ہی سے
عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ
طرف اپنی پھر وہ ہو جائیں بوجہ اسکے جو چھپایا بیچ اپنے
اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ ۵۲
آپ کے شرمسار

(اے رسول ؐ!) پھر آپ اُن لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے ذہنوں میں منافقت کی بیماری ہے۔ کہ وہ اُن (یہود و نصاریٰ کی دوستی) میں جلدی کرتے ہیں۔ اور کہتے یہ ہیں کہ ہم اس چیز سے ڈرتے ہیں کہ (اُن سے کٹ کر) ہم پر کوئی گردش (مصیبت) نہ آ جائے۔ پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ (مومنوں کیلئے) فتح لے آئے یا اپنی طرف سے کوئی اور امر بھلائی کا لے آئے۔ پھر وہ ان باتوں کو جنہیں وہ اپنے ذہنوں میں چھپائے ہوئے ہیں (جب وہ عیاں ہو جائیں گی) تو اپنے آپ میں شرمسار ہو جائیں گے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ
اور کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے کیا یہی ہیں وہ لوگ جو
اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ
قسمیں کھاتے تھے ساتھ اللہ کے پکی قسمیں اپنی بیشک وہ ہیں ساتھ تمہارے
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ ۵۳
ضائع ہو گئے اعمال اُن کے پھر ہو گئے وہ گھاٹا پانیوالے

اور وہ لوگ جو (منافقوں کے مقابلے پر صحیح طور پر) ایمان لائے ہیں وہ کہیں گے کہ کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کی قسمیں کھاتے تھے۔ بڑی پکی قسمیں کہ بلاشبہ وہ (یہود و نصاریٰ کیساتھ نہیں بلکہ وہ) تمہارے ساتھ ہیں (ان کی نافرمانیوں کی بدولت) برباد ہوئے اُن کے اعمال، اور وہ خسارہ پانیوالے ہو گئے۔

● ان آیات کریمات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا ایمان کے صد فیصد منافی اور کھلی منافقت ہے۔ اور اُن کی دشمنی سے ڈر کر اُن سے دوستی کرنا ہرگز سُود مند نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فیصلہ دے دیا ہے کہ وُہ مومنوں کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے۔ بالفاظِ دیگر اگر مومن اُن سے دوستی پیدا بھی کر لیں تو یاد رکھیں کہ وُہ بھی مومنوں کی بھلائی نہیں چاہینگے، بلکہ ان سے دوستی پیدا کرنیوالے اُلٹے خدا تعالیٰ کے نافرمان بھی ٹھہریں گے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کی اُس قوم کو برسرِ اقتدار لے آئے گا جو اُس سے محبت کرتی ہے اور وُہ اُس سے محبت کرتا ہے، یعنی یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا خدا تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کا ثبوت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جو پھر جائے تم میں

عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ

سے دین اپنے تو عنقریب آئیگا اللہ ساتھ قوم کے محبت کرتا ہے اُن

وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ

اور وہ کرتے ہیں اُس سے نرم اوپر مومنوں کے ، غالب

عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ يُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ

اوپر کافروں کے ۔ وہ جہاد کرتے ہیں بیچ راہ اللہ کے

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ

اور نہیں ڈرتے ملامت سے ملامت کرنیوالے کی یہ فضل ہے اللہ کا

يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ

دیتا ہے اُسے جسے چاہے۔ اور ہے اللہ فراخی والا

عَلِيمٌ ○ ۵۴

جاننے والا

اے وُہ لوگو! جو (ہمارے نازل کردہ ضابطہ حیات پر) ایمان لائے ہو، تم میں جو اپنے دین سے پھر جائے[1] (تو وُہ اپنا ہی نقصان کرے گا) اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے مقابلے کے لئے اُس قوم کو (صحابہؓ کو انکے مقابلے کیلئے میدان میں) لے آئیگا جس سے وُہ محبت کرتا ہے اور وُہ اس سے محبت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ۹/۱۰۰) جو مومنوں کے سامنے نرم ہیں اور کافروں کے مقابلے پر غالب (بہت سخت ہیں ۴۸/۲۹) وُہ اللہ کی راہ میں (جانوں اور مالوں کیساتھ) جہاد کرتے ہیں۔ ۹/۱۱۱۔ اور وُہ ملامت کرنیوالوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فضیلت ہے۔ وُہ جسے دیتا ہے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت عطا کرنے والا اور بہت بڑھ کر جاننے والا ہے۔ (قانونِ مشیت کے خلاف کچھ نہیں دیتا)

● [1] صحابہؓ رسول اللہ صلعم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو ایمان لانے کے بعد دین سے پھر گیا ہو۔ آیت بالا میں جو ارتداد کے مقابلے پر ایسی جماعت کو لانے کی خبر دی گئی ہے جو آپس میں یعنی مومنوں کے مقابلے

نرم اور کافروں کے مقابلے پر غالب ہو، وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی جماعت تھی کی نشانی بتائی گئی ہے۔

یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ کہ اللہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ نشان صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کا ہے جس کے لئے متبادل الفاظ ﴿۹:۱۰۰﴾ میں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ آئے ہیں۔ دوسرا نشان اُس جماعت کا بتایا گیا ہے :۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۞ ، یہ بھی صحابہؓ ہی کی نشانی ہے جس کے لئے متبادل الفاظ ﴿۴۸:۲۹﴾ میں آئے ہیں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کہ وہ کافروں کے مقابلے پر بڑے سخت ہیں اور مومنوں کے مقابلے پر یعنی آپس میں بڑے رحیم وکریم ہیں۔

● ۵۲ یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم جو نئی لائی جانیوالی قوم کی صفات سے صد فیصد متصف تھے تو پھر کچھ لوگوں کے دین سے پھر جانیوالوں کے مقابلے پر کسی نئی قوم کے لانے کا کیا مطلب؟ اسکا جواب صاف ہے کہ اگر بفرض محال کوئی فرد یا جماعت دین سے پھر جائے تو خدا تعالیٰ اپنی محبؐ و محبوب جماعت صحابہ کو اُن کے مقابلے پر لے آئیگا جو کافروں کے مقابلے پر بہت سخت ہے۔ دورِ صحابہ میں دین سے پھر جانیوالے اسلام اور اہلِ اسلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ صحابۂ رسولؐ میں سے تو کوئی بھی مرتد نہیں ہوا تھا، البتہ تاریخِ اسلام میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ آنحضورؐ کی وفاتِ مبارکہ کے بعد خلافتِ اوّل کے دَور میں کچھ نومسلم دیہاتی دین سے پھر گئے تھے۔ تو اس وقت اُن کے ضرر سے اسلام اور اہلِ اسلام کو محفوظ رکھنے والے صحابہ کرام ہی تھے جن کی تعریف یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ بھی بیان ہوئی ہے اور اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵:۵۴﴾ بھی بتائی گئی ہے۔ اُسے مرتدین کے مقابلے پر لانے کی خبر دی گئی ہے اور جب کچھ لوگ مرتد ہو گئے تو انہیں ان کے مقابلے پر لے آیا گیا۔ اور وہ غالب ہوئے۔

● پچھلی آیات کریمات میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر واضح کیا گیا ہے یہود و نصاریٰ کا تمہارے دوست ہونے کا تو تصور تک پیدا نہیں ہوتا جو تمہارے ساتھ شامل ہی نہیں ہوئے، تمہارے تو وہ منافق بھی دوست نہیں جو تمہارے ساتھ شامل ہو چکے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ تمہارا دوست اللہ اور رسولؐ ہے اور تمہارے ساتھ شامل ہونیوالوں میں سے وہ لوگ تمہارے دوست ہیں جو ایمان لانے کے بعد قوانین الٰہی کے سامنے جھکے ہوئے ہوں، صلوٰۃ قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، تاکہ نظامِ ربوبیت قائم ہو جائے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ ۵۵

بلاشبہ دوست تمہارا اللہ ہے اور رسول اُس کا اور جو لوگ

اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

ایمان لائے وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں اجتماعی نظام اور دیتے ہیں

سوائے اس کے نہیں کہ (یہود و نصاریٰ اور منافقین تمہارے دوست نہیں) تمہارا دوست خود اللہ تعالیٰ ہے اور اُسکا رسولؐ ہے۔ اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائیں۔ اور اجتماعی نظام قائم کریں۔ اور

الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ ۵۵	(معاشرہ کے کمزوروں کی فربہی کے لئے) زکوٰۃ دیں۔
نشوونما اور وہ جھکنے والے ہیں۔	اور وُہ قوانینِ الٰہی کے سامنے جھکے ہُوئے ہوں۔

● یہ تو ہُوا آیت بالا ۵۵ کا صحیح مفہوم جو سیاقِ کلام کے عین مطابق ہے اور اگلی آیات مجیدہ میں بھی آپ دیکھیں گے کہ یہ مفہوم سیاقِ کلام کے بھی عین مطابق ہے۔ کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتوں میں بھی یہود و نصارٰی کی دوستی سے منع کر دیا گیا ہے، جو دینِ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ زمانہ شاہد ہے کہ یہ لوگ آج تک ایک ہی کوشش میں مصروف پائے گئے ہیں کہ اسلام کی بیخ کنی کر دی جائے۔ مگر اس صحیح مفہوم کے خلاف ایک مکتبِ فکر کے ہاں آیت مجیدہ ۵۵ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی کیوں کہ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سائل نے سوال کیا۔ آپ اُس وقت حالتِ رکوع میں تھے، آپ نے اُسی حالت میں اُنگلی سے انگوٹھی اتار کر سائل کے حوالے کر دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ بیشک تمہارا ولی اللہ اور اُس کا رسول ﷺ ہے اور وُہ مومن تمہارے ولی ہیں جو صلوٰۃ قائم کرتے اور بحالتِ رکوع زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اسکی علمی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

● ۱ پہلے یہ کہ آیت مجیدہ میں اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ آیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ حقیقی ولی یعنی دوست صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ کا رسول اور مومنین بشری دائرہ میں محدود رہ کر دوست ہیں — سب کو ایک سطح کے ولی قرار نہیں دیا گیا۔

● ۲ دوسرے نمبر پر یہ کہ آیت مجیدہ کے الفاظ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ میں سات جمع کے صیغے آئے ہیں۔ اگر اس آیت مجیدہ پر کوئی شانِ نزول چسپاں کیا بھی جائے تو وُہ ایک شخص کے متعلق نہیں ہو سکتا بلکہ ایک جماعت کے متعلق تسلیم کرنا پڑیگا۔ لیکن واضح رہے کہ علمی لحاظ سے اس آیت میں کسی واقعہ کی خبر نہیں دی گئی۔ بلکہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا معنٰی ہے اور جو لوگ ایمان لائیں۔ لفظ اٰمَنُوْا صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے جس کا معنی ہے جو زمانہ ماضی میں ایمان لائے۔ لیکن یہاں چونکہ فعل ماضی 'اٰمَنُوْا' پر 'الَّذِيْنَ' اسم موصول داخل ہُوا ہے، اس لئے یہ فعل مضارع ہو گیا ہے۔ اور اُس کے بعد جو آیا ہے دوسرا 'الَّذِيْنَ'، اس کے بعد تمام افعال آئے ہی بصیغہ مضارع ہیں يُقِيْمُوْنَ اور يُؤْتُوْنَ، پس ثابت ہوا کہ یہاں نہ ماضی کے افعال ہی آئے ہیں اور نہ ماضی کا کوئی قصہ بیان ہُوا ہے کہ اُسے عربی قواعد کی حدود و قیود کو پھاند کر کسی ایک شخصیت کے لئے شانِ نزول قرار دیدیا جائے۔ بلکہ بتایا یہ گیا ہے اللہ کے بعد اُسکا رسول ﷺ اور مومن بھی تمہارے دوست ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے قانون پر پُوری طرح جھکے ہوئے اجتماعی نظام قائم کرتے اور معاشرہ کے کمزوروں کی فربہی کے لئے زکوٰۃ دیتے ہیں۔

● المختصر آیت مجیدہ ۵۵ میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مومنوں کا حقیقی ولی دوست صرف اللہ تعالیٰ

ہے۔ اور اُسکے بعد اللہ کا رسول اور باقی مومن جو اللہ کے قانون پر پوری طرح جھکے ہوئے نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کریں وہ اپنی حدود میں تمہارے دوست ہیں۔ اِس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے ایسے لوگ حزب اللہ ہیں:

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ
اور جو دوستی کریں اللہ اور اُسکے رسول اور اُن سے جو

اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
ایمان لائے پس بیشک گروہ اللہ کا وہی ہیں

الْغٰلِبُوْنَ ۝ ۵۶ ع
غالب آنیوالے

اور (حقیقت یہ ہے کہ) جو لوگ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسول کیساتھ اور اُن لوگوں کیساتھ جو ایمان لائیں اور (اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کے ذریعہ) اللہ، اُسکے رسول اور مومنوں کیساتھ دوستی کریں (وہ سب مل کر اللہ کا گروہ ہیں) پس بیشک اللہ کا گروہ ہی غالب ہونیوالے ہیں — نیز فرمایا:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ پکڑو اُن کو جو

اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ
پکڑتے ہیں دین تمہارے کو مذاق اور کھیل میں سے اُن کے جو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ
دیئے گئے کتاب سے پہلے تمہارے اور کفّار کو دوست

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۵۷
اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے

اے وہ لوگو! جو ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات پر ایمان لاتے ہو اُن لوگوں کو جو تمہارے دین کو مذاق اور کھیل ٹھہراتے ہیں دوست نہ بناؤ۔ اُن میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور کفّار کو بھی دوست نہ بناؤ۔ (وہ ہرگز تمہارے خیر خواہ نہیں) اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ (جو لوگ تمہارے دین کا مذاق اُڑاتے ہیں اُن سے دوستی کیسی)؟

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب اور کفّار کی ایک اور مذموم حرکت بالفاظ ذیل بیان کی گئی ہے:۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا
اور جب بلاتے ہو تم طرف صلوٰۃ کے پکڑتے ہیں وہ اُسے

هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
مذاق اور کھیل ۔ یہ اسلئے کہ بیشک وہ قوم ہیں جو نہیں

يَعْقِلُوْنَ ۝ ۵۸
عقل کرتے ۔

اور (ایمان والو!) جب تم ایکدوسرے کو صلوٰۃ کیلئے بلاتے ہو تو وہ (اہلِ کتاب اور کفّار) اُسکا مذاق اُڑاتے اور اُسے کھیل محض قرار دیتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام جو معاشرہ کو متوازن کرتا ہے کیا یہ کھیل مذاق کے قابل ہو سکتا ہے)؟ — نیز فرمایا:۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۵۹

کہہ اے اہل کتاب کیا تم بدلہ لیتے ہو ہم سے مگر یہ کہ ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو نازل ہوا اس سے پہلے ۔ اور بیشک اکثریت تمہاری نافرمان ہے

اور (اے رسولؐ!) کہدیجئے کہ اے اہل کتاب کیا تم ہم سے اس چیز کا انتقام لیتے ہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ کیساتھ۔ اور اس (لاریب کتاب) کیساتھ جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور اُن (مقدس کتابوں) کیساتھ جو اس سے پہلے (اللہ کی طرف سے) نازل ہوچکی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری اکثریت نافرمانی کرنیوالوں کی ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہل کتاب کے سرکش گروہوں میں سے ایک اور شدید سرکش و نافرمان جماعت کی خبر دیگئی ہے۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝۶۰

کہہ کیا میں خبر دوں تم کو بدتر سے اس کے لحاظ سزا کے نزدیک اللہ کے جو لعنت کی اللہ نے اور ناراض ہوا اوپر اسکے اور کر دیا ان میں سے اُن کے بندر اور سور اور اطاعت کی سرکش شیطان کی ۔ وہ ہیں بدتر از روئے مکان کے اور گمراہ ہوئے سے راہ سیدھی کے

کہہ دیجئے کیا میں تمہیں بتاؤں جو اللہ کے نزدیک (اپنی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت) سزا پانے کے لحاظ سے اس سے بدتر ہے۔ (وہ احکام الٰہی کی نافرمان تمہاری آبائی قوم تھی) جس پر اللہ بیزار ہوا اور اس پر غضبناک ہوا۔ اور اُن میں سے بعض پر (انکی نافرمانی کی بدولت غلامی مسلط ہوگئی)۔ انہیں اللہ نے بندروں اور سؤروں (کی طرح فاتح قوم کے اشاروں پر ناچتے ہوئے) پایا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر سرکش حکام کی فرمانبرداری کی۔ سو وہ مرتبے کے لحاظ سے بہت بُرے اور سیدھی راہ سے زیادہ بھٹکے ہوئے تھے۔

کیا اللہ کے نافرمان یہودی سچ مچ بندر اور سؤر بن گئے تھے؟

● ۳؎ جَعَلَ کا معنی بنایا کی بجائے پایا لکھا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان حالات کے نافرمان یہودیوں کو سچ مچ بندر اور سؤر نہیں بنا دیا تھا بلکہ انہیں بندروں کی طرح قلندروں کے اشاروں پر ناچنے والے اور سؤروں کی طرح بے غیرت پایا تھا کہ جو بیٹیوں کی ناموس تک کو اربابِ اقتدار کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔ بندہ اور بندر اگرچہ قریب الخلقت ہیں، مگر بندے سے بندر بن جانا قانونِ خداوندی سے خارج ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کریم دیومالائی کہانیاں ہرگز نہیں سناتا، بلکہ قوموں کے عروج و زوال سے بحث کرتا ہے۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ قوم بنی اسرائیل زوال کی اس انتہائی گہرائی میں پہنچ چکی تھی کہ شدائد

کی طرح حکام کے اشاروں پہ ناچتی اور سؤروں کی طرح بے غیرت ہو گئی تھی۔

دو ضمنی سوالوں کے جوابات

● اس مفہوم پہ دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں پہلا یہ کہ آیت بالا میں اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیْرَ آیا ہے کَالْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِیْرِ تو نہیں آیا کہ اسکا معنی بندروں اور سؤروں کی مثل لیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ جَعَلَ کا معنی بنایا کس دلیل سے لیا گیا ہے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان سمیت ہر زبان میں اظہارِ تشبیہ کیلئے حرفِ تشبیہ لایا بھی جاتا ہے اور نہیں بھی لایا جاتا۔ مثلاً ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ زید شیر جیسا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ زید شیر ہے۔ اسی طرح عربی میں یہ بھی کہا جاتا ہے اَلزَّیْدُ کَالْاَسَدِ اور یہ بھی کہا جاتا ہے اَلزَّیْدُ اَسَدٌ۔ آخری جملے میں کاف حرفِ تشبیہ محذوف و مقدر ہے۔ اس میں زید کو شیر جیسا ہی کہا گیا ہے۔ سچ مچ کا شیر نہیں کہا گیا۔ اسی طرح آیت زیرِ نظر میں اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیْرَ کا حرف کاف تشبیہ محذوف ہے اور عربی قاعدہ کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل بندروں کی طرح ذلیل اور سؤروں کی طرح بے غیرت ہو گئی تھی۔

● اب آئیے دوسرے ضمنی سوال کی طرف کہ جَعَلَ کا معنی بنایا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جواباً عرض ہے کہ عربی ادب میں جَعَلَ کا معنی بنایا خود قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ [۱۶/۸۱] یہاں اگر جَعَلَ کا معنی بنایا لیا جائے تو یہ معنی بنتا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے کرتے بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور زرہیں بنائی ہیں جو تمہیں جنگ میں دشمن کے وار سے بچاتی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ کرتے اور زرہیں تو ہم خود بناتے ہیں، اللہ بنا کر نازل نہیں کرتا ۔ اسلئے یہاں مفہوم صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس ایسے کرتے پائیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کرتے پائے ہیں (زرہیں) جو تمہیں جنگ میں تلوار سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اپنے ضابطہ کے نافرمان یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے بندر اور سؤر نہیں بنایا تھا بلکہ انہیں بندروں اور سؤروں کی طرح ذلیل اور بے غیرت ہوتے ہوئے پایا تھا۔ یہ ذلت یہودیوں کے اپنے کردار کا نتیجہ تھی۔

● ۳ پچھلے صفحہ پر آیت زیرِ نظر کے متن میں وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ کی واؤ جلی لکھی گئی ہے۔ اور اسکا معنی لکھا گیا ہے کیونکہ واؤ بمعنی کیونکہ [۲/۱۰۸] میں آیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۱۳ صفحہ نمبر ۸۴ ۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانہ رسالت کے یہودیوں کی منافقت کو صحابہ رضی اللہ عنہم پہ بالفاظ ذیل واضح کر دیا گیا ہے:۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا اور جب آئے پاس تمہارے کہا ایمان لائے ہم اور بیشک داخل ہوئے بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ساتھ کفر کے اور وہ بیشک خارج ہوئے ساتھ اسی کے اور اللہ جانتا ہے	اور (ایمان والو!) جب وہ (یہودی) تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اس رسول اور اس کتاب پر) حقیقت یہ ہے کہ بیشک وہ داخل ہوتے ہیں تمہارے پاس کفر ہی کیساتھ اور بیشک تمہارے پاس سے چلے جاتے ہیں

بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ○ ٦١
ساتھ اسکے جو تھے وہ چھپاتے

اُسی کفر کیا تھ ۔ (وہ کفر کو چھپاتے ہیں) حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے جیسے وہ چھپایا کرتے تھے۔

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ
اور دیکھتا ہے تو بہت ان میں سے جلدی کرتے ہیں بیچ گناہ کے

وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا
اور سرکشی کے ۔ اور کھانے میں حرام مال کے البتہ برا ہے جو

كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ ٦٢
تھے وہ عمل کرتے

اور (اے رسول!) آپ اُنکی اکثریت کو دیکھتے ہیں کہ وہ گناہ (کے کاموں) اور (اللہ کی) نافرمانیوں اور حرام مال کھانے میں جلدی کرتے ہیں۔ (کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے) بلاشبہ بہت برا ہے جو وہ عمل کر رہے ہیں۔

● لفظ سُحت کا مادہ س۔ ح۔ ت ہے جس کا مطلق معنی حرام کمائی کرنا ہے۔ اس میں چوری، رشوت، ملاوٹ اور ناجائز نفع اندوزی وغیرہ سب شامل ہیں۔ اگلی آیت میں یہود علماء و مشائخ کی خبر دی گئی ہے کہ وہ اُنہیں برائیوں سے منع نہیں کرتے۔

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن
کیوں نہیں منع کرتے انہیں رب والے اور علماء سے

قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ
بات اُنکی گناہ کی، اور کھانے مال حرام سے ۔ البتہ برا ہے

مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ○ ٦٣
جو وہ بناوٹ بناتے ہیں

ان یہودیوں کو ان کے مشائخ (جو رب والے بنے بیٹھے ہیں) اور (ان کے) علماء اُنہیں کیوں منع نہیں کرتے اُنکی گناہ کی باتوں سے اور حرام مال کھانے سے۔ بلاشبہ بہت برا ہے جو وہ لوگ (ان چیزوں کے جواز کیلئے) بناوٹ بناتے ہیں (یعنی کتاب خداوندی کے مسائل کو اُنکی خواہشوں کے مطابق موڑ لیتے ہیں)

علماء و مشائخ کی بناوٹ

● آیت بالا میں جو خبر دی گئی ہے کہ یہود کے علماء و مشائخ اُنہیں بُرے عملوں اور حرام مال کھانے سے منع نہیں کرتے۔ اور ساتھ ہی اُنکی تصنع اور بناوٹ کا اظہار فرمایا ہے اس پر اگر بادنیٰ تامل غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مقتدیوں اور مریدوں سے نذریں نیازیں وصول کرکے اُنکے بُرے اعمال کا جواز اُن کتابوں سے پیش کرتے تھے جو اُنہوں نے محرف توراۃ کی شکل میں لکھ لی تھیں۔ اصل توراۃ میں ایسی کوئی سند موجود نہیں تھی۔ سلسلہ درس کی آیت مجیدہ میں یہودیوں کا ایک عجیب و غریب قول درج ہے:۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ
اور کہا یہودیوں نے ہاتھ اللہ کا بندھا ہے بندھے ہیں

اور یہودیوں کا کہنا ہے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ اُنکے اپنے ہاتھ بندھے

أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ

ہاتھ اُنکے اور لعنت کئے گئے بسبب اُسکے جو کہا - بلکہ دونوں ہاتھ اُسکے

مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ

کھلے ہیں دونوں - وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور البتہ زیادہ کرتا ہے

كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ

بہتوں کو ہیں سے اُنکے وہ جو نازل ہُوا طرف تیری سے رب تیرے کے

طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ

طغیان اور انکار میں - اور ڈالدی ہمنے درمیان اُنکے عداوت اور

الْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا

بغض تک دن قیامت کے - جب وہ دہکاتے ہیں

نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ

آگ واسطے لڑائی کے بجھا دیتا اُسے اللہ - اور کوشش کرتے ہیں

فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

بیچ زمین کے فساد پھیلانا - حالانکہ اللہ نہیں پسند کرتا

الْمُفْسِدِينَ ۝ ٦۴

فساد کرنے والوں کو

ہُوئے ہیں - اور اُنہوں نے جو لیا کہا ہے، اُسکی بدولت وہ لعنت کئے گئے ہیں - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہُوئے ہیں اور وہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتا ہے - اور (اے رسولؐ!) حقیقت یہ ہے کہ جو (ضابطۂ ربوبیت) آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل ہُوا وہ (اُنکے خبثِ باطن کی بدولت) اُنہیں سرکشی اور انکار میں زیادہ کر دیگا - اور (اسی کی بدولت) اللہ نے اُنکا آپس کا بغض و عناد قیامت کیلئے (یعنی ہمیشہ کیلئے) عیاں کر دیا ہے - جس وقت بھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُسے (۲۲/۳ کے مطابق دُوسری اقوام کے ذریعہ) بجھا دیتا ہے - (یہودیوں کا حال یہ ہے کہ) وہ زمین میں فساد ہی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں (اُنکا شغل ہی یہی ہے) مگر اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا -

اللہ کے دو ہاتھ

● یہودیوں میں جو لوگ غلط معاشرہ کی غلط بخشیوں کی بدولت غریب ہُوئے وہ کہتے کہ اللہ ہمیں اسلئے نہیں دیتا کہ اُسکا ہاتھ بندھا ہُوا ہے - اسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہاتھ اُنکے اپنے بندھے ہُوئے ہیں یعنی ایسا معاشی نظام قائم کر رکھا ہے کہ کسی کو ضروریاتِ زندگی کشادہ میسر آتی ہیں اور کسی کو تنگی کیساتھ - اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہُوئے ہیں - وہ تو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق دونوں ہاتھوں کیساتھ خرچ کر رہا ہے وہ ضروریاتِ زندگی بدستور مہیا کر رہا ہے - متوازن اور مساوی تقسیم ریاست کے مرکزی نظام کی ذمہ داری ہے - غربت اور امارت اُسکی پیدا کردہ ہے اللہ کی نہیں - جیسے کہ سورہ قصص کی آیت نمبر ۲۸/۴ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے اپنے عوام کو دو طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا - ایک طبقے کو اللہ نے نہیں بلکہ فرعون نے کمزور کر دیا تھا -

● اس سلسلے کا اہم اور لازمی سوال یہ ہے کہ اللہ کے دو ہاتھ کونسے ہیں جو ہر آن کھلے ہُوئے ہیں اور وہ اُنکے ساتھ مسلسل خرچ کر رہا ہے یعنی وہ عطاءِ رزق میں مسلسل مصروف ہے؟ اِسکے لئے قرآنِ کریم کی اوّلین آیت مجیدہ کی طرف

رجوع فرمائیں :- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ ۱-۲ سب تعریفیں اچھی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں جو بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ پُورے عالمین کی ربوبیت کرنیوالا ہے۔ جو رحمان اور رحیم ہے۔ یعنی وہ عالمین کو سامانِ ربوبیت اپنی دو صفتوں رحمان اور رحیم کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ واضح رہے کہ رحمان اور رحیم دونوں الفاظ مادہ ر-ح-م - رحم سے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ جو نعمتیں ہمیں بلا محنت مل رہی ہیں مثلاً ہوا، روشنی، تمازت، برودت، اناج اور پھل پیدا کرنیوالی وہ مخفی طاقتیں جو کائنات میں دیا کر دیگئی ہیں، سب کی سب اللہ کی صفت رحمان کے ماتحت میسّر ہیں جن کے حصول کیلئے ہمیں نہ کوئی محنت کرنی پڑتی ہے، نہ انہیں کوئی وقت خرچ کر کے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی اُن پر روپیہ پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اور اسکے برعکس جو نعمتیں اپنی محنت کے بغیر میسّر نہیں آتیں، جیسے کہ بارش کے پانی، سُورج کی کیمیائی کِرنوں، سورج کی دھوپ اور تمازت، رات کی ننّی ٹھنڈک بھاند ستاروں، زمینی اور فضائی سینکڑوں طاقتوں کے صفت میسّر آنیوالے اثرات اُسی کھیت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اُسی کھیت کا دامن لہلہاتی فصلوں سے بھر دیتے ہیں جس میں انسانی محنت نے مٹی میں بروقت ہل چلا کر بیج اور کھاد ڈالدیا ہو۔ اور دُوسری طرف قسم قسم کے میوہ دار درخت خود لگا رکھّے اور انہیں بیماریوں سے بچانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اسکے برعکس اُس کھیت میں کبھی فصل نہیں اُگتی جس میں انسانی محنت شامل نہ ہُوئی ہو۔

● یہی حال ہماری مصنوعات کا ہے کہ لکڑی، لوہا، تانبہ، سیسہ وغیرہ خام مال ہمیں اللہ تعالیٰ کے دستِ رحمانیت سے ملتا ہے اور ان کی مصنوعات جن میں ہماری محنت شامل ہوتی ہے، وہ اُسکے دستِ رحیمیت سے میسّر آتی ہیں۔ لوہے سے ہمیں سُوئی سے لیکر ہوائی جہاز تک میسّر ہے۔ لکڑی سے ایندھن سے لیکر میز، کرسیاں، پلنگ دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ۔ اور اسی طرح تانبہ سیسہ جست پلاٹینم وغیرہ سینکڑوں معدنیات جو اللہ تعالیٰ کے رحیمیت کے ہاتھ سے میسّر ہیں اُنکی مصنوعات، ہماری اپنی محنت کیساتھ خدا تعالیٰ کے دستِ رحیمیت سے مل رہی ہیں۔

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ رحمانیت و رحیمیت کے دو ہاتھ جو ہر آن کھلے ہُوئے ہیں

● آیت مجیدہ زیرِ نظر ۶۴ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ سے مراد یہ ہے کہ :-
ہاتھ اُنکے بندھے ہُوئے ہیں جو نعماءِ خداوندی کو پُوری نوعِ انسانی تک پہنچنے نہیں دیتے۔ بامحنت اور بلا محنت نعمتوں کی تقسیم میں اللہ کے قانونِ ربوبیت کو بُھلا کر، ناہموار تقسیم رزق کے قوانین بنا کر انسانی اکثریت کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کر رکھا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں یہودیوں کیساتھ نصاریٰ کو بھی شامل کر کے دونوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ ‖ اور اگر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) ہمارے ضابطے

اور اگر یہ کہ اہلِ کتاب ایمان لاتے اور بچتے تو ضرور دور کرتے ہم
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ ٦٥
بدحالیاں اُنکی اور داخل کرتے انہیں باغوں نعمتوں میں

پر ایمان لاتے اور اُسکی مخالفت سے بچتے تو ہم اُنکی بدحالیاں دُور کر دیتے - اور انہیں نعمتوں والے باغات (متوازن معاشرہ) میں داخل کرتے (جس میں سب کیلئے مساوی نعمتیں ہیں) -

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ توراۃ و انجیل میں قرآنِ کریم والا ہی متوازن قانون نازل فرمایا گیا تھا :-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ
اور اگر بلاشبہ قائم کرتے توراۃ اور انجیل کو اور جو
اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ
نازل ہوا طرف اُنکی طرف سے رب اُنکے البتہ کھاتے اوپر اپنے سے اور
مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ
نیچے سے قدموں اپنے کے - اُن میں سے ایک گروہ میانہ رو ہے اور کثرت سے
مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ○ ٦٦ ع ۹/۱۴
ان میں جو بُرے کام کرتے ہیں

اور اگر (یہود و نصاریٰ) قائم کرتے احکام توراۃ کے اور انجیل کے، اور جو اُنکی طرف اُنکے رب کی طرف سے توراۃ و انجیل کے بعد) نازل ہُوا تو وہ اپنے اوپر سے (پھلدار درختوں کے میوے) بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے (زمین کے پیدا کردہ اناج بھی) کھاتے تھے اُن میں ایک گروہ میانہ رو بھی موجود ہے - لیکن اُنکے اکثر لوگ بُرے عمل بجالاتے ہیں -

مساوی تقسیم رزق پہلا نمبر ہے اپنے اوپر اور نیچے سے رزق حاصل کرنا

● علہ مساوی تقسیم رزق کا نمبر رزق حاصل کرنے کے بعد آتا ہے - جو قومیں حصولِ رزق کے ضمن میں قوانینِ خداوندی کے مطابق جدّوجہد نہیں کرتیں، یعنی نہ پھلدار درختوں کی کاشت کی طرف توجہ دیتی ہیں اور نہ زمین سے زیادہ سے زیادہ فی ایکڑ پیداوار حاصل کرتی ہیں وہ اپنے اوپر کی طرف سے آنیوالے رزق سے بھی محروم رہتی ہیں اور نیچے کی طرف سے حاصل ہونیوالے رزق کو بھی حسبِ ضرورت نہیں پا سکتیں، بلکہ دوسری قوموں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے یا قیمتی زرِ مبادلہ ادا کر کے رزق حاصل کرنے کیلئے مجبورِ محض بنی رہتی ہیں - توراۃ و انجیل اور قرآنِ کریم، ہر کتابِ خداوندی میں، زیادہ سے زیادہ رزق حاصل کرنے کی جدّوجہد پر زیادہ زور دیا گیا ہے -

● پیچھے صفحہ ۸۲ پر بتایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھوں، دستِ رحمانیت اور دستِ رحیمیت کیساتھ سامانِ ربوبیت لُٹا رہا ہے - جو قومیں توراۃ و انجیل اور قرآنِ حکیم کے واحد قانونِ حصولِ رزق پر عمل کرتی ہیں وہ آج بھی اپنے اُوپر سے میووں کا وافر رزق حاصل کر رہی ہیں اور اپنے پیروں کے نیچے سے اجناس کے بے پناہ ذخائر سے بہرہ یاب ہو رہی ہیں - حصولِ رزق کا قانون نزولِ توراۃ و انجیل کے وقت بھی یہی تھا، نزولِ قرآن کے وقت بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے - حاصلِ کلام یہ کہ اُوپر اور نیچے سے حصولِ رزق اُن اقوام و افراد کا مقدّر ہے جو اس گوشہ

سے متعلقہ اُن قوانینِ خداوندی پہ صد فیصد عمل کریں جو کائنات میں شبانہ روز جاری وساری ہیں۔

● اُوپر اور نیچے سے حصولِ نعماءِ خداوندی میں فضائی برکات اور زمینی اثرات بھی شامل ہیں، اِنکے حصول کا بھی وُہی قانونِ جاریہ مقرّر ہے کہ جو قومیں اِنکے حصول کے مستور خداوندی قوانین پہ سے پردے ہٹانے کی انتھک کوشش کرتی ہیں، وُہی انہیں حاصل کر سکتی ہیں، اِسکے برعکس جو قومیں تقدیر و مقدّر کے غیر قرآنی نظریہ کو نگاہوں میں رکھ کر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہیں انہیں اِن نعماء سے کچھ نہیں ملتا۔ بلکہ اس ضمن میں بھی وہ کوشش کرنے والی اقوام کی محتاج ہوتی ہیں۔ نیز واضح رہے کہ اس کوشش کے سلسلے میں خداوندی قانونِ جاریہ نے کافر و مومن کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ اگر صحیح جدّ وجہد کرنیوالی قوم کافر بھی ہو تو اُسے صحیح کوشش کا ثمر ضرور عطا کیا جاتا ہے اور اِسکے برعکس مذکورہ سعی و کوشش سے دُور رہنے والی قوم اگر مومن بھی کہلاتی ہو تو محروم محض کر دی جاتی ہے۔

● قرآنِ کریم کی رُو سے اس گوشے کا مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے قوانینِ تنزیلی اور تکوینی دونوں پر صد فیصد ایمان لانے کیساتھ ساتھ اُن پر شبانہ روز عمل بھی کرتا ہو۔ ایمان کی شرط یہ ہے کہ میوے درختوں سے اور فصلیں زمین ہی سے میسّر آتی ہیں اور اِنکے حصول کیلئے قوانینِ جاریہ کے مطابق انسان کو خود محنت کرنا ہوتی ہے۔

رجُوع الی المطلب ● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ نمبر ۶۷ کا تعلق یہود و نصاریٰ کے اِسی عمل کیساتھ ہے کہ اُنہوں نے توراۃ و انجیل کی تحریف تو کر رکھی تھی۔ مگر جب اُنہیں بذریعہ قرآنِ حکیم دوبارہ ہدایت پانے کا موقع میسّر آیا تو اِسکی بھی مخالفت شروع کر دی۔ لیکن اُنکی شدید مخالفت کے باوجود آنحضورؐ کو حکم دیا گیا کہ آپؐ کی طرف جو ضابطۂ حیات آپکے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اُسے یہود و نصاریٰ سمیت بلا کم و کاست سب لوگوں کو پہنچا دیجئے گا۔

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ	اے رسُولؐ! (جو ضابطۂ حیات) آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل کر دیا گیا ہے۔ اُسے (بلا خوف و خطر) لوگوں تک پہنچا دیجئے۔ اگر آپنے اِسے لوگوں تک نہ پہنچایا تو (جان لیجئے کہ) آپنے فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا۔ اور (آپکو دشمن ضرر نہیں پہنچا سکینگے) اللہ تعالیٰ آپکو لوگوں سے محفوظ رکھیگا بیشک جو لوگ حقائق کا انکار کرنیوالے ہیں اللہ تعالیٰ (اُنکے انکار کی بدولت) اُنکی رہنمائی نہیں کرتا۔ (وہ اِنکار کر کے خود محروم ہدایت ہو جاتے ہیں)۔
اے رسُولؐ! پہنچا دے جو نازل ہوا طرف تیری سے	
رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ	
رب تیرے ۔ اور اگر نہ کیا تُو نے یہ تو نہ پہنچایا تو نے پیغام اُسکا	
وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي	
اور اللہ بچانیوالا تجھے سے لوگوں کے، بیشک اللہ نہیں رہنمائی کرتا	
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ ٦٧	
قوم انکار کرنیوالوں کی	

● یہود و نصاریٰ کی شدید مخالفت کی بدولت اگر اِن لوگوں کیلئے سلسلۂ تبلیغ بند کر دیا جاتا تو اُن میانہ رو اہلِ کتاب کا

حق تبلیغ ضائع ہو جاتا ۔ جن کی اہلِ کتاب میں موجودگی کی خبر پیچھے آیت نمبر ۶۶ میں دیگئی ہے ۔ اسلئے ارشاد ہوا کہ جو لوگ حقائق کو مانتے ہی نہیں وہ تو یقیناً محروم ہدایت رہینگے ۔ مگر آپ تبلیغ جاری رکھیں تاکہ جو میانہ رو جماعت ہے ؛ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وہ محروم ہدایت نہ رہ جائے ۔

● اِس آیت مجیدہ کے متعلق ایک تصور یہ ہے کہ یہ آنحضورؐ کے بعد آپکی خلافت کے فیصلہ کیلئے نازل ہوئی تھی ۔ لیکن حقیقت نیمروز یہ ہے کہ نہ اس میں خلافت کا ذکر ہے اور نہ ہی کسی صحابیؓ کا نام موجود ہے کہ آپ اُسکے حق میں اعلانِ وصایت فرمادیں ۔ نیز واللہ یعصمک من الناس کے الفاظ سے یہ تصور پیدا کرنا بھی الفاظِ منزلہ کے خلاف ہے کہ آنحضورؐ کو خلافت کے متعلق اعلان کرنے میں اُن صحابہؓ کرام سے خطرہ تھا جو آپکے بعد منصبِ خلافت پر نظریں جمائے ہوئے تھے ۔ ایسا تصور صحابہؓ رسولؐ سے متعلقہ قرآنی اعلان کے صد فیصد خلاف ہے جس میں خود خدا تعالیٰ نے جملہ اصحابِ رسولؐ مہاجرین و انصار کو جنتی بھی قرار دیا ہے اور اُنہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا سرٹیفکیٹ بھی عطا فرما رکھا ہے ؛

● وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

○ ۹/۱۰۰ اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت اور اوّلیت کرنیوالے بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے اُنکی حسن کارانہ اتباع کی (بعد میں ہجرت اور نصرت کی) اللہ اُن سب پر راضی ہو گیا اور وہ سب کے سب اللہ پر راضی ہو گئے ۔ اور اُنکے لیئے اللہ نے ایسے باغات تیار کر دیئے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں ۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے ۔

● اس فیصلہ کن آیت مجیدہ کے مطابق آنحضورؐ کی نیابت و خلافت کے متعلق صحابہؓ کرام کو مطعون کرنا اس آیت مجیدہ کے انکار کے مصداق ہے ، کیونکہ اگر آیت بالا کو کسی ایسے صحابیؓ کے حق میں اعلانِ وصایت سے متعلق مانا جائے جسے آنحضورؐ کی وفات کے عین بعد مسندِ خلافت میسر نہیں آئی تو پرائے حق کو غصب کرنیوالے جنتی نہیں ہو سکتے ۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اُنکے جنتی ہونے کا اعلان کر رکھا ہے ۹/۱۰۰ ، اسلئے ثابت ہوا کہ اس آیت مجیدہ کو خلافت سے متعلق قرار دینا قرآنی مفہوم میں اختلافات پیدا کرنے کا مرتکب ہونا ہے ۔ آیت نمبر ۵/۶۷ یہود و نصاریٰ کے حقائق سے انکار اور آنحضورؐ کی مخالفت کی خبر دیتی ہے ۔ نیز آنحضورؐ کو انکی مخالفت کے شر سے محفوظ رکھنے کی خبر دیگئی ہے نہ کہ صحابہؓ کے شر سے ۔ جن کی تعریف کیساتھ قرآن کریم بھرا پڑا ہے ۔

● آیت زیر بحث ۵/۶۷ کی حقیقت اِسکے اپنے سیاق و سباق سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے ۔ کہ اس آیت سے ۵۳ آیتیں ماقبل آیت نمبر ۱۴ سے یہود و نصاریٰ کا ذکر شروع ہوا ہے جو اس آیت سے اٹھارہ آیات بعد آیت نمبر ۸۵ تک چلا گیا ہے ۔ یعنی اُنکا ذکر باستثنائے جملہ معترضہ ۷۲ آیتوں میں پھیلا ہوا ہے ۔ پس سیاق و سباقِ کلام کی شہادت کے مطابق اِس

عظیم مسلسل مضمون کا مسئلہ خلافت سے کیا تعلق ؟ ثبوت کیلئے سلسلہ درس کی اگلی اٹھارہ آیتوں میں یہود و نصاریٰ کا ذکر موجود ہے :-

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى
کہہ اے اہل کتاب نہیں ہو تم اوپر کسی چیز کے یہانتک

تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ
کہ تم قائم کرو توراۃ اور انجیل کو - اور جو نازل کیا گیا

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
طرف تمہاری سے رب تمہارے کے - اور ضرور زیادہ کریگا بہتوں کو ان میں سے

مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ
جو نازل ہوا طرف تیری طرف سے رب تیرے کے ، سرکشی اور کفر میں

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ٦٨
پس تو مت انکار کرنیوالی قوم پر افسوس نہ کر

(اے رسولؐ!) کہدیجیگا، اے اہل کتاب تم دونوں اسوقت تک ہدایت پر نہیں ہو سکتے جبتک کہ تم الگ الگ توراۃ و انجیل کے احکام پر قائم نہ ہوجاؤ۔ یعنی اُس اصل توراۃ و انجیل[1] کے احکام پر، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔ اور (اے رسولؐ!) جو کچھ آپ پر آپکے رب نے نازل فرمایا ہے، وہ اُن (یہود و نصاریٰ) کی اکثریت کو سرکشی اور نافرمانی میں زیادہ کردیگا۔ پس آپ انکار کرنے والی قوم پر افسوس نہ کریں۔ (وہ اپنی ضد اور تعصب کی بدولت خود ہی محروم ہدایت ہو چکے ہیں)۔

● ۱؎ یہاں اصل توراۃ و انجیل پر ایمان لانے اور اُنکے احکام پر عمل کرنے کی تاکید کیگئی ہے۔ واضح رہے کہ اصل توراۃ و انجیل پر ایمان لانے سے آنحضورؐ پر ایمان لانا لازم ہوجاتا ہے۔ جیسے کہ قرآن کریم کہتا ہے توراۃ و انجیل میں آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خبر مذکور ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۷/۱۵۷ جو لوگ ہمارے رسولؐ مکی نبیؐ کی اتباع کرتے ہیں، وہ اپنے ہاں اُسے توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ آپکی اور آپکے صحابہؓ کی خبر ۹/۱۱۱ اور ۴۸/۲۹ میں بھی درج ہے، مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ اُنکا ذکر توراۃ میں بھی درج ہے اور انجیل میں بھی۔

● ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل توراۃ و انجیل پر قائم ہونے سے آنحضورؐ پر ایمان لانا لازم ہوجاتا ہے۔ اسی لیئے کہا گیا ہے کہ اے یہود و نصاریٰ اصل توراۃ و انجیل کے احکام پر قائم ہوئے بغیر تم ہرگز ہدایت نہیں پا سکتے اس طرح یہود و نصاریٰ کی سرکشیوں کے بیان کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں نجات کا عام قانون بیان کیا گیا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ
بیشک جو لوگ ایمان لائیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی ہوئے

وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ
ا

بیشک وہ لوگ جو (منافقانہ طور پر) ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے۔ اور جو صابی ہوئے اور جو نصاریٰ کہلائے ان میں سے جو بھی صحیح طور پر اللہ اور آخرت کے دن (یعنی

اور نصرانی ہوئے، جو ایمان لایا اللہ پر اور دن پچھلے پر اور عمل کیا
صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾
اچھا پس نہیں خوف اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

جزا سزا کے دن) پر ایمان لائیں اور پھر اصلاح کے کام کریں ان پر نہ آخرت کی رسوائی کا خوف اور نہ وہ اپنے کئے ہوئے اعمال پر غمگین ہونگے۔

ایمان کی پانچ شرطیں

● ۵/۶۹ وہ آیت مجیدہ ہے کہ ترجمان القرآن ابو الکلام مرحوم کے صفحہ ۲۲۷ پر اسکا مفہوم لیا گیا ہے کہ عالمگیر صداقتیں جملہ مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں۔ مسلمان ہوں یا یہودی صابی ہوں یا نصرانی، ہندو ہوں یا زرتشتی، جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ خواہ وہ نبیوں، کتابوں اور ملائکہ کا منکر ہی ہو۔ لیکن یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب میں ایمان کی پانچ شرطیں بیان کر کے اعلان کیا گیا ہے کہ اعمال صالح کیساتھ جو ایمان کی شرط لگائی گئی ہے، اُس میں اللہ تعالیٰ کو اپنے اپنے انداز پر ماننے سے ایمان کے قرآنی تقاضے پورے نہیں ہوتے کہ نصاریٰ خدا تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا مانیں تو بھی ٹھیک ہے، یہودی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیں اور ہندو رام، کرشن اور برہما کو ایشور پرماتا کا اوتار مانیں تو بھی صحیح ہے۔ العیاذ باللہ!

● اسی طرح آخرت کے ماننے کا الگ الگ یہ انداز ہے کہ نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کردہ صلیب کو، یہودیوں نے اپنے آپکو خدا کے بیٹے اور محبوب قرار دینے کو اور ہندوؤں نے اپنے مُردوں کی ہڈیوں کو گنگا سپرد کو دینے کو قیامت کا حل قرار دے رکھا ہے۔ ایسا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کو حکم ہوا ہے:۔

● فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۲/۱۳۷ پھر اگر وہ اُس طرح ایمان لائیں، جس طرح (اے صحابہؓ!) تم ایمان لائے ہو تو ضرور ہدایت پائیں۔ پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو بلا شبہ وہ ضد اور تعصب میں ہیں۔

● اب رہا یہ سوال کہ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایمانی شقیں صرف دو شقیں، ایمان باللہ (۱) اور ایمان بالقیامت (۲) تو اس کے لئے آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں، جس میں آنحضورؐ اور صحابہ کرام کے ایمان کی وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے:۔

● آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ ۲/۲۸۵ ایمان لایا رسولؐ اُس پر جو اُسکی طرف نازل ہوا اور اُسکے صحابہ مومن بھی۔ سب کے سب اللہ پر، اُسکے ملائکہ پر، اُسکی تمام کتابوں پر، اُسکے تمام رسولوں پر ایمان لائے۔ یہاں ایمان بالآخرت محذوف ہے۔ اور آیت ذیل میں ایمان کی پانچوں شقیں یکجا بیان کر دی گئی ہیں:۔

● وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ (۱) وَمَلَائِكَتِهِ (۲) وَكُتُبِهِ (۳) وَرُسُلِهِ (۴) وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (۵) فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۴/۱۳۶ جو کوئی انکار کرے اللہ کا، اور اُسکے ملائکہ کا، اور اُسکی کتابوں کا، اور اُسکے رسولوں کا اور یوم آخرت کا تو وہ

دُور کی گمراہی میں گمراہ ہو گیا۔ پس ثابت ہُوا کہ ایمان کی شقیں از رُوئے قرآنِ حکیم پانچ ہیں جن پر عمل صالح کی شرط کیا تھا نجاتِ اُخروی کو مشروط کیا گیا ہے۔ صرف اپنے اپنے انداز پر خدا تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان لانے کو اعمالِ صالح کی شرط کیا تھا اُخروی نجات مشروط نہیں۔

● نجاتِ اُخروی سے متعلقہ اِس جملہ معترضہ کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں تسلسلِ کلام کے مطابق بنی اسرائیل ہی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:-

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ
بلاشبہ لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے اور بھیجے ہم نے

اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى
طرف اُنکی رسول۔ جب بھی آیا اُنکے پاس کوئی رسول ساتھ اُسکے نہیں چاہتے

اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ ۷۰
جی اُنکے۔ ایک گروہ کو جھٹلاتے اور ایک سے لڑائی کرتے

اور بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا (کہ وہ ہمارے رسولوں پر ایمان لاتے رہینگے) اور ہم اُنکی طرف رسول بھیجتے رہے۔ مگر جب بھی کوئی رسول اُنکی طرف وہ تعلیم لیکر آتا جسے اُنکے جی پسند نہیں کرتے تھے (یعنی قانونِ مساوات) تو وہ اُن (رسولوں) کی کسی جماعت کو جھٹلاتے اور کسی جماعت کیساتھ جدال و قتال بھی کرتے ۔[1]

● [1] مادہ ق۔ ت۔ ل = قتل کا معنیٰ جنگ کرنا بھی ہے۔ اللہ کے رسول مقتول یعنی مغلوب نہیں ہوسکتے تھے جیسے کہ آیتِ ذیل میں موجود ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ $\frac{58}{21}$ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، فرض کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب رہینگے۔ قتلِ انبیاء کی تفصیل بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اوّل کے صفحہ ۔ پر ملاحظہ فرمائیں۔ اگلی آیت بھی اسی چیز کی تائید کرتی ہے:-

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ
اور گمان کیا کہ نہ ہوگا جنگ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے پھر

تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ
لوٹ آیا اللہ اوپر اُنکے۔ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے اکثر اُن میں سے

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۷۱
اور اللہ دیکھنے والا ساتھ اُسکے جو وہ عمل کرتے تھے

اور اُن (رسولوں کو جھٹلانے اور اُن سے لڑنے والے بنی اسرائیل) نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ (انکار رسولوں سے) مقابلہ نہ ہوسکیگا، (کیونکہ وہ طاقت کے نشے میں) اندھے بہرے ہوچکے تھے۔ (لیکن انہیں شکست ہوئی $\frac{58}{21}$ پھر اُنہیں معاف کر دیا (اُنہیں ذمیوں کی مراعات عطا فرمائیں۔ لیکن طاقت میسر آنے پر) اُنکی اکثریت پھر اندھی بہری ہوگئی۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کرتے تھے۔

نصاریٰ کے دو عقیدے

● یہودیوں کی نافرمانیوں کے ذکر کے بعد:- اگلی دو آیتوں میں نصاریٰ کے دو عقیدے بتائے گئے ہیں کہ مسیح ہی اللہ ہے اور دوسرا یہ کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ
۱۱ بیشک وہ لوگ کفر کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ جو ہے

بلاشبہ کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ وہی ہے مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا

بیٹا مریم کا حالانکہ کہا مسیح نے اے بنی اسرائیل فرمانبرداری کرو

اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ

اللہ کی۔ رب میرا اور رب تمہارا۔ بیشک جس نے شرک کیا ساتھ اللہ کے پس تحقیق

حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا

حرام کر دی۔ اللہ نے اوپر اسکے جنت۔ اور ٹھکانہ اسکا ہے آگ۔ اور نہیں

لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ ۷۲

واسطے ظالموں کے کوئی مددگار۔

تو وہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ (حالانکہ مسیح نے انہیں (یہ تعلیم نہیں دی تھی) مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل خالصۃً اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو۔ جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ایک جیسا رب ہے (جس طرح میں اُسکی ربوبیت کا حقدار ہوں اُسی طرح تم اُسکی ربوبیت کے حقدار ہو) بیشک جس نے اللہ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اُس پر جنت حرام کر دی۔ اور اُسکا ٹھکانہ آگ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (آخرت کے دار الجزا میں) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ

بیشک کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ ہے تیسرا تین کا

وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا

حالانکہ نہیں کوئی الٰہ سوائے الٰہ ایک کے۔ اور اگر نہ باز آئیں

عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ

اُس سے جو کہتے ہیں۔ البتہ مس کریگا جنہوں نے کفر کیا اُن میں سے عذاب

أَلِيمٌ ۝ ۷۳

دردناک

بیشک کفر کیا جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تین میں کا تیسرا ہے (اللہ مسیح اور مریم میں کا تیسرا) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک اکیلے فرمانبرداری کیے جانیوالے الٰہ واحد کے سوا اور کوئی الٰہ (فرمانبرداری کیا جانیوالا) ہے ہی نہیں۔ اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور کفر کرنیوالوں کو (آخرت کے دار الجزا میں) دردناک عذاب پہنچیگا۔

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ

کیا پھر نہیں رجوع کرتے طرف اللہ کے اور نہیں بخشش مانگتے اُس سے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ ۷۴

جبکہ اللہ معاف کرنیوالا مہربان ہے

پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور کیوں اُس سے بخشش طلب نہیں کرتے۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانیوالا اور بے حد مہربانی کرنیوالا ہے۔

حضرت مسیح کا حقیقی مقام

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت مسیح اور آپکی والدہ محترمہ کے حقیقی مقام کی وضاحت کیگئی ہے کہ نہ مسیح اللہ تھے اور نہ وہ تین خداؤں میں سے تیسرے تھے۔ اور نہ ہی آپکی والدہ تین خداؤں میں سے ایک تھی۔ بلکہ مسیح تو صرف اللہ کے رسول تھے۔ اور حضرت مریم ایک راستباز خاتون تھیں۔ دونوں ماں بیٹا اللہ کے بندے تھے۔ دونوں کھانا کھاتے تھے یعنی دونوں جملہ بشری عوارضات کے حامل تھے۔

اسلئے وہ کس طرح خدا یا خدا کے حصے ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی بشریت کو نصاریٰ کے عقیدہ کے بطلان کیلئے بطور دلیل و برہان قاطع پیش کیا ہے:-

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
نہیں تھے مسیح بیٹے مریم کے مگر صرف رسول ۔ بیشک
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ
گزر گئے پہلے ان سے بہت رسول ۔ اور انکی ماں سچی تھی
كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ
تھے دونوں کھانا کھاتے ۔ غور کر کس طرح ہم بیان کرتے ہیں واسطے انکے
الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝٧٥
نشانیاں پھر غور کر کس طرف کو وہ الٹے پھیرے جاتے ہیں۔

نہیں تھے حضرت مسیح بیٹے مریمؑ کے مگر صرف رسول تھے بیشک (حقیقت یہ ہے کہ) ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اور انکی والدہ محترمہ راستباز خاتون تھیں۔ وہ دونوں بندے تھے اور وہ دونوں (بشری تقاضوں کے مطابق) کھانا کھاتے تھے۔ (اے مخاطب!) غور کر کہ ہم ان (نصاریٰ) کیلئے اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں (کہ مسیح و مریم بندے تھے خدا نہیں تھے)۔ پھر غور کر کہ وہ (اسکے باوجود) کس طرف کو الٹے پھیرے جا رہے ہیں۔

کھانا کھانا بشری تقاضا ہے الوہیت اس سے قطعی پاک ہے

● سورہ انعام میں آیا ہے، قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۶/۱۴ اے رسولؐ! کہدیجیئے ۔ کیا میں اللہ کیساتھ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے کوئی اور الٰہ ٹھہرالوں حالانکہ (لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے الٰہ کھانا کھاتے ہیں)۔ اور اسکی حالت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کھلاتا ہے، خود کھلایا نہیں جاتا۔ وہ خود نہیں کھاتا۔ کھانا کھانے کیساتھ بول و براز بھی لازم و ملزوم ہیں۔ باری تعالیٰ نے مسیح و مریم کے کھانا کھانے کو انکی عدم الوہیت کی ناقابل تردید دلیل پیش فرمائی ہے۔

نفع یا نقصان پہنچانا مسیح و مریمؑ سمیت کسی کے بھی قبضے میں نہیں

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مسیح و مریمؑ سمیت تمام لوگوں کے متعلق، لوگ جن کی نفع کے حصول اور ضرر سے بچنے کیلئے عبودیت کرتے ہیں، وضاحت کر دیگئی ہے کہ دنیا بھر میں کسی ایک کو بھی یہ اختیارات حاصل نہیں۔ نفع نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے:-

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ
کہہ کیا تم فرمانبرداری کرتے ہو ساتھ اللہ کے جو کہ نہیں مالک
لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
واسطے تمہارے ضرر کے اور نفع کے ۔ اور ہے اللہ ہی خوب سننے والا
الْعَلِيمُ ۝٧٦

(اے رسولؐ!) کہدیجیئے کہ کیا تم اللہ کیساتھ انکے بندے بنتے ہو جو تمہارے لئے کسی بھی نہ ضرر کا اختیار رکھتے ہیں نہ فائدے کا۔ حقیقت یہ ہے کہ (نفع نقصان کا اختیار رکھنے والا صرف اور صرف اللہ ہے) کیونکہ وہی خوب خوب سننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے۔

خوب جاننے والا ہے

● اِس طرح حضرت مسیحؑ و مریمؑ کی الوہیت کی کُلی نفی کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں اہلِ کتاب کو غلو فی الدین سے منع فرمایا ہے :-

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ
کہہ اے اہلِ کتاب نہ کرو مبالغہ بیچ دین اپنے بغیر

الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ
حق کے اور نہ کرو پیروی خواہشوں اُس قوم کی بیشک گمراہ ہوئے سے پہلے

وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ ٧٧
اور گمراہ کیا بہتوں کو اور گمراہ ہوئے سے راہ سیدھی

(اے رسولؐ!) کہدیجیئے کہ اے اہلِ کتاب اپنے دین میں ناحق مبالغہ آرائی نہ کرو۔ (بندوں کو خدا نہ بناؤ) اور اُس قوم کی پیروی نہ کرو جو (خدا کے بیٹے کا عقیدہ ایجاد کر کے) پہلے خود گمراہ ہوئے۔ اور پھر بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

ع ١٤

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اِس قوم پر حضرت داؤدؑ و مسیحؑ دونوں نے لعنت بھیجی تھی :-

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
لعنت کئے گئے جنہوں نے کفر کیا میں سے بنی اسرائیل کے

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ
اوپر زبان داؤد اور عیسے بن مریم کے۔ وہ

بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ ٧٨
بسبب اُسکے جو نافرمانی کی اور تھے کرتے سرکشی

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے (ضابطۂ خداوندی کا) انکار کیا اُن پر حضرات داؤدؑ اور عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کیگئی تھی۔ وہ اسلئے کہ وہ لوگ اللہ کی حدیں پھاندتے تھے۔ (ضابطۂ خداوندی کی عملاً مخالفت کرتے تھے)

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ
تھے نہ رُکتے سے بُرائی کے کرتے تھے اُسے

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ٧٩
البتہ بُرا ہے جو تھے وہ کیا کرتے

تھے وہ ایسے کہ بُرائی سے باز نہیں آتے تھے مسلسل بُرائی کرتے جاتے۔ بیشک کسقدر بُرا ہے جو وہ فعل (ضابطۂ الٰہی کے خلاف) کیا کرتے تھے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ
دیکھتا ہے تو بہتوں کو ان میں سے انکے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ
البتہ بُرا ہے جو آگے بھیجا واسطے اپنے جانوں انکی نے کہ ناراض ہوا

دیکھتا ہے تو اے دیکھنے والے اُن میں سے اُنکی کثرت کو کہ وہ دوستی کرتے ہیں اُن سے جو ضابطۂ الٰہی کے منکر ہیں۔ البتہ کتنا بُرا ہے جو اُنکے نفس نے اُنکے لئے آگے بھیجا ہے۔ ایسے کہ ناراض ہُوا اللہ اُن پر اور وہ عذاب میں ہمیشہ

اللّٰہُ عَلَیۡھِمۡ وَفِی الۡعَذَابِ ھُمۡ خٰلِدُوۡنَ ۸۰
اللہ اوپر انکے اور بیچ عذاب کے وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں

رہنے والے ہیں۔

● آگے فرمایا:

وَلَوۡ کَانُوۡا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ وَمَاۤ اُنۡزِلَ
اگر ہوتے ایمان لاتے ساتھ اللہ کے اور نبی کے اور جو نازل ہوا
اِلَیۡہِ مَا اتَّخَذُوۡھُمۡ اَوۡلِیَآءَ وَلٰکِنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡھُمۡ
طرف اسکے نہ بناتے انہیں دوست۔ ولیکن بہت ہیں سے انکے
فٰسِقُوۡنَ ۸۱
بے حدیں پھاندنے والے

اگر وہ ایسے ہوتے کہ ایمان لاتے ساتھ اللہ کے اور نبی (مکی) کے اور ساتھ اس (کتاب کے) جو نازل ہوئی طرف اسکے، تو یہ اُن (مذکورہ کافروں) کیساتھ دوستی نہ کرتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثریت خدا تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والی ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیۡنَ
البتہ پائیگا تو سخت لوگوں میں سے عداوت میں واسطے انکے جو
اٰمَنُوا الۡیَھُوۡدَ وَالَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا ۚ وَلَتَجِدَنَّ
ایمان لائے، یہودی ہیں اور وہ بھی جنہوں نے شرک کیا اور تو پائیگا
اَقۡرَبَھُمۡ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا
قریب تر انکے محبت میں واسطے انکے جو ایمان لائے جنہوں نے کہا
اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنۡھُمۡ قِسِّیۡسِیۡنَ وَ
بیشک ہم نصرانی ہیں۔ وہ اسلئے کہ اُن میں عالم ہیں اور
رُھۡبَانًا وَّاَنَّھُمۡ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ۸۲
خدا خوف ہیں اور بیشک وہ نہیں تکبر کرتے

البتہ (اسے مخاطب!) تو ضرور پائیگا مومنوں کیلئے عداوت میں سخت ترین یہودیوں کو اور انکو جنہوں نے شرک کیا۔ اور ضرور پائیگا تو قریب تر محبت میں واسطے ایمان والوں کے انہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں[1]۔ وہ اسلئے کہ اُن میں ایک گروہ علماءِ ربانی کا بھی ہے اور ایک گروہ ان میں وہ ہے جو اللہ سے ڈرنیوالے ہیں۔ اور وہ بلاشبہ تکبر نہیں کرتے (وہ لوگ حقیقت شناس، حقیقت پسند اور خدا خوف ہیں، وہ پہلے ہی سے مومن ہیں)۔

یہودی مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں

● علہ اشد الناس عداوۃ کے الفاظ میں یہودیوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں۔ اسکے برعکس:

● علہ زمانۂ رسالت کے عیسائیوں کے ایک گروہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان کی محبت میں سب سے قریب ہیں۔
یہاں اس چیز کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ یہودیوں کے متعلق قیامت تک کیلئے بتادیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے شدید ترین دشمن رہینگے۔ اور عیسائیوں کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ وہ قیامت تک مسلمانوں سے محبت کرینگے بلکہ اُن میں سے زمانۂ رسالت کے صرف ایک گروہ کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ اُن میں نیک عالموں اور خدا خوف پیروں کا ایک گروہ موجود ہے۔ وہ محبت میں

مسلمانوں کے بہت قریب ترہے چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت ثابت کرتی ہے کہ جب انہوں نے قرآن مجید سنا تو انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں:-

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى
اور جب سنیں جو نازل ہوا طرف رسول کے دیکھتا ہے تو

اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ
آنکھیں انکی بہتی ہیں سے آنسوؤں بسبب اسکے پہچانا ہیں سے

الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۳
حق کے کہتے ہیں رب ہمارے ایمان لائے ہم پس لکھ لے ہم کو ساتھ گواہوں کے

اور جب وہ نیکوکار نصاریٰ سنتے ہیں جو رسولِ عربی کی طرف نازل ہوا۔ تو (اے رسول!) آپ دیکھتے ہیں کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس سبب سے کہ انہوں نے حق (قرآن) کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں اِسکی تصدیق کرنیوالوں میں لکھ لے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ
اور کیا واسطے ہمارے نہ ایمان لائیں ہم ساتھ اللہ کے اور جو آیا ہماری طرف حق سے

وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۴
اور ہم طمع کرتے ہیں کہ داخل کرے ہمکو رب ہمارا ساتھ قوم نیکوں کے

اور کیا عذر ہے اب ہمارے لئے کہ ہم ایمان نہ لائیں اُس پر جو حق (قرآن) ہمارے پاس آگیا ہے۔ حالانکہ ہم طمع کرتے ہیں ہمارا رب ہمیں صالحین کی قوم (صحابۂ رسول) میں داخل کرلے۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
پھر جزا دی انہیں اللہ نے بسبب اسکے جو کہا انہوں نے باغات، چلتی ہیں جن میں سے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ
نیچے انکے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے بیچ انکے۔ اور مذکورہ بالا بدلہ ہے

الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۵
احسان کرنیوالوں کا

پھر جزا عطا فرمایا اللہ نے انہیں ہموار و متوازن معاشرہ، (دنیا اور آخرت میں) جس میں (ضروریاتِ زندگی کی) نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور مذکورہ بالا جزا (اللہ کی طرف سے معاشرہ میں) توازن قائم کرنیوالوں کی ہے۔

سارے عیسائی مسلمانوں کے دوست نہیں

● آگے بڑھنے سے پہلے اس غلط فہمی کا دور کرنا ضروری ہے کہ آیت نمبر ۸۲ میں جو نصاریٰ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ محبت میں مسلمانوں کے قریب تر ہیں تو یہ عام عیسائیوں کے متعلق کہا گیا نہیں بلکہ یہ زمانۂ رسالت کے کچھ حق شناس عیسائی علماء و مشائخ تھے جو غیر محرف انجیل مقدس میں آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خوشخبری پڑھ کر آپکی آمد کے منتظر تھے۔ جب انہوں نے آنحضورؐ کی زبانِ صدقِ ترجمان سے قرآنِ حکیم سنا تو فوراً پہچان لیا کہ یہ اُسی ذات کا نازل کردہ کلام ہے، جس نے انجیل پاک نازل فرمائی تھی۔

● اُن پاک لوگوں کو انجیل کی خوشخبری سے جس کا حوالہ باری تعالیٰ نے ۷/۱۸۷ + ۹/۱۱۱ + ۴۸/۲۹ میں نازل فرما رکھا ہے، جان لیا کہ وہ مقدس ہستی جو مسیحؑ کے بعد تشریف لانیوالی ہے وہ اور اُسکے ساتھی سب صالحین ہونگے، اس لئے وہ اپنے اذہان

میں یہ طمع لئے ہوئے تھے کہ وہ اُس مقدس جماعت میں داخل ہو جائینگے۔ چنانچہ جب اُنہوں نے آنحضورؐ کی زبانِ صدق ترجمان سے کلامِ صدق ترجمان سنا تو آنکھوں میں صدق و محبت کے آنسو اُمنڈ آئے، قرآن پر اور جس ذات پہ نازل ہوا تھا بلا توقف ایمان لے آئے۔ اور آنحضورؐ کی مقدس جماعت میں شامل ہو کر سرگرم عمل ہو گئے۔ اس خالص اور سچے ایمان ہی کی جزا خدا تعالیٰ کی طرف ہمیشہ کی جنت اور رضی اللہ عنہم اور رضوا عنہ کی سند زندگی ہی میں عطا کر دیگئی۔ یہ بیان زمانۂ رسالت کے مذکورہ عیسائی حضرات کا ہے۔ نہ تو یہ زمانۂ رسالت کے تمام عیسائیوں کا ہے اور نہ قیامت تک کے عیسائیوں کا۔ جیسے کہ مشاہدہ گواہ ہے کہ عیسائی قوم عموماً اہلِ اسلام کی انتہائی دشمن ہے، اسلامی ممالک میں سازشیں اور انتشار پیدا کرنا، اسکا مستقل کردار ہے۔ مذکورہ بالا چند افراد کے سوا زمانۂ رسالت کے باقی عیسائیوں سمیت سب انکار کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ
اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلائیں آیتیں ہماری وہ سب

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۸۶ ع ۹/۱۱
صاحب ہیں آگ کے

(یہ تو ہوئے ایمان لانیوالے) اور (اُنکے سوا) جنہوں نے ہمارے ضابطے کا انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ سب اہل جحیم ہیں (دنیا میں ناہموار معاشرہ کی آگ میں جلینگے اور قیامت کو ناکامی کی آگ میسر آئیگی۔

تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہونا

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں اہلِ کتاب کی اُس نافرمانی کے متعلق خبر دیگئی ہے جو اُنہوں نے اللہ کی حلال چیزوں کو حرام ٹھہرا لیا تھا۔ اہلِ اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ
اے وہ جو ایمان لائے ہو نہ حرام کرنا پاکیزہ چیزیں جو حلال کیں

اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ سرکشی کرنا۔ بیشک اللہ نہیں پسند کرتا

الْمُعْتَدِيْنَ ۝۸۷
سرکشوں کو

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ الٰہی کیساتھ) ایمان لائے ہو نہ حرام کرنا اُن پاکیزہ (صحت بخش چیزوں) کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں۔ اور اُسکی نافرمانی نہ کرنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ
اور کھاؤ میں سے جو رزق دیا تم کو اللہ نے حلال اور پاک، اور

اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸
ڈرو اللہ سے جس کے تم ساتھ اُسکے ایمان والے ہو

اور کھاؤ اُس میں سے جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے حلال اور صحت بخش۔ اور اُس اللہ کے نازل کردہ ضابطے کی مخالفت سے بچو، تم جس کیساتھ ایمان لانیوالے ہو کر ایمان لا چکے ہو۔

● ۸ اہلِ کتاب کے یہودیوں کے متعلق ۶/۱۴۶ + ۱۶/۱۱۸ میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے ناخنوں والے جانور اور گائے، بھیڑ بکریوں کی پشت، ہڈیوں اور انتڑیوں کی چربی کے سوا باقی چربی حرام کر رکھی تھی۔

حلال کو حرام ٹھہرانیوالی قسمیں کفارہ ادا کر کے توڑ دیا کرو

● ربطِ کلام کے مطابق اگلی آیت میں اس مشکل کا حل بتایا گیا ہے جو بعض لوگ قسمیں کھا لیتے ہیں کہ فلاں حلال چیز عمر بھر نہ کھاؤنگا۔ نیز جو لوگ تعویذ گنڈے استعمال کرتے ہیں، تعویذ نویس انہیں کہتے ہیں کہ گائے کا گوشت نہ کھانا ورنہ تعویذ اثر نہیں کریگا۔ اور یا کہتے ہیں کہ کوئی ایک سبزی یا پھل یا کوئی دال کھانا چھوڑ دو۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ تعویذ حاصل کرنیوالے مرد و عورتیں گائے کا گوشت، بینگن، امرود یا مسور کی دال نہ کھانے کی قسم کھا لیتے ہیں۔ اہلِ اسلام میں ایسی روش یہود و نصاریٰ کے ہاں سے درآمد کردہ ہے۔ قرآنِ کریم نے ہر مشکل کا مقابلہ اللہ کے خود پیدا کردہ مادی ذرائع کیساتھ کرنے کی تاکید کی ہے، اسکے برعکس تکوینی قوانین کا توڑ تعویذ گنڈے نہیں بتائے۔

● چنانچہ حلال کو حرام کرنے کیلئے کھائی ہوئی تمام قسموں کے متعلق تاکید کیگئی ہے کہ اگر یونہی مذاق کے طور پر قسم کھائی ہے تو اُسے بلا توقف توڑ ڈالو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور اگر پکے ذہنی ارادہ کیساتھ قسم کھائی ہے تو اُسے کفارہ ادا کر کے توڑ دو، اور اللہ کی حلال کردہ نعمتوں کا فوراً استعمال شروع کر دو۔ اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانا کفر کے مترادف ہے:-

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ
نہیں پکڑتا تم کو اللہ ساتھ لغو کے بیچ قسموں تمہاری کے اور

لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ
لیکن پکڑیگا تم کو ساتھ اسکے جو پکا کیا تم نے قسم کو پس کفارہ اسکا

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ
کھانا کھلانا دس مسکینوں کو میں سے درمیانہ جو تم کھلاتے ہو

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ
اہل اپنے کو یا کپڑے پہنانا یا آزاد کرنا ایک گردن کا۔ پھر جو نہ

يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ
پائے تو روزے رکھنا ہے تین دن۔ یہ کفارہ ہے قسموں تمہاری کا

اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
جب تم قسم کھالو۔ پھر تم حفاظت کرو اپنی قسموں کی، اسی طرح بیان کرتا ہے

(ایمان والو!) اللہ تعالیٰ تمہاری مہمل قسموں پر کوئی مواخذہ نہیں کرتا۔ ویکن اُن قسموں پر گرفت کریگا، جو تم نے (کسی حلال کو حرام کرنے کیلئے) محکم ارادہ کیساتھ کھائی ہوں۔ پھر قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔ یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا ہے اور یا ایک غلام یا مقروض کی گردن آزاد کرانا ہے۔ پھر جو کوئی یہ چیزیں نہ پائے (یا متوازن معاشرہ قائم ہو چکا ہو اور کوئی مسکین یا غلام اور مقروض معاشرہ میں موجود نہ ہو تو پھر تین روزے رکھنا ہے۔ مذکورہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم نے حلفیہ کھائی ہوں۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (یعنی قسموں سے بچو تمہاری تو بات ہی قسم ہے) اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اُسکے حلال کو استعمال میں لاکر اُسکے شکر گزار بنے رہو۔

اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ○ ۸۹

اللہ واسطے تمہارے آیتیں اپنی تاکہ تم شکر کرو

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

● پیچھے آیت نمبر ۸۷ میں طیبات یعنی پاکیزہ، صحت بخش چیزوں کو حرام کرنے سے منع کیا گیا ہے، اسی ربط کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں حرام چیزوں کی مختصر فہرست پیش کی گئی ہے ہر نشہ آور چیز، بلامحنت مال، وہ مقامات جہاں کسی کے نام کا جھنڈا گاڑ کر نذریں وصول کرنے کا اڈا بنالیا جائے۔ اور جوئے کے تیر، ان سب چیزوں کو اہل اسلام، یعنی اُن لوگوں پر جو اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور قیامت پر ایمان لاچکے ہیں حرام کر دیا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ[۱] وَالۡمَيۡسِرُ[۲]

اے وہ جو ایمان لائے ہو بلاشبہ نشہ آور چیزیں اور بلامحنت مال

وَالۡاَنۡصَابُ[۳] وَالۡاَزۡلَامُ[۴] رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ[۵]

اور استھان اور جوئے کے تیر ناپاکی ہیں، ہیں سے عمل شیطان کے

فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ○ ۹۰

بچو اس سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو، واضح رہے کہ وہ ہر چیز جو دماغ کو ڈھانپ لے (ماؤف کردے)[۱] اور ہر وہ مال جو بلامحنت حاصل ہو[۲] خصوصاً وہ مقام جہاں نذریں وصول کرنے کیلئے جھنڈے گاڑے جائیں[۳] اور جوئے کے تیر[۴] یہ سب ایک ہی سطح کے ناپاک شیطانی اعمال ہیں[۵]۔ پس ان سے بچو تاکہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔

الخمر کیا ہے؟

● [۱] لفظ خمر کا سہ حرفی مادہ خ، م، ر ہے، جس کا بنیادی مفہوم ہے ڈھانپ لینا چنانچہ اسی مادہ سے لفظ خمار ہے جس کا معنیٰ ہے وہ بڑی اوڑھنی جو عورتوں کے سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ جمع کے صیغے میں آیا ہے۔ وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ $\frac{۲۴}{۳۱}$ اور چاہیے کہ عورتیں جب باہر نکلیں تو اپنی بڑی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔ لہٰذا الخمر ہر اُس کھانے پینے کی چیز کو کہا جاتا ہے جو انسانی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اس میں شراب، بھنگ، گانجہ، افیون، چرس، نبیذ اور بھنگ کے پکوڑے وغیرہ شامل ہیں۔

المیسر کیا ہے؟

● [۲] لفظ مَیسر کا سہ حرفی مادہ ی۔ س۔ ر = یسر ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے آسانی اور مَیسر ہر اُس مال کو کہتے ہیں جو اُس مشقت کے بغیر آسانی سے حاصل ہو جو اُتنا مال حاصل کرنے کیلئے لازمی ہوتی ہے۔ رشوت یا ملاوٹ کے ذریعہ حاصل کردہ مال، مکانوں کے کرائے، غیراللہ کی نذریں، سود، مزدوروں اور کاشتکاروں کی محنت سے کارخانہ داروں اور زمینداروں کو گھر بیٹھے حاصل ہونے والا مال سب میسر میں شامل ہیں۔ جُوا بھی اسی لئے مَیسر کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ جُوا مال بھی محنت کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔

الانصاب کیا ہیں؟

● [۳] لفظ انصاب، نصب کی جمع ہے اِسکا مصدری معنیٰ ہے گاڑنا۔ اِس طرح ہر وہ مکان جہاں

نذریں نیازیں وصول کرنے کیلئے جھنڈا گاڑ دیا جائے خواہ وہاں کوئی بت ہو یا مزار یا محض کوئی آستانہ ہو جہاں لوگوں کی مرادیں پوری کرنے کا تصور دیا گیا ہو، اُسے نصب کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ قرآن کریم کی رُو سے نذریں نیازیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، اور اُنکے چڑھانے کا مقام صرف اور صرف بیت اللہ شریف ہے۔ اِسکے برعکس الف ننگے اور مخبوط الحواس کی اقامت گاہ پر جھنڈا گاڑ کر نیازیں وصول کرنے کا اڈا نصب ہے۔ کسی پیر نے عوام سے ڈبے رکھوا کر جھنڈا گاڑ دیا کہ ان میں ڈالی گئی رقم میں سے خرچ کرتے رہو مگر ختم نہ ہوگی۔ اور جب پولیس دخل انداز ہوئی، تو ڈبہ پیر صاحب کا فراڈ بے نقاب ہو گیا۔ اسی طرح بعض مقامات پر سد پیسے اور زیورات دُگنے کرنے کا تصور دیکر روپیہ اور زیورات ہڑپ کر لئے جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ایک طرف تو اعتقادی خمار ہے جو عقل کو ڈھانپ لیتا ہے کہ کیا کسی ڈبے میں رکھی گئی رقم کے متعلق سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ ختم نہ ہوگی؟ اور کیا روپیہ کبھی دُگنا ہو سکتا ہے؟ اور دوسری طرف یہ سارا اسباب بلامشقت حاصل کرنے کی بدولت میسر ہے جسے آیت مجیدہ ۵/۹ میں ناپاک اور عمل شیطان قرار دیا گیا ہے۔

ازلام کیا ہیں؟ ● جُوا کھیلنے کیلئے کچھ پانسے بنائے ہوئے ہوتے ہیں جنہیں ہاتھ میں پکڑ کر زمین پر پھینکا جاتا ہے اور اُنکی اُلٹ سیدھ کے مطابق ہار جیت مقرر کی گئی ہوتی ہے۔ عربوں کے ہاں تیروں کیساتھ جُوا کھیلا جاتا تھا جس کا تیر آگے نکل جاتا وہ داؤ پر لگایا گیا سارا مال لے لیتا تھا۔ چونکہ ایسا مال بھی بلامشقت حاصل ہوتا ہے اسلئے اسے بھی عمل شیطان اور ناپاک قرار دیدیا گیا ہے۔ لفظ ازلام کی واحد ہے زلم، جس کا سہ حرفی مادہ ز-ل-م ہے، اس مادہ کا بنیادی مصدری معنیٰ گناہ کرنا بھی ہے اور ناک کاٹ دینا بھی ہے۔ جس کا تیر پیچھے رہ جاتا، داؤ پر لگائے ہوئے مال کی ہار کی صورت میں مجازی طور پر اُسکی ناک بھی کٹ جاتی تھی اور وہ مال کے ضیاع کی صورت میں گناہ کا مرتکب بھی ہوتا تھا۔

● مثلاً آیت صدر ۵/۹ میں خمر، میسر، انصاب اور ازلام چاروں چیزیں بصورت مُبتدا لاکر ان سب کی واحد خبر لائی گئی ہے یعنی رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ یعنی یہ چاروں ایک ہی قسم کی قلبی نجاست ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ چاروں چیزیں انسانی عقل کو ڈھانپ لیتی ہیں، ماؤف کر دیتی ہیں۔ پہلے نمبر پر خمر یعنی نشہ آور اشیاء سے تو بالفعل دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے نمبر پر بلامشقت مال حاصل کرنیوالے کا دماغ انسانی سطح پر نہیں رہتا۔ مالک مکان کرایہ دار کو، زمیندار مزارع کو اور کارخانہ دار مزدوروں کو اور پیر مُریدوں کو ایک سیکنڈ کیلئے بھی اپنی سطح کے انسان سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ عقل میں فتور آجاتا ہے۔ دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔

● اور اس سے آگے تیسرا نمبر ہے انصاب کا جن سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں بھی وہی حال ہے کہ جونہی کسی نصب، آستانہ یا درگاہ سے منسلک ہوئے دماغ ماؤف ہو گیا۔ پیر صاحب خود عرصہ دراز سے بیمار پڑے ہیں لیکن اُنہی سے اپنی بیماری کیلئے پانی دم کرایا جا رہا ہے۔ پیر صاحب خود بے اولاد ہیں مگر اولاد کیلئے اُنہی سے تعویذ لئے جا رہے ہیں۔ یہ عجب

کی خود بیوی کے ساتھ ناچاکی ہے مگر خانگی حالات کے سُدھار کیلئے اُنہی سے دعا کرائی جارہی ہے - کیا دماغ ماؤف نہیں؟ اس سلسلے کی آخری چیز ہے ازلام یعنی جوئے کے تیر۔ یاد رہے کہ جوا بھی دماغ کو معطل کر کے رکھ دیتا ہے - کل بیوی کی بالیاں بیچ کر ہرا دی تھیں اور آج اُس بچاری کا ہار بیچ کر ہرا دیا ہے - کیا یہ عقل گم کردگی کی علامت نہیں تو اور کیا ہے؟ قربان جائیے ذاتِ باری کے، کس طرح خمر، میسر، انصاب اور ازلام کو ایک ہی سطح کا شیطانی عمل قرار دیکر واضح کر رکھا ہے کہ جس طرح خمر عقل کو ڈھانپ لیتا ہے، اسی طرح باقی تینوں بھی عقل پر چھا جاتی ہیں۔

خمر اور میسر دونوں منبعِ بغض و عداوت ہیں

● سلسلہ درس کی اگلی آیت طیبہ میں خمر و میسر کی ایک خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ ان سے باہمی بغض و عداوت پیدا ہوتا ہے - چنانچہ ارشاد ہوا ہے :-

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوقِعَ بَيْنَكُمُ
بیشک ارادہ کرتا ہے شیطان کہ ڈالدے درمیان تمہارے

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ
عداوت اور بغض بذریعہ نشہ اور بلا مشقت مال کے اور روکدے تم کو ذکر

اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱
اللہ کے اور سے مرکزی نظام کے - پس کیا تم باز آنیوالے ہو

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ شیطان (نفسِ امارہ) ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے درمیان نشہ آور چیزوں اور بلا مشقت مال حاصل کرنے کے ذریعہ دشمنی اور نفرت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کے ذکر (قرآنی تعلیم) سے روکدے - خصوصاً تمہیں (ذاتی مفاد کے چکر میں پھنسا کر متوازن معاشرہ، نظام) صلوٰۃ سے روکدے پھر اس وضاحت کے باوجود کیا تم خمر و میسر سے باز آنیوالے ہو؟

● نشہ کا عادی تو صرف نشہ کا دوست ہے - نشہ نہ ملے تو والدین اور اولاد تک کا دشمن ہے :- پورا خاندان جائے بھاڑ میں، گھر کے برتن اور بستر تک بیچ کر نشہ پورا کرتا ہے - اسی طرح کارخانہ دار کو مزدور کیا، تو زمیندار کو مزارع کیا، کوئی ہمدردی نہیں ہوتی جن کی کمائی میسر پہ یہ لوگ دادِ عیش دیتے ہیں - ان فریقین کے اذہان میں ایکدوسرے کی پوشیدہ عداوت ہر آن موجود ہوتی ہے -

● کارخانہ دار اور زمیندار، مزدوروں مزارعوں کے زورِ بازو کا کمایا ہوا لاکھوں روپیہ سمیٹے چلے جاتے ہیں مگر انہیں اتنی اُجرت دیتے ہیں کہ وہ صرف زندہ رہ سکیں - مزدور بیچارہ ہزار کہتا رہے کہ میرا چار سو روپیہ ماہوار میں گزارہ نہیں ہوتا مگر کارخانہ دار کے کان پہ جوں تک نہیں رینگتی - اور یہی حال زمیندار کا ہے کہ جانتے بوجھتے مزارعوں کی معاشی حالت کو تنگ کئے رکھتے ہیں -

● انہی حقائق کے مطابق ۵/۹۱ میں خبر دی گئی ہے کہ خمر و میسر باہمی بغض و عناد پیدا کرتے ہیں - نشہ کے عادی فرد اور اُسکے اپنے افرادِ کنبہ میں عناد پرورش پا رہا ہوتا ہے، کارخانہ دار اور مزدوروں میں، زمیندار اور مزارعوں میں دائمی عداوت کے جذبات موجزن رہتے ہیں - لیکن بچارے مزدور اور مزارع اپنی کمزوری اور بے بسی کی بدولت اُنکے ظلم

ظلم کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔

غلط معاشرہ کا واحد حل

● آیتِ زیرِ بحث میں ایسے غلط معاشرہ کا ایک ہی حل بتایا گیا ہے اقامتِ صلوٰۃ اور استفہام انکاری کے حصر فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ میں اس نظام کے مخالف نظام سے باز رہنے کی تاکید تنبیہی کی گئی ہے۔ اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ استفہام کے ذریعہ کی گئی تنبیہ سے سرتابی اللہ تعالیٰ کی انتہائی ناراضگی کا موجب ہوتی ہے۔ عالمِ اسلام پر جو ہر وقت مصائب و ادبار کے بادل چھائے رہتے ہیں کیا انکی وجہ یہی تو نہیں کہ ہر اسلامی ریاست، ہر مسلمان قوم اور ہر مسلمان فرد اجتماعی نظام کی بجائے اس انفرادی مفاد پرستی کا پرستار ہو چکا ہے، جس کے متعلق متنبہ کیا گیا ہے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کیا تم اس سے باز آنیوالے ہو تو کیا ہم باز آنے کیلئے تیار ہیں؟

نظامِ صلوٰۃ، یعنی متوازن معاشی نظام اللہ کے رسول کے ہاتھوں قائم ہو گا

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظِ مخصوص حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول کیساتھ مل کر نظامِ صلوٰۃ (متوازن معاشرہ) قائم کرو۔ جس میں نہ انفرادی مفاد کوشی کی گنجائش ہو گی۔ نہ اس میں کوئی بالا دست ہو گا، نہ زیرِ دست۔ نہ اس میں خمر، میسر، انصاب اور ازلام جیسے دماغ کو ماؤف کرنے والے انسانیت سوز تصورات راہ پا سکیں گے۔ اور نہ ان کی بدولت معاشرہ کے ہر گوشے میں بغض و عناد در پردہ پرورش پا رہے ہونگے۔ ارشاد ہوا ہے:۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا
اور حکم مانو اللہ کا بذریعہ حکم ماننے رسول کے، اور بچ جاؤ

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
پھر اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ بیشک اوپر رسول ہمارے کے پہنچا دینا ہے

الْمُبِيْنُ ۝ ۹۲
ظاہر

(ایمان والو! خمر، میسر انصاب اور ازلام سے بچو) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو بذریعہ اطاعت کرنے اُسکے رسول کے اور (اللہ کے احکام کی مخالفت سے) بچو۔ اگر تم نے روگردانی کی، تو جانے رہو کہ (انہی اندھیر گردیوں میں پھنسے رہوگے) اسکے سوا کوئی بات نہیں کہ ہمارے رسول کے ذمہ ہمارے پیغام کو ظاہر طور پر پہنچا دینا ہے۔

● اس حکم کے مطابق ظاہر ہے کہ جب لوگ اللہ کے رسول کیساتھ مل کر اللہ کی اطاعت کرینگے تو یقیناً یقیناً ہموار و متوازن معاشرہ عالمِ وجود میں آئیگا۔ جس میں نہ انفرادی کارخانہ داریوں، زمینداریوں، جاگیرداریوں اور مشیخیت کے ذریعہ حاصل کردہ میسر یعنی مفت کے مال کے حصول کی گنجائش ہو گی اور نہ اس نظام میں کوئی نشہ آور چیز راہ پا سکے گی۔

● اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کی مفصل بحث کیلئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۲۶ صفحہ ۵۹ ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں اتنا عرض کرنا ہے درمیانی واؤ کا معنیٰ ہے "بذریعہ" (قرآنی سند کیلئے دیباچہ کا صفحہ ۸۷) اس قسم کی آیتوں سے اللہ اور رسولؐ کی دو الگ الگ اطاعتیں تسلیم کرنا ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰ + ۱۸/۲۶ کے خلاف ہیں جہاں حصر کیساتھ کہدیا گیا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (متنبہ رہو کہ) اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں ۔ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۱۸/۲۶ وہ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا ۔ پس اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اکیلے اللہ کی اکلوتی اطاعت کرو اُسکے بھیجے ہوئے رسولؐ کے ذریعہ ۔ اور اللہ کے رسول لائے ہیں اللہ کی کتاب قرآن کریم جس میں اللہ تعالیٰ کی واحد فرمانبرداری کے جملہ احکام محفوظ موجود ہیں ۔ آپنے انہی کی فرمانبرداری کرائی تھی ۔

قرآنی معاشرہ بتدریج ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آخری منزل تک پہنچ جائیگا

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خبر دیگئی ہے کہ رسولِ مقبولؐ کے ذریعہ اطاعت کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان و اتقاء میں بتدریج آگے آگے بڑھتے چلے جائینگے ۔ رسول اکرمؐ کے قائم کردہ متوازن نظام میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہیں ہوگی ، اور ایمان و اتقاء ترقی کرتے کرتے حسن و توازن کی آخری منزل تک پہنچ جائینگے ۔

● محوّلہ آیت مجیدہ پیش کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ہوسکتا ہے کسی قاری کے ذہن میں یہ سوال کروٹیں لے رہا ہو کہ جملہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کیساتھ ہموار و متوازن معاشرہ کے قائم کرنے کا کیا تعلق ؟ جواباً عرض ہے کہ خدا تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ۲۸/۵۱ اور بیشک ہم نے اپنے قول قرآن مجید کو باہم متوصل کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں ۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق ہر مقام پر سیاق و سباقِ کلام کی مطابقت لازم ہے ۔ سیاقِ کلام میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ناہموار معاشرہ کی چار اہم شقوں خمر ، میسر ، انصاب اور ازلام سے منع کر کے " استفہامیہ انداز میں ارشاد فرمایا ہے کہ کیا تم ان سے باز آنے والے ہو ؟

● اور ساتھ ہی نفسِ امارہ شیطان کی خبر دیگئی ہے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہدایت کردہ نظامِ صلوٰۃ یعنی متوازن معاشرہ سے روکتا ہے ۔ یہ تو ہوا سیاقِ کلام اور سباقِ کلام یعنی اگلی آیت مجیدہ میں بھی ایسے ہی متوازن معاشرہ کی یہ اہم خبر دیگئی ہے کہ اللہ کے رسولؐ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرہ میں کھانے پینے کی چیزیں بافراغت میسر آئینگی ۔ تنگی اور دشواری کا گزر تک نہ ہوگا ۔ اتقا کی دشوار گزار منزلیں بآسانی طے ہوتی چلی جائینگی :

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	
نہیں اُوپر اُنکے جو ایمان لائے اور عمل کئے اچھے	جو لوگ (ضابطۂ خداوندی پر) ایمان لائیں اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں (جب وہ غیر یعنی استحصال)

جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّءَامَنُوا وَعَمِلُوا
کوئی حرج نہیں انکے کھائیں جب جو بچیں اور ایمان لائیں اور عمل کریں
الصَّٰلِحَٰتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّءَامَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا
اچھے پھر بچیں اور ایمان لائیں پھر بچیں اور معلوائی کریں
وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ ۹۳
اور ہے اللہ پسند کرتا محلائی کرنیوالوں کو

ع ۱۲/۷

سے بچ جائیں اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں تو انکے لئے با فراغت کھانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہیگی (کیونکہ ترکِ استحصال ہی سے متوازن معاشرہ قائم ہوجائیگا جس میں ہر فرد کو بافراغت کھانے کو ملیگا) پھر وہ (استحصال سے) اور زیادہ بچیں اور اس پر ایمان میں مزید پختہ ہوجائیں۔ پھر (استحصال، میسر سے اور زیادہ بچیں اور (معاشرہ میں مکمل حسن و توازن پیدا کریں (تو اللہ انہیں پسند کریگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاشرہ میں توازن پیدا کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

اٰمَنُوا اور ثُمَّ اتَّقَوا کا تین مرتبہ کا تکرار

● آیت زیرِ نظر میں کھانے کی فراغت اور میسر یعنی استحصال سے بچنے کے تین مرتبہ کے تکرار کی خبر سے دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہے کہ قرآنی ہموار و متوازن معاشرہ کی راہ میں رکاوٹ صرف سرمایہ دارانہ استحصالی نظام ہے۔ جس میں ہر طرف میسر یعنی استحصال کی چکی چل رہی ہوتی ہے۔ مزارعے کماتے ہیں اور زمیندار عیش کرتے ہیں۔ مزدوروں کی خون پسینے کی کمائی کو شبانہ روز کارخانہ دار سمیٹا چلا جاتا ہے۔ مریدوں کی محنتِ شاقہ کے ماحصل میں پیر صاحبان مفت کے حصہ دار بنے رہتے ہیں۔ اسلئے استحصال کے خاتمہ پر تکرار زور دیا گیا ہے۔

● نیز تین مرتبہ کے ثُمَّ اتَّقَوا وَّ اٰمَنُوا کے تکرار سے ثابت و بیّن ہے کہ اہلِ ایمان جُوں جُوں استحصال سے بچنے، اسکا خاتمہ کرتے چلے جائینگے تُوں تُوں متوازن معاشرہ اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا آخری منزل پر پہنچ جائیگا ورنہ صاف ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ کے اٰمنو و عملوا الصّٰلحٰت کے بعد ثُمَّ کی ترتیب و تراخی کیا تھی پھر تین مرتبہ کے ثُمَّ اتَّقَوا وَّ اٰمَنُوا کا کیا مطلب؟

مومنوں کے اتّقا کا امتحان

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں سورۂ مائدہ کی سابقہ آیتوں میں مربوط و مسلسل مضامین کی وضاحت کے بعد سورہ مائدہ کی آیتِ اوّل اُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ کی طرف رُخ کیا گیا ہے۔ جس میں جُگالی کرنے والے چوپایوں کو حلال قرار دیکر انہی میں سے استثنا بیان ہوئی ہے اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۝ یعنی بهیمۃ الانعام کی وہ چیزیں حرام ہیں جو تم پر پڑھی جائینگی۔ اور انکا اُس حالت شکار کرنا بھی حرام ہے جب وقت کہ تم ایّام حج میں بیت الحرام سے سالانہ اجتماع کے لئے آئے ہوئے ہو۔ ما یتلیٰ علیکم کی وضاحت تو ۵ میں گزر چکی ہے کہ بهیمۃ الانعام کا مُردہ، خون، غدود کا گوشت، غیر اللہ کی طرف منسوب کردہ، گلا گھٹ کر مرا، لاٹھی مارنے سے مرا، گر کر مرا،

سینگ لگنے سے مرا، درندے کے مارنے سے مرا، کسی استھان پر ذبح ہوا اور جوئے کے تیروں کیساتھ تقسیم کیا گیا، سب حرام ہیں۔ اسکے بعد ایام حج میں حلال جانوروں کے شکار کی مخالفت کا مخصوص حکم متصل آیت مجیدہ نمبر ۹۴ میں بالفاظ ذیل نافذ فرمایا گیا ہے:-

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَيَبْلُوَنَّكُمُ ٱللَّهُ بِشَىْءٍ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو البتہ ظاہر کریگا تمکو اللہ ساتھ ایک چیز کے

مِّنَ ٱلصَّيْدِ تَنَالُهُۥٓ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ

یعنی شکار کے پہنچیں اس تک ہاتھ تمہارے اور تیر تمہارے تاکہ ظاہر کرے

ٱللَّهُ مَن يَخَافُهُۥ بِٱلْغَيْبِ ۚ فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ

اللہ اسے جو ڈرتا ہے اُس سے غیب میں۔ پھر جو کوئی سرکشی کرے پیچھے

ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝٩٤

اُسکے پس، واسطے اُسکے سزا ہے دردناک

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ الٰہی پر ایمان لائے ہو تمہیں اللہ تعالیٰ (تمہارے اتقا کو) ایک چیز کیساتھ ظاہر[1] کرتا ہے (وہ بہیمۃ الانعام کا شکار ہے کہ ایام حج میں) اُس تک تمہارے ہاتھ بھی پہنچتے ہوں اور تمہارے تیر بھی پہنچتے ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کرے اُس شخص کو جو اللہ سے تنہائی میں ڈرتا ہے (جب اللہ کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو) پھر جو کوئی اس حکم کے بعد نافرمانی کریگا تو اُسکے لئے (ضابطۂ الٰہی میں) دردناک عذاب ہے۔

● [1] تعلیم کا مصدری معنیٰ ظاہر کرنا $\frac{3}{141}$ + $\frac{9}{16}$ میں موجود ہے لَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ، ابھی اللہ نے جانا نہیں، یہ معنیٰ غلط ہے۔ اور ابھی ظاہر نہیں کیا ٹھیک ہے۔

ایام حج میں بری شکار منع کیوں؟

● ایام حج میں بری شکار اسلئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اُن دنوں میں بیت الحرام کے گرد و نواح لاکھوں افراد کا اجتماع ہوتا ہے جن میں اکثر افراد کا ضروریات کے مطابق (قضاء حاجت وغیرہ کیلئے) ادھر اُدھر دور نکل جانا بھی ممکن ہے۔ ایسے حالات میں بری شکار کی اجازت خطرناک ہے کہ شکاری جس چیز کو دور سے شکار سمجھ رہا ہو وہ کوئی انسانی جان نہ ہو، اور یہ اُس پر تیر چلادے یا فائرنگ کردے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کے حفظ ماتقدم کیلئے ایمان والوں کے نام اعادۂ خطاب کیساتھ ارشاد ہوا ہے:-

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقْتُلُواْ ٱلصَّيْدَ وَ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ قتل کرنا بری شکار جبکہ

أَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ

تم حالت احرام میں ہو اور جو اسے قتل کرے تم میں سے ارادۃً تو سزا ہے

مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ ٱلنَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ

مانند جو قتل کرے میں سے چوپائے کے۔ فیصلہ کریں ساتھ اُسکے دو عدل والے تم میں

اے ایمان والو! نہ قتل کرنا بری شکار کو جب تم (ایام حج میں) حالت احرام میں ہو۔ اور جو کوئی اُسے تم میں سے جان بوجھ کر قتل کرے تو اُسکی سزا اُس (سزا) کے مثل ہے جو کسی چوپائے کو قتل کیا ہو۔ اس سزا کا فیصلہ تم میں سے دو صاحب عدل افراد کریں کہ کونسا چوپایہ مقتول جانور کے برابر کا ہے) وہ نیازِ کعبہ ہوگا (جو بیت الحرام کے

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ

ہدیہ پہنچنے والا کعبہ کو - یا بدلہ ہے کھانا مسکینوں کا

اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ

یا بدلہ ہے اُسکا روزے رکھنا تاکہ وہ چکھے سزا اپنے جرم کی

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ

معاف کیا اللہ نے اُسے جو ہو چکا - اور جو کوئی اعادہ کرے تو انتقام لیگا اللہ اُس سے -

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○ ۹۵

اور اللہ غالب بدلہ لینے والا

بیت المال میں پہنچایا جائیگا) یا اُسکا کفارہ (دو اصحاب عدل کی مقررہ تعداد کے) مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے - یا اِسکے برابر (دو اصحاب عدل کے فیصلے کے مطابق) روزے رکھنا ہے تاکہ مجرم اپنے جرم کی سزا کا مزہ چکھے - اِس حکم سے پہلے جو کچھ ہو چکا، اُسے اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے - اور جو کوئی دوبارہ ایسا کرے تو اُس سے اللہ ضرور ضرور بدلہ لیگا (سزا دیگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب سزا دینے والا ہے -

● ۱؎ ایام حج میں برّی شکار کرنے کیلئے قتل کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے کہ اُن ایام میں برّی شکار کرنا منع ہے - حالانکہ ایام حج کے سوا باقی دنوں میں نہ برّی شکار ممنوع اور نہ اسے ایک چوپایہ کے قتل کے مصداق قرار دیا گیا ہے - ممنوعہ ایام میں شکار کو قتل قرار دیکر قانون کی اہمیت بتائی گئی ہے - اگرچہ شکار کرنے والے سے کسی انسانی جان کو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں پہنچتی - لیکن اگر قانون شکنی کی سزا نہ دیجائے تو قانون بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے -

● ۲؎ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ کے الفاظ میں یہ فیصلہ کرنا دو اصحاب عدل پر منحصر کر دیا گیا ہے کہ وہ مجرم کے جرم کی نوعیت کے مطابق فیصلہ دینگے کہ یہ قتل کس حلال چوپائے کے قتل کے برابر ہے - مجرم کو ویسا ہی ایک چوپایہ نیاز کعبہ کے طور پر بیت الحرام کے بیت المال میں پہنچانا ہوگا - اور دو اصحاب عدل ہی فیصلہ دینگے کہ مجرم اتنے مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر مجرم اِن چیزوں کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر دو منصف فیصلہ کرینگے کہ مجرم اپنے جرم کے کفارہ کے طور پر اتنے روزے رکھے - یہ سب کچھ اصحاب عدل کی صوابدید پر منحصر کر دیا گیا ہے -

ایام حج میں بحری شکار کی اجازت

● برّی شکار چونکہ تیر یا بندوق سے کیا جاتا ہے اسلئے اس خطرہ کے پیش نظر کہ غلطی سے کوئی انسانی جان شکار نہ ہو جائے، اسلئے اسے جرم قرار دینے کے بعد بحری شکار کی اجازت اسلئے دیدی گئی ہے کہ وہ کانٹے یا جال سے کیا جاتا ہے، جس میں کسی انسانی جان کو کسی قسم کی گزند پہنچنے کا احتمال نہیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے :-

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ

حلال کیا گیا واسطے تمہارے شکار دریا کا اور کھانا اُسکا فائدہ واسطے تمہارے

وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

اور واسطے مسافر کے - اور حرام کیا گیا اوپر تمہارے شکار خشکی کا جبتک ہو تم

تمہارے لئے (ایام حج میں) دریا کا شکار کرنا بھی حلال کیا گیا ہے اور اُسکا کھانا بھی - یہ تمہارے لئے بھی فائدہ ہے اور ہر مسافر کیلئے بھی فائدہ ہے - اور تم پر خشکی کا شکار اُسوقت تک حرام کیا گیا ہے جبتک کہ تم حالت احرام میں ہو - اور اُس

حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۹۶
حالتِ احرام میں۔ اور ڈرو اللہ سے جو طرف اسی کے تم اکٹھے کئے جاؤ گے

ذات (کے احکام کی مخالفت) سے بچو جس کی طرف تم سب (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جاؤ گے۔

اہمیت مرکزیت بیت الحرام

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کعبہ مکرمہ کو پوری نوعِ انسانی کے مرکزی مقام کی حیثیت دی گئی ہے تاکہ پوری نوعِ انسانی کو اپنے قدموں پر کھڑا کیا جائے۔ اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز ختم ہو جائے۔ کوئی بالادست فرد یا قوم کسی زیردست فرد یا قوم کے پیدائشی حقوقِ ربوبیت پر ڈاکہ نہ ڈال سکے:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا
ٹھہرایا اللہ نے کعبہ گھر عزت والا کھڑا کرنا

لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْیَ
نوعِ انسانی کو اور مہینے حرمت والے اور تحائف

وَالْقَلَآىِٕدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ
اور پٹے والے جانور یہ اسلئے کہ بیشک اللہ جانتا ہے

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ
جو کچھ آسمانوں کے اور جو کچھ زمین کے اور بیشک

اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۹۷
اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے کعبہ مکرمہ کو جو اسکا حرمت والا گھر ہے، نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنیوالا ٹھہرایا ہے۔ اور حرمت والے (۳۶/۹ چار) مہینوں کو بھی (جن میں جنگ کرنا حرام کر دیا گیا ہے) اور (کعبہ مکرمہ پہنچائے جانیوالے تحائف کو بھی اور پٹے والے جانور (جو حج کے موقع پر کعبہ مکرمہ پہنچائے جاتے ہیں) انکو بھی نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے والے ٹھہرایا ہے۔ وہ اسلئے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ (کائنات کی) ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کے چار اہم ذرائع

● آیت بالا میں کعبہ بیت الحرام، حرمت والے چار مہینے، نیازِ کعبہ کے تحائف اور نیازِ کعبہ کے جانور، سب کو قِیٰمًا لِّلنَّاسِ قرار دیا گیا ہے۔ لفظ قِیٰمًا مادہ ق۔و۔م قوم سے ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے کھڑا ہونا۔ تو گویا اَلنَّاس، یعنی پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ذریعہ ہیں مذکورہ بالا چاروں چیزیں خالصتہً حج بیت اللہ سے متعلق ہیں۔

۱۔ کعبہ بیت الحرام ہے نوعِ انسانی کا امن مرکز $\frac{2}{125}$ + $\frac{3}{97}$ جہاں حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس منعقد ہوگی۔
۲۔ حرمت کے چار مہینے وہ ہیں کہ ان میں جنگ بند کر کے سالانہ امن کانفرنس میں اطراف و اکناف سے آنیوالوں کیلئے چوطرفہ راستوں کو پُرامن بنانا مقصود ہے۔ یعنی ان کا تعلق بھی عالمی امن مرکز کیساتھ ہے۔
۳۔ نیازِ کعبہ کے تحائف جو عالمی امن مرکز میں حج کے موقعہ پر پہنچائے جاتے ہیں نقدی اور اجناس وغیرہ۔
۴۔ نیازِ کعبہ کے جانور جو حج کی سالانہ کانفرنس میں عالمی امن مرکز میں پیش کئے جاتے ہیں، اس پورے تردد

تکلف کی غرض وغایت ہے اقوام عالم کا سالانہ اجتماع حج۔ اور اس اجتماع کی غرض ہے قِیٰمًا لِّلنَّاسِ یعنی پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنا۔ جس میں نہ کوئی بالادست رہے نہ زیردست۔

● **المختصر** ! حج کی غرض یہ ہے کہ قوموں کے وہ مسائل جن کیلئے وہ جنگ کی آگ بھڑکاتی ہیں، اللہ کے مقدس گھر میں حاضر ہوکر مرکز کے حکم کے مطابق ختم کرلئے جائیں۔ ہر حکومت ، مرکز کے حکم کی پابند ہو تاکہ کرۂ ارض سے جنگ وجدال کا مطلقاً خاتمہ ہوجائے۔ چار ماہ کیلئے حکماً جنگ بند کر کے جب وہ اللہ کے گھر میں اُسکے حضور حاضر ہونگے تو فریقین کا ضد اور ہٹ دھرمی سے الگ ہوجانا بہت ممکن ہوجائیگا۔ امن کانفرنس میں متنازعہ مسائل پیش کئے جائینگے اور مرکز اُنکا صحیح فیصلہ دے گا۔ نتیجہ یہ کہ ضد وتعصب کی بدولت بچھڑی ہوئی سلطنتیں ، قومیں اور مُلک گلے مِل جائیں گے۔

حُرمت والے مہینے ہدی اور قلائد شعائر اللہ ہیں

● سُورہ مائدہ کی ابتدا میں حکم دیا گیا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ ۵/۲
ایمان والو! بے حرمتی نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی یعنی نہ حُرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کرنا نیازِ کعبہ کے تحائف کی، اور نہ نیازِ کعبہ کے جانوروں القلآئد کی۔

۱۔ حُرمت والے مہینوں کی بے حُرمتی

● حُرمت والے چار مہینے شعائر اللہ ہیں ۵/۲، اُنکی حرمت ہے اِن مہینوں میں جنگ نہ چھیڑنا اور چھڑی ہوئی جنگ کو بند کر دینا۔ اور اُنکی بے حرمتی ہے اِن میں جنگ چھیڑ دینا یا چھڑی ہوئی جنگ کو بند نہ کرنا۔

۲۔ ہدی کی بے حرمتی

● ہدی یعنی نیازِ کعبہ کیلئے پیش کئے گئے تحائف نقدی، اسلحہ اور اجناس بھی شعائر اللہ ہیں ۵/۲، اُنکی حُرمت ہے انہیں حکم الٰہی ۵/۹۷ کے مطابق نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کیلئے صرف کرنا ۔۔۔ اور اُنکی بے حرمتی ہے اس قرآنی غرض کو پس پشت پھینک کر اسکے سوا دوسرے کاموں پر خرچ کر دینا۔ اور یہ بھی کہ ہدی اور قلائد کو ایک ٹھہرا کر نیازِ کعبہ کیلئے صرف جانور قرار دیدینا اور تحفۃ المسلمین کے ہدیوں، نذروں یعنی نقدی اور اجناس وغیرہ کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے خالص کعبہ مکرمہ کیلئے مختص کر رکھا ہے ۲۲/۲۹ انہیں ر دمتوں آستانوں درگاہوں اور قبروں پر چڑھاوے چڑھانا۔

۳۔ قلائد کی بے حرمتی

● قلائد سے مُراد ہیں وہ جانور جو نیازِ کعبہ کیلئے حج کے موقعہ پر عالمی امن مرکز میں پیش کئے جائیں، وہ بھی شعائر اللہ ہیں، اُنکی حرمت یہ ہے کہ اُنہیں ضرورت کے مطابق ذبح کیا جائے اور کھایا جائے۔ اور اُنکی بے حرمتی ہے ضرورت سے زائد ذبح کرنا اور کھانے کی بجائے ریت میں دبا دینا یا خندقوں اور کھائیوں میں پھینک دینا۔

ایک لمحۂ فکریہ

● یہاں پہنچ کر عقلمندوں کیلئے عموماً اور علماء کرام کیلئے خصوصاً ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ ۵/۲ میں دیئے گئے حکم کہ شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرنا، انکی بے حرمتی کرکے اس حکم کی نافرمانی تو نہیں کر رہے ؟ ۲۲/۳۲ میں شعائر اللہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ ۲۲/۳۲ ○ اور جو کوئی شعائر اللہ کی عظمت کرے تو بیشک یہ قلوب کے تقویٰ کے کاموں میں سے ہے۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق کیا شعائر اللہ کی بے حرمتی کرنا قلوب کے تقویٰ سے صد فیصد محرومی نہیں ؟ جس کا جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ بیت الحرام، حرمت والے مہینوں، ہدی اور قلائد کو ۵/۹۷ کے مطابق نوع انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ذریعہ ٹھہرایا ہے مگر نوع انسانی تو دور کی چیز ہے، خود مسلمان بھی اپنے قدموں پر کھڑے ہوئے نہیں پائے جاتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار !

تکوینی نظام کی شہادت

● آیت زیر نظر ۵/۹۷ کے آخری الفاظ میں خدا تعالیٰ نے اپنے تکوینی نظام کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۔ مذکورہ مرکزی نظام کی ہدایت اسلئے کیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور بیشک اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ دیکھو کس طرح اتنے بڑے بڑے کرہ جات سورج، چاند ستارے ایک مرکزی نظام کی حدود میں محدود رہکر پُرامن چل رہے ہیں۔ ان میں کبھی تصادم نہیں ہوا۔ اسی طرح اے نوع انسانی تم بھی بیت الحرام کے مرکزی نظام کے ماتحت اپنی حدود میں محدود رہکر پُرامن رہو۔ جنگ و جدال کی بھٹیاں نہ دہکایا کرو۔ اگر کوئی تنازعہ کھڑا ہو جائے تو حرمت کے چار مہینوں میں حکماً جنگ بند کرکے حج کی سالانہ امن کانفرنس میں حاضر ہو کر مرکز سے فیصلے کرالیا کرو۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ اگر تم حدود شکنی کرو تو اللہ کے قانون میں تمہارے لیئے سخت سزا بھی موجود ہے اور اگر باز آجاؤ تو تمہیں ہر قسم کے فساد اور تباہی سے بچاؤ بھی محفوظ ہے اللہ کے قانون میں رحمت بھی ہے اور عذاب بھی ہے :-

اِعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ جانے رہو بیشک اللہ سخت ہے سزا کی رُو سے اور بیشک اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ ۹۸ اللہ ہے بخشنے والا مہربان	جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین میں عدل و انصاف ہے اندھیر گردی اور دھاندلی نہیں، جو لوگ بداعمالیوں کی بدولت سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں تو جانے رہو کہ اللہ انہیں سزا دینے میں بہت سخت ہے اور (جو لوگ بخشش کے حقدار ہوں) انہیں ہر قسم کا بچاؤ دینے والا بھی ہے بڑھکر رحمت کرنیوالا بھی ہے۔

رسولؐ کے ذمہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے

● رسول انبیاء اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتے رہے اور لوگوں تک بلا کم و کاست

پہنچاتے رہے جس قوم نے انکا کہنا مانا اور انکے ساتھ مل کر منزل من اللہ نظام کو برپا کر دیا، تو وہ اس نظام کی خوشگواریوں اور شادابیوں سے سرفراز ہوئی، اور جو قومیں انکے پیغام پر ایمان نہ لائیں اور نبی رسول کا ساتھ نہ دیا وہ دنیا میں بھی عذاب کے پنجے پڑیں اور آخرت کا عذاب بھی ان کے لئے لازم قرار پایا۔ اس کے برخلاف ایک تیسری قسم کے لوگ بھی تھے جو ذہن میں کفر چھپا کر جھوٹے ایمان کا اظہار کرتے رہتے۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں انہیں مخاطب کیا گیا ہے کہ جو کچھ تم ذہنوں میں چھپاتے ہو، اللہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اسے بھی جانتا ہے۔ ہمارے رسول کے ذمہ اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، لوگوں کو زبردستی مومن اور نیکوکار بنانا ہرگز نہیں ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
نہیں اوپر رسول کے مگر پہنچانا - اور اللہ جانتا ہے
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝۹۹
جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

ہمارے رسول کے ذمہ صرف ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے (دین میں جبر نہیں ہے $\frac{2}{256}$) اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو (کہ تم ایمان لے آئے ہو) وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو (کہ تم منافقت کرتے ہو) اسے بھی جانتا ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ
کہہ نہیں برابر بدکار اور نیکوکار اور اگرچہ
اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي
تجھے حیرت میں ڈالے کثرت بدوں کی، پس ڈرو اللہ سے اے
الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰ ع ۱۳/۳
عقل والو - تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

کہہ دیجئے اے رسول کہ اے مخاطب! بدعمل اور نیکوکار ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اگرچہ تجھے بروں کی کثرت حیرت زدہ کر دے۔ پس عقل والو! اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو تاکہ تم (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہو جاؤ۔

کثرت صداقت کی دلیل نہیں

● اس آیت مجیدہ میں بدعملوں کی کثرت پر حیرت زدہ ہونے سے منع کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ اپنی کثرت کی بدولت بھلے معلوم ہوتے ہوں۔ صداقت کی دلیل کثرت نہیں بلکہ ضابطۂ الٰہی کی اطاعت ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ ہر زمانے میں قلیل تعداد میں پائے گئے اور پائے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم مکمل ضابطۂ حیات ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنبیہ کیا گیا ہے کہ زمانۂ نزول قرآن میں مسائل کی کرید نہ کرنا۔ جن مسائل میں تمہاری شخصی آزادی برقرار رکھی گئی ہے اگر تم نے اسکے متعلق سوال کئے تو تمہیں پابند کر دیا جائے گا اور وہ تمہارے لئے ناگوار ہوگا۔ دیکھئے الفاظ قرآنیہ انتہائی غور طلب ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ منزل قرآن کریم پر) ایمان لائے

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ سوال کرو سے چیزوں کے

اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا

اگر ظاہر کیا جائے واسطے تمہارے برا لگے تم کو اور اگر تم سوال کرو ان سے

حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ

جب نازل ہو رہا ہے قرآن ظاہر کر دیا جائیگا واسطے تمہارے درگزر کیا اللہ نے

عَنْهَا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ۱۰۱

اُس سے اور ہے اللہ بخشنے والا بہت بردبار

ہو۔ اُن مسائل کے متعلق سوال نہ کرنا (جو تمہاری شخصی آزادی پر چھوڑ دیئے گئے ہیں) اگر تمہارے لئے[1] ظاہر کر دیئے جائیں تو تمہارے لئے بُرے ہونگے (ناگوار ہونگے[2]) اور اگر اس وقت میں کہ جس میں قرآن کریم نازل ہو رہا ہے، اُنکے متعلق سوال کرو تو تمہارے لئے ظاہر کر دیئے جائینگے۔ اللہ نے (تمہاری انفرادی پسند کو برقرار رکھنے کیلئے) خود درگزر فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ بچا دینے والا بہت ہی بُردبار ہے۔

● [1] یہاں تُبْدَ لَكُمْ کا مفہوم ہے تمہارے لئے نازل کر دیئے جائینگے، جس پر حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ کے الفاظ شاہد ہیں۔

● [2] تَسُؤْكُمْ کا لفظی معنٰی ہے وہ تمہیں بُرا لگیگا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہاری شخصی آزادی پر پابندی کے احکام نازل کر دیئے جائیں تو تمہاری روزمرّہ کی زندگی میں دشواری پیدا ہو جائیگی۔ جیسے کہ بعض اسلامی حلقوں میں یہ پابندی پائی جاتی ہے کہ اُٹھو تو یوں، بیٹھو تو یوں، لیٹو تو یوں، بیت الخلاء میں جاؤ تو یہ پڑھو، باہر نکلو تو یہ پڑھو وغیرہ ایسی پابندیاں وہ ہیں جو روزمرّہ کی زندگی کو دشوار اور ناگوار بنا دیتی ہیں۔

شخصی آزادی ● آیت بالا میں ہر اس مسئلہ کے متعلق جس کی تفصیل قرآن میں نہ دیگئی ہو، فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ معاذ اللہ معاذ اللہ غلطی سے نہیں رہ گئی، بلکہ باندازِ عفو و رحمت ہر شخص کی انفرادی پسند کا حق برقرار رکھا گیا ہے۔ مثلاً کھانے کی چیزوں پر صرف حَلٰلًا طَيِّبًا کی قید لگائی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ کی حلال کردہ چیزیں جو حلال طریقے سے حاصل کی گئی ہوں کھاؤ۔ اور طیب بھی ہوں۔ یعنی تمہارے موافق مزاج بھی ہوں۔ اِس حکم سے ثابت ہے کہ گائے کا گوشت، مسُور کی دال، بینگن، بھنڈی وغیرہ ہر حلال چیز جس کے موافق مزاج نہ ہو تو اُسے نہ کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ ہاں اُنکو حرام ٹھہرانا منع ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو حرام یا حلال ٹھہرانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

لباس اور حجامت ● کھانے پینے کے علاوہ معاشرہ کے بیسیوں مسائل ہیں کہ اگر اُن پر پابندی لگا دی جائے تو نہ صرف یہ کہ فرد کی شخصی آزادی سلب ہو جائے، بلکہ پورا معاشرہ شدید ترین جکڑ بندیوں میں جکڑ کر رہ جائے۔ مثلاً لباس کے متعلق یہ پابندی لگا دی جائے کہ صرف عربی قسم کا لباس ہی پہنا جائے، لمبا چوغا، تو کرۂ ارض کی پوری آبادی کیلئے دشوار ہو جائیگا۔ قرآن حکیم نے لباس کے ضمن میں صرف دو پابندیاں لگائی ہیں۔ کہ وہ ننگ پن کو ڈھانپے اور خوبصورت ہو۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۷/۲۶ اے نوعِ آدم بیشک ہم نے تم پر لباس پہننے کا حکم نازل کیا ہے اسلئے کہ وہ تمہارے ننگ پن کو ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو ـــــ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ کے الفاظ میں اس سے آگے تمام سوالوں سے منع کر دیا ہے کہ یہ سوال نہ کرنا تہبند پہنیں یا شلوار، پاجامہ پہنیں یا پتلون، قمیض پہنیں یا کُرتہ

کوٹ پتلون یا شیروانی، ٹوپی اوڑھنی یا پگڑی ۔ یہ تمام چیزیں مختلف افراد کی شخصی پسند اور ملکی آب وہوا اور وقتی حالات کے مطابق آزاد چھوڑ دی گئی ہیں ۔ کیونکہ اسلام عالمگیر دین ہے ، اور دائرۂ اسلام میں کرۂ ارض کے ہر ملک کے افراد نے داخل ہونا ہے ۔

● یہی حال عورتوں کے لباس کا ہے ۔ انہیں ہر قطع کا شریفانہ لباس پہننے کی اجازت ہے کہ وہ انکا ننگ بھی ڈھانپے اور خوبصورت ہو ۔ ایسا تنگ بھی نہ ہو اور اتنا باریک بھی نہ ہو کہ پہنا ہوا بھی ہے اور جسم کے تمام اعضاء الگ الگ تھرکتے ہوئے دکھائی بھی دے رہے ہیں ۔ ایسا گندہ اور بُری قطع کا بھی نہ ہو کہ بدصورت دکھائی دے ۔ زیورات کے متعلق بھی عورتوں کی پسند پر صرف یہ قدغن لگائی گئی ہے :۔ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ ۲۴/۳۱ اور وہ اپنی زینت نامحرموں پر ظاہر نہ کریں ۔

بال کٹوانا یا منڈانا

● نیز بالوں کے متعلق یہ خبر دی گئی ہے :۔ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۴۸/۲۷ یعنی سروں کو منڈاتے ہوئے یا کتراتے ہوئے ۔ یعنی بالوں کو منڈانے یا کترانے کی اجازت تو دیدی گئی مگر یہ قید نہیں لگائی کہ بال مشرقی قطع کے کٹوائے جائیں یا مغربی طرز کے ۔ ڈاڑھی کے بال ضرور منڈائے جائیں یا ضرور کٹوائے جائیں کٹوائے جائیں تو کس قطع کے کٹوائے جائیں ۔ بلکہ ہر ملک ، ہر قوم کے ہر فرد کی ذاتی پسند پر چھوڑ دئیے گئے ہیں ۔ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ کے الفاظ منڈانے اور کٹوانے کا عمل سر کے بالوں پر وارد ہوگا ۔ ٹھوڑی بھی سر کا حصہ ہے جہاں بال موجود ہیں ۔ اسلئے ڈاڑھی کے مسئلہ کو بھی منڈانے اور کٹوانے کی قید کیساتھ ہر قطع وضع کی ڈاڑھی کی اجازت ہے جسے کوئی ملک قوم یا فرد پسند کرے ۔ شرط یہ ہے کہ وضع خوبصورت ہو قطع خوش کن ہو ۔ نہ یہ کہ ڈاڑھی اس انداز کی ہے کہ بالوں کا ایک پھندنا سا ٹھوڑی کے نیچے لٹک رہا ہے اور دو پھندنے دائیں بائیں کانوں کے پاس آویزاں ہیں ۔ پس اس شخصی آزادی کے بعد حجامت سے متعلقہ مزید سوال کرنے سے منع کر دیا گیا ہے ۔

● یہی حال عبادات و معاملات سے متعلقہ مسائل کا ہے کہ جو کچھ بیان کر دیا گیا ہے اُس سے نہ بے اعتنائی کی جائے اور نہ اُس پر کچھ اپنی طرف سے بڑھایا جائے ۔ صلوۃِ موقّت (نماز) کو جن حدود میں محدود اور جن شرائط کیساتھ مشروط کر دیا گیا ہے اُنکے اندر رہا جائے ۔ خداوندی حدود و مشروط کو نہ توڑا جائے ۔ حاصل کلام یہ کہ لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ کے حکم میں واضح کر دیا گیا ہے کہ حلال و حرام ، لباس ، حجامت کھانے پینے کے طور طریقوں ، عبادات و معاملات کے مسائل میں جو پابندیاں لگائی گئی ہیں اُنکے اندر رہکر اپنی شخصی پسند کے مطابق عمل کرتے چلے جاؤ ۔ مسائل کی بے جا کرید کر کے دین میں مشکلات پیدا نہ کرو ۔

لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ کی روائتی تفسیر

● آیت مجیدہ لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ ...... کا شانِ نزول بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے عربی متن کے سامنے اردو ترجمہ

میں لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے آنحضورؐ سے مذاق کے طور پر کچھ سوال کئے، ایک آدمی نے پوچھا حضورؐ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا فلاں شخص تیرا باپ ہے، کیونکہ لوگ اُسے حرامی کہا کرتے تھے۔ آپ نے اُسے وہی نام بتایا جس کی طرف وہ منسوب کیا جاتا تھا" اِس پر یہ آیت اُتری کہ سوال کرو گے تو بتا دیا جائیگا اور تمہیں بُرا لگیگا۔ کہ پہلے تو سائل کا حرامی ہونا مشکوک تھا اب مصدقہ ہو گیا۔ العیاذ باللہ!

● مولوی احمد علی لاہوری مرحوم نے اِس آیت ۵/۱۰۱ کا مفہوم حاشیہ پر بالکل ٹھیک لکھا ہے جو الفاظِ قرآنیہ اور تصریفِ آیات کے عین مطابق ہے :۔ "صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ سوالات کرنے سے روکا گیا ہے کہ جو حکم ملے فقط اُسکی تعمیل کرو۔ ورنہ جو پوچھو گے تو جواب ملیگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری آزادی کا دائرہ تنگ ہو جائیگا اور تم تکلیف اُٹھاؤ گے" یہی مفہوم صحیح ہے، جزاہٗ اللہ احسن الجزاء۔ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز ایسا ہے جیسے اگر بلاغ القرآن اپنائے یا مولوی احمد علی مرحوم نتیجہ ایک ہی برآمد ہوگا۔

توہماتی دلدلوں سے نکلو

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں توہماتی دلدلوں سے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، بعض لوگوں نے آبائی متوارث طریقے سے بعض جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ اُنکے متعلق جب قرآنِ کریم نے فیصلہ دیا کہ نہ وہ حرام ہیں نہ مقدس کہ انہیں کھایا نہ جائے تو وہ آبائی رسم کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ ارشاد ہوا ہے :۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا
بیشک سوال کیا اسکا ایک قوم نے سے پہلے تمہارے پھر وہ ہو گئے

بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّ
ساتھ اسکے انکار کرنے والے۔ نہیں ٹھہرایا اللہ نے بیچ میں سے بحیرہ کے اور

لَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ
نہ سائبہ کے اور نہ وصیلہ کے اور نہ حام کے ولیکن

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ
جو لوگ کہ انہوں نے کفر کیا انہوں نے بہتان باندھا اوپر اللہ کے جھوٹ

وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ۱۰۲-۱۰۳
اور اکثریت انکی عقل نہیں رکھتے

بیشک سوال کیا اِس کا تم سے پہلے ایک قوم نے۔ (پھر جب ہم نے اپنی کتاب میں فیصلہ دیدیا) تو وہ اِس کا انکار کرنے والے ہو گئے۔ اللہ نے بحیرہ کو حرام کیا ہے نہ سائبہ کو اور نہ حام کو۔ ولیکن (حقیقت یہ ہے کہ) جن لوگوں نے (اللہ کے فیصلے کا) اِنکار کیا، اُنہوں نے اِنکی حرمت کا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا بہتان باندھا ہے۔ اُنکے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (کہ یہ حلال جانور حرام کس طرح ہو سکتے ہیں)۔

نوٹ:۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی وضاحت نیچے ملاحظہ فرمائیں)

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کیا ہیں

● بحیرہ کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ب۔ح۔ر ہے۔ بحر ہے عربوں کے ہاں بحیرہ اُس اُونٹنی کو کہتے ہیں جو دس بچے جن چکے۔ یعنی اُسنے بچوں کا سمندر رکھا جاتا تھا۔

● سائبۃ کے لفظ کا سہ حرفی مادہ س-ی-ب = سیب ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے جاری ہونا۔ جیسے کہ سَیَبَ السَّمَاءُ کا معنیٰ ہے پانی جاری ہو گیا۔ اس طرح سائبہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی اولاد سے اولاد پیدا ہونی شروع ہو چکی ہو۔

● وصیلۃ کا لفظ مادہ و-ص-ل = وصل سے ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے ملنا، ملانا، ملا ہوا پانا۔ اِس طرح وصیلہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جو ہر بار مسلسل دو دو بچے جننے والی ہو یعنی جس کے ہر حمل میں دو بچوں کا وصل پایا جائے۔

● حام کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ح-م-ی = حمی ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے معاون ہونا۔ حمایت اور حامی کے الفاظ اِسی مادہ سے مشتق ہیں۔ اِسی طرح عربوں کے ہاں اُس اونٹ کو حام کہتے ہیں جو اونٹنیوں کو حاملہ کرنے میں پورا حامی ہو۔ کمزوری نہ دکھاتا ہو۔

● اِن چار قسم کے اونٹ اونٹنیوں کو اُن کی کثرتِ اولاد کی مخصوص خدمت کے باعث مقدس خیال کیا جاتا اور اُن کا کھانا حرام قرار دیا گیا تھا۔ اِن جانوروں کا گوشت نہ کھانا شخصی آزادی کی رُو سے تو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے مگر اِن جانوروں کو دوسرے جانوروں سے الگ طور پر مقدس قرار دیتے ہوئے توہمات کی دلدل میں پھنس کر انہیں حرام قرار دے دینا خداوندی فیصلے کی نافرمانی ہے کیونکہ ۵/۱ کے حکم اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ میں داخل ہونے کی بدولت یہ سب جانور حلال ہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ توہمات کی دلدلوں سے نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ جب انہیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے تقدس کی نفی کر دی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم اُس راہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ
اور جب کہا جائے واسطے اُن کے آؤ طرف اُس کے جو نازل کیا اللہ نے

وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ
اور طرف رسول کے تو کہتے ہیں کافی ہے ہمارے لئے جو پایا ہم نے اوپر اُس کے

آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
باپ دادا اپنوں کو۔ اور اگرچہ تھے باپ دادا اُن کے نہیں جانتے تھے

شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ○ ۱۰۴
کچھ بھی اور نہ وہ ہدایت پاتے تھے۔

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس (لاریب کتاب) کی طرف جو اللہ تعالیٰ (نے اپنے رسولؐ کی طرف نازل فرمائی ہے) اور آؤ اُس کے رسولؐ کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی راستہ کافی ہے جس پر ہم نے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ اور اگرچہ اُن کے آباؤ اجداد نہ تھے کچھ بھی جانتے اور نہ وہ تھے کہ راہ ہدایت کو پاتے۔

باپ دادا کا تواتر کوئی سند نہیں

● باپ دادا کے عمل کو سند ٹھہرانے کے واہمہ کو باطل قرار دیتے ہوئی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا

سٹیپ ۱۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝١٠٥

اے وہ لوگو! جو (ضابطہ لاریب قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو تمہارے اعمال کی جوابدہی تمہاری جانوں پر ہے۔ جب تم (توہمات باطلہ کو چھوڑ کر) ہدایت پا گئے تو جو گروہ (اپنے باپ دادا کے اعمال کو سند ٹھہراتا ہے) وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیگا۔ (تم اُن سے ڈرومت۔ اعمال کی جوابدہی کیلئے) تم سب کی لوٹ کر جانے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر وہ تمہیں اُسکی صحیح خبر دیگا جو تم عمل کیا کرتے تھے۔

● اس آئت مجیدہ میں آباؤ اجداد کی روش کے تواتر کو سند ٹھہرانے کی تردید کر کے قرآنی سند کی تائید کر دی گئی ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ تم صرف اپنے اعمال کے جوابدہ ہو۔ اور تمہارے باپ آپ اپنے اعمال کے جوابدہ ہونگے۔ قیامت کی عدالت عالیہ میں تم نے اور تمہارے باپ دادوں، سب نے حاضر ہونا ہے۔ پھر جو عمل تم تواتر کی سند سے صحیح تسلیم کر کے کیا کرتے تھے یا جو تم نے قرآن مجید کو سند مان کر اعمال کئے تھے، اللہ تعالیٰ تمہیں اُن سب سے مطلع کر دیگا۔ اس سے اگلی آئت مجیدہ کا ربط آئت بالا سے یہ ہے کہ اُوپر قیامت کی حاضری کا ذکر ہے جس کا مقام موت کے بعد کا ہے۔ اسلئے موت سے متعلق ایک اہم حکم دیا گیا ہے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِن بَعْدِ

اے وہ لوگو! جو (ضابطہ لاریب قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو۔ تمہارے درمیان گواہ ٹھہرانا لازم ہے جب تم میں سے کسی پر موت آجائے۔ تو (وصیت کرنا فرض ہے $\frac{2}{180}$) وصیت کے وقت دو گواہ اپنے میں سے صاحب عدل مقرر کرنے ہیں یا غیروں میں سے دو صاحب عدل۔ اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو پھر تم پر موت کا وقت آجائے۔ پھر گواہی دینے کے وقت مقررہ گواہوں کو گواہی دینے کیلئے ظہر کی صلوٰۃ (نماز) کے بعد روک لیا کرو۔ (ظہر کی نماز آئت ذیل کے مطابق سب کی حاضری کا وقت ہے۔ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا $\frac{17}{78}$ اسلئے سب لوگ نماز کے بعد چلے جائینگے لیکن گواہوں کو گواہی دینے کیلئے روک لیا جائیگا)

ترجمہ	آیت
پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں (یہ کہتے ہوئے کہ) اگر تم شک کرو تو (حقیقت یہ ہے کہ) ہم اس قسم کو کسی بھی قیمت پر نہیں بیچیں گے، اگرچہ (ہماری گواہی جس کے خلاف پڑتی ہو) وہ ہمارا قریبی ہی ہو۔ اور ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے نہیں۔ (اگر ہم ایسا کریں تو) اُس وقت ہم ضرور گنہگاروں میں سے ہوں گے۔	الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نماز کے - پھر وہ دونوں قسم کھائیں ساتھ اللہ کے اگر تم شک کرو - نہیں نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ ہم بیچیں گے ساتھ اُس کے کوئی قیمت اور اگرچہ ہو والا قرابت کا - اور نہ چھپائیں گے شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۞ ۱۰۶ گواہی اللہ کی - ہم ہوں گے اُس وقت البتہ میں سے گنہگاروں کے

شہادت کی تحقیق اپیل کا حق

● سلسلہ درس کی اگلی آیت میں قاضی یا جج کا فرض بتایا گیا ہے کہ جو شہادت دی گئی ہے اُس کی تحقیق کرے۔ کسی فریق کی طرف سے مشکوک اطلاع ملنے پر مزید گواہ لائے جائیں۔

ترجمہ	آیت
پھر اگر اس کے بعد (کسی طرف سے) یہ اطلاع دی جائے کہ دونوں گواہ (غلط گواہی دے کر) گناہ کے مستحق ہوئے ہیں تو دو دوسرے گواہ اُن کی جگہ کھڑے ہوں جو گناہ کئے مستحق ہوئے ہیں، وہ دونوں زیادہ قریب ہوں شہادت کے۔ پھر وہ دونوں خدا کی قسم اُٹھا کر کہیں کہ ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے۔ اور ہم حقیقت حال سے تجاوز نہیں کریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں تو بلاشبہ ہم ظالموں (بے ٹھکانے کام کرنے والوں) سے ہوں گے۔	فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ پھر اگر اطلاع دی جائے اوپر اس کے کہ بیشک وہ دونوں مستحق ہوئے گناہ کے تو وہ دو دوسرے يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ وہ کھڑے ہوں جگہ اُن دونوں کی میں سے اُن کے جو مستحق ہیں اوپر اُن کے الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ زیادہ قریبی - پھر وہ قسم کھائیں ساتھ اللہ کے البتہ گواہی ہماری اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا زیادہ سچی ہے سے گواہی اُن دونوں کی اور نہیں کریں گے ہم زیادتی بیشک ہم اُس وقت لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ ۱۰۷ البتہ ظالموں میں سے ہوں گے

● اس آیت مجیدہ میں اُس فریق کو جس کا حق جھوٹی گواہی کے ذریعہ دبا لیا گیا ہو اپیل کا حق دیا گیا ہے۔ اور سابقہ گواہوں کی گواہی باطل ثابت کرنے کیلئے اُن کی جگہ ایسے دو گواہ اور لانے کا حکم دیا گیا ہے جو وصیت کے وقت موجود تھے اور سابقہ گواہوں کی نسبت حقیقت شہادت کو زیادہ بہتر جانتے ہوں۔ گواہوں پر اور گواہ لانے کی ایک اور غرض اگلی آیت میں بتائی گئی ہے:۔

ترجمہ	آیت
مذکورہ حکم اسلئے دیا گیا ہے کہ دونوں گواہ گواہی کو اُس کی اصلیت پر لائیں۔ اور اس چیز سے ڈر جائیں کہ اُن کی	ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ وہ زیادہ قریب ہے کہ لائیں ساتھ گواہی کے اوپر حقیقت اُس کی کے

أَوْ يَخَافُوٓا أَن تُرَدَّ أَيْمَـٰنٌۢ بَعْدَ أَيْمَـٰنِهِمْ ۗ وَ
یا وہ ڈریں کہ لوٹائی جائیگی قسم بعد قسم انکی کے اور

اتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
ڈرو اللہ سے اور سنو ۔ اور نہیں اللہ ہدایت دیتا قوم

الْفَـٰسِقِينَ ۝ ۱۰۸ ع ۸/۴ ۱۴
حد سے بڑھ جانے والوں کو

قسم کے بعد کوئی اور قسمیں لوٹائی جائینگی ۔ (یعنی انکی غلط شہادت کی پڑتال کی جائیگی) اور اللہ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو (اور سچی شہادتیں دیا کرو) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حد سے پھاندنے والی قوم کو ہدایت یافتہ قرار نہیں دیتا۔

ایک اہم آیت مجیدہ ● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں رسل انبیاءؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب کو جمع کر لیا جائیگا ۔ اور اُن سے پوچھا جائیگا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے بعد تمہیں کس طرح قبول کیا گیا تھا وہ کہینگے کہ ہم نہیں جانتے ۔ چنانچہ آگے چل کر آیت نمبر ۱۱۶ ۔ ۷ میں بتایا گیا ہے، قیامت کو جماعت انبیاءؑ میں سے حضرت مسیحؑ سے پوچھا جائیگا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو الٰہ بنا لو ۔ تو وہ کہینگے بار الٰہا میں نے نہیں کہا تھا ۔ جبتک میں اُن میں رہا میں اُنکا نگران تھا جب تو نے مجھے فوت کر دیا تو پھر اُن پر تو نگران تھا مجھے معلوم نہیں کہ اُنہوں نے میرے بعد میری دی ہوئی تعلیم میں کیا تبدیلی کر لی تھی ۔ اِن آیات مجیدہ میں اِس عوامی عقیدہ کی تردید ہو گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندگی میں بھی غیب جانتے تھے اور وفات کے بعد بھی غیب دان ہیں ۔ دیکھئے ارشاد باری ہے:۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ ۖ
جس دن جمع کریگا اللہ رسولوں کو تو کہیگا ۔ کس طرح قبول کئے گئے تم

قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّـٰمُ الْغُيُوبِ ۝
کہینگے نہیں علم واسطے ہمارے ۔ بیشک تو ہی ہے خوب جاننے والا ہے غیبوں کا

۱۰۹

وہ (قیامت کا) دن قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ سارے رسولوں کو (دوبارہ پیدا کر کے) جمع کریگا اور اُن سے کہیگا (کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے بعد) کس طرح قبول کیا گیا تمہارے کو تو وہ کہینگے کہ ہم نہیں جانتے (کہ ہمارے بعد ہماری قوموں نے کیا کیا) غیبوں کا خوب جاننے والا تو صرف تو ہی ہے ۔

● اِس آیت مجیدہ کے الفاظ مَاذَآ أُجِبْتُمْ سے یہ مفہوم اخذ کرنا مطلقاً غلط ہے کہ رسل انبیاءؑ سے اُنکی زندگی کے متعلق پوچھا جائیگا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا یا تم کس طرح قبول کئے گئے تھے ۔ تو وہ کہینگے ہم نہیں جانتے ۔ حالانکہ حضرت نوحؑ نے زندگی میں حضور خداوندی میں ایک طویل فریاد کی تھی ۔ کہ بار الٰہا میں نے اپنی قوم کو دن کو بھی تبلیغ کی رات کو بھی خفیہ بھی کی اور ظاہر بھی، مجمع کو بھی کی اور اکیلے اکیلے کو بھی ۔ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيٓ إِلَّا فِرَارًا ۶/۷۱ مگر میری تبلیغ نے انہیں نہ کیا زیادہ مگر مجھ سے بھاگ جانے میں ۔ حتیٰ کہ حضرت نوحؑ نے عرض کیا ۔ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ ۱۰/۵۴ بیشک میں مغلوب ہو گیا ہوں میری مدد فرما ۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ایک عظیم طوفان کے ذریعہ پوری نافرمان قوم کو غرق کر دیا ۔ یہ

سب کچھ حضرت نوحؑ نے خود کہا اور یہ اُن کے ساتھ واقعہ ہوا۔ کیا وہ قیامت کو کہہ سکتے ہیں۔ کہ مجھے معلوم نہیں کہ زندگی میں مجھے کیا جواب دیا گیا یا مجھے کس طرح قبول کیا گیا تھا۔ پس اِن حقائق کے قرائنِ ثابتہ کے مطابق مَاذَآ اُجِبْتُمْ کے بعد لِعَدَ کُمْ کے الفاظ محذوف و مقدر ہیں۔

● قیامت کے دِن رسولوں سے مخاطب ہونے کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں حضرت مسیحؑ سے ایک طویل خطاب کرنے کی خبر دی گئی ہے:-

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ
جب کہیگا اللہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے یاد کر

نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ
نعمت میری اوپر تیرے اور اوپر تیری ماں کے جب مدد دی تجھے ساتھ

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ
روح پاک کے تو کلام کرتا تھا لوگوں سے بیچ کم عمری کے اور

كَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
ادھیڑ عمر میں یعنی جب سکھائی میں نے تجھے کتاب با حکمت یعنی توراۃ

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ
اور انجیل اور جب تو پیدا کرتا تھا سے کیچڑ کے شکل صورت پرندے

بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ
ساتھ قانون میرے پھر تو پھونکتا بیچ اُس کے پس ہو جاتا پرندہ ساتھ قانون میرے اور تو

الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى
اچھا کرتا مادرزاد اندھوں کو اور برص والوں کو ساتھ قانون میرے اور جب تو نکالتا مُردے

بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ
ساتھ قانون میرے اور جب روک دیا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
آیا تو اُنکے پاس ساتھ دلائل کے تو کہا جنہوں نے انکار کیا بیچ اُنکے

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ۱۱۰
نہیں یہ مگر جھوٹ ہے ظاہر

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (قیامت کو) اللہ تعالیٰ کہیگا اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر میری اُس نعمت کو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کی۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے اپنی پاک کلام (اپنی کتاب) کیساتھ تیری مدد کی۔ تو کلام کرتا تھا لوگوں سے (میرا پیغام پہنچاتا تھا لوگوں کو) کم عمری میں بھی اور ادھیڑ عمر میں بھی۔ یعنی وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے سکھائی تجھے کتاب حکمت والی توریت اور انجیل۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تو تقلید کی کیچڑ میں پھنسے ہوؤں کو میرے قانون کے مطابق تقلید کی کیچڑ سے نکال کر پرندوں کی طرح آزاد کر دیتا تھا۔ پھر تو اُن میں میری کتاب کی تعلیم پھونکتا تھا۔ پھر وہ میرے قانون کے مطابق پرندے کی طرح آزاد ہو جاتا تھا۔ اور تو میرے قانون کے مطابق اُن مادرزاد (ایمانی) اندھوں کو ایمانی بینا کر دیتا تھا اور برص کے ایمانی مریضوں کو (جو نہ مومن ہوتے نہ کافر اُنکی ایمانی برص (منافقت) کو میرے قانون کے مطابق دور کر دیتا تھا۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تو میرے قانون کیساتھ ایمانی مُردوں کو (کفر کی موت سے) نکالتا تھا۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک دیا (اُنہیں شکست دی) جب تو اُنکے پاس (توراۃ و انجیل کے) دلائل لیکر آیا تو جن لوگوں نے انکار کیا اُنہوں نے کہا یہ تو کھلا جھوٹ ہے۔ (اس کے بعد اُنکے ایک گروہ نے آپ سے جنگ کی اور وہ شکست کھا گئے حضرت مسیحؑ اور آپکے حواری فتحیاب ہوئے)

● ۱ روح بمعنی وحی کی تعلیم اور قدس بمعنی پاکیزہ ۔ پس روح القدس کا معنیٰ پاکیزہ تعلیم ہے ۔ روح بمعنی وحی کے لئے دیکھئے آیات مجیدہ $\frac{16}{2}$ + $\frac{17}{85}$ + $\frac{40}{15}$ اور $\frac{42}{52}$ ۔ $\frac{42}{52}$ میں آیا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور اے رسول ﷺ اسی طرح ہمنے آپکی طرف اپنی روح (کتاب لاریب) وحی فرمائی ۔

● ۲۔۳ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ سے یہ تصور لینا کہ آپ نے جھولے میں باتیں کی تھیں وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا $\frac{35}{42}$ کے مطابق صحیح نہیں ۔ کہ اے مخاطب تو اللہ کی سنتِ جاریہ میں کبھی تبدیلی نہیں پائیگا ۔ نبی کا تکلم اللہ کا پیغام پہنچانا ہوتا ہے ۔ مہدًا کا معنی محاورہ کے طور پر کم عمر نوجوان کا کارِ تبلیغ بجالانا ہے ۔ جیسے کہ کم عمر نوجوان کو جھولے کا بچہ محاورۃً کہا جاتا ہے ۔ اسکے علاوہ حضرت مسیحؑ کیلئے جو کہلاً کا لفظ آیا ہے اس سے ثابت ہے کہ آپ ادھیڑ عمر تک کارِ تبلیغ بجالاتے رہے ، آپکا نوجوانی ہی میں کارِ تبلیغ سے الگ ہوجانا یا الگ کرلیا جانا ازروئے قرآن غلط ہے ۔

● ۴ کتاب و حکمت ایک چیز ہے دو نہیں ۔ $\frac{36}{2}$ میں والقرآن الحکیم کے الفاظ سے ثابت ہے قرآن حکمت والا ہے حکمت قرآن کے اندر ہے باہر نہیں ۔ کتاب و حکمت کی درمیانی واؤ تعریفی ہے یعنی کتاب حکمت والی ۔

● ۵ طین کا معنیٰ کیچڑ ہے ، کیچڑ کے کھلونے ہی بنائے جاسکتے ہیں ، اور کھلونوں میں زندگی کا پیدا ہونا تو سنتِ جاریہ $\frac{35}{42}$ ہی کے خلاف ہے ۔ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو توہمات کے کیچڑ سے نکال کر آزاد ذہن سے سوچنے والے آزاد انسان بنادیا تھا ۔ تاکہ وہ ہر مسئلہ کو آزاد ذہن کیساتھ سوچنے سمجھنے کے بعد عقیدہ میں رکھیں ۔

● ۶ اللہ کا اذن اسکا قانون ہے ، جیسے سورہ اعراف $\frac{7}{57-58}$ میں آیا ہے :۔ ہم بارشیں برساتے ہیں ، اسکے ذریعہ اپنے رب کے قانون کیساتھ بِاِذْنِ رَبِّهٖ عمدہ زمین عمدہ فصل پیدا کرتی ہے اور ناقص زمین ناقص پیداوار جھاڑ بوٹ وغیرہ ہی اگاتی ہے ۔ اچھی زمین سے اچھی اور ناقص زمین سے ناقص پیداوار کا پیدا ہونا اللہ کا قانون ہے ، جیسے کہ بِاِذْنِ رَبِّهٖ کے الفاظ میں قانون کیلئے اذن کا لفظ لایا گیا ہے پس قرآنی لغت کے مطابق اذن بمعنی قانون بھی ہے ۔

● ۷ یہاں نفخ کا معنیٰ ہے تعلیم دینا ۔ $\frac{15}{29}$ + $\frac{38}{72}$ میں ملائکہ سے بزبانِ حال یہ کہنے کی خبر دی گئی ہے :۔ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ $\frac{15}{28-29}$ ، میں نوعِ بشر کو بدبودار سڑنے ہوئے کیچڑ سے پیدا کرنیوالا ہوں ۔ پھر جب پیدا کرنے کے بعد ارتقائی منازل سے گزار کر صحیح سالم کرلوں اور پھر جب اس میں اپنی روح (تعلیم $\frac{16}{2}$ + $\frac{40}{15}$) نفخ کردوں ۔ تو تم اسکے سامنے سجدہ ریز ہوجانا ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیدا کرچکنے اور صحیح سالم کرچکنے کے بعد روح پھونکنے کا کیا مطلب ؟ اسکا جواب اسکے سوا نہیں کہ جب اللہ کا شاہکارِ عظیم نوعِ انسانی (اپنے الگ انسانی جرثومہ سے پیدا ہونے کے بعد) ارتقائی منازل طے کرکے موجودہ شکل میں آئی ۔ تو اب اسے تعلیم ربانی کی ضرورت تھی جو انبیاءؑ کے ذریعہ نفخ ہوئی ۔ اور انسان ملائکہ سے سجدہ کروانے کے قابل ہوگیا چنانچہ اسوقت سے لیکر آجتک ملائکہ اسکے سامنے سجدہ ریز ہیں اور بدستور سجدہ ریز ہوتے چلے جارہے ہیں ۔

● ۸ طَارَ یَطِیْرُ کا مطلقاً معنیٰ ہے ہوا میں آزاد اُڑنا۔ طیر بمعنی پرندہ اور آزاد ذہن والا انسان بطور محاورہ آتا ہے۔

● ۹ الاکمہ کا معنیٰ ہے مادر زاد اندھا۔ یہاں یہ لفظ محاورہ کے طور پر اُس شخص کیلئے آیا ہے جسے الٰہی تعلیم پہنچی ہی نہ ہو۔

● ۱۰ ادر ابرص بمعنی چھلبہرا والا یعنی وہ جسے وحی کی تعلیم پہنچی مگر وہ آدھا سیاہ آدھا سفید تذبذب کا شکار ہو گیا۔

● ۱۱ یہاں الموتیٰ سے حقیقی مُردے مراد نہیں وہ تو قیامت کو نکالے جائینگے یہاں ایمانی مُردوں کو ایمانی زندگی دینا مراد ہے۔ جیسے کہ زمانۂ رسالتِ محمدی کے کمزور ایمان والوں کو کہا گیا:۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۸/۲۴ اے ایمان کے دعویدارو جب اللہ اپنے رسُول کے ذریعہ بلائے تو اسکے بلاوے کو قبول کیا کرو تاکہ وہ تمہیں ایمانی زندگی عطا کرے۔

● ۱۲ اِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کی تفسیر ۶۱/۱۴ میں آئی ہے فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ۔ ہمنے مسیحؑ اور اُسکے صحابہؓ کی دُشمنوں کے مقابلے پر مدد کی اور وہ غالب آگئے۔

● ۱۳ تقابلِ ضدین کے ذریعہ لفظ سحر کا معنیٰ تکرار بنا دیا گیا ہے جھوٹ:۔ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۔ ۴۶/۷ جب اُنکے پاس حق آیا تو کافروں نے کہا یہ کھلا جھوٹ ہے۔

قومِ بنی اسرائیل نے ہموار معاشرہ کا انکار کیا

● آیت بالا کے آخری الفاظ میں جو بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیش کردہ دلائل کو انکار کرنیوالوں نے کھلا جھوٹ قرار دیا۔ اُسکی تفصیل اگلی آیات مجیدہ میں آئیگی۔ کہ جب حضرت مسیحؑ نے ہموار معاشرہ کی تشکیل کا تصور پیش کیا تو اُسے جھٹلا دیا گیا۔ واضح رہے کہ حضرت مسیحؑ نے ہموار معاشرہ کو اپنا مطمح نظر قرار دیا:۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ ۳/۵۱ + ۵/۱۱۷ + ۱۹/۳۶ بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے میری تحریک کے نتیجے میں جو معاشرہ قائم ہوگا، اس میں مجھے کوئی خاص رعائتیں میسر نہیں ہونگی۔ ربوبیت کے لحاظ سے معاشرہ میں میرا اور تمہارا ایک ہی مقام ہوگا۔ لیکن قوم نے کہا یہ تو کھلا جھوٹ ہے، کیا کبھی معاشرہ کے تمام لوگوں کو ایک سطح پر لایا جاسکتا ہے؟

ہموار معاشرہ کا شوق

● ربطِ کلام کی اسی موافقت کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی تین آیات مجیدہ میں اصحابِ مسیحؑ کے شوق کا ذکر کیا گیا ہے جو اُن میں ہموار معاشرہ قائم کرنے کا پیدا ہوا۔ ملاحظہ ہو ارشادِ باری:۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا	اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے (اپنے نبی مسیحؑ کے ذریعہ) حواریوں کی طرف وحی فرمائی کہ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا ہم (تجھ پر اور تیرے رسول پر) ایمان لائے۔ اور (اے اللہ!) تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار
اور جب وحی کی میں نے طرف حواریوں کے کہ ایمان لاؤ	
بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا	
ساتھ میرے اور ساتھ رسول میرے کہا ایمان لائے ہم اور تو گواہ رہ ساتھ اسکے بیشک ہم	

مُسْلِمُوْنَ ○ ۱۱۱
فرمانبردار ہیں

ہیں (تیرے رسول مسیحؑ کی لائی ہوئی تعلیم ربوبیت کے قیام کیلئے ہمہ تن معروف ہیں)۔

● حضرت مسیحؑ کے مقدس صحابہؓ حواریوں نے ہموار معاشرہ کی ابتدائی ہدایات یعنی آپس میں معاشی مساوات قائم کرنے کی ابتدا کردی۔ یہ ہے بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ کا مفہوم۔ مُسلمون فرمانبرداروں کو کہا جاتا ہے صرف زبانی زبانی ایمان لانیوالوں کو نہیں۔ انہیں یہ شوق پیدا ہوا کہ اس معاشی مساوات کی اساس پر ایک حکومت پیدا ہوجائے جس میں سب لوگوں کے کھانے پینے کا بافراغت انتظام ایک بچھے ہوئے دستر خوان کی صورت میں ہر آن موجود ہو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیحؑ سے بالفاظ ذیل درخواست کی:۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
جب کہا　حواریوں نے　اے عیسیٰ بیٹے مریمؑ کے

هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً
کیا طاقت رکھتا ہے رب تیرا کہ نازل کرے اوپر ہمارے دستر خوان

مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ۱۱۲
میں سے آسمان کے۔ کہا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم مومن

وہ وقت قابل ذکر ہے جب (صحابہ مسیحؑ) حواریوں نے کہا کہ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ کیا تیرے رب میں یہ طاقت ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان نازل کرے (یعنی مساوی تقسیم رزق کا آسمانی نظام قائم ہوجائے جس میں کوئی محروم ربوبیت نہ ہو) مسیحؑ نے کہا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ کے قانون ربوبیت کی مخالفت سے) بچو (نزول مائدہ ہوجائیگا)۔

● اِس پر حضرت کے صحابہؓ نے جو نظام ربوبیت کے قیام کیلئے ہمہ تن معروف عمل تھے، عرض کیا کہ مائدہ کے متعلق ہمارا ارادہ یہ ہے:۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ
کہا انہوں نے ہمارا ارادہ ہے کہ ہم کھائیں بیچ سے اور مطمئن ہو جائیں

قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ
دل ہمارے اور ظاہر کریں ہم کہ بیشک سچ کہا تو نے اور ہم ہوں

عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ ۱۱۳　الربع
اوپر اُسکے میں سے گواہوں کے

(حواریوں نے) کہا ہم سب کا ارادہ یہ ہے کہ ہم سب اُس (دستر خوان) سے مساوی طور پر کھائیں۔ اور (معاشی مسئلہ کی طرف سے) ہم سب کے اذہان مطمئن ہوجائیں۔ اور ہم عملاً ظاہر کردیں کہ آپ نے سچ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے ($\frac{19}{36}+\frac{3}{5}$) اور ہم سب اِس (منصفانہ مساوی تقسیم رزق پر خود عینی) گواہ ہوجائیں۔

ہموار معاشرہ ہی عید ہے

● اِس پر حضرت مسیحؑ نے حضور الٰہی میں نزول مائدہ (یعنی ہموار و متوازن معاشی نظام کے قیام) کیلئے دعا فرمائی۔ دعا اپنے الفاظ کے حصول مقصد کیلئے سرگرم عمل رہنے کی تحریک ہوتی ہے اپنے عرض کیا:۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ ۱۱
کہا مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہ اے اللہ ہم سب کے (ایک

کہ عیسیٰ بیٹے مریم نے اے اللہ رب ہم سب کے نازل کر
عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا
اوپر ہمارے دسترخوان طرف سے آسمان کے ہو جائے واسطے ہمارے عید
لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا
واسطے پہلوں ہمارے اور پچھلوں ہمارے اور نشانی طرف سے تیرے اور ہمیں رزق دے
وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ۱۱۴
حقیقت یہ ہے کہ تو رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے

جیسے) رب ہم پر آسمان سے ایسا دسترخوان نازل فرما۔ کہ وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں سب کیلئے عید ہو جائے۔ (یعنی بار بار لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی بن جائے۔ سب کا معاشی مسئلہ حل ہو جائے) اور وہ تیرے قانونِ ربوبیت کی ظاہر نشانی ہو۔ (یعنی ہمیں سب کو متوازن و ہموار رزق عطا فرما) حقیقت یہ ہے کہ تو سب رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے ؎

● خیر الرازقین کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ کرۂ ارض پر تقسیم رزق کے جتنے بھی نظام ہیں یا ہونگے، اُن سب سے بہتر نظام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے ہموار و متوازن۔

عید کا قرآنی مفہوم

● لفظ عید کا سہ حرفی مادہ ع۔ و۔ د = عود ہے۔ اِس کا مصدری معنیٰ ہے لوٹ لوٹ کر آنا۔ اِسی مادہ سے مشتق ہے لفظ اعادہ۔ عربی ادب میں عید کا بنیادی معنیٰ ہے لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی۔ آیتِ بالا میں چونکہ عید کا لفظ المائدہ یعنی بچھے ہوئے دسترخوان کے ضمن میں آیا ہے۔ اسلئے یہاں عید کا معنیٰ صرف وہ خوشی نہیں جو سال کے بعد ایک مرتبہ آئے، بلکہ اس سے مراد وہ لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی ہے جو ہر روز ناشتہ، نہار، عصرانہ اور عشائیہ کی صورت میں مسلسل چار مرتبہ لوٹ لوٹ کر آتی رہے۔ اور یہی صورت، اطمینانِ قلب کی مشاہداتی تفسیر ہے۔ (جبتک معاشی مسئلہ حل نہ ہو، اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوتا)

● آیاتِ بالا سے روایاتی تفاسیر نے یہ تاثر دیا ہے کہ حواریوں کی اس درخواست پر کہ کیا آپکا رب آسمان سے مائدہ نازل کر سکتا ہے، حضرت مسیح نے حضورِ الٰہی میں نزولِ مائدہ کی دعا فرمائی کہ اُن پر آسمان کا پکا پکایا کھانا نازل ہوا کرے، حالانکہ جب ۳۵/۴۳ فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا کے مطابق اللہ تعالیٰ کی سُنّتِ جاریہ میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ آپکی نزولِ مائدہ کی دعا کا یہ مفہوم ہو کہ باری تعالیٰ اپنی سنت کو بدل کر آسمان سے روٹیاں نازل کرے)

● حقیقت یہ ہے کہ دعا اپنے آپکو عمل کی تحریک ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص یہ دعا کرتا ہے کہ بارالہا میرے کھیت کو لہلہاتی فصل کیا تھا بھردے۔ تو اُسکا یہ مطلب اخذ کرنا عقل سے دوری و مجبوری کی دلیل ہے کہ وہ کھیت میں ہل نہیں چلائیگا، بیج نہیں ڈالیگا، پانی نہیں دیگا، یہ سب کام اللہ تعالیٰ خود کر کے فصل پیدا کر دیگا۔ بلکہ اُسکی دعا کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ مقدور بھر سارے کام اللہ کے قانون کے مطابق ہمہ تن مصروفیت کیا تھ کریگا۔

● موجودہ سائنسی دور میں قوانینِ بہاریہ کی اہمیت یہانتک اجاگر ہو چکی ہے کہ جس کھیت سے کل تک دس بارہ من فی

اکبر پیدا وار میسر آئی تھی، آج اعلیٰ بیج اور عمدہ کھاد اور بھرپور محنت کے ذریعہ ذاتِ باری سے جو معاوضہ طلب کیا جارہا ہے وہ ساٹھ ستر من فی ایکڑ عطا فرمارہا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح سلام علیہ نے اپنے حواریوں کیساتھ مل کر نظامِ ربوبیت کے قیام کی انتھک کوشش کے بعد عرض کیا کہ بارِ الٰہا! میں اور میرے حواری تیرے تکوینی قوانین کے مطابق حصولِ رزق کیلئے بھرپور محنت کر رہے ہیں۔ اور اس محنت کے ماحصل کو تیرے تنزیلی قوانین کے مطابق پورے معاشرہ میں مساوی انداز کیساتھ تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ ہر شخص کا معاشی مسئلہ حل ہوجانے سے اُسے اطمینانِ قلب نصیب ہو۔ اور وہ عملاً ہموار و متوازن تقسیمِ رزق تیری ربوبیتِ عامہ کی ایسی نشانی بنے جو بشکلِ مشہود موجود ہو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ صرف لفظاً نہ ہو بلکہ عملاً سامنے آجائے۔ یہی ہے وہ عید جس کی طلب حضرت مسیحؑ نے حضورِ خداوندی سے فرمائی۔ جس کے حصول کیلئے انتھک کوشش جاری تھی۔ اس پر جنابِ باری سے جو جواب ملا، وہ اٹل قانونِ الٰہی کے مطابق انتہائی غور طلب ہے:-

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ
کہا اللہ نے بیشک میں نازل کرنیوالا ہوں اُسے اوپر تمہارے پھر جو

يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ
کفر کریگا بعد کو تم میں سے تو بیشک میں عذاب دونگا اُسے عذاب نہ

اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۱۵ ع ۵
کیا میں نے کسی ایک کو میں سے جہانوں کے

(اس پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (تمہاری بھرپور محنت اور انتھک کوشش کی بدولت) میں اُسے (مائدہ یعنی ہموار معاشرہ کو) تم پر نازل کرنیوالا ہوں۔ پھر اُسکے بعد جو کوئی کفر کریگا (یعنی اپنے حصے سے زیادہ لیگا) تو اُسے عذاب دونگا جو جہانوں میں کسی کو نہ دیا گیا ہو۔

● ہموار معاشرہ قائم ہوچکنے کے بعد پھر ذاتی مفاد پرستی کی بدولت اُس میں شگاف پیدا کرنیوالے کی جو سخت ترین سزا بتائی گئی ہے، وہ سزا موت تک ہوسکتی ہے کہ ایسے افراد کو جو متوازن معاشرہ کو پھر ناہموار و غیر متوازن کرنے کی کوشش کریں اُنہیں گولی ماردی جائے۔ اور دوسرے نمبر پر ایسی قوم جو متوازن معاشرہ کو غیر متوازن معاشرہ میں تبدیل کردے اُسکے لئے قوانینِ خداوندی میں غلامی اور ذلت کی بدترین سزا ہے۔ آج وہی نصاریٰ جن پر حضرت مسیح اور آپکے حواریوںؓ پر نزولِ مائدہ ہوگیا۔ یعنی ہر فردِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن حکومتِ وقت ٹھہری تھی اور ہر فردِ معاشرہ اطمینانِ قلب سے مالامال تھا۔ جب سے یہ قوم ذاتی مفاد پرستیوں میں اُلجھ گئی ہے اُسوقت سے اِس کی حالت یہ ہے کہ دنیا بھر کی نعمتوں کی موجودگی کے باوجود اطمینانِ قلب کی اُس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہوچکی ہے، جس کی خبر تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا سے عیاں ہے۔ نوعِ انسانی کے افراد سے آگے قوموں کے حقوقِ ربوبیت کی غصب پسندی ہر وقت کانٹوں پر لوٹا رہی ہے۔

● یہود و نصاریٰ ہوں یا مسلمان، خدا تعالیٰ کے قوانین سب کیلئے ایک ہیں۔ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ کی

طرح آنحضور کی سرکار ﷺ اور آپکے صحابہؓ کی کوششوں سے مسلمانوں پر بھی نزولِ مائدہ ہوا یعنی ہر فردِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن قرآنی حکومت تھی۔ جیسے کہ تاریخ کا مشہور ترین واقعہ اس پر گواہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے کندھوں پر اٹھا کر آٹا دال ضرورتمندوں کے گھر خود پہنچایا کرتے تھے۔ لیکن جب سے مسلمانوں نے ذاتی مفاد پرستی اختیار کر رکھی ہے، انکی درجنوں اسلامی سلطنتیں بھی دنیا میں پسماندگی کی ذلت کا شکار ہو چکی ہیں۔

نزول بمعنی انسانی محنت کا بدلہ

● نزول مائدہ کے سلسلے میں سب سے بڑا دھوکا اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً کے بعد مِّنَ السَّمَآءِ الفاظ سے لگتا ہے کہ جو چیز آسمان سے نازل ہوگی وہ کوئی پکا پکایا کھانا یا روٹی ہی ہو سکتی ہے۔ قرآنِ کریم میں نزول کے مصدری معنے پیدا کرنے کے بھی ہیں۔ اور ایک معنی یہ بھی آیا ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخفی خزانوں میں محفوظ کر رکھی ہیں انسان اُنکی تلاش کرے اور اللہ اُسے عطا فرمائے۔ جیسے کہ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ $\frac{57}{25}$ کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے لوہا پیدا کیا ہے اور دوسرا معنیٰ یہ ہے:۔ انسان نے ہمارے مخفی خزانوں سے لوہا تلاش کیا اور ہمنے اُسے عطا فرمایا۔

● نزول کے اِن معنوں کی تائید آیتِ ذیل میں موجود ہے:۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ $\frac{15}{21}$ اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن ہم نازل (یعنی عطا) اُتنا ہی کرتے ہیں، جتنا انسان تلاش کے بعد معلوم کرتا ہے۔ پس آیت مجیدہ $\frac{57}{25}$ + $\frac{15}{21}$ کے مطابق ثابت ہوا کہ نزول کا ایک مصدری معنیٰ انسان کی اپنی محنت کا ظہور بھی ہے۔

نزول من السّمآء کی اصطلاح

● نزول من السّمآء ایک قرآنی اصطلاح ہے، جس سے یہ غلط تصور پیدا کر لیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ پر آسمان سے پکے پکائے کھانے کا طشت نازل ہوتا تھا۔ اور خود نصاریٰ آجتک جھگڑتے چلے آ رہے ہیں کہ آسمان سے نازل شدہ خوان کی روٹی خمیری تھی یا فطیری۔ قرآنِ کریم نے نزول من السّمآء کو انسان کے اپنے اعمال کے ثمر کا ظہور بتایا ہے۔ جیسے کہ قوم بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ع $\frac{2}{59}$ پس ہم نے نافرمانی کرنیوالوں کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت اُن پر آسمان سے ذلت نازل فرمائی۔ دیکھئے جس طرح بنی اسرائیل پر ذلت اُنکی اپنی نافرمانیوں کا ثمر بتایا گیا ہے کہ وہ بارش کی طرح آسمان سے نہیں برسی تھی۔ اُسی طرح حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ پر بچھا ہوا دستر خوان (ہموار معاشرہ) آسمان سے نہیں برسا تھا بلکہ اُنکے اپنے اعمال اور جدّ و جہد کا ثمر تھا جسے آسمان سے نازل ہونے کی قرآنی اصطلاح میں بیان کیا گیا ہے۔

● اِس اصطلاح کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ کی محنت و کوشش سے معاشرہ میں ایسا متوازن و ہموار معاشی نظام قائم ہوا جو ہر کسی کیلئے بچھے ہوئے دستر خوان کی مانند تھا۔ جس پر سے قیامِ معاشرہ

میں آگے بڑھ کر کام کروانے اولین افراد بھی مساوی کے حقدار تھے جنہوں نے اسکے قیام میں تکلیفیں برداشت کیں اور وہ افراد بھی مساوی کے حقدار تھے جو بعد میں شامل ہوئے۔ یعنی معاشرہ کا اوّل و آخر اور اعلیٰ و ادنیٰ سب کو معاشی لحاظ سے بہرہ یاب ہونے کا قانونی حق حاصل تھا۔ یہ تھی اُن سب اوّل و آخر اور اعلیٰ ادنیٰ کی بار بار لوٹ کر آنیوالی عید، جس پر سب کے قلوب مطمئن تھے۔ اور یہ ہموار و متوازن معاشرہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمین کی بشکل مشہود دکھائی دینے والی نشانی تھی وَاٰيَةً مِّنْكَ ۵/۱۱۴۔

● آیاتِ بالا میں متوازن معاشرہ کو اللہ کی نعمت یعنی ہر فردِ معاشرہ کیلئے روزانہ لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی عید بتانے کے بعد پھر ۵/۱۰۹ میں مذکور قیامت کے دن تمام رسولوں کو جمع کر لیا جائیگا اور اُن سے جواب طلبی کی جائے گی۔ حضرت مسیحؑ سے آپ کی قوم کے متعلق کی جانیوالی جواب طلبی کا نقشہ بالفاظِ ذیل کھینچا گیا ہے:-

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ

اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا

اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ

تو نے کہا لوگوں کو پکڑو مجھے اور میری ماں کو دو الٰہ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ

سوائے اللہ کے۔ کہا تو پاک ہے نہیں لائق واسطے میرے کہ

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ

کہوں وہ جو نہیں واسطے میرے ساتھ حق۔ اگر میں نے وہ کہا تو ضرور تو جانتا ہے اُسے

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ

تو جانتا ہے جو بیچ جی میرے ہے اور نہیں جانتا میں جو بیچ جی تیرے ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ ۱۱۶

بیشک تو ہی بہت بڑھکر جاننے والا ہے غیبوں کا

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ کہیگا (قیامت کو) اے عیسیٰ بیٹے مریمؑ کے کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا تم دو الٰہ اور ٹھہرالو۔ (عیسیٰ) کہیگا اے اللہ تو (شریکوں سے) پاک ہے میرے لئے یہ لائق نہیں تھا کہ میں وہ کچھ کہتا، جس کا مجھے حق نہیں (میرا حق صرف تیرا پیغام پہنچانا تھا) اگر میں نے اُسکے خلاف کچھ کہا تو تو اُسے جانتا ہے۔ تو اُسے جانتا ہے جو میرے جی میں ہے میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ بیشک تو غیبوں کو بہت بڑھکر جاننے والا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ

نہیں کہا میں نے واسطے انکے سوائے جو حکم کیا تو نے مجھے ساتھ اُسکے کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ

بندگی کرو اللہ کی۔ رب میرا اور رب تمہارا۔ اور تھا میں اوپر اُنکے

میں نے اُنہیں اُسکے سوا نہیں کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ واکیلے) کی فرمانبرداری کرو۔ جو میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے۔ اور میں اُن پر اُس وقت تک نگران تھا جبتک میں اُن میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے

شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ

نگران۔ جبتک رہا میں بیچ اُن کے۔ پھر جب تو نے مجھے فوت کر دیا، تھا تو

أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ ۱۱۷

تو ہی نگران اور اوپر اُنکے۔ اور تو اوپر ہر چیز کے گواہ ہے

فوت کر دیا تو اُن پر صرف اور صرف تو ہی نگران تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تو اوپر ہر چیز کے خود عینی گواہ ہے۔

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ

اگر تو عذاب کرے تو بیشک وہ ہیں بندے تیرے اور اگر تو معاف کرے

لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ۱۱۸

واسطے اُنکے تو بیشک تو تو ہے غالب حکمت والا

(بارِ الٰہا) اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں (جنہوں نے توبہ نہیں کی وہ ضرور عذاب کے مستحق ہیں) اور جنہیں تو معاف کرے (وہ وہی ہونگے جنہوں نے توبہ کر لی) بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

● اِسکے جواب میں حضورِ خداوندی سے آپکو یہ جواب ملیگا کہ آج کے دن سچے ہی اپنی سچائی کی بدولت فائدے میں رہینگے:۔

قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ

کہیگا اللہ یہ وہ دن ہے فائدہ دیگی سچوں کو

صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

سچائی اُنکی واسطے اُنکے باغات ہیں چلتی ہیں میں نیچے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللَّهُ

نہریں ہمیشہ رہنے والے اُس میں ہمیشہ۔ راضی ہوا اللہ

عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ ۱۱۹

اُن سے اور راضی ہوئے وہ اُس سے وہی کامیابی ہے بڑی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائینگے (کہ ہمارے قانون میں کوئی لچک نہیں ہے) آج کا دن وہ ہے کہ سچے ایمان والوں ہی کو اُنکی صداقت فائدہ دیگی۔ اُنکے لئے ایسے باغات ہیں کہ اُنکی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (اُنکے نیک اعمال کی بدولت) اللہ اُن پر راضی ہو چکا اور وہ (اُسکے ضابطہ پر عمل کرکے) اُس پر راضی ہو چکے۔ وہ (مذکورہ رضاءِ الٰہی کا حصول ہی) سب سے بڑی کامیابی ہے۔

نصارٰی کے ہر سہ عقائد کا ابطال

● پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ آیت نمبر ۷۲ میں نصارٰی کے عقیدہ "مسیح ابن اللہ" کا ابطال کیا گیا ہے اور آیت نمبر ۷۳ میں عقیدہ تثلیث کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اور اِس آیت نمبر ۱۱۹ میں نصارٰی کے عقیدہ کفارہ کو غلط ٹھہرا دیا ہے اور اُنکی اُس بنیادی چیز کو ہی افترٰی محض قرار دیدیا ہے جس پر مروجہ مسیحیت کی بنیاد قائم ہے کہ مسیحؑ کی صلیب پر ایمان لانا جملہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ آیت نمبر ۱۱۶-۱۱۷ میں خود مسیح ہی کی زبان سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ وہ قیامت کو اُنکی سفارش کرنے کی بجائے یہ اعلان کرینگے کہ جب تک میں اِن میں موجود رہا میں نے انہیں عقیدہ تثلیث ایجاد نہیں کرنے دیا۔ یہ میرے بعد کی پیداوار ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے آیتِ بالا میں اعلان کر دیا ہے کہ قیامت کو صرف سچوں کو اُنکے سچے اعمال ہی فائدہ پہنچا سکینگے، کفارہ کے

عقیدہ کی کوئی حقیقت نہیں ۔ یہ ایجادِ بندہ ہے ۔

قیامت کی کامیابی اعمال صالح کیساتھ وابستہ ہے

● مختلف امتوں کے ہاں قیامت کی نجات کیلئے الغرض ہ اور سفارش کے مختلف عقائد چل رہے ہیں ۔ مگر خود حضور خاتم النبیین رحمتہ للعلمین کے متعلق بھی خداوندِ عالم نے بتادیا ہے کہ قیامت کو آپ بھی اپنی امت کا مآل دیکھ کر ارشاد فرمائینگے :۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ۲۵/۳۰ اور (قیامت کو رسولِ عربی) کہینگے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے (میرے بعد) اِس قرآن کو (چھوڑ دیا تھا) اس طرح پکڑا ہوا تھا جس طرح چھوڑا ہوا ہوتا ہے ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سورہ مائدہ کی آخری آیت ہے جس میں ایسے دو مسائل کا فیصلہ دیدیا گیا ہے جو ہر معاشرہ میں فساد کی جڑ ہیں ۔ پہلا مسئلہ ہے ذاتی ملکیت کا اور دوسرا ہے نیکی اور برائی کا پہلے سے لکھا ہوا ہونا ۔ زمین و آسمان کی ہر چیز کو ملکیت قرار دیا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ۔ اور ہر چیز کے وقوع کیلئے اللہ تعالیٰ نے قوانین متعین کئے ہیں

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے واسطے اللہ کے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی وَمَا فِیْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ۱۲۰ ع اور جو ہے درمیان اُن دونوں کے اور وہ ہر چیز کے قانون متعین کرنیوالا ہے	آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور وہ بھی جو اُن دونوں کے درمیان ہے، سب کے سب پر اللہ کی حکومت ہے (سب اُسی کی ملکیت ہے) اور وہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین مقرر کرنیوالا ہے ۔ ع ۱۶

● اس حقیقت سے کسی بھی حقیقت شناس فرد کی مجالِ انکار نہیں کہ معاشرہ میں ذاتی ملکیت کا تصور فساد کی جڑ ہے ۔ اور ہر فردِ معاشرہ کا ضروریاتِ زندگی کا مساوی طور پر حقدار ہونا ضامنِ امن ہے ۔ ذاتی ملکیت کا نامراد تصور، زیادہ سے زیادہ مال جمع کرکے عوام کے استحصال کی ایسی راہیں کھول دیتا ہے کہ ہر طرف لوٹ کھسوٹ مچی ہوتی ہے ۔ اِسلئے قرآنِ کریم میں ہر فردِ انسانیہ کا حق بتایا گیا ہے :۔

● وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۝ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اور اے نوعِ انسانی تمہارا حق ہے کہ زمین میں تمہارا مکان (بلا کرایہ) اپنا ہو اور زندگی کے آخری سانس تک تمہیں ضروریاتِ زندگی میسر آتی رہیں ۔ پس خدا تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں مکان اور جملہ ضروریاتِ زندگی سے کوئی شخص محروم نہ پایا جائے ۔ اور کسی فردِ معاشرہ کو استحصال کے مواقع میسر نہ ہوں ۔ اِن حدود میں رہکر معاشرہ سے شر و فساد مطلقاً ختم ہوجاتا ہے اور ہر طرف امن ہی امن کی فضا قائم ہوجاتی ہے ۔

● دوسری چیز جو معاشرہ کو شر و فساد سے بھر کر رکھ دیتی ہے وہ ہے یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ پہلے

سے لکھ دیا ہُوا ہے کہ فلاں مالدار ہوگا اور فلاں بھوکا ننگا ۔ اُس نے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ فلاں نیکوکار ہوگا اور فلاں بدکار ۔ واضح رہے کہ معاشی ناہمواری کو پہلے ہی سے خود لکھ دینا تو اللہ تعالیٰ کی صفتِ اوّل ربّ العٰلمین ہی کے خلاف ہے ۔ اور ہر فرد کے متعلق پہلے ہی سے لکھ دینے کا نظریہ کہ فلاں نیکوکار ہوگا اور فلاں بدکار، خدا تعالیٰ کے پورے قانونِ مکافاتِ عمل کو باطل کر دیتا ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی لکھ کر برائیاں کرواتا ہے اور خود ہی سزا دیتا ہے ۔ العیاذُ باللہ! دونوں نظریے از روئے قرآنِ کریم غلط ہیں ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سے جملہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ معاشرہ میں معاشی ناہمواری حکومتیں پیدا کرتی ہیں، اللہ نہیں کرتا ۔ جیسے کہ ۲۸/۴ میں فرعون کے متعلق بتایا گیا : ۔ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ۔ فرعون نے عوام کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا ۔ ایک طبقہ کو اُس نے معاشی کمزوری کا شکار کر دیا تھا ۔ اِسکے برخلاف انبیاء سلام علیہم نے جو نظام قائم فرمایا اُس میں معاشی طبقات موجود نہیں تھے ۔ حقِ ربوبیت کے لحاظ سے جملہ افرادِ معاشرہ ایک ہی سطح کے حقدار تھے صرف تقسیم مدارجِ اعمال کے لحاظ سے تھی ۔ پس ثابت ہُوا کہ معاشی ناہمواری سُنّتِ فرعون ہے ۔ اور :۔

مسئلہ جبر و اختیار ● اِس مسئلہ کے ضمن میں کہ ہر کسی انسان کی قسمت میں لکھا ہُوا ہے کہ وہ اتنی چوریاں، اتنی بدکاریاں کریگا ۔ اتنے قتل اور اتنے ڈاکے ماریگا، یا یہ کہ نوعِ انسانی کا خدمتگار اور نیکوکار ہوگا ۔ نیز یہ کہ ہر انسان اپنے متعلق خدا تعالیٰ کے لکھے پر عمل کرنے کیلئے مجبورِ محض ہے غلط ہے ۔ قرآنِ کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبعی زندگی میں مجبور اور عملی زندگی میں بااختیار ہے ۔ طبعی زندگی میں قانونِ خداوندی کے مطابق موت ہی کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہے اور عملی زندگی میں شَتّٰى ۴۱/۴ کے مطابق اچھے یا بُرے جیسے بھی عمل کرتا ہے خود کرتا ہے اور جزا سزا کا خود مستحق ٹھہرتا ہے :۔

● مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ۴۱/۴۶ جو کوئی اچھے عمل کریگا خود کریگا اُنکی جزا اُسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی بُرے عمل کریگا، خود کریگا، اُنکی سزا اُسکے اوپر ہے ۔ تیرا رب (خود بُرے عمل کروا کر) بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں ۔

● حضرتِ انسان کے لئے تو جبر و اختیار کی یہ حدیں مقرر کر دی گئی ہیں ۔ مگر اسکے علاوہ کائنات کی ہر چیز کیلئے الگ الگ قوانین مقرر کر دیئے گئے ہیں جن کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہر چیز مصروفِ عمل ہے ۔ سورہ مائدہ کے آخری جملہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ میں مذکورہ نظامِ خداوندی کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح انداز سے پیمانے اور قوانین مقرر کرنیوالا ہے ۔ اِس جُملہ کی قرآنی لغت سورہ آل عمران میں موجود ہے کہ جنگِ اُحد میں چند صحابہؓ کی غلطی سے شکست ہو گئی تو صحابہؓ نے کہا یہ کہاں سے آ گئی تو بتایا گیا ہے :۔

لفظ قدیر کی قرآنی لغت • اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۳/۱۶۵ = اور کیا جب تمہیں شکست کی مصیبت آئی، حالانکہ تم اس سے دگنی شکست انہیں دے چکے ہو۔ تم نے کہا یہ شکست کہاں سے آگئی؟ اے رسولؐ! کہدیجیئے گا کہ یہ تمہارے افراد کی طرف سے آئی ہے (یونہی نہیں آگئی)۔

• اس سے آگے آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۳/۱۶۵ = بیشک اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔ (جنگِ بدر میں جب تمہارے عمل ہمارے فتح کے قانون کے مطابق تھے تو فتح ہوگئی تھی، مگر جب جنگِ اُحد میں تمہارا عمل شکست کے قانون کے مطابق ہوا ہے تو شکست ہوگئی ہے۔ ہمارے قانون میں لوچ لچک ہرگز نہیں ہے)۔

• سورہ مائدہ کی آخری آیت مجیدہ میں معاشرہ کی دو بنیادی برائیوں ذاتی ملکیت اور پہلے سے لکھی ہوئی برائیوں کے فساد انگیز نظریہ کی جڑ کاٹ دیگئی ہے کہ ذاتی ملکیت پیدا کرنے اور بڑھانے کیلئے نوعِ انسانی ہر ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے میں لگی ہوتی ہے اور پہلے سے لکھی ہوئی برائیوں کے نظریہ سے انسان برائیوں پر دلیر ہوجاتا ہے کہ یہ سب کچھ میری قسمت میں پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ العیاذ باللہ!۔

• رضاءِ الٰہی یہ ہے کہ نوعِ انسانی ناجائز طریقوں سے مال حاصل نہ کرے اور برائیوں سے کنارہ کش ہوجائے تاکہ معاشرہ جنت بدوش ہوجائے اور ہر طرف سلاماً سلاماً کی گونج اٹھ رہی ہو۔

رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۲۳/۹۷-۹۸

بحمد اللہ!

سُورۃُ المائدہ ختم شد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ۝ ۲۵/۳۳

(اے رسول مقبولؐ) لوگ آپ کے پاس اس کی مثل نہیں لائیں گے ۔ مگر ہم آپ کے پاس اپنا حق (قرآن مجید) اور اس کی احسن تفسیر لائے ہیں ۔

سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ

فَاسْتَمْسِکْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْکَ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ وَاِنَّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ۴۳ / ۴۴-۴۳

ترجمہ :۔ (اے رسولؐ) تو اس کلام کو جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے ۔ مضبوطی سے پکڑ لے ۔ کیونکہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں ۔

اور یہ (کلام) آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے تذکرہ ہے ۔ تم سب سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا ۔

● یہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآن مجید کی چھٹی سورہ مجیدہ ہے۔ انعام نام پانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم ربوبیتِ عالمین کا علمبردار ہے جو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ یعنی ربوبیتِ عالمین سے شروع ہوتا اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی آخری سورت پر یعنی ربوبیتِ النّاس پر ختم ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن کریم ربوبیتِ عامہ ہی کی دو بریکٹوں میں گھرا ہوا ہے۔ سورہ انعام سے پہلی ملحقہ سورت مجیدہ "المائدہ" یعنی "کھانوں سے چنے ہوئے دسترخوان" کے نام سے موسوم ہے جو ربوبیتِ عامہ ہی سے متعلق ہے۔ اِس سورہ مبارکہ انعام نے بھی ربوبیتِ عامہ ہی کی اساس پر اَلْاَنْعَام نام پایا ہے کہ المائدہ یعنی دسترخوان کی بہترین نعمت گوشت ہے جو اُن چارہ خور چوپاؤں سے بافراط میسر آتا ہے جن کے حلال ہونے کی خبر سورہ مائدہ کی ابتدا ہی میں دیدی گئی ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ٥/١ -

۲ ● واضح رہے کہ قرآن مجید کی پانچ سورتیں ایسی ہیں جو حمدِ باری یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہیں۔ سورہ فاتحہ ۱، سورہ انعام ۶، سورہ کہف ۱۸، سورہ سبا ۳۴ اور سورہ فاطر ۳۵۔ بالفاظِ دیگر پورا قرآن مجید پانچ حمدوں کے پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے نمبر پر تو سارے کا سارا قرآن مجید ابتدا ہی میں سورہ فاتحہ کی ابتدا میں آمدہ حمدِ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر و تفصیل ہے۔ اور دوسرے نمبر پر قرآن کریم کی پانچ سورتوں کی ابتدا میں انہی مقدس الفاظ کا اعادہ کر دیا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر جہاں خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کائنات کا گوشہ گوشہ بزبانِ حال خدا تعالیٰ کی حمد و ستائش میں ہر لحظہ مصروف عمل ہے، اُسی طرح اُسکی قولی کتاب کا ہر حصہ اپنے قاری کے ذریعہ بزبانِ قال مصروف حمد ہے۔

● آگے بڑھنے سے پہلے قرآن مجید کی پانچوں سورتوں کی ابتدائی حمد کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں پہلی سورت کی حمد یہ ہے:-

● اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ۱/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام کے تمام جہانوں کی ربوبیت کا سامان مہیا کرنے والا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسلئے لائق حمد و ستائش ہے کہ وہ عالمین کیلئے سامانِ نشوونما مہیا کرنے کا ضامن ہے)۔ قرآن کریم میں نازل کردہ حمدِ ثانی سورہ انعام کی ابتدا میں بالفاظِ ذیل مذکور ہے:-

● ۲ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۶/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے (اِس عظیم کائنات میں سب کے سب) آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ـــــ تیسری حمد سورہ کہف کے ابتدائی الفاظ ذیل میں نازل فرمائی گئی :۔

● ۳ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا ؕ ۱۸/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ) پر (۴۷/۲) اپنی کتاب نازل فرمائی اور اُس میں کوئی ٹیڑھ پن نہیں رکھا۔ (نوعِ انسانی کی رُشد و ہدایت کیلئے ایک متوازن ضابطۂ حیات عطا کر دیا ہے ـــــ چوتھی حمد سورہ سبا کی ابتداء میں آئی ہے :۔

● ۴ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ○ ۳۴/۱ = سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو وہ عظیم الشان ذات ہے کہ جو کچھ بھی پورے کے پورے آسمانوں اور پوری زمین میں ہے سب کا سب اُسی کی ملکیت ہے اور آخرت میں بھی صرف اُسی کے لئے حمد و ستائش ہے اور وہ بہت بڑا حکمت دانا اور بہت بڑھ کر صحیح صحیح خبریں رکھنے والا ہے ـــــ پانچویں حمد سورہ فاطر میں آئی ہے :۔

● ۵ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۳۵/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو سب کے سب آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے ـــــ اِن پانچوں حمدوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سب کی سب حمد و ستائش کا سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے ۶/۱ + ۳۵/۱ اِس پوری کائنات کی جملہ موجودات کا حال وہی اکیلا جاننے والا ہے ۳۴/۱ اور وہی ایک اکیلا ہے جو پوری کائنات کے پورے عالمین کیلئے سامانِ نشو و نما مہیا کرنیوالا ہے ۱/۱ اور وہی عظیم الشان ذات ہے جس نے نوعِ انسانی کیلئے ایک ہی متوازن ضابطۂ حیات سابقہ انبیاء پر نازل فرمایا ۲۶/۱۹۶ ۔ اور اسی کو آخری بار اپنے پاکیزہ بندے جناب محمد رسول اللہ کے ذریعہ عطا فرما دیا ۱۸/۱ ۔

● سورہ انعام میں تخلیقِ کائنات، وحدتِ باری، فرائضِ رسالت معہ آنحضور سلامٌ علیہ کے دائرۂ اختیارات کی وضاحت، کفالتِ قرآن اور ملتِ ابراہیمؑ کی توضیح، آنحضور سلامٌ علیہ کا خالص قرآن کریم کا متبع ہونا، لوگوں کے ایمان نہ لانے کی بدولت آپکے رنجیدہ خاطر رہنے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے تسلی و تشفی، روزِ مکافات اور جملہ انبیاء سلامٌ علیہم پر بھی قانونِ مکافاتِ عمل کے لاگو ہونے کی وضاحت وغیرہ بہت سے مسائل کی تفصیل و تشریح کر دی گئی ہے۔ اِسی سورہ مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت فرمانا اپنے ذمہ فرض قرار دے رکھا ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ لیکن چونکہ اُس نے نوعِ انسانی کو اعمال کے لحاظ سے صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا ہے، اسلئے جب انسان سرکشی اور نافرمانی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت کی بدولت توبہ اور اصلاح کی گنجائش رکھدی ہے۔ لیکن جب انسان نافرمانیوں اور سرکشیوں پر استقامت کر کے اپنے لئے توبہ کا دروازہ خود بند کر لیتا ہے تو گویا وہ رحمتِ خداوندی سے اپنے آپکو خود محروم کر لیتا، اور خود ہی عقوبتِ خداوندی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ یہ سورہ مجیدہ حمدِ باری سے شروع ہو کر متعدد مسائل کی تشریح، اچھے اور بُرے لوگوں کے حالات بیان کرتی ہوئی اِس عنوان پر آکر ختم ہوتی ہے کہ انسان خود ہی رحمتِ باری کا مستحق ٹھہرتا ہے اپنے اچھے عملوں کیساتھ اور خود ہی

اُسکی عفو یا سزا کا مستحق بنتا ہے اپنے بُرے عملوں کیساتھ۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اُسکے اپنے ہی اچھے اور بُرے عملوں کا بدلہ دیتا ہے۔ اسطرح وہ سریع العقاب بھی ہے اور غفور رحیم بھی ہے اِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ۶/۱۶۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
سب تعریفیں واسطے اللہ کے جس نے پیدا کیا آسمانوں

وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ؕ ثُمَّ
اور زمین کو اور ٹھہرایا اندھیرا اور روشنی پھر بھی

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝ ۱
جو لوگ انکار کرتے ہیں ساتھ رب اپنے کے برابر کرتے ہیں

(کائنات کے ہر گوشے میں) سب کی سب حمد و ستائش صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اور (اُن میں نظام شمسی اور قمری قائم کر کے اندھیرے اور روشنی پیدا فرمائی[علے] (اِن اندھیروں اور روشنی کے ذریعہ وہ ربوبیت عالمین کے لئے فصلیں اور پھل پیدا کرتا ہے) پھر بھی حقائق کا انکار کرنے والے (اوروں کو) اپنے ربوبیت کرنے والے کے برابر قرار دیتے ہیں۔

● علے جعل الظلمت والنور سے غلط عقائد اور توہمات کے اندھیرے اور اُنکے مقابلے پر قرآنی رُشد وہدایت کی روشنی بھی مراد ہے لیکن چونکہ عین متصل ماقبل ذکر ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا' اسلئے یہاں سرفہرست وہ اندھیرا اور روشنی مراد ہے جو تخلیق ارض وسماوات سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظامِ شمسی اور قمری کے قیام اور زمین کی محوری گردش کے ذریعہ ایسا نظام قائم کر دیا ہے' جس کی بدولت سورج کے سامنے والے حصۂ زمین پر روشنی ہوتی ہے اور جو حصہ سورج کے سامنے سے گزر جاتا ہے وہاں اندھیرا ہوتا ہے۔ رات کے وقت چاند کی روشنی بھی سورج کی ہے چاند کی نہیں پھر ظلمت کا لفظ چونکہ بصیغہ جمع آیا ہے اسلئے واضح کر دیا گیا ہے کہ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے مجازی اندھیرے ہیں جو کفر، شرک، منافقت، باطل رسومات اور خود ایجاد کردہ توہمات کی پیداوار ہیں۔ لوگ اُنہیں روشنی ٹھہراتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھیرے قرار دیا ہے' جن میں نوعِ انسانی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔

اندھیرے بہت سے مگر روشنی ایک

● لیکن یاد رہے کہ ظلمت بصیغہ جمع کے مقابلے پر النور بصیغہ واحد لا کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ النور صرف اور صرف قرآن اکیلا ہے جس کے مقابلے پر کفر، شرک، بدعت، باطل آبائی رسومات اور ہر قسم کے توہمات کے سب اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے قرآن کریم کو متعدد مقامات پر رُشد و ہدایت دینے والا نور قرار دیا ہے :-

۱- یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ ۴/۱۷۵ اے نوعِ انسانی ابلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل قاطع آگئی ہے یعنی ہمنے تمہاری طرف واضح نور نازل کر دیا ہے۔

۲- فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

۱۵۷/۷ پس جو لوگ اُس (ہمارے رسُول ﷺ) پر ایمان لائیں اور اُسکی تعظیم کریں اور اُسکی مدد کریں اور اُس نور کی اتباع کریں جو اُسکے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہیں۔

۳- فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ۸/۶۴ پس ایمان لاؤ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسُول (محمد عربی ﷺ) کیساتھ اور اُس نور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے ——— دیکھئے! ان آیات کریمات میں اُس چیز کو نور بتایا گیا ہے جو آنحضور نبی اکرم پر نازل فرمایا گیا ہے اور وہ ہے صرف قرآنِ کریم ۲/۴۷ پس حصُولِ رُشد و ہدایت کیلئے قرآن کریم نور ہے - روشنی ہے اور یہی واجب الاتباع ہے۔

رجُوع الی المطلب ● سلسلۂ درس کی آیت اوّل ۱/۹ میں تخلیق کائنات کا ذکر کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں انسانی تخلیق کا تذکرہ لایا گیا ہے کہ اللہ نے انسان کی ابتدا مٹی سے کی، اُسکے بعد نطفہ سے پیدا کر کے موت کے حوالے کر رہا ہے:-

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓی
وہی ہے جس نے پیدا کیا تمکو میں سے گیلی مٹی کے پھر مقرر کردی

اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ
معیاد - اور معیاد ہے نام رکھی گئی اُسکے ہاں پھر تم

تَمْتَرُوْنَ ۝ ۲
شک کرتے ہو

(اللہ ہی) وہ عظیم الشّان ذات ہے جس نے (اے نوعِ انسانی!) تمہیں گیلی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر (تمہاری طبعی زندگی کی) میعاد بھی مقرر کردی - اور اُسکے ہاں (مکافاتِ عمل کیلئے) نام رکھی ہوئی (یعنی قیامت کی) میعاد بھی مقرر کردی گئی ہے - پھر بھی تم ہو کر (اُس کی جوابدہی میں) شک کرتے ہو۔

● ۱؎ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ سے مراد یہ نہیں کہ اوّلین انسان کا بُت بنایا گیا تھا - بلکہ مِنْ طِیْنٍ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ نوعِ انسانی کو گیلی مٹی سے یعنی زمین میں سے پیدا کیا گیا تھا - جیسے کہ قرآنِ کریم کے چار مقامات پر اسکی تائید کی گئی ہے:-

۱- هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا ۱۱/۶۱ اُس نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کردیا۔

۲- وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۷۱/۱۷ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا ٹھیک ٹھیک پیدا کرنا۔

۳- هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۵۳/۳۲ وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا تھا۔

۴- مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ۲۰/۵۵ ہمنے تمہیں اس (زمین) میں سے پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹا دیتے ہیں اور اسی میں سے (قیامت کو) تمہیں دوبارہ نکال لینگے۔

● دیکھئے آیات کریمہ مذکورہ بالا میں بار بار بتایا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کو زمین میں سے پیدا کیا گیا ہے - (مزید وضاحت کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم کا صفحہ ۱۷۵ کی نیچے سے دوسری سطر سے صفحہ ۱۷۶ ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲؎ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مستقل قانون بنایا ہے کہ ہر فردِ بشر زندگی گزار کر بالآخر مرجاتا ہے

یہاں اجل کا معنیٰ ہے عمر کی انتہا۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی الگ الگ عمر لکھ دی ہے کہ کسی کی ایک دن یا ایک گھڑی اور کسی کی ایک سال اور کسی کی سو سال؟

انسان کی طبعی عمر

● انسان کی طبعی عمر کی وضاحت سورہ حج میں کردی گئی ہے بڑھاپے تک۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:- فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۤءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۲۲/۵

(مفہوم) بیشک ہمنے تمہاری ابتدائی پیدائش مٹی سے کی۔ پھر افزائش نسل نطفہ سے ٹھہرائی۔ پھر رحم مادر میں جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے نقش نمایاں اور غیر نمایاں سے تاکہ ہم تم پر واضح کردیں (کہ ہم اربوں کھربوں صورتیں ایکدوسری سے مختلف بنا سکتے ہیں) اور ہم اپنے قانون مشیت کے مطابق تمہیں ایک مقررہ مدت کیلئے مادر کے رحم میں رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں ہم بچے کی صورت میں پیدا کرتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ پھر تم میں سے بعض ایسے ہیں جو (حوادثات کے ہاتھوں طبعی عمر تک پہنچنے سے) روک لئے جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو (اپنی طبعی عمر یعنی) ناکارہ عمر تک پہنچ جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے باوجود کچھ نہ جانیں۔

● دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں انسان کی طبعی عمر بتائی گئی ہے وہ وقفہ جس میں انسان ایک عالم فاضل ہوتے ہوئے سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اگر اس سے پیشتر کوئی بیماری، حادثہ، ایکسیڈنٹ وغیرہ پیش آجائے تو اسے مَنْ يُّتَوَفّٰى کے الفاظ میں بصیغہ مجہول مَالَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ بیان کیا گیا ہے۔ ان بیماریوں اور حادثوں پر قابو پانا انسانی فریضہ ہے تاکہ ہر انسان اپنی طبعی عمر پا سکے۔ حادثات پر قابو پانے کیلئے چوکوں میں سپاہی کھڑا کرنا، تاکہ مخالف سمتوں سے آنیوالی گاڑیاں ٹکرانے نہ پائیں، یہ بھی ہر انسان کے طبعی عمر تک پہنچنے میں ایک صحیح پیش رفت ہے، نیز سڑکوں اور ریل کی لائنوں کو ڈبل کر کے حادثات کو روکنا بھی اسی سمت کا ایک اہم اقدام ہے۔

● اسکے علاوہ بیماریوں پر قابو پانے کیلئے ماڈرن تشخیص گاہوں میں اعلیٰ ترین آلات نصب کرنا بھی اسی سمت کو اہم پیش رفت ہے اور ہر پیدا ہونیوالے بچے کو ہر بیماری کے کامیاب ٹیکے لگانا بھی انسان کو اسکی طبعی عمر تک پہنچنے کی راہ سے رکاوٹیں دور کرنے کا قابل قدر اقدام ہے۔ جیسے کہ چیچک کے کامیاب ٹیکوں کی بدولت ۱۹۷۸ء سے اشتہار دیدیا گیا ہے کہ چیچک کا ایک بیمار دکھاؤ اور پانچ ہزار روپیہ انعام پاؤ۔ ٹی بی کا علاج ایجاد ہو چکا ہے، کینسر، دمہ اور فالج وغیرہ جو مَنْ يُّتَوَفّٰى کے فاعلوں میں سے ہیں، ان امراض اور حوادثات پر قابو پالینا انسان پر لازم ہے۔ جب ایسا کر لیا گیا تو ہر شخص طبعی عمر کو پہنچیگا، لیکن یاد رہے کہ موت کا علاج کوئی نہیں، ہر کسی کو یقیناً یقیناً موت کا مزہ چکھنا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ ۲۱/۳۵ ۲۹/۵۷۔

● اجلِ مسمّیٰ سے مراد ہے نام رکھا ہوا وقفہ، جیسے قرآن مجید میں یَوْمُ الْقِیٰمَةِ، یَوْمُ الْاٰخِرَةِ اور یَوْمُ الدِّيْنِ کے متعدد

ناموں سے مسمّٰی کیا گیا ہے۔ لفظ اجل کا معنیٰ ہے مدت، میعاد، عمر کی انتہاء اور اس زندگی کے اعمال کا انجام، جس کا فیصلہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں سنایا جائیگا۔ اُس عدالت میں کسی مجرم کا کوئی جرم کسی بھی صورت میں چھپا نہیں رہیگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر مجرم کے جرم کا خود عینی گواہ ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور وہ ہمارے مخفی اور ظاہر جملہ اعمال کو خوب خوب جانتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوتا ہے:-

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ
اور وہ اللہ ہے بیچ آسمانوں کے اور بیچ زمین کے

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۳
وہ جانتا ہے پوشیدگی تمہاری اور ظاہر تمہارا اور وہ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو

اور وہ اللہ (موجود) ہے سارے کے سارے آسمانوں میں بھی اور (ہر جگہ) زمین میں بھی[۱]۔ اور وہ جانتا ہے اُن اعمال کو بھی جو تم چھپ کر کرتے ہو اور اُن اعمال کو بھی جو تم ظاہراً کرتے ہو۔ اور وہ جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو۔

نظریہ وحدت الوجود

● [۱] هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ کے الفاظ سے یہ تصور اخذ کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں ہر چیز اللہ کا نظریۂ "وحدت الوجود" مطلقاً غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادے سے مادہ کو خود عالم وجود میں لایا۔ پھر مادہ سے کائنات کے متعدد عناصر پیدا کئے۔ انسان کو پیدا کر کے مادہ کے جملہ عناصر اسکے حوالے کر دئیے، جنہیں یہ تصرف میں لا کر آئے دن محیر العقول ایجادات کو عالمِ وجود میں لا رہا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا ہے کہ انسانوں میں بھی ایسے صنعت کار موجود ہیں جو مادہ کے مختلف عناصر سے حسین و جمیل مصنوعات تیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لوہے سے، لکڑی سے، تانبے۔ یورینیم وغیرہ سے عمدہ سے عمدہ چیزیں تیار کر رہے ہیں۔ وہ اپنی مصنوعات کے خالق ہیں۔ لیکن احسن الخالقین اللہ تعالیٰ ہے جس نے مادہ اور اُسکے جملہ عناصر پیدا کئے ہیں۔ انسان لوہے، لکڑی، تانبے اور یورینیم وغیرہ کی مصنوعات تو بنا سکتا ہے، لوہا، لکڑی، تانبہ اور یورینیم وغیرہ نہیں بنا سکتا۔

● پس احسن الخالقین کی قرآنی خبر کے مطابق نہ صرف یہ کہ اللہ کے سوا اور وجود اس کائنات میں موجود ہیں، بلکہ وہ مادہ کے مختلف عناصر پر صنعت کاری کر کے اپنی مصنوعات کے محدود خالق بھی ہیں۔ اسکے علاوہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کیلئے آیا ہے وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۷/۱۵۱ - اور تو رحم کرنیوالوں سے بہت بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں رحم کی صفت بھی رکھدی ہے۔ بہت سے انسان جذبۂ انتقام پر قابو پا کر شدید ترین مخالفوں تک کو معاف کر دیتے ہیں، جیسے کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضور ﷺ نے شدید ترین مخالفت کا ارتکاب کرنیوالوں پر رحم کر کے معاف کر دیا تھا۔

● اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، میں نے انسانوں کو پیدا کیا، حیوانوں کو پیدا کیا، نباتات و جمادات کو پیدا کیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے غلط دعویٰ کیا ہے؟ اور کیا اُسکے پیدا کردہ وجود موجود نہیں جو وحدت الوجود کے قائل حضرات کی آنکھوں کے سامنے ہیں؟ پس از روئے قرآن نظریہ وحدت الوجود یکسر غلط اور ذاتِ باری کی پاک شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ نظریۂ وحدت الوجود کو مشاہدات کی کسوٹی پر پرکھنے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ

دنیا میں قاتل بھی موجود ہیں اور مقتول بھی موجود ہیں - ظالم بھی موجود ہیں اور مظلوم بھی موجود ہیں - کاذب بھی موجود ہیں اور مکذوب بھی موجود ہیں تو اس طرح اگر سب کے سب کو اللہ تعالیٰ ہی کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑیگا کہ اس کائنات میں معاذ اللہ معاذ اللہ! قاتل بھی اللہ ہے اور مقتول بھی اللہ ہے - ظالم بھی اللہ ہے اور مظلوم بھی اللہ ہے - کاذب بھی اللہ ہے اور مکذوب بھی اللہ ہے - موسیٰ بھی اللہ تھا اور فرعون بھی اللہ تھا - آنحضور بھی اللہ تھے اور ابوجہل بھی اللہ تھا - اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ -

● سلسلۂ درس کی اگلی دو آیات مجیدہ میں رب تعالیٰ کی آیات مبارکہ کا انکار کرنیوالوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ صرف یہ کہ انکا انکار کرتے ہیں - بلکہ اُن کا مذاق بھی اُڑاتے ہیں - یاد رہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار کا ذکر ہو، وہاں اُسکی نازل کردہ عام آیتوں کا انکار مقصود ہوتا ہے اور جہاں رب تعالیٰ کی آیاتِ مبارکہ کے انکار کا ذکر ہو، وہاں اُسکی نازل کردہ اُن آیتوں کا انکار مقصود ہوتا ہے جن میں پوری نوعِ انسانی کا متوازن حقِ ربوبیت مذکور ہو دیکھئے ارشادِ باری:-

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ اور نہ آئی پاس اُنکے کوئی آیت میں سے آیتوں	اور اُن کے پاس کوئی بھی آیت اُن کے رب کی طرف سے (ربوبیتِ عامہ کی تاکید میں) نہیں آئی کہ اُنہوں نے اُس کا انکار نہ کیا ہو-
رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝۴ رب اُنکے - مگر ہیں وہ اُس سے اعراض کرنیوالے	
فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ پس جھٹلایا حق کو جب پاس آیا اُنکے	پھر جب اُن کے پاس حق آگیا ہے تو اُنہوں نے جھٹلا دیا ہے - پھر یہ لوگ خبردار ہو جائیں - (بگوشِ ہوش سُن لیں کہ جس انقلابِ ربوبیت کا) یہ لوگ مذاق اُڑاتے ہیں - (اُس کے عملی مشہود واقع ہونے کی) خبریں اُن کے پاس آکر رہینگی-
فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ پس عنقریب آئینگی پاس اُنکے خبریں جو تھے وہ ساتھ اُسکے	
يَسْتَهْزِءُونَ ۝۵ مذاق اُڑایا کرتے	

نظامِ ربوبیت کے قیام کی پیشگوئی

● اِن آیات مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضور کے مدِ مقابل قیامِ نظامِ ربوبیتِ عامہ کو جھٹلانے کے بعد اُس کا یہ کہہ مذاق اُڑاتے ہیں کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ عوام و خواص، سب ایک سطح پر آجائیں، مالک و مملوک اور اعلیٰ و ادنیٰ سب کے حقوق مساوی قرار پا جائیں؟ مگر پیش گوئی کر دی گئی ہے کہ ایک دن آنیوالا ہے کہ آنحضور کے ہاتھوں ایسا نظام قائم ہو جائیگا کہ اُس میں نہ صرف یہ کہ سب کے حقوق مساوی قرار دے دیئے جائیں گے بلکہ مالک و مملوک اور اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز یکسر اُٹھا دی جائیگی - اور یہ خبر تمہارے کانوں

تک ضرور ضرور پہنچ جائیگی۔ چنانچہ اس بوڑھے آسمان نے دیکھ لیا کہ آنحضورؐ کے قائم کردہ نظام معاشرہ میں وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۱۷/۷۰ کے قرآنی اعلان کے مطابق اعلیٰ و ادنیٰ کا تصور ختم کر دیا گیا۔ اور نیز وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ کی قرآنی خبر کے مطابق ہر فردِ معاشرہ کو زمین میں بلا کرایہ اپنے مکان اور زندگی کے آخری سانس تک ضروریاتِ زندگی باقاعدہ ملتے رہنے کا صرف اعلان کر دیا گیا تھا، بلکہ اُسے عملاً نافذ کر دیا تھا۔ یعنی مملکتِ مصطفوی میں نہ کوئی کرایہ دار تھا اور نہ ضروریاتِ زندگی کے مساوی اور متوازن حق سے محروم۔ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۔ سَلٰمٌ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ۔ سَلٰمٌ عَلٰى رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

آنحضورؐ کے مخالف ہلاک کر دیئے گئے تھے

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہ پیشگوئی بھی موجود ہے کہ آنحضورؐ کے وہ مخالف جو مخالفت پر ڈٹے رہے وہ اُسی طرح ہلاک کر دیئے جائینگے جسطرح سابقہ انبیاؑ کی مخالف قومیں ہلاک کر دی گئی تھیں:-

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ
کیا اُنہوں نے غور نہیں کیا کتنے ہلاک کیے ہم نے پہلے اُن سے — میں سے

قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ
زمانے۔ اقتدار دیا ہمنے اُنہیں بیچ زمین کے — جو نہیں اقتدار دیا ہمنے تمہیں

وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۖ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ
اور بھیجا ہمنے آسمان — اُوپر اُنکے — موسلا دھار اور بنائیں ہمنے نہریں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ
چلتی — میں سے ماتحت اُنکے۔ پھر ہلاک کیا ہمنے اُنکو بسبب گناہوں اُنکے

وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۶
اور پیدا کیا ہمنے میں سے بعد اُنکے زمانہ دوسرا

کیا اُنہوں نے غور نہیں کیا (یعنی اُنہیں غور کرنا چاہیئے) کہ ہمنے اُن سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کر دیا جنہیں ہمنے (اپنے قانونِ مشیت کے مطابق) اسقدر اقتدار دیا تھا جو تمہیں نہیں دیا گیا اور ہمنے اُن پر (اپنے قانون کے مطابق) پے در پے بارشیں برسائیں۔ اور ہم نے پایا کہ اُن کے ماتحت نہریں بہتی تھیں (یعنی نہروں پر اُن کا کنٹرول تھا، جب چاہتے تھے بہا لیتے تھے اور جب چاہتے تھے بند کر دیتے تھے، اُنکا رُخ دوسری طرف کر دیتے تھے) پھر ہمنے اُنہیں اُنکے گناہوں (عدمِ قیامِ نظامِ ربوبیت) کی بدولت ہلاک کر دیا اور اُنکی جگہ دوسرے زمانہ کے لوگوں کو پیدا کر لیا۔ (اسی درج اُنہیں بھی ہلاک کر دیا جائے گا اور ربوبیت کے حامی دوسرے زمانہ کے لوگ لے آئے جائیں گے۔

● مَكَّنّٰهُمْ میں مشیت محذوف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا ہر کام اپنے قانونِ مشیت کے مطابق کرتا ہے۔ حکومت اُس قوم کو ملتی ہے جو ایسے عمل کرے جن کے مطابق حکومت میسر آسکتی ہے۔ حصولِ حکومت کے دو ذرائع ہیں:-

۱- پہلا ہے عوامی اتحاد اور مادی اسباب کی قوت۔ یہ وہ طاقت ہے جس کیساتھ حضرات موسیٰ، داؤد، مسیح اور محمد سلام علیہم نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومتِ الٰہیہ ہے جس میں ربوبیت کی رُو سے صدر و عوام ایک ہی سطح کے افراد ہوتے ہیں۔

۲- اور دوسرا ہے ذاتی استبداد اور مادی اسباب کی قوت۔ یہ وہ طاقت ہے جس کیساتھ فرعون، ہامان اور چنگیز و

ہلاکو جیسے مفسدین نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومت شیطانیہ ہے جس میں بالادست افراد کے ہاں نعماءِ خداوندی کی فراوانی ہوتی ہے اور عوام ضروریاتِ زندگی تک سے محروم پائے جاتے ہیں۔

(نوٹ) یہ ایک لمبا مضمون ہے اسکی تفصیل تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ ۳/۲۶ کی وضاحت تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۲ - ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲؎ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے آسمان کو بھیجا۔ ارسالِ سماء ایک عربی محاورہ ہے، جس کا مفہوم ہے بارشوں کا پے در پے اور موسلا دھار برسنا۔ گویا کہ آسمان ہی کو بھیج دیا گیا ہے۔

● ۳؎ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ میں فعل جعل کا مصدری معنیٰ پایا ہے۔ وہ نہریں جو حکومت کے ماتحت چلتی ہیں، یعنی جن پر حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے کہ جب اور جس طرف کو چاہیں بہالیں۔ انہیں حکومتیں خود کھودتی ہیں اور ان پر ہیڈ اور بیراج بناکر کنٹرول کرتی ہیں۔ (فعل جعل کی مفصّل توضیح تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۱۰۵ دیباچہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

● ۴؎ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ کے الفاظ میں جو بتایا گیا ہے کہ ہم نے انہیں انکے گناہوں کی بدولت ہلاک کر دیا۔ اس کے ضمن میں یاد رہے کہ ہلاکت ان گناہوں کی بدولت لازم نہیں آتی ہے کہ کوئی قوم خدا کو نہیں مانتی یا شراب وکباب کی عادی ہے۔ بلکہ ہلاکت اور ضیاعِ حکومت اس گناہ پر لازم ہو جاتی ہے کہ عوام کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دیا جائے۔ قرآن کریم میں فراعنۂ مصر کی حکومت کا ذکر موجود ہے، جو قرآنی خبر کے مطابق حضرت یوسف سلامٌ علیہ کے زمانہ سے قائم تھی، مگر حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں چھینی گئی۔ یہ کئی ہزار سالہ حکومت قائم کیوں رہی؟ اسلئے کہ اسکے حکمرانوں نے عوام کے حقوقِ ربوبیّت کو کسی نہ کسی حد تک قائم رکھا۔ قرآنی خبر کے مطابق دورِ یوسفی والے فرعون کو جب سات موٹی گائیوں کو سات دُبلی گائیوں کے کھا جانے کی خواب آئی اور سات ہرے بھرے سِٹے اور سات سِٹے خشک دیکھے۔ تو چونکہ سِٹوں کا تعلق اناج کیساتھ ہے اور اناج کا تعلق ربوبیّتِ عامہ کیساتھ ہے اسلئے وہ بیقرار ہو گیا۔ اپنے دانشوروں سے خواب کی تعبیر دریافت کی، مگر بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ آخر جب حضرت یوسفؑ نے خواب کی صحیح تعبیر بتائی تو اس نے آپ ہی کو غلّے کے اس چودہ سالہ کنٹرول کا ناظمِ اعلیٰ بننے کی دعوت دیدی۔ اور جب حضرتؑ مصر کے سیاہ و سفید کو آپکے حوالے کر دینے کے متعلق ارشاد فرمایا تو خزانہ سمیت سلطنتِ مصر کے جملہ اختیارات آپ کے قدموں میں ڈالدیئے گئے۔

● اس نے نہ صرف آپکو غلّے کے چودہ سالہ کنٹرول کا ناظمِ اعلیٰ بنادیا، بلکہ آپکو ایسا عزیزِ مصر قرار دیا کہ خود بھی آپکے ماتحت ہو گیا۔ تو یاد رہے کہ ایسے ربوبیّتِ عامہ کے خدمتگار حاکموں کو نہ ہلاک کیا جاتا ہے نہ ان سے حکومت چھینی جاتی ہے اگرچہ وہ خدا کو بھی نہ مانتے ہوں اور شراب وکباب کے بھی عادی ہوں۔ لیکن جب اسی ملک مصر کے خاندانِ فراعنہ ہی کے ایک فرعون نے دورِ موسوی میں عوام کو ان کے حقوقِ ربوبیّت سے یکسر محروم کر دیا، تو حکومت بھی چھین لی گئی اور ہلاک بھی کر دیا گیا۔ اسی مسئلہ کے ضمن میں دورِ حاضرہ ۱۹۷۹-۸۰ء کے مشاہدات گواہ ہیں کہ جن ممالک میں عوام کے مزدوروں کو معقول اُجرتیں دی جاتی ہیں چونکہ

اُنکے حقوقِ ربوبیت اس اقدام کی بدولت بآسانی میسر آتے ہیں، اُن ملکوں کے حکمران اگرچہ خدا تعالیٰ کے منکر ہیں یا تین خدا مانتے ہیں اور شراب کباب کے بھی دوائی عادی ہیں اُنکی حکومتیں امن و سکون کیساتھ چل رہی ہیں۔ اور جن ملکوں میں مزدوروں کو اُجرت صرف اتنی دی جاتی ہے کہ وہ کل کی مزدوری کیلئے زندہ رہ سکیں، اُن ملکوں میں آئے دن حکمران ہلاک اور حکومت کے تختے اُلٹتے رہتے ہیں۔ خواہ وُہ حکمران مسلمان بھی کہلاتے ہیں اور اللہ و رسولؐ پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔

● المختصر! آیتِ زیرِبحث ۶ میں نظامِ ربوبیتِ عامہ کے مخالفوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ غور کریں، جس طرح عوام کے حقوقِ ربوبیت کے سابقہ مخالفوں کو ہلاک کر دیا جاتا رہا ہے تمہیں بھی ہلاک کر دیا جائیگا۔ چنانچہ ہوا یہ کہ آنحضورؐ کے مخالف آپکی زندگی میں ہلاک کر دیئے گئے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۵۹

لکھی ہوئی کتاب کے نزول کا مطالبہ ● سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفوں کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ آپ پر لکھی لکھائی کتاب نازل ہوئی اور آپ پر اُن کا کوئی ذہنی ملک کیوں نازل نہیں ہوا۔ اسکا اوّلین جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون اور سنّت کو کبھی نہیں بدلتا ۵/۲۹ + ۳۵/۴۳، اور عوام کے ذہنی ملائکہ جو بقول اُنکے اپنی نوع تبدیل کر لیتے ہیں، اپنی شکلوں میں دکھائی نہیں دیتے تو جب وہ انسانی شکل میں آئیں تو پھر بھی یہ لوگ یہی کہینگے کہ یہ تو بشر ہے ملک نہیں۔ ان لوگوں کا نوعیں بدل جانے کا عقیدہ ہی از روئے قرآن غلط لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ۳۰/۳۰۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔ اب ملاحظہ فرمائیں ارشادِ باری:۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ
اور اگر نازل کرتے ہم اُوپر تیرے کتاب بیچ کاغذ کے

فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
پھر وہ چھوتے اُسے ساتھ ہاتھوں اپنے کے البتہ کہتے جو لوگ کافر ہو گئے

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ۷
نہیں ہے یہ مگر جھوٹ ہے کھلا

(یہ لوگ کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب کا مطالبہ کرتے ہیں) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے۔ پھر یہ لوگ اُسے اپنے ہاتھوں کے ساتھ چھو لیتے، تو انکار کرنیوالے پھر بھی (اُسکے مندرجات کو) کہتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے ۱/۱

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ
اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل ہوا اوپر اسکے ملک

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا
اور اگر نازل کرتا ہم ملک، البتہ فیصلہ ہوتا کام۔ پھر نہ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (مدّعیٔ رسالت) پر (اسکی مدد کے لئے اور لوگوں کو ڈرانے کے لئے ۲۵/۷) کوئی ملک کیوں نازل نہیں ہوا۔ اور اگر ہم اپنا کوئی ملک (یعنی اپنی کوئی کائناتی قوت آندھی یا بجلی وغیرہ) نازل کر دیں تو اُن کا کام ہی تمام کر

يُنْظَرُوْنَ ○ ۸
وہ مہلت دیئے جائیں

دیا جائے پھر ان (حجتیاں کرنے والوں کو مہلت نہ دی جائے

● ۱ سحر کا معنیٰ جادو نہیں کیونکہ جادو کا تو دنیا میں وجود ہی موجود نہیں۔ سحر کا معنیٰ از روئے قرآنی تصریف آیات جھوٹ ہے۔ قرآنی دلائل کیلئے دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے شروع میں دیئے گئے دیباچہ کا صفحہ ۵۵۔

● ۲ آیت نمبر ۸ میں ملائکہ کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اگر کوئی ملک نازل کر دیا جائے تو نزولِ ملک کے طلبگاروں کو مہلت نہیں دی جاتی، فوراً ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ ملک کا لفظی معنیٰ ہے ایک ہی نہج پر عمل کرنے والا ایک ہی مسلک کا مالک۔ کائناتی قوتیں بجلی آندھی زلزلہ وغیرہ مہلک ملک ہیں کہ جب وہ کسی مجرم قوم پر نازل کئے جائیں تو پھر اُسے مہلت نہیں دی جاتی۔ اُسکا کام تمام کر دیا جاتا ہے۔ (ملائکہ کی تفصیل وضاحت کیلئے دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کا صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۸)

● آیتِ بالا میں آپنے دیکھ لیا ہے کہ باری تعالیٰ نے ملائکہ کی حقیقت تو بیان کر دی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں نوع بدلنے والے لوگوں کے ذہنی ملائکہ کے نزول کا مطالبہ کرنے والوں کی بے عقلی نمایاں کیگئی ہے کہ اگر بفرضِ محال ہم اپنے ملک کو اُنکا ذہنی ملک بنا کر آنحضورؐ پر نازل کریں، تو چونکہ اُنکے عقیدہ کے مطابق وہ پھر ایک انسان کی شکل والا ہوگا۔ تو بات پھر بھی نہ بنی وہ انکے سامنے انسانی شکل ہی میں آئیگا۔ اور یہ لوگ پھر شبہ میں پڑ کر کہینگے یہ تو بشر ہے ملک نہیں:۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا
اور اگر بناتے ہم اُسے ملک البتہ بناتے اُسے آدمی

اگر ہم اُس کو (یعنی اپنے کسی ملک کو انکا ذہنی) ملک بنا دیں تو (انکے تصور کے مطابق) اُسے آدمی بنا دیں۔ پھر ہمنے اُسے اُنکے لئے مشتبہ کر دیا، جیسے وہ مشتبہ کرتے ہیں۔

وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ ۹
اور مشتبہ کر دیتے ہم اُن پر جیسے وہ خود مشتبہ کرتے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ
اور البتہ تحقیق مذاق اُڑایا گیا ساتھ رسولوں کے جو تھے پہلے تیرے

فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا
پھر گھیر لیا اُنکو جو لوگ مذاق کرتے تھے اُن میں سے جو تھے

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ ع ۱۰
ساتھ اُسکے مذاق کرتے

اور بیشک اے رسولؐ! آپ سے پہلے رسولوں کیساتھ تمسخر کیا گیا تھا پھر اُن میں سے جو لوگ تمسخر کرتے تھے، اُنہیں اُسی (بُرے عمل کے بُرے نتائج) نے گھیر لیا، جس کیلئے وہ (رسولوں سے) تمسخر کیا کرتے تھے۔

● ۳ جعلنٰہ اور لجعلنٰہ میں ہٗ کی دونوں ضمیریں اُس ملک کی طرف پھرتی ہیں جس کا ذکر پچھلی آیت میں گزر چکا ہے کہ وہ تو نافرمانوں کو ہلاک کرنے والا ہے آندھی، بجلی، زلزلہ وغیرہ کہ جب اُسے بطورِ عذاب بھیجا جائے پھر نافرمانوں کو مہلت ہرگز نہ

نہیں دی جاتی بنگر ہ۔

● ۲ اِس لفظ مَلَکًا سے عوام کا ذہنی مَلک مُراد ہے۔ کیونکہ مَلک کو مَلک بنانے کا کیا مطلب ؟ دیکھئے اُن آیاتِ مجیدہ نمبر ۸ و ۹ میں کھل کر واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے مَلک اُسکی کائناتی قوتیں ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے بصورتِ عذاب بھیجی جاتی ہیں تو پھر نافرمانوں سرکشوں کو ڈھیل نہیں دی جاتی' اُنہیں اپنے ملائکہ کے ذریعے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور وُہ ملائکہ جن کے متعلق یہ نظریہ چل رہا ہے کہ وہ اپنی نوع بدل لیتے ہیں وہ عوام کے ذہنی ملائکہ ہیں۔ قانونِ خداوندی میں تو کسی نوع کے تبدیل ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا $\frac{30}{30}$ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔

● ۳ یہاں بِہٖ کی ضمیر اُس بُرے فعل کی طرف پھرتی ہے جس سے انبیاء سلام علیہم لوگوں کو منع کرتے تھے اور لوگ یہ کہکر رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے کہ ان اعمال پر ہمنے اپنے باپ دادا کو پایا ہے $\frac{7}{28}$ $\frac{21}{53}$ لیکن ہونا یہ تھا کہ اُنہی کے بُرے عملوں کا بُرا انجام اُنہیں گھیر لیتا تھا۔ بُرے اعمال کی بُری خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا کہ اے رسُولؐ! سب لوگوں سے کہدیجئیگا کہ زمین میں چل پھر کر خود دیکھ لو کہ خداوندی حقائق کو جھٹلانیوالوں کا بالآخر انجام کیا ہُوا تھا۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا
کہدیجئیگا! پھرو بیچ زمین کے پھر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ۱۱
کیا ہُوا انجام جھٹلانیوالوں کا

کہدیجئیگا (اے رسولؐ!) سیر کرو زمین میں، پھر (بچشم خود دیکھ لو کہ (خداوندی حقائق کو) جھٹلانیوالوں کا کیا انجام ہُوا تھا (بڑی بڑی قوموں کے عالیشان محلات کے کھنڈرات اُن کی تباہی و بربادی کی منادی کر رہے ہیں)۔

انبیاء سلام علیہم کا نہ کوئی قلعہ تھا نہ محل تھا، نہ دیوانخانہ

● زمین پر چل پھر کر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جتنے بڑے بڑے قلعے، اونچے اونچے محل اور نفیس دیوانخانے اُجڑے پڑے ہیں، اُن میں سے کوئی بھی نہ کسی نبیؑ رسولؑ کا کوئی قلعہ ہے نہ محل ہے نہ دیوانخانہ، بلکہ سب کے سب اُن سرکش حکمرانوں کے ہیں جن کے عوام کو نہ صرف یہ کہ رہنے کی معقول سی جھونپڑی میسّر نہیں تھی، بلکہ اُنہیں ضروریاتِ زندگی بھی بافراغت مہیّا نہیں تھیں۔ آیتِ بالا میں اس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ بچشم خویش دیکھ لو کہ جتنے بھی آثار پائے گئے ہیں سب مکذبین ربوبیت کے ہیں۔ سر بفلک محلات، نفیس دیوانخانے، اونچے اونچے مقبرے جن میں آج سانپ بچھوؤں حشرات الارض چیل کوؤں اور اُلّوؤں کا بسیرا ہے، سب کے سب اُن لوگوں کے تعمیر کردہ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی زمین پر ذاتی ملکیت کی لکیریں کھینچیں، عوام کے حقوقِ ربوبیت کو دبا کر اُنکے بال بچوں کے پیٹ کاٹے اور اپنے لئے سر بفلک محلات کھڑے کر لئے۔ اپنے مُردوں کی لاشوں پر لاکھوں روپوں کی عمارتیں بنائیں اور یہ تک نہ دیکھا کہ لاکھوں زندہ جانیں کچی جھونپڑی سے بھی محروم ہیں۔ دُنیا کے مال نے اسقدر اندھا اور بے عقل سے کورا کر دیا کہ مکانوں کی ضرورت زندوں کو ہوتی ہے مُردوں کو نہیں ہوتی۔ اللہ کے رسولؐ اور انکے متبع چونکہ ربوبیتِ عامہ کے علمبردار تھے، اسلئے زمین پر اُنکا نہ کوئی قلعہ ملیگا نہ محل نہ مقبرہ اُنکی یادگار ربوبیت

عامہ کی علمبردار صرف اور صرف مسجدین ہیکل مسجد سلیمانی بیت المقدس اور مسجد نبوی مدینہ منورہ - المختصر! سیروا فی الارض کے الفاظ اس چیز کی دعوت دیتی کہ لوگو! بچشم عبرت دیکھ کر غور کرو کہ جن قلعوں اور محلوں میں کل باادب باملاحظہ ہوشیار! عالم پناہ تشریف لاتے ہیں کے غلغلے بلند ہوتے تھے آج وہاں الّو بول رہے ہیں - کہاں ہیں وہ جو اللہ کی زمین کے مالک بنے بیٹھے تھے - زمین و آسمان کا مالک تو اکیلا خلاقِ عالم ہے - اسی چیز کو سلسلۂ مورس کی اگلی آیت مجیدہ میں استفہامی حصر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کہہ واسطے کس کے ہے جو بیچ آسمانوں اور زمین کے ہے

(اے رسولؐ! غاصبین ربوبیت سے) پوچھئے گا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے - آپ ہی جواب بھی خود دے دیجئے گا کہ سب کا سب صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے [1]

قُلْ لِّلّٰهِ ......
کہہ واسطے اللہ کے ہے

● لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم میں سورہ نساء کی آیات مجیدہ ۱۲۶ - ۱۳۱ - ۱۳۲ کے تحت صفحہ ۳۱۸ - ۳۱۹ پر گزر چکی ہے کائنات کی ہر چیز کا حقِ ملکیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے - اُسکے اس حق میں کوئی شریک نہیں لیکن چونکہ نعماءِ ارضی و سماوی کے استعمال کی اُسے مطلقاً ضرورت نہیں اور وہ رب العلمین ہے اس لئے ارض و سماء کی ہر چیز پورے عالمین کی ضروریاتِ زندگی کیلئے ہیں - نوعِ انسانی کے ہر فرد بشر کا ان میں مساوی حق ہے - یہ نہیں کہ بالادست اور استحصال پسندوں کے ہاں اِنکی فراوانی ہو اور زیردست بیچارے استحصال کا شکار بن کر محرومِ محض بنے رہیں - چنانچہ اسی چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پوری نوعِ انسانی کیلئے عام ہے جو لوگ اس پر بند باندھ کر عوام کے حقوقِ ربوبیت پر ڈاکہ ڈالینگے وہ اپنے آپکو خود اُخروی خسارے کا مستحق بنا لینگے - قیامت کو انہیں جوابدہی کے لئے جمع کر لیا جائے گا -

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ
لکھا اُس نے اوپر اپنے آپکے رحمت کرنا - ضرور جمع کریگا تم کو

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا
بیچ [1] دن قیامت کے نہیں شک بیچ اُسکے - جنہوں نے خسارہ دیا

اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۲
اپنے آپکو پس وہی ایمان نہیں لاتے

اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمانا اپنے آپ پر فرض کر رکھا ہے (پھر اے لوگو! اُسکی رحمت یعنی نعماءِ خداوندی سے عوام کو محروم کرنے والو!) تمیں اللہ تعالیٰ جوابدہی کیلئے قیامت کے دن میں [1] ضرور ضرور جمع کریگا جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں - جن لوگوں نے (ربوبیتِ عامہ میں تمیز کر کے) اپنے آپکو خسارہ دیا ہے وہی ہیں جو (ربوبیت و قیامت پر) ایمان نہیں لاتے -

● [1] یہاں اِلٰی بمعنی فی ہے -

● اگلی آیت مجیدہ قیامت ہی سے متعلق ہے کہ اُس دن کوئی مجرم اپنے جرم چھپا نہیں سکیگا کیوں کہ رات کے اندھیروں

اور دن کے اُجالوں میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے؛ اللہ ہر بات کو خوب خُوب سُننے والا ہے اور ہر چیز کو خوب خُوب جاننے والا ہے:-

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ
اور واسطے اُسی کے ہے جو واقع ہو بیچ رات کے اور دن کے

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ ۱۳
اور وہ خوب خوب سُننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے

اور رات کے اندھیروں اور دن کے اُجالوں میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے[۲] وہ اُس اللہ ہی کیلئے ہے[۱] (اُس سے پوشیدہ نہیں) کیونکہ وہ خُوب خُوب سُننے والا ہے نیز خُوب خُوب اور صحیح صحیح جاننے والا ہے[۳]

● [۱] لَهٗ جار مجرور برائے حصر واقع ہوتا ہے۔ یہاں اسکا مفہوم یہ ہے کہ رات کے اندھیروں میں لوگ جو کام چُھپ چُھپ کر کرتے ہیں یا دن کی روشنی میں کُھلے بندوں کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

● [۲] مَا سَكَنَ کا لفظی معنیٰ ہے جو ٹھہرا۔ یہاں آیت مجیدہ کے آخری جُملہ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ کے مطابق مفہوم یہ ہے جو جو کچھ رات کے اندھیرے یا دن کے اُجالے میں واقع ہوتا ہے، اُس سے مخفی نہیں۔ سب کچھ اُسکے لئے ہونا محلِ نظر ہے۔ کیونکہ نیک کاموں اور نیک لوگوں کا اُسکے لئے ہونا تو صحیح ہوا۔ لیکن بُرے لوگوں اور بُرے کاموں کا اُسکے لئے ہونا تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

● [۳] سمیع اور علیم دونوں الفاظ فعیل کے وزن پر صفت مُشبّہ ہیں۔ اسلئے ان کے معنے یہی ہیں کہ وہ اللہ خُوب خُوب سُننے والا ہے اور خُوب خُوب اور صحیح صحیح جاننے والا ہے۔ نہ اُسکے سُننے میں کسی ابہام کا گزر ہوسکتا ہے نہ اُسکے جاننے میں۔ بلکہ وہ تو علیمٌ بذات الصّدور ہے۔ یعنی کسی بات یا کسی فعل کے کرنے سے پہلے جو کچھ لوگوں کے اذہان میں موجود ہوتا ہے وہ اُسے بھی جانتا ہے۔

ربُوبیّت عامہ کا قرآنی تصوّر

● یہاں پہنچ کر ہوسکتا ہے کہ قارئینِ کرام کے اذہان میں یہ تصوّر کروٹیں لے رہا ہو کہ یونہی ربوبیّت عامہ کی رٹ لگائی جارہی ہے، حالانکہ آیاتِ بالا میں ربوبیّت کیلئے کوئی واضح الفاظ موجود نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ اوّل تو قرآن مجید شروع ہی ربوبیّتِ عالمین سے ہوتا ہے، اس لئے اس کی ساری تعلیم ربوبیّتِ عامہ ہی کی اساس پر قائم ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر یہ کہ سورہ مجیدہ زیرِ بحث سُورہ انعام کی آیتِ اوّل ہی میں ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ کے الفاظ میں ربوبیّتِ عامہ ہی کے مُنکروں کا ذکر لایا گیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہم بارہا اُجاگر کرچکے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں اللہ کے انکار کا ذکر ہو وہاں اُسکی ہستی کا انکار مقصود ہوتا ہے اور جہاں رب کا انکار مذکور ہو وہاں اُسکی ربوبیّتِ عامہ کے انکار کی خبر دی جارہی ہوتی ہے۔ اب اس امر کے ثبوت میں کہ آیاتِ بالا میں ربوبیّت عامہ کا تذکرہ چل رہا ہے، خداوندِ عالم نے ذہنوں میں اُٹھنے والے وسوسوں کا جواب اگلی آیت میں بالفاظِ ذیل دیدیا ہے:-

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ
کہہ کیا سوا اللہ پکڑوں میں کوئی مددگار پیدا کرنیوالا

کہہ دیجئیگا (اے رسولؐ!) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور مددگار

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ

آسمانوں کا اور زمین کا اور وہ کھلاتا ہے اور نہیں کھلایا جاتا

ٹھہرا لوں شروع سے بنانیوالا آسمانوں کا اور زمین کو ۔ اور اُسکی شان یہ ہے کہ وہ کھلاتا ہے لے کھلایا نہیں جاتا ۔ (خود نہیں کھاتا)

● لے اب يُطْعِمُ کے مفہوم پر غور فرمائیں کہ وہ کھلاتا ہے ۔ کیا اُسکے کھلانے کے دائرہ میں صرف بالادست افراد ہی آتے ہیں یا زیردست بھی اس میں برابر کے شریک ہیں ؟ یاد رہے کہ زمین کا طبقاتی نظام جس میں مالک جامِ صحت نوش کرتا اور نوکر خونِ جگر پیتا ہے ۔ مالک آموں کے ٹوکروں سے لطف اندوز ہوتا اور ملازم چھلکے باہر پھینکنے کی خدمت بجالاتا ہے اگر اسے هُوَ يُطْعِمُ کی تفسیر مانا جائے تو اللہ ربّ العٰلمین نہیں رہتا ۔ اور قرآن کریم کا پہلا سبق اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہی مشاہدات کی کسوٹی پر غلط ہو جاتا ہے اس لئے سرمایہ دارانہ طبقاتی نظام تو هُوَ يُطْعِمُ کی تفسیر ہو نہیں سکتا ۔ ہاں حضرت عمرؓ کے یہ تاریخی الفاظ اس کی عملی تفسیر ہو سکتے ہیں کہ دریائے فرات پر اگر کوئی کتا بھی بھوکا رہ گیا تو قیامت کو مجھے جوابدہ ہونا پڑیگا ۔ المختصر ! هُوَ يُطْعِمُ کے الفاظ نے ثابت کر دیا ہے کہ ابتداءِ سورت ہی سے ربوبیتِ عالمین زیرِ بحث ہے ۔ اور مسئلہ ہی سارا ربوبیتِ عالمین یعنی مساوی تقسیمِ رزق کا ہے چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی هُوَ يُطْعِمُ کی عملی تفسیر یعنی مساوی تقسیمِ رزق ہی کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری بتایا گیا ہے :۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ[1]

کہہ بیشک میں مجھ کو حکم دیا گیا ہوں کہ ہو جاؤں میں پہلا

مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ[2] ○

جو فرمانبردار ہوا اور نہ ہونا تو میں سے مشرکوں کے ۱۴

کہہ دیجئے گا (اے رسولؐ !) بیشک میں یہ حکم دیا گیا ہوں کہ میں مذکورہ بالا حکم مساوی تقسیم کا پہلا اور اوّل نمبر کا فرمانبردار بنوں[1] اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) تو (ناہموار تقسیمِ رزق پر عامل ہو کر) مشرکوں میں سے نہ ہو جانا[2]

● لے اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ کے الفاظ میں لفظ اوّل کے بیک وقت دو مفہوم ہیں ، پہلا شخص اور عمل کے لحاظ سے پہلے نمبر پر آنیوالا ، یعنی عمل کے لحاظ سے آپ اپنے دور کے اللہ تعالیٰ کے چوٹی کے فرمانبردار تھے ، اور پہلے فرمانبردار تھے ۔

● لے مَنْ اَسْلَمَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے جو فرمانبردار ہوا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا مقصود ہے مگر جو حکم قریب کے الفاظ بالا هُوَ يُطْعِمُ سے عیاں ہے وہ سرِ فہرست رہیگا کہ آنحضورؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ نظامِ ربوبیت قائم کرنے میں اوّل درجے کے فرمانبردار بنیں ۔ چنانچہ آنحضورؐ نے مندرجہ بالا حکم اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ کے مطابق اوّل نمبر کے فرمانبردار بن کر دکھایا ۔ اور ایسا نظامِ ربوبیت قائم کیا جس میں نہ کوئی بھوکا ننگا ۔ نہ کوئی بے علاج تھا نہ بے مکان سلامٌ علیٰ محمدؐ

● لے وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ، جو اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ کی ضد کے طور پر آیا ہے ، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نظامِ ربوبیت کے خلاف طبقاتی نظام قائم کرنا شرک ہے اور ایسا نظام قائم کرنیوالے مشرکوں کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں ۔ واضح رہے کہ مساویانہ نظامِ ربوبیت وہ خداوندی نظام ہے جسے جملہ انبیاء سلامٌ علیہم

نے اپنے اپنے دور میں بحکم خداوندی قائم کیا تھا۔ مگر طبقاتی نظام فرعونی ہے جیسے کہ سورۂ قصص کی ابتدا میں آیا ہے :-
إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے (مصر کی) زمین میں سرکشی اختیار کی اور اپنی رعیت کو طبقات میں تقسیم کر دیا' اُن میں سے ایک طبقے کو کمزور کر دیا ـــــ پس عوام کو طاقتور اور کمزور یعنی امیر و غریب کے حصوں میں بانٹ دینا فرعونی نظام ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کا اعلان درج ہے کہ اگر میں مساویانہ نظام قائم نہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو میں بھی بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں :-

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي ۱
کہہ بیشک میں ڈرتا ہوں' اگر نافرمانی کروں میں رب اپنے کی

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ ۱۵
عذاب دن بڑا

(اے رسولؐ!) کہہ دیجیئے گا (اعلان کر دیجیئے گا) کہ اگر میں بھی اپنے رب کی نافرمانی (یعنی نظام ربوبیت قائم نہ) کروں تو بیشک میں بھی بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۲۔

● ۱ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي کے الفاظ میں رب کی نافرمانی سے مراد نظام ربوبیت کا اِنکار اور عدم قیام ہے۔
● ۲ إِنِّي أَخَافُ ...... عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ کے الفاظ میں اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ قیامت کی عدالت خداوندی میں کسی نبی رسولؐ کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں برتی جائیگی۔ سورۂ اعراف میں قیامت کی پرسش اعمال کے متعلق ارشاد ہوا۔ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝ ۶/۷ پس ہم ضرور ضرور سوال کرینگے اُن سے بھی جن کی طرف رسولؐ بھیجے گئے تھے اور ہم ضرور ضرور سوال کرینگے اُن سے بھی جنہیں (رسول بنا کر) بھیجا گیا تھا۔ اور بہتر نتیجہ کی خبر سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں مذکور ہے :-

مَن يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ
جو کوئی کردہ پھیر دیا گیا اُس سے اُس دن تو بیشک اُس نے رحم کیا اُس پر

وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ۝ ۱۶
اور یہ مذکورہ بات ہی ہے کامیابی کھلی

(حقیقت یہ ہے کہ جس کسی سے اُس دن (قیامت کو) وہ (عذاب) پھیر دیا گیا تو بلاشبہ اُس پر اُس (اللہ) نے رحم کیا۔ اور وہ مذکورہ (عذاب کا پھیرا جانا) ہی کھلی کامیابی ہے۔

● واضح رہے کہ قیامت کے عذاب کے مقابلے پر دُنیا میں جائز ناجائز جاگیروں اور جائدادوں کی فراہمی اور دُنیوی عیش پسندی کو کھلی کامیابی قرار نہیں دیا گیا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں دُنیا اور آخرت کے عذاب و ثواب کا قانون اسی کے ماتحت بتایا گیا ہے۔ اور خود آنحضورؐ کو مخاطب کر کے وضاحت کر دیگئی کہ آپکو بھی ضرر یا راحت ہمارے قانون کے مطابق ہی میسر آئے گی ہمارے ہاں کسی کے لئے کوئی رعایت مقرر نہیں کیگئی۔ ہم ہر چیز کے قانون مقرر کرنیوالے ہیں اور ہم خود اُس کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں کرتے :-

وَاِنۡ یَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ
اور اگر مس کرے تجھے اللہ ساتھ ضرر کے تو نہیں کھولنے والا

لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنۡ یَّمۡسَسۡكَ بِخَیۡرٍ فَهُوَ عَلٰی
واسطے اُسکے سوائے اُسکے اور اگر وہ مس کرے تجھے ساتھ خیر کے پس وہ اوپر

كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○ ۱۷
ہر چیز کے قانون بنانیوالا ہے

اور (اے رسول![۳]) اگر اللہ تعالیٰ (اپنے قانون کے مطابق) آپکو بھی ضرر پہنچائے تو اُسے دفع کرنیوالا کوئی نہیں ہے سوائے اُسکے (یعنی ضرر اُس کے قانون کے مطابق ہی دفع ہو سکتا ہے) اور اگر وہ آپکو (اپنے قانون کے مطابق) کوئی بھلائی پہنچائے (تو اُسکے خلاف کوئی روکنے والا نہیں) کیونکہ وہ (اللہ) ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔

● ۳ یَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کا ذکر محذوف ہے۔ جیسے کہ ۴۲/۳۰ میں ضمنی فیصلہ دیدیا گیا ہے:۔ وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَیۡدِیۡكُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِیۡرٍ ؕ (اے نوعِ انسانی!) تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے تو وہ (اللہ کے قانون کے مطابق) تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تو اپنے قانون کے مطابق تمہاری بہت سی غلطیوں کو معاف کرتا چلا جاتا ہے۔

● آیتِ بالا میں خود آنحضور صلعم علیہ کو بھی قانون کے دائرے سے آزاد نہیں ٹھہرایا گیا ہے جس کی عملی صورت جنگِ اُحد کے ذکر میں بیان کیگئی ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کے ایک دستے کی غفلت سے عقبی درّہ غیر محفوظ ہو گیا تو دشمن نے لشکر اسلام پر پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا اور اس اپنی ہی غفلت کی بدولت شکست ہو گئی جس کا ذکر سورہ آلِ عمران میں بالفاظِ ذیل موجود ہے:۔

● اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَیۡهَا ۙ قُلۡتُمۡ اَنّٰی هٰذَا ؕ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○ ۳/۱۶۵ = اور کیا جب تمہیں شکست کی تکلیف پہنچی حالانکہ تم اُنہی کو (جنگِ بدر میں) دو گنی شکست دے چکے تھے۔ تو تم نے کہا یہ شکست کہاں سے آئی۔ کہہ دیجیئے گا یہ تمہارے اپنے ہی افراد (کی غفلت) کی بدولت آئی ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (فتح و شکست سمیت) ہر چیز کے قانون متعین کرنیوالا ہے۔ (ہمارے قانون کے مطابق جنگِ بدر میں تمہاری ہی استقامت کی بدولت فتح ہوئی تھی اور جنگِ اُحد میں تمہاری ہی غفلت کی بدولت شکست ہو گئی ہے۔ ہمارے قانون میں کوئی لوچ لچک موجود نہیں ہے) ـــ قانونی بالادستی ہی کی خبر اگلی آیتِ مجیدہ میں مذکور ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے قانون سے مستثنےٰ نہیں:۔

وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ
اور وہ غالب ہے اُوپر بندوں اپنے اور وہ

الۡحَكِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ○ ۱۸
بڑا حکمت والا بڑا خبر والا ہے

حقیقت یہ ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے سب کے سب بندوں پر غالب ہے[۱] (اُسکے قانون کے دائرہ سے کوئی بھی خارج نہیں) اور اُس کا غلبہ کسی آمریت کی بنا پر نہیں بلکہ حکمت و علم کی بنا پر ہے کیونکہ وہ بہت بڑھکر حکمت والا اور خوب خوب خبر رکھنے والا ہے۔

● ۱ یہاں پر لفظ قاہر کا معنیٰ عوامی تصور کے مطابق قہر، غضب اور ظلم کرنیوالا نہیں۔ بلکہ غالب ہے کیونکہ عربی ادب

ہیں مادہ ق۔ہ۔ ر۔ قہر کا بنیادی معنیٰ ہے، اوپر پکڑ لینا۔ غالب آنا۔ مجرم کو واقعی سزا دینا وغیرہ، یہ مادہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اسکے مذکورہ معنے مقصود ہوتے ہیں اور اگر بندوں کی طرف منسوب ہو تو اسکے معنے ناجائز غلبہ یعنی ظلم زیادتی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ ۹۳/۹ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ، پھر جو یتیم ہے اُس پر کسی بھی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۹ کا ربط آیت نمبر ۱۴ کیساتھ ہے جس میں آنحضورؐ سے اعلان کرادیا گیا ہے کیا میں آسمانوں اور زمین کو نئے سرے سے بنانیوالے کے سوا کسی اور کو کارساز ٹھہرالوں کہ اُسکی شان یہ ہے کہ وہ کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا، کھانے پینے کی احتیاج سے صد فیصد بری ہے۔ کھلاتا ہے، یُطْعِمُ کی تفسیر آیت نمبر ۱۴ میں تفصیلاً گزر چکی ہے کہ اللہ کے کھلانے کا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ اُس میں اعلیٰ وادنیٰ سب شامل ہیں یعنی حقِ طعام میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں۔ لیکن سرمایہ دارانہ ادیان اس مساوات کو تسلیم نہیں کرتے، حتیٰ کہ سابقہ خداوندی کتابوں میں نظریۂ قسمت کے ذریعہ سرمایہ دارانہ نظام داخل کرکے ناہموار نظام کی خدائی سند حاصل کرلی گئی تھی، جو اسلام میں بھی درآمد کی جاچکی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے کسی کی قسمت میں بھوک ننگ لکھ رکھی ہے اور کسی کی قسمت میں عیش وعشرت۔ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز ٹھہرالوں کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں نے اللہ کے سوا بھی کارساز ٹھہرا رکھے تھے۔

● جب آنحضورؐ نے قرآن مجید کا نظریۂ ربوبیت ووحدت پیش کیا تو قرآن کے پیش کردہ ضابطے کے مقابلے پر اپنے بزرگوں کی سند پیش کیگئی کہ وہ غیر اللہ کو کارساز ٹھہراتے تھے۔ اللہ کی کتاب کے مقابلے پر کسی اور کی سند لانے کو اللہ کیساتھ شریک قرار دیا گیا ہے چنانچہ اگلی آیت میں چار مرتبہ کے قُلْ کے تکرار کیساتھ اعلان کرادیا گیا ہے کہ قرآن مجید وحی الٰہی ہے اس کے سوا کسی اور کو سند قرار دینا شرک ہے:-

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڐ
کہہ کونسی چیز سب سے بڑی شہادت کی رُو سے۔ کہہ اللہ ہے

شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ
سب سے بڑا گواہ درمیان میرے اور درمیان تمہارے شان یہ ہے کہ وحی کیا گیا طرف میری

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ
یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں ساتھ اس کے اور جس کو پہنچے

اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً
کیا بیشک تم البتہ گواہی دیتے ہو کہ بلاشبہ ساتھ اللہ کے الٰہ ہیں

اُخْرٰی ۭ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
دوسرے کہہ نہیں گواہی دیتا میں۔ کہہ سوائے اسکے نہیں وہ الٰہ ایک ہے

(اے رسولؐ! منکرینِ ربوبیت سے) پوچھئے گا کہ گواہی کی رُو سے کونسی چیز بڑی ہے۔ آپ ہی کہہ دیجئے گا کہ شہادت کی رُو سے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے[۱] اور شان یہ ہے کہ میری طرف (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ قرآن وحی کیا گیا ہے[۲] (اسکی وحی کی غرض یہ ہے کہ) میں تمہیں اسی کیساتھ تمہارے فرائضِ منصبی سے آگاہ کروں[۳] اور جس جس تک یہ پہنچے (وہ بھی اسی کے ساتھ لوگوں کو فرائضِ منصبی سے آگاہ کرے[۴])۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ بیشک اللہ کے ساتھ اور بھی فرمانبرداری کے قابل ہیں[۵]۔ کہہ دیجئے گا کہ میں ایسی گواہی ہرگز نہیں دیتا۔ کہہ دیجئے گا سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ وہ اللہ ہی ایک اکیلا فرمانبرداری کے لائق ہے[۶]۔

وَاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ۝ ۱۹

اور بیشک بری ہوں اُس سے جو تم شریک ٹھہراتے ہو

اور بیشک میں اُن سے بری (بیزار) ہوں جن کو تم اللہ کیساتھ شریک کرتے ہو۔ ؎۷

● ؎۱ قُلِ اللّٰہُ شَہِیْدٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ کے قُل کے الفاظ میں آنحضور کو حکم ہُوا کہ کہدیجیئےگا کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ آنحضور صلعم کے مدمقابل خدا تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے بلکہ اُن لوگوں نے اپنے بزرگوں کو اللہ کے حکم میں شریک بنا رکھا تھا جیسے کہ آگے نمبر ؎۷ میں بتا دیا گیا ہے کہ وہ مشرک تھے۔

● ؎۲ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ آنحضور صلعم پر صرف قرآن وحی کیا گیا تھا اور اُسکا نسخہ تمام ہر وقت آپکے پاس موجود ہوتا تھا جس کی طرف آپ اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے اُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔

● ؎۳ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ میں آمدہ ضمیر بہٖ نے حصر پیدا کر دیا ہے کہ اس کا غرض وحی و نزول یہ ہے کہ میں اسی کتاب خداوندی کیساتھ انذار کروں، تمہارے فرائضِ منصبی سے تمہیں آگاہ کرتا رہوں۔

● ؎۴ وَمَنْۢ بَلَغَ بھی حصر کے ماتحت آیا ہے کہ جس جس تک یہ قرآن پہنچے وہ بھی اسی کیساتھ لوگوں کو اُنکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرے۔

● ؎۵ اَئِنَّکُمْ لَتَشْھَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِہَۃً اُخْرٰی کے الفاظ سے عیاں ہے کہ آنحضور صلعم کے مخالفین نے اللہ تعالیٰ کیساتھ اور الٰہ غیر فرمانبرداری کے قابل قرار دے رکھے تھے، قرآن کریم کی تعلیم چونکہ اُنکے بزرگوں کی تعلیم اور اُن کے تواتر کے خلاف تھی، اسلئے وہ قرآن کریم کو اللہ کی طرف سے وحی کردہ کتاب تسلیم نہیں کرتے تھے۔

● ؎۶ قُلْ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ کے قُل کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ آنحضور صلعم سے ایک اکیلے الٰہ کی فرمانبرداری کیئے جانے کا اعلان کرا دیا گیا تھا کہ لوگ اگر بہت سے الٰہ فرمانبرداری کے لائق تسلیم کرتے ہیں تو آپ ایک الٰہ کا اعلان کر دیجیئےگا۔

● ؎۷ وَاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ کے الفاظ میں وضاحت کر دی گئی ہے آنحضور صلعم کے مدمقابل اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل تو تھے مگر اُسکے حکموں میں اپنے بزرگوں کو شریک کر رکھا تھا۔ نوعِ انسانی کا یہ بہت پرانا قاعدہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی لکھی ہُوئی کتابوں یا اُنکے بعد کے جمع کیئے ہُوئے اُنکے ملفوظات کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر حاکم قرار دے لیتے تھے۔ یہودیوں کے ہاں تالمود نامی وہ کتاب ہے جس میں حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کردہ اقوال درج ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر حاکم ٹھہرا کر کتابِ خداوندی میں تحریف لفظی تک کر رکھی ہے۔ اور نصاریٰ کی اناجیل تک میں حضرت مسیح کی طرف منسوب کردہ اقوال بھر دیئے گئے ہیں۔

● آنحضور صلعم انہی لوگوں کے اندر پیدا ہُوئے، بڑھے، جوان ہُوئے، اُنہی سے محمد کہلایا یعنی تعریف در تعریف کیا ہُوا۔ آپ اُنکے لیئے اجنبی نہیں تھے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی دھوکا فریب نہیں کیا۔ چنانچہ ۱۰/۱۶ میں آنحضور صلعم سے چیلنج دلوایا گیا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ پھر بلا شبہ میں نے تمہارے درمیان ایک عمر گزاری ہے، پھر تم کیوں عقل نہیں کرتے۔ دکیا میں نے کبھی جھوٹ بولا تھا کہ میں نے قرآن کریم کو خود گھڑ کر اللہ کے ذمہ لگا دیا ہے

حسب عادت بولا ہو)۔ اسکے جواب میں تاریخ شاہد ہے نہ کسی طرف سے کوئی جواب ہی آیا اور نہ ہی آپکی پوری زندگی پر کوئی انگلی ہی اٹھ سکی۔ آنحضورؐ کی اسی جان پہچان کے متعلق سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں محاورہ کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ لائے گئے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰

وہ لوگ جنہیں دی ہم نے اپنی کتاب وہ پہچانتے ہیں اسے جیسے وہ پہچانتے ہیں بیٹوں اپنوں کو۔ جن لوگوں نے خسارہ دیا اپنے آپ کو پس وہی نہیں ایمان لاتے

وہ لوگ جنہیں ہمنے اپنے (رسولوں کی معرفت) کتاب دی ہے (یعنی یہود و انصاری کو) وہ اسے (ہمارے مکی نبیؐ کو) اسطرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (مگر پھر بھی یقین نہیں کرتے کہ یہ سچا ہے) جو لوگ (خداوندی ہدایت نامہ آجانے کے باوجود محروم ہدایت رہے) انہوں نے خود اپنے آپکو خسارے میں رکھا۔ پس وہی لوگ (متوازن ضابطۂ حیات قرآن کریم پر) ایمان نہیں لاتے۔

● آیۂ بالا میں جہاں ہدایتِ الٰہی پر ایمان نہ لانیوالوں کو اپنے آپکو خسارہ پہنچانیوالے قرار دیا ہے، وہاں ساتھ ہی اگلی آیت مجیدہ میں جھوٹے مدعیانِ نبوّت اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانیوالوں، دونوں کو سب سے بڑھ کر ظالم اور غیر فلاح یافتہ ٹھہرایا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱

اور کون ہے بڑھ کر ظالم اُس سے جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ یا جھٹلائے آیتیں اُسکی بیشک وہ نہیں کامیاب ٹھہراتا ظالموں کو

اور اُس سے بڑھ کر کون ہے ظالم جو اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھ (کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے) اور وہ بھی جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیتوں کو جھٹلائے (دونوں ظالم ہیں) بیشک وہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو کامیاب نہیں ٹھہراتا۔

● اگلی آیت مجیدہ میں قیامت کی عدالتِ عالیہ میں سب کو حاضر کرنے اور اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو سامنے لانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۲۲

اور جس دن ہم جمع کریں گے اُن سب کو پھر ہم کہیں گے واسطے اُن لوگوں کے کہ شریک ٹھہراتے تھے کہاں ہیں شریک تمہارے ٹھہرائے ہوئے جنہیں تھے تم گمان کرتے

اور وہ دن قابلِ ذکر ہے جب ہم (قیامت کو) سب کے سب شریک ٹھہرانے والوں کو جمع کرینگے پھر ہم انہیں کہینگے کہاں ہیں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک جنہیں تم اپنے زعمِ باطل میں ہمارے شریک سمجھا کرتے تھے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا

پھر نہیں ہوگا اظہار اُن کا مگر یہ کہ کہیں گے

پھر نہیں ہوگا اظہار (یعنی بیان) اُن کا، سوائے اسکے کہ وہ یہ کہینگے

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾

قسم ہے اللہ رب ہمارے کی نہیں تھے ہم شرک کرنیوالے

ہمارے رب تعالیٰ کی قسم ہے کہ ہم مشرک نہیں تھے ؏ (ہم شرک تو نہیں کیا کرتے تھے)

● ۱ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ میں فتنہ کا لفظ مادہ ف۔ ت۔ ن ۔ فتن سے مشتق ہے۔ اسکا بنیادی معنیٰ ہے ظاہر کرنا۔ چنانچہ سونا پرکھنے کی کسوٹی کو فتّانہ کہتے ہیں، جو سونے کے متعلق ظاہر کرتی ہے کہ اس میں اتنا کھوٹ ہے۔ بزرگوں کو خدا کے شریک ٹھہرانے والے اس عمل کو نہ شرک مانتے ہیں نہ شرک کہتے ہیں، بلکہ اُن کا زعم باطل یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن بزرگوں کو یہ اختیار عطا کر رکھے ہیں کہ وہ مشکلیں حل کر سکتے ہیں، غائبانہ مدد کر سکتے اور مرادیں پوری کر سکتے ہیں، اُنکے ارشادات مطلقاً واجب الاطاعت ہوتے ہیں۔ اُنکے فرمودات و ملفوظات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر پرکھنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ وہ کتاب خداوندی کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، اُن پر بلا حیل و حجت عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس جھوٹے عقیدے کے مطابق ایسے لوگ قیامت کی عدالت عالیہ میں بھی اللہ اور رب تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہینگے کہ باری تعالیٰ ہم شرک تو نہیں کیا کرتے تھے۔ اس پر ارشاد ہوا ہے:۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ ۱

غور کر کس طرح جھوٹ بولیں گے اوپر اپنے آپکے حالانکہ گم ہوجائیگا

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۲ ﴿۲۴﴾

اُن سے جو تھے افترا کیا کرتے

(اے مخاطب!) غور کر کہ وہ کس طرح اپنے آپ پر (مزید بوجھ ڈالتے ہوئے) جھوٹ بولینگے (کہ زندگی بھر غیروں کو اللہ کا شریک قرار دئیے رکھا مگر قسمیں کھا کھا کر کہینگے کہ ہم شرک نہیں کیا کرتے تھے) حالانکہ (قیامت کو) جن کے گم ہوجانے کی وجہ وہ افترا کیا کرتے تھے ؏

● ۱ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ میں جو حرف جار علیٰ آیا ہے اسکے مطابق یہ معنیٰ صحیح ہے کہ وہ اپنے آپ پر مزید بوجھ ڈالتے ہوئے جھوٹ بولینگے۔ کیونکہ قرآن مجید میں حرف جار لِ جزا کیلئے آتا ہے اور علیٰ سزا، بوجھ اور وبال کیلئے آتا ہے، جیسے کہ ۴۱/۴۶ میں آیا ہے:۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا، جو کوئی صلاحیت بخش عمل بجالایا اُن کی جزا اُس کے اپنے لئے ہے اور جس نے بُرے عمل کئے اُنکی سزا، اُنکا بوجھ، اُن کا وبال اُنکے اپنے آپ پر ہوگا۔

● زندگی بھر تو غیروں کو اللہ کیساتھ حاجت روا، مشکلکشا ٹھہرایا، اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر مان کر، غیب دان اور مختار کل جان کر اُن سے زندگی بھر مدد و مرادیں مانگتے رہے، مگر ان افعال کو زندگی بھر شرک تسلیم نہ کیا۔ یہانتک کہ قیامت کے متعلق بھی یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ ہم اپنے بزرگوں کا دامن تھام کر جنت میں پہنچ جائینگے، اس باطل تصور کا بطلان ان الفاظ میں مکمل کر دیا گیا ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ، حالانکہ قیامت کی عدالت عالیہ میں وہ لوگ جن کے متعلق اُنہوں نے افترا باندھ رکھا تھا کہ وہ قیامت کے دن مدد کیلئے پہنچ جائینگے اپنا دامن تھما کر جنت میں لے جائینگے، وہ گم ہوجائیں گے کوئی بھی مدد کو نہیں پہنچیگا مگر پھر بھی یہ لوگ حضورِ الٰہی میں اُسی کو اللہ اور رب کہہ کر اُسی کی جھوٹی قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے ہوں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ یہ اتنا بڑا دھوکا اُسی باطل عقیدے ہی سے لگتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور ولیوں کا دامن

ناظر غیب دان، مشکل کشا اور مختار کل بنایا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبیوںؑ کی دعاؤں سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، مشکل وقت پر حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت ایوبؑ سب نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی، حضرات ابراہیمؑ و زکریاؑ حصولِ اولاد کیلئے حضورِ الٰہی میں گڑگڑائے، ان قرآنی شواہد سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ اگر وہ مختارِ کل اور مشکل کشا ہوتے تو خود مشکلوں میں کیوں گرفتار ہو جاتے اور اپنی مشکلوں میں حضورِ الٰہی میں کیوں دست بدعا ہوا کرتے۔ خود خاتم النبیینؐ کی دعائیں قرآن مجید میں موجود ہیں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمائیو۔

قربِ الٰہی

● سورہ زمر میں آیا ہے کہ غیر اللہ کو مددگار قرار دینے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ان بزرگوں کی فرمانبرداری اسلئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی 39/3 حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت کا ایک ہی نسخہ بتایا ہے:۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ 96/19 (اے قربتِ الٰہی کے طلبگار!) اللہ تعالیٰ کا پورا پورا فرمانبردار ہو اور قریب ہو جا۔ یہ عقیدہ بھی عجیب و غریب ہے کہ بزرگوں کے اقوال و ملفوظات کو کلام الٰہی قرآنِ کریم سے بالا و برتر سمجھا جائے، یعنی یہ نہ دیکھیں کہ کیا بزرگوں کے اقوال قرآن کریم کے خلاف تو نہیں۔ اگر خلاف ہیں تو ہو سکتا ہے وہ بزرگوں کے قول نہ ہوں، انکی طرف غلط طور پر منسوب ہو چکے ہوں۔ تو اس طرح کلامِ خداوندی کی مخالفت بھی ہو رہی ہو اور اللہ تعالیٰ کا قرب بھی میسر آ جائے۔ یا للعجب!

● قربِ خداوندی کے متعلق کھلے لفظوں میں وضاحت کر دی گئی ہے:۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ 50/16 ہم تو اس (انسان کے ہر ایک فرد) کی شاہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ یہ خود اللہ تعالیٰ سے دور رہتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ یہ خود اسکے قریب ہو جائے جس کا ایک ہی قرآنی طریقہ اوپر بیان ہو چکا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ 96/19 اللہ تعالیٰ کا پورا پورا فرمانبردار ہو اور اسکے قریب ہو جا۔ جتنا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے اتنا ہی وہ اسکے قریب ہے۔

● قربِ الٰہی کے اس طریقے کی وضاحت سورہ بقرہ کے ان الفاظ میں کھل کر کر دی گئی ہے:۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ 2/186 اے رسولؐ! جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں (کہ کیا وہ قریب ہے) تو (آپ کہہ دیجئے گا کہ وہ کہتا ہے) میں قریب ہوں (اتنا قریب کہ) جب بھی کوئی دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اسے (اپنے قانونِ جاریہ کی زبان میں اسی وقت) جواب دیتا ہوں (کہ میرے قانون کے مطابق حصولِ مقصد کیلئے سرگرم عمل ہو جا، تیری مراد پوری ہو جائے گی) پس چاہیئے کہ وہ میرے جواب کو عملاً قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں (کہ میں نے ہر چیز کے حصول کے لئے قوانین متعین کر دیئے ہیں، ان پر عمل کریں) تاکہ وہ صحیح راہ پا سکیں۔ اس آیت مجیدہ میں بالتفصیل بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ صرف اس کی فرمانبرداری ہے اور اسکے قانونِ جاریہ پر ہمہ تن معروفِ عمل ہو جانا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کے مدّمقابلین کے ایک گروہ کے متعلق خود آنحضورؐ کو مخاطب کرکے ذیل کی خبر دی گئی ہے:-

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى

اور ہیں سے اُنکے جو کان لگاتے ہیں طرف تیری اور پایا ہمنے اُوپر

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ

اذہان اُنکے پردہ کر وہ نہ سمجھیں اُسے اور بیچ کانوں اُنکے بوجھ ہے

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا

اور اگر دیکھیں تمام نشانیاں نہ ایمان لائیں ساتھ اُنکے یہاں تک کہ جب

جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ

آتے ہیں پاس تیرے جھگڑتے ہیں تجھ سے کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا نہیں

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ۲۵

یہ مگر کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی

اور اُن (آپکے مخالفوں) میں سے بعض وہ ہیں جو آپکا کلام سُننے کیلئے آپکی طرف کان لگاتے ہیں لیکن ہمنے اُن کے ذہنوں پر عدم تدبّر کے پردے پڑے ہوئے پائے ہیں^۱، اسلئے وہ ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید کو) نہیں سمجھتے۔ اور اُنکے کانوں میں بوجھ ہے وہ (سُنتے ہی نہیں)۔ اور اُنکی (مخالفت برائے مخالفت کی) حالت یہ ہے کہ اگر وہ تمام دلائل دیکھ بھی لیں تو پھر بھی اس قرآن کیساتھ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپکے پاس آتے ہیں جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کر دیا ہے، تو وہ آپ سے جھگڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو صرف پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

● ۱ واضح رہے کہ ایسے افعال جن کے مروّجہ ترجمہ سے یہ تصوّر برآمد ہو، کہ اللہ تعالیٰ ذہنوں پر مُہریں لگا دیتا ہے یا اُن پر پردے ڈال دیتا ہے کہ وہ ہدایت پر نہ آسکیں، ایسے افعال میں خاصہ وجدان موجود ہوتا ہے جیسے کہ آیت بالا میں آیا ہے جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً، اِسکا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ ہمنے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُنکے ذہنوں پر پردے ڈال دئیے ہیں کہ وہ نہ سمجھ سکیں۔ بلکہ خاصہ وجدان کے مطابق اسکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہمنے اُنکے ذہنوں پر عدم تدبّر کے پردے پڑے ہوئے پائے ہیں، اِس سبب سے وہ قرآن کو نہیں سمجھتے ــــ اگلی آیت مجیدہ میں اُنکی اِس روش کی غرض بتائی گئی ہے خود بھی نہ ماننا اور لوگوں کو بھی اس سے روکنا:-

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَ

اور وہ روکتے ہیں اس سے اور خود بھی رکتے ہیں اُس سے اور

اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ۲۶

نہیں ہلاک کرتے وہ کسی کو مگر اپنے آپکو اور وہ نہیں شعور رکھتے

اور وہ (قرآنِ کریم کو پرانے لوگوں کی کہانیاں بتا کر لوگوں کو بھی اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اِس سے رُک رہتے ہیں اور وہ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپکو) لیکن وہ اس چیز کا شعور نہیں رکھتے ــــ اگلی آیت میں انہی کا قیامت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے:-

وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا

اور تو دیکھے جب کھڑے کئے جائیں اوپر آگ کے پھر وہ کہیں گے

اور (اے مخاطب!) کاش کہ تو تصوّر کی نگاہ سے دیکھے جب وہ آگ (کے کنارے پر) کھڑے کئے جائینگے پھر وہ کہیں گے

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا
کاش ہم لوٹائے جائیں اور نہ ہم جھٹلائیں گے ساتھ آئتوں رب اپنے
وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۷
اور ہم ہوں گے بیچ سے مومنوں کے

کاش کہ ہم واپس بھیج دیئے جائیں۔ اِسکے بعد ہم اپنے رب کی آئتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں گے۔

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اِن لوگوں کی یہ تمنّا بھی جھوٹ ہے محض اِنکا یہ کہنا بھی غلط ہے۔ بلکہ:۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ
بلکہ ظاہر ہوا واسطے انکے جو تھے چھپاتے سے پہلے اِسکے
وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
اور اگر لوٹائے جائیں البتہ اعادہ کریں واسطے اسکے جو منع کئے گئے اُس سے
وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ۲۸
اور بیشک وہ البتہ جھوٹے ہیں

(اُنکی اس بات میں کوئی صداقت نہ ہو گی) بلکہ اس سے پہلے جو کچھ وہ چھپا کر عمل کرتے تھے وہ ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور اگر وہ واپس لوٹائے جائیں تو پھر بھی وہی اعمال کریں گے جن سے وہ منع کئے گئے ہیں۔ اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ
اور کہتے ہیں، نہیں وہ مگر زندگی دُنیا کی اور
مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ ۲۹
نہیں ہم ساتھ اُٹھائے جانے والے

حقیقت یہ ہے کہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہماری صرف دُنیا ہی کی زندگی ہے (خوب اِستعمال اور نفع اندوزی کرنی چاہیئے) حقیقت یہ ہے کہ ہم عملوں کی جوابدہی کے لئے ہرگز اُٹھائے جانیوالے نہیں۔

● اس سے اگلی آئت میں پھر نگاہِ تصوّر کے ساتھ اسی منظر کو دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ اللہ کے حضور کھڑے کئے جائینگے:۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ
اور کاش دیکھے تُو جب وہ کھڑے کئے جائینگے سامنے رب اپنے
قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا
کہے گا کیا نہیں یہ ساتھ حق کہیں گے ہاں اور قسم رب ہمارے کی
قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ ۳۰
کہیگا پس چکھو عذاب کو بعوض اسکے تھے تم انکار کرتے

اور (اے مخاطب) کاش کہ تُو تصوّر کی نگاہ سے (دوبارہ) دیکھے جب وہ اپنے رب (یعنی نظامِ ربُوبیّت کا حکم دینے والے) کے حضور کھڑے ہوں گے۔ وہ کہے گا کیا (یہ دوزِ مکافات) سچا نہیں ہے۔ وہ کہینگے ہاں قسم ہے رب ہمارے کی سچا ہے وہ کہے گا اب مزہ چکھو عذاب کا بسبب اِس کے کہ تم اپنے رب یعنی نظامِ ربُوبیّت کا انکار کرتے تھے۔

● اگلی آئت مجیدہ میں قیامت کو جھٹلانے والوں کے متعلق بتایا گیا ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى
بیشک گھاٹا پایا، جنہوں نے جھٹلایا کو حاضری اللہ کی یہانتک کہ

اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا
جب آئیگی اُنکے پاس قیامت اچانک کہینگے اے افسوس ہم پر

عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَ
اوپر اسکے جو کمی کی ہمنے بیچ اسکے اور وہ اُٹھائیں گے بوجھ

هُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ ۳۱
اپنا اُوپر پیٹھوں اپنی کے خبردار بُرا ہے جو وہ اٹھائینگے

بلاشبہ وہ لوگ خسارے میں رہے جنہوں نے اعمال کی جوابدہی کے لئے اللہ کے حضور حاضر ہونے کو جھٹلایا۔ حتیٰ کہ جب اُنکے پاس قیامت کی گھڑی اچانک آجائیگی تو وہ کہینگے افسوس ہے ہم پر کہ اسکی تیاری میں ہم نے کمی کی۔ حالت یہ ہو گی کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اُٹھائے ہُوئے ہوں گے۔ (قیامت کو کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائیگا) خبردار (بگوش ہوش سُن لوکہ) کتنا بُرا ہے وہ بوجھ جو وہ اُٹھائے ہُوئے ہونگے۔

● ۱؎ لِقَآءِ اللّٰهِ سے مُراد اللہ کا دیدار نہیں، بلکہ اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کے دن اُس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار یعنی اُسکے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۶/۱۰۳ اُسے نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ کوئی عقل اُسے پا سکتی ہے، وہ ہر آنکھ کو دیکھتا ہے اور ہر عقل کو پاتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی دُعا فرمائی رَبِّ اَرِنِيْٓ لیکن جواب ملا لَنْ تَرٰىنِيْ ۷/۱۴۳ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھیگا۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے یا دکھا سکنے کا دعوٰی کرنے والوں کو حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ کے واقعہ سے غلط فہمی دور کرلینی چاہیئے۔

● قرآن مجید میں لِقَآءَنَا، لِقَآءِيْ اور لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا اور لِقَآءِ يَوْمِكُمْ هٰذَا کے الفاظ صرف اپنے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے اللہ تعالیٰ کیساتھ ملاقات کرنے کے معنوں میں آئے ہیں۔ جن لوگوں کے متعلق آیا ہے کہ وہ لقاء اللہ اور بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ کی اُمید نہیں رکھتے، اس سے مُراد یہ ہے کہ وُہ قیامت کی بازپُرس کے منکر ہیں۔ جیسے کہ سُورہ سجدہ میں ایسے ہی لوگوں کا قول اور اللہ تعالیٰ کا جواب درج ہے:۔ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ۳۲/۱۰ اور وہ کہتے ہیں کیا جب ہم (مرنے کے بعد گل سڑ کر) زمین میں گم ہوجائینگے تو کیا ہم نئی زندگی کیساتھ زندہ کئے جائینگے؟ (اُنکا یہ سوال یونہی نہیں) بلکہ وہ اپنے رب کے حضور اعمال کی جوابدہی کے منکر ہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں دُنیا کی زندگی اور اُخروی زندگی کا تقابل پیش کرکے اسی چیز کی وضاحت کر دیگئی ہے:۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ
اور نہیں زندگی دُنیا کی کھیل اور غفلت

اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی (میں مستغرق ہوجانا) نہیں ہے کچھ بھی مگر محض کھیل اور فرائض منصبی سے غفلت ہے۔ اور

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ
اور البتہ گھر آخرت کا اچھا ہے واسطے انکے جو بچتے ہیں

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ ۳۲
کیا پھر نہیں تم عقل کرتے

یقیناً یقیناً (اس زندگی کے اچھے عملوں کے) انجام کا گھر اُن لوگوں کے لئے اچھا ہے جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔ کیا پھر تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے (کیوں نیک اعمال کے ذریعہ قیامت کی تیاری نہیں کرتے ؟)۔

● اگلی آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے انکار کرنے پر آنحضورؐ غمگین ہو جاتے تھے۔ اسلئے آپؐ کی تسکین و تسلّی کے لئے ارشاد فرمایا:-

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ
بیشک ہم جانتے ہیں بیشک وہ البتہ غمگین کرتا ہے آپکو جو وہ کہتے ہیں

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ
پس بیشک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو اور لیکن وہ ظالم ساتھ آیتوں کے

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۞ ۳۳
اللہ کی جھگڑا کرتے ہیں

(اے رسولؐ!) بیشک ہم جانتے ہیں کہ بلا شبہ آپ کو وہ چیز غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں (کہ یہ قرآن، مُدّعیٔ رسالت نے خود گھڑ لیا ہے) پس بیشک وہ آپکو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کے ساتھ جھگڑتے ہیں (کیوں کہ یہ اُن کے آبائی عقائد و اعمال کی مخالفت کرتی اور اُن کے مفاد سے ٹکراتی ہیں)۔

ضابطۂ الٰہی، ہر استحصالی گروہ کے ذاتی مفاد سے ٹکراتا ہے

● قرآن کریم چونکہ نہ علماء و مشائخ کے اس مفاد کے حق میں ہے کہ لوگ کمائیں اور یہ بیکار بیٹھے کھائیں، نہ سُود خور کو اجازت دیتا ہے کہ وہ قرضدار کا خون چوستا رہے، نہ اپنے نفع خویش کے حق میں ہے کہ وہ عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی ضروریاتِ زندگی کا ذخیرہ کر کے کئی گنا نفع کی صورت میں بٹورتا رہے۔ نہ جاگیردار کو اجازت دیتا ہے کہ اُسکے پاس ضرورت سے زائد مکانات ہوں اور وہ کرایہ کے نام پر مُفت خوری کرتا رہے۔ نہ زمیندار کو اجازت دیتا ہے کہ کرسے لیکر پیروں تک پسینے میں شرابور ہو کر کاشت تو کریں مزارعے مگر فصل پکنے پر غلّے کی بوریاں اُسکے ہاں پہنچ جایا کریں۔ اور اسی طرح نہ سلطان و سربراہ کو یہ چھٹی دیتا ہے کہ ملک کی دولت جو مُلکی عوام ہی کا مال ہے اُس میں سے وہ اور اُسکے کارندے تو تنخواہوں اور سفر خرچوں کی صورت میں لُوٹ کا ساحصہ پائیں، مگر مُلکی عوام ضروریاتِ زندگی خوراک لباس اور علاج سے محروم پائے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کریم نے اپنے اوّلین منشور کا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ میں اعلان کیا تو چونکہ ربوبیتِ عالمینی کا تصوّر مندرجہ بالا تمام گروہوں کے مفاد سے ٹکراتا ہے۔ اسلئے سب کے سب بیک وقت اُس کی مخالفت پر اُتر آئے۔ اس کے برعکس حضور پاکؐ کو تو سب لوگ قبل نبوت ہی سے بے لوث کردار کا حامل تسلیم کرتے تھے۔ اسلئے آیت بالا ۶/۳۳ میں آنحضورؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے کہ یہ ظالم غاصبینِ ربوبیتِ عامہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ آیاتِ قرآنیہ کو جھٹلاتے ہیں جو اُن کی گدیوں، اجارہ داریوں، سُود خواریوں، من مانی نفع اندوزیوں اور ناجائز جمع مال کے قدیمی نظریات پر برق بن کر گرتی اور جلا کر راکھ کر دیتی ہیں۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بھی آنحضورؐ کو تسلی دی گئی

ہے کہ اِن گروہوں کی طرف سے یہ اندازِ تکذیب کوئی نیا نہیں، آپ سے پہلے جملہ انبیاءِ کرام کو اسی طرح جھٹلایا گیا تھا۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا
اور بیشک جھٹلائے گئے رسول سے پہلے آپ کے پس ثابت قدم رہے
عَلٰى مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتّٰى أَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ
اوپر جو جھٹلائے گئے اور ستائے گئے حتیٰ کہ آئی اُن کے پاس مدد ہماری اور
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَإِى
نہیں کوئی بدلنے والا کلمات اللہ کو اور بیشک آئی پاس تیرے خبر
الْمُرْسَلِيْنَ ۳۴
رسولوں کی

اور (اے رسولؐ!) بیشک آپ سے پہلے بھی ہمارے رسول جھٹلائے گئے تھے۔ اور ایذا دئیے گئے تھے۔ پھر وہ سب اُس ضابطۂ حیات پر ثابت قدم رہے جس کی بدولت وہ جھٹلائے گئے۔ یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد آگئی (یقیناً آپ کی بھی مدد و نصرت کی جائے گی) کیونکہ ہمارے کلمات (ہمارے وعدوں) کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اور بیشک آپکے پاس ہمارے رسولوں کی (مدد کی) خبر پہنچ چکی ہے۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں مادی معجزات کی نفی کرتے ہوئے آنحضورؐ کو ارشاد ہوا ہے کہ اگر آپکو اپنے مخالفین کا حقائق سے انکار کرنا ناگوار گزرتا ہے اور آپ اس سے غمگین ہوتے اور اندر ہی اندر مضطرب و بیقرار رہتے ہیں تو اُن کے لئے یہ معجزہ لے آئیے۔

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ
اور اگر ہے گراں اوپر تیرے منہ موڑنا اُنکا۔ پھر اگر
اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا
طاقت ہے تجھے کہ تو تلاش کرے کوئی سرنگ بیچ زمین کے یا کوئی سیڑھی
فِي السَّمَآءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ
بیچ آسمان کے پھر لے آئے پاس کوئی معجزہ اور اگر چاہتا اللہ ضرور جمع کرتا اُنہیں
عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
اوپر ہدایت کے، پس تو نہ ہو میں سے
الْجٰهِلِيْنَ ۳۵ (النصف)
بے خبروں کے

اور (اے رسولؐ!) اگر آپ پر انکار و گردانی کرنا گراں گزرتا ہے تو پھر اگر آپ میں طاقت ہے کہ آپ زمین میں کوئی سُرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کر لیں پھر اُن کے لئے کوئی معجزہ لے آئیں اور اگر اللہ تعالیٰ (انسان کا اختیار و ارادہ سلب کر کے معجزات کے ساتھ مومن بنانا) چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پھر (جب اُس نے اختیار و ارادہ ہی کے ساتھ ایمان لانا پسند فرمایا ہے تو) آپ بے خبروں میں سے نہ ہو جانا (جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سب کو راہ راست پر کیوں نہیں لے آتا)۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں اسی چیز کی تاکید کیگئی ہے کہ تبلیغِ قرآنی کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو غور سے سنتے ہیں، لیکن جو مُردہ ذہن ہیں چونکہ وہ قرآن کریم کو بغور سنتے ہی نہیں، اسلئے ایمان نہیں لاتے، وہ دوسری زندگی میں

حضورِ الٰہی میں حاضر کئے جائیںگے:۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ○ ۳۶

سوائے اسکے نہیں قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو غور سے سنتے ہیں اور جو مردہ ذہن ہیں اٹھائیگا انہیں اللہ پھر طرف اسی کے وہ پھیرے جائیں گے

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ (آپ کی دعوت کو) وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (خالی الذہن ہوکر) سنتے ہیں۔ اور جو مُردے ہیں (یعنی خالی الذہن ہوکر سنتے ہی نہیں وہ ایمان نہیں لاتے) انہیں اللہ تعالیٰ اٹھائیگا (مرنے کے بعد) پھر وہ جوابدہی کیلئے اُسی کی طرف لوٹائے جائینگے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ ۳۷

اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل کیا گیا اوپر اسکے کوئی معجزہ طرف سے رب اسکے کہہ بیشک اللہ قانون بنانیوالا اوپر اسکے کہ نازل کرے کوئی معجزہ اور لیکن اُن کی اکثریت نہیں جانتی

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (مدعیٔ نبوت) پر کوئی معجزہ اُسکے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ (اے رسولؐ!) آپ کہہ دیجئیگا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اسکے (یعنی معجزے نازل کرنے کے) قانون بنانیوالا ہے، اور لیکن انکی اکثریت نہیں جانتی (کہ اُس نے معجزات نازل کرنے کا کوئی قانون نہیں بنایا)

● آیاتِ بالا میں انسان کے اختیار و ارادہ کی خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں باقی سب جانداروں پرندوں وغیرہ کے متعلق بتادیا گیا ہے کہ اگرچہ وہ بھی تمہاری طرح کی الگ الگ نوعیں ہیں، لیکن اُنہیں صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں بنایا گیا۔ وہ اپنی الگ الگ جس جس فطرت پر پیدا کئے گئے ہیں، وہ اُسی کے گرد جمع رہتے اور اُسی کے مطابق زندگیاں بسر کر رہے ہیں:۔

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ○ ۳۸

اور نہیں ہیں سے کوئی جاندار بیچ زمین کے اور نہ پرندے اڑتے ہیں ساتھ اپنے پروں کے مگر نوعیں ہیں مثل تمہاری نہیں کمی کی ہے ہم نے کتابِ فطرت سے کسی چیز کی پھر طرف رب اپنے کے وہ جمع کردئے گئے ہیں

اور نہیں ہیں زمین میں جتنے بھی جاندار اور پرندے جو اپنے دونوں بازوؤں کیساتھ اڑتے ہیں مگر (تخلیق کے لحاظ سے) سب تمہاری طرح الگ الگ نوعیں ہیں۔ ہم نے کتابِ فطرت میں کسی طور کی چیز میں کمی نہیں چھوڑی (یعنی سب کو صحیح صحیح فطرت ودیعت کر رکھی ہے۔ اُنہیں صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں بنایا) پھر وہ سب اپنے رب کی طرف (یعنی اُسکی عطا کردہ فطرت پر) جمع کردئے گئے ہیں۔

● یہاں الکتٰب سے مُراد اسلئے کتابِ فطرت صحیفۂ کائنات ہے، چونکہ ماقبل زمین کے جانداروں اور پرندوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں کتٰب کے ذیل کے چھ معنے مذکور ہیں:-

۱۔ الکتٰب بمعنی قرآنِ کریم۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۱۶/۸۹ اور (اے رسُولؐ!) ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو مسائلِ دین کی ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنیوالی ہے۔ نیز دیکھئے آیتِ ذیل ۶/۱۱۵۔ ۲۶/۲۔ ۲۹/۴۷۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۲۷/۱ مذکورہ آیتیں قرآن مجید یعنی خود بیان کرنیوالی کتاب کی ہیں۔ ۱۵/۱

۲۔ کتٰب بمعنی کتابِ فطرت۔ کتابِ کائنات۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۹/۳۶ بلاشبہ کتابِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ مہینوں کی گنتی اُسی دن سے بارہ ہے جب اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔

۳۔ کتٰب مُّبین بمعنی علمِ الٰہی۔ عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۳۴/۳ اللہ عالم الغیب ہے۔ اُس سے کوئی ذرّہ بھر چیز بھی خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، پوشیدہ نہیں۔ اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو مگر وہ کتابِ مُبین (علمِ الٰہی) میں موجود ہے۔

۴۔ کتٰب بمعنی کتاب۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ ۲۹/۴۸ اور اے رسُول! آپ نزولِ قرآن سے پہلے (کسی بھی مسلک کی) کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں مَا كُنْتَ تَتْلُوْا ماضی استمراری لاکر نزولِ قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھنے کی نفی کردی گئی ہے۔

۵۔ کتٰب بمعنی چٹھی۔ اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۲۷/۲۹ بلاشبہ میری طرف ایک معزز چٹھی بھیجی گئی ہے۔

۶۔ کتٰب بمعنی قانون۔ ۳۵/۱۱ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ اور نہیں بڑھتی کسی عمر والے کی عمر اور نہ ہی عمر میں سے کچھ کم ہوتا ہے مگر وہ اللہ کے قانون میں ہے۔

انسان کے سوا کوئی بھی نوع صاحبِ اختیار وارادہ نہیں

● آیتِ بالا ۶/۳۸ زیرِ بحث میں الکتٰب سے مُراد کتابِ کائنات ہے جس میں ہر قسم کے جاندار پرندے پیدا کر دیئے گئے ہیں اور اُن میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔ نیز صاحبِ اختیار وارادہ صرف انسان ہے جو اپنے اختیار وارادہ کیساتھ علیٰ وجہ البصیرت ضابطۂ خداوندی پر ایمان لانے کا مکلّف ہے۔ باقی سب نوعیں مکلّف نہیں۔ وہ سب کی سب اپنی اپنی فطرت پر مجبورِ محض پیدا کیگئی ہیں۔ گھوڑا مجبور ہے کہ گھاس دانہ کھائے اور دن بھر تانگہ کھینچتا رہے۔ گائے بھینسیں مجبور ہیں کہ چارہ کھائیں اور دُودھ دیں۔ بھیڑ بکریاں مجبور ہیں کہ جنگل میں چریں اور انسان کی گوشت کی ضروریات پُوری کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کر کے زیادہ سے زیادہ گوشت مہیا کرتی رہیں۔ گدھا مجبور ہے کہ خشک سے خشک چارہ کھا کر دن بھر بوجھ اُٹھاتا رہے۔ اُونٹ مجبور ہے کہ ہفتہ ہفتہ چارے اور پانی کے بغیر ریگستانوں میں سفر کیا کرے۔ علیٰ ہٰذا القیاس چھوٹے جنگلی جانور اور پرندے مجبور ہیں کہ شکار ہُوا کریں اور شیر چیتا اور باز شکرا وغیرہ مجبور ہیں کہ شکار کیا کریں۔ حتیٰ کہ گدھ مجبور ہے کہ چار چار پانچ پانچ من کی گھوڑے گدھے کی لاش چٹ کر کے تنہا اکیلا گدھا تو لے کی بیٹھ میں منتقل کرتی رہے۔ یہ سب کی الگ الگ فطرت ہے اور جو چیز جس کام کے لئے پیدا

کی گئی ہے اُس کی فطرت میں مطلقاً کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ اور اسی چیز کے متعلق ارشاد ہوا ہے مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ = ہمنے کتاب کائنات میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی۔

● ۲۳ اب صفحہ ۱۵۶ پر درج آیت مجیدہ ۶/۳۸ کے ضمنی نوٹ ۲۳ کا ملاحظہ فرمائیں۔ آیت مجیدہ میں جو آیا ہے ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ۔ یہاں هِمْ کی ضمیر روئے زمین کے دابۃ اور طائر کی طرف جاتی ہے۔ لیکن چونکہ انسان کے سوا روئے زمین کی کوئی مخلوق نہ مکلّف ہے نہ صاحب اختیار وارادہ ہے اسلئے اِلٰى رَبِّهِمْ میں اِلٰى بمعنی پر ہے اور رب بمعنی رب کی عطا کردہ فطرت ہے۔ اور يُحْشَرُوْنَ مضارع مجہول جمع برائے حال ہے برائے استقبال نہیں۔ اور مفہوم یہ ہے کہ وہ سب کے سب اپنے رب کی عطا فرمودہ فطرت پر جمع کردئے گئے ہیں کہ وہ کبھی بھی اپنی فطرت بدل نہیں سکتے۔ شیر تر و تازہ گھاس کی طرف آنکھ اُٹھا کبھی نہیں دیکھتا اور بکری تر و تازہ گوشت کو سونگھتی تک نہیں۔

● اب رہا سوال یہ کہ رب کا معنی رب تعالیٰ کی عطا فرمودہ فطرت کس طرح لیا جاسکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ ۱۶/۲۶ میں لفظ اللہ کا معنی اللہ کا مقرر کردہ عذاب ہے:۔ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۰ ۱۶/۲۶ بیشک اُن سے پہلے جن لوگوں نے بُری تجویز کی۔ اُن کی عمارتوں پر بُنیادوں سے اللہ کا مقرر کردہ عذاب آیا پھر اُنکے اُوپر سے اُن پر چھت آپڑے اور اُن پر اُس طرف سے اللہ کا عذاب آیا جس کا وہ شعور بھی نہیں رکھتے تھے۔

● غور فرمائیگا آیت مجیدہ ۱۶/۲۶ میں متن کے خط کشیدہ الفاظ فَاَتَى اللّٰهُ جس کا لفظی ترجمہ ہے پھر اللہ آیا مگر ان الفاظ کے صحیح معنے، ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ ہیں "اللہ کا مقرر کردہ عذاب آیا" جس نے اُنکے مکانوں کی بُنیادیں متزلزل کردیں اور چھت اُنکے اوپر آگرے۔ جس طرح یہاں لفظ اللہ بمعنی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہُوا عذاب ہے۔ اُسی طرح ۶/۳۸ میں رب بمعنی رب تعالیٰ کی عطا فرمودہ فطرت ہے۔ اس حقیقت کے خلاف بعض سابقہ تفسیروں نے رَبِّهِمْ کی ضمیر کا مرجع قریب ترک کرکے نوعِ انسانی کو اسکا مرجع قرار دیدیا ہے اور جنھوں نے صحیح مرجع قریب "دابۃ" اور طائر کو قرار دیا ہے، اُنہوں نے نوعِ انسانی کیساتھ ساتھ باقی تمام نوعوں کو بھی اعمال کی جوابدہی کیلئے حضورِ الٰہی میں حاضر کئے جانے کا مضحکہ خیز تصور پیش کیا ہے۔ تصریفِ آیات اور سیاق وسباق کے مطابق حقیقت اُوپر بیان کردیگئی ہے۔ ماعلینا الا البلاغ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۳۹ واؤ عاطفہ سے شروع ہوتی ہے۔ اِسکا عطف آیت نمبر ۳۷ پر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ لوگ معجزات مانگتے ہیں لیکن اُنکی اکثریت اس چیز سے بے خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزوں کے ذریعہ مومن بنانے کا قانون ہی نہیں بنایا۔ ایمان لانا یا نہ لانا ہر شخص کے اپنے اپنے اختیار وارادہ پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق نوعِ انسانی کو سمع، بصر اور فواد یعنی کان، آنکھ اور دماغ کی نعمتوں سے نوازا اور اپنے رسولوں کے ذریعہ اپنا ہدایت نامہ نوعِ انسانی کو پہنچادیا۔ اب ہر کسی کا اپنا فرض ہے کہ علیٰ وجہ البصیرت ایمان لائے۔ چنانچہ ایمان نہ لانے والوں کے متعلق

ارشاد ہوا ہے :-

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُکْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ

اور جو لوگ جھٹلائیں کو آئتیں ہماری بہرے اور گونگے ہیں بیچ اندھیروں

مَنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یُضْلِلْہُ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْہُ

جسے مطابق قانونِ مشیت اللہ گمراہ ٹھہراتا ہے اور جسے مطابق قانون مشیت ٹھہراتا ہے اسے

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ ۳۹

اوپر راستے سیدھے

اور جو لوگ ہماری آئتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ (باطل عقائد کے) اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں (آیات کریمات کو خالی الذہن ہو کر سننے ہی نہیں اس لئے ایمان نہیں لاتے)۔ پس اللہ تعالیٰ قانونِ مشیت کے مطابق اُسے ہی گمراہ قرار دیتا ہے جو خود گمراہ ہو جاتا ہے $\frac{۱۰}{۱۰۸}$ اور اُسے ہی سیدھی راہ پر قرار دیتا ہے جو خود ہدائت قبول کرتا ہے $\frac{۱۰}{۱۰۸}$ - $\frac{۲۴}{۹۲}$ - $\frac{۳۹}{۱۴}$ نمبر ۱۔

● واضح رہے مندرجہ ذیل کی آیات مجیدہ $\frac{۱۰}{۱۰۸}$ $\frac{۱۸}{۲۹}$ $\frac{۳}{۱۹}$ اور $\frac{۶}{۲۹}$ سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا جو گمراہ ہوتا ہے خود ہوتا ہے اور جو ہدائت پاتا ہے خود پاتا ہے :-

● $\frac{۱۰}{۱۰۸}$ قَدْ جَآءَکُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق قرآن آگیا ہے۔ پھر جو کوئی خود ہدائت پائے تو وہ اُسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے اُسکا وبال اُسکی اپنی جان پر ہوگا $\frac{۳۹}{۱۴}$ میں بھی متن کے یہی الفاظ آئے ہیں۔

● $\frac{۱۸}{۲۹}$ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ اور کہہ دیجئیگا ! (اے رسولؐ !) حق قرآن تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ پس جو کوئی خود چاہے ایمان لائے اور جو کوئی خود چاہے کُفر کرے۔

● $\frac{۳}{۱۹}$ + $\frac{۶}{۲۹}$ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْکِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ٥ بیشک یہ قرآنِ کریم کی آیات مجیدہ نصیحت نامہ ہیں جو کوئی خود چاہے اسکے ذریعہ اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔

جو کوئی ہدائت پاتا ہے خود پاتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوجاتا ہے خود ہوجاتا ہے

● آیاتِ بالا کے واضح شواہد کے مطابق اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ اس لئے خود تصریف آیات قرآنیہ کی شہادت کے مطابق آئتِ بالا $\frac{۶}{۳۹}$ کا جو مفہوم لکھا ہے یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرتا نہیں، البتہ جو لوگ خود گمراہ ہو جائیں اُنہیں گمراہ قرار دیتا ہے اور جو لوگ خود صراطِ مستقیم اختیار کریں اُنہیں صراطِ مستقیم پر قرار دیتا ہے، جیسے کہ اگلی آئت مجیدہ میں گمراہ ہو جانیوالوں کو کہا گیا ہے :-

قُلْ اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْکُمُ

کہہ کیا تم نے غور کیا ہے، اگر آوے تم کو عذاب اللہ کا یا آجائے تم پر

السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ ۴۰

مشکل گھڑی کیا تم غیر اللہ کو پکارتے ہو اگر ہو تم سچے

(اے رسولؐ !) کہیگا ! کیا تم نے غور کیا ہے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا تم پر کوئی مشکل گھڑی آجائے تو اگر تم اس بات میں سچے ہو (کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے کارساز مدد کو پہنچتے ہیں تو بتاؤ) کیا تم غیر اللہ کو پکارتے ہو ؟ ۔ ا ۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ
بلکہ اُسی کو پکارتے ہو تم۔ پھر وہ کھول دیتا ہے جو پکارتے ہو تم طرف اُسکے
اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ۱؎ ۲؎
اگر وہ چاہتا ہے اور بھول جاتے ہو جسے تم شریک کرتے ہو ع

(پھر ہرگز نہیں) بلکہ تم اُسی اللہ کو پکارتے ہو۔ اور جنہیں تم نے اُسکے شریک بنایا ہے اُنہیں بھول جاتے ہوئے پھر اللہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہاری اُس مشکل کی گرہ کھول دیتا ہے جس کے لئے تم اُسے پکارتے ہو۔

● ۱؎ سورۂ لقمان میں آیا ہے کہ غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والے جب کشتی پر سوار ہوں اور اُنہیں دریا کی لہریں سائبان کی طرح ڈھانپ لیں تو وہ اُسوقت اپنے خود ساختہ مشکلکشاؤں کو بھول جاتے ہیں اور خالص اللہ سے دُعا کرتے ہیں :۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۳۱/۳۲

اِنْ شَآءَ کا قرآنی مفہوم

● ۲؎ آیت بالا میں آیا ہے فَيَكْشِفُ ...... اِنْ شَآءَ جس کا لفظی اور مروّجہ ترجمہ یہ ہے پھر اگر اللہ چاہتا ہے تو تمہاری مصیبت دُور کر دیتا ہے۔ عرض ہے کہ اسے استثنٰی کو شرط بالمشیت کہا جاتا ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ مصیبت آتی کیوں ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ رفع کسطرح کرتا ہے ؟۔ واضح رہے کہ جن اسباب سے کوئی مصیبت آتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قوانینِ مشیت ہیں اور جن اسباب سے مصیبت دُور ہوتی ہے وہ بھی اُسکے قوانینِ مشیت ہیں۔ سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے :۔

● وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ ۴۲/۳۰ اور اے نوعِ انسانی اُنہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں سے لائی ہوئی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہاری بہت سی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے —— آپ دیکھتے ہیں کہ بعض علاقوں میں آئے دن موسم برسات میں سیلاب آتے رہتے ہیں۔ اور جب ہم سیلاب کی راہ میں بند باندھ کر پانی کا رُخ موڑ دیتے ہیں تو وہ رُک جاتے ہیں۔ اِسطرح سیلاب کا آنا بھی مشیتِ الٰہی ہے اور اُسکا رُک جانا بھی مشیتِ خداوندی ہے۔ اِسی طرح جب کوئی شخص سنکھیا کھا لیتا ہے تو موت سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ لیکن اگر فوراً قے کروا کر سنکھیا معدے سے خارج کر دیا جائے تو موت کا حملہ رک جاتا ہے۔ پس یاد رہے کہ ہر مصیبت کے دونوں پہلو یعنی انسانی غفلت کی بدولت اُسکا آنا اور مناسب انسداد کیساتھ اُسکا رک جانا مشیتِ خداوندی ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں "اِنْ شَآءَ" میں داخل ہیں۔ مصیبت کے لانے میں بھی انسانی اعمال کا عمل دخل ہے اور اسکے رفع کرنے میں بھی اسکی صحیح کوشش کا حصہ موجود ہے۔

● اسکے برعکس یہ نظریہ قطعاً غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو فلسطین کے چند لاکھ یہودیوں کو بیت المقدس پر غلبہ عطا کر دیتا ہے اور نوّے کروڑ مسلمانوں کی دعائیں نامنظور کر کے یہودیوں کا غلبہ برقرار رکھتا چلا جاتا ہے۔ قانونِ مشیت یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے مغضوب یہودی غلبہ کے اسباب مہیا کر کے اُنہیں استعمال کرتے ہیں تو وہ اُنہیں غالب کر دیتا ہے اور اگر مسلمان غلبہ کے اسباب سے غفلت برتتے ہیں تو وہ مغلوب ہو جاتے ہیں۔ قرآن فہمی کیلئے مشیتِ خداوندی کے قرآنی مفہوم کا سمجھنا بعد ضروری ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضورؐ سے پہلی اُمتوں کی طرف بھی رسولوں کے ذریعۂ ہدایت بھیجی گئی تھی:۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ○ ۴۲

اور (اے رسولؐ!) بیشک ہم نے آپ سے پہلے تمام اُمتوں کی طرف (اپنے رسولؐ) بھیجے ۲۵/۲۴ (لیکن جب وہ ہماری نافرمانی کرتے) تو ہم اُنہیں عذاب اور ضرر کیساتھ پکڑ لیتے تھے تاکہ وہ غلط روش ترک دیں ۱؎

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ ۴۳

پھر کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب اُنکے پاس ہمارا عذاب آتا تو وہ (اُس سے عبرت حاصل کرکے) فرمانبردار ہو جاتے مگر اُن کے اذہان سخت ہو جاتے اور شیطان (یعنی اُنکا مقتدا یا اُنکا مددگار) ۲؎ اُنکے لئے اُنکے اعمال کو خوبصورت کر دیتا جو وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

● ۱؎ یَتَضَرَّعُونَ کا سہ حرفی مادہ ض۔ ر۔ ع = ضرع ہے اسکا مصدری معنیٰ ہے فرمانبردار ہو جانا۔ عاجزی اختیار کرنا۔ خدمت گزار ہونا۔ مطیع ہو جانا وغیرہ۔

● ۲؎ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴ میں آیا ہے وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ ۲/۱۴ جب وہ اپنے شیطانوں کی خلوتگاہوں میں جاتے ہیں۔ یہی وہ شیطان ہیں جو اپنی نذریں وصول کرکے لوگوں کے بُرے اعمال کو مزیّن کر دکھاتے ہیں۔ جب وہ عوام کے مال میں سے نذریں قبول کرکے خوش ہو جاتے ہیں تو چونکہ اُن خلوت نشینوں کی خوشی کو خدا تعالیٰ کی خوشی تسلیم کیا جا چکا ہے اسلئے وہ اعمالِ بد جن کے ذریعہ حرام مال کمایا جاتا ہے اُنکے جواز کی سند میسر آجاتی ہے۔ اگرچہ وہ مال ربوبیت عالمینی کے خلاف عوام کا گلا گھونٹ کر ہی حاصل کیا گیا ہو۔

قوانینِ جاریہ میں کافر مومن کی کوئی تمیز نہیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے کے نتیجے میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ خدا تعالیٰ کے منکر اور غاصبینِ ربوبیت بھی جب قوانینِ جاریہ کیمطابق عمل کرتے ہیں تو اُس کے ثمر نتیجے سے اُنہیں بھی پورا پورا حصہ ملتا ہے چنانچہ ارشاد مجید ہے:۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا

پھر جب وہ (سخت ذہنوں والے اُس نصیحت کو بھول جاتے جو اُنہیں (نظامِ ربوبیت کی) کیجاتی تو (اُنکی محنت کی بدولت) ہم اُنکے پر

عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا

اوپر انکے دروازے ہر چیز کے یہاں تک جب وہ اترائے

بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ

ساتھ اُسکے جو دئے گئے پکڑ لیا ہم نے انہیں اچانک پھر اسوقت وہ

مُّبْلِسُوْنَ ۝ ۴۴

ناامید ہو گئے

چیز کے دروازے کھول دیتے۔ یہاں تک پھر جب وہ نعماء خداوندی پر غاصبانہ قبضہ کر کے اترانے لگتے ہیں تو ہم (اُن کی سرکشی کی بدولت) اُنہیں پکڑ لیتے (عذاب میں مُبتلا کر دیتے ہیں) تو اُس وقت وُہ مایوس ہو جاتے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ

تو کاٹ دیگئی جڑ اس قوم کی جو ظلم کرتے

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۴۵

اور سب طرح کی تعریفیں ہیں واسطے اللہ پالنے والے جہانوں کے

پھر (ہماری گرفت کی بدولت) بے ٹھکانہ کام کرنیوالی قوم (یعنی عوام کے حقوقِ ربوبیت کے غاصبوں) کی جڑ کاٹ دیجاتی اور (ہمارے رسول قیامِ ربوبیت کا عملی اعلان کرنے کہ) جملہ حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو بلا تمیز اعلیٰ وادنی سب کی ربوبیت کے سامان مہیا کرنے والا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ● غور فرمیگا کہ آیتِ مجیدہ کا آخری جُملہ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کسطرح کھُل کر اعلان کر رہا ہے کہ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے مُراد وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کی ربوبیتِ عالمینی کی عملاً مخالفت کرنیوالے ہیں۔ اُنہیں اللہ کے رسولؐ درسِ ربوبیت دیتے تھے۔ واضح رہے کہ $\frac{6}{44}$ کے الفاظ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی نصیحت کو بھلا دینے کی بدولت نعمتوں کے دروازے کھولدئے جاتے تھے اور ہر زمانے میں کھولدئے جاتے ہیں۔ بلکہ نعماءِ خداوندی کے دروازے اُن قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے کی بدولت کھولے جاتے تھے اور ہر دور میں کھولے جا رہے ہیں جو حصولِ نعماء کیلئے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما رکھے ہیں۔ جیسے کہ:-

● دورِ حاضرہ میں بھی نعماءِ خداوندی کی فراوانی اُن قوموں کے ہاں ہے جو اُنکے حصول کے اُن قوانینِ جاریہ پر زیادہ سے زیادہ بہتر عمل کرتی ہیں جو رب تعالیٰ کے خود مقرر کردہ ہیں۔ حصولِ رزق کے قوانینِ خداوندی پر بڑھ چڑھ کر عمل کرنے والی قومیں نہ صرف اپنی داخلی ضروریات کے لحاظ سے کفیل ہیں بلکہ وُہ دوسری محتاج قوموں کے ہاں بھی غلّے کے جہازوں کے جہاز بھر کر بھیجتی رہتی ہیں۔ اِسی طرح باقی جُملہ ضروریاتِ زندگی، سامانِ آرائش، اسباب نقل و حمل کی فراوانی اُنہی اقوام کے ہاں ہے جو خدا تعالیٰ کے متعینہ صنعتی قوانین پر کما حقہٗ عمل کرتی ہیں۔

● یہی حال سابقہ اقوام کا تھا کہ قوانینِ خداوندی پر عمل کی بدولت اُن پر ہر چیز کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے مگر جب وہ ظلم کرتے یعنی نعماءِ خداوندی پر غاصبانہ قبضہ کر کے عوام کے حقوقِ ربوبیت دبا لیتے تو عذابِ الٰہی آجاتا اور اُنکی جڑ کٹ جاتی۔

● آیتِ مجیدہ کا آخری جملہ جو اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ کے تحت آیا ہے "والحمد للہ ربّ العلمین" کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بھیجتا رہا اور وہ الحمد للہ ربّ العالمین یعنی ربوبیّتِ عالمینی کا اعلان کرتے رہے۔ اِسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ الحمد للہ ربّ العلمین کے الفاظ کو رٹا جائے، اِنکا وِرد کیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ربوبیّتِ عالمینی کو عملاً بروئے کار لایا جائے۔ چنانچہ اللہ کے نبی رسول اِس پر عمل کی تاکید کرتے رہے مگر قومیں نعماءِ خداوندی کی فراوانی پر اِتراتی رہتیں۔ حصولِ نعماء کے خداوندی قوانین میں فرمانبردار اور نافرمان افراد و اقوام کی تمیز موجود نہیں جیسے کہ انبیاء سلام علیہم اور اُن کی نافرمان قوموں کے حالات ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مثلاً:

قومِ نوح ● حضرت نوحؑ کی تبلیغ کا اُنکی قوم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اگرچہ قوم پوری پوری مخالفت کر رہی تھی مگر اُنکی مادی کوششوں کی بدولت اُن پر ہر چیز کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز اور محتاج و امیر کے طبقات قائم کر رکھے تھے، حتیٰ کہ جو لوگ حضرت نوحؑ پر ایمان لائے قوم کے سرداروں نے اُنکے متعلق کہا هُمْ اَرَاذِلُنَا ۱۱/۲۷ وہ ہم میں سے رذیلے لوگ ہیں۔ پس اس طبقاتی اور معاشی ناہمواری کے جرم میں اُن پر سیلاب کی صورت میں عذاب نازل ہوا، انسانی اور معاشی مساوات کے منکروں کی جڑ کٹ گئی۔ جب پانی اُترا تو اللہ کے نبی حضرت نوح نے انسانی مساوات اور نظامِ ربوبیّت کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ عاد ● اِسی طرح قوم عاد ایک طرف تو حضرت ھودؑ کی مخالفت، انسانی مساوات اور ربوبیّتِ عالمینی کی عملاً تکذیب کر رہی تھی اور دوسری طرف اُنکی مادی کوششوں کی بدولت اُن پر نعماءِ خداوندی کی بارشیں برس رہی تھیں۔ اُن پر شدید آندھی کی صورت میں عذابِ الٰہی نازل ہوا۔ پوری قوم کے نافرمانوں کی جڑ کٹ گئی۔ اور حضرت ھود نے انسانی مساوات اور ربوبیّتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ ثمود ● قوم ثمود نے بھی انسانی مساوات اور ربوبیّتِ عالمینی کی مخالفت کر کے پانی کے چشموں اور عوامی چراگاہ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن مادی کوششوں کے ثمر کی صورت میں اُن پر نعمتوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ بالآخر انسانی مساوات اور ربوبیّتِ عالمینی کی عملی مخالفت کی بدولت ایک تیز چیخ کی صورت میں عذابِ الٰہی وارد ہوا۔ قوم کے نافرمانوں کی جڑ کٹ گئی اور حضرت صالحؑ نے انسانی مساوات اور ربوبیّتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا:۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

قومِ فرعون ● فرعون اور قوم فرعون نے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیّت پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن اسکے باوجود اُنکی مادی کوششوں کی بدولت، اگرچہ وہ محنت محرومِ ربوبیّت افرادِ بنی اسرائیل ہی سے لی جاتی تھی اُن پر رزق کے دھارے بہہ رہے تھے۔ بالآخر حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی انقلابی جماعت سے ہجرت کروا دی۔ فرعون نے لشکر سمیت اُنکا تعاقب کیا لیکن عذابِ الٰہی نے اُسے لشکروں سمیت پانی کی لہروں میں غرق کر کے غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیّت کی جڑ کاٹ دی۔

فرعون کے بھرے خزانے، نفیس محلات، بہتے چشمے، لدے پھدے باغات اور لہلہاتے کھیت بنی اسرائیل کے قبضے میں آئے ۷/۱۳۷ + ۲۶/۵۸ + ۴۴/۲۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہموار و متوازن نظام قائم کرکے عملاً اعلان کر دیا الحمد للہ رب العٰلمین۔

● علیٰ ھذا القیاس جملہ انبیاء کرام سے ہوتا ہوا یہی سلسلہ آنحضور سلام علیہ تک قائم رہا۔ ہر نبی رسول نے الحمد للہ رب العٰلمین کے بنیادی جملہ سے اپنی قوم کو اپنی تحریکِ مساوات و ربوبیت سے متعارف کرایا۔ ہر قوم کے سرداروں نے مخالفت کی، جو لوگ ایمان لائے انہیں رذیلے اور ادنےٰ کہہ کر انکا مذاق اُڑاتے رہے۔ لیکن مشیتِ خداوندی نے عذاب بھیج کر سرکشوں کی جڑ کاٹ دی اور ہر نبی نے انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان کر دیا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تعریفِ آیات کا مخصوص قرآنی اسلوب بیان

● واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآنِ کریم الحمد للہ رب العٰلمین کے جملہ مخصوصہ سے شروع ہوئی ہے، نیز سورہ انعام بھی اس جملہ کے ابتدائی حصہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع ہوئی ہے۔ اور یہاں آیتِ مجیدہ نمبر ۴۵ میں پھر اُسی پورے جملے کو پھیر کر لایا گیا ہے۔

الحمد للہ کا جملہ گیارہ مرتبہ اور الحمد للہ رب العٰلمین کا پورا جملہ ۱/۱ ۶/۴۵ ۱۰/۱۰ ۳۷/۱۸۲ ۳۹/۷۵ قرآن مجید میں پانچ مرتبہ آیا ہے۔ یہ بار بار کی تعریف حادثاتی نہیں، بلکہ اعلانِ ربوبیت کا مخصوص مقصد ہے۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آیاتِ مجیدہ میں غاصبینِ ربوبیت کی جڑ کاٹ دینے کی سُنّتِ جاریہ کا اعلان کرنے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیت سے کہہ دیجیئے کہ غور تو کرو کہ یہ کان، آنکھیں اور دماغ جن کی مدد سے تم حصولِ نعماءِ خداوندی کرتے ہو یہ کس کے عطا کردہ ہیں؟ اگر وہ تم سے یہ چیزیں چھین لے تو کیا کوئی ہے جو تمہیں یہ چیزیں دیدے۔ لہٰذا تمہارا کمایا ہوا مال اُسکا ہے جس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ بس چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ ان اوزاروں کے ذریعہ کمائے ہوئے مال سے الحمد للہ رب العٰلمین کی عملی صورت، ربوبیتِ عالمینی کو بروئے کار لاؤ:۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ کہ کیا تم نے غور کیا ہے؟ اگر سلب کر لے اللہ کان تمہارے اور اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ آنکھیں تمہاری اور مہر کر دے اوپر دلوں تمہارے کون ہے حاکم سوائے اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ اللہ کے، لا دے تمہارے پاس ساتھ اسکے، غور کر کس طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ ۴۶ اپنی آیتیں، پھر وہ اعراض کرتے ہیں	(اے رسولؐ ان غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیت سے) کہہ دیجیئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان، آنکھیں اور دماغ (جن کی مدد سے تم مال کماتے ہو وہ اُن میں سے) کان اور آنکھیں لے جائے اور تمہارے دماغوں کو بیکار کر دے تو پھر اللہ کے سوا کوئی الٰہ (یعنی یہ چیزیں دینے والا) ہے جو تمہیں یہ چیزیں لا دے۔ (کوئی نہیں) اے مخاطب! غور کر ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ پھر یہ لوگ (تعریفِ آیات کے قرآنی اندازِ قرآن فہمی سے) اعراض کرتے ہیں۔ ع ۱

● علہ وَهُمْ يَصْدِفُوْنَ کی تنبیہ اُنظر کیف نصرّف الآیٰت پر داخل ہوئی ہے۔ یعنی ارشاد ہوا ہے کہ اے مخاطب غور کر کہ ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں مگر یہ لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یصدفون کا مادہ صدف ہے جس کا معنی ہے کترا جانا۔ اسی سورت مجیدہ میں آگے آیت نمبر ۶۵ میں اسی عنوان کو بالفاظِ ذیل بیان فرمایا ہے :-

تفقہ فی القرآن بذریعہ تصریفِ آیات

● اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ○ ۶/۶۵ اے مخاطب غور کر کہ ہم کسطرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ قرآن میں تصریفِ آیات کیساتھ تفقہ کیا کریں۔ یعنی ایک عنوان کی ساری آیتیں جو قرآن بھر میں پھیر پھیر کر لائی گئی ہیں، مسئلہ زیرِ غور پر اُن کی مدد کیساتھ تفقہ کیا جائے، نہ کہ قرآنی آیات مجیدہ پر تفقہ غیر قرآن کتابوں کے ذریعہ کی جائے۔

آنحضور کا طریقہ درسِ قرآن بھی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ تھا

● اسی سورہ مجیدہ الانعام میں آگے آیت نمبر ۱۰۶ میں آنحضور صلعم کو بھی تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کیساتھ درسِ قرآن دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی طریقہ درس کو صحیح طریقہ تفہیمِ قرآن قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے :-

● وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ ۶/۱۰۶ اور (اے رسول صلعم!) اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ (آپ تصریفِ آیات کے ذریعہ درسِ قرآن دیا کریں اور لوگ) کہا اٹھیں کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے۔ اور (دوسری غرض تصریفِ آیات کی یہ ہے) تاکہ اُن لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں (کہ اس کتاب کی تبیین خود کتاب والے کے ذمہ ہے) قرآن کریم کی تبیین ہم خود کردیں —— المختصر! زیرِ نظر ۶/۴۶ میں اللہ تعالیٰ کے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان تصریفِ آیات کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ اسی اسلوب کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں ۶/۴۶ والا عنوان دوبارہ پھیر کر لایا گیا ہے :-

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ کہہ کیا غور کیا تم نے اگر آئے طرف تمہاری عذاب اللہ کا بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ اچانک یا ظاہر طور پر نہیں ہلاک کی جاتی مگر قوم الظّٰلِمُوْنَ ○ ۴۷ ظالموں کی	(اے رسول صلعم!) کہہ دیجیئے کہ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب اچانک آجائے یا (تمہاری آنکھوں کے سامنے) ظاہر طور پر آجائے (تو کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے) نہیں عذاب آتا مگر بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں (غاصبین) کو بیت ہی پر آتا ہے۔ عذاب بُرے عملوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بلا وجہ عذاب نہیں لاتا) علہ

● اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی وضاحت کو دی گئی ہے کہ ہم اپنے رسولوں صلعم کو بھیجتے رہے ہیں جو لوگوں کو اُنکے اصلاحی کاموں کی اچھی جزا کی خوشخبری دینے والے تھے اور لوگوں کے بُرے اعمال کی بُری سزا سے ڈرانیوالے تھے۔ جو کوئی اُن پر ایمان لائے اور اصلاح کے کام کرے اُن پر نہ مستقبل کا خوف ہے اور نہ ماضی کا کوئی غم۔ دیکھئے ارشاد ہوا ہے :-

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ
اور نہیں ہمنے بھیجا رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے
وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ
اور ڈرانے والے پھر جو کوئی ایمان لایا اور صلاح کرلی پھر نہیں ڈر
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ۴۸
اوپر انکے اور نہیں وہ غم کھائیں گے

اور نہیں بھیجے ہمنے اپنے رسول[1] مگر اچھے کاموں کے اچھے اجر کی خوشخبری دینے والے اور بُرے کاموں کے بُرے انجام سے ڈرانیوالے بنا کر بھیجے تھے۔ پھر جو کوئی ایمان لایا اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کئے وہ ہیں کہ نہ انہیں آئندہ کیلئے کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ اپنے ماضی کے افعال کے متعلق غمگین ہونگے۔

● [1] نُرْسِلُ فعل مضارع ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم بھیجتے ہیں۔ اِن معنوں سے یہ تصوّر پیدا ہوتا ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے بھیجنے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ مگر چونکہ ۳۳/۴۰ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے مطابق نبیوں اور رسولوں کی آمد بند ہو چکی ہوئی ہے اسلئے نُرْسِلُ مضارع حکائی ہے اور یہاں نُرْسِلُ کا معنی ہم بھیجتے ہیں نہیں، بلکہ ہمنے بھیجے تھے ٹھیک ہے۔ قرآن مجید میں مضارع حکائی کی مثال سُورہ یوسف میں اسطرح آئی ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کو مُلکِ مصر میں اقتدار عطا کیا گیا تو ارشاد ہُوا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۱۲/۵۶ اس آیت مجیدہ میں دونوں خط کشیدہ الفاظ يَتَبَوَّاُ اور يَشَآءُ مضارع حکائی ہیں۔ اور آیت مجیدہ کا معنی بصورت ماضی صحیح ہے کہ وہ ہمنے یوسفؑ کو اس طرح مصر کی زمین میں اقتدار عطا فرمایا تھا وہ جہاں چاہتا تھا قیام کرتا تھا۔ جس طرح یہاں یہ معنی غلط ہے کہ وہ جہاں چاہتا ہے قیام کرتا ہے۔ اُسی طرح آیت بالا زیر بحث ۶/۴۸ میں یہ معنی غلط ہے کہ ہم رسول بھیجتے ہیں۔ کیونکہ ۳۳/۴۰ کے مطابق رُسل انبیاء کی آمد ختم ہو چکی ہے۔ اور مَا نُرْسِلُ کا یہی معنی صحیح ہے کہ نہیں بھیجے تھے ہم نے اپنے رسول مگر خوشخبری دینے اور ڈرانیوالے۔

● سلسلۂ درس کی آیتِ بالا ۶/۴۸ میں ایمان لانیوالوں اور اصلاح کرنیوالوں کی خوشخبری دینے کے بعد اگلی آیت میں جھٹلانیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ
اور جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں مس کریگا اُن کو
الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ۴۹
ہمارا عذاب بسبب اسکے کرتھے حدیں پھاندتے

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا (یعنی انسانی مساوات اور ربوبیّتِ عالمین کی عملاً مخالفت کی) اُنہیں ہمارا عذاب مس کریگا (وہ مُبتلاءِ عذاب ہوں گے) اس سبب سے کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی) حدیں پھاندا کرتے تھے[1]

● [1] يَفْسُقُوْنَ مضارع ہے مگر چونکہ اس پر فعل ناقص كَانُوْا داخل ہُوا ہے، اسلئے عربی قواعد کے مطابق ماضی استمراری بن گیا ہے اور بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ کا یہ معنی ہے:۔ بسبب اسکے کہ وہ فسق کیا کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندا کرتے تھے۔ اِسلئے عذاب آیا تھا۔

● سلسلۂ درس میں اگلی آئت مجیدہ کا ربط آئت نمبر ۴۰ کیساتھ ہے جس میں گزرچکا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنے والے مصیبت کے وقت پر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ کیونکہ وہی ان کی مشکلیں حل کرتا ہے۔ اب اس شبہ کے ازالہ کیلئے کہ کیا رسول اکرم بھی مشکلیں حل کرنیوالے ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں خود آنحضورؐ سے اعلان کرادیا ہے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ
کہہ نہیں میں کہتا واسطے تمہارے میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے
وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ
اور نہ میں جانتا ہوں غیب، اور نہ کہتا ہوں میں واسطے تمہارے بیشک ہوں
مَلَكٌ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ
میں ملک نہیں پیروی کرتا میں مگر جو وحی کیا جاتا ہے طرف میری۔ کہہ
هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا
کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا کیا پھر نہیں
تَتَفَكَّرُوْنَ ۵۰
تم غور کرتے

(اے رسولؐ!) فرمادیجئیگا کہ (اے لوگو!) میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں (غیب کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۶/۵۹) اور نہ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں ملک ہوں (یعنی صاحب اختیار ارادہ نہیں۔ یعنی میں اپنے ارادہ سے کوئی عمل نہیں کرتا) بلکہ اپنے اختیار وارادہ ہی کیساتھ[۱] صرف اس ضابطہ کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ فرمادیجئیگا کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں۔ پھر کیا تم سوچ بچار نہیں کرتے۔

● [۱] لفظ ملک کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایک ہی نہج پر کام کرتے چلی جانیوالی باری تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوتیں سب ملک ہیں۔ وہ صاحب اختیار وارادہ نہیں، جس جس کام کیلئے پیدا کی گئی ہیں وہی کام کرتی چلی آرہی ہیں اور وہی کام کرتی چلی جائینگی۔ چونکہ صاحب اختیار وارادہ صرف حضرت انسان ہے اسلئے اس نوع کے نبی رسول بھی صاحب اختیار وارادہ ہیں۔ آئت بالا میں اسی امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ آنحضورؐ ملک نہیں تھے بلکہ اُس صاحب اختیار وارادہ نوع کے رسولؐ تھے، جو قیامت کو اپنے اعمال کی جوابدہی کی مکلف اور خداوندی رہنمائی کی محتاج ہے۔

قابل اتباع وانذار صرف قرآن حکیم ہے

● واضح رہے کہ آئت بالا میں اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ کے نفی اثبات کے حصر کیساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ آنحضورؐ صرف اور صرف وحی الٰہی کے متبع تھے۔ کیونکہ اس حصریہ جملے میں اِنْ نافیہ آیا ہے اور اِلَّا اثبات کا۔ بالکل اُسی طرح جیسے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں لَا نافیہ اور اِلَّا اثبات کا ہے اور جس طرح اسکا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہی نہیں۔ اُسی طرح اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى کا مفہوم یہ ہے کہ میں وحی الٰہی کے سوا اور کسی چیز کی ہرگز ہرگز اتباع وپیروی نہیں کرتا۔ اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا

ہے کہ جس مقدس ضابطے کی آپ خود پیروی کرتے ہیں اُسی کیساتھ نوعِ انسانی کو اُنکے فرائض منصبی سے آگاہ کرکے اُنہیں اُسی کے پیرو بنائیں:۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ
اور تو ڈرا ساتھ اسی کے انہیں جو ڈرتے ہیں کہ

يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ
وہ جمع کئے جائینگے طرف رب اپنے کے نہیں واسطے انکے سوائے اسکے

وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾
کوئی مددگار اور نہ کوئی شفاعت کرنیوالا تاکہ وہ بچ جائیں

اور (اے رسولؐ!) آپ اُسی وحی الٰہی کیساتھ ہی اُن لوگوں (یعنی مومنوں) کو انکے فرائض منصبی سے آگاہ کیا کریں جو اِس امر سے خوف کرتے ہیں کہ وہ اپنے ربوبیّت کرنیوالے کے حضور (اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جائینگے (اُنہیں جان لینا چاہئیے کہ) اُن کیلئے اس اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہے نہ شفاعت کرنیوالا ہے۔ تاکہ وہ (قیامت پر یقین کی بدولت نیک اعمال بجا کر اُخروی عذاب سے) بچ جائیں۔

جماعت صرف سچے اور سچے مومنوں ہی کیساتھ بنتی ہے

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ جملہ صحابہؓ کرام جن کی تعریف یہ ہے کہ وہ پاکباز بھی ہیں اور لقّیںؐ کے بھی کھرے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اسکے حضور میں صبح شام دعا بھی کرتے ہیں، آپ انہیں اپنے پاس سے دُور نہ کرنا۔ جماعت ایسے پاکیزہ افراد سے ہی بنتی ہے:۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
اور نہ دُور کرنا اُنہیں جو دعا کرتے ہیں رب اپنے سے

بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ
وقت صبح کے اور پچھلے حصے دن میں، وہ چاہتے ہیں رضا اُسکی

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ
نہیں ذمہ تیرے بیچ سے حساب اُن کے سے کوئی چیز اور نہیں بیچ سے حساب تیرے

عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ
اوپر اُنکے سے کوئی چیز، پھر تو دُور کرے انہیں تو تُو ہو جائیگا بیچ سے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾
ظالموں کے

اور (اے رسولؐ!) اُن (سچے مومنوں) کو اپنے سے دُور نہ کر دینا جو صبح اور دن کے پچھلے حصے میں اپنے رب کے حضور دُعا کرتے ہیں۔ وہ اُسکی رضا چاہتے ہیں۔ یعنی دین کے ایسے کھرے کہ اُنکے حساب میں آپکے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ اور آپکے حساب میں اُنکے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ پھر (اسکے باوجود اگر) آپ انہیں اپنے سے دُور کردیں تو پھر آپ بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں میں سے ہو جائینگے۔ (ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے جائیں تاکہ آپکے ساتھ آپکے پاکیزہ ساتھیوں کی جماعت قائم ہو جائیگی (جو کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم و کریم ہونگے ۴۸/۲۹)۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا
اور اسی طرح الگ کردیا ہمنے بعض انکے کو سے بعض کے تاکہ وہ کہیں

اور اسی طرح ہمنے بعض کو جو (دین کے کھرے تھے) بعض سے جو (دین کے کھوٹے یعنی منافق تھے) متمیز کردیا تاکہ وہ (بدحالت

أَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ أَلَيْسَ
کیا یہ ہیں احسان کیا اللہ نے اوپر ان کے ہیں درمیان ہمارے کیا نہیں ہے
اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِينَ ۝ ۵۳
اللہ جاننے والا کو شکر کرنیوالوں

کے کھوٹے منافق، معاملات کے کھرے مومنوں کو طعن کے طور پر کہیں۔ کیا یہ ہیں جن پر ہم میں سے اللہ نے احسان کیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں (سچے مومنوں) کو نہیں جانتا۔

● آیتِ بالا میں غلط معاشرہ کے اس قاعدہ کلیہ کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ دین کے کھوٹے غلط کار لوگ ہمیشہ ہی سے تقویٰ شعاروں کا مذاق اڑاتے چلے آرہے ہیں کہ یہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ اور نیکو کاروں کو ہمیشہ ادنیٰ اور رذیل خیال کیا جاتا رہا ہے۔ جیسے سورہ ھود میں صحابہ نوح کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ آپکی قوم کے مالدار لوگ آپ سے کہتے تھے :۔ مَا نَرٰىكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا ...... ۱۱/۲۷ اے نوح! ہم آپکو نہیں دیکھتے مگر آپ ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ آپکی اتباع کسی نے کی ہو مگر انہی لوگوں نے کی ہے جو ہم میں سے ذلیل لوگ ہیں۔ حضرت نوح نے انہیں وہی جواب دیا جو آیت ماقبل میں آنحضور کو سچے اور سُچے مومنوں کو اپنے سے دور نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے :۔

● وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا ...... ۱۱/۲۹ (تم ان سے کراہت کرتے ہو ۱۱/۲۸) مگر میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اپنے سے دور کرنیوالا نہیں ہوں۔ المختصر! جملہ انبیاء سلام علیہم کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ معاملات کے سچے اور سُچے مومنوں کو جنہیں معاشرہ کے مالدار ذلیل و حقیر جانتے تھے اپنے آپ سے دُور نہ کرنا۔ اور انہی لوگوں کے متعلق آنحضور کو ایک مختصر اور جامع تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے :۔

وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيٰتِنَا
اور جب آئیں آپ کے پاس جو ایمان لائیں ساتھ آیتوں ہماری
فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ
تو فرمائیے سلام ہے اوپر تمہارے فرض کیا رب تمہارے نے اوپر اپنے آپ کے
الرَّحْمَةَ ۙ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوٓءًۢا بِجَهٰلَةٍ
رحمت کرنا بیشک وہ جو کوئی عمل کرے برا ساتھ نادانی کے
ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَأَصْلَحَ ۙ فَأَنَّهُ غَفُورٌ
پھر توبہ کرے سے پیچھے اسکے اور اصلاح کرے۔ پھر بیشک وہ بخشنے والا
رَّحِيمٌ ۝ ۵۴
بڑا مہربان ہے

(اے رسولؐ!) جب آپکے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہوں تو آپ ان سے کہا کریں سلامٌ علیکم تم پر سلام ہو۔ تمہارے ربوبیت کرنیوالے نے تم پر رحمت فرمانا اپنے ذمہ خود فرض کر رکھا ہے۔ شان یہ ہے کہ تم میں سے جس کسی نے نادانی کے ساتھ کوئی ناروا کام کیا ہو تو وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو وہ حفاظت عطا فرمانے والا بے حد مہربان ہے۔

اسلام مسنون ● اس آیتہ مجیدہ میں دو امر قابلِ غور ہیں۔ پہلا یہ کہ آنحضور کو حکم ہوا ہے کہ جب آپکے پاس مومن آیا کریں

تو آپ انہیں سلٰمٌ علیکم .... الخ فرمایا کریں۔ اسطرح چونکہ آنحضورؐ کے متعلق یہ تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپنے اس حکم ربانی کی تعمیل نہ فرمائی ہو لہذا ثابت ہوا کہ سلام مسنون بحکم ربانی سلٰمٌ علیکم ہے اور السّلام علیکم اور وعلیکم السلام بعد کی پیداوار ہے۔ آنحضورؐ نے حکم باری کے مطابق سلٰمٌ علیکم کو عملاً رائج فرمایا اور بطور سنّتِ مبارکہ اپنے بعد باقی چھوڑا۔ اگر ان حکم فرمودہ قرآنی الفاظ کو سنّتِ رسول نہ تسلیم کیا جائے تو آنحضورؐ پر طعن آتا ہے کہ تحیہ کے ضمن میں جن الفاظ کی ادائیگی آپ پر حکماً فرض کیگئی تھی آپنے انہیں ترک کر دیا اور اپنے پاس سے متبادل الفاظ رائج کر کے، ان الفاظ کو بطورِ سنّت چھوڑ گئے جن الفاظ کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ اس قسم کی اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو زمانۂ رسالت اور دورِ صحابہؓ کے بعد آنحضورؐ اور صحابہ کرام کی طرف منسوب ہو کر فروغ پا چکی ہیں۔ مثلاً لونڈی غلام کا جواز، ناہموار تقسیم رزق، زمینداری، سرمایہ داری، جاگیرداری وغیرہ کے علاوہ خانقاہیت اور ملوکیت بھی صحابہؓ کرام کی طرف منسوب ہو چکی ہے کہ دونوں چیزیں صحابہؓ کرام ہی کے دور میں موجود ہو گئی تھیں۔ حالانکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے مکمل خاتمہ کیلئے آنحضورؐ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ انہیں آنحضورؐ نے خود اپنے دور میں عرب بدر کر دیا تھا بلکہ دورِ صحابہؓ میں بھی یہ ننگ انسانیت تصورات اسلام میں راہ نہ پا سکے تھے۔ آنحضورؐ نے اپنے زمانہ کے حکمرانوں کے نام جو تبلیغی پیغام ارسال فرمائے تھے ان میں سلامٌ علیکَ اور سلامٌ علیٰ مَنِ اتّبع الھدیٰ کے الفاظ موجود ہیں۔ ملاحظ فرمائیں مولوی محمد صالح صوفی صاحب کی مصنفہ سوانح حیاتِ رسولِ مقبولؐ کے صفحات ۱۱۹ تا ۱۳۲۔ نمونہ کے طور پر ۱۲۶ صفحہ پر مقوقش شاہِ مصر کے نام آنحضورؐ کے تبلیغی خط میں سَلٰمٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی باندازِ ذیل موجود ہے:۔

● بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی الْمُقَوْقَسِ عَظِیْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدَعَایَۃِ الْاِسْلَامِ ...... (ترجمہ) اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ محمد بن عبداللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے مقوقش قبطیوں کے بادشاہ کی طرف — سلامٌ علیٰ مَنِ اتّبع الھدیٰ۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت (قرآن) کی اتباع کرے۔ اسکے بعد میں تمہیں دعوتِ اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ آنحضورؐ کے اس خط میں آپکا سلام، سلامٌ علیٰ مَنِ اتّبعَ الھدیٰ مذکور ہے۔

● اسکے بعد صفحہ ۱۲۸ پر منذر بن ساوے کے نام آنحضورؐ کا خط بدیں الفاظ درج ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلَی الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوٰی سَلَامٌ عَلَیْکَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْکَ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ......

(ترجمہ) اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ محمد اللہ کے رسول کی طرف سے منذر بن ساوی کی طرف۔ سلامٌ علیکَ تجھ پر سلام ہو۔ بیشک میں تیری طرف اللہ کی بے حد تعریف کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ دیکھئے:۔

● آنحضورؐ کے اس خطاب میں آپکی طرف سے قرآنی سلام موجود ہے سَلٰمٌ عَلَيْكَ۔ قرآن مجید میں ذیل کے سلام مذکور ہیں :۔
● اجنبیوں کیلئے سلام۔ سَلٰمًا۔ سَلٰمٌ۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اللہ کے رسول آئے۔ وہ ایکدوسرے کیلئے اجنبی تھے۔ انہوں نے آپ سے کہا سَلٰمًا۔ آپ نے جواب دیا سَلٰمٌ [11/69]
● غیر مسلموں کیلئے سلام۔ سَلٰمٌ عَلَيْكَ، وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ حضرت ابراہیمؑ نے آزر سے کہا سَلٰمٌ عَلَيْكَ [19/47] اور حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى [20/47]۔
● مومنوں کیلئے سلام۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ آنحضورؐ کو حکم ہوا کہ جب آپکے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں تو آپ ان سے کہا کریں سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ [6/54]۔
● سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے :۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً [24/61] جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو اہل خانہ پر سلام کہو وہ سلام جو اللہ کا حکم کردہ برکت والا اور پاکیزہ ہے۔ اس خداوندی حکم کے مطابق آنحضورؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کردہ سلام سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ہی کے عامل تھے۔ اور یہی مبارک و طیب سلام ہی آنحضورؐ کی سنتِ مبارکہ ہے۔

۲۔ بلا توبہ و اصلاح مغفرت نہیں

● دوسرا امر آیتِ بالا میں یہ غور طلب ہے جو آیتِ مجیدہ کے الفاظِ ذیل سے عیاں ہے :۔ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ [6/54] شان یہ ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی کیساتھ کوئی ناروا کام کر بیٹھے تو اگر وہ اسکے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو پھر اللہ تعالیٰ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہے۔ اسی مضمون کو مزید وضاحت کیساتھ سورہ نحل میں بالفاظِ ذیل بیان کیا گیا ہے :۔
● ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ [16/119] پھر بلاشبہ اے رسولؐ! تیرا نشو و نما دینے والا واسطے اُن لوگوں کے جو نادانی کیساتھ ناروا عمل کر بیٹھیں، پھر اسکے بعد توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو بیشک تیرا رب اسکے بعد غفورٌ رحیم ہے۔
● پس ثابت ہوا کہ بموجب آیاتِ بالا [6/54] + [16/119] کے مطابق بخشش مشروط ہے توبہ اور اصلاح کیساتھ۔ نیز ناروا کاموں پر بھی شرط موجود ہے بِجَهَالَةٍ کی۔ یعنی ناروا کام بھول کر کئے ہوں۔ ایسا نہ ہو کر جان بوجھ کر دودھ میں پانی ملا رہا ہو۔ جان بوجھ کر ترازو کی ڈنڈی کاٹی اور باٹ ہلکے رکھے ہوئے ہوں۔ ملاوٹ کی عادت دائمی ہو۔ تو یہ صورت اِن آیات کی رُو سے مغفرت اور بخشش کے ضمن میں نہیں آتی۔
● اسی عنوان کو خدا تعالیٰ نے سورہ نساء میں بھی مزید وضاحت کیساتھ بالفاظِ ذیل بیان کردیا ہے تاکہ معاشرہ سے برائیوں کا مطلقاً خاتمہ ہو جائے۔ دیکھئے! ارشادِ باری ہے :۔

● اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ 4/17 سوائے اسکے نہیں ہے کہ توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمہ اُن لوگوں کیلئے ہے جو ناروا کام کریں نادانی کیساتھ پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں۔ پس وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رجوع برحمت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑھ کر جاننے والا اور بہت بڑھ کر حکمت والا ہے ـــــ اس سے آگے ارشاد ہوا ہے:۔

● وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓي اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْــٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَھُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ 4/18 اور نہیں واسطے اُن لوگوں کے کہ (اللہ اُن کی توبہ قبول کرے) جو بُرے کام کرتے ہیں حتیٰ کہ اُن میں سے کسی پر موت حاضر ہو جائے اور وہ یہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ (اُن کی توبہ قبول ہوتی ہے) جو ضابطۂ خداوندی کے انکار ہی کی حالت میں مر جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

● دیکھا آپ نے توبہ نہ اُنکی قبول ہے جو زندگی بھر جان بُوجھ کر بُرے عمل کرتے رہیں اور جلدی توبہ نہ کریں اور نہ اُنکی توبہ قبول ہوتی ہے جو مرنے کے وقت پھر توبہ کریں۔ نیز شفاعت کا تصوّر بھی ان آیاتِ بالا کے مطابق ختم ہو جاتا ہے۔ جس کے متعلق خود آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے:۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۝ 39/44 اے رسولؐ! اعلان کر دیجئے گا کہ شفاعت کا حق سارا کا سارا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (اُسکے سوا کسی کو شفاعت کا حق ہے ہی نہیں)۔ سُورہ یونس میں اُن لوگوں کو اللہ کے شریک قرار دیا گیا ہے جنہیں لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفیع ٹھہرائیں۔ دیکھئے ارشادِ باری:۔

● وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ 10/18 اور وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں۔ (اے رسولؐ!) فرما دیجئے گا کیا تم (اللہ کو بے خبر جانتے ہو کر) اللہ تعالیٰ کو اُس چیز کی خبر دیتے ہو جسے آسمانوں اور زمین میں گویا کہ وہ جانتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس سے پاک اور بلند و بالا ہے جو تم اُس کیساتھ شریک کرتے ہو۔

● اب مسئلۂ شفاعت سے متعلقہ وہ شبہ دور کرنا ضروری ہے جو مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ 2/255 سے پیدا ہوتا ہے:۔ کون ہے جو اللہ کے حضور اُس کے قانون کے بغیر شفاعت کرے، وہ اللہ تو مجرموں کے آگے پیچھے کو خود اچھی طرح جانتا ہے (اُسے کسی شفیع کی کیا ضرورت ہے جو اُسے یہ بتائے کہ ملزم قصور وار ہے یا نہیں)؟

● اِلَّا بِاِذْنِهٖ میں اذن بمعنی قانون ہے قانون کی قرآنی سند دیباچہ کے صفحہ ۵۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ مسئلہ شفاعت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کا حتمی اعلان خود آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے کرا دیا ہے قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا 39/44 اے رسولؐ! فرما دیجئے گا کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ نیز 10/18 میں غیر اللہ شفاعت کو شرک قرار دیدیا ہے مسئلہ شفاعت کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۸-۲۰۹ پر آیۃ مجیدہ 2/255 کی تفسیر قرآنی میں بالتفصیل گزر چکی

ہے۔ (ما علینا الا البلاغ)

● مسئلۂ نجات کے سلسلہ میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ سب گناہ بخش دیگا اور اس پر آیت ذیل بطور دلیل لائی جاتی ہے:۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۰ ۳۹/۵۳

(مفہوم) اے رسول فرما دیجئیگا کہ (اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ معاف کر دیگا۔ بیشک وہ معاف فرمانے والا بہت بڑھ کر مہربان ہے —— اس آیت مجیدہ کے جملہ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا سے بلا قید و شرط یہ تصور لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ بخش دیگا۔ اور ۶/۵۴ + ۱۶/۱۱۹ + ۴/۱۷ + ۴/۱۸ میں جو اللہ تعالیٰ نے شرطیں عائد کی ہیں انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ اسی آیت مجیدہ ۳۹/۵۳ سے آگے متصلاً آیت نمبر ۳۹/۵۴ میں وہی شرطیں عائد کر دی گئی ہیں:۔

● وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۰ ۳۹/۵۴ اور (اللہ تمہارے سارے گناہ اس طرح بخش دیگا کہ) تم اپنے رب کی طرف رجوع (یعنی توبہ) کرو اور اُسکے پورے پورے فرمانبردار ہو جاؤ (اپنی اصلاح کرلو) اُسوقت سے پہلے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے۔ پھر (عذاب آنے کے بعد) تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائیگی —— دیکھا آپنے! کہ یہاں بھی توبہ اور اصلاح کی شرط قائم کر دی گئی ہے —— پس یاد رکھیئیگا مغفرت کیلئے گناہوں سے توبہ اور اصلاح یعنی آئندہ کیلئے بُرے اعمال کو چھوڑ کر نیک اعمال پر صد فیصد عامل ہو جانے کے سوا ہرگز کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ

اور اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں آیتیں اور تاکہ نمایاں ہو

سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۵۵ ع ۶/۵/۱۲

راستہ مجرموں کا

اور اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی (سزا کا) طریقہ پوری طرح نمایاں ہو جائے۔

جسکی عبادت اُسی سے دُعا

● سلسلۂ درس کی اگلی مجیدہ میں مجرموں کے ایک مخصوص جرم کی خبر دی گئی ہے کہ جو لوگ غیر اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان سے دعا کرتے ہیں وہ ان کی عبادت کرتے ہیں۔ سورہ فاتحہ ۱/۴ میں وعدہ لیا گیا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ بالفاظ دیگر قرآن مجید کی پہلی ہی سورت مجیدہ میں قرآن کریم کے قاری سے اس چیز کا اقرار کرا لیا جاتا ہے کہ عبادت اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ چنانچہ اسی چیز کی مخالفت کا اعلان آنحضور کی زبان مبارک سے کرا دیا گیا ہے:۔

عبادت اور دُعا باہم مترادف چیزیں ہیں

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت نمبر ۶/۵۴ میں مغفرت کا ایک ہی ذریعہ بیان کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اس چیز کی وضاحت کردی گئی ہے کہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا یعنی غیر اللہ کو غائبانہ مدد کے لئے پکارنا گویا اُسکی عبادت کرنا ہے۔ جو لَا نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰہَ کی کھلی مخالفت ہے بالفاظ دیگر کھلا ارتکاب شرک ہے:-

● قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ
کہہ بیشک میں منع کیا گیا ہوں کہ عبادت کروں ان کی

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ
پکارتے ہو تم جنہیں سوائے اللہ کے۔ کہہ نہیں اتباع کرتا میں

اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ
خواہشوں تمہاری کی بیشک گمراہ ہوا میں اسوقت اور نہیں میں سے اُسوقت

الْمُهْتَدِیْنَ ۝۵۶
ہدایت پانیوالوں کے

(اے رسولؐ!) فرما دیجئے گا بیشک میں منع کر دیا گیا ہوں کہ میں عبادت کروں اُن لوگوں کی جنہیں اللہ کے ساتھ ملا کر پکارتے ہو [1] (نیز یہ بھی اعلان فرما دیجئے گا کہ) میں نہیں پیروی کرتا تمہاری خواہشات کی (تم غیر اللہ کو اللہ کیساتھ ملا کر پکارتے ہو۔ غائبانہ مدد مانگتے ہو اگر میں ایسا کروں) تو بیشک اُسوقت میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ اور ہدایت پانیوالوں میں سے نہیں ہوں گا۔

● [1] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے معنے سوائے اللہ کے بھی قرآن مجید میں مذکور ہیں اور اللہ کے ساتھ ملا کر بھی موجود ہیں جیسے کہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۶ کی تفسیر القرآن میں پیچھے صفحہ ۱۲۳ پر گزر چکا ہے وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۵/۱۱۶ وہ وقت قابل ذکر جب (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کہیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو الٰہ اور ملا کر (تین الٰہ) بنا لو۔ پوری تفصیل پیچھے صفحہ ۱۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حکم بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور غیب کی چابیاں بھی صرف اُسی کے پاس ہیں

● اللہ کیساتھ ملا کر کسی غیر سے مدد مرادیں مانگنے کو غیر اللہ کی عبادت قرار دینے کے بعد اسی امر کی دلیل کا اگلی تین آیات کریمات میں آنحضورؐ کی زبان مبارک سے اعلان کروایا گیا ہے کہ غیب کی چابیاں بھی صرف اللہ کے پاس ہیں اور اُسکے حکم میں بھی اُسکا کوئی شریک نہیں ہے۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ
کہہ بیشک میں ہوں اوپر دلائل کے طرف سے رب اپنے کی اور جھٹلایا تم نے

بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ
کو اسکے نہیں پاس میرے جس کی تم جلدی کرتے ہو ساتھ اسکے نہیں ہے

(اے رسولؐ!) فرما دیجئے گا کہ بیشک میں اپنے نشو و نما دینے والے کی طرف سے (اُسکی نازل کردہ کتاب قرآن حکیم کے) دلائل قاطعہ پر ہوں مگر تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ جس چیز (یعنی عذاب) کے لئے تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں (وہ تو حکم الٰہی

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ○ ۵۷

نہیں) حکم مگر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہ حق حق بیان کرتا ہے۔ اور وہی ہے جو بہتر (صحیح یعنی مبنی بر انصاف) فیصلہ دینے والا ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ○ ۵۸

(اے رسولؐ! مزید) فرما دیجئے گا کہ جس (عذاب) کیلئے تم جلدی کرتے ہو۔ اگر وہ میرے قبضے میں ہوتا تو اس امر کا میرے اور تمہارے درمیان (کب کا) فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ظالموں کو (جو عذاب کے لائق ہیں) خوب خوب بہت بڑھ کر جاننے والا ہے۔

● ۱؎ یہاں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ میں آمدہ بِا کا معنی ہے کو۔

غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور ہر خشک و تر چیز اسکے علم میں موجود ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کی زبان مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ غیب کی چابیاں صرف اسی کے پاس ہیں اور کائنات بھر کی ہر حاضر و غائب اور خشک و تر چیز صرف اور صرف اُس کے علم میں موجود ہے:۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○ ۵۹

اور (اے رسولؐ فرما دیجئے گا کہ) غیب کی چابیاں صرف اُس (اللہ) کے پاس ہیں۔ غیب کو اُسکے سوا مطلقاً کوئی نہیں جانتا۔ اور وہی جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ سمندروں میں ہے۔ اور نہیں گرتا کوئی پتہ (کسی بھی درخت پودے یا بیل سے) مگر وہ اُسے جانتا ہے۔ اور نہیں کوئی دانہ (پھوٹتا) زمین کے اندھیروں میں (یعنی مٹی کے اندر) وہ اُس کے علم میں ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی بھی تر یا خشک چیز مگر وہ سب کتاب مبین (علم الٰہی) میں موجود ہے۔

● ملہ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ کا معنی یہاں علم الٰہی ہے قرآنی لغت کے مطابق کتٰب بمعنی علم الٰہی کے قرآنی دلائل پیچھے صفحہ ۵۷ اپر آئت نمبر ۳۸ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں گزر چکے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں پر اس ترجمہ کی صحت کی دو واضح دلیلیں موجود ہیں۔ پہلی دلیل تو یہ ہے اِس آئت مجیدہ زیر بحث ۶/۵۹ کے سارے کے سارے داخلی الفاظ کی شہادت کہ پوری کی پوری آئت کریمہ میں علم الٰہی ہی کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ خشکی اور تری کی ہر چیز کو خوب خوب جانتا ہے:۔ یَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ نیز کرہ ارض یا دُوسرے کُرّوں، اجرام فلکی، سیّاروں اور ستاروں میں جہاں جہاں کوئی پتہ گرتا ہے اُسکے علم میں ہوتا ہے:۔ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا۔ نیز ارشاد ہُوا ہے کہ وہ کسی چیز تک سے بھی بے خبر نہیں۔ زمین کے اندھیروں میں بیجوں کی جو گٹھلیں پھٹتی اور اُن سے انگوریاں نکلنے میں جو کیمیائی عمل ہوتا ہے سب اُسکے علم میں ہے:۔ وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ۔ اور نہ کوئی بھی بیج جو اندھیروں میں زیر عمل ہوتا ہے اُس سے پوشیدہ ہے۔ اِسکے بعد لایا گیا ہے وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ، جس سے صراحتًا ثابت ہوتا ہے کہ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ سے مراد یہاں علم الٰہی ہے۔ اور دُوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں دُوسرے دو مقامات ۱۰/۶۱ + ۳۴/۳ میں تصریف آیات کیساتھ اسی آئت کی متبادل آئت آئی ہے عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۳۴/۳ اللہ عالم الغیب ہے اُس سے کوئی ذرہ بھر چیز پوشیدہ نہیں آسمانوں اور زمین میں نہ اُس (ذرّہ) سے کوئی چھوٹی چیز پوشیدہ ہے نہ اس سے بڑی سب کی سب کتٰبِ مُبین علم الٰہی میں موجود ہیں۔
صفحہ ۵۷ اپر آئت نمبر ۳۸ کی تفسیر میں پیچھے دیکھئے ـــــ سلسلہ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں نیند کو عین موت نہیں بلکہ موت کی مثل بتایا گیا ہے:۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ
اور وہی ہے جو فوت کرتا ہے تمہیں وقت رات کے اور جانتا ہے
مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ
جو کام کرتے ہو تم وقت دن کے پھر اٹھا لیتا ہے بیچ اسکے
لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ
تاکہ پوری کی جائے مدت مقررہ پھر طرف اسی کے ہے
مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ
لوٹ جانے کی جگہ تمہاری پھر وہ خبر دیگا تمہیں ساتھ اسکے جو تم
تَعْمَلُونَ ۝ ۶۰
عمل کیا کرتے تھے

ع ۷/۱۳

اور وُہ اللہ ہی وُہ عظیم الشان ذات ہے جو تم پر رات کے وقت پر (نیند غالب کرکے مجازی صورت میں) تمہیں فوت کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے تم دن کے وقت جو کام کرتے ہو دو کام کے بعد آرام لازم ہے۔ اسلئے تمہیں نیند کے ذریعہ تازہ دم کرکے کام کے وقت اس (یعنی دن) میں پھر اُٹھا لیتا ہے تاکہ (لیل و نہار کی اِسی گردش میں عمر کا) نام رکھا ہُوا وقفہ پورا ہو جائے۔ پھر (حقیقی موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد اعمال کی جزا اور کیلئے) تمہارے لوٹ کر جانے کی جگہ اُسی کی طرف ہے ۲۳/۱۶۔ پھر وہ تمہیں خبر دیگا جو عمل تم کیا کرتے تھے۔ ۵۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ ۶۱

وہ غالب ہے اوپر بندوں اپنوں کے اور بھیجتا ہے اور پر تمہارے محافظ ہے یہاں تک کہ جب آتی ہے کسی تمہارے پر موت فوت کرتے ہیں اسے بھیجے ہوئے ہمارے اور وہ نہیں وہ کوتاہی کرتے

وہ (اللہ) اپنے سارے بندوں پر غالب ہے (اُسکے قانونِ موت وحیات کے دائرہ سے کوئی نکل نہیں سکتا) اُس نے تم پر اپنی محافظ قوتیں بھیجی ہوئی ہیں (یعنی بصورتِ قانون تعیین کر رکھی ہیں) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے (اسبابِ موت) اُسے فوت کر دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے کام میں ہرگز کوتاہی نہیں کرتے۔

● ۱ نیند میں انسان مرتا نہیں۔ سویا مرا ایک برابر کے انداز میں اسے مجازی وفات قرار دیا گیا ہے۔

● ۲ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ اور ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْہِ سے کھل کر ثابت ہے کہ رات کو فوت کر دینا اور دن کے وقت اُٹھا لینا حقیقی موت نہیں، مجازی وفات و بعثت ہے۔ کیونکہ حقیقی موت کے بعد کی بعثت قیامت کو ہوگی۔

● ۳ لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی کے الفاظ میں اَجَلٌ مُّسَمًّی سے مراد عمر کا وقفہ ہے جو لیل ونہار کی گردش ہی میں ختم ہو جاتا ہے۔

● ۴ ثُمَّ اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ کا معنی یہ ہے کہ پھر تمہارے لوٹ کر جانے کا مقام اللہ ہی کی طرف ہے۔ ان الفاظ میں موت کے بعد کی بعثت کی غرض بتائی گئی ہے کہ پھر تمہیں اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حاضر ہونا ہے۔

● ۵ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ تم جو بھی عمل کرتے ہو، خواہ ظاہراً کرتے ہو یا چھپ چھپا کر، اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک عمل کو جانتا ہے اور قیامت کو تمہیں ہر عمل کی خبر دیگا۔ اور خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھے عمل کی تم کو جزا ملیگی اور ہر بُرے عمل کی سزا پاؤ گے۔ پیچھے آیت نمبر ۵۴ کی تفصیل میں صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۳ پر بُرے عملوں کی سزا سے بچنے کیلئے بتا دیا گیا ہے توبہ اور اصلاح۔ یعنی آئندہ کیلئے بُرے اعمال سے صد فیصد کنارہ کشی اختیار کی جائے اور ایسے عمل کئے جائیں جن سے معاشرہ میں اصلاح ہوتی چلی جائے۔

● ۶ یہاں یُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَةً کا مفہوم یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے محافظ قانون مقرر کر رکھے ہیں جن کے مطابق حفاظت میسر آتی ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ محافظ تو بھیجتا ہے مگر اُن کی غفلت سے آئے دن تانگوں، بسوں، لاریوں اور ریل گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ اللہ نے حفاظت کے قانون متعین کر رکھے ہیں جن کی خلاف ورزی سے حادثات واقع ہوتے ہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے اور کسی کی آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔

● قرآن مجید میں یُرْسِلُ متعدد مقامات پر قوانینِ جاریہ کے تعیین کیلئے آیا ہے۔ مثلاً:۔

● یُرْسِلُ الرِّیٰحَ ۷/۵۷ کا لفظی معنی ہے وہ ہوائیں بھیجتا ہے۔ مگر اسکا مفہوم یہ ہے کہ اس نے ہواؤں کے چلنے کا قانون متعین کر رکھا ہے

● یُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ ۱۳/۱۳ کا لفظی معنی ہے وہ بجلیاں بھیجتا ہے مگر مفہوم یہ ہے کہ اُس نے بجلی کا قانون مقرر کر دیا ہے۔ اِسی طرح:۔

● يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت کے قوانین متعین کر رکھے ہیں۔ انکی متابعت سے خداوندی حفاظت میسر آتی ہے اور انکی مخالفت سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اُٹھ جاتی ہے۔

● ۵ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے کارندے اُسے فوت کر دیتے ہیں۔ انہی میں سے ہر کارندے کو ملک الموت فرمایا ہے —— اب مشاہدات میں دیکھئے گا کہ وہ خداوندی کارندے کون کونسے ہیں جن میں سے ہر ایک ملک الموت $\frac{۳۲}{۱۱}$ ہے۔ آگ، پانی، بجلی، آندھی، بیماری، تیز دھار آلہ، پستول یا بندوق کی گولی، ایٹم بم جو ناگاساکی اور ہیروشیما کے ہزارہا انسانوں کو ایک سیکنڈ میں موت کے گھاٹ اتار دے سب الگ الگ خداوندی کارندے اور الگ الگ ملک الموت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے محافظ بھی اپنا اپنا فرض ساتھ ساتھ انجام دیتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ آنکھوں کی پلکیں اِنکی حفاظت کیلئے انسان کے ارادے کے بغیر ایک ایک سیکنڈ میں کئی کئی مرتبہ جھپک جاتی ہیں۔ کسی تنگ منڈیر پر چلتے ہوئے جب ہم دائیں طرف گرنے لگتے ہیں تو بایاں بازو خود بخود اُوپر کو اُٹھ جاتا اور گرنے سے بچا لیتا ہے۔ انسان بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی محافظ دوائیں حفاظت کرتی ہیں لیکن جب خدائی کارندوں کا حملہ شدید ہو تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ موت کے قانونِ خداوندی سے کوئی فرد بشر بچ کر نکلنے نہیں۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ $\frac{۳}{۱۸۵}$ + $\frac{۲۱}{۳۵}$ + $\frac{۲۹}{۵۷}$۔

● ۵ وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ ہارٹ فیل ہونے کی صورت میں یہ خداوندی کارندہ آناً فاناً موت وارد کر دیتا ہے۔ دمہ، ٹی بی وغیرہ کی صورت میں یہ خدائی کارندے حالات کے مطابق وقت لیتے ہیں۔ کسی پتھر کے نیچے آنے یا ریل گاڑیوں کے حادثات میں لاش کے گوشت کی بوٹیاں اڑ جاتی ہیں۔ وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ وہ حسب حال پورا کام کرتے ہیں نہ کم نہ زیادہ۔

● آیت نمبر ۶۱ زیر بحث میں موت کا ذکر کرلانے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں حضورِ خداوندی میں جوابدہی کیلئے حاضری کی خبر دیگئی ہے:۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ پھر لوٹائے جائینگے طرف اللہ کی جو مولا ہے ان کا سچا	پھر اُنہیں (موت کے بعد بعثت اور بعثت کے بعد مکافاتِ عمل کیلئے) انکے حقیقی مددگار و مشکلکشا کی طرف لوٹایا جائیگا خبردار! حکم اُسی کا ہے اور وُہ (قیامت کو) جلد حساب لینے والا ہے ۱۔
اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۱ (۶۲) خبردار! واسطے اُسی کے ہے حکم اور وہ ہے جلد حساب کرنیوالا	

● ۱ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ کا ایک معنی یہ بھی بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد ہر کسی کا فوراً حساب لے لیتا ہے۔ مگر یہاں یہ مفہوم ازروئے تصریف آیات فٹ نہیں آتا کیونکہ موت کے بعد ایک مخصوص وقفہ مقرر کیا گیا ہے جیسے یوم الدین، یوم القیامۃ اور يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ $\frac{۱۴}{۴۱}$ کے الفاظ میں جس کی تعریف بتائی گئی ہے کہ اُس دن، اس وقفہ میں حساب قائم ہوگا، اور اُس

دن پہلے پچھلے سب لوگوں کو جمع کرلیا جائیگا۔ سورہ واقعہ میں ارشاد ہوا ہے :۔

● قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۝ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ۵۶/۴۹-۵۰ (اے رسولؐ) اعلان فرما دیجئے کہ بیشک اس مقررہ دن (قیامت) میں اوّلین و آخرین، پہلے پچھلے سب جمع کر لیے جائیں گے ــــ اب رہا اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ یا سَرِيْعُ الْحِسَابِ کا مفہوم۔ اسکے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ہمنے ہر کسی کا اعمالنامہ اس کے گلے میں باندھ دیا ہے۔ ہر شخص خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ یہاں دنیا میں بھی اپنا اعمالنامہ پڑھ سکتا ہے اور قیامت کو بھی پڑھ لیگا ارشاد ہوا ہے :۔

● وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ ۱۷/۱۳-۱۴ اور ہمنے ہر انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن میں باندھ دیا ہے۔ اور اُسے ہم قیامت کے دن اُس کے لئے کھلی کتاب کی شکل میں سامنے پیش کر دینگے اور ہر کسی کو کہا جائیگا کہ اپنا اعمالنامہ پڑھ لے، آج کے دن تیرے حساب کیلئے تیرا اعمالنامہ ہی کافی ہے۔ ہر شخص کا حساب پہلے ہی سے بنا بنایا ہر وقت تیار ہے اور ایسا مکمل کہ سب لوگ اسکے متعلق کہینگے :۔

● وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ ۱۸/۴۹ اور کہینگے۔ ہم پر افسوس ہے۔ یہ کیسی کتاب ہے کہ اس نے نہ ہمارا کوئی چھوٹا عمل چھوڑا ہے نہ بڑا مگر اس نے سب کو محفوظ کر لیا ہے۔ اور انہوں نے جو بھی عمل کیا ہے (چھوٹا بڑا) سب کو اس میں موجود پائینگے۔ اور تیرا پروردگار کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کریگا (سب کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائیگا)۔

● پس ہر شخص کا حساب اسکے اعمالنامہ میں تیار موجود ہوگا۔ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ہر کسی کا حساب ساتھ کے ساتھ سب کے اعمالناموں میں محفوظ کرتا چلا جاتا اور موازنہ بھی کرتا چلا جا رہا ہے۔ پس اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ اور سَرِيْعُ الْحِسَابِ کے الفاظ سے یہ تصوّر پیدا کرنا غلط ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت آگئی۔ قیامت کا دن حق ہے جب سب کے سب مُردوں کو زندہ کرکے سب کو پوری پوری جزا اور پوری پوری سزا دی جائیگی۔

جملہ مصائب سے نجات دہندہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم ہوا ہے کہ ان غیر اللہ سے مدد مانگنے والوں سے پوچھیئے کہ جب تم خشکی یا سمندر کے اندھیروں کے مصائب میں گرفتار ہو جاتے ہو تو کون ہے جو تمہیں ان سے نجات دیتا ہے۔ تم ایسے وقت پر صرف اُسی کو تو پکارتے ہو۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ

کہہ کون نجات دیتا ہے تمہیں سے اندھیروں خشکی کے اور

(اے رسولؐ!) ان سے پوچھیئے کہ کون ہے جسے تم عاجزی کیساتھ اور خفیہ طور پر پکارتے ہو اور وہ تمہیں خشکی اور پانیوں کے

اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۳ تُدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ	اندھیروں میں (مصائب و مشکلات سے) نجات دیتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ اگر تُو نے ہمیں ان مصائب سے نجات دی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بن جائیں گے۔
قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝۶۴	(آپ ہی) فرما دیجئے گا کہ تمہیں اللہ ہی اُن مصائب سے بھی اور ہر مشکل سے بھی نجات دیتا ہے۔ پھر بھی تم اُس کے ساتھ اَوروں کو شریک کرتے ہو (کسقدر ناشکرے ہو تم)۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے کہ یہ بھی اللہ کا قانون ہے کہ تمہاری نافرمانیوں کی بدولت تم پر اُوپر سے، نیچے سے اور تمہاری آپس کی پھُوٹ کے ذریعہ عذاب آجاتا ہے۔ ذاتی منفعت کوشیاں ہی باہمی پھوٹ کو جنم دیتی ہیں جو عذاب بن کر چھا جاتی ہیں:-

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵	(اَے رسولؐ!) فرما دیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے قانون بنانیوالا ہے (اُس نے ایسے قانون بنا رکھے ہیں) کہ وہ تم پر تمہارے اُوپر سے عذاب لے آئے (اگر تمہارے اُوپر والے صاحبِ اقتدار نافرض شناس ہو جائیں) اور تمہارے پیروں تلے سے عذاب لے آئے (اگر تمہارے عوام قانون شکن ہو جائیں) یا تمہیں فرقوں میں بانٹ دے (اگر تمہارے اندر انتشار پیدا ہو جائے) اور اس طرح تمہارے بعض آپس میں ایکدوسرے سے عذاب چکھا کریں۔ (اَے مخاطب!) غور کرو ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ آیتوں پر آیتوں کی سند لا کر (قرآن مجید میں) تفقہ کیا کریں۔

● اِس آیتِ مجیدہ میں عذاب کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کر دیگئی ہے جو آیتِ ذیل کے مطابق انسان کا خود اپنا ہی لایا ہُوا ہوتا ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ۴۲/۳۰ اور تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہُوئی ہوتی ہے۔ حکام کا نافرض شناس ہونا بھی عذاب ہے اور عوام کا قانون شکن ہو جانا بھی عذاب ہے اور باہمی انتشار خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی یہ بھی عذاب ہی کی ایک قسم ہے۔ اِن عذابوں کی خبر دینے کے بعد آیتِ مجیدہ کے آخر میں ارشاد ہُوا

ہے کہ ہمنے اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لانے کا اعلیٰ ترین اسلوب بیان اسلئے اختیار کر رکھا ہے کہ لوگ تصریف آیات کے ذریعہ تفقہ کیا کریں۔ یعنی مسائل کا انحصار قرآنی فقہ پر رکھا جائے۔

روائتی تفسیر ● آئتِ بالا کا مفہوم جو قوموں کے عروج و زوال سے متعلق ہے وہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے لیکن اگر لفظی معنے بھی لئے جائیں اوپر سے عذاب اولوں اور بجلی کے علاوہ بموں اور میزائیلوں کا بھی ہو سکتا ہے اور پیروں کے نیچے سے زمین کے پھٹ جانے اور بارودی سرنگوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور پارٹی بازی خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی قسم کی فرقہ بندی ہو ایسا عذاب ہے جو ترقی کی راہ میں سدِ سکندری بن جاتا ہے۔ لیکن آئتِ بالا کی روائتی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ بخاری شریف جلد دوم شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۷۱۸ پر اس طرح درج ہے کہ:۔ ابو النعمان حماد بن زید، عمرو بن دینار حضرت جابر بن عبداللہ سے روائت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت یہ آئت قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ .... الخ یعنی میں پناہ لیتا ہوں تیری ذات کی۔ یعنی اس عذاب کی بابت آپنے معافی چاہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ۔ آپنے اس سے بھی پناہ مانگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا .... الخ تو آپنے فرمایا، ہاں یہ اس سے آسان ہے کہ ان پر (یعنی میری امت پر) مسلط کر دیا جائے ــــ گویا اس روائت کی رُو سے امت میں فرقہ بندی کو خود آنحضور صلعم نے پسند فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ $\frac{6}{159}$ بیشک جو لوگ اپنے دین میں تفریق پیدا کریں اور فرقہ فرقہ ہو جائیں (اے رسول!) ان کیساتھ آپکا کوئی تعلق نہیں ــــ اس سے اگلی آئت مجیدہ میں آنحضور صلعم کی قوم میں سے آپکے مخالفین کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اسی قسم کے لوگ تھے:۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ

اور جھٹلایا کو اسے قوم تیری نے حالانکہ وہ حق ہے

قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ ۶۶

کہہ نہیں ہوں میں اوپر تمہارے داروغہ

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ

واسطے ہر خبر کے ایک مقام ہے (وقت ہے) اور قریب

تَعْلَمُوْنَ ۝ ۶۷

تم جان لو گے

اور (اے رسول صلعم!) آپکی قوم کے (منکرین وحدت و ربوبیت) نے اس (قرآن) کو جھٹلایا۔ حالانکہ وہ سچی کتاب ہے۔ آپ فرما دیجئے گا کہ میں تم پر کوئی داروغہ نہیں (میرا کام اللہ کا پیغام پہنچانا ہے $\frac{5}{67}$ زبردستی منوانا نہیں)۔

ہر خبر (جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے) اُسکے لئے ایک مقام (اور وقت) ہے اور (تم عذاب کیلئے جلدی کرتے ہو) تم جلدی جان لو گے (حقیقت یہ ہے کہ عذاب تب آتا ہے جب کسی قوم کے جرائم کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتب ہو جاتی ہے)۔

● قرآنِ کریم میں سابقہ نافرمان اقوام کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ آمدِ عذاب کیلئے جلدی کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ

اپنے مستقل قانون کے مطابق اتمام حجت کیلئے پوری مہلت دیتا رہا اور جب پوری مہلت کے بعد اتمام حجت ہوجاتی تو پھر عذاب آتا تھا۔ یہی حال آنحضور کی قوم کا تھا۔ کہ عذاب کیلئے جلدی کرتے تھے۔ مگر واضح کر دیا گیا ہے کہ عذاب قانون خداوندی کے تقاضے پورے ہو جانے کے بعد آتا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک کرنیوالوں سے اعراض کرو

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور کے مخالفین آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک کیا کرتے تھے اسلئے آنحضور کو اُن سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے:-

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا
اور جب دیکھے تو انہیں جو عیب نکالیں بیچ آئتوں ہماری

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ
پس تو اعراض کر اُن سے حتی کہ کلام کریں بیچ بات سوا اس کے

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى
اور اگر بھلا دے آپکو یادداشت تو نہ بیٹھنا پیچھے یاد آجانے کے

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۶۸
ساتھ قوم ظالموں کے

اور (اے رسول!) جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آئتوں میں عیب نکالنے کیلئے بحث کرتے ہیں تو آپ اُن سے اعراض کر جائیں (اُن سے چلے جائیں) حتی کہ وہ (ہماری آئتوں) کے سوا کسی اور بات پر بحث کرنے لگیں۔
اور اگر آپکو نسیان بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد آپ (ہماری) آئتوں کی تضحیک کرنیوالے ظالموں کے پاس نہ بیٹھے گا۔

● لے یہاں الشَّيْطٰن کا معنی ہے نسیان (یعنی کسی بات کا کسی وقت یاد نہ رہنا) —— آیاتِ قرآنیہ میں عیب جوئی کرنیوالوں کے پاس نہ بیٹھنے کا یہی حکم ۴/۱۴۰ میں مومنوں کے نام گزر چکا ہے کہ جو لوگ ہماری آئتوں سے استہزا کر رہے ہوں اُنکے پاس مت بیٹھو۔ اگر تم بیٹھو گے تو تم بھی انہی استہزا کرنیوالوں میں شمار کئے جاؤ گے۔ آئت مجیدہ معہ تفصیل تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں —— سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں اُن سے الگ ہو جانیوالوں سے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ
اور نہیں اوپر ان کے جو بچ جائیں میں سے حساب ان کے

مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ ۶۹
سے کوئی چیز اور لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ بچ جائیں

اور اُوپر اُن لوگوں کے جو (تضحیک کرنیوالوں سے) بچ جائیں (اعراض کر جائیں) اُن پر (عذاب میں سے) کچھ بھی نہیں اور لیکن نصیحت (کر دیں) ہے تاکہ وہ (آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب و تضحیک کرنیوالوں سے بچے رہیں۔

● اس سے اگلی آئت مجیدہ میں دین کو کھیل تماشا بنانیوالوں کو نصیحت کرنے اور انہیں انکے حال پر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے:-

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ
اور چھوڑ دے انکو کہ پکڑا انہوں نے دین اپنا کھیل اور
لَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ
تماشا اور دھوکا دیا انہیں زندگی نے اور نصیحت کر ساتھ اسکے
اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا
ایسا نہ ہو کہ سزا پائے کوئی جان ساتھ اسکے جو کمایا اس نے نہیں واسطے اسکے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَاِنْ تَعْدِلْ
سے سوائے اللہ کے کوئی مددگار اور نہ کوئی شفیع اور اگر وہ فدیہ دے
كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا
تمام فدیہ نہ لیا جائیگا اس سے وہی ہیں کہ سزا پائیں گے
بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ
ساتھ اسکے جو کمایا واسطے انکے پینا ہیں سے گرم اور سزا ہے دردناک بوجہ
بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۰ ٧٠ ع ٨ ١٠ ١٤
اسکے جو تھے وہ انکار کرتے

اور (اے رسول!) اُن لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنہوں نے (اپنے اختیار کردہ) دین کو کھیل تماشا قرار دے رکھا ہے (یعنی اُن کے ہاں کوئی قانون نہیں) حقیقت یہ ہے کہ انہیں دنیا کی (مفاد پرستانہ) زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ لیکن آپ انہیں نصیحت کرتے رہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے کئے کی بدولت سزا پا جائے (نصیحت کرنا آپکا فریضہ ہے ⁵⁄₆₇ نصیحت حاصل کرنا لوگوں کا اپنا کام ہے۔ جو لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے) اُنکے لئے نہ کوئی مددگار اور نہ کوئی شفیع شفاعت کرنیوالا ہے* اور اگر (کوئی نافرمان شخص اپنی نافرمانیوں کے عوض) ہر قسم کا فدیہ دیگا تو اس سے نہیں لیا جائیگا۔ مذکورہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے کئے کی سزا پائیں گے انکے لئے اسکی بدولت جو وہ آیاتِ الٰہیہ کا انکار کرتے تھے گرم مشروبات اور دردناک عذاب ہوگا۔

* شفیع کی بحث پیچھے صفحہ ١٧٢ پر گزر چکی ہے۔

● ١٠:٢ واؤ کا معنی حقیقت یہ ہے نیز بمعنی لیکن اور کیونکہ ⁴⁄₁₀₈ میں آیا ہے:۔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۰ ⁴⁄₁₀₈ وہ لوگوں سے تو چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپ سکتے کیونکہ وہ اُس وقت بھی انکے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کے وقت چھپ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں گھیرے ہوئے ہے۔

● ٣ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ سے مراد پینے کا گرم پانی۔ سورہ دخان میں آیا ہے:۔ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ ⁴⁴⁄₄₃ تا ₄₆ گنہگاروں کا کھانا تھوہر کا کڑوا درخت ہوگا۔ پگھلے ہوئے تانبے کی مانند گرم وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹوں میں کھولیگا۔ دیکھئے كَالْمُهْلِ اور كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ کے الفاظ میں دو مرتبہ کاف تشبیہ آیا ہے۔ حرفِ تشبیہ مشابہت کیلئے آتا ہے حقیقت کیلئے نہیں آتا۔ پس ان الفاظ سے مجرموں کا کھانا نہ پگھلا ہوا تانبہ ثابت ہوتا ہے نہ کھولتا ہوا پانی۔ بلکہ انکی ذہنی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے کہ انکا کھانا گویا کہ تھوہر کی طرح کڑوا اور پگھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم ہوگا۔ عام قاعدہ ہے کہ ذہنی کوفت جس قدر شدید ہوتی ہے، کھانے پینے کی چیزیں اُسی قدر بدمزہ اور بدذائقہ ہو جاتی ہیں۔ پھر گنہگاروں کو ایسے مقامات پر رکھا جائیگا جہاں تھوہر کے سوا کچھ پیدا

نہ ہوگا اور گرم آب و ہوا کی بدولت پانی گرم ہی میسر آئیگا۔

کڑوا کھانا اور گرم پانی سزا ہے غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنے کی ● آیت بالا میں گرم پانی کی جو سزا مقرر کیگئی ہے اگلی آیت میں اس جرم کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا کہ کیا ہم بلاویں سوائے اللہ کے جو نہیں نفع دیتے ہمیں وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ اور نہیں ضرر دیتے ہمیں اور ہم لوٹ جائیں اوپر ایڑیوں اپنی پیچھے، جب هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ ہدایت دی ہمیں اللہ نے مانند اسکے خواہشوں پر لگایا اسے گمراہوں نے فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى بیچ زمین کے حیران، واسطے اسکے ساتھی ہیں بلاتے اسے طرف الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ ہدایت آ طرف ہماری۔ کہہ بیشک ہدایت اللہ کی وہی ہدایت ہے وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿لا﴾ ۷۱ اور حکم دیے گئے ہیں ہم کہ ہم فرمانبردار ہو جائیں واسطے رب جہانوں کے	(اے رسول!) فرما دیجئیگا۔ کیا ہم (یعنی میرے صحابہؓ) اللہ کے سوا اُس سے دعا کریں (اس سے مدد مرادیں مانگیں) جو نہ ہمیں نفع دے سکتا ہے اور نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یعنی اس کے بعد کہ اللہ نے ہماری رہنمائی کر دی ہے اُس شخص کی طرح باطل مذہب پر لوٹ جائیں جس سے غلط رہنمائی کرنیوالوں سرکشوں نے خواہشات کی پیروی کرائی ہے زمین میں حیران کر دیا ہے۔ اُس کے لئے اُس کے ساتھی ہیں جو اُسے یہ کہہ کر ہدایت کی طرف بلاتے ہیں کہ ہماری طرف آ جا۔ (اے رسولؐ) فرما دیجئے گا کہ بیشک اصل ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں محفوظ ہے) اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے فرمانبردار ہو جائیں (یعنی نظامِ ربوبیت قائم کریں) ؎۱
وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَ اور یہ کہ قائم کرو اجتماعی نظام اور بچ جاؤ اس سے اور هُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۷۲ وہی ہے جو طرف اسکے تم اکٹھے کئے جاؤ گے	اور (ایمان والو!) اجتماعی نظام قائم کرو ؎۲ اور اُس (اللہ کی مخالفت) سے بچ جاؤ۔ اور وہی ہے جس کی طرف (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جاؤ گے۔

● ؎۱ لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا معنی قرآن کریم کے درسِ اول اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق جس کا ہم سے وعدہ لیا گیا ہے کہ ہم رب العٰلمین کے فرمانبردار ہو جائیں، یعنی نظام ربوبیت قائم کریں۔ ربّ العٰلمین کی فرمانبرداری کا عملی ثبوت پیش کر کے اسکی مخالفت سے بچ جائیں۔

● ؎۲ لفظ صلوٰۃ کا سہ حرفی مادہ ص۔ ل۔ و = صلو ہے جس کا مصدری معنی ہے پیچھے آنا، جس سے اجتماعی نظام قائم ہوتا ہے۔ اِس مادہ کا معنی قرآن کریم میں فرمانبرداری کرنا مذکور ہے۔ جیسے کہ سورہ قیامت میں صلوٰۃ کو نافرمانی کی ضد بتایا

گیا ہے :۔ فَلَا صَدَّقَ وَصَلّٰى ۙ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۙ ۳۱-۳۲/۷۵ — اُس نے نہ تصدیق اور نہ فرمانبرداری کی اور لیکن تکذیب کی اور نافرمانی کی۔ یہاں صَلّٰى کی ضد تَوَلّٰى لائی گئی ہے، جس سے کھل کر ثابت ہوا کیونکہ تولّی کا مصدری معنی نافرمانی کرنا ہے اسلئے صلّی کا مصدری معنی نافرمانی نہ کرنا ہے۔ تو اس طرح جب سب لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو کر اس کے قانون کے پیچھے چلینگے تو ایک اجتماعی نظام قائم ہو جائیگا، جس میں جملہ افرادِ معاشرہ جسدِ واحد کے اعضا کی صورت میں ہونگے کہ جب جسم کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیقرار ہو جاتا ہے، ایسے اجتماعی نظام کیلئے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کا تکراری حکم بار بار دیا گیا ہے۔ صلوٰۃِ موقّت اسی اجتماعی نظام کے نمونہ کی شکل ہے کہ صلوٰۃ کے ہر اجتماع میں اجتماعی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

● وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ میں آنحضورؐ اور آپکے صحابہؓ کرام کا اعلان ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العلمین کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور اسکے بعد متصلاً حکم وارد ہوا ہے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کہ اجتماعی نظام قائم کرو۔ اس سے ثابت ہے کہ اجتماعی نظامِ ربوبیت قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جسکی ابتدا صلوٰۃِ موقّت (نماز) کے اجتماعات ہیں۔

● واضح رہے کہ صلوٰۃ کا اجتماعی نظام ہی دنیوی عذاب کا بھی واحد حل ہے اور اُخروی عذاب کا بھی۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنیوالے کی خبر دینے کے بعد قیامت کی عدالتِ عالیہ کی پیلو بانی کر دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو بِالْحَقِّ ۗ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۞ ۷۳ ساتھ حق کے اور قیامت کے دن کہیگا ہو جا پھر وہ ہو جائیگا	اور وہ (اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا فرمایا ہے۔ اور وہ (قیامت کے) دن کہے گا برپا ہو جا وہ برپا ہو جائیگا۔
قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي بات اسکی سچی ہے اور واسطے اسی کے حکومت ہے جسدن پھونکا جائیگا بیچ الصُّوْرِ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ صور کے جاننے والا پوشیدہ کا اور موجود کا اور وہ ہے بڑا حکمت والا الْخَبِيْرُ ۞ ۷۴ بڑا خبر والا	اُسکا قول سچا ہے (روزِ مکافات ضرور آنیوالا ہے) جس دن مکافاتِ عمل کیلئے (کن کا) صور پھونکا جائے گا۔ (اُس دن انسان سے حکومت چھن جائیگی۔ اُس دن یہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہوگا۔) اُسدن حکومت اکیلے اللہ کی ہوگی۔ (اُس کے لئے اتنی بڑی عدالت کچھ مشکل نہیں کیونکہ) وہ ساری مخلوق کے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جاننے والا ہوکر صاحبِ حکمت و صاحبِ خبر ہے۔

کُن فیکون اور نفخِ صور

● آیاتِ بالا میں تخلیقِ ارض و سماوات کی خبر کے بعد آیا ہے يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ اور اسکے بعد آیا ہے يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ۔ واضح رہے کہ یہاں كُنْ فَيَكُوْنُ کا بدل آیا

ہے نفخ صور، کیونکہ دونوں کیساتھ یومِ قیامت کا لایا گیا ہے۔ اِس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے پہلے کُن فیکُون کے ارشادِ خداوندی کی حقیقت کا جاننا ضروری ہے۔

● ۱ سُورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۲/۱۱۷ وہ آسمانوں اور زمین کو از سرِ نو بنانیوالا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں کہ وہ بزبانِ قانون کہتا ہے ہوجا تو وہ اُسکے اپنے متعیّن کردہ قوانین کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہوتا ہے۔

● ۲ سورہ آلِ عمران میں آیا ہے:۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۳/۴۷ وہ پیدا کرتا ہے اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق پیدا کرتا ہے۔ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں کہ اُسے اپنے قانون کی زبان سے کہتا ہے ہوجا تو وہ اُسکے متعیّن کردہ قوانین کی منزلیں طے کرکے ہوجاتا ہے۔

● ۳ سُورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے:۔ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۱۶/۴۰ سوائے اسکے نہیں کہ کسی چیز کیلئے ہمارا قول یہ ہے کہ جب ہم اُسکا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اُسے اپنے قانون کی زبان میں کہتے ہیں، ہوجا تو وہ ہمارے قانون کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہوجاتا ہے۔

● ۴ سُورہ یٰسین میں بتایا گیا ہے:۔ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۳۶/۸۲ سوائے اُس کے نہیں کہ اُس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے بزبانِ قانون کہتا ہے ہوجا تو وہ اس کے قانون کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہوجاتا ہے۔

● ۵ سُورہ مومن میں ارشاد ہوا ہے:۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِیْ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۴۰/۶۷-۶۸ وہ اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے کہ جس نے اے نوعِ انسانی تمہیں ابتداءً مٹی میں سے پیدا کیا۔ پھر افزائشِ نسل نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے ٹھہرائی۔ پھر تمہیں بچے کی صورت میں رحمِ مادر سے نکالتا ہے تاکہ تم جوانی کو پہنچو۔ پھر تاکہ تم بوڑھے ہوجاؤ۔ اور تم میں بعض ایسے ہیں جو (کسی قسم کے حادثے کے ہاتھوں جوانی اور بڑھاپے سے) پہلے فوت کردیئے جاتے ہیں۔ اور تاکہ تم ٹھہرائی ہوئی میعادِ (موت) کو پہنچو اور تاکہ تم عقل سے کام لو (کہ کیوں کوئی فرد جوانی اور بڑھاپے سے پہلے مرجاتا ہے) وہ اللہ ہی زندگی دیتا اور موت دیتا ہے۔ پھر جب وہ (زندگی یا موت میں سے کسی) کام کا فیصلہ کرتا ہے تو (اپنے قانون کی زبان سے) کہتا ہے ہوجا۔ تو وہ اس کے قانون کی منزلیں طے کرکے ہوجاتا ہے۔

● اللہ تعالٰی کا نہ جسم ہے نہ زبان ہے کہ اُسکا قول بآواز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی وحی انبیاء علیہم السلام کرام کے کانوں

پر نہیں بلکہ انکے اذہان پر بے آواز نازل ہوتی تھی۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۲/۹۷ پس بیشک وہ جبریل اُسے (قرآن کو) اللہ کے قانون کے مطابق آپکے پاکیزہ ذہن پر نازل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زبان بے زبانی، اور بلے زبان زمین و آسمان کے کلام کی مثال سورہ سجدہ میں بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو بنانے کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوا:۔

● ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝ ۴۱/۱۱ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا وہ اُس وقت دھواں ہی دھواں تھا۔ پھر اس نے انہیں (آسمانوں) اور زمین کو (اپنے قانون کی زبان میں) کہا کہ آجاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ اُن دونوں نے (بزبانِ حال) کہا کہ ہم دونوں خوشی کیساتھ آگئے ہیں۔

● آیت بالا میں قول بزبانِ قانون اور قول بزبانِ حال کی وضاحت کے بعد اب آئیے کُن فیکون کی طرف۔ اِسکے متعلق یہ عوامی تصوّر از روئے قرآنِ کریم غلط ہے کہ اُدھر اللہ تعالیٰ نے کُن کہا اور اِدھر کام ہو گیا۔ کیونکہ فیکون کی فا میں وہ وقفہ محذوف ہے جو اُس کام کے انجام ہونے کیلئے قوانینِ خداوندی کے مطابق لازم ہے۔ جیسے کہ عربی محاورہ ہے، نَكَحَ زَيْدٌ فَلَهٗ وَلَدٌ۔ یہاں فَلَهٗ کی فا میں وقفۂ حمل محذوف ہے اور اس جملے کا معنی یہ ہے کہ زید نے نکاح کیا پھر اُسکے ہاں (مدتِ حمل پورا ہونے کے بعد) بیٹا پیدا ہوا۔

● اَب غور فرمائیں کہ فیصلہِ خداوندی کے مطابق کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے کہتا ہے ہو جا پھر وہ ہو جاتا ہے۔ اِس طرح جب اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں کہا کُن۔ اس پر فیکون کی فا کا وقفہ چھ ہزار سال بتایا گیا ہے۔ سورہ سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۳۲/۴ اللہ تعالیٰ وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں میں موجود ہے چھ دنوں میں پیدا کیا —— اِس پر غور فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین اور ان کی جملہ موجودات کیلئے فیکون کی فا کی مدّت بتائی گئی ہے چھ دِن۔ مگر اللہ تعالیٰ کے دن کی بھی مدت ملاحظہ فرمائیں۔ اِسی سورہ سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۳۲/۵ وُہ اللہ تدبیر کرتا ہے کام کی آسمان سے زمین کی طرف، پھر وہ اُسکی طرف چڑھتا ہے (یعنی مکمل ہوتا ہے) ایک دِن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جو تم شمار کرتے ہو۔

● ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ ...... الخ کا مفہوم یہ ہے کہ جس کام کی اللہ تعالیٰ تدبیر کرتا ہے وہ اُسکے متعین کردہ قوانین کی منزل طے کر کے مکمل ہوتا ہے ایک دن میں جسکی مقدار ایک ہزار سال ہے —— یہاں تک اِس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ

تعالیٰ کے سب کام کُن فیکون کے ماتحت ہو رہے ہیں۔ ہر کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے قانون مقرر کر دیئے ہیں۔ سب کام عین اُن کے مطابق سر انجام ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ زندگی اور موت تک کا کوئی مرحلہ ذاتِ باری کے خود متعین کردہ قوانین کے خلاف نہیں ہو سکتا بالفاظِ دیگر آیتِ مجیدہ کُن فیکون میں خدا تعالیٰ نے اپنے متعینہ قوانین کی محکمیت کا اعلان کر دیا ہے۔

نفخ صُور

● اب آئیے نفخِ صُور کی طرف! اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ آیتِ مجیدہ زیرِ بحث ۶/۷۴ میں یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ بدل ہے یَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ کا۔ بالفاظِ دیگر قیامت کُن فیکون کی عملی صورت بتائی گئی ہے نفخِ صُور گویا اللہ تعالیٰ فرمائیگا کُن اور قیامت برپا ہو جائیگی۔ اِسی کُن کیلئے متبادل تفسیری الفاظ لائے گئے ہیں یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ جس دن صُور میں پھونک ماری جائیگی تو قیامت برپا ہو جائیگی۔ واضح رہے کہ پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں قیامت کے دو نفخِ صُور بتائے گئے ہیں۔ پہلا وہ جس میں زمین کے اُوپر کی ہر چیز ختم کر دی جائیگی اور دُوسرا وہ جس کے ساتھ صرف نوعِ انسانی کے جُملہ افراد کو زندہ کر کے عملوں کی جزا سزا کے لئے اپنے حضور میں حاضر کر لیا جائیگا:۔

نفخ اوّل

● نفخِ اوّل کا کیا نتیجہ ہوگا؟ اُسکے لئے ذیل کے متعدد الفاظ وارد ہوئے ہیں:۔

● **الزَّلْزَلَۃُ**۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ ۲۲/۱ اے نوعِ انسانی! اپنے نشوونما دینے والے کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ بلاشبہ زلزلۂ قیامت بہت بڑی چیز ہے۔ بالفاظِ دیگر قیامت کے نفخِ اوّل کا نتیجہ بہت بڑا زلزلہ ہوگا۔

● **اَلْقَارِعَۃُ**۔ اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ ۱۰۱/۱-۲ کھٹکھٹانیوالی۔ کیا ہے وُہ کھٹکھٹانیوالی۔ اِن الفاظِ قرآنیہ سے ثابت ہُوا کہ نفخِ اوّل سے جو عظیم زلزلہ آئیگا، اُسکی بدولت زمین بھر کی ہر چیز کھٹکھٹانے لگ جائیگی۔

● **اَلصَّاخَۃُ**۔ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ۝ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ۝ ۸۰/۳۳ تا ۳۶ پھر جب بہرہ کر دینے والی آئیگی۔ اُس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگ جائیگا، اپنی ماں سے اور باپ سے، اپنی بیوی اور بیٹے سے بھاگ جائیگا۔ اس آیتِ مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ نفخِ صور اوّل سے عظیم زلزلہ کیساتھ مہیب آواز بھی پیدا ہوگی جس سے کان بہرے ہو جائینگے۔

● **اَلْوَاقِعَۃُ**۔ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ ۵۶/۱ تا ۵ جب واقعہ ہونیوالی واقعہ ہو جائیگی۔ اُسکے واقعہ ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ جب زمین شدید حرکت کیساتھ ہلا دی جائیگی اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

● **اَلسَّاعَۃُ**۔ یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ

اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ ٧/١٨٧ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں اَلسَّاعَة (قیامت کے نفخ اوّل) کے متعلق کہ اُس کا واقعہ ہونا کب ہوگا۔ آپ کہہ دیجیئگا سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ نہیں ظاہر کریگا اسے اُسکے وقت پر مگر صرف وہی ظاہر کریگا۔ وہ ساعت آسمانوں اور زمین میں بہت بھاری ہے، وہ نہیں آئیگی تمہارے پاس مگر اچانک لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے کہ آپ اُس میں بحث کرنیوالے ہیں۔ کہہ دیجیئگا، سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ اسکا علم اللہ کے پاس ہے اور لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے۔

● اَلصَّاعِقَة ۔ سورہ زمر میں ارشاد ہوا ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ۝ ٣٩/٦٨ اور صُور میں پھونک ماری جائیگی پھر ہر جاندار جو زمین میں ہے اور جو آسمانوں میں ہے سب بے ہوش ہوکر مر جائینگے سوائے اُسکے جو اللہ کے قانون مشیت میں مستثنےٰ ہو۔ (اس اِلَّا کو استثنےٰ بالمشیت کہتے ہیں جو ماقبل مذکور کی تاکید کیلئے آتا ہے یعنی یقیناً سب مر جائیں گے) اور پھر صُور میں دوسری پھونک ماری جائے گی تو اُس وقت زندہ ہوکر کھڑے ہو جائیں گے۔ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

● یہاں تک آپنے نفخ اوّل کے متعلق جان لیا ہے کہ اُس سے ایک عظیم زلزلہ برپا ہوگا ٢٢/١ اور ہر چیز کھٹکھٹانے لگیگی ١٠١/١ ساتھ ہی اتنی زور کی آواز پیدا ہوگی کہ لوگ بہرے ہوکر ٨٠/٣٣ مر جائینگے ٣٩/٦٨ زمین شدت کیساتھ ہلائی جائیگی ٩٩/١ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائینگے ٥٦/٥ كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ٥٥/٢٦ اور كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ ٢٨/٨٨ میں فانٍ اور ھالِکٌ دونوں اسم فاعل ہیں، جن سے ثابت ہے کہ کائنات میں ہر آن ہلاکت وفنا یعنی توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے جسکی تصدیق سائنس کر چکی ہے۔

سائنسدانوں کے سوال کا جواب

● یہاں پہنچ کر سائنسدان سوال کر سکتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا کُن اُسکے متعینہ قوانین کے مطابق انجام پذیر ہوتا ہے تو بتایا جائے کہ نفخ صُور کی عملی شکل کیا ہوگی اور کن قوانینِ خداوندی کے مطابق الزلزلة، القارعة اور الصّاخة وغیرہ بروئے عمل آسکیں گی۔ اس اہم سوال کا جواب عالمی مشاہدات کے مطابق لفظ زلزلہ کے اندر موجود ہے۔ زلزلۂ قیامت کو اللہ تعالیٰ نے عظیم زلزلہ بتایا ہے۔ مگر عام زلزلے تو ابتداءِ آفرینش ہی سے آرہے ہیں۔

● زلزلے کیوں آتے ہیں؟ اس کیوں کا جواب خود سائنسدان حضرات کے ہاں مسلّمہ ہے کہ زمین کے بطن میں ہر آن عظیم لاوا کھول رہا ہے جو ہر وقت باہر نکلنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ بعض دفعہ یہی لاوا کسی چٹان کی چوٹی کو پھاڑ کر باہر نکل آتا ہے اس طرح زمین کے شکمی لاوے کا یہ عمل ایک طرف تو اپنے دائرۂ عمل تک زمین میں زلزلہ پیدا کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ چٹان کے جس مقام پہ سوراخ کرکے زور سے نکلتا ہے وہاں زوردار آواز بھی پیدا کرتا ہے۔ بعض دفعہ آواز کی شدت سے

وہاں کے لوگ بہرے ہو جاتے ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ وہی لاوا جب ٹھنڈا ہوتا ہے تو سائنسدان حضرات یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں کہ زمین کے اندر کون کونسے عناصر موجود ہیں جن کے آمیزے سے زمین کے بطن میں ہر آن لاوا کھولتا رہتا ہے۔

● یہ تو ہوا زلزلہ کی آمد کا ایک سبب کہ لاوا کسی مقام پر زور کیساتھ باہر آ کر زلزلے کا موجب بنتا ہے۔ اور زلزلے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی وقت زمین کے شکمی لاوے میں کسی مقام پر آتش گیر عناصر کے ذخیروں کا اتصال ہوتا ہے اور زمین کے اندر ایک عظیم دھماکہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کی بدولت زمین کے اس حصے میں مذکورہ دھماکے کی شدت کے مطابق بڑا یا چھوٹا زلزلہ آتا ہے، اگر وہ زمینی لاوے کا شکمی دھماکہ بڑی مقدار کا ہو تو بستیوں کی بستیاں غرق کر دیتا ہے۔ بھارت میں کانگڑہ اور پاکستان میں کوئٹہ کی تباہی زمین کے شکمی دھماکے کا زندہ ثبوت ہے

● پس اگر معمولی سا غور بھی کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر عیاں ہو جاتی ہے کہ ہماری زمین اور جملہ کرہ ہائے سماوی کے شکموں میں ہر آن لاوا کھول رہا ہے جو کرّوں کے ہر مقام پر ہر آن باہر نکلنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ نفخ اوّل کے وقت اس اندرونی لاوے میں اندرونی آتشگیر ذخیرے جو الگ الگ محوِ عمل ہیں، ان کے باہمی اتصال کی بدولت (جو اس قانون کے مطابق عمل میں آئیگا کہ وہ ذخیرے ہر آن باہر نکلنے کی کوشش میں ہیں) بہت عظیم دھماکوں کا موجب ہونگے۔ لاوا جگہ جگہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں کو پھاڑ کر باہر نکل آئیگا۔ جس کی بدولت ہزاروں لاکھوں زلزلے بیک وقت پیدا ہوں گے، سارے کے سارے کرّے بیک وقت شدید حرکت کیساتھ کھٹکھٹانے لگینگے اور پوری کائنات میں القارعہ کی حالت پیدا کر دینگے۔

● اور اسکے ساتھ ہی لاوے کے زوردار اخراج کی بدولت اَلصَّاخَّۃُ کی عملی صورت پیدا ہو گی۔ اتنی زور کی عالمگیر آواز جو کانوں کو بہرہ کر دیگی۔ پہاڑوں کی چٹانوں میں شدید دھماکوں کی بدولت چھوٹے بڑے سب پہاڑ اڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا کی عملی شکل پیدا ہو جائیگی۔ اسی عین قانونی عمل کو قرآن کریم میں اس کے وقوع کو شک وشبہ سے پاک کرنے کیلئے ارشاد ہوا ہے لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ۔

● اور یہی وہ زلزلۂ عظیم ہے جسے صاعقہ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ ۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ $\frac{39}{68}$ اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں سب جاندار مر جائیں گے۔ بالکل ایسا ہی ہو گا۔ تیرے پروردگار کی مشیت یہی ہے۔ اس آیت مجیدہ میں آمدہ الفاظ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ زلزلہ، قارعہ، صاعقہ اور صیحہ کی مصدری عملی حالت قیامت کو صرف زمین ہی میں نہیں ہو گی بلکہ جملہ کرجات سماوی کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائینگے

اور تمام جاندار مرکر ختم ہو جائیں گے۔

صُور کیا ہے؟ ● مندرجہ بالا صُور کے نفخِ اوّل کی پُوری بحث میں، لفظ صُور کا معنیٰ و مفہوم بیان نہیں ہُوا۔ یہ معمہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا کہ وہ صُور کیا چیز ہے جس میں قیامت کو پھونک ماری جائیگی۔ روائتی تفاسیر میں اسکے متعلق یہ مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسرافیل فرشتے کو روزِ آفرینش ہی سے نرسنگھا دے کر کھڑا کر دیا ہے وُہ نرسنگھے سے مُنہ لگائے منتظر کھڑا ہے کہ جب اُسے حکم دیا جائیگا تو وہ اُس میں پھونک مار دے گا۔ اُس نرسنگھا کی آواز اتنی ہیبت ناک ہو گی کہ پُوری زمین زلزلہ آجائیگا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور پُورے جاندار موت کے گھاٹ اُتر جائیں گے۔

● لیکن خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب صحیفۂ فطرت کی آیاتِ مبارکہ کے مطالعہ سے، یہ کائناتی شہادتیں روزِ آفرینش سے آپکے سامنے موجود ہیں، جن کا انکار دن کو رات اور سُورج کو تاریک قرار دینے کے مصداق ہے، وہ یہ کہ زمین کا پیٹ لاوے سے بھرا پڑا ہے، جب اُس لاوے میں کوئی شکمی دھماکہ پیدا ہوتا ہے تو زلزلہ آتا ہے اور یا وہ کسی پہاڑ کی چٹان میں سُوراخ کر کے زور سے نکلتا ہے تو زلزلہ بھی آتا ہے، کانوں کو بہرہ کرنیوالی ہیبتناک آواز بھی پیدا ہوتی ہے۔ دروازے اور کھڑکیاں بھی کھٹکھٹانے لگتی ہیں، اور اگر زلزلہ شدید ہو تو بستیوں کی بستیاں غرق بھی ہو جاتی ہیں اور ہزاروں لاکھوں جاندار بھی موت کے آغوش میں پہنچ جاتے ہیں۔

● سابقہ صفحات میں پیش کیگئی صحیفۂ کائنات کی آیاتِ مبارکہ کی زندہ شہادتوں کے مطابق جب زمین سمیت جُملہ کُرہ جات کا لاوا زلزلۂ عظیم کی صُورت میں نمودار ہو گا تو قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق السّاعۃ، القارعۃ، الصّاخہ، یعنی القیامۃ برپا ہو جائیگی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ارض و سماوات کے سب جاندار مر جائینگے۔ پس صحیفۂ کائنات کے اِن ناقابلِ انکار دلائلِ قاطعہ کے مطابق صُور (نرسنگھا) وہ سُوراخ ہونگے جن کے راستے زور کا لاوا نفخ کرتا ہُوا، مذکورہ سُوراخوں میں پھونک مارتا ہُوا نمودار ہو گا اور يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ ۴۴/۱۰ کی قرآنی خبر کے مطابق سارے آسمان دھوئیں سے بھر جائینگے۔

ایک علمی نکتہ ● واضح رہے کہ نفخِ صُور قرآن مجید میں افعال ماضی یا افعال مضارع میں صرف بصورتِ فعل مجہول اَمَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ آیا ہے۔ یعنی فعل ماضی مجہول میں نُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۱۸/۹۹ ۲۳/۱۰۱ ۳۶/۵۱ ۳۹/۶۷ ۵۰/۲۰ اور ۶۹/۱۳ میں آیا ہے۔ اور فعل مضارع مجہول میں يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۶/۷۳ ۲۰/۱۰۲ ۲۷/۸۷ اور ۷۸/۱۸ میں آیا ہے اور اس امر میں بھی اہلِ علم کو مجالِ انکار نہیں کہ افعال مجہول میں فاعل کی تلاش کلام کے سیاق و سباق اور مشاہداتی قرائن کے مطابق کرنا ہوتی ہے۔ پس مشاہداتِ صحیفۂ فطرت کے مطابق جسطرح روزِ آفرینش ہی سے خدا تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کے مطابق زلزلوں کا سبب زمین کے شکمی لاوے کی تبخیر ہے اور خدا تعالیٰ کے اسی قانونِ جاریہ کے مطابق

قیامت کے زلزلۂ عظیم کا سبب بھی مذکورہ لاوا ہی ہوگا۔ اور اَلصُّوْر اُن سوراخوں کا نرسنگھا یا بگل ہوگا جو لاوے کی شکلی تجمیر کے زور سے زمین سمیت جملہ کرہ جات سماوی کے پہاڑوں کی چوٹیوں میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں قانون خداوندی کے مطابق پیدا ہوکر شور قیامت برپا کر دینگے۔

نفخ ثانی ● نفخ اوّل کا عمل درآمد ہو چکنے کے بعد نفخ ثانی میں لاوے کا زور ٹوٹ چکا ہوگا۔ اور مخصوص گیسوں سے معمور پانی کی بارش برسائی جائیگی جس سے نوع انسانی زندہ ہوکر اُٹھ کھڑی ہوگی۔ سورہ زمر میں نفخ اوّل کا ذکر کرنے کے بعد نفخ ثانی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۰ ۳۹/۶۸ پھر اس میں دُوسری پھونک ماری جائیگی۔ پھر اچانک کھڑے ہوجاتے ہیں، دیکھتے ہونگے۔

● سُورہ یٰسٓ میں ارشاد ہُوا ہے:۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۰ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۰ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۰ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۰ ۳۶/۵۱ تا ۵۴۔

(مفہوم) اور صُور میں پھونک ماری جائیگی، پھر وہ اچانک اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف بھاگ کر آ جائیں گے۔ کہینگے افسوس کہ ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا ہے۔ (یہ وہ دن ہے) جس کا رحمان نے وعدہ دیا تھا۔ اور اللہ کے رسُولوں نے سچ کہا تھا۔ نہیں ہوگی وہ صرف ایک ہی آواز۔ پھر وہ سب کے سب اچانک ہمارے حضور حاضر ہوجائینگے۔ پھر اُس دن کسی جان پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔ تم نہیں دئیے جاؤ گے (اچھا یا بُرا) بدلہ مگر انہی عملوں کا جو تم (اچھے یا بُرے) اعمال خود بجالاتے تھے۔

● سورۂ نبا میں ارشاد ہُوا ہے:۔ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۰ ۷۸/۱۸ جس دن صُور میں پھونک ماری جائے گی تو (اے نوع انسانی) تم گروہ در گروہ (ہمارے پاس) آؤ گے۔

● سُورہ مومنون میں بتایا گیا ہے:۔ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۰ ۲۳/۱۰۱ پھر جب صُور میں پھونک ماری جائیگی تو اُس دن اُن (نوع انسانی) کے درمیان کوئی حسب نسب نہیں ہوگا اور نہ ہی اُس دن یہ سوال کیا جائیگا کہ تو کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک اہم اعتراض کا جواب ● ہوسکتا ہے کہ یہاں پہنچ کر کسی ذہن میں یہ سوال کروٹیں لے رہا ہو کہ اُوپر پیش کی گئی آیتوں میں نہ نفخ اوّل کے متعلق صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ سب لوگ مر جائیں گے۔ بلکہ بیہوش ہو جانے کے الفاظ آئے ہیں اور نہ نفخ ثانی کے ضمن میں صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ مُردے جی اٹھینگے۔ کیونکہ نفخ اوّل کیلئے ذیل کے الفاظ آئے ہیں:۔ القیامۃ کا مصدری معنٰی ہے اچانک اُٹھ کھڑا ہونا۔ الساعۃ کا معنی ہے ایک مخصوص

گھڑی الواقعۃ کا معنی ہے واقع ہونیوالی۔ القارعۃ کا معنی ہے کھٹکھٹانیوالی۔ الصیحۃ کا معنی ہے زور کی آواز چیخ و پکار وغیرہ۔ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۳۹/۶۸ کا معنی ہے آسمانوں اور زمین کے سب جاندار بے ہوش ہو جائینگے۔ کسی بھی لفظ کا یہ معنی نہیں ہے کہ سب مر جائینگے۔

● اور اسی طرح نفخِ ثانی کیلئے بھی یہ الفاظ نہیں آئے کہ مُردے جی اُٹھینگے۔ اسکے ضمن میں یہ الفاظ آئے ہیں فَاِذَا هُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ۔ ۳۶/۵۱ وہ اچانک اپنے رب کی طرف بھاگ کھڑے ہونگے۔ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۷۸/۱۸ کا معنی یہ ہے کہ تم اُس دن فوج در فوج (ہمارے پاس) آؤ گے وغیرہ وغیرہ۔

● جواباً عرض ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس عنوان کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صرف دو مقامات پیش کئے جاتے ہیں:۔

ا۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ ۲/۲۸ (اے نوعِ انسانی!) تم اللہ تعالیٰ کا انکار کس طرح کرتے ہو جبکہ تم نیست تھے۔ پھر تمہیں زندگی دی۔ پھر تمہیں موت دے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا (قیامت کو) پھر تم (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ——— اِس آیت میں ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ کے الفاظ میں قیامت کو زندگی دینے یعنی مُردوں کو زندہ کرنے کی خبر دی گئی ہے۔

ب۔ اِسی طرح سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے:۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ ۲۰/۵۵ (اے نوعِ انسانی!) ہمنے تمہیں ابتدا میں زمین میں سے پیدا کیا اور تم کو ہم (قیامت کو) دوسری مرتبہ بھی اسی زمین سے نکال لینگے۔ اس آیت مجیدہ میں بھی موت کے بعد دوسری مرتبہ زمین میں سے نکالنے زندہ کرنے کے متعلق مطلع کیا گیا ہے۔

ج۔ سورہ المومنون میں ارشاد ہوا ہے (ترجمہ) اے نوعِ انسانی! ہمنے تمہاری ابتدائی پیدائش مٹی کے جوہر سے کی۔ پھر تمہاری افزائش نسل رحم مادر میں نطفہ سے ٹھہرائی پھر ہم اُسے جمے ہوئے خون میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ پھر اُسے گوشت کا لوتھڑا بنا دیتے ہیں۔ پھر ہم اس میں ہڈیاں پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہم ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں اور پھر ہم اُ آخری حالت یعنی بچے کی صورت میں پیدا کر دیتے ہیں۔ بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو احسن الخالقین ہے (احسن تخلیق پیدا کرنیوالا ہے) ۲۳/۱۲ تا ۱۴

● انسان کی اس ابتدائی اور رحمی تخلیق کی وضاحت کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ ۲۳/۱۵-۱۶ پھر بیشک تم پیدا ہونے کے بعد (زندگی گزار کر) مر جاتے ہو۔ پھر بیشک تم (مرنے کے بعد) قیامت کے دِن زندہ کئے جاؤ گے ——— اِن جملہ آیاتِ مقدسہ میں مرنے کے بعد

دوبارہ قیامت کے دن زندہ کئے جانے کی یقینی خبر دی گئی ہے۔ جو لوگ قیامت کے قریب پہلے یا دور پہلے کے مرے ہوئے ہونگے انکی بھی قیامت کو بعثت ہو جائیگی اور جو لوگ زلزلۂ قیامت کیساتھ قیامت کے دن مرینگے وہ بھی زندہ کر لئے جائیں گے۔ اس کی وضاحت بھی قرآن مجید کے متعدد مقامات پر موجود ہے۔ صرف دو ایک مقامات حاضر خدمت ہیں :۔

● سورہ قیامت میں ارشاد ہوا ہے :۔

۱۔ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰى قٰدِرِیْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ۝ ۷۵-۳-۴ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں جمع نہیں کرینگے۔ ہاں ہم تو اس امر کا بھی قانون بنانیوالے ہیں کہ اسکے پورے پورے کو صحیح سالم کریں۔

ب۔ سورہ یٰس میں منکر قیامت کا قول درج ہے اور اسکا جواب خود آنحضور سے دلوایا گیا ہے :۔ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ۝ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ ۳۶/۷۸-۷۹ (قیامت کا منکر) کہتا ہے کہ (برسوں کی گلی سڑی) ہڈیوں کو کون زندہ کریگا۔ اے رسول! کہہ دیجئے گا کہ انہیں وہی زندہ کریگا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

ج۔ سورہ واقعہ میں استحصالی مجرموں کا قول درج ہے اور اسکا جواب خود آنحضور کی زبان مبارک سے دلوایا گیا ہے :۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ۚۖ وَ كَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ۚ وَ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَىِٕذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ۵۶/۴۵ تا ۵۰

(مفہوم) بیشک وہ اس سے پہلے دوسروں کی کمائی کھانیوالے تھے۔ اور وہ اس گناہِ عظیم پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر لئے جائیں گے۔ (اے رسول) کہہ دیجئیگا بیشک پہلے اور پچھلے سب کے سب مقررہ معلومہ دن کو (زندہ کرکے) جمع کر لئے جائینگے۔

● حاصل کلام یہ کہ :۔

خلاصہ کلام سابقہ صفحات سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ قیامت کے دن قانونِ خداوندی کے مطابق زمین سمیت جملہ کرہ جات کا شکمی لاوا پہاڑوں کی چٹانوں سے اسی طرح پھٹ پڑیگا جس طرح روزِ آفرینش سے آتش فشاں پہاڑ پھٹتے رہتے ہیں۔ اور زلزلے پیدا کرتے ہیں۔ قیامت کے زلزلۂ عظیم کے ذریعہ تمام کُروں میں کائنات گیر زلزلہ آئیگا۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ارض و سماوات کے جاندار سب مر جائیں گے۔

● اخیر پر اس امر کی وضاحت بھی لازم ہے کہ زلزلۂ قیامت سے زمین اور آسمان ختم نہیں ہونگے، ان پر موجود جاندار مر جائینگے۔ عمارتیں اور پہاڑ اڑ اُڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائینگے۔ زمین و آسمان اُسوقت ختم کئے جائیں گے جب

اہلِ جنت کی جزا اور اہلِ دوزخ کی سزا کا وقفہ پورا ہو جائیگا۔ سورہ ھود میں اہلِ نار کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

● فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۱۱/۱۰۶-۱۰۷ پھر جو شقی ہونگے، پس وہ آگ میں ہونگے۔ اُنکے لئے اُس میں چیخنا اور چلّانا ہے۔ وہ اُس میں اُس وقت تک ہمیشہ رہینگے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں۔

● اسی طرح اہلِ جنت کے متعلق بھی ارشاد ہوا ہے :۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۱۱/۱۰۸ اور جو نیک لوگ ہونگے وہ جنت میں ہونگے۔ وہ اُس میں اُس تک رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں ـــــ ان آیات مجیدہ سے ثابت ہوا کہ قیامت کے عظیم زلزلوں سے زمین اور آسمان تباہ و فنا نہیں ہونگے، بلکہ کرہ جات کے اُوپر کی چیزیں ختم ہو جائینگی۔ جیسے کہ سورہ الرحمٰن میں ارشاد ہوا ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۵۵/۲۶ جو کچھ زمین کے اُوپر موجود ہے، زلزلۂ قیامت سے وہ سب فنا ہو جائیگا۔ آسمان اور زمین تباہ نہیں ہونگے۔

● اہلِ جنت کے وقفۂ جنت میں جو انکے متعلق سورہ نساء میں بتایا گیا ہے وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝ ۴/۵۷ اور ہم انہیں گھنے سایوں میں داخل کرینگے۔ سایوں کی موجودگی سورج کی موجودگی کی مخبر ہے اور اس کے طلوع و غروب کے نظامِ شمسی کے قیام کی بھی دلیل قاطع ہے ـــــ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے جملہ مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زمین و آسمان ہمیشہ نہیں رہینگے اور نہ اہلِ نار و اہلِ جنت اللہ تعالیٰ کی طرح ہمیشہ زندہ رہینگے۔ بلکہ اپنے وقت پر زمین و آسمان بھی فنا کر دیئے جائینگے اور اہلِ جنت و اہلِ نار بھی اپنی اپنی جزا سزا پا چکنے کے بعد ختم کر دیئے جائینگے۔ قیام و بقا صرف اور صرف ذاتِ باری کیلئے ہے :۔ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۲۸/۸۸ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہو جانیوالی ہے۔

نفخ ثانی کے متعلق سائنسدانوں کا ایک اہم مشاہداتی سوال

● جس طرح قیامت کے نفخ اوّل کے متعلق سائنسدانوں کے اعتراض کا جواب پیچھے گزر چکا ہے کہ قیامت کا زلزلۂ عظیم کس قانونِ خداوندی کے مطابق آئیگا اور وہ صُور کیا چیز ہے جس میں پھونک ماری جائیگی اور کس قانونِ خداوندی کے مطابق ماری جائیگی۔ اسی طرح قیامت کے نفخ ثانی کے متعلق بھی سائنسدان حضرات کا سوال ہے کہ کس قانونِ خداوندی کے مطابق کروڑ ہا سال کے مُردے زندہ ہو جائینگے۔ کتاب لاریب میں اللہ تعالیٰ کے کئے گئے دعوے ہرگز ہرگز جھوٹے نہیں ہیں۔ اُس نے اپنے متعینہ قوانین کے متعلق اعلان کر رکھا ہے :۔

● لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ۱۰/۶۴ اللہ تعالیٰ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

● لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۶/۱۱۶ اس کے (اللہ تعالیٰ کے) قوانین کو کوئی بدلنے والا ہی نہیں۔

• مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ٥ (۵۰/۲۹) میرا قول خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا اور نہ ہی میں اپنے قول کو بدل کر بندوں پر ظلم کرنیوالا ہوں ــــ اُس نے ہر چیز کے غیر متبدل قوانین متعین فرما دیئے ہیں :ــ

• وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ٥ (۲۵/۲) اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اُسکے لئے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قانون مقرر کر دیئے ہیں۔

• اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُس نے قیامت کے دن مُردوں کے زندہ ہونے کا قانون مقرر کر رکھا ہے؟ اِس کا عقلی جواب تو یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے قانون متعین کرنے کا اٹل دعوٰی فرمایا ہے تو پھر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ جب اُس نے قیامت کے دن مُردوں کے زندہ ہونے کی خبر دیدی ہے تو اُسکے لئے قانون متعین نہ فرمایا ہو؟ اسکا ایک ہی جواب ہے کہ ضرور ضرور متعین فرمایا ہے۔

• اور نقل کی رُو سے یعنی اسکا قرآنی جواب سورہ قٓ میں بالفاظ ذیل دیا گیا ہے :۔ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ٥ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ٥ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ٥ (۵۰/۹ تا ۱۱)

(مفہوم) اور ہم آسمان سے برکت والا پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اُسکے ساتھ باغات اور کاٹا جانے والا اناج پیدا کرتے ہیں۔ اور تہ بہ تہ گابھے والی لمبی لمبی کھجوریں پیدا کرتے ہیں۔ جو بندوں کیلئے رزق ہے۔ اور ہم اُس برکت والے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ (جسطرح ہم برکت والے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں) اسی طرح ہے (مُردوں کا زندہ ہو کر زمین میں سے) نکلنا ــــ اِسی سُورت مجیدہ میں مزید ارشاد ہُوا ہے :۔

• يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ٥ (۵۰/۴۲) جس دِن لوگ (قیامت کی) چیخ کو حق کے ساتھ سُنیں گے یہ (زمین سے زندہ ہو کر) نکلنے پڑنے کا دِن ہے ــــ اِسی خروج یعنی مُردوں کے زندہ ہو کر زمین سے نکلنے کی خبر سُورہ طٰہٰ میں بالفاظ ذیل دی گئی ہے :۔

• مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ٥ (۲۰/۵۵) (اے نوعِ انسانی!) ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا، اور (تمہارے مرنے کے بعد) ہم تمہیں اِسی زمین کو لوٹا دیتے ہیں۔ اور (قیامت) کو ہم تمہیں اِسی زمین میں سے نکال لیں گے۔

کِس قانون کے مطابق نکال لینگے

• قیامت کو مُردوں کو زندہ کرنیکا قانون كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ (۵۰/۱۱) کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ جس طرح آسمان سے مَآءً مُّبٰرَكًا برکت والا پانی نازل کرکے مُردہ زمین کو زندہ کیا جاتا ہے اسی طرح مَآءً مُّبٰرَكًا نازل کرکے قیامت کے دِن مُردوں کو زندہ کرکے زمین میں سے نکال لیا جائیگا۔ سُورہ قٓ کی آیت بالا (۵۰/۹) میں نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا کے الفاظ میں مُردہ زمین کو زندہ کرنے کیلئے جو صرف مَآءً کا

لفظ نہیں لایا گیا بلکہ اس کے ساتھ مُبٰرَکًا کی تخصیص عائد کردی ہے۔ تو ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا خود متعین کردہ قانون یہ ہے کہ زمین جب بار بار فصلیں پیدا کر کے اور خشک سالی کی بدولت مرجاتی ہے فصلیں پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی اُسے مَآءً مُّبٰرَکًا کیساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔

مَآءً مُّبٰرَکًا کیا ہے

● زمین کس طرح مُردہ ہوجاتی ہے؟ اِس کا جواب صحیفۂ فطرت خدا تعالیٰ کی کتاب کائنات کی تجزیاتی آیات مجیدہ کی رُو سے یہ ہے کہ اُس میں امونیا، ہائیڈروجن سلفائیڈ اور کاربن ڈائی اکسائیڈ ختم ہو جاتی ہیں۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون جاریہ کے مطابق ہوا میں مذکورہ معدنی اور نامیاتی گیسیں پیدا کر رکھی ہیں جو مُردہ اور ذبح کردہ جانوروں، انسانی وحیوانی بول و براز اور گلے سڑے کوڑا کرکٹ وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں اور ہوا میں مل کر اُڑ کر چلی جاتی ہیں۔ بارش کے قطرے اِن گیسوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے قانونِ جاریہ کے ذریعہ ہر آن معروفِ عمل رہتے ہیں۔ اِسطرح بارش کا وہ پانی جس نے اپنے اندر مذکورہ بالا معدنی اور نامیاتی گیسوں کو جذب کر رکھا ہوتا ہے، قرآنِ کریم نے اُسے مَآءً مُّبٰرَکًا کہا ہے۔ جب مذکورہ گیسوں سے معمور مبارک پانی مردہ زمین پر برستا ہے تو اُسکی کمی پوری کر کے اُسے زندہ کر دیتا ہے۔

● خداوند تعالیٰ نے قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکالنے پر سُورہ قٓ کی آیتِ بالا بطور مثال پیش کی ہے۔ واضح رہے کہ مُردہ زمین کو مَآءً مُّبٰرَکًا کیساتھ زندہ کرنے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ ۵۰/۱۱ اہلِ قواعد سے مخفی نہیں کہ کَذٰلِکَ میں کاف حرفِ تشبیہ ہے، مبارک پانی (یعنی امونیا، ہائیڈروجن سلفائیڈ اور کاربن ڈائی اکسائیڈ سے معمور پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنا مشبّہ بِہٖ ہے اور اَلْخُرُوْجُ مشبّہ ہے۔ بالفاظِ دیگر مُردہ زمین کے زندہ ہونے کے ناقابلِ انکار مشاہدے کی مثل ہوگا مُردوں کا زمین سے زندہ ہو کر خارج ہونا۔ اسکے ساتھ ہی ایک اور مسلّمہ حقیقت کو بھی نگاہ میں رکھئے گا۔

● وہ یہ کہ مثال مثال ہوتی ہے، اصل و عین تو ہوتی نہیں مگر جس چیز کی مثال دی جاتی ہے اُسکے ساتھ اُسکا خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ ۵۰/۱۱ کی مثال کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ میں مَآءً مُّبٰرَکًا کا تعلق خصوصی ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہ جس طرح مذکورہ گیسوں سے معمور پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کر لیا جاتا ہے، اُسی طرح اُن گیسوں سے معمور پانی کیساتھ مُردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکال لیا جائیگا جو انسانی مردوں کو زندہ کرنے کیلئے قوانینِ خداوندی میں متعین ہو چکی ہوئی ہیں۔

● آگے بڑھنے سے پہلے سُورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۲۰/۵۵ پر ایک مرتبہ پھر غور فرمائیں :- مِنْهَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُکُمْ تَارَةً اُخْرٰی ۰ ۲۰/۵۵ ہم نے تمہیں زمین میں سے پہلی مرتبہ پیدا کیا (نکالا تھا) پھر ہم تمہیں اسی میں لوٹا دیتے ہیں اور دوسری مرتبہ بھی اسی میں سے نکالیں گے ـــــ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی پہلی تخلیق کے وقت

بھی آسمان سے اُن گیسوں سے معمور بارش برسائی گئی تھی جو نوعِ انسانی کی پیدائش کیلئے کائناتی قوانین میں ذاتِ باری نے خود متعین فرمائی تھیں۔ وہ گیسیں کون کونسی ہیں۔ اِسکا علم صرف اور صرف ذاتِ باری کو ہے' کیونکہ زندگی کو عالمِ وجود میں لانے والا بھی وُہی ہے اور قیامت کو مُردہ انسان کو دوبارہ زندگی دینا بھی صرف اور صرف اُسی کا کام ہے۔ انسان کیلئے ناممکن ہے کہ مُردوں کو زندہ کر سکے۔ یعنی وہ گیسیں معلوم کر سکے جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے متعین کیگئی ہیں۔

● حاصل کلام یہ کہ $\frac{5}{11}$ کی قرآنی سند کے مطابق انسان کی مُردہ ہڈیوں کو اُسی طرح قیامت کو زندہ کیا جائیگا جس طرح مُردہ زمین کو مَاءً مُّبٰرَکًا یعنی امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ کو جذب کردہ پانی کے ساتھ زندہ کر لیا جاتا ہے' اِس سے ثابت ہُوا کہ انسان کی ہڈیوں کو زندہ کرنے کیلئے بھی خدا تعالیٰ نے ایسی گیسیں متعین کر رکھی ہیں کہ قیامت کو اُن سے معمور مُبارک پانی برسا کر ہڈیوں کو زندہ کر لیا جائیگا۔ واضح رہے کہ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا $\frac{25}{2}$ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر تخلیق کیلئے بھی قوانین متعین فرما رکھے ہیں۔ انسان کا اُنہیں معلوم نہ کر پانا ان کے عدم کی دلیل نہیں۔

شعور کی واپسی

● اِس مقام پر پہنچ کر اس اعتراض کا جواب دینا بھی لازم ہے جو نوعِ انسانی کے بعض حلقوں میں یہ تصوّر جگر نگار رہا ہے کہ اگر مُردہ ہڈیوں کو زندہ کر کے انسانی جسم کو صحیح سالم کر لینا تسلیم کر لیا جائے تو شعور کسطرح واپس آجائیگا۔ اگر واپس آجائیگا تو ماننا پڑیگا کہ وہ جسم سے الگ ہے جس پر موت کا اثر نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ شعور کا جسم سے الگ ہونا قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ بلکہ انسانی جسم میں شعور کا وجود آٹومیٹک انداز سے موجود ہے۔ ایک تو عالمگیر غلط فہمی یہ ہے کہ شعور یا عقل و بصیرت دل کے اندر ہے' حالانکہ دِل تو محض ایک پمپ ہے جو جسم کے ہر حصّے میں ہر آن خون پہنچانے کی خدمت پر مامور ہے۔ پلاسٹک کا دل بنا کر اُس سے پمپنگ کی خدمت لی جا چکی ہے اور اِس دَوران میں مریض کے اندر شعور موجود ہوتا ہے کیونکہ وُہ دل میں نہیں بلکہ دماغ میں ہے۔ دماغ کے متعدّد حصّوں شعبوں میں صرف ایک شعبہ ہے حافظہ کا۔ اِس حصّے میں بچپن سے لیکر موت تک کے واقعات محفوظ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ریکارڈ روم دماغ کے متعدّد خانوں میں سے صرف ایک خانہ ہے۔ دماغ کی متعدد قوتوں میں سے صرف ایک قوت، قوتِ حافظہ کو موت سے الگ کسطرح رکھا جا سکتا ہے۔ اسکی باقی قوتیں، قوتِ متفکرہ، مدبّرہ، قوتِ مصوّرہ، متخیلہ اور قوتِ فیصلہ یعنی پیش آمدہ امور پر غور و فکر کرنے کا خانہ الگ ہے۔ اور غور و فکر کے بعد قوتِ فیصلہ ایک الگ قوت ہے۔ بعض افراد میں غور و فکر کی قوت تو ہوتی ہے مگر اُنکی قوتِ فیصلہ نابود یا کمزور ہوتی ہے۔ پھر قوتِ نافذہ کا الگ خانہ ہے جو ہر خطرے کے وقت انسانی اعضاء کو حکم دیتی ہے اور وُہ فوراً عمل درآمد کرتے ہیں۔ مثلاً جب انسانی جسم کسی وجہ سے دائیں طرف گرنے لگتا ہے تو قوتِ نافذہ بائیں بازو کو حکم دیتی ہے وُہ فوراً اُٹھ جاتا ہے اور جسم کا توازن صحیح کر دیتا ہے۔ اِسی طرح اگر انسانی جسم کسی وجہ سے بائیں طرف گرنے لگتا ہے تو قوتِ نافذہ دائیں بازو کو حکم دیتی ہے وہ فوراً اُٹھ جاتا ہے اور جسم کو گرنے سے بچا لیتا ہے۔ جسم پر کوئی ضرب یا خراش آجائے تو قوتِ نافذہ دل کو

حکم دیتی ہے، وہ زور زور سے چلنا شروع ہو جاتا ہے تاکہ گردشِ خون جلد از جلد بحال ہو جائے۔ الحاصل یہ کہ دماغ کی متعدد قوتوں میں سے صرف قوتِ حافظہ کو زندہ رکھنے کی کیا تک ہے۔ اصل غلطی یہ لگی ہے کہ انسانی جسم کو ایک ناکارہ چیز قرار دیکر بعض لوگوں نے اصل چیز قرار دیا ہے روح کو، اور اسے موت سے بچا لیا گیا ہے۔ بعض نے شعور کو اصل چیز ٹھہرا کر اسے موت سے بری کر دیا ہے۔ اسی ضمن میں ایک تصوّر انسانی ذات کا بھی ہو چکا ہے، جسے غیر فانی اور زندگی کو مسلسل جاری سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ مخلوق کی کسی بھی چیز کو غیر فانی قرار دینا، اسے نصف اللہ ٹھہراتا ہے العیاذ باللہ!۔ وہ اسطرح کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ تک رہیگا۔ مگر روح، شعور یا نام نہاد انسانی ذات ہمیشہ ہمیشہ سے تو ہیں نہیں، مگر رہینگی ہمیشہ ہمیشہ تک۔ معاذ اللہ!

● واضح رہے بات کو سمجھنے والی چیز صرف شعور ہے، نہ آنکھ ہے نہ کان نہ زبان نہ بازو نہ ٹانگ وغیرہ کوئی چیز بھی بات کو سمجھنے والی نہیں۔ قرآنِ کریم ۲/۲۸ میں آیا ہے فَاَحْیَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ۔ اللہ نے تمہیں زندگی دی پھر تمہیں موت دیتا ہے۔ دیکھئے اس خطاب کا مخاطب وہی ہے جو اسے سمجھتا ہے۔ اب ظاہر ہے خطاب کو سمجھتا ہے صرف شعور، تو ظاہر ہے کہ شعور کو براہ راست کہا گیا ہے کہ اللہ تجھے مار ڈالیگا۔ اور جسم کے باقی حصّوں کو بالواسطہ موت کی اطلاع دیگئی ہے، پس ثابت ہوا کہ اس خطاب کا براہ راست مخاطب شعور بھی مرنے والا ہے اور بالواسطہ مخاطب جسم بھی مرنے والا ہے۔ اور اسی چیز کا مشاہدہ ہر آن موجود ہے کہ پورے کا پورا جسم مع شعور مر جاتا ہے۔ اور اسی طرح اگر جسم کو محض مٹی کا ڈھیر قرار دیکر اصل انسان روح یا کسی انسانی ذات کو تسلیم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے براہ راست خطاب ثُمَّ يُمِيتُكُمْ کے مخاطب یہی ہیں، جو یقیناً یقیناً مر جاتے ہیں۔ ان میں سے زندہ رہنے والا یعنی نصف اللہ کوئی بھی نہیں۔

● عرض کیا جا رہا ہے کہ انسانی جسم کو ناکارہ اور غیر مقصود چیز قرار دینا ہی وہ ابتدائی غلطی ہے جسکی بدولت قرآنِ کریم کی مخالفت کا ارتکاب ہوا ہے۔ ورنہ اس بھری کائنات میں انسانی جسم ہی اللہ تعالیٰ کا وہ شاہکارِ عظیم ہے کہ اسکے ایک ایک عضو پر ابتداءِ آفرینش ہی سے ریسرچ ہوتی چلی آرہی ہے اور قیامت تک ہوتی چلی جائیگی۔ آج اسی شاہکارِ خداوندی کے الگ الگ اعضاء کے الگ الگ ڈاکٹر متعیّن کرنے پڑے ہیں۔ آنکھوں کا الگ، دانتوں کا الگ، دل کا الگ، خون کا الگ اور ہڈیوں کا الگ وغیرہ وغیرہ۔

● قرآنِ کریم کی رہنمائی میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کو اس پورے جسم کو دوبارہ زندہ کر لیا جائیگا۔ جس میں جسم کے پورے اعضاء اور دماغ کے پورے حصے قوتِ متصورہ، متخیلہ، مدبّرہ، متفکرہ، قوتِ فیصلہ، نافذہ اور حافظہ کیساتھ زندہ کر لئے جائینگے۔ انسانی جسم ہی وہ چیز ہے کہ ہر حِس اسی مجسمہ گوشت کے اندر موجود ہے۔ ڈاکٹر حضرات سے مخفی نہیں کہ دماغ کے مذکورہ تمام حصے مغز ہی کے لوتھڑے سے ہیں جو الگ الگ کام کرتے ہیں۔ قوتِ متخیلہ مختلف خیالات کو جنم دیتی ہے، قوتِ متصورہ ان دیکھی چیزوں کی تصوراتی تصویریں بنا کر سامنے لے آتی ہے۔ مثلاً اگر آپ لاہور کے متعلق خیال کریں تو قوتِ حافظہ آپکے دیکھے ہوئے حصوں کو سامنے لے آتی ہے۔ لیکن اگر آپ لندن وغیرہ کے متعلق خیال دوڑائیں جسے آپنے دیکھا نہیں، تو قوتِ متصورہ نقشے

ہوئے نقشے کیمطابق لندن کی تصوراتی تصویر بنا کر پیش کر دیتی ہے۔ اور یہ سب کچھ مغز کے لوتھڑوں ہی کا کام ہے۔ جسم علیحدہ کسی چیز شعور، روح یا انسانی ذات کا کام نہیں۔ اگر روح کوئی بھرنے والی الگ سیلانی چیز ہے تو اُسے لندن کی اصل تصویر لانی چاہیئے۔ اِسی کے ضمن میں مزید غور فرمائیں کہ آنکھ کیا چیز ہے؟ گوشت ہی کا ایک پرزہ ہے جو دیکھتا ہے۔ کان کیا ہیں؟ یہ بھی جسمانی گوشت ہی کی مخصوص ساخت کے پرزے ہیں جو سُنتے ہیں۔ ناک کیا ہے؟ یہ بھی گوشت اور مخصوص ہڈیوں کا بنا ہوا جسمانی مشین کا ایک پرزہ ہے جو بُو اور خوشبو میں تمیز پیدا کرتا ہے؟ زبان کیا ہے؟ یہ بھی آخر گوشت ہی کا لوتھڑا تو ہے، جو نہایت صحت لفظی کیساتھ خوبصورت الفاظ بنا کر پیش کرتا ہے۔ دل کیا ہے؟ یہ بھی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو پورے جسم میں ہر آن پمپنگ کی خدمت بجا لا رہا ہے۔

● اِن مثالوں سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جسطرح یہ سب گوشت اور ہڈیوں ہی کے بنے ہوئے پرزے ہیں جو سُنتے ہیں، بولتے ہیں، دیکھتے ہیں، سُونگھتے ہیں، اِسی طرح شعور بھی مغز کے ایک لوتھڑے ہی کا فعل ہے، اِسے کیوں قوت سے مستثنےٰ قرار دیدیا جاتا ہے۔ قرآنی رہنمائی کے مطابق پورا جسم قوت سامعہ، باصرہ، شامّہ، لامسہ، مُدبّرہ، متفکرہ، متخیلہ، متصوّرہ، فیصلہ، نافذہ اور حافظہ (شعور) سمیت مر جاتا ہے اور قیامت کو پورا جسم اِن جملہ قوتوں کیساتھ زندہ کر لیا جائیگا، جس کی غرض صرف اور صرف اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی ہے۔ اور اچھے یا بُرے عملوں کی اچھی یا بُری جزا یا سزا پانا ہے تاکہ قیامت کی عدالتِ عالیہ کی حاضری کے خوف سے ہر انسان بُرے اعمال سے پرہیز کرے اور نیکیوں میں سبقت لے جانا اِسکا دائمی شعار ہو جائے۔

قیامت کو صرف انسان زندہ کیئے جائینگے، حیوانات نہیں

● آگے بڑھنے سے پہلے زیرِ نظر بحث سے متعلقہ ایک سوال باقی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ قیامت کو صرف انسان زندہ کیئے جائینگے، حیوان کیوں زندہ نہیں کیئے جائینگے؟ اور کس قانون کے مطابق اُن پر زندہ کرنے کا عمل وارد نہیں ہو گا؟

● اِس سوال کے جواب کیلئے حیوانات کی ابتدائی تخلیق پر غور کرنا ہو گا۔ یہ ایک مصدقہ مسلمہ امر ہے کہ کائنات کی ہر چیز انسانی خدمتگار کے طور پر اسکی ضرورت کیلئے ہے جو اسکی پیدائش سے پہلے پیدا کر دیگئی تھی۔ جن میں اِس کی ضرورت کے جملہ حیوانات بھی اسکی تخلیق سے پہلے ہی پیدا کر دئیے گئے تھے۔ یہ سب جنگل میں پھرتے تھے۔ انسان نے گھوڑوں پر سواری کی، گدھوں سے باربرداری کا کام لیا، گائے بھینسوں اور بھیڑ بکریوں سے دُودھ اور گوشت حاصل کیا۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن مختلف مُبارک پانیوں کیساتھ یہ بڑے بڑے قد آور، پھر میانہ قد اور پھر پست قد حیوان پیدا ہوئے اُن کے ساتھ ہی انسان کیوں پیدا نہ ہو سکے؟

● اِس سوال کا جواب انتہائی سادہ اور آسان ہے، بارش کے جس مبارک پانی کیساتھ قد آور نوعوں کے حیوان پیدا فرمائے گئے اس میں وہی گیسیں جذب تھیں جو اُن حیوانوں کی تخلیق کیلئے مقرر کیگئی تھیں۔ نیز میانہ قد نوعوں کے حیوانوں

کی تخلیق کیلئے جو گیسیں خدا تعالیٰ نے متعین فرمائی تھیں، بارش کے پانی سے وہ نوعیں پیدا کی گئیں، جس نے مذکورہ گیسوں کو اپنے اندر جذب کر رکھا تھا۔ اور یہی قانونی اندازِ تخلیق ہر قسم کے الگ الگ حیوانات کی پیدائش میں کارفرما ہوا۔ الگ الگ قانون کیمطابق الگ الگ نوعیں عالم وجود میں لائی گئیں، اِن تخلیقوں کے وقت انسانی تخلیق اسلئے عمل میں نہ آئی کہ ہر تخلیق کیلئے الگ الگ گیسوں سے معمور پانی کا خداوندی قانون متعین ہے مقننِ تخلیق نے ویسے تو ہر تخلیق کے لئے الگ الگ قانون مقرر کیا ہے، مگر ہر عملِ تخلیق میں مشترک عنصر پانی ہے۔ جیسے کہ سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے:-

● وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؀ $\frac{۲۴}{۴۵}$ -

(مفہوم) اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر اُن میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض دو پیروں پر اور بعض چار پیروں پر چلتے ہیں۔ وُہ اپنے قانونِ مشیت کیمطابق پیدا کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ٹھیک ٹھیک اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔

● اِس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو آسمان سے پانی برسا کر پیدا کیا ہے، ہر تخلیق کیلئے الگ الگ جن گیسوں کے جذب کا قانون متعین فرمایا، اُن گیسوں کے جذب کے ذریعہ ہی ہر تخلیق عالمِ وجود میں لائی گئی۔ جس طرح حیوانوں کی الگ الگ ابتدائی تخلیق میں کسی دوسری تخلیق کو دخل نہیں ہوا۔ کیونکہ ہر تخلیق کیلئے الگ الگ گیسوں کے جذب کا قانون مقرر ہے۔ اُسی طرح نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق اُسوقت عمل میں آئی جب آسمان سے اُن گیسوں سے معمور پانی مَآءً مُّبٰرَكًا نازل کیا گیا، جو انسانی تخلیق کیلئے قانونِ خداوندی میں مقرر ہے۔

● اِسی طرح چونکہ قیامت کو وُہ مبارک پانی برسایا جائیگا جو صرف اُن گیسوں سے معمور ہوگا جو قانونِ خداوندی میں صرف تخلیقِ انسانی کیلئے مقرر ہیں۔ اسلئے قیامت کو صرف نوعِ انسانی کے مُردے زندہ کئے جائینگے۔ حیوانوں کے نہیں۔ اور اس کی مخصوص حکمت یہ ہے کہ اِس دُنیا کی زندگی کے اعمال کی جوابدہ صرف نوعِ انسانی ہے باقی حیوان، جوابدہ نہیں۔ اِسی لئے صرف نوعِ انسانی کے مُردے زندہ کئے جائینگے بارش کے اس پانی کیساتھ جس میں وہ گیسیں جذب ہوں گی جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے متعین کیگئی ہیں۔

● سلسلۂ درس کی آیت نمبر $\frac{۶}{۷۳-۷۲}$ کے ضمن میں نفخِ صُور کی تفسیر میں ہم دُور چلے گئے ہیں نفخِ صُورِ اوّل سے جاندار ہلاک ہو جائینگے اور نفخِ صُورِ ثانی سے انسانی مُردے زندہ ہو جائینگے، اس خبر کی غرض یہ یاد دلانا ہے کہ اے انسان! تو نے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے، برائیوں سے بچ اور نیکیاں کر۔ اپنے اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی بعثتِ مبارکہ

کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا جو آنحضورؐ کی ذاتِ گرامی پر ختم کر دیا گیا ہے۔ انبیاءؑ کرام کو اس تبلیغ کے سلسلے میں کٹھن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت ابراہیم سلام علیہ کے حالات بطور مثال پیش کیے گئے۔ آپکی قوم ستارہ پرست بھی تھی اور بت پرست بھی۔ حضرت ابراہیمؑ کا اندازِ تبلیغ زبانی بھی تھا اور مشاہداتی بھی۔ یعنی جب ستاروں اور بتوں کی الوہیت کی نفی فرماتے تو مشاہدات کو بھی ساتھ کے ساتھ قوم کے سامنے پیش فرمایا کرتے تھے۔ آنحضورؐ پر واضح کیا گیا ہے کہ صرف آپکی قوم ہی نافرمان نہیں حضرت ابراہیمؑ کی قوم بلکہ انکے اب آزر بھی آپ کے مخالف اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے سلسلۂ تبلیغ گھر ہی سے شروع کیا:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اور جب کہا ابراہیم نے واسطے باپ اپنے آزر کے	اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اب (باپ یا چچا) آزر کو کہا، کیا تو بتوں کو کارساز ٹھہراتا ہے۔ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو (اس کے ضمن میں) کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔
اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ کیا تو پکڑتا ہے بتوں کو کارساز بیشک میں دیکھتا ہوں تجھے اور	
قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۷۵ قوم تیری کو بیچ گمراہی ظاہر کے	

● ملہ اہلِ تفاسیر نے آزر کے متعلق یہ بھی لکھا ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہیں تھا چچا تھا۔ عربی زبان میں لفظ اَب کا معنی باپ بھی ہے اور مجاز کے طور پر یہ لفظ چچا کیلئے بھی آتا ہے اور دادا کیلئے بھی۔ جیسے کہ سورہ بقرہ میں آیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ پر جب موت کا وقت آیا تو اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی فرمانبرداری کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا:۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ ۲/۱۳۳ انہوں نے کہا ہم آپکے الٰہ اور آپکے باپوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے اکیلے الٰہ کی فرمانبرداری کریں گے ـــــ اس آیت میں حضرت یعقوبؑ کے والد اسحاقؑ کو بھی اَب کہا گیا ہے اور ان کے چچا اسماعیلؑ اور دادا ابراہیمؑ کو بھی اَب کہا گیا ہے۔ اسلئے آزر کو حضرت ابراہیمؑ کا باپ بھی مانا جا سکتا ہے اور چچا بھی۔ لیکن آپکے نسلی ادب کو ملحوظ رکھ کر آزر کو آپکا چچا کہنا بہتر ہے جبکہ عربی ادب کے لحاظ سے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

● حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا کے سامنے بت پرستی کے خلاف اپنا حقِ تبلیغ ادا کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر بت پرستی کی غلط حقیقت بذریعہ وحی واضح کر دی تھی۔ چونکہ آپکی قوم ستارہ پرست بھی تھی، اس لیے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ پر ستاروں کی حقیقت بھی نمایاں کر دی گئی تھی:۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ
اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم کو حکومت آسمانوں
وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ ۷۶
اور زمین کی اور تاکہ وہ ہو جائے یقین کرنیوالوں سے

اور جسطرح ہمنے اُس پر بُتوں کی حقیقت واضح کردی تھی) اسی طرح ہمنے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی حکومت بھی سمجھادی (کہ اجرام فلکی اپنے پیدا کرنیوالے کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، الٰہ نہیں ہیں) تاکہ وہ یقین کرنیوالوں میں سے ہو

(نوٹ) اِس سے اگلی آیات مجیدہ انتہائی غور طلب ہیں، کیونکہ روائتی تراجم و تفاسیر میں اِسکا معنی یہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک روشن ستارے کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے، مگر جب وہ غروب ہوگیا تو آپنے فرمایا میں غروب ہونیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ اسکے بعد آپنے چاند کو دیکھ کر کہا، یہ میرا رب ہے، جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپنے فرمایا اگر میرا رب ہدائت نہ کرے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤنگا۔ لیکن اسکے باوجود جب آپنے سورج کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے۔ یہ تصوّر مطلقًا غلط ہے کیونکہ اُوپر آئت نمبر ۷۶ میں ارشاد ہوا ہے کہ ہمنے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی اپنی حکومت سمجھا دی تھی۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے، کیا آپ سمجھانے کے باوجود نہیں سمجھے تھے اور یکے بعد دیگرے ستارہ، چاند اور سورج کو اپنا رب ٹھہرانے لگ گئے تھے معاذ اللہ! استغفر اللہ!

تحفظ ناموسِ رسالت

● اس مسئلہ کی حقیقتِ حال آئت مجیدہ ما قبل کیمطابق یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ستارے، چاند اور سورج کو اپنا رب نہیں کہا تھا۔ بلکہ یہ آپکے چچا آزر کے الفاظ تھے جو ستارہ پرست تھا یکے بعد دیگرے اُس نے ستارہ، چاند اور سورج کو اپنا رب کہا، لیکن جب وہ غروب ہو جاتے رہے تو آپ اس پر اظہارِ حقیقت کے لئے یہ فرماتے رہے کہ میں غروب ہو جانیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

● واضح رہے کہ کفر و شرک کو انبیاء کرام کی طرف ایک منٹ کیلئے بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ کفریہ قول و عمل کا قائل و عامل کوئی نبی رسول ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر سورہ مومنوں میں ارشاد ہوا ہے :۔ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۲۳/۵۱ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ ۲۳/۵۲ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○ ۲۳/۵۳

● اِن آیات مجیدہ کا صحیح مفہوم عرض کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ آئت نمبر ۲۳/۵۱ + ۲۳/۵۲ میں انبیاء کی طرف خطاب ہے اور اگلی متصلہ آئت میں ارشاد ہوا ہے پھر انہوں نے اپنا کام اپنے درمیان قطع کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ اُس پر خوش تھا جو اُسکے پاس تھا —— چونکہ انبیاء کرام کے متعلق ایسا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا کہ اُنہوں نے قطع امر کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہو، کیونکہ جملہ انبیاء کے متعلق اعلانِ باری ہے :۔ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○ ۲۱/۲۷ وہ بات میں بھی اللہ تعالیٰ سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اور اُس کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے —— فلهذا ثابت ہوا کہ فَتَقَطَّعُوْٓا .... الخ کی خبر انبیاءؑ کے متعلق نہیں۔ لیکن اِس پر سوال پیدا

ہوتا ہے کہ پھر یہ خبر کن لوگوں کے متعلق دی گئی ہے۔ اسکے لئے سیاقِ کلام پر غور کرنا ہوگا۔ اس سورہ مجیدہ میں اس سے پیچھے آیت نمبر ۲۳ تا ۳۰ تک قومِ نوح کا ذکر ہے۔ آیت نمبر ۳۱ تا ۴۲ میں حضرت نوح کے بعد کے انبیاء کی قوموں کی نافرمانیاں مذکور ہیں اور آیت نمبر ۴۴ میں ارشاد ہوا ہے :۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ ۲۳/۴۴ پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے۔ جب بھی کسی اُمت کی طرف اُسکا رسول آیا، اُنہوں نے اسے جھٹلایا اس خبر کے بعد آیت نمبر ۴۵ تا ۴۸ میں قومِ فرعون کی سرکشی اور اسکے رسولوں حضرات موسیٰ اور ہارون کا ذکر لایا گیا ہے۔ اسکے بعد آیت نمبر ۴۹ میں دوبارہ حضرت موسیٰ کا اور آیت نمبر ۵۰ میں حضرت مسیح کا ذکر جمیل لانے کے بعد آیت نمبر ۵۱-۵۲ میں ارشاد ہوا ہے :۔

● يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۲۳/۵۱-۵۲ (میں نے اپنے رسولوں کو کہہ دیا تھا کہ) اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اصلاح کے کام کرو۔ تم جو بھی عمل بجالاؤ گے اسے خوب اچھی طرح جاننے والا ہوں۔ اور بلاشبہ یہ تمہاری (یعنی نبیوں کی) اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں میری نافرمانی سے بچتے رہنا ــــــ اسکے بعد آئی ہے یہ آیت جو انبیاء کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی :۔

● فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۲۳/۵۳ یہ خبر انبیاء سے متعلق نہیں بلکہ آیت نمبر ۲۳ تا ۴۸ میں مذکور نافرمان قوموں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ہم نے تو انکی طرف پے در پے اپنے رسول بھیجے مگر :۔ پھر اُنہوں نے اپنے دین کو قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اُنکے پاس جو جو پرانا آبائی مذہب تھا وہ اُسی پر خوش تھے۔

حاصلِ کلام

● سورہ مومنون کی آیت مجیدہ ۲۳/۵۳ اگرچہ انبیاء سلام علیہم کے ذکر کے عین بعد آئی ہے مگر چونکہ انکی طرف ازروئے آیات مجیدہ ۶/۹۰ ۲۱/۲۷ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی منسوب نہیں کی جاسکتی، اسلئے مطابقتِ قرآن کریم کی رُو سے فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ ...... الخ سابقہ مذکور نافرمان قوموں کے متعلق ہے کہ اُنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی، اُنکے لائے ہوئے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر کسی کے پاس جو جو آبائی مذہب موجود تھا، اُسی پر فخر کیا اور خوش رہے۔ ایسا عمل انبیاء کی طرف منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔

● اب آئیے سلسلۂ درس کی طرف جسطرح ناموسِ انبیاء کی حفاظت کے پیشِ نظر اللہ کے نبیوں کی طرف آباء پرستی منسوب نہیں کی جاسکتی، اسی طرح سلسلۂ درس کی اگلی آیتوں میں حضرت ابراہیم کی طرف ستارہ پرستی منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔ اور جسطرح آیت نمبر ۲۳/۵۳ کی خبر انبیاء سلام علیہم کی بجائے انکی نافرمان قوموں کی خبر تسلیم کرنا لازم ہے، اسی طرح آیاتِ ذیل میں ستارہ، چاند اور سورج کو رب قرار دینا حضرت کے چچا کا فعل ہے جسکا ذکر ماقبل موجود ہے :۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝

پھر جب ڈھانپا اُس پر اُسکے رات نے، دیکھا ستارہ، کہا یہ رب میرا۔ جب ڈوب گیا کہا نہیں میں پسند کرتا ڈوبنے والوں کو

پھر جب آذر کو رات نے ڈھانپ لیا) اُس نے ایک ستارہ دیکھا۔ تو کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہوگیا تو (حضرت ابراہیم) نے فرمایا کہ مَیں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

● واضح رہے کہ یہ حضرت ابراہیم اور آپکے ستارہ پرست چچا کے درمیان ایک اہم مکالمہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے درجِ قرآن کر رکھا ہے۔ پیچھے آیت نمبر ۵۷ سے یہ مکالمہ شروع ہوا ہے، جس میں حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آذر سے فرمایا کہ تم بتوں کو حاجت روا اور کارساز ٹھہراتے ہو۔ اِس کے جواب میں جب رات ہوئی اور ایک روشن ستارہ نمودار ہوا تو اُس نے کہا یہ میرا رب ہے۔ لیکن آپ نے اُس کے غروب ہونے تک انتظار فرمایا اور جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے اُس پر واضح کیا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ میرا رب ہمیشہ ایک ہی شان پر قائم و دائم ہے۔ پھر :-

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ ۷۸

پھر جب دیکھا چاند روشن، کہا یہ ہے رب میرا۔ پھر جب وہ ڈوب گیا۔ کہا البتہ اگر نہ ہدایت کرے مجھ کو رب میرا البتہ ہو جاؤں میں سے قوم گمراہوں کے

پھر جب (چاند نکل آیا اور) اُس (آذر) نے چاند کو دیکھا روشن چمکتا ہوا، تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہوگیا۔ تو حضرت ابراہیم نے) فرمایا کہ اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کردی ہوتی تو میں (بھی تیری طرح) ضرور گمراہ قوم میں سے ہو جاتا۔

● ۱ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ کے الفاظ میں آیت نمبر ۷۶ کا حوالہ مذکور ہے جس میں بتایا گیا ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ ۶/۷۶ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو اپنی آسمانوں اور زمین کی حکومت سے آشنا کر دیا تھا (کہ آسمانی کُرے اور زمینی موجودات، سب ہمارے قانون کے پابند ہیں) تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے ـــــ خدا تعالیٰ کی اِس رہنمائی کے مطابق حضرت ابراہیم نے ستارہ اور چاند دونوں کے رب ہونے کو ٹھکرا دیا کہ وہ رب کیا ہو سکتے ہیں وہ تو خود قوانینِ خداوندی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے دن رات اپنے اپنے مدار پر چل رہے ہیں۔ اسکے بعد رات گزری اور دن چڑھا تو آذر نے سورج کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے :-

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ

پھر جب دیکھا سورج چمکتا ہوا، کہا یہ ہے رب میرا

پھر جب (آذر نے) چمکتے ہوئے سورج کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔

هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ یہ ہے بہت بڑا پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میری بیشک میں	یہ بہت بڑا ہے (بہت زیادہ روشنی دینے والا ہے) پھر جب وہ غروب ہو گیا تو (حضرت ابراہیمؑ نے) فرمایا اے میری قوم میں اُس سے بیزار ہوں جسے تم (اللہ کیساتھ) شریک کرتے ہو۔
بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ ۷۹ بیزار ہوں اس سے جو تم شرک کرتے ہو	
اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ بیشک میں نے متوجہ کی رضا اپنی واسطے اسکے پیدا کیا آسمانوں	بیشک میں نے (اللہ کے دین کو اس کے لئے م خالص کرنیوالا ہو کر) اپنی رضا کو اُس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔
وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۸۰ اور زمین کو خالص کرنیوالا اور نہیں میں ہوں سے مشرکوں کے	

دیکھا آپنے! ابتداءِ کلام میں $\frac{6}{74}$ میں بھی :۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اُسکی قوم کے متعلق فرمایا تھا اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ $\frac{6}{74}$ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو کُھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں ۔ اور آخری آیت مجیدہ $\frac{6}{79}$ میں بھی قوم کو مخاطب کیا ہے يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ $\frac{6}{79}$ اے میری قوم میں اُس سے بیزار ہوں جو تم اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ بالفاظِ دیگر شرک کرتا تھا چچا اور قوم حضرت ابراہیمؑ نے ایک سیکنڈ کیلئے بھی شرک نہیں کیا تھا۔ انبیاء سلام علیہم کی پاک شان یہ ہے کہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی قبل نبوت بھی شرک تو کیا، کوئی صغیرہ گناہ تک بھی نہیں کیا تھا —— اب اِن آیتوں کی روائتی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر موضح القرآن • تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادرؒ محدث دہلوی مطبوعہ شیخ برکت علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۱۲۶ پر تفسیر معالم التنزیل کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

"معالم التنزیل میں آیا ہے نمرود بیٹا کنعان کا بادشاہ تھا تمام روئے زمین کا۔ بابل میں بیٹھا تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ اِس شہر سے نکلا ہے کہ روشنی جمال اُس کے سے نُور چاند سُورج کا نیست و نابود ہو گیا۔ نہائت ڈر سے چونکا اور تعبیر پُوچھی جنہوں نے تعبیر دینے والوں نے کہا بیچ اِس برس کے بابل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا کہ ہلاکت تیری اور تیری بادشاہت کی اُس کے ہاتھ سے ہوگی اور اب تک وہ لڑکا پُشتِ پدر سے شکمِ مادر میں نہیں آیا۔ نمرود نے حکم دیا کہ درمیان زن و شوہر جدائی کریں ...... آزر کہ محرموں اور مقربوں نمرود سے تھا، ایک رات عورت کے ساتھ ...... وُہ حاملہ ہو گئی۔ صبح کو نجومیوں نے نمرود سے کہا کہ آج وہ لڑکا شکمِ مادر میں پہنچا ہے۔ نمرود غصے ہُوا اور حکم دیا کہ ہر حاملہ کے موکل تعینات کریں کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو قتل کر دیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی ماں کا حمل ظاہر نہ تھا ...... وقت جننے کا پہنچا تو ...... شہر سے باہر گئی اور پہاڑ کی ایک غار میں حضرت ابراہیمؑ کو جن کر اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی جگہ رکھا اور دروازہ غار کا پتھر سے بند کیا ...... دوسرے دن غار میں آئی تو دیکھا کہ ابراہیمؑ دو انگلیاں اپنی چوستا ہے۔ ایک دِن میں اتنا بڑھتے تھے کہ اور لڑکے اتنا مہینے میں۔ اور ایک مہینے میں مانند ایک برس کے۔ ماں ابراہیمؑ کی غار سے باہر لائی مغرب کے وقت"

● یہ ہے روایت کا بیان کردہ قصہ کہ حضرت ابراہیمؑ غار میں پیدا ہوئے۔ غار ہی میں پرورش پاکر جوان ہو گئے جب غار سے باہر نکلے تو شام کا وقت تھا۔ سب سے پہلے ستارہ دیکھا تو اُسے اپنا رب کہدیا۔ جب وہ ڈوب گیا تو انکار کر دیا۔ اِس کے بعد چاند نکلا تو ستارہ سے روشن دیکھ کر اُسے رب کہدیا۔ وُہ بھی ڈوب گیا تو اُس کا بھی انکار کر دیا۔ پھر جب رات گزری اور سُورج نکلا تو ھٰذَا اَکْبَرُ کہہ کر اُسے اپنا رب قرار دیا۔ العیاذُ باللہ! لیکن آیات بالا سے وضاحتاً ثابت ہے کہ نہ یہ واقعہ بچپن کا ہے اور نہ محض جوانی کا۔ بلکہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب آپکو نبوّت مل چکی تھی۔ اور آپ نے اپنے چچا اور اُس کی قوم سے خطاب شروع کر دیا تھا۔

● حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات مجیدہ زیرِ بحث ٦/٧٤ تا ٦/٨٠ میں پہلے تو چچا بھتیجے کے مکالمہ کو صرف حضرت ابراہیمؑ کے اقوال قرار دے دیا ہے اور پھر اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے کہ اللہ کے نبی رسُول تو قبل نبوّت بھی شرک اور گناہ کی آلائشوں سے پاک ہوتے تھے، آپ کے غار میں پیدا ہونے اور غار ہی میں پل کر جوان ہونے اور شام کے وقت غار سے نکل کر مطالعہ کائنات کا مذکورہ بالا قصہ گھڑ لیا گیا ہے۔ اصل حقیقت اُوپر عیاں ہو چکی ہے کہ جس طرح ٢٣/٥٣ میں انبیاء سلام علیہم کو خدا تعالیٰ کے نازل قرار دے دینا غلط ہے اُسی طرح ٦/٧٥ تا ٦/٧٨ میں ستارہ چاند اور سُورج کو اپنا رب ٹھہرانا حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے، مذکورہ بالا شرک آپکے چچا آزر اور اُسکی قوم نے کیا تھا حضرت ابراہیمؑ نے نہیں۔ (وما علینا الا البلاغ)

قوم کا حضرت ابراہیمؑ کیساتھ جھگڑا

● اُوپر آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے اپنے چچا اور اُس کی قوم کو ستارہ پرستی سے اِس طرح مشاہداتی طور پر روکا کہ رب وہ ہے جس پر کسی قسم کا تغیّر وارد نہیں ہوتا اُسے ہمیشہ قیام دوام ہے۔ بار بار نکلنے والے اور ڈوبنے والے رب نہیں ہو سکتے، لیکن قوم نے آپکی تبلیغ کو تسلیم نہ کیا بلکہ اپنے شرک پر جو وہ ستارہ پرستی اور بُت پرستی کے ذریعہ کرتے تھے، آپ سے جھگڑتے رہے :۔

وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ
اور جھگڑی اُس سے قوم اسکی کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے

فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ
بیچ اللہ کے اور بیشک ہدایت دی مجھے اور نہیں ڈرتا میں جو تم شرک کرتے ہو

بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ
ساتھ اسکے مگر کہ چاہے رب میرا کوئی چیز وسیع کر دی ہے میرے نے

كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰
ہر چیز علم کے مطابق کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے

اور حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے اُن کے ساتھ (ستاروں اور بُتوں کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے پر) جھگڑا کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میرے ساتھ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ بلا شبہ اُس نے میری راہنمائی فرمائی ہے۔ اور میں اُن سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو سوائے اِس کے کہ کوئی تکلیف مجھے اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیّت کے مُطابق پہنچے۔ میرے رب نے ہر چیز کو علم کی رُو سے وسیع کر دیا ہے۔ پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

● حقیقت یہ ہے کہ :-
قوم ابراہیمؑ بتوں اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی۔ آپ نے واضح کر دیا کہ نہ ان مٹی اور پتھر کی مُورتیوں کو کوئی نفع نقصان کا اختیار حاصل ہے اور نہ اجرامِ فلکی کو۔ اسلئے نہ میں اِن سے ڈرتا ہوں نہ اُن سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے کُھلے لفظوں میں ارشاد فرمایا :-

وَكَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ
اور کیسے میں ڈروں جو شریک کرتے ہو تم اور نہیں تم ڈرتے

اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ
یہ کہ بیشک تم نے شرک کیساتھ اللہ کے جو نہیں نازل کی ساتھ اسکے اوپر تمہارے

سُلْطٰنًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ
دلیل پھر کونسا گروہ ہے زیادہ حقدار ساتھ امن کے اگر ہو تم

تَعْلَمُوْنَ ۝ ۸۲ وقف لازم
جانتے

(حضرت نے فرمایا) جن کو تم نے اللہ کے شریک ٹھہرایا ہے میں اُن سے کیوں ڈروں (حالانکہ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے مگر) تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ بلاشبہ تم نے اُن چیزوں کو اللہ کے شریک ٹھہرالیا ہے کہ اُس نے اُن کے حق میں تمہارے لئے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ پھر اگر تم سمجھتے ہو تو بتاؤ کہ دونوں میں سے امن کا حقدار کونسا گروہ ہے (اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھہرانیوالا یا نہ ٹھہرانیوالا ؟)

● غور فرمائیں ! ۶/۸۰ میں حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے اللہ کے شریکوں سے نہیں ڈرتا اور ۶/۸۱ میں فرمایا ہے کہ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے جنہوں نے بلا دلیلِ نزول، غیر اللہ کو اللہ کے شریک ٹھہرایا ہُوا ہے۔ اور اس سے آگے مشرکوں پر سوال کیا گیا ہے کہ بتاؤ امن کے حقدار تم ہو یا میں اور میرے ساتھی۔ اسکا جواب اگرچہ آیتِ بالا میں بھی دیا جا چکا ہے کہ شرک کا لازمی نتیجہ خوف ہے اور امن کے علمبردار وہ لوگ ہیں جو خداوندی اختیارات میں غیر اللہ کو شریک نہیں کرتے لیکن تکرار تاکیدی کے طور پر اگلی آیت مجیدہ میں اِسی امر کا صراحتاً اعلان کر دیا گیا ہے :-

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ
جو لوگ ایمان لائے اور نہ ملائیں ایمان اپنے کو

بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ
ساتھ ظلم کے وہی ہیں واسطے ان کے امن ہے اور وہی

مُّهْتَدُوْنَ ۝ ۸۳ ع ۱۴/۱۵
ہیں ہدایت یافتہ

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک ۱) کیساتھ مخلوط نہ کریں (اللہ تعالیٰ کے ہاں) وہی لوگ ہیں جن کیلئے امن ہے (وہی امن کے علمبردار ہیں) اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (مشرک لوگ نہ امن کے علمبردار ہوتے ہیں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں)۔

● ۱ شرک بمعنی ظلم قرآنی لغت کے مطابق سورہ لقمان میں آیا ہے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی :-
يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۳۱/۱۳ اے میرے بیٹے اللہ کیساتھ شرک نہ کرنا بیشک شرک ظلم

عظیم ہے۔

رجوع الی المقصود • یہانتک ستارہ پرستی کے خلاف ابراہیم سلام علیہ کی تبلیغ کی وضاحت کرنے کے بعد اگلی آیات کریمہ میں متعدد انبیاء کرام کے اسماء گرامی لاکر اپنے احکام کو ہر قسم کی لوچ اور لچک سے مبرّا ثابت کیا گیا ہے:۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ
اور یہ تھیں دلائل ہمارے دئیے ہمنے ابراہیم کو مقابلے قوم اس کی

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ
ہم بلند کرتے ہیں درجے جسے ہم چاہتے ہیں۔ بیشک رب تیرا حکمت والا

عَلِيمٌ ۝ ۸۴
علم والا ہے۔

اور یہ (مذکورہ بالا) تھے ہمارے دلائل قاطعہ جو ہمنے ابراہیم کو اُسکی قوم کے مقابلے پر عطا فرمائے تھے۔ ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی جسے چاہتے ہیں، اُس کے درجے بلند کر دیتے ہیں بلاشبہ تیرا پروردگار بہت بڑھ کر حکمت والا اور بہت بڑھ کر علم والا ہے۔ (اُسکے ہر کام کی اساس علم وحکمت ہی پر قائم ہے)۔

سب نبیوں کو ایک ہی دین کی رہنمائی کیگئی تھی • اللہ بھی ایک ہے اور اُسکا دین بھی ایک ہے۔ اُس نے اپنے سب کے سب نبیوں کو ایک ہی دین اور اُسکی ایک ہی شرع عطا فرمائی تھی $\frac{42}{13}$ - الگ الگ دین نہیں دیا گیا تھا:۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ
اور دیا ہمنے واسطے اُسکے اسحاق اور یعقوب۔ سب کو ہدایت دی ہمنے

وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ
اور نوح کو ہدایت دی ہمنے سے پہلے اور میں سے اولاد اسکی داؤد

وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَ
اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور

هَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ ۸۵
ہارون اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں توازن قائم کرنیوالوں کو

اور ہمنے اُس (ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے۔ ہمنے سب کو ہدایت فرمائی۔ اور ان سے پہلے نوح کو بھی ہدایت دی۔ اور اُس (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون سب کو ہدایت دی۔ اور اسی طرح ہم احسان کرنے (یعنی معاشرے میں) توازن قائم کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (یہ سب نبی معاشرہ میں توازن قائم کرنیوالے تھے)۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ
اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب تھے

مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ ۸۶
میں سے نیکوکاروں کے

اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب کے سب معاشرہ میں اصلاح کرنیوالوں میں سے تھے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا
اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط اور سب کو

فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۸۷
فضیلت دی ہمنے اوپر جہانوں کے

اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط۔ اور ہمنے سب کو جہانوں والوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ
اور میں سے باپوں ان کے اور اولادوں ان کے اور بھائیوں انکے

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۸۸
اور پسند کیا ہم نے ان کو اور ہدایت دی ہمنے انکو طرف راستے سیدھے

اور انکے باپوں میں سے اور اُن کی اولاد میں سے[1] اور اُن کے بھائیوں میں سے (بعض کو) ہم نے برگزیدہ ٹھہرایا اور ہم نے سیدھے راستے کی طرف اُن کی رہنمائی فرمائی۔

اگر بفرض محال نبی بھی شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہوجاتے

● [1] آیاتِ بالا میں انبیاءِ کرام کے باپوں، بیٹوں، بھائیوں میں سے بعض کیلئے وَاجْتَبَيْنٰهُمْ کی خبر آئی ہے جو مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ میں آمدہ مِنْ بعضیہ سے ثابت ہے۔ جیسے کہ حضرات یوسف، یعقوب، اسحاق، اسماعیل، یحییٰ، اور سلیمان سلامٌ علیہم کے باپ نبی تھے مگر حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون اور داؤد سلامٌ علیہم وغیرہ کے باپ نبی نہیں تھے۔ اور اسی طرح حضرات موسیٰ و ہارون، اسماعیل و اسحاق سلامٌ علیہم کے بھائی بھی نبی تھے۔ انبیاء کرام کی اِن گوناگوں فضیلتوں کے باوجود اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کر دیا ہے کہ اگر وہ بھی شرک کرتے اُنکے اعمال بھی ضائع ہوجاتے :-

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ
یہ ہدایت ہے اللہ کی، ہدایت دیتا ہے ساتھ اسکے جسے چاہے

مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا
میں سے بندوں اپنوں اور اگر شرک کرتے البتہ ضائع ہوتا اُن سے جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۸۹
تھے وہ عمل کرتے

مذکورہ بالا ہدایت ہے اللہ تعالیٰ کی، ہدایت کرتا ہے ساتھ اس کے جسے چاہے اپنے بندوں میں سے، ہدایت کرتا ہے اپنے قانونِ مشیّت ہی کے مطابق۔ اور اگر (بفرضِ محال) وہ (واللہ کیساتھ) شرک کرتے تو ضرور ضرور ضائع ہوجاتے (وہ عمل) جو وہ کیا کرتے تھے۔

سلسلۂ انبیاء ختم ہوچکا ہے

● آیتِ بالا میں آمدہ جملہ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ میں يَهْدِيْ اور يَشَاۗءُ دونوں فعل مضارع حال کے صیغے ہیں جس سے منکرینِ ختمِ انبیاء یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں۔ کہ سلسلۂ انبیاء بدستور جاری ہے اور اللہ تعالیٰ اب بھی جسے چاہتا ہے نبوت عطا کر دیتا ہے۔ لیکن اِس آیت کے آخری جملے میں مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، بصیغہ ماضی استمراری بعید لاکر وضاحت کر دی گئی ہے کہ انبیاء کا سلسلہ گزر چکا ہے اگر وہ بھی شرک کرتے

تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے جو وُہ بجالایا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کا یہ معنی قواعدِ عرب کی رُو سے کیا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ اعمال جو وہ بجالاتے ہیں یا بجالائینگے۔ پس اِس آئت مجیدہ سے آنحضور سلام علیہ کے بعد نبیوں کے آتے رہنے کا مفہوم اخذ کرنا ایک سو ایک فیصد غلط ہے، جبکہ آئت مجیدہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۰ ۳۳/۴۰ نیز آئت مجیدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۰ ۱۵/۹ سے بھی اِسی چیز کی تائید ہوتی ہے کہ قرآن کریم کو اپنی آخری کتاب قرار دیکر اِس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا گیا ہے کیونکہ آئندہ کیلئے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ اب قیامت تک یہ کتاب محفوظ ہی ہدائت نامہ خداوندی کے طور پر موجود رہے گی۔

● سوال زیر بحث کا ایک حصہ تو اُوپر آچکا ہے مگر دوسرا حصہ ابھی باقی ہے۔ وہ یہ کہ اگر انبیاء کی آمد ختم ہو چکی ہُوئی ہے تو پھر آئت مجیدہ زیر بحث ۶/۸۹ میں یَهْدِیْ اور یَشَآءُ مضارع حال کے صیغے کیوں آئے ہیں؟ اِسکا جواب بالکل صاف ہے کہ یہ آئت زمانۂ رسالت میں جناب محمد رسُول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل ہُوئی تھی، آپ نبی تھے اور بقیدِ حیات موجود تھے اِسلئے ارشاد فرمایا کہ جیسے ہم نبوت دیتے ہیں اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی دیتے ہیں۔ مگر ۳۳/۴۰ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ محمد عربی کے بعد نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک سلسلۂ انبیاء کی آمد جاری رہی، سابقہ کسی کتاب کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا گیا۔ چونکہ اب کوئی نبی آنیوالا نہیں، اِس لئے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو زمانہ کی دست بُرد سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ مگر اگلی آئت مجیدہ میں یہ وضاحت کر کے کہ آنحضور سمیت جملہ انبیاء کو ایک ہی کتاب دیگئی تھی ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کی صُورت میں تمام سابقہ کتابیں بھی محفوظ کر دیگئی ہیں:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وہی لوگ تھے دی تھی انکو ایک کتاب اور حکم
وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا
اور نبوت۔ پھر اگر انکار کریں ساتھ اِسکے یہ لوگ مقرر کی ہمنے ساتھ اِسکے
قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ ۰ ۹۰
ایک قوم نہیں ساتھ اِسکے وہ اِنکار کرنیوالے

مندرجہ بالا (گروہِ انبیاء) وہ پاکیزہ لوگ تھے جن کو ہم نے اپنی (ایک اکلوتی) کتاب عطا فرمائی تھی۔ پھر (اے رسُول) اگر یہ آپ کے مخالف اِس کتاب کا انکار کریں (تو کوئی بات نہیں) ہمنے اِس کے لئے (مہاجرین و انصار کی) ایک ایسی قوم مقرر کر دی ہے جو اس کا ہرگز انکار کرنیوالے نہیں ہیں۔

تحفظِ ناموسِ صحابہؓ ● یہ اِس آئت مجیدہ ۶ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ کے الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ناموس کو اُن حضرات کے حملوں سے محفوظ کر دیا گیا ہے جو انہیں ایمان تک سے خارج کر کے منافقوں کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ العیاذُ باللہ! — حالانکہ آئت بالا ۶/۸۹ کی تائید میں صحابہ کرامؓ کے اوّلین و آخرین، مہاجرین و

انصار کو ۸/۴ ۷۵-۷۴ میں حقے سچے مومن بتایا گیا ہے۔ اور ۹/۱۰۰ میں انہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا دائمی سرٹیفکیٹ عطا کر کے اپنی کتاب میں محفوظ کر دیا ہے۔ ۸/۷۴ اور ۲۸/۲۵ میں بتایا گیا ہے فتح مکہ تک بھی، مکہ معظمہ میں مومن مرد اور مومنہ عورتیں موجود تھیں جنہوں نے فتح مکہ تک اپنے ایمانوں کو محفوظ رکھا تھا۔ یعنی وہ کمزور اور ناتوان مومن جو دین اسلام کے لئے نہ ہجرت کر سکے نہ جہاد، فتح مکہ سے پہلے ایمان لانیوالوں سے اُن کے مدارج ۵۷/۱۰ میں کم بتائے گئے ہیں۔ پھر فتح مکہ کے بعد ایمان لانیوالوں کو بھی مومن قرار دیا گیا ہے، منافق نہیں۔

● پھر واضح رہے کہ ۳/۱۷۹ میں بتا دیا گیا ہے کہ ابتداءِ دورِ رسالت میں جو مومن اور منافق باہم مخلوط تھے۔ انہیں اس مخلوط حالت میں ہرگز نہیں رہنے دیا جائیگا حتیٰ کہ منافقوں کو مومنوں سے الگ کر دیا جائیگا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اُس حالت میں چھوڑ دے جس میں اے مومنوں تم ہو۔ یہاں تک کہ ناپاکوں کو پاکوں سے متمیز کر دیا جائیگا۔ اور ۳۳/۶۰ کے مطابق وہ رسُولِ پاک کے ارد گرد نہیں رہ سکینگے یا تو ملک چھوڑ کر چلے جائیں گے اور یا ملک کے اندر روپوش ہو جائینگے۔ پھر رسُولِ مقبول کا فرض قرار دیا گیا تھا کہ اُنکی تلاش کی جائے۔ جہاں جہاں پائے جائیں گرفتار کئے جائیں اور قتل کر دئے جائیں۔ سُورہ احزاب ۳۳/۶۰-۶۱ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ ۳۳/۶۰-۶۱ ۔

(مفہوم) اے رسُول اگر منافق یعنی جن کے اذہان میں نفاق کی بیماری ہے اور وہ بھی جو شہر میں جھوٹی خبریں پھیلاتے ہیں، وہ نفاق سے اور یہ جھوٹی خبریں پھیلانے سے باز نہ آئیں تو ہم آپکو اُن کے پیچھے لگا دینگے (اُنکا تعاقب کرنا آپ کا فرض ہوگا) پھر وہ آپکے ارد گرد اس شہر میں تھوڑا عرصہ کے سوا نہیں رہ سکیں گے۔ جتنا عرصہ رہینگے (راندۂ دربارِ نبوّت) ملعون ہونگے۔ (پس اے رسُول! لازم ہے کہ) وہ جہاں جہاں پائے جائیں، گرفتار کر لئے جائیں اور قتل کر دئے جائیں۔

● اِن آیات کریمہ سے کھل کر ثابت ہُوا کہ زمانۂ رسالت محمدیؐ میں بحکم خداوندی منافقوں کا تعاقب کر کے انہیں گرفتار کر لیا گیا تھا اور وہ قتل کر دئے گئے تھے۔ اِسکے برعکس اگر یہ تصوّر صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضورؐ نے ۳۳/۶۰-۶۱ پر عمل نہیں کیا گیا تھا اور آپ کی وفاتِ مبارکہ تک منافق نہ صرف موجود تھے بلکہ آپ کے بعد مسندِ خلافت پر قابض ہو گئے تھے تو معاذ اللہ آنحضورؐ ۳۳/۶۰-۶۱ کے خداوندی حکم کے منکر ثابت ہوتے ہیں۔ جو صد فیصد ناممکن ہے۔ آنحضورؐ نے بحکمِ الٰہی منافقوں کا تعاقب کیا اور گرفتار کر کے قتل کر دیا تھا۔ اور وفاتِ مبارکہ کے وقت صحابہ کرامؓ میں کوئی ایک منافق بھی موجود نہیں تھا۔

● سلسلہ درس کی آیتِ مجیدہ ۶/۷۰ میں صحابۂ رسُولؐ کی ناموسِ مبارکہ کو محفوظ کرنے کیساتھ ساتھ

رجُوع الی المقصود آیاتِ بالا ۶/۸۳ تا ۸۹ میں اٹھارہ نبیوں کے نام لیکر ارشاد ہُوا ہے کہ یہ سب صاحبِ ہدایت تھے ہم نے سب

کو اپنی کتاب و نبوت عطا فرمائی تھی اور کتاب کیساتھ فیصلے کرنے کا حکم دیا تھا اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم ہوا کہ آپ بھی مذکورہ انبیاءؑ کی ہدایت کی اقتدا کریں اور انہی کی سنتِ مبارکہ کے مطابق آپ بھی اجرِ رسالت طلب نہ کرنے کا اعلان کریں :۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ
وہی تھے وہ لوگ ہدایت کی اللہ نے پس ساتھ ہدایت کی

اقْتَدِهْ ۚ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۚ اِنْ هُوَ
تو پیروی کر کہہ نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اسکے بدلہ ۔ نہیں وہ

اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ ۹۱
مگر نصیحت نامہ واسطے جہانوں کے

(اے رسولؐ) مذکورہ بالا وہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی نے انہیں ہدایت فرمائی تھی۔ پس آپ بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کریں۔ (اور) اعلان کر دیں کہ میں تم سے (قرآن کا) اجرِ تبلیغ نہیں مانگتا۔ نہیں ہے یہ (قرآن) مگر قیامت تک کے تمام لوگوں کیلئے نصیحت نامہ ہے۔ (نصیحت کرنے کی کوئی اُجرت نہیں ہوتی)۔

قرآن کریم کی اِتباع ہی ہدایتِ انبیاءؑ اور ملتِ ابراہیمؑ کی اِتباع ہے

• عله اس آیت مجیدہ کے الفاظ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ میں آنحضورؐ کو سابقہ انبیاءؑ کی ہدایت کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے — دوسری طرف $\frac{16}{123}$ میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں کہ آپ ملتِ ابراہیمؑ کی پیروی کریں :۔ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا $\frac{16}{123}$ اور تیسری طرف $\frac{10}{109}$ میں حکم دیا گیا ہے :۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ اور آپ اُس کی (یعنی قرآن کریم کی) پیروی کریں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے — اب چونکہ $\frac{4}{82}$ کے مطابق قرآنِ مجید میں اختلاف نہیں ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ ہدایتِ انبیاءؑ کی اتباع، ملتِ ابراہیمؑ کی اتباع اور قرآنِ مجید کی اتباع ایک ہی چیز ہے۔ نیز اس مسئلہ کی زیادہ گہرائی میں جائیں تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اس وقت ہدایتِ انبیاءؑ اور ملتِ ابراہیمؑ دونوں کا قائم مقام قرآن کریم ہے۔ کیونکہ وہ دونوں بھی بصورتِ قرآنِ کریم موجود ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ قرآنِ کریم کی اِتباع ہی سابقہ انبیاءؑ کی ہدایت کی اتباع بھی ہے اور ملتِ ابراہیمؑ کی اتباع بھی ہے۔

• اسی چیز کی تائید و تصدیق $\frac{87}{18-19}$ میں ملتی ہے اور $\frac{26}{196}$ میں بھی :۔

• اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ $\frac{87}{18-19}$ بیشک یہ (قرآن) پہلے صحیفوں میں ہے یعنی صحفِ ابراہیمؑ اور صحفِ موسیٰؑ میں۔

• وَاِنَّهٗ لَفِىْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ $\frac{26}{196}$ اور بیشک وہ (قرآن ہی) پہلی خداوندی کتابوں میں تھا۔ (یعنی اُن سب میں قرآن کریم ہی کے احکام درج تھے۔

اجرِ رسالت

• عله آیتِ بالا $\frac{6}{91}$ میں کے الفاظ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا میں مذکور اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے آنحضورؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے کہ میں اجرِ تبلیغ ہرگز نہیں مانگتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ

یہ قرآنِ کریم تو صرف اہلِ عالم کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے۔ نصیحت کی اُجرت کسی بھی مہذب معاشرہ میں نہیں لی جاتی۔ لیکن اِسی مسئلہ اجرِ رسالت کے متعلق سُورہ شوریٰ میں آیا ہے:۔

● قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۲۳/۴۲ اِس اخذ کردہ غلط مفہوم کی بدولت یہ عقیدہ چل رہا ہے کہ آنحضورؐ کا اجرِ رسالت یہ ہے کہ آپ کے اہلِ خاندان سے اِس طرح محبت رکھی جائے کہ نذروں نیازوں کا مال قیامت تک کے لئے اُن کے ہاں پہنچایا جاتا رہے۔ کمائی میں سے پانچواں حصّہ بدستور اُنہیں ادا کیا جایا کرے۔ اِس پر معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ اگر لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کا یہی مفہوم ہے تو پھر وہ کون سی اُجرت ہے جس کے نہ طلب کرنے کا اعلان کروا دیا گیا ہے جبکہ خاندانِ رسالت کو اُمت کے ہر فرد کی کمائی کا پانچواں حصّہ دِلایا جا رہا ہو۔ اِس اعتراض کا صحیح جواب اِس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ آنحضورؐ نے اپنے دعوے کے مطابق کوئی اجرِ تبلیغ نہ خود لیا تھا اور نہ نذروں نیازوں اور پانچواں حصّہ کمائی کی صورت میں اپنے اہلِ خاندان کے لئے مختص فرمایا تھا:۔

● قرآنی فیصلہ کے مطابق آنحضورؐ اللہ کے رسُولوں میں سے ایک رسُول تھے:۔ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۳/۳۶ آنحضورؐ کا اعلان بھی درجِ قرآن ہے مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ۹/۴۶ میں کوئی نرالا رسُول نہیں۔ (رسُولوں جیسا ایک رسُولؐ ہوں) سابقہ تمام رسُولوں کا بھی یہی اعلان کتابِ لاریب میں موجود ہے کہ میں اجرِ رسالت نہیں مانگتا:۔

اعلانِ نوحؑ

● وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۲۹/۱۱ میرا اجر صرف اللہ کے ذمّہ ہے۔

● وَمَآ 〃 〃 مِنْ اَجْرٍ 〃 〃 〃 〃 عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱۰۹/۲۶ میرا اجر صرف جہانوں کے رب کے ذمّہ ہے

اعلانِ ھودؑ و صالحؑ

● لَآ 〃 〃 〃 عَلَيْهِ اَجْرًا 〃 〃 〃 〃 فَطَرَنِيْ ۵۱/۱۱ میرا اجر صرف مجھے پیدا کرنیوالے کے ذمّہ ہے

● وَمَآ 〃 〃 〃 〃 مِنْ اَجْرٍ 〃 〃 〃 〃 رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱۴۵/۲۶ میرا اجر صرف جہانوں کے رب کے ذمّہ ہے

اعلانِ لوطؑ و شعیبؑ

● 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۶۴/۲۶ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

● 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۸۰/۲۶ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

● یہ ہیں چند ایک نبیوںؑ کے اعلان:۔

جن میں اجرِ تبلیغ کے عدم طلب اُجرت کے متبادل الفاظ عدم طلبِ مال بھی ۲۹/۱۱ میں موجود ہیں۔ فلہٰذا اس اَمر کا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضورؐ کا اجرِ رسالت سابقہ انبیاء کے خلاف اپنے لئے یا اپنے خاندان والوں کے لئے حصُولِ مال ہو۔ جب آنحضورؐ کا وہ اعلان جو ۹۱/۶ میں گزر چکا ہے، جو سابقہ انبیاء کی طرح عدم طلب اجرِ تبلیغ ہے، جسے قرآنِ کریم میں ذیل کے پانچ مقامات پر تکرار کثیر دہرایا گیا ہے، اور یہ اَمر کبھی بھی ممکن نہیں کہ چار آئتوں میں تو عدم حصولِ اجرِ رسالت کا اعلان کروایا ہو اور پانچویں میں حضورؐ کے خاندان کے لئے قیامت تک کے لئے نذروں نیازوں وغیرہ کے لئے حصُولِ مال کا سامان کر دیا ہو۔

آنحضورؐ کے اعلانات متعلقہ عدمِ حصولِ اجرِ رسالت

۱- سُورہ انعام میں ارشاد ہُوا ہے:- قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ $\frac{6}{91}$ = اَے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے تبلیغِ قرآن کی اُجرت نہیں مانگتا - یہ قرآن تا بقیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے - (کیا نصیحت کی اُجرت لی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں لی جاسکتی)۔

۲- سُورہ صٓ میں ارشاد ہُوا ہے:- قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ $\frac{38}{86}$ اَے رسُولؐ کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے اس (قرآن کی تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا - اور نہ ہی میں تکلیف دینے والوں سے ہوں - (میں تو سُکھ دینے کے لئے آیا ہوں دُکھ دینے کے لئے نہیں آیا)۔

● اِسکے بعد اسی ضمن کی وہ آیتِ مجیدہ ملاحظہ فرمائیں جس میں آنحضورؐ سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ میرا اجرِ تبلیغ تو بلا شُبہ اللہ کے ذمّہ ہے، میں جو کچھ تم سے (بصُورت صدقہ زکوٰۃ وصول کرتا ہوں وُہ صرف تمہاری بھلائی کے لئے ہے (یعنی متوازن معاشرہ کے قیام کے لئے) آنحضورؐ اپنی ذات کیلئے کچھ نہیں لیتے تھے۔

۳- سُورہ سبا میں ارشاد ہُوا ہے:- قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ $\frac{34}{47}$ اَے رسُولؐ کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے جو کچھ مانگتا ہوں وہ صرف تمہارے لئے ہے - بیشک میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے - اس خطّ گے چھٹے نمبر پر اسی عنوان کی وہ آیتِ مجیدہ ملاحظہ فرمائیں، جس سے اجرِ رسالت کے طور پر آنحضورؐ کے اہلِ خاندان کو نذریں نیازیں دینے، اور ہر فردِ اُمّت کی کمائی میں اُنہیں حصّہ دار قرار دیا جاتا ہے:-

۴- سُورہ شوریٰ میں حکم دیا گیا ہے:- قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى $\frac{42}{23}$ اَے رسُولؐ! کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے مودۃِ فی القربیٰ کے سوا کوئی اجرِ تبلیغ نہیں مانگتا۔

● اِس آیتِ مجیدہ کے ترجمہ میں ہمنے مودۃ فی القربیٰ کے الفاظ کو من وعن رکھا ہے - غرض یہ ہے کہ اِسکا مفہوم تصریفِ آیات اور قرآنی لُغت کے مُطابق خود بخود نکھر کر سامنے آجائے - مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کیا ہے؟ $\frac{34}{47}$ میں آمدہ اِسکے متبادل الفاظ فَهُوَ لَكُمْ کے مطابق جو کچھ بھی ہے صرف اُمّت کے مفاد کے لئے ہے آنحضورؐ کے ذاتی مفاد کیلئے نہیں - کیونکہ آپکا اجر اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ کے حکم کے مطابق صرف اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے - پس سابقہ جملہ انبیاء سمیت خود آنحضورؐ کے اعلان اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ کی رُو سے لازم آتا ہے کہ اجرِ رسالت کے طور پر اُمّت کی طرف سے ایک پائی بھی نہ آنحضورؐ تک پہنچنی چاہیئے اور نہ آپکے خاندان تک ورنہ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ کا جملہ جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی طرح نفی اثبات کے حصر کے ساتھ بیان ہُوا ہے، باطل ہو کر رہ جاتا ہے - لیکن افسوس ہے آیتِ زیرِ بحث کے مروّجہ مفہوم نے اِسے باطل کر کے رکھ دیا ہُوا ہے - مودّۃ فی القربیٰ کا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ سادات کے برابر چارپائی پر بیٹھنا ممنوع ہے - لاکھوں کروڑوں روپے کی نذریں نیازیں ادا کی جاتی ہیں جو یقینا یقینا اُمّت کے کام نہیں آتیں - اِسی مال سے جس کی ادائیگی اجرِ رسالت کے طور پر لازم قرار دے دی گئی ہے پیر

صاحب اور اُن کی اولادیں دادِ عیش دیتی ہیں۔ اِسی مال سے تعمیر کردہ مقبرے، صاحب مقبرہ کی اولاد کیلئے مستقل آمدنی کا ذریعہ بنتے ہیں، مذکورہ مال دینے والوں کی اولادیں اُس آمدنی سے صد فیصد محروم رہتی ہیں۔ حالانکہ سورہ سبا کی آیت مجیدہ ۴۷/۳۴ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ کے مطابق اُس مال میں آنحضورؐ اور آپ کے خاندان والوں کا مطلقاً کوئی حصہ ثابت نہیں ہوتا۔ پس ثابت ہُوا کہ جملہ مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کے جن معنوں کی رُو سے آنحضورؐ یا آپ کے خاندان والوں تک مال پہنچنے کا تصور چل رہا ہے، قرآنی تصریفِ آیات کے مطابق مطلقاً غلط ہے۔

مودۃ فی القربیٰ کے متبادل قرآنی الفاظ

● آنحضورؐ کیطرف سے عدم طلب اجرِ رسالت کے ضمن میں چار آیتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ اب اسی عنوان کی پانچویں آیت مجیدہ ۵۷/۲۵ ملاحظہ فرمائیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے مودۃ فی القربیٰ کے متبادل الفاظ لاکر اسکے معنوں کی خود وضاحت کردی ہے، اِس عنوان کی پانچویں آیت مجیدہ ذیل میں گزشتہ آیت نمبر ۴۲/۲۳ کے نیچے عین متقابل انداز میں پیش کی جارہی ہے، ہر لفظ اپنے متقابل لفظ کے عین نیچے لکھا گیا ہے، بغور ملاحظہ فرمائیں:-

● ۴۲/۲۳ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى = میں تم سے مودۃ فی القربیٰ کے سوا کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔
● ۵۷/۲۵ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا = اسکے سوا کہ کوئی شخص اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے میں تم سے کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔

● غور فرمائیگا! کہ مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا مفہوم تصریفِ آیات کے قرآنی اسلوب کے مطابق جو کھل کر برآمد ہوتا ہے، وہی لینا لازم ہے۔ اوپر دیکھئے! ۴۲/۲۳ اور ۵۷/۲۵ میں لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کے متقابل بالکل یہی الفاظ آئے ہیں۔ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ۔ دونوں میں لَا اور مَا نافیہ ہے۔ دونوں پر اِلَّا استثنائیہ کے مقابلے پر عین یہی لفظ اِلَّا استثنائیہ آیا ہے۔ لیکن مُسْتَثْنٰى مِنْهُ دونوں کا الگ الگ ہے جو عین متبادل ہے:-

مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ______ کا متبادل ہے ______ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

● یہاں پہنچ کر صراحتاً ثابت ہوچکا کہ یہ دونوں مستثنیٰ منہ مترادف المفہوم ہیں۔ یعنی مودۃ فی القربیٰ کا معنیٰ بھی اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرنا ہے۔ لفظ مودۃ مصدر ہے مادہ و۔د۔د سے۔ جس کا لفظی معنیٰ ہے محبت کرنا۔ اور لفظ القربیٰ کا معنیٰ قرآن بھر میں قرابتدار اور قریبی ہیں، بلکہ المنجد صفحہ ۷۰۸ پر بھی قُربت لکھا ہے، قرابتدار نہیں لکھا۔ لھذا مودۃ فی القربیٰ کا معنیٰ ہے... اللہ کے قریب ہونے سے محبت کرنا۔ جو اس کے متقابل و متبادل قرآنی الفاظ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا کے مصدری مفہوم کے عین مطابق ہے کہ مودۃ فی القربیٰ سے مُراد ہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرنا۔ اور یہی ہے قرآنی مفہوم جو تصریفِ آیات قرآنیہ کے مطابق برآمد ہوتا ہے۔

القربیٰ کے متعلق ایک علمی نکتہ

● القربیٰ کا معنیٰ جو قریبی یا قرابتدار لیا جاتا ہے، اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ ازروئے قرآن بھی

غلط اور از روئے لُغت بھی۔ لُغت کیا ہے؟ قرآنِ کریم کی خادم ہے۔ قرآنِ کریم میں القُربیٰ کا لفظ تیرہ مقامات پر آیا ہے۔ مگر ہر مقام پر اس پر ذَا، اُولُو، اُولِیْ میں سے کوئی لفظ داخل کر کے اِس کے معنی قریبی کے لئے گئے ہیں، قرابت والے قرآنِ کریم کے مذکورہ تیرہ مقام یہ ہیں:۔

● ذِی الْقُرْبیٰ ۲/۸۳ - ذَوِی الْقُرْبیٰ ۲/۱۷۷ - اُولُوا الْقُرْبیٰ ۴/۸ - ذِی الْقُرْبیٰ ۴/۳۶ - ذَا قُرْبیٰ ۶/۱۵۲ - ذِی الْقُرْبیٰ ۸/۴۱ اُولِیْ قُرْبیٰ ۹/۱۱۳ - ذِی الْقُرْبیٰ ۱۶/۹۰ - ذَا الْقُرْبیٰ ۱۷/۲۶ - اُولِی الْقُرْبیٰ ۲۴/۲۲ - ذَا الْقُرْبیٰ ۳۰/۳۸ - ذَا قُرْبیٰ ۳۵/۱۸ - ذِی الْقُرْبیٰ ۵۹/۷ -

● یہ ہیں یکے بعد دیگرے قرآنِ کریم کی تیرہ شہادتیں کہ:۔

اَلقُربیٰ کا معنی قریبی نہیں۔ قربت ہے۔ پس القربیٰ کا معنی قریبی لینا قرآنی لُغت سے بے خبری کی دلیل ہے۔

عود الی المقصود ● اجرِ رسالت کی اس قرآنی تشریح و توضیح کے بعد پھر سلسلہ درس کی طرف رجوع فرمائیں۔ سُورۃ الانعام کی آیات مجیدہ نمبر ۸۴ تا ۹۰ میں اٹھارہ نبیوں کے اسماءِ گرامی پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ قانونِ خداوندی میں لوچ لچک ہرگز ہرگز موجود نہیں۔ اگر بفرضِ محال وہ بھی شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ اور آیت نمبر ۹۱ میں ارشاد ہُوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو راہِ راست کی رہنمائی کی تھی۔ اَے رسُولؐ! آپ اُن کی ہدایت کی پیروی فرمائیں۔ اور ساتھ ہی حکم دے دیا کہ اَے رسُولؐ! آپ اجرِ رسالت طلب نہ کریں۔ آپ کا اَجر ہمارے ذمّہ ہے۔ اور غرضِ رسالت یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی محبّت پیدا کریں۔ اُس کے سو فیصدی فرمانبردار بن جائیں۔ اس سے اگلی آیت میں یہودیوں کے اِس دعوے کا جواب دیا گیا ہے جو وہ کہتے تھے کہ آنحضورؐ پر کچھ نازل نہیں ہُوا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ
اور نہیں قدر کی اللہ کی حق قدر اُس کی، جب کہا نہیں

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ
نازل کیا اللہ نے اوپر بندے کوئی چیز کہہ کس نے نازل کی

الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى
وہ کتاب جو آیا ساتھ اسکے موسیٰ نور اور ہدایت واسطے

لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ
لوگوں کے کرتے ہو تم اسے ورق ورق ظاہر کرتے ہو اسکے اور

تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا
چھپاتے ہو بہت۔ اور تم سکھائے گئے جو نہیں جانتے تھے تم

اور نہیں قدر کی (یہودیوں نے) اللہ تعالیٰ کی جو حق ہے اُس کی قدر کرنے کا، جب اُنہوں نے یہ کہا کہ اس بندے (محمدؐ مکی) پر اللہ نے کوئی چیز نہیں نازل کی۔ آپ (ان سے) کہئے گا کہ وہ کتاب کس نے نازل فرمائی تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے (اُس کتاب) کی شان یہ تھی کہ وہ لوگوں کیلئے نور تھی۔ ہدایت واسطے لوگوں کے (اے یہودیو!) تم اس کا ورق ورق الگ کرتے ہو۔ (اس طرح قلیل حصّہ اُسکا) تم ظاہر کرتے ہو اور کثیر حصّہ اسکا (غائب کر کے) چھپا لیتے ہو۔ حالانکہ تم اُس کے ساتھ وہ کچھ سکھائے گئے ہو جو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے آباؤ اجداد جانتے تھے کہ دیجئے گا (اَے رسُولؐ! کہ جو کتاب موسیٰ پر نازل ہُوئی تھی اُسے بھی)

اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ
تم اور نہ بڑے تمہارے، کہہ اللہ نے۔ پھر چھوڑ ان کو

فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ○ ۹۲
بیچ فضول بحثوں میں کھیلتے ہیں

اللہ نے نازل کیا تھا۔ آپ انہیں چھوڑ دیں وہ فضول بحثوں میں کھیلتے ہیں (ان سے الگ ہو جائیں)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ
اور یہ کتاب نازل کیا ہم نے اسے برکت والی

مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ
تصدیق کرنیوالی اس کی جو بیچ دو ہاتھ اسکے اور تا کہ ڈرائے تو ماں

الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ
بستیوں کی اور جو گرد اسکے اور جو لوگ ایمان لائیں

بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى
ساتھ انجام کے، ایمان لاتے ہیں ساتھ اسکے اور وہ اوپر

صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ○ ۹۳
فرض منصبی اپنے کے حفاظت کرنیوالے ہیں

اور اس کتاب (قرآن مجید) کو ہمنے بابرکت نازل فرمایا ہے جو اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ اور (یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ اے رسول!) آپ اس کے ساتھ مرکزی بستی (مکہ) والوں کو اور اور اس کے اردگرد والوں کو اُن کے فرائض منصبی سے آگاہ کریں۔ اور جو لوگ اعمال کے انجام پر ایمان لاتے ہیں وہی اس (قرآن) کیساتھ ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ اپنے فرائض منصبی کی ہمیشہ حفاظت کرتے ہیں (اسے باقاعدہ ادا کرتے ہیں)۔ $\frac{۲۴}{۱۴}$

● ملہ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید پر صحیح ایمان وہ لوگ لاتے ہیں جو ہر عمل کی آخرت یعنی اُس کے نہ ٹلنے والے انجام پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی جو لوگ روزمرہ کے مشاہدہ کی بدولت اس حقیقت کو جان کر اُس پر یقین رکھتے ہیں کہ جس طرح ہر چھوٹے بڑے عمل کا نتیجہ نمایاں ہوتا چلا جا رہا ہے، اسی طرح ہمارے اچھے یا بُرے عملوں کا اُخروی نتیجہ ضرور ضرور برآمد گا۔ قرآن کریم کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اس امر پر یقین واثق پیدا کرتا ہے کہ جن اچھے یا بُرے اعمال کا اچھا یا بُرا بدلہ کسی دُنیوی وجہ سے یہاں نہیں ملا وہ آخرت کو ضرور ضرور مل کر رہیگا۔

● جو لوگ شبانہ روز کے مشاہدات پر نگاہ نہیں رکھتے اور ان سے مکافاتِ عمل پر یقین نہیں لاتے قرآن کریم کی میزان میں وہ لوگ ڈنگروں جیسے قرار دئے گئے ہیں؛۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۔ $\frac{۷}{۱۷۹}$ اُن کے پاس قلوب ہیں، وہ اُن کے ساتھ غور نہیں کرتے۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں وہ ان کے ساتھ دیکھتے نہیں۔ اُن کے پاس کان ہیں وہ اُن کے ساتھ سُنتے ہی نہیں۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں، بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے۔ یہی لوگ غافل ہیں۔ بالفاظِ

دیگر بتایا یہ گیا ہے کہ قرآنِ کریم پر انسان ایمان لاتے ہیں، ڈنگر ایمان نہیں لاتے جو شبانہ روز آیاتِ صحیفۂ فطرت پر سے گزرتے تو ہیں مگر اُن کے خالق کو پہنچاتے نہیں وہ ڈنگر ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضور سلام علیہ کی صداقت کی خبر اس انداز میں دی گئی ہے کہ آپ نے جھوٹا دعویٰ نہیں کیا کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹ لگانے والا بہت بڑا ظالم ہے، جس کی طرف کچھ نازل نہیں ہوتا اور وہ وحی کا دعویٰ کر دے، اسی طرح سچی وحی کو جھٹلانے والا بھی اور وہ بھی بہت بڑا ظالم ہے جو یہ کہے کہ میں بھی ایسا قانون بنا سکتا ہوں جو آنحضورؐ پر نازل ہوا ہے دیکھئے ارشادِ باری :-

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ
اور کون بڑا ظالم اُس سے جو باندھے اوپر اللہ کے

كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ[۲]
جھوٹ یا کہے وحی کی گئی طرف میری اور نہ وحی ہوا طرف اُس کے

شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ
کچھ - اور جو کہے ضرور نازل کروں گا مانند جو نازل کیا

اللّٰهُ[۳] وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ
اللہ نے - اور کاش تُو دیکھے جب ظالم ہوں بیچ سختیوں کے

الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ[۵] ج
موت کی، اور ملائکہ ہوں پھیلائے ہاتھوں کو اپنے

اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
نکالو اپنے آپ کو - آج تم جزا دئیے جاؤ گے سزا

الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ
رسوائی کی بوجہ اسکے کہ تھے تم کہتے اوپر اللہ کے بغیر

الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ۹۳
حق اور تھے تم سے آیتوں اسکی تکبر کیا کرتے

اور کون ہے اُس سے بڑھ کر ظالم جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے[۱] (کسی بھی قسم کا) اور یا وہ یہ کہے کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اللہ کی طرف سے) اور ہرگز نہ وحی ہوتی ہو اسکی طرف کوئی بھی چیز[۲]۔ اور (اُس سے بڑھ کر بھی کون ظالم ہے) جو یہ کہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے، میں اُس جیسا نازل کر سکتا ہوں[۳] اور کاش کہ آپ ایسے ظالموں کو اُس وقت دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں[۴] میں مبتلا ہوں۔ اور (مرض، نقاہت، درد و کرب اور وحشت و اضطراب) متعدد ملائکہ[۵] ہاتھ پھیلائے ہوئے (بزبانِ حال کہہ رہے ہوں، نکالو (اپنے آپکو اس عذاب سے[۶] (انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا کہ) آج تم کو رسوا کُن عذاب کی سزا دی جائے گی، اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمہ غیر حق (جھوٹی باتیں) کہا کرتے تھے۔ اور تم اُس (اللہ) کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

● [۱] اللہ تعالیٰ پر کسی بھی قسم کا جھوٹ باندھنا بہت بڑا ظلم ہے، مثلاً کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کے ساتھ بذریعہ الہام اور کشف وغیرہ ہم کلام ہوتا ہوں۔ حالانکہ اللہ کی وحی صرف نبیوں پر آتی تھی جو آنحضورؐ کے بعد ختم ہو چکی ہے۔

● [۲] اور یہ کہنا بھی بہت بڑا ظلم ہے کہ نزولِ قرآنِ کریم کے بعد کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے حالانکہ حضور

خاتم النبیینؐ کے بعد وحی کی آمد مطلقاً بند ہو چکی ہے۔

● ۳ نیز یہ دعویٰ کرنا بھی بہت بڑا ظلم ہے کہ میں اللہ کی وحی کی مانند کلام نازل کر سکتا ہوں۔ واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ دعویٰ ہے کہ اگر جنّ و انسان جمع بھی ہو جائیں تو اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے ۸۸/۱۷ اسکا صرف یہ معنیٰ نہیں ہے کہ کوئی اِس جیسی عربی نہیں بنا سکتا۔ بلکہ اِسکا مطلب یہ بھی ہے کہ جن و انسان جمع بھی ہو جائیں تو اس قسم کا بے لوث قانون نہیں لا سکتے۔ یہ ایک مشاہداتی حقیقت ہے کہ دُنیا کے ہر قانون میں صدر و سربراہ، ملک کے بادشاہ، ملکہ اور شہزادہ کو عدالت کے کٹہرے میں طلب نہیں کیا جا سکتا۔ مگر قرآنی قانون کے مطابق ملک کے صدر و سربراہ اور اسکے خاندان خصوصاً اُسکی بیوی ملکہ کو نہ صرف یہ کہ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جا سکتا ہے بلکہ ثبوتِ جرم پر دُگنی سزا دی جائیگی۔ جیسے کہ قرآنی ریاست کے صدرِ اوّل یعنی نبی اکرمؐ کی ازواجِ مطہرات کو ۳۰/۳۳ میں مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی بدکاری کی مرتکب ہوگی تو اُسے دُگنی سزا دی جائے گی۔ پس قرآنی قانون میں قیامت تک کیلئے صدرِ ریاست، اُس کی بیوی اور جملہ ارکانِ خاندان کے لئے دگنی سزا کا قانون متعین کر دیا گیا ہے جو دُنیا بھر کے بنائے ہُوئے دُوسرے قوانین میں مطلقاً نابود ہے۔ دنیا کے قوانین میں کوئی ایسا قانون بنا ہی نہیں سکتا۔

● ۴ غمراتِ الموت کے الفاظ میں غمرات بصیغہ جمع لایا گیا ہے مطلب یہ کہ نافرمانوں پر موت کے وقت بہت سی سختیاں وارد ہوں گی۔ اِسی لفظ کا بدل ملائکہ بھی بصیغہ جمع لایا گیا ہے تفصیل آگے ملائکہ کے عنوان میں آ رہی ہے۔

● ۵ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ کے الفاظ میں عوام کے ذہنی ملائکہ کا ذکر نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی رُو سے اُن کا وجود ہی موجود نہیں۔ کارگاہِ کائنات میں ہر وہ چیز جو اختیار و ارادہ سے عاری خدا تعالیٰ کی عطا کردہ واحد جبلّی نہج پر مصروفِ عمل ہے ملک ہے۔ اِسی طرح ہر بیماری، ہر تیز دھار والی چیز، اونچی گھاٹی، ہر عمیق جگہ، ہر وزنی چیز اور آگ پانی وغیرہ میں مستور قوتیں جن میں مبتلا ہونے سے بالترتیب زخم کھا کر، جل کر اور ڈوب کر موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنی نہج کو تبدیل نہیں کرتیں، سب ملک الموت ہیں۔ اِسی طرح ہر درندہ، ہر شین، بجلی کا شارٹ وغیرہ کی مخفی قوتیں بھی جن کا لقمہ بن کر موت واقع ہو جاتی ہے سب کے سب ملکِ الموت ہیں۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم میں انسانی جان کیلئے نہ روح کا لفظ آیا ہے نہ نفس کا اور نہ انسانی جان کوئی الگ چیز ہے جو جسدِ خاکی میں داخل ہوتی ہے تو یہ زندہ ہو جاتا ہے اور نہ یہ کہ نکل جاتی ہے تو مر جاتا ہے۔ جان یعنی زندگی ترکیبِ عناصر کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر الگ الگ مخصوص مقدار کے مطابق کائنات بھر کی چیزوں مٹی، پانی، آگ، ہوا، لوہا، تانبہ، سونا، چاندی، قلعی، چونا، نمکیات اور تیزابیات وغیرہ کو الگ الگ مخصوص مقداروں کے مطابق ترتیب دے رکھا ہے، انہی اجزا کی مخصوص مقدار اور مخصوص ترتیب کیساتھ زندگی پیدا ہوتی ہے اور انہی کائناتی عناصر میں سے جب کوئی چیز خدا تعالیٰ کی مقررہ مقدار سے بڑھ جاتی ہے یا گھٹ جاتی ہے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے اور جب کوئی اہم جزو کسی بیماری یا حادثہ کا شکار ہو کر بیکار ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے انسان کے جسم میں

روان خون کے اندر سُرخ اور سفید ذرّات سب زندہ جرثومے ہیں اگر زندگی کسی نام نہاد رُوح کی بدولت ہے تو ہر انسان کے اندر ایک روح نہیں بلکہ کروڑوں روحیں موجود ہیں۔ یہی سُرخ سفید ذرّات جب بیمار ہوجاتے ہیں تو انسان فوراً بیمار ہوجاتا ہے۔ اور جب وُہ مرنے لگیں تو یہ بھی مرنے لگتا ہے۔ ملائکہ کے قرآنی معنے وُہ کائناتی قوتیں ہیں جو ایک ہی نہج پر کام کرتی چلی جاتی ہیں، ان کے ملک الموت وہ قوتیں ہیں جن سے موت واقع ہوجاتی ہے۔ مسئلہ ملائکہ کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۵ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا اَيْدِيهِمْ سے وہ مُہلک طاقتیں مُراد ہیں جو انسان کی موت کے وقت بصورت حال ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتی ہیں، مثلاً اگر موت واقع ہو رہی ہے نمونیہ کیساتھ تو نمونیہ کی مُہلک طاقت ہے، گولی یا تیز دھار کا مہلک زخم ہوگیا ہے تو اُن کی مُہلک طاقتیں ملک الموت ہیں جو ہاتھ پھیلائے ہوئے کھڑی ہوتی ہیں۔

● ۶ اَخْرِجُوٓا اَنْفُسَكُمُ سے بزبانِ حال مُراد ہے کہ وہ حالی طور پر کہہ رہی ہوتی ہیں کہ تم بڑے بڑے بنے پھرتے تھے۔ اگر اب طاقت ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے نکالو۔ لیکن روائتی تفاسیر میں اس کا یہ معنیٰ لیا گیا ہے کہ عوام کے ذہنی فرشتے مرض الموت میں مبتلا افراد سے کہتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں۔ لیکن جب قرآن کریم کی رُو سے جان کوئی داخل ہونے والی اور نکلنے والی چیز ہے ہی نہیں تو مذکورہ روائتی مفہوم از خود غلط ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ یہاں اَنْفُس کا معنیٰ اپنا آپ ہے۔ جان نہیں جیسے کہ ۲/۸۴ میں لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ کا معنیٰ صاف ہے کہ تم اپنے افراد کو اپنے گھروں سے مت نکالنا اَنْفُسَكُمْ کا لفظ اپنے آپ کے لئے ۲/۹۰ میں آیا ہے:۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ، بُری ہے وہ چیز جو وہ اپنے آپ کے لئے خریدتے ہیں نیز ۲/۱۸۷ میں اس عنوان کو پوری طرح کھول کر بیان کردیا گیا ہے کہ نفس بمعنی اس جسم سے علیحدہ چیز ہرگز نہیں ہے۔ نزولِ قرآن سے ماقبل رمضان کی راتوں میں میاں بیوی جنسی اختلاط سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ یعنی ایکدوسرے کے جنسی حقوق ادا نہیں کرتے تھے۔ ایکدوسرے کے حقوق میں خیانت کرتے تھے۔

● اس کی خبر بالفاظِ ذیل دیگئی ہے:۔ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ ۲/۱۸۷ اللہ جانتا ہے کہ بیشک تم عدم ادائیگی حقوقِ زوجیت کیساتھ ایکدوسرے کی خیانت کیا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ تم پر رجوع بر رحمت ہُوا اور تم کو معاف کیا۔ ایمان والو! اب تم رمضان کی راتوں میں بیویوں سے مِلا کرو۔ اس آیت میں اَنْفُسَكُمْ سے مُراد نہ روح ہے نہ جان، بلکہ نفس کا لفظ آپس میں ایکدوسرے کیلئے استعمال ہُوا ہے۔

● ذہنی ملائکہ کی بحث بھی نہایت اہم ہے کہ عوام میں قرنہا قرن سے یہ تصوّر چلا آرہا ہے کہ ملائکہ نامی ایک نُوری مخلوق ہے جو شکلیں بدل کر انسانوں کے پاس آتے ہیں۔ سُورہ انعام میں لوگوں کے ذہنی ملائکہ کی اس طرح خبر دیگئی ہے کہ آنحضورؐ کے مدِمقابل کہتے تھے:۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ ۶/۸-۹ کہ انہوں نے کہ اس مدعیِ رسالت پر

کوئی ملک نازل کیوں نہیں کیا گیا - اور اگر ہم کوئی ملک (اپنی کائناتی قوت بجلی، آندھی، زلزلہ وغیرہ نازل کریں تو ان کا فیصلہ ہی کر دیں پھر انہیں مہلت نہ دی جائے (فوراً ہلاک کر دئیے جائیں) اور اگر اُسے (ہم اُنکا ذہنی ملک بنائیں تو (انکے ذہنی تصوّر کے مطابق) اُسے آدمی بنائیں، تو ہم اُن پر اُسے مشتبہ کر دیں (جیسے یہ لوگ خود مشتبہ کرتے ہیں۔ (کہ آدمی کی شکل میں وہ آدمی دکھائی دیگا، تو پھر یہ لوگ کہیں گے کہ یہ ملک نہیں یہ تو آدمی ہے)

● وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ کے جملہ میں لفظ مَلَکًا سے مُراد خدا تعالیٰ کا حقیقی ملک ہے یعنی کوئی کائناتی قوت کہ اُسے نازل کیا جائے تو بجلی آندھی زلزلہ وغیرہ کیساتھ انہیں فوراً ہلاک کر دیا جائے۔

● وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا کے الفاظ میں ہٗ کی ضمیر راجع بسوئے ماقبل مذکورہ اصلی ملک ہے اور یہاں جَعَلْنٰهُ مَلَكًا سے مراد عوام کا ذہنی ملک ہے جن کے متعلق مشہور کیا گیا ہے کہ وہ شکلیں بدل کر آدمی بن جاتے ہیں۔ ورنہ اگر عوام کے ذہنی ملائکہ فی الحقیقت کوئی مخلوق ہے تو جَعَلْنٰهُ مَلَكًا کے الفاظ میں ملک کو ملک بنانے کا کیا مطلب؟ بلکہ اصلی ملک کو عوام کا ذہنی ملک بنانا مذکور ہے جو عوامی غلط تصوّر کے مطابق آدمی کی شکل میں دکھائی دے گا مگر مشتبہ ہو جائیگا کہ جو آدمی دکھائی دیتا ہے اسکے متعلق اُنکے ذہنی ملک ہونے کا کیا ثبوت ہو گا۔

● ۹۳ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ میں الیوم سے مُراد قیامت کا دن ہے اُس سے پہلے بلا حساب کتاب قبر میں عذاب ثواب دینے کا تصوّر کئی وجوں سے غلط ہے :-

ا- پہلے نمبر پر خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی اوّلین سُورت مجیدہ میں جزا سزا کیلئے یوم الدّین کی خبر دی ہے اور اسی دن کے متعلق سُورہ مومنون میں بتایا گیا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے تو ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ ۲۳/۱۶ پھر تم قیامت کے دِن اٹھائے جاؤ گے — اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ موت کے بعد جبکہ ابھی بعثت ہوئی ہی نہیں تو قیامت سے پہلے قبر میں عذاب ثواب کا کیا معنی؟

ب- دُوسرے نمبر پر اسی یوم الدّین کے متعلق بتکرارِ کثیر ارشاد ہُوا ہے :- يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۶/۱۲۸ + ۶/۱۲۹ + ۳۴/۴۰ + ۲۵/۱۷ + ۵۸/۶ + ۵۸/۱۸ اُس دن اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کر لیگا - تو اس طرح جب حشر نشر کے لئے ایک دِن مقرر کر دیا گیا ہے تو دینیوی تاریخ سے پہلے بلا حساب کتاب قبر میں آتشیں گرزوں کی سزا کا کیا مطلب، جبکہ مقرر کردہ تاریخ سے پہلے کسی قسم کی کاروائی کرنا عقل و دانش اور عدل و انصاف دونوں کے صد فیصد خلاف ہے۔

ج- تیسرے نمبر پر خدا تعالیٰ کی مقررہ تاریخ، یعنی اِسی یوم الدّین کو ۱۴/۴۱ میں يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ کے الفاظ میں نوعِ انسانی سے حساب لینے کا دن بھی کہا ہے۔ تو حساب کتاب کے بغیر مقدمہ پیچھے اور سزا پہلے کس طرح ممکن ہے۔

د- چوتھے نمبر پر ابتدائے کائنات کے اوّلین دور اور انتہائے کائنات کے آخری دور کے مجرموں کی اُس مدت میں لاکھوں کروڑوں سال کا فرق ہے جو وہ الگ الگ قبر میں رہیں گے۔ قُربِ قیامت کے آخری، افراد تو صرف ایک دن یا ایک گھنٹہ

کیلئے عذاب قبر پائیں گے مگر ابتداءِ آفرینش کے متوفی افراد لاکھوں کروڑوں برس فرشتوں کی گُرزیں کھاتے رہینگے۔ پس قبر کی یہ الگ الگ مدت بھی جس سے کسی بھی فردِ بشر کو مجالِ انکار نہیں، عذابِ قبر مبنی بر انصاف نہیں ہونے دیتی۔ پس عذاب قبر کا نظریہ نہ قرآن کریم کا ساتھ دے سکتا ہے اور نہ عقل و خرد اور عدل و انصاف کے ترازو پر پورا تل سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جن روایات میں یہ نظریہ رسُولِ مقبول اور صحابہؓ کرام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ اِن بزرگوں کی طرف منسوب محض ہیں بس :-

● آیت زیر بحث ۶/۹۳ میں آمدہ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ کا مفہوم اَلْيَوْمَ یعنی قیامت کا دن ہی درست ہے جس کی تائید و تاکید عین متصل مابعد کی آیت کریمہ نمبر ۶/۹۵ میں موجود ہے کہ یہاں قبر کے عذاب کا ذکر نہیں بلکہ قیامت کی عدالت کا ہے :-

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ
اور البتہ تحقیق تم آئے ہمارے پاس فرداً فرداً جیسے پیدا کیا ہمنے تمکو
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ
پہلی مرتبہ اور چھوڑ آئے جو دیا ہمنے تمکو پیچھے پیٹھوں اپنی کے
وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
اور نہیں دیکھتے ہم ساتھ تمہارے شفاعتی تمہارے جنہیں گمان کیا تم نے
اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ
بیشک انہیں بیچ اپنے شریک بیشک قطع ہوئے بیچ تمہارے اور گم ہوئے
عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ۹۵ ع ۱۷
سے تمہارے جو تھے تم گمان کرتے

(اللہ تعالیٰ قیامت کو کہیگا کہ) بیشک تم ہمارے حضور میں اکیلے اکیلے حاضر ہوئے ہو جیسے کہ تمہیں پہلی مرتبہ اکیلے اکیلے کو ہم نے پیدا کیا تھا۔ اور جو مال ہم نے تمہیں عطا فرمایا (جس سے تم بے حد محبت کرتے تھے) اُسے تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ اُن لوگوں کو جنہیں تم اپنے شفاعتی گمان کرتے تھے اپنے اندر شریک۔ تمہارے آپس کے تعلقات منقطع ہو چکے ہیں اور وہ تم سے گم ہو گئے ہیں۔ جنہیں تم (حاجت روا کارساز) گمان کرتے تھے۔

● دیکھا آپنے! اس آیت مجیدہ میں کس طرح وضاحتاً بتا دیا گیا ہے کہ پچھلی آیت میں اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ قیامت کے گناہگاروں کو کہا جائے گا۔ قبر میں نہیں کہ خدا تعالیٰ پر مقدمے کا فیصلہ بعد میں اور سزا پہلے کا الزام عائد ہوتا ہو۔ استغفر اللہ!

اللہ تعالیٰ گٹھلیوں اور بیجوں کو پھوڑنے والا ہے

● آیت بالا میں لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کا ذکر آیا ہے اس لئے متصلاً اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تو وہ ہے جو زمین میں بوئی گئی گٹھلیوں اور بیجوں کو پھاڑ کر ان میں سے پودے پیدا کرتا ہے، رات کے اندھیرے میں سے دن کی روشنی نکالتا ہے، مُردوں میں سے زندے اور زندوں میں سے مُردے پیدا کرتا ہے۔ پس وہ لوگ اُسکے شریک کس طرح ہو سکتے ہیں جو

نہ تو کچھ پیدا کرتے ہیں اور اُس قوی و عزیز کے قوانین کے مطابق پیدا ہوئے اور زندگی بھر اُسی کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ
بیشک اللہ ہے پھوڑنیوالا دانوں اور گٹھلیوں کو۔ نکالتا ہے
الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ
زندہ کو میں سے میت کو اور نکالنیوالا ہے میت کو میں سے زندہ کے
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ ۹۶
وہ ہے تمہارا اللہ پھر کہاں کو تم اُلٹے پھرتے ہو

بیشک اللہ تعالیٰ (زمین میں بوئے گئے) دانوں اور گٹھلیوں کو پھوڑنے والا ہے (ان سے پودے اور درخت پیدا کرتا ہے) وہ نکالتا ہے مُردے میں سے زندہ کو اور نکالنے والا ہے زندہ میں سے مُردہ کو۔ ان صفات کا مالک ہے تمہارا اللہ پھر تم (اُس کے شریک ٹھہرا کر) کس طرف کو اُلٹے پھرے جا رہے ہو۔

● جملہ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ کی عملی تفسیر مشاہداتِ عالم میں اِن الفاظ کے حقیقی اور مجازی دونوں معنوں کی صُورت میں موجود ہے کہ بچّے کی پیدائش سے پہلے ماں مرجاتی ہے۔ اور ایسے مُردوں میں سے زندہ بچّے پیدا ہورہے ہیں۔ اسی طرح ماں زندہ ہوتی ہے مگر بچہ مُردہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو ہے اِن الفاظ کے حقیقی معنوں کی مشاہداتی تفسیر ——— اِسکے علاوہ ان الفاظ کے مجازی معنوں کی تفسیر بھی اقوامِ عالم کے عروج و زوال کی صورت میں موجود ہے کہ مُردوں قوموں میں سے ایسے زندہ افراد پیدا ہوتے ہیں جو پُوری کی پُوری قوم کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اور بعض زندہ قوموں میں ایسے مُردہ افراد پیدا ہوتے ہیں جو پُوری کی پوری قوم کو غلامی کی موت کے عمیق غار میں دھکیل دیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق مُردہ قوموں میں سے زندہ قومیں نکال رہا ہے اور زندہ قوموں میں سے مُردہ۔ گزشتہ آیتِ مجیدہ میں بیجوں اور گٹھلیوں کے پھوڑنے اور اُن سے درخت پودے اگانے کے اُن تصرّفات کا ذکر تھا جن کا تعلق زمینی قوانینِ خداوندی کیساتھ ہے۔ اِس خدا تعالیٰ کے ارضی کنٹرول کی خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں نظامِ شمسی اور قمری یعنی اللہ تعالیٰ کے سماوی کنٹرول کی مکمل خبر دی گئی ہے جس کا تعلق اِس کارخانۂ کائنات کی محیّر العقول بلندیوں کیساتھ ہے، جن کی حدِّ نظریہ نیلے آسمان والا افق ہے، حالانکہ اس نظامِ شمسی و قمری کے علاوہ اور بہت سے نظامِ شمسی اِن سماوات کی بلندیوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا
پھاڑنیوالا صبحوں کا اور بنایا رات کو آرام کیلئے
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ
اور سُورج اور چاند کو حساب کیلئے وہ ہے اندازہ

(وہ اللہ ہی ہے رات کی کالی چادر کو پھاڑ کر) صبحیں نمودار کرنیوالا۔ اور اُس نے رات کو آرام کیلئے بنایا ہے (تاکہ تم اگلے دن کی محنت کے لئے تازہ دم ہو جاؤ) اور سُورج اور چاند کو تکوینی حساب کیلئے بنایا ہے۔ مذکورہ بالا ہی ہے (اجرامِ فلکی کے لئے)

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ ۹۷ | بڑھ کر غلبے والے اور بڑھ کر علم والے کا مقررکردہ اندازہ (پیمانہ) اور قانون ہے ۴

بڑھ کر غالب بڑھ کر علم والے کا

● ۱ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ یہ جو ہر ۲۴ گھنٹوں کے بعد رات کی کالی چادر کو پھاڑ کر ہر روز نئی صبح نمودار ہوتی ہے اِس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ الاصباح بصورت جمع لاکر بتایا گیا ہے کہ وُہ لا انتہا صبحیں نمودار کرنے والا ہے۔ اِس صیغۂ جمع میں ہر مقام کی سال بھر کی ۳۶۵ صبحیں بھی ہیں۔ اور کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر ۲۴ گھنٹوں میں ہر سیکنڈ کے بعد نمودار ہونے والی چھیاسی ہزار چار سو صبحیں بھی شمار ہیں اور سال بھر میں ہر مختلف مقام پر ہر سیکنڈ کے بعد نمودار ہونے والی تین کروڑ گیارہ لاکھ چار ہزار صبحیں بھی شامل ہیں اور اس کے بعد ایک صدی میں نمودار ہونے والی تین ارب گیارہ کروڑ چار لاکھ صبحیں بھی شامل ہیں۔ اِس اہم حقیقت کو اسطرح سمجھئے گا کہ :-

● زمین کی مداری گردش کے ساتھ سال بھر میں چار موسم بدلتے رہتے ہیں اور محوری گردش کے ساتھ دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ زمین کا جو حصّہ سُورج کے سامنے آتا جاتا ہے وہاں دن نمودار ہوتا چلا جاتا ہے۔ زمین اپنی محوری گردش کا چکر سُورج کے گرد ایک سال میں پُورا کرتی ہے اور قریباً ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سُورج کے سامنے مغرب سے مشرق کی طرف گھومتی ہوئی ۲۴ گھنٹوں میں ایک محوری چکر پُورا کرتی ہے۔ اِس گردش کی بدولت زمین کے ایک مقام پر رات کے آخری سیکنڈ کے گزرنے پر صبح نمودار ہوتی ہے مگر اُس مقام سے مغربی مقام پر ایک سیکنڈ کے بعد صبح نمودار ہوتی ہے کیونکہ وُہ مقام صبح کی نمود کے مقام پر ایک سیکنڈ کے بعد پہنچتا ہے۔ اسلئے چوبیس گھنٹوں کے ہر سیکنڈ کے خاتمہ پر نئی صبح نمودار ہوتی ہے۔ اِس طرح کرۂ ارض پر ۲۴ گھنٹوں کے وقفے میں چھیاسی ہزار چار سو صبحیں نمودار ہوتی ہیں اور سال میں اس تعداد کو ۳۶۵ کیساتھ ضرب دینے سے تین کروڑ گیارہ لاکھ چار ہزار صبحیں عالمِ وجود میں آتی ہیں اور ایک صدی میں اسے ۱۰۰ کیساتھ ضرب دینے سے صبحوں کی گنتی تین ارب گیارہ کروڑ چار لاکھ صبحوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اِس طرح فالق الاصباح کے الفاظ بصورتِ جمع لاکر دعوتِ تفکر دیگئی ہے کہ جب سے اِس کارخانۂ کائنات میں نظامِ شمسی قائم کیا گیا ہے نیلوں پدموں صبحوں کو فالق الاصباح عالمِ وجود میں لا چکا ہے۔

● ۲ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا کے الفاظ میں ایک تو اس چیز کی طرف دعوتِ تفکر دیگئی ہے کہ صحیفۂ فطرت کی اُن آیاتِ مقدسہ پر غور کرو جن کے ذریعہ رات دن پیدا ہوتے ہیں، یعنی زمین کی محوری گردش پر کہ اس کی بدولت زمین کا جو حصّہ اور جتنا عرصہ سُورج کے سامنے رہتا ہے اُس مقام پر اُتنا عرصہ دن رہتا ہے اور اُس کے اُلٹے حصّے پر رات ہوتی ہے۔ نیز بتلایا گیا ہے رات کو سکون آرام یعنی نیند کے لئے بنایا گیا ہے اور دن کو حصُولِ معاش کے لئے۔ سُورہ نبا میں ارشاد ہُوا ہے وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا $\frac{۷۸}{۱۰-۱۱}$ اور ہمنے رات کو پردہ بنایا ہے آرام کرنے کے لئے اور دن کو ہم

نے بنایا ہے معاش پیدا کرنے کیلئے۔ اِن الفاظ میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ دن کے بنانے کی غرض معاش پیدا کرنا ہے رات کو اگر آرام کرکے تازہ دم نہ ہوں گے تو اگلے دن کام کس طرح کریں گے۔ اسلئے رات کو آرام کے بعد تازہ دم ہو کر روزی پیدا کرنا حقیقی، واحد غرض ہے۔ جس پر یہ پابندی عائید کی گئی ہے اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ۖ تم پر پاکیزہ مال حلال کیا گیا ہے۔ حلال کماؤ اور حلال کھاؤ۔

● ۳ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا کے الفاظ میں سُورج اور چاند کے بنانے کی ایک غرض یہ بتائی گئی ہے شمسی اور قمری سال کا حساب صرف سُورج اور چاند کے ساتھ وابستہ ہے۔ کہ زمین کی مداری گردش کے مطابق زمین پر کا سال ۳۶۵ دن کا ہے۔ بالفاظِ دیگر ۳۶۵ دن کے بعد بالکل وُہی موسم لوٹ کر آجاتا ہے جو ۳۶۵ دن پہلے تھا۔ اور قمری سال ۳۵۵ دن کا ہے۔ ۳۵۵ دن کے بعد بظاہر وُہی موسم آجاتا ہے جو ۳۵۵ دن پہلے تھا۔ مگر تین سال کے بعد شمسی اور قمری سال میں ایک ماہ کا فرق پڑجاتا ہے۔ زیرِ بحث الفاظ میں اِسی چیز کی دعوتِ فکر دی گئی ہے، نہایت محتاط تجربے کی رُو سے شمسی سال ۳۶۵ دِن ۶ گھنٹے قریباً ½۳ منٹ کا ہے۔ اُوپر کے چھ گھنٹوں سے چار سال کے بعد ایک دن کا اضافہ ہو جاتا ہے یعنی لیپ کا سال ۳۶۶ دِن کا ہوتا۔ اس سے زائد ½۳ منٹوں سے چار صدیوں کے بعد مزید ایک دن کا اضافہ ہو جاتا ہے یعنی چار صدی بعد سال ۳۶۷ دن کا ہوتا ہے۔ یہ ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا کی عملی تفسیر جو صدیوں کے تجربے اور عملی حساب کی رُو سے ثابت ہو چکی ہے۔

● ۴ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ کے الفاظ میں ذٰلِکَ اِسم اشارہ بعید ہے جس کا بیان معنٰی ہے وُہ یعنی مذکورہ بالا۔ اور تقدیر، مادہ قدر سے صفت مُشبّہ ہے۔ اور جُملہ کا مفہوم یہ ہے کہ سُورج اور چاند وغیرہ جُملہ اجرام فلکی کیلئے مذکورہ بالا انداز سے دن رات اور موسموں کی تبدیلی کا قانون اُس ذاتِ مقدس کا متعین کردہ ہے جو بہت بڑھ کر غالب اور بہت بڑھ کر علم والی ہے۔ اُسی نے صحیح صحیح غلبے اور صحیح صحیح علم کے مطابق یہ قوانین مقرر فرمائے ہیں، جن میں کروڑوں سال گزر جانے کے باوجود ایک ثانیہ کا فرق کبھی نمودار نہیں ہوا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی متصلہ آیت مجیدہ میں سُورج اور چاند کے علاوہ باقی ستاروں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وُہ ریگستانوں اور سمندروں میں راستے معلوم کرنے کا فائدہ دیتے ہیں، ہم نے علم والی قوم کیلئے اپنی تنزیلی اور تکوینی آیات مُبارکہ کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری ؛۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا اور وُہی ہے جس نے بنائے واسطے تمہارے تارے تاکہ تم راہ پاؤ	اور وُہ (اللہ ہی) وُہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں تاکہ تم اُن کے ذریعہ خشکی اور سمندر میں راستے معلوم کیا کرو۔ بیشک ہم نے عقل و شعور والی قوم کے لئے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔
بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا ساتھ اُنکے بیچ اندھیروں خشکی اور سمندر کے۔ بیشک کھول کر بیان کی ہم نے	

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ ۹۸

آشتیں واسطے اس قوم کے جو جانتے ہیں

ستارے رہنمائی کیلئے ہیں ● علہ خشکی کے ریگستانوں میں راتوں کو اور سمندروں میں دن اور رات کو بروقت ستاروں کی مدد ہی سے راستے معلوم کئے جاتے ہیں۔ دُبّ اکبر، دُبّ اصغر، نیز قطب ستارہ اور قطبین کے علاوہ ستارۂ صبح اور نیم شبی وغیرہ جو خدا تعالیٰ کے مقررہ راستوں ہی پر چلتے ہیں وہ کبھی بھی انسان کو دھوکا نہیں دیتے۔ سب کے سب سمتوں کی رہنمائی کے صحیح صحیح فرائض ادا کرتے ہیں۔ قطب ستارہ کے متعلق سُورۂ نحل میں ارشاد ہُوا ہے :۔ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ $\frac{16}{16}$ اور النجم یعنی ایک مخصوص ستارہ قطبی کے ساتھ لوگ راستے معلوم کرتے ہیں :۔ یہ قطبی ستارہ ہی ہے جس کی مدد سے بڑے بڑے عظیم قطب نُما تیار کئے جا چکے ہیں۔ اور آج بحری جہازوں کے کپتان بند کمروں میں بیٹھے بیٹھے راستے معلوم کرتے ہُوئے وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ کی عملی تصدیق کر رہے ہیں کہ دن ہو یا رات، قطبی ستارہ ہر لحظہ اور ہر آن بحری مسافروں کی صحیح صحیح رہنمائی کر رہا ہے۔

● یہ تو ہُوئی ظُلُمٰتِ الْبَحْرِ میں ستاروں کی رہنمائی یہی حال ظُلُمٰتِ الْبَرِّ کا ہے کہ ریگستانی علاقوں میں جہاں منزل کے نشانِ راہ موجود نہ ہوں وہاں ریگستانوں کے مسافر رات کے اندھیرے میں قطب ستارہ کی مدد سے منزل کی صحیح سمت معلوم کر لیتے ہیں اور دن کے وقت قُطب نما کی مدد سے۔ مولا کریم نے اپنی ان نعمتوں کے تذکرہ کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں پُوری نوعِ انسانی کے پیدائشی انسانی حقوق کی وضاحت اس مخصوص انداز سے فرمائی ہے کہ پُوری نوعِ انسانی کو مخاطب کر کے اعلان کیا گیا ہے کہ تم سب ایک ہی جوہر حیات "سلالۂ ارضی $\frac{23}{12}$ سے پیدا کئے گئے ہو اور تم سب کے سب مساوی طور پر واجب التکریم ہو $\frac{70}{17}$ اور اس طرح چونکہ تم سب ایک ہی سطح کے افراد ہو اس لئے زمین میں تمہارا حقِ رہائش بھی مساوی ہے اور حقِ سامانِ زیست (ضروریاتِ زندگی) بھی متوازن و مساوی ہے :۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں سے حقیقت ایک

فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ

پھر ٹھکانہ ہے اور ضروریاتِ زندگی۔ بیشک کھول کر بیان کی آشتیں

لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ○ ۹۹

واسطے قوم غور کرنیوالوں کے

اور وُہ (اللہ ہی) وُہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہیں (اے نوعِ انسانی!) ایک ہی جنس کے جوہر ارضی سے پیدا کیا ہے پھر (تم سب کیلئے اس زمین میں ٹھکانہ بھی ہے $\frac{2}{36}$ + $\frac{7}{24}$ اور ضروریاتِ زندگی (کا مساوی حق بھی $\frac{2}{36}$ + $\frac{7}{24}$) ہے بیشک ہمنے اپنی آئتوں کو اُس قوم کیلئے جو تفقہ کرنیوالے ہیں، کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

● ملہ نفسِ واحدہ کی قرآنی تفسیر کیلئے اُن متبادل الفاظ پر غور فرمائیں جو هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ کی بجائے سُورہ مومنون میں آئے ہیں :- وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ ۝ ۲۳/۱۲ اور بیشک ہمنے انسان کو مٹی کے سُلالہ یعنی مٹی کے جوہر کی ایک ہی جنس) سے پیدا فرمایا ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ جرثومۂ حیات جس سے انسان کی ابتدا کیگئی ہے اُس میں وُہ تمام عناصر موجود ہیں جو خداوندِ عالم نے مٹی کے اندر پیدا کر رکھے ہیں۔ مثلاً مٹی میں لوہا ہے سونا ہے چاندی ہے، سیسہ ہے قلعی ہے، نمکیات ہیں، تیزابیات اور چونا وغیرہ جو کچھ بھی ہے انسانی جرثومے میں ان جُملہ عناصر کا سُلالہ یعنی اِن سب کا جوہر موجود ہے۔ مذکورہ بالا حقیقت ڈاکٹر صاحبان کے تجربات سے ثابت ہے کہ جب کسی شخص کے جسم میں اِن ارضی عناصر میں سے کسی عنصر کی کمی ہو جاتی ہے تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ اور ڈاکٹر یہ معلوم کر کے کہ اس بیمار کے جسم میں چونے کی کمی ہو گئی تو اُسے کیلشم کی ٹکیاں دیتا ہے اور اگر لوہا کم ہو گیا ہو تو آئرن ٹیبلیٹس کے ساتھ علاج کرتا ہے۔ ایک تندرُست جسم میں آٹھ سیر پانی موجود ہوتا ہے، اگر یہ کم ہو جائے تو جسم میں پانی پہنچانا لازم ہو جاتا ہے۔

● یہی حالت اِن عناصر کے جوہر (سُلالہ) کی زیادتی کی ہے۔ کہ اگر کوئی عنصر خداتعالیٰ کی مقررہ مقدار سے بڑھ جائے تو پھر بھی انسان بیمار ہو جاتا ہے اور ایسے مریض کا عَلاج بڑھے ہُوئے عنصر کو کم کر کے متوازن مقدار پر لانا ہے۔ یہ ہے نفسِ واحدہ کی قرآنی تفسیر جو سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ کے الفاظ میں خداوندِ عالم نے خود کر رکھی ہے۔ یعنی نفسِ واحدہ اور سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

● انسان کی ابتدائی پیدائش کیلئے قرآن مجید میں اور بھی مختلف الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً سورہ الصّٰفّٰت میں ارشاد ہُوا ہے اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ لَّازِبٍ ۝ ۳۷/۱۱ بیشک انہیں نوعِ انسانی کو) ہمنے چپکی مٹی میں سے پیدا کیا ہے۔ سورہ الحجر میں بتایا گیا ہے :- وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝ ۱۵/۲۶ انسان کو سڑی ہُوئی مٹی کے بدبودار گارے سے پیدا کیا۔ سُورہ الرحمٰن میں ہے :- خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ ۵۵/۱۴ انسان کو آگ میں پکی ہُوئی جیسی سڑی ہُوئی مٹی سے پیدا کیا۔

● صلصال کا معنیٰ ہے سڑی ہُوئی مٹی اور فخّار کا معنی ہے آگ میں پکی ہُوئی۔ یہ تعریف ہے اِس مٹی کی جس میں سے انسان کو پیدا کیا گیا ہے کہ یہ زمین پہلے آگ کا گولہ تھی اِس لئے اِس کی مٹی آگ میں پک کر موجودہ صُورت میں آئی تھی۔ اِس سے آگے طین کہتے ہیں پانی ملی مٹی کو۔ اور لازب کا معنیٰ ہے لیس دار یعنی چپکنے والی مٹی۔ اِس سے آگے حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ حَمَا کہتے ہیں کنوئیں کی تہ سے نکالے ہُوئے کالے بدبُودار کیچڑ کو۔ اور مَسۡنُوۡن کا معنیٰ ہے بُسا ہُوا۔ اِن معنوں کی تصدیق ۲/۲۵۹ میں نہ بُسے ہُوئے کھانے اور پانی کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں :-

• فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۲/۲۵۹ اپنے کھانے اور پانی کی طرف دیکھ کہ وہ بُسا نہیں ہے۔ پس محوّلہ بالا آیات مجیدہ ۱۱/۳۷ + ۲۶/۱۵ + ۱۴/۵۵ کے مطابق جس مٹی سے نوعِ انسانی کو پیدا کیا گیا تھا اُسکی حالت یہ ثابت ہُوئی کہ زمین، آگ کا گولہ تھا اُس سے زمین سڑ کر صلصال کالفخّار ہُوئی پھر اس پر پانی برسا تو طِیْنٍ لَّازِبٍ بنی پھر اُس پر جب سُورج کی گرمی نے اپنا اثر کیا تو بُسا ہُوا کیچڑ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ بنا۔ اور اس میں سے سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ کے ایک ہی جنس کے جرثومہ ہائے حیات، نفسِ واحدہ خداوندی قانون کے مطابق اُس شکل و صُورت میں نمُودار ہُوئے جو خلّاقِ عالم نے اُس کے اندر محفوظ کر رکھی تھی۔

• جس طرح سائنسی مشاہدات کے مطابق، بڑھ کا اتنا بڑا پُورا درخت اپنی جڑوں، تنے، ٹہنوں، ٹہنیوں، پتّوں اور پھل سمیت بڑھ کے رائی کے دانے جتنے بیج کے اندر موجود ہوتا ہے۔ اُسی طرح انسان کے خورد بینی جرثومے کے اندر اسکا پُورا جسم آنکھوں کانوں دانتوں بالوں مُنہ ناک بازووں ٹانگوں وغیرہ معہ اندرونی مشین دل، دماغ، پھیپھڑے جگر معدہ انتڑیاں وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔

• اِس سے آگے پُورے کرہ ارض پر جہاں جہاں مٹّی، صلصال کالفخار، طِیْنٍ لَّازِبٍ بن کر حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کی صورت میں بدبُودار ہو کر بُس گئی وہاں وہاں سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ، انسانی جرثومۂ حیات بُسے ہُوئے گارے میں پیدا ہُوئے اور اپنی اوّلین ماں زمین کے شکمی مراحل طے کر کے کرہ ارض کے مختلف مقامات پر ہر برّاعظم میں بہت سے مرد اور عورتیں عالم وجود میں آئے۔ اس ابتدائی کثرتِ پیدائش کی خبر سُورہ اعراف میں بالفاظ ذیل دیگئی ہے:۔

• وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ۱۱/۷ اور بیشک ہمنے تم بہت سوں کو پیدا کیا، پھر تم بہت سوں کی صورتیں بنائیں، پھر ہمنے ملائکہ کو حکم دیا کہ سب نوعِ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ پھر سب سجدہ ریز ہو گئے مگر ابلیس نہ ہُوا ـــــ اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ابتدائی تخلیق ایک شخص کی نہیں تھی بلکہ مرد عورتیں بہت سے اشخاص کی تھی۔ اِس سلسلے کا آخری سوال یہ ہے کہ جب ۱۱/۷ کے مطابق ابتدا میں بہت سے مرد عورتیں پیدا کئے گئے تھے تو پھر مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کے الفاظ کیوں لائے گئے ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ ۱۱/۷ کے مطابق یہ تصور تو کسی بھی صُورت میں پیدا نہیں ہو سکتا کہ ابتدا میں صرف ایک فرد پیدا کیا تھا اور اُس کی بیوی اُس کی پسلی سے نکالی گئی تھی۔ پھر وُہ روزانہ شوہر سے دو بچّوں کا حمل اُٹھاتی بھی تھی اور دو بچے روزانہ جنتی بھی تھی العیاذُ باللہ!۔ بلکہ یہاں نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ صفت موصوف ہے اور اس میں تنوین تعریف جنس کی ہے۔ یعنی بہت سے مرد عورتیں کرہ ارض پر ایک ہی جنس جوہرِ ارضی سے پیدا کئے گئے تھے۔ سُورہ نساءُ اور سُورہ اعراف میں نفسِ واحدہ میں مذکّر مونث کی موجودگی کی خبر دیگئی ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔

• یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا

كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۴/۱ = اے نوعِ انسانی کے مردو اور عورتو! اپنے رب کی رُبوبیت کی مخالفت سے بچو، جس نے تم کو ایک ہی جنس (زمینی جوہرِ حیات سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۲۳/۱۲) سے پیدا کیا اور اُسی جوہرِ ارضی، جرثومۂ حیات میں اُس کا جوڑا (مذکر و مونث) پیدا کیا۔ اور اُن دونوں صنفوں مذکر و مونث میں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیئے۔

کیا ہر بیوی اپنے شوہر میں سے نکلی ہوئی ہے؟

● اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں جو ھَا ضمیر برائے نفسِ واحدہ آئی ہے اُسکا معنی جنسِ واحد کیا گیا ہے اور اُسکا معنی یہ ہے نوعِ انسانی کو جنسِ واحد پیدا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کا جوڑا بھی اُسکے اندر رکھ دیا ہے یعنی جوہرِ ارضی کے واحد جنس کے جرثومۂ حیات میں مذکر و مونث بننے کی صلاحیت رکھدی گئی ہے۔ مگر روائتی تفاسیر نے نفسِ واحدہ سے مُراد لیا ہے حضرت آدم سلامٌ علیہ۔ اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں زوج بمعنی بیوی کا لیکر یہ تصوّر پیدا کیا ہے کہ حضرتِ آدم کی بیوی حضرتِ حوّا اُن کے اپنے آپ میں سے نکالی گئی تھی۔ لیکن اگر خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے مذکورہ روائتی مفہوم لیا جانا صحیح تسلیم کیا جائے کہ نوعِ انسانی کے فردِ اوّل کی بیوی اُن میں سے نکالی گئی تھی تو سُورہ روم اور سُورہ شوریٰ کی شہادت کے مطابق یہ ماننا پڑے گا کہ ہر شخص کی بیوی اُسی میں سے نکالی جاتی ہے۔ سورہ روم میں ارشاد ہُوا ہے:-

● وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا ۳۰/۲۱۔ دیکھئے نفس بمعنی اپنا آپ کیمطابق اِس کا مفہوم یہ ہے کہ:- اور اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے ہر ایک کے اپنے آپ میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ اِسی طرح سُورہ شوریٰ میں ارشاد ہُوا ہے:-

● فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ۴۲/۱۱ روائتی ترجمہ نفس بمعنی اپنے آپ اور ازواج بمعنی بیویاں کے مطابق اس آیتِ مجیدہ کا معنی بھی یہ بنتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ) آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے اس نے تمہارے ہر ایک کے اپنے آپ میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ تو اب بتائیے کہ بات کیا بنی؟ اگر ان آیتوں میں نفس بمعنی اپنا آپ لیا جائے تو خلافِ حقیقت ہے کیونکر کوئی شخص بھی دنیا میں ایسا موجود نہیں، جس کی بیوی اُس میں سے نکالی گئی ہو۔ اِس لئے روائتی تراجم نے اِن آیتوں ۳۰/۲۱ اور ۴۲/۱۱ میں اَنْفُس کا معنی جنس لکھا ہے چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اور ڈپٹی نذیر احمد اور دیگر مترجمین نے ۳۰/۲۱ کا معنی لکھا ہے:- اُس (اللہ) نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں۔ اور ۴۲/۱۱ کا معنی لکھا ہے:- اُس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے۔ پس یہاں جُملہ مترجمین نے تسلیم کیا ہے کہ ۳۰/۲۱ اور ۴۲/۱۱ میں اَنْفُس کا معنی اپنا آپ نہیں بلکہ جنسِ آدم ہے۔ اسی طرح سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۶/۹۹ میں بھی نفسِ واحدہ کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ نفسِ واحدہ میں سے اُس کی بیوی نکالی گئی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا جوڑا ابتداءِ آفرینش ہی میں اُسکی جنس کا ٹھہرا دیا تھا۔ اوپر ۷/۱۸ کے مطابق بنایا جا چکا ہے

کہ ابتداء میں ایک نفس نہیں پیدا کیا گیا تھا، بلکہ بہت سے افراد پیدا کئے گئے اور سب کے جوڑے اُن کی کبلی الکوتی جنسِ آدم میں سے ہی پیدا کئے گئے تھے۔ اگر نفسِ واحدہ سے مُراد حضرتِ آدم نبیؑ اور اُن کی بیوی اُن سے نکالی گئی مانی جائے تو ۷/۱۹۰ کے مطابق معاذ اللہ استغفر اللہ ثم معاذ اللہ استغفر اللہ اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی حضرت آدم ہی مشرک ٹھہرتے ہیں:۔

● سُورہ اعراف میں آیا ہے:۔

● هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ ۷/۱۸۹ تا ۱۹۰ ۔ اگر روائتی تصوّر کے مطابق نفسِ واحدہ سے مُراد حضرتِ آدمؑ اللہ کے اوّلین نبی لئے جائیں تو ان آیتوں کا معنی یہ بنتا ہے:۔

● وہی ہے جس نے تم کو نفسِ واحدہ (حضرتِ آدمؑ) سے پیدا کیا اور (اُس کی بیوی حوا) اُسی میں ٹھہرائی (اُسی میں سے نکالی) تاکہ وہ اسکے ساتھ سکون حاصل کرے۔ پھر جب اُس نے اُسے (بیوی کو) ڈھانپا تو اُس نے ہلکا سا حمل اُٹھالیا۔ اور اُسکے ساتھ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو (میاں بیوی) دونوں نے اللہ تعالیٰ اپنے رب کے حضور میں دُعا کی کہ اگر تو ہمیں تندرست بیٹا دے گا تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے۔ پھر جب اُس نے انہیں تندرست بیٹا عطا کیا تو اُن دونوں (میاں بیوی) نے اُس میں جو اللہ نے اُن دونوں کو (بیٹا) دیا تھا، اللہ کا شریک ٹھہرالیا۔ لوگ جس میں اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس سے بلند و بالا ہے۔ (اُس کا کوئی شریک موجود تک ہے ہی نہیں۔

● نفسِ واحدہ سے حضرت آدمؑ مراد لینے سے اُن میں سے نکالی ہوئی بیوی حضرت حوّا ثابت ہوتی ہیں۔ اسطرح اُن دونوں میاں بیوی کے متعلق ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرتِ حوّا کو پہلا ہلکا سا حمل ہوا تو اُسکے کامل اظہار پر دونوں نے دعا کی کہ بارِ الہا! اگر تو ہمیں صحتمند بیٹا عطا فرمائے تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تندرست بیٹا عطا فرمایا تو دونوں میاں بیوی (یعنی معاذ اللہ استغفر اللہ حضرت آدمؑ و حوّاؑ) نے اللہ کیساتھ شریک کیا۔ اسی ناگفتنی تصوّر کو شاہ عبد القادر دہلوی کے موضح القرآن کے الفاظ میں مترجم قرآن مجید کے حاشیوں پر معاذ اللہ استغفر اللہ بالفاظہٖ نقل کیا گیا ہے۔ اسوقت ہمارے سامنے انجمن خدام الدین کا مترجم قرآنِ عزیز موجود ہے جس پر ربطِ آیات کے نام سے مولوی احمد علی صاحب مرحوم کا حاشیہ بھی ہے اور موضح القرآن کے نام سے شاہ عبد القادر کی تفسیر بھی موجود ہے۔ اِسکے صفحہ ۸۸ پر درج موضح القرآن کا اقتباس دو حصّوں میں پیش خدمت ہے:۔

(۱) "بعض کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ و حوّاؑ پر گزرا کہ جو اوّل حمل ہوا، ابلیس ایک مرد نیک کی صورت میں آیا اور ڈرایا کہ تیرے پیٹ میں کچھ بلا ہے۔ جب دونوں دُعا کرنے لگے تب یہ کہا کہ میری دُعا سے یہ بلا بدل کر بیٹا پیدا ہو گا اُس کا نام رکھیو عبدالحارث۔ حارث شیطان کا نام تھا۔ وہی کیا۔ اِس قصّے میں پیغمبروں سے شرک ثابت ہوتا ہے، یا اس آیت میں عام مرد و عورت کو فرمایا۔ آدمؑ حوّا کو نہیں گو اوّل ذکر اُن کا ہو چکا۔"

(نوٹ) دیکھئے یہاں تک متکلم کی ضمیر زندہ و بیدار ہے۔ وہ حقیقتِ حال کی متلاشی ہے۔ چنانچہ حضرتِ آدم و حوّا کی طرف منسوب کردہ شرک کو کتنی سختی سے یہ غلط ہے۔ یہ خبر حضرت آدم کی نہیں بلکہ عوام کے مشرک مرد عورتوں کی ہے۔ یہاں تک تو اللہ کے اوّلین پیغمبر کو مشرک ٹھہرانے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ لیکن اسی اقتباس کے دوسرے حصّے میں ایک عجیب انداز کے ساتھ پھر آپ ہی کو مُجرم ٹھہرا دیا ہے۔ چنانچہ اقتباس کے اگلے دوسرے حصّہ میں لکھا ہے :۔

(۱۱) یا یُوں کہئے کہ کچھ انسانوں میں (شرک) ہونا مقدر تھا جو حضرتِ آدم میں اوّل ظہور پکڑ گیا۔ اِس میں وہ نمونۂ تقدیر تھے۔ اولاد کے گناہ اُن میں نظر آئے، جیسے کہ آئینے میں صُورت۔ چنانچہ نفس کی خواہش اور اللہ کی بے حکمی اور کہہ کر بھول جانا اور دیگر مُنکر ہونا، یہ سب اولاد کی خوئیں اِن (آدمؑ و حوّاؑ) میں نظر آ گئیں۔ (موضح القرآن شاہ عبدالقادر مرحوم کے اقتباس کے دونوں حصّے ختم ہوئے) اپنے مترجم نسخہ کے حاشیے پر ملاحظہ فرمائیں۔

● اِس اقتباس میں حضرت آدم و حوّا پر شرک کا الزام کھل کر لگا دیا گیا ہے۔ بلکہ نام نہاد تقدیر کے چکر کے نام سے آپ پر نفس کی خواہش، اللہ کی بے حکمی یعنی نافرمانبرداری، کہہ کر بھول جانے اور دیگر مُنکر ہو جانے کا الزام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر کا چکر چلا کر منسوب کر دیا ہے کہ یہ سب کچھ اُن سے اللہ تعالیٰ نے کروایا (العیاذُ باللہ!) لیکن مولوی احمد علی صاحب مرحوم اِسی صفحہ ۲۸۸ کے حاشیے پر ربطِ آیات کے ضمن میں ربط آیت نمبر ۱۸۹ میں لکھتے ہیں :۔

"تمام انسانوں کا باپ اور ماں ایک ہے دونوں بزرگوں نے ولدِ صالح کی دعا فرمائی۔ لہٰذا جس طرح غفلت میں شیطان نے اِن دونوں یا بقول بعض مفسرانِ حضرت، حوّا کو بہکایا تھا۔ اِسی طرح ہر بنی آدم کو غفلت کی حالت میں وہ انہیں اپنے قابو میں لا سکتا ہے"۔ اِس سے آگے :۔

● ربط آیت نمبر ۱۹۰ میں مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے لکھا ہے۔ "بعض حضرات مفسّرین کا خیال ہے کہ بچّے کا نام عبدالحارث (شیطان کا بندہ) حوّاؑ نے رکھا تھا۔ لیکن چونکہ اِسکے ذمّہ دار حضرت آدمؑ ہی تھے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے شرک کے عتاب میں انہیں شامل کیا"۔ ——— افسوس ہے کہ محترم لاہوری صاحب مرحوم نے بھی نفسِ واحدہ سے حضرت آدم اور زوج سے حضرت حوّا ہی مراد لیکر حضرت آدم و حوّا پر شرک کا الزام قائم رکھا ہے۔ افسوس!

● آگے بڑھنے سے پہلے اُوپر اِسی صفحہ پر دیئے گئے موضح القرآن کے اقتباس کے خط کشیدہ الفاظ نمبر ا تا ۳ پر غور فرمالیں۔ جن میں لکھا ہے کہ "اولاد کی خوئیں اُن (حضرت آدم و حوّا) میں نظر آ چکیں"۔ دیکھئے! یہ تصوّر کسقدر حقیقت سے ہٹا ہُوا ہے

کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ ماں باپ کی خوبیں نطفہ کے ذریعہ اولاد میں منتقل ہوتی ہیں۔ مگر یہاں یہ کہا گیا ہے کہ اولاد کے خونوں نے باپ دادا میں ظہور پکڑا (الٹی گنگا پہاڑوں کو جائے)۔

● پھر لکھا ہے کہ اس میں وہ (حضرت آدم وحوا) نمونۂ تقدیر تھے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خود خدا تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اُن کیلئے شرک مقدر کر دیا ہے تو پھر اُنکا شرک کا فعل، عملِ خداوندی ہُوا وہ مجرم کیوں ٹھہرے؟ یا للعجب! حقیقت یہ ہے کہ جب ایک قدم غلط اُٹھ جائے تو اُسکے بعد ہر قدم غلط اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ پہلا غلط قدم یہ اٹھ گیا کہ نوعِ انسانی کی پیدائش ایک بُت سے شروع کی گئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بتکرار ارشاد فرمایا ہے کہ ہمنے انسان کو زمین میں سے پیدا فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوں تکراری آیات مجیدہ:۔

ا۔ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ۱۱/۶۱ ہمنے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کر دیا۔

ب۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۲۰/۵۵ ہمنے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا ہے، (مرنے کے بعد) ہم تمہیں اپنی زمین میں واپس لوٹا دیتے ہیں اور (قیامت کو) اسی میں سے دوبارہ نکال لیں گے۔

ج۔ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۵۳/۳۲ وہ (اللہ) خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین میں سے پیدا فرمایا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے رحم میں بصورتِ جنین ہوتے ہو۔

د۔ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ ۷۱/۱۷-۱۸ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے اُگایا ٹھیک ٹھیک اگانا۔ پھر (تمہارے مرنے کے بعد) تمکو اسی (زمین) میں لوٹا دیتا ہے پھر وہ (قیامت کو) تمہیں دوبارہ زمین میں سے نکال لیگا صحیح صحیح نکال لینا۔

ر۔ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝ ۳۷/۱۱ بیشک انسانوں کو گیلی چکنی مٹی (دلدلی زمین) میں سے پیدا کیا۔ زمین میں سے پیدا کرنے کی درجنوں آیات مجیدہ قرآن بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مگر بُت بنا کر نوعِ انسانی کو پیدا کرنے کی کوئی ایک آیت بھی قرآن بھر میں موجود نہیں۔ پس حضرتِ آدم کے بُت بنانے کے تصوّر کا ایک قدم غلط اُٹھ جانے کی بدولت حضرت حوّا کو اُن کی پسلی میں سے نکالنے کا تصوّر کھڑا کرنا پڑا۔ پھر جو حضرتِ آدم میں سے نکلی تھی وہ بیٹی ہوگی۔ یعنی کرۂ ارض پر اوّلین نکاح بیٹی کے ساتھ واقع ہونے کا نظریۂ قائم ہُوا۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ! پھر نوعِ انسانی کی اوّلین خاتون کے متعلق یہ بتایا گیا کہ اُسے روزانہ دو بچے جننے بھی ہوتے تھے اور اُس کے بعد روزانہ شوہر سے دو بچوں کا حمل بھی اُٹھانا ہوتا تھا۔ پھر پُوری نوعِ انسانی بہن بھائی کے نکاحوں سے آگے بڑھی معاذ اللہ! ثُمَّ معاذ اللہ! - پس حضرتِ آدم کا بُت بنانے کا نظریہ تو بذریعہ نصوصِ آیاتِ قرآنیہ غلط ہے۔ نوعِ انسانی زمین سے پیدا کیگئی تھی ۱۱/۶۱ + ۲۰/۵۵ + ۵۳/۳۲ + ۷۱/۱۷-۱۸ اور کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کرلی گئی تھیں ۷/۱۱ اِس پر قرآنِ کریم نے یہ زندہ و پائندہ دلیل دی ہے:۔

• وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۳۰/۲۲ اور اُس اللہ کی نشانیوں میں سے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا اور اختلاف تمہاری بولیوں (زبانوں) کا اور تمہارے رنگوں کا کہ زمین کے جس جس خطے میں پیدا ہوئے اُسی خطے کی آب و ہوا کے مطابق رنگ پایا۔ خطِ استوا کے گرد شدید گرم زمین سے پیدا ہونیوالے لوگ کالے سیاہ ہیں، منطقہ معتدلہ کے گندمی اور منطقہ باردہ یعنی ٹھنڈی زمین میں سے پیدا ہونیوالے لوگ گورے سفید۔ اور اسی طرح جہاں جہاں پیدا ہوئے وہاں وہاں اپنی الگ الگ زبانیں وضع کر لی گئیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ۔

(نوٹ) پیچھے صفحہ ۲۲۷ - ۲۲۸ پر نقل کردہ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۹۹ کے ضمنی نوٹ ۱ سے متعلقہ نفسِ واحدہ کی تفصیل میں ہم دور نکل آئے ہیں۔ نفسِ واحدہ سے مراد حضرتِ آدم نہیں بلکہ پوری نوعِ آدم کا واحد نوعی جرثومۂ حیات مُراد ہے جو زمین میں موجود جملہ عناصر کا جوہر ہے۔ اب اسی آیت نمبر ۹۹ کے صفحہ ۲۲۷ پر دئیے گئے باقی ضمنی نوٹ بالترتیب ملاحظہ فرمائیں :۔

• ۲ فَمُسْتَقَرٌّ میں لفظ مُستقر کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ ر۔ ر = قرر جس کا مصدری معنٰی ہے قرار پکڑنا۔ ٹھکانہ کرنا، اور اسکے اسمی معنے ہیں ٹھکانہ، قرارگاہ، مکان۔ یہاں پر فی حرفِ جار محذوف ہے جو ۲/۳۶ + ۷/۲۴ میں مظہر مذکور ہے :۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ = اور اے نوعِ انسانی تم سب کے سب کیلئے آخری دم تک کیلئے زمین میں حقِ استقرار بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلّم ہے۔ پس یہاں آیت زیر بحث ۶/۹۹ میں بھی تقدیرِ کلام یہ ہے :۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ۔ پس فَمُسْتَقَرٌّ کے الفاظ میں پوری نوعِ انسانی کا پیدائشی حق بتایا گیا ہے کہ اس کا کوئی فرد کرایہ دار نہیں ہونا چاہئے، ہر کسی کا مکان بلا کرایہ میسّر ہونا چاہیئے۔ یہ ذمّہ داری مرکزی حکومت کی ہے ۲۲/۴۱ ۔

• ۳ اسی ضمن میں وَمُسْتَوْدَعٌ کا لفظ لایا گیا ہے۔ اِس کا سہ حرفی مادہ ہے و۔ د۔ ع = ودع جس کا بُنیادی معنٰی ہے سُکھ آرام اور مصدری معنٰی ہے سُکھ آرام، امن سے رہنا۔ اسلئے مُسْتَوْدَع ظرفِ مکان کا معنٰی ہے سُکھ اور آرام کی جگہ۔ جو صرف اُسی معاشرہ میں میسّر آتی ہے جہاں پوری نوعِ انسانی کے ضروریاتِ زندگی کے بنیادی پیدائشی حقوق قانوناً متوازن و مساوی تسلیم کئے گئے ہوں۔ پس مستودع سے پوری نوعِ انسانی کا ضروریاتِ زندگی کا متوازن و مساوی حق ثابت ہے، جیسے کہ ۲/۲۹ میں ارشاد ہوا ہے :۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۲/۲۹ اے نوعِ انسانی! وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، وہ سب کا سب تم سب کے سب کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ اِس آیت مجیدہ لَكُمْ کی ضمیر جمع مخاطب میں پوری نوعِ انسانی مراد ہے اور جَمِيْعًا کے لفظ میں کھول کر بتایا گیا ہے کہ زمین میں پیدا کردہ ہر چیز تم سب کے سب یعنی پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے یعنی زمین

کی مجملہ نعمتوں کا ہر فردِ انسانی کو میسّر آنا ہر فردِ انسانی کا پیدائشی حق ہے۔

● مستقرّ اور مستودع کے یہی الفاظ سورہ ھود میں ہر جاندار کے پیدائشی حقِ رزق کا اعلان کرنے کے بعد لائے گئے ہیں :- وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ۝ ۱۱/۶ = اور نہیں ہے زمین میں کوئی بھی جاندار مگر سب کیلئے (رزق کے سامان پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ اللہ خوب جانتا ہے اُس کے رہنے کی جگہ کو اور وہ اُس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی خوب جانتا ہے۔ یہ سب کچھ بصورتِ مشہود اسکی کھلی کتابِ کائنات میں موجود ہے۔

حیوانات کا حصولِ رزق

● اس آیتِ مجیدہ ۱۱/۶ میں اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ہر کسی جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے اِس تصوّر کے مطابق کیا کسی کو حصولِ رزق کیلئے کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیئے ؟ واضح رہے کہ مَا مِنْ دَآبَّةٍ میں ہر جاندار شامل ہے اور رزق سے متعلقہ اعلان كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ کے الفاظ میں کر دیا ہے کہ ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری کا مشاہدہ اُسکی کھلی کتابِ کائنات میں موجود ہے۔ مثلاً جنگل میں ہر صبح کو ہر جاندار روزی کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔ چڑیا، کوّے، فاختائیں، بلّیاں کتّے، حتّٰی کہ چیونٹیاں تک رزق کی تلاش میں کوشاں ہو جاتے ہیں۔ جنگلی جانور شیر، چیتے، بھیڑیئے، لومڑ، گیدڑ شکاری جانور بھی تلاشِ رزق میں نکل پڑتے ہیں اِسی طرح ہرن، جنگلی بکرے اور جنگلی گائیں سب کے سب خود تلاشِ رزق کرتے ہیں۔

● خدا تعالیٰ نے اپنی رزق کی ذمہ داری کے مطابق ہر قسم کے جنگلی جانوروں کیلئے جنگل میں اُن کے رزق کے سامان مہیا کر دئے ہیں۔ شکاری جانوروں کیلئے جنگل میں شکار کا سامان موجود ہے۔ غیر شکاری جانوروں کیلئے جنگل کی وسیع و عریض چراگاہیں اللہ تعالیٰ کا بچھا ہوا دسترخوان ہے، مگر ہر جانور کو حصولِ معاش کے لئے خود اُٹھنا، جنگل میں جانا اور خوراک حاصل کرنا ہوتی ہے۔ پس رزق کے اللہ کے ذمہ ہونے اور كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ کی عملی شکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لئے سامانِ رزق مہیا کر دیا ہوا ہے مگر اس کے حصول کے لئے ہر جاندار کو خود کوشش کرنا ہوتی ہے۔

● لیکن اِن جنگلی جانوروں میں سے جن جانوروں یعنی گائیں، بھینسیں، گھوڑے، گدھے، بھیڑ بکریاں وغیرہ جن جانوروں کو انسان نے جب اپنے فائدوں کیلئے جنگل سے لاکر کھونٹے پر باندھ لیا ہے۔ تو مشاہدہ گواہ ہے کہ اب اُنکے متعلق خدا تعالیٰ کی ذمہ داری ختم ہو چکی اب اِن کھونٹوں سے بندھے ہوئے جانوروں کو چارہ اور پانی دینا کھونٹے پر باندھنے والے کے ذمہ آچکا ہے۔ اگر کھونٹے پر بندھی ہوئی گائیں بھینسیں اور باڑوں میں ڈھکی ہوئی بھیڑ بکریوں کی خواہ بھوک پیاس کی بدولت بالشت بھر لمبی زبانیں نکلی ہوئی ہوں یا خواہ وہ بھوک پیاس کی شدّت کی بدولت دم تک کیوں نہ توڑ دیں انسان ہی دانہ پانی دیتا ہے نہ کہ اللہ۔

انسانوں کا حصولِ رزق

• بالکل یہی حالت ہے حضرتِ انسان کی کہ ابتداء میں غاریں اسکا مسکن تھا اور آم انار انگور شہتوت انجیر زرد آلو آلوچے، خوبانیاں اور ناشپاتیاں وغیرہ درختوں کے سینکڑوں قسم کے پھل اور خربوزے تربوز، ککڑیاں اور کھیرے متعدد قسم کے زمینی پھل اسکی خوراک تھی۔ اسکے بعد غاروں سے نکل کر میدانوں کی کھلی فضا میں آیا تو پہلے پہل درختوں کے نیچے بسیرا کیا اور اس کے بعد کچی جھونپڑیاں بنا کر قبائلی زندگی شروع کی اور آہستہ آہستہ اچھی قسم کے مکان بنانے لگا۔ حتیٰ کہ اس تکلیف کے دفعیہ کے لئے ریاستی نظام کی ضرورت پیش آئی کہ طاقتور افراد کمزوروں کا مال اسباب چھین کر لے جاتے مگر کمزوروں کی دادرسی کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ ان ضروریات کے ماتحت ریاستی نظام عالم وجود میں آیا۔

• بڑھتی ہوئی آبادی کی غذائی ضرورتوں کے لئے باری تعالیٰ نے زراعت کیلئے وافر رزق کی فراہمی کے تمام ذرائع مہیا کر رکھے ہیں۔ زمین کے اندر فصلوں کو اگانے کی خصوصیت مہیا کر دی ہوئی ہے۔ فصلوں کو بڑھانے اور پکانے کیلئے سورج کی بہت بڑی بھٹی دہکا رکھی ہے۔ پھر موسموں کی تبدیلی اور رات دن کے بدل بدل کر لانے کا انتظام کیا مختلف موسموں کی مختلف فصلوں کو اگانے اور پکانے کے لئے انتظام کر رکھا ہے۔ فصلوں کو سیراب کرنے کیلئے بارشیں اور دریا موجود ہیں۔ فصلوں کو بارشوں کے ساتھ بھی سیراب کیا جاسکتا ہے اور دریاؤں سے نہریں نکال کر بھی یہ ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رزق کی ذمہ داری کہ اگرچہ اس نے حصولِ رزق کے سارے سامان مہیا کر دئے ہیں مگر حصولِ رزق کے سامان مکمل کرنے کے باوجود ہل چلانا، فصلیں بونا، کاٹنا اور گاہنا حضرتِ انسان کا اپنا کام ہے۔

• اس سے آگے يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا کے الفاظ میں ہر جاندار کی رہائش کو جاننے کی خبر دی گئی ہے۔ پرندے درختوں پر رہتے ہیں انکی رہائش کے لئے درخت مہیا کر دئے گئے ہیں۔ لیکن گھونسلا بنانا یہ ان کا اپنا کام ہے۔ جنگلی جانور غاروں یا خود کھودی ہوئی کچھاروں میں رہتے ہیں۔ ان کے لئے بنی بنائی بےشمار غاریں بھی مہیا کر دی گئی ہیں اور نرم زمین بھی۔ اسکے علاوہ انسان کو چونکہ ترقی پسند پیدا کیا ہے جو نہ غاروں پر اکتفا کر سکتا ہے نہ کچے کوٹھوں اور نہ عام پختہ مکانوں پر۔ اسلئے خلاقِ عالم نے اس بھری کائنات میں اسکی تسکینِ ضروریات کیلئے کچی مٹی کے گارے کے علاوہ اس کے لئے سیمنٹ بجری اور لوہا وغیرہ ہر چیز کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ نئی سے نئی اور اعلیٰ سے اعلیٰ بلڈنگوں کا مشاہدہ، کائنات کی کھلی کتاب میں موجود ہے۔

• مُسْتَوْدَعَهَا میں مستودع کا سہ حرفی مادہ و۔ د۔ ع ہے جس کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کو بنا بٹ آسانی کیساتھ چھوڑ دینا۔ اسی لئے کسی مقام سے بطریقِ احسن چلے جانے کیلئے بھی ودع ہونے کے الفاظ آتے ہیں اور اہلِ مقام یا اہلِ خانہ کا اپنے مقام یا اپنے گھر سے بحسن وخوبی مہمان کو رخصت کر لے کو ودع کرنا کہا جاتا ہے۔ اور اس وقت مہمان کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے کہا جاتا ہے فی امان اللہ۔ مستودع کا لفظ اسم مفعول واحد مذکر بھی ہے اور ظرفِ مکان بھی ہے (دیکھئے

قاموس القرآن صفحہ ۵۱۲) یعنی اس کا معنیٰ سونپا ہُوا بھی ہے اور سونپے جانے کی جگہ بھی ہے۔ سابقہ مفسّرین نے مستقرّ کا معنیٰ لیا ہے ماں کا پیٹ جہاں بچہ صرف ۹ ماہ رہتا ہے، قرار پکڑتا ہے اور لفظ مستودع کا معنیٰ لیا گیا ہے قبر جس کو میّت سونپی جاتی ہے۔ چونکہ یہ الفاظ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا کے تحت یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا کی صورت میں آئے ہیں اِس لئے اپنے اپنے بنیادی معنوں کے مطابق ہر دآبّہ کے رزق اور رہائش سے متعلق ہیں۔ اِس لئے مستقرّ اور مستودع کا معنیٰ ماں کا پیٹ اور قبر صحیح نہیں ہے بلکہ زمین کے ہر جاندار کی زمینی زندگی میں اس کی ضروریات رہائش اور خوراک کو اللہ تعالیٰ کی ذمّہ داری قرار دینے کی خبر دی گئی ہے۔

● نیز اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے مسئلۂ مستقرّ اور مستودع کو سمجھنے کیلئے اعلان کر دیا ہے کُلٌّ فِی کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ یہ زمین کے ہر جاندار کے مستقرّ (رہائش گاہ) اور مستودع (سونپے جانے کی جگہ) کا مشاہدہ کائنات کی اس کھلی ہُوئی کتاب میں موجود ہے۔ بالفاظِ دیگر مشاہدہ بتا رہا ہے کہ خلّاقِ عالم نے کس طرح ہر جاندار کے مستقر کا مسئلہ حل کر دیا ہُوا ہے اور کس طرح بعض جاندار انسانوں کو سونپے گئے ہیں اور انسان ریاستی نظام کو سونپے گئے ہیں۔ غور فرمائیں کہ گائیں بھینسیں، بھیڑ بکریاں اور گھوڑے گدھے وغیرہ سب جنگلی جانور ہیں، جو جنگل سے نکال کر انسان کو سونپے جا چکے ہیں۔ یہ جانور جب تک جنگل میں تھے۔ خدا تعالیٰ کی رزق کی ذمّہ داری یہ تھی کہ اُس نے چراگاہیں اور چشمے پیدا کر رکھے ہیں۔ یہ خود رزق کی تلاش میں نکلتے اور کھلی چراگاہوں سے پیٹ بھرتے اور قدرتی چشموں سے سیراب ہوتے تھے۔ لیکن جب حضرتِ انسان نے اِنہیں اپنی ذمّہ داری میں لے لیا اور اپنے کھونٹے پر باندھ دیا تو اب اِن کے رزق کی ذمّہ داری انسان کے ذمّہ آئی، اِس کو سونپی گئی۔ اب اِن کے لئے چارہ لانا اور اِن کے آگے ڈالنا، خود انسان کا کام ہے اگر کبھی ایسا ہو کہ کوئی گائے بھینس دھوپ میں بندھی ہو۔ پیاس کی شدت سے اُس کی بالشت بھر زبان نکلی ہُوئی ہو۔ مالک صحن کو تالہ لگا کر چلا گیا اور بھُول گیا ہو کہ اُس کا جانور دھوپ میں بندھا ہُوا ہے۔ تو ایسا کبھی نہیں ہُوا کہ اُس جانور کو اللہ تعالیٰ پانی پلا دے یا چارہ کھلا دے۔ خواہ وُہ تڑپ تڑپ کر جان دے دے۔ وہی شخص اُسے چارہ کھلائے گا اور پانی پلائے گا جس نے اُسے اپنے کھونٹے پر باندھا ہوتا ہے۔ یہ ہے کھونٹے پر بندھے ہُوئے جانوروں کا مستودع (یعنی اُن کے سونپے جانے کی جگہ۔

● یہی حال ہے ریاستی کھونٹوں کا، کہ ہر ریاست کے عوام الگ الگ ریاستی کھونٹوں پر بندھے ہُوئے ہیں۔ یہ اُن کا مستودع ہے۔ وہ ہر ریاست کے جائز و ناجائز ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ریاست کا ہر حکم ماننے کیلئے مجبور ہوتے ہیں۔ جس طرح گائیں بھینسوں گھوڑوں گدھوں کو کھونٹے پر باندھنے والا نہ صرف اُن سے کام لینے اور فائدہ اُٹھانے کا حقدار ہے، بلکہ اُن کے رزق و رہائش دونوں کا ذمّہ دار بھی ہے، اُسی طرح ہر ریاستی نظام، ریاستی کھونٹے پر بندھے ہُوئے عوام سے نہ صرف ٹیکس وصول کرنے اور اپنا ہر حکم منوانے کا مستحق ہے بلکہ ہر فردِ ریاست کی ضروریاتِ زندگی رہائش، خوراک لباس علاج

اور تعلیم کا ضامن بھی ہے کہ وُہ ایسا نظام قائم کرے جس کی کم از کم یہ حالت ہو کہ اُس کے اندر نہ کوئی بھُوکا ہو نہ ننگا' اور نہ کوئی بے مکان (یعنی کرایہ دار) اور نہ بے علاج و بے تعلیم ہو۔

مُستَودَع کا متبادِل قرآنی مفہوم | • واضح رہے کہ قرآن فہمی کے قرآنی اصولِ تصریفِ آیات کی رُو سے مستودع کا مذکورہ معنیٰ ہی صحیح ہے سونپے جانے کی جگہ، کیونکہ اسکا متبادل لفظ ۲/۳٦ + ۷/۲۲ کے دو مقامات پر مُستَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ کے انداز میں مَتَاع بمعنیٰ ضروریاتِ زندگی موجود ہے۔ اور یہاں مُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ آیا ہے۔ اُوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ فردِ ریاست کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری ریاستی نظام کی ہے' جس نے زمین کا انتظام سنبھال رکھا ہوتا ہے کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں زمین ہی کے ذریعہ نعماءِ خداوندی عطا (رحمت) کئے جانے کی خبر دی گئی ہے:-

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ[1]

اور وہی ہے جو نازل کرتا ہے سے آسمان سے پانی

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ

پھر نکالتے ہیں ہم ساتھ اسکے انگوری ہر چیز کی پھر نکالتے ہیں ہم سے اسکے

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ

سبزہ نکالتے ہم سے اسکے دانے تہ بتہ سوار اور سے درخت کھجور

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ

سے شگوفے گچھے جھکے ہوئے اور باغات سے انگور کے

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ

اور زیتون اور انار باہم ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ[2] وَيَنْعِهٖ[3] ؕ اِنَّ

غور کرو طرف پھل اسکے جب وہ پھلتا ہے اور پکنے اسکے بیشک

فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ ۱۰۰

بیچ مذکورہ بیان البتہ نشانیاں ہیں واسطے قوم ماننے والی

اور وہ (اللہ ہی وہ عظیم الشّان ذات) ہے جو آسمان سے پانی نازل کرتا ہے[1]۔ پھر ہم اُس کے ساتھ ہر قسم کی نباتات پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہم نکالتے ہیں اُس سے سبزہ۔ نکالتے ہم (ہر قسم کی اجناس کے) دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہُوئے ہوتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں سے اُن کے شگوفے نکالتے ہیں جھکے ہُوئے گچھوں کی صُورت میں۔ اور (ہم اُس پانی کے ساتھ) باغات پیدا کرتے ہیں انگوروں کے اور (روغنی ضروریات کیلئے) زیتون کے درخت' سے (یہ سب اناج اور میوے) آپس میں ملتے جلتے ہوتے بھی ہیں اور نہ ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں۔ (رنگوں میں بھی اور ذائقوں میں بھی متماثل اور غیر متماثل)۔

اور غور کرو (اناج کے پودوں اور پھلدار درختوں کے) پھلوں پر جب وہ پھل لاتے ہیں[2] اور (غور کرو) اُس کے پکنے پر[3] بیشک مذکورہ بالا بیان میں ماننے والی قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں[4]۔

• [1] اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً میں اَنْزَلَ فعل ماضی ہے۔ لیکن قواعدِ عرب کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کا ذکر اگرچہ ماضی کے صیغے میں بیان کیا جائے مگر اُسکا معنیٰ مضارع حال جاریہ کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ اِسلئے اَنْزَلَ کا صحیح معنیٰ ہے وہ اللہ ہی ہے جو آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔

• ۵ بارش کے پانی کے ساتھ اناج اور میوے پیدا کرنے کی خبر دینے کے بعد دعوت دی گئی ہے: اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۔ غور کرو کہ اناج کے پودے کس طرح پھل دیتے اور پھلدار درخت کس طرح میوں سے لد جاتے ہیں۔ یہ بھی سب کچھ اُسکے قوانینِ جاریہ کے مطابق ہوتا ہے کہ زمین اچھی، بیج صحتمند اور فصل کے جُملہ لوازمات مہیا کئے جائیں تو فصل عمدہ اور زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر زمین ناقص یا بیج بیمار بو دیا جائے تو اناج نہ اچھا پیدا ہوتا ہے نہ باافراط۔

• ۶ وَيَنْعِهٖ کے الفاظ میں اِس چیز کی طرف دعوت تفکّر دی گئی ہے کہ دیکھو پھر جب فصلوں اور درختوں میں پھل لگتا ہے تو اسوقت کچا اور سبز ہوتا ہے، پھر وہ کس طرح پک کر سُنہری رنگت اختیار کرتا ہے۔

• ۷ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ کے جُملہ مُبارکہ میں دعوت دیگئی ہے کہ زیرِ نظر بحث کے ہر لفظ میں اُس قوم کیلئے جو کتابِ الٰہی پر ایمان لانیوالی ہے بہت سی نشانیاں ہیں۔ مثلاً سب سے اوّل آسمان سے بارش برسانے کی خبر میں یہ مشاہداتی نشانات موجود ہیں کہ سُورج کی تمازت کے ساتھ سمندروں، دریاؤں، نہروں، جھیلوں اور جوہڑوں کا پانی ہر آن بخارات بن کر اُڑتا رہتا ہے۔ حتّیٰ کہ یہ آبی بخارات اِس فضاءِ بسیط میں ہوا کا جزوِ مخصوص بنتے رہتے ہیں۔ جب یہ چھوٹے چھوٹے آبی قطرے ٹھنڈے منطقے میں پہنچتے ہیں تو آپس میں مل کر جب بوجھل ہو جاتے ہیں تو بارش کی صُورت میں برس پڑتے ہیں۔

• بارش کے برسنے کی متعدد وجہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ زوردار گرمی کے دنوں میں جس طرح کسی خطّے میں زمین کی ہوا گرم ہو کر ہلکی ہو جاتی ہے تو وہ اُوپر کو اٹھ جاتی ہے۔ اور اس خلا کو پُر کرنے کیلئے سمندر کی ٹھنڈی نمناک ہوا زور سے آتی ہے اور پہاڑوں سے ٹکرا کر برس پڑتی ہے۔

• دوسرے نمبر پر آیت زیرِ بحث میں بارش کے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور اُسکے ساتھ ہر قسم کا اناج اور پھل پیدا ہونے اور پھر سُورج کی تمازت کیساتھ اُن کے بڑھنے اور پکنے پر دعوتِ تفکّر دیگئی ہے کہ اُن مخفی قوانین کا سراغ لگایا جائے کہ فصلیں کیوں خراب ہو جاتی ہیں۔ اور درختوں کے پھل کیوں پکنے سے پہلے ہی خراب ہو کر جھڑ جاتے ہیں۔ جن قوموں نے اِس قرآنی دعوت پر لبیک کہہ کر قوانینِ جاریہ کے مخفی راز معلوم کر کے انہیں اپنا لیا ہے وہ ایک ایک موسم میں دو دو تین تین بھرپور فصلیں حاصل کر رہے ہیں۔ اور اُن کے باغوں کے میوے انتہائی مثالی مقدار میں پھل دے رہے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال مزید ترقی پذیر ہے۔ گندم کی بڑھتی ہوئی پیداوار، قرآن کریم کی خبر کے مطابق ایک ایک دانے کے سات سات سو دانے مطابق ۲/۲۶۰ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز سبع یعنی سات کا عدد عربی زبان میں مبالغہ کے لئے بھی آتا ہے، اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر دعوتِ خداوندی کے مطابق زمینی پیداوار کے ضمن میں خداوندی قوانین کے مخفی رازوں کو معلوم کرنے کی کوشش بدستور جاری رہی تو ایک ایک دانے کے بدلے ان گنت دانے میسّر آیا کریں گے، سات سو کا عدد مبالغہ کے لئے آیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور فصلوں کو صحتمند اور بے انتہا کثیر مقدار میں عطا کرنے کیلئے اُوپر سے بارش

کے قطروں میں ہائیڈروجن اکسائیڈ، امونیا اور کاربن ڈائی اکسائیڈ جیسی گیسیں پیدا کرنے کا انتظام کر رکھا ہے جو بارش کے قطروں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ یہ گیسیں پیدا ہوتی ہیں مویشیوں کے گوبر پیشاب اور انسانی بول و براز سے اور ذبح کردہ جانوروں کے خون اور مردہ جانوروں کے گوشت اور عام گندگی کے گلنے سڑنے سے اور ان کے گلے سڑے اجزا سے قسم قسم کے کھاد تیار ہوتے ہیں۔

● ان فصلوں اور پھلوں کو پکانے کیلئے سورج جیسی عظیم بھٹی کا دہکانا بھی جو ہر چیز کی زندگی کیلئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہے اِس پر بھی دعوتِ تفکر دی گئی ہے۔

سائنسی معلومات کو نہ ماننے والے اور ان پر عمل نہ کرنیوالے ان سے کوئی فائدہ نہیں پا سکتے

● آیتِ مجیدہ زیرِ بحث کے اخیر میں جو کہا ہے کہ ان چیزوں میں نشانیاں اُس قوم کے لئے ہیں جو ان کو ماننے والے ہیں۔ کہ کائنات کے اس گوشے سے بھی اللہ تعالیٰ کے مقررہ قوانین کے مطابق ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اِس کے برعکس جو لوگ پھلوں اور فصلوں کی روز افزوں افزائش کے قانونِ خداوندی پر ایمان نہیں لاتے اور صرف یہ کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت ہے کہ اس سال فصل ماری گئی ہے۔ وہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت تو اللہ کے خود متعینہ قوانین ہیں۔ جب ہم سے غیر شعوری طور پر ان کے مطابق عمل ہو جاتا ہے تو اللہ کی قدرت سے وافر فصل حاصل ہوتی ہے اور جب اُن کی مخالفت ہو جاتی ہے، تو فصل ماری جاتی ہے یا بہت کم ہوتی ہے۔

غیر اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہرانا

● مذکورہ بالا قوانینِ خداوندی سے بے خبری کا نتیجہ یہ ہے کہ جب فصل کم ہوتی ہے تو لوگ بھاگتے ہیں پیروں فقیروں اور تعویز فروشوں کی طرف مگر جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے متعینہ قوانینِ جاریہ کے خلاف محض دعاؤں یا تعویز گنڈوں کے ساتھ حصولِ مقصد کا تصوّر دے رکھا ہے، یا صرف دعاؤں اور دم چھو کو قوانینِ خداوندی کا بدل بنا کر پیش کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے شریک قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کے خلاف ایسے لوگوں سے حصولِ مقصد کے لئے رجوع کرنے والوں کو مشرک قرار دیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ان شریک ٹھہرانے والوں نے بعض لوگوں کو اللہ کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور بعض کو بیٹیاں۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹوں کی سفارش تو رد نہیں کرے گا۔ دیکھئے ارشادِ باری ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ

اور ٹھہرائے واسطے اللہ کے شریک چھپنے والوں کو اور پیدا کیا ان کو

وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ

اور ٹھہرائے واسطے اس کے بیٹے اور بیٹیاں بغیر جاننے کے پاک ہے وہ

اور (انہوں نے) اللہ کے لئے شریک (جنّوں کو) جو خلوتگاہوں میں چھپے رہتے ہیں، حالانکہ انہیں اُس نے پیدا کیا ہے (اللہ نے) اور خود انہوں نے لاعلمی کیساتھ (بعض نے مسیح و عزیز کو بطور بیٹے) اللہ کے بیٹے ٹھہرا لیا ہوئے اور بعض نے دلات و عزیٰ کو بیٹیاں ۱۰۰/۵۲

وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ ۱۰۱ ع ۱۲/۶ ۱۸
اور بلند شان اس سے جو صفات بیان کرتے ہیں

کو) اُسکی بیٹیاں - پاک ہے وہ اور بلند شان ہے اس سے جو صفات وُہ بیان کرتے ہیں -

جنّوں کی بحث

● ملا جنّوں کے متعلق مشہور ہے کہ وُہ دکھائی نہیں دیتے - قرآن مجید میں اس چیز کا کوئی ذکر اور اشارہ تک موجود نہیں - پھر اگر ایک سیکنڈ کیلئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کوئی اتنی بے وقوف مخلوق دُنیا میں موجود ہے کہ جب کوئی عورت اُنکے باورچی خانے میں پیشاب کرنے لگتی ہے تو اُسے منع نہیں کرتے کہ بی بی یہ ہمارا باورچی خانہ ہے، یہاں پیشاب نہ کر - مگر جب وُہ پیشاب کر دیتی ہے تو اُسے چمٹ جاتے ہیں - اور خلوت نشینوں کی چاندی ہو جاتی ہے جو جنّ نکالنے کا دھندا شروع کئے ہوئے ہوتے ہیں - حقیقتِ حال یہ ہے کہ اگر کوئی نہ دکھائی دینے والی مخلوق ہے تو یہ امر صد فیصد ناممکن ہے کہ اُن کا باورچی خانہ اور ان کے برتن بھی دکھائی نہ دیں - پھر اُن کے بدن کے کپڑے بھی دکھائی نہ دیں نیز اُن میں سے مسلمانوں کی مسجدیں اور کافروں کے بُت خانے بھی دکھائی نہ دیں -

● عربی زبان میں لفظ جن کا سہ حرفی مادہ ج - ن - ن جنن ہے اسکا بنیادی معنی ہے، چُھپا ہُوا یا چُھپ جانے والا - عربی زبان میں دیہاتیوں کو اسلئے جن کہتے ہیں کہ وہ شہروں میں آتے اور چلے جاتے چُھپ جاتے ہیں - حضرت سلیمانؑ کے پاس کام کرنے والے غیر ملکی کاریگروں کو جو آپ کے ہاں ڈاٹ دار عمارتیں، نقشے، تالابوں جتنے بڑے بڑے پانی کے ٹینک اور ایک ہی جگہ پر پڑی رہنے والی بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے ۳۴/۵ - اُنہیں بھی اسلئے جنّ کہا گیا ہے کہ وہ آتے اور چلے جاتے چُھپ جاتے تھے - اُن میں سے جو کوئی حضرتِ سلیمانؑ کی قانون شکنی کرتے اُنہیں سخت سزا دی جاتی تھی ۳۴/۴ - اُنہیں لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تھا - ۳۸/۳۸ - پس یہ بھی غلط ہے کہ جنّ شکلیں بدل لیتے ہیں ورنہ قیدی جنّ مکھی مچھر بن کر اُڑ جاتے - مزعومہ جنّوں کے عدم وجود کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ موجود ہوں تو اُن کے جسم کے کپڑے، اُن کے برتن اُنکی مسجدیں اُن کے بُت خانے ضرور دکھائی دینے چاہیں - چونکہ ایسا نہیں ہے اِس لئے مزعومہ جنّوں کا کوئی وجود موجود نہیں - فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ -

● آیت زیرِ بحث میں اُن لوگوں کو جنّ کہا گیا ہے جن سے لوگ مدد مُراد مانگتے ہیں — وُہ اپنی خلوتگاہوں میں چُھپے رہتے ہیں اور لوگوں کا مال کھانے کے لئے دَم جھاڑ، تعویذ دھاگا وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کے حاجت روا بنے ہوتے ہیں - ان کے علاوہ ہر وہ لوگ جنّ ہیں جو خود آرامگاہوں میں چُھپے رہتے ہیں اور عوام کی کمائی پر عیش کرتے ہیں یہی حال جاگیرداروں زمینداروں اور مل مالکوں کا ہے کہ جلتی ہوئی دھوپ میں کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں مزارعے اور مزدور مگر اُن کی خون پسینے کی کمائی پر عیش اُڑاتے ہیں آرامگاہوں میں چُھپ کر بیٹھنے والے جاگیردار، زمیندار اور مل مالک - نیز مُلّا اور پیر جو حُجروں میں چُھپے رہتے ہیں اور سادہ لوح عوام کی کمائی پر پلتے ہیں، وہ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں - نفسِ امّارہ بھی چُھپا ہُوا جنّ ہے جس نے بزبانِ حال کہا کہ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے - غصّے کی آگ اِسی کا حصّہ ہے -

انسان جنّ

● اسی سورہ انعام زیرِ نظر میں آگے آرہا ہے :- وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۶/۱۱۲ — اور اسی طرح ہمنے شہری اور بدوی شیطانوں کو ہر ایک نبی کے دشمن پایا تھا جو عوام کو دھوکا دینے کیلئے آپس میں ایک دوسرے کے ذہن میں ملمع کی ہوئی باتیں ڈالتے ہیں (یعنی ایسی جھوٹی باتیں جن کے ظاہری چیستانیات پر وہم زدہ قوم کو خوب لوٹا جا سکے۔ اس آیت مجیدہ میں دیہاتی اور شہری دونوں قسم کے علمائے مُراد ہیں جو دیو مالائی کہانیاں اور تراشیدہ کراماتیں ایک دوسرے کے کانوں میں پھونکتے اور سادہ عوام کو سُنا سُنا کر اُن کی جیبیں کاٹتے ہیں۔ اور یہ شیاطین الانس والجن نوعِ بشری ہی کے شہری اور بدوی شیطان ہیں۔
فَافْهَموا وَتَدَبَّروا -

شہروں اور دیہاتوں کے جنّ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ایک دوسرے سے فائدے اُٹھاتے ہیں -

● اسی سُورہ مجیدہ الانعام کی آیت نمبر ۱۲۹ میں آگے آرہا ہے کہ قیامت کو جن وانس کو کہا جائیگا :- يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۶/۱۲۹ = (قیامت کے دن کہا جائیگا) اَے گروہ جنّوں کے (یعنی خانقاہ نشینوں اور حجرہ نشینوں کے) تم نے (سادہ لوح) انسانوں سے بہت فائدہ اٹھایا۔ تو انسانوں میں سے جنّوں کے دوست یہ کہیں گے کہ اَے ہمارے پروردگار ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا یہانتک کہ ہم پر (موت کی وہ) گھڑی آگئی جو تُو نے ہمارے لئے مقرر کر رکھی تھی۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق ہمارا سوال یہ ہے کہ دیہاتیوں اور شہریوں کے سوا اور کونسے جن وانسان ہیں جو ایکدوسرے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

مُجرم انسان جنّوں کے ہاں جاکر پناہ بھی لیتے ہیں -

● حضرت موسیٰؑ کی اُمّت کے وہ یہودی جنّ جنہوں نے آنحضورؐ سے قرآن سُنا اور دیہاتی یہودیوں میں جاکر تبلیغ کا کام شروع کر دیا، اُن کے متعلق سُورہ احقاف میں درج ہے :- وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۔ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ ۴۶/۲۹-۳۰ = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (اَے رسولؐ!) اللہ تعالیٰ آپ کی طرف دیہاتی یہودیوں (جنّوں) کے ایک گروہ کو پھیر لایا۔ جب (آپ کے درس میں) حاضر ہوئے تو ایک دوسرے کو کہا کہ سُنو اور جب درسِ قرآن ختم ہو گیا تو بُرے اعمال سے ڈراتے ہوئے قوم کی طرف مُڑ گئے اور یہ کہا کہ اَے ہماری قوم بیشک ہمنے ایک کتاب سُنی ہے جو (تورات کی پیشگوئی کے مطابق) موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنیوالی ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنیوالی ہے۔

● اِسی دیہاتی انسانوں (جنّوں) کا قول سُورہ جنّ میں درج ہے :- وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ

بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۲/۶ اور (انہوں نے کہا) یہ کہ انسانوں میں سے کچھ مجرم مرد (جنوں) دیہاتیوں کے جنّ مردوں سے پناہ لیتے ہیں۔ پھر وہ پناہ دینے والے جن (دیہاتی لوگ پناہ دے کر) انہیں ان کی سرکشی میں اضافہ کردیتے ہیں ـــــ بالفاظ دیگر شہروں میں جرم کر شہری مجرم (انسان) دیہاتی جرائم پیشہ افراد جنّوں کے ہاں جاکر رُوپوش ہوجاتے ہیں۔ اور جب کیس خرد بُرد کرا لیا جاتا ہے تو پھر شہر میں آدھمکتے ہیں۔ ان آیات کریمات میں بھی جنّ و انسان نوعِ آدمی کے دو حصے ہیں دیہاتی اور شہری۔

جنّ سواریوں کے محتاج ہیں

• جنّوں کے متعلق یہ تصوّر بھی از روئے قرآن غلط ہے کہ جن یہاں سے ہاتھ بڑھا کر کشمیر کے باغ سے سیب توڑ کر لے آتے ہیں۔ کیونکہ سورہ الرحمٰن میں جنّوں اور انسانوں دونوں کو مخاطب کرکے کہا ہے:- وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئَاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ ۵۵/۲۴-۲۵ اور اللہ تعالیٰ کے جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح (چلتے ہیں) پھر اے جنّ و انسان تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ـــــ اس آیت مجیدہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنّوں کی راہ میں کوئی دریا اور سمندر حائل ہی نہیں، یعنی وہ ہاتھ بڑھا کر لنڈن اور واشنگٹن سے ضرورت کی چیزیں لاسکتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے ساتھ ساتھ جنّوں کو کشتیوں اور جہازوں کا احسان جتانا بے معنی ثابت ہوتا ہے، حالانکہ ایسے فعل وعمل سے اللہ تعالیٰ پاک و منزہ ہے۔

جنّوں اور انسانوں کی خوراک ایک ہے

• سورہ الرحمٰن ہی میں ارشاد ہُوا ہے:- وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ ۵۵/۱۰-۱۳ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو مخلوق کیلئے بنایا ہے۔ اس میں میوے ہیں اور گابھوں والی کھجوریں ہیں۔ اور بھُس والے غلہ جات ہیں اور خوشبو والے پھُول موجود ہیں۔ پھر اے جنّ و انسان تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ۵۵/۱۰تا۱۳ اِن آیات مجیدہ سے ثابت ہے انسانوں کی طرح جنّوں کی خوراک بھی غلے اور پھل ہیں۔ ہڈیاں، کوئلے اور لید گوبر کو جنّوں کی خوراک تسلیم کرنا خلافِ قرآن ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے غلے اور پھل وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد جن و انسان دونوں کو ارشاد ہُوا کہ تم دونوں ہماری اِن نعمتوں کو استعمال کرتے ہو۔ تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اگر جنّ ہڈیاں کوئلے اور لید گوبر کھاتے ہیں تو انہیں گندم چاول، آم، انار، انگور وغیرہ کا احسان جتانے کے کیا معنے؟ جنّ و انسان کے ایک ہی نوعِ آدم ہونے کے دلائل سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ بہت سے دلائل میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں۔ سلسلۂ درس کی آیتِ بالا ۶/۱۰۱ میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں نے حجرہ نشینوں اور خلوت نشین حضرات کو خدا تعالیٰ کے شریک بنا رکھا ہے، یعنی جو کام اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین جاریہ پر عمل کرنے سے انجام ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم وہ کام دم جھُو، تعویز گنڈوں وغیرہ سے کر دیتے ہیں۔ اور ساتھ

ہی نجات کیلئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بنا رکھی ہیں۔ اِن میں سرِفہرست ہیں یہود و نصاریٰ جنہوں نے حضرات عزیر و مسیح سلام علیہما کو خدا کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور پھر بُت پرستوں نے بہت سی دیویاں بنا کر انہیں اللہ کی بیٹیاں ٹھہرا لیا ہُوا ہے۔ اُن کی غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی سفارش رد نہیں کرے گا اور بلا اعمالِ صالح ہماری اُخروی نجات ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت مجیدہ میں اپنے لئے بیٹوں اور بیٹیوں کی نفی اِس طرح کردی ہے کہ خود اُس کے ہاں بھی اُس کے قانونِ زوجیت کے بغیر بیٹا نہیں ہو سکتا:۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ
اکیلا بنانیوالا آسمانوں اور زمین کا۔ کس طرح ہوگا واسطے اسکے

وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ
بیٹا جبکہ ہرگز نہیں واسطے اسکے بیوی۔ اور پیدا کیا ہر چیز کو

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ۱۰۲
اور وہ ہر چیز کو خُوب خُوب جاننے والا ہے

(اللہ وُہ ہے جو) آسمانوں اور زمین کو پہلی مرتبہ[۱] اکیلا ہی بنانیوالا ہے۔ اُس (اکیلے) کے بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اُسکی بیوی ہی ہرگز نہیں ہے[۲]۔ (بیٹے کیلئے زوجیت کا قانون اُس کا اپنا مقرر کردہ ہے) حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے[۳]۔ (اُس نے ہر قانون اپنے علم کامل کے مطابق متعین فرمایا ہے)۔

اولاد کیلئے زوجیت کا قانون خود اللہ تعالیٰ کا متعین فرمودہ ہے

● [۱] لفظ بدیع اللہ تعالیٰ کیلئے صفت مشبّہ بصیغہ واحد لائی گئی ہے۔ اور مفہوم یہ ہے، اسکا بنیادی معنی ہے کسی چیز کو از سرِ نو پیدا کرنا۔ پس ظاہر ہُوا کہ اِتنی بڑی کائنات تو اللہ تعالیٰ اکیلے نے بنا ڈالی ہے مگر اُس کے اکیلے کا بیٹا نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کا اپنا متعینہ قانون بیٹے کیلئے زوجیت کا قیام ہے۔ مگر چونکہ اُس کی کوئی جنس ہی موجود نہیں اسلئے نہ اُسکی بیوی ہے اور نہ اُس کے ہاں بیٹا پیدا ہو سکتا ہے۔

● [۲] لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ کے جُملہ مبارکہ میں مضارع پر لَمْ داخل ہُوا ہے۔ اِسے فعل ماضی جحد بلم کہا جاتا ہے جو تاکید در تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی اللہ کی بیوی ہے ہی نہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔

● [۳] وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوانینِ جاریہ اِس کائنات میں متعین فرمائے ہیں، بغیر جانے بوجھے متعین نہیں فرمائے۔ وہ تو ہر چیز کو خُوب خُوب جاننے والا ہے۔ اِس لئے اُس کے متعین فرمودہ قوانین میں کبھی بھی نہ کوئی کمی اور بیشی ہے کہ کل کو اُن میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت لاحق ہو جائے۔ یعنی اس کے متعینہ قوانین قیامت تک کے بدلتے ہُوئے حالات کا بدستور ساتھ دیتے چلے جائیں گے۔ المختصر! باری تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی اپنے متعینہ قوانین کا پابند ثابت کر کے اپنے دعووں کی تصدیق فرما دی ہے:۔

● لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۴ = اللہ تعالیٰ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

• لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۱۱۶/۶ = اللہ تعالیٰ کے قوانین کو کوئی بدلنے والا ہے ہی نہیں۔
• مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۲۹/۵۰ میرا قانون خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا۔
• چنانچہ سلسلۂ درس اگلی آئت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے مذکورہ بالا صفات والا یعنی اپنے قانون کو خود بھی کبھی نہ توڑنے والا اللہ پاک ہے تمہارا رب، حاجتروا اور مشکلکشا۔ اس کے سوا کوئی خالق نہیں اُسی کی فرمانبرداری کیا کرو:۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
مذکورہ اللہ ہے رب تمہارا نہیں لائق فرمانبرداری مگر وہی

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
پیدا کرنیوالا ہر چیز کا پس حکم مانو اسی کا اور وہی ہے اوپر ہر

شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۱۰۲
چیز کے کارساز

مذکورہ بالا صفات والا اللہ (جو مطلقاً قانون شکن نہیں) تمہارا حاجتروا، مددگار ہے۔ اُس کے سوا (دنیا بھر میں) کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ اور وہ (اکیلا ہی بغیر کسی معاون کے) ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ پس تم صرف اُسی کی فرمانبرداری کرو — اور وُہی (اکیلا) ہر چیز کا کارساز ہے۔

اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی عقل اُسے پا سکتی ہے

• سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ کا تعلق پیچھے آئت نمبر ۱۰۰ کے ساتھ ہے جس میں خبر دیگئی ہے کہ لوگوں نے حجرہ اور خلوت نشینوں کو اللہ کے شریک بنا رکھا ہے۔ اِس حقیقت سے مطلقاً جائے انکار نہیں وہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور ہم مریدوں کو دکھا بھی سکتے ہیں۔ سادہ لوح مرید خدا تعالیٰ کو دیکھنے کے شوق میں پیروں کے قدموں پہ مال و دولت نچھاور کرتے اور زندگی بھر اسی چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے اگلی آئت مجیدہ بالوضاحت اعلان کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ نہ دیکھنے کی چیز ہے اور نہ سمجھنے اور پانے کی۔ انسان کی کیا بساط ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے۔ یہ تو ہُوا کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ حضرت موسیٰ کتاب لکھوانے کیلئے طور پر گئے تو ساتھیوں کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی التجا کر دی رَبِّ اَرِنِيْ ۱۴۳/۷ لیکن جواب ملا لَنْ تَرٰنِيْ۔ تُو ہرگز نہیں دیکھے گا۔ اِس طرح جب اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے تو من و شما کس شمار و قطار میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکنے کا قرآنی اعلان عام بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ
نہیں ادراک کرتی اسکو آنکھیں اور وہ ادراک کرتا ہے

(اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ) اُس اللہ کو نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ بصیرتیں اُسے سمجھ سکتی ہیں۔ اور وہ تمام

الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ ۱۰۳

آنکھوں کا　اور وہ بہت باریک بین بہت باخبر ہے

آنکھوں کو دیکھتا بھی ہے اور تمام بصیرتوں کو سمجھتا بھی ہے۔ اور بہت بڑھکر باریک بین اور بہت بڑھکر خبر والا ہے۔

● اس آیۂ مبارکہ میں ایک مخصوص علمی نکتہ موجود ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں :۔

● ابصار بصر کی جمع ہے بمعنی آنکھ۔ اور آنکھ کا کام ہے دیکھنا۔ اسکا کام ادراک و فہم نہیں۔ ادراک دماغ کا کام ہے۔ یہاں ابصار پر مصدر ادراک سے تُدْرِكُ فعل مضارع معروف لایا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس آیت کے الفاظ ابصار بصیرت و بصارت یعنی مادہ ب۔ ص۔ ر کے ان دونوں گوشوں پر حاوی ہیں۔ اور مطلب صاف ہے چونکہ مصدر ادراک کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے اسلئے اس مصدر کے مطابق مادہ بصر سے بصیرت مُراد ہے کہ کوئی بصیرت (عقل و فہم) اللہ تعالیٰ کو پا نہیں سکتی، سمجھ نہیں سکتی۔ اور اسی طرح ابصار کا معنٰی چونکہ آنکھیں ہے، اسلئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ آنکھیں اُسے دیکھ نہیں سکتیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ چھوٹے ظرف میں بڑی چیز ہرگز سما نہیں سکتی۔ اِس لئے نہ اس محدود کھوپڑی میں لامحدود ذات آسکتی ہے کہ اُسے سمجھ سکے کہ وہ کیا ہے؟ اور نہ یہ محدود آنکھ جو ہوا تک کو نہیں دیکھ سکتی، اُس انتہائی انتہائی اور بہت بہت بڑھ کر لطیف ذات کو دیکھ سکتی ہے۔

انسان کا اللہ تعالیٰ کیساتھ تعلق محض عبودیت کا ہے

● اب رہا یہ سوال کہ جب ہم خدا تعالیٰ کو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ احاطۂ ادراک میں آسکتا ہے تو اُس کا اور ہمارا باہمی تعلق کیا ہے؟ اس کا جواب ۶/۱۰۲ ہی میں موجود ہے :۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ = وہ کائنات کی ہر چیز کا خالق ہے۔ وہ تمہارا بھی خالق ہے تم اس کی مخلوق ہو، پس اُس کی فرمانبرداری کرو۔ اُسکا قانون مانو۔ اسی حقیقت کا اعلان ۵۱/۵۶ میں کیا گیا ہے کہ جن و انسان صرف اور صرف فرمانبرداری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں :۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ پس آیات بالا کی روشنی میں انسان اس لئے نہیں پیدا کیا گیا کہ حجروں، خلوتگاہوں، غاروں اور جنگلوں میں چلہ کشی کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کو ڈھونڈتا پھرے، بلکہ اُس نے اعلان کر رکھا ہے اِنِّيْ قَرِيْبٌ ۲/۱۸۶ میں قریب ہوں۔ کتنا قریب؟ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۵۰/۱۶ اور ہم تو اُسکی رگِ جان سے بھی قریب ہیں۔

● پس جو ذاتِ پاک ہر انسان کی رگِ جان سے بھی قریب ہے اُسے جنگلوں اور صحراؤں، پہاڑوں اور غاروں میں ڈھونڈتے پھرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اہلِ تصوف کی طرف یہ بھول بھلیاں ہیں کہ آؤ ہم تمہیں خدا دکھاتے ہیں یا خدا سے ملاتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے جہاں ۲/۱۸۶ + ۵۰/۱۶ میں اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اور رگِ جان سے بھی قریب ہے اُسی نے مطلع کر دیا ہے کہ انسان خود خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے قریب ہونے کا ایک اکیلا نسخہ بتا دیا گیا ہے :۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ کا پورا پورا فرمانبردار ہو جا اور اُس کے قریب ہو۔

● سطورِ بالا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کا تعلق صرف خالق و مخلوق کا ہے۔ جو اتباعِ قانون پر

قائم رہتا ہے۔ انسان صرف اللہ کی فرمانبرداری کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو اسکے باوجود ادھر اُدھر کی باتوں کیساتھ سادہ لوح عوام کو پیری مریدی کے چکر میں پھنسانے کی کوششیں بدستور جاری ہیں۔ اِسی لئے اگلی آئت میں ارشاد ہُوا کہ قابلِ قبول صرف دلائل قرآنیہ ہیں :۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ
بیشک آئے تمہارے پاس روشن دلائل طرف سے رب تمہارے پھر جو

اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ
سمجھے تو واسطے جان اسکے اور جو اندھا ہوا تو اوپر سے اسکے اور نہیں

اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۞ ۱۰۵
مَیں اوپر تمہارے نگہبان

(اے رسولؐ! اعلان کر دیجئے گا کہ) بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (قرآنِ کریم کی صورت میں) روشن دلائل آ گئے ہیں۔ پھر جو کوئی اِسے سمجھے (اور اس پر عمل کرے) تو اس کی جزا اسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی (اس قرآن سے) اندھا ہو جائے اُسکا وبال اسکی اپنی جان پر ہوگا۔ اور مَیں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔

آنحضورؐ بحکمِ خداوندی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ درسِ قرآن دیا کرتے تھے

● آیاتِ بالا ۶/۱۰۱ تا ۱۰۵ کو باہم متوصّل کرنے اور ایک کی روشنی میں دوسری آئت پر غور کرنے سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان میں اُمّت کے متعدد و پیچیدہ مسائل کا حل دے دیا گیا ہے۔ مثلاً بے باپ کی پیدائش کے ضمن میں زوجیت کا ایسا اٹل قانون کہ بھری کائنات کو اکیلے بنانے والے اللہ کے ہاں بیٹا اسلئے نہیں ہو سکتا کہ اسکی بیوی کوئی نہیں۔ دوسرے نمبر پر خدا تعالیٰ کو ڈھونڈنے اور دیکھنے کیلئے تصوّف کی خاردار وادیوں میں سرگردان پھرنے، خلوت نشینوں کی حاشیہ برداری اور ملّت کے ایک حصّے کو امّت پر بوجھ بنائے رکھنے کا وہ دروازہ ہی بند کر دیا گیا ہے کہ وہ تو تنکا توڑ کر دو دو انہ کریں اور پلنگوں پہ بیٹھے زندگی بھر عیش اڑاتے رہیں۔ اور اندھیر گردی کی سند قرآنِ کریم سے حاصل کیا کریں۔ اسی کے انسداد کے لئے قرآنِ کریم کو سمجھنے اور پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کا واحد طریقہ آنحضور سلام علیہ کو بتایا گیا ہے تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کیساتھ تدبّر کرنا۔ چنانچہ اگلی آئت میں ارشاد ہُوا ہے :۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا
اور اسی طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں آئتیں اور تاکہ وہ کہیں

دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ
خوب سمجھایا تو نے اور تاکہ ہم خود اسکی تبیین کر دیں واسطے قوم کے

يَّعْلَمُوْنَ ۞ ۱۰۶
جو جاننے والوں کے۔

اور (اے رسولؐ!) اسی طرح (مذکورہ بالا طریقے سے ہم اپنی آئتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ (تاکہ آپ تصریفِ آیات کیساتھ درسِ قرآن دیا کریں) اور لوگ کہہ اٹھیں کہ آپ نے خُوب خوب سمجھا دیا ہے۔ (اور تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ ہے) تاکہ ہم اس (قرآن) کی خود تبیین کر دیں اُس قوم کیلئے جو جانتے ہیں کہ (قرآن کی تبیین اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے)۔

درسِ قرآن بتصریفِ آیات القرآن

• علہ وَلِيَقُولُوْا دَرَسْتَ کا لفظی معنی یہ ہے "تاکہ لوگ کہہ دیں، پکار اٹھیں، کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے" یہ جملہ مبارکہ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ کے بعد آیا ہے کہ ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں (تاکہ تصریفِ آیات کی غرض پوری ہو) یعنی درسِ قرآن اور جاننے والوں کیلئے تبیینِ قرآن واضح ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضورؐ کی سنتِ مبارکہ تھی تصریفِ آیات کیساتھ درسِ قرآن دینا اور حاضر لوگ طریقۂ تفہیم پر بے ساختہ پکار اٹھتے تھے کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے۔

مسئلۂ تبیینِ قرآن

• وَلِنُبَيِّنَهٗ کے الفاظ میں تصریفِ آیات کی جو دوسری غرض یہ بتائی گئی ہے کہ ہم اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر اس لئے لاتے ہیں تاکہ ہر مسئلہ سے متعلقہ آیات مجیدہ کو مختلف انداز والفاظ کیساتھ لاکر قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں۔ واضح رہے کہ تبیینِ قرآنِ کریم کا مسئلہ نہایت اہم بھی ہے، مگر صدیوں سے الجھا ہوا بھی ہے۔ علمی حلقوں میں کہا جاتا ہے قرآنِ کریم کی تبیین، تفصیل اور تشریح آنحضورؐ کے ذمہ ہے۔ اور اس پر سورہ نحل کی آیت ذیل پیش کی جاتی ہے۔

• وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۱۶/۴۴ - اس آیت مجیدہ کا مفہوم عرض کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اس آیت میں انزالِ قرآن کی غرض بتائی گئی ہے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ تاکہ اے رسولؐ آپ لوگوں کے لئے اس کی تبیین کر دیں۔ مگر آیت زیرِ بحث ۶/۱۰۶ میں تصریفِ آیات کی غرض بتائی گئی ہے لِنُبَيِّنَهٗ تاکہ قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں۔ تو اس طرح دیکھنا یہ ہے کہ ۶/۱۰۶ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے دعوے کے مطابق قرآنِ کریم کی تبیین خود کر دی ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر کر دی ہوئی ہے تو پھر ۱۶/۴۴ کے الفاظ لِتُبَيِّنَ سے کیا مراد ہے تاکہ یہ تضاد دور ہو جائے کہ تبیینِ قرآن اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے یا آنحضورؐ کے ذمہ۔

• اس سوال کا جواب اس شخص کے ذہن میں تو اس کے سوا نہیں آسکتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ۶/۱۰۶ کے الفاظ لِنُبَيِّنَهٗ میں فریضۂ تبیینِ قرآن اپنے ذمہ لے لیا ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وہ وعدہ کر کے اُسے وفا نہ کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ۶/۱۰۶ کے وفاءِ وعدہ کی خبر بھی ۲/۱۵۹ میں کھلے لفظوں میں دے دی ہوئی ہے، جس سے کوئی اہلِ علم اور اہلِ ایمان انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:- اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ ۲/۱۵۹ بیشک ہم نے جو واضح دلائل کے ذریعہ ہدایت نازل فرمائی ہے (قرآن مجید) جو لوگ اُسے اسکے بعد چھپاتے ہیں کہ ہم نے اُس کی تبیین لوگوں کیلئے اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر کر دی ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے بیزار ہے اور بیزار ہونیوالے بھی اُن سے بیزار ہیں۔

• دیکھئے! اس آیت مجیدہ ۲/۱۵۹ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم نے اپنی واضح دلائل پر مشتمل ہدایت بھری کتاب قرآنِ کریم کی تبیین خود کر دی ہوئی ہے اور اپنی کتاب قرآنِ کریم کے اندر کر دی ہوئی ہے۔ اب آیئے آیت مجیدہ ۱۶/۴۴ کی طرف جس کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی تبیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضورؐ کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ لیکن اوّل تو لوگ ایسا تصور دینے والے کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتے جس میں بائے بِسْمِ اللّٰهِ سے سینِ والنَّاس تک آنحضورؐ کی ہوئی تبیینِ قرآن موجود ہو۔ بالفاظِ

دیگر ۱۶/۴۴ سے یہ تصوّر پیدا کرکے کہ قرآنِ کریم کی تبیین آنحضورؐ کا فرض قرار دگئی ہے، معاذ اللہ معاذ اللہ! آنحضورؐ کو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ثابت کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا فرض ادا نہیں فرمایا۔ مگر آئت نمبر ۶/۱۰۶ + ۲/۱۵۹ کے مطابق جن میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے کہ قرآنِ کریم کی تبیین ہمنے خود اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر کر رکھی ہے اور آئت مجیدہ ۶/۱۰۶ کے مطابق جس میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ ہمنے قرآنِ کریم کی تبیین خود بذریعہ تعریفِ آیات کردی ہوئی ہے۔ آئت مجیدہ ۱۶/۴۴ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ پہلے اس کا متن ملاحظہ فرمائیں :- وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(ترجمہ) اور (اے رسولؐ!) ہمنے اپنا نصیحت نامہ قرآنِ کریم آپکی طرف اسلئے نازل فرمایا ہے کہ آپ (تعریفِ آیات ۶/۱۰۶ کے ذریعہ) اسکی تعین فرمایا کریں کہ اُن کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے اور تاکہ لوگ خود بھی اُس پر تفکّر کریں (اور پکار اٹھیں کہ آپ نے خُوب خُوب سمجھا دیا ہے پلیز)

● اِسی مفہوم کی وضاحت سورہ نحل کی آئت نمبر ۱۶/۶۴ میں بالفاظِ ذیل بھی موجود ہے :-

● وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۶/۶۴

اور (اے رسولؐ!) ہمنے آپ کی طرف نہیں نازل فرمائی اپنی کتاب مگر صرف اسلئے کہ آپ (بذریعہ تعریفِ آیات ۶/۱۰۶) لوگوں پر کھول کھول بیان کردیں وہ مسائل جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اُس قوم کیلئے جو ماننے والے ہیں، اِس میں ہدایت بھی موجود ہے اور رحمت بھی موجود ہے۔ واضح رہے کہ :-

● اِن آیاتِ کریمات میں آنحضورؐ کے ذمّہ لگایا گیا ہے کہ آپ بذریعہ تعریفِ آیات لوگوں کو قرآنِ کریم کی وہ تبیین بصُورتِ درسِ قرآنِ کریم سمجھائیں جو ۲/۱۵۹ کے اعلانِ خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم کے اندر کر رکھی ہے اور ۶/۱۰۶ کے مطابق بذریعہ تعریفِ آیات کر رکھی ہے۔ چنانچہ محوّلہ بالا آیاتِ کریمات کے مطابق آنحضورؐ زندگی بھر تعریفِ آیات کے ذریعہ لوگوں کو درسِ قرآن دیتے رہے تھے اور لوگ پکار اٹھتے تھے کہ آپنے خُوب سمجھا دیا ہے وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ ۶/۱۰۶

● تبیینِ قرآن مِن جانب اللہ کا اعلانِ عام قرآنِ کریم میں ذیل کے الفاظ میں معمولی تغیّر کیساتھ بتکرارِ کثیر موجود ہے۔

● كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ ۲/۱۸۷ + ۲/۲۲۱ + ۲/۲۴۲ + ۲/۲۶۶ + ۳/۱۰۳ + ۵/۸۹ + ۲۴/۱۸ + ۲۴/۶۱ اور (اسی طرح اللہ اپنی آیتوں کی لوگوں کیلئے خود تبیین کرتا ہے تاکہ لوگ ہر قسم کے خطرات سے بچ جائیں۔

قرآن مجید کی تفسیر بھی خود اللہ نے کردی ہے

● سورہ فرقان میں ارشاد ہوا ہے :- وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝ ۲۵/۳۳ (اے رسولؐ!) لوگ آپکے پاس اس قرآن کی مثال ہرگز نہیں لائینگے۔ مگر ہم ہی ہیں جو آپکے پاس حق (قرآنِ کریم) بھی لاتے ہیں اور اسکی احسن تفسیر بھی ہم ہی لاتے ہیں۔ واضح رہے کہ تفسیر اور تشریح مترادف الفاظ ہیں۔ قرآنِ کریم کا مفسّر بھی اللہ تعالیٰ ہے اور شارح

بھی وہ خود آپ ہے ۲۵/۳۲۔

قرآن مجید کی شرح بھی خود اللہ تعالیٰ نے کردی ہے

● تبیین و تفسیر اور تشریح کے بعد باری آتی ہے قرآن کریم کی شرح کی، اس کے متعلق بھی قرآن کریم نے سورہ شوریٰ میں واضح کردیا ہے کہ اپنے دین کا شارع بھی خود اللہ تعالیٰ ہے:۔

● شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى ۴۲/۱۳ اس (اللہ) نے خود شرح کردی ہے تمہارے لئے اپنے دین کی وہی شرح جس کا حکم نوح کو دیا اور وہی شرح جو (اے رسول!) ہمنے آپکی طرف وحی فرمائی ہے اور وہی شرح جس کا حکم ہمنے ابراہیمؑ کو، موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو دیا تھا۔ اس آیت مجیدہ سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ آنحضورؐ سمیت سب کے سب نبیوں کو ایک ہی دین اور اُس کی ایک ہی شرح دی گئی تھی۔ اور اپنے دین کا شارع خود آپ اللہ تعالیٰ ہے۔ اِسی سورہ شوریٰ میں اللہ کے دین کے غیر اللہ شارعین کو خدا تعالیٰ کے شریک کہا گیا ہے:۔

● اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ ۴۲/۲۱ کیا لوگوں نے اللہ کے شریک بنا لئے ہیں جو اُن کے لئے دین کی شرح کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز ہرگز اجازت نہیں دی۔ اور اگر (فیصلے کے دن) کا اعلان نہ کر دیا ہوا ہوتا تو دین کے شارع ٹھہرانے والوں کا (فوراً) فیصلہ کر دیا جاتا۔

(نوٹ) واضح رہے کہ سلسلہ درس کی آیت مجیدہ زیر نظر ۶/۱۰۶ کے دو ضمنی نوٹ زیر بحث آ چکے ہیں جن میں درس قرآن بتصریفِ آیاتِ القرآن اور تبیین و تفسیر اور تشریح و تشریحِ قرآن کے عنوانات پر مفصل بحث گزر چکی ہے کہ تصریفِ آیات قرآنیہ کی غرض ہے تبیینِ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ نے خود کردی ہے اور اپنی کتاب کے اندر کردی ہے۔ نیز ان مسائلِ تبیینِ قرآن، تفسیرِ قرآن اور تشریح و تفہیمِ قرآن پر سے پردے اُٹھ چکے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم کے اندر کر رکھا ہے۔ آیت مجیدہ زیر بحث کے آخری ضمنی نوٹ کی وضاحت باقی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

● نمبر ۳ آیت مجیدہ ۶/۱۰۶ کا آخری جملہ ہے وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اور تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ ہے کہ ہم قرآنِ کریم کی تبیین خود بذریعہ تصریفِ آیات کر دیں اُس قوم کیلئے جو جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کردی ہے اور بذریعہ تصریفِ آیات کردی ہے ـــــــ آیت مجیدہ کے ان آخری الفاظ میں اس امر کا اعلان کردیا ہے کہ قرآنِ کریم کی تبیینِ خداوندی سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو پہلے یہ تسلیم کریں کہ قرآنِ کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کردی ہے اور کتاب کے اندر کردی ہے ۲/۱۵۹ اِس کتاب لاریب کی تفسیر تشریح تشریح اسی کتاب لاریب کے اندر موجود ہے۔ کتابِ لاریب کی تفسیر و تبیین کوئی ایسی کتاب ہرگز نہیں کر سکتی جسے لاریب کی خداوندی سند حاصل نہ ہو۔ جو لوگ کتابِ لاریب کی تفسیر و تبیین باریب کتابوں میں

سے تلاش کرینگے وہ حقیقتِ قرآنیہ کو ہرگز نہیں پاسکیں گے اور ایسی تفسیروں میں اُلجھ کر رہ جائیں گے جن کا قرآنِ کریم سے ساتھ دُور کا تعلق بھی نہیں ۔ جیسے کہ سورہ احزاب کی آئت نمبر ۶۹ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا گیا ہے کہ آنحضورؐ کو اُس طرح ایذا نہ دینا جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو دی تھی ؛ ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا ؕ ۳۳/۶۹ ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی پھر اللہ تعالیٰ نے اُس چیز سے موسیٰؑ کو بری کردیا جو انہوں کہا ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے نیکوکار اور بڑے وقار انسان تھے ۔

● بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کو جو ایذائیں دیں اُن سے قرآنِ کریم بھرا پڑا ہے ۔ فوجی ٹریننگ کیلئے حضرت نے بحکم باری بجو غذائیں منّ وسلویٰ کھانے کی پابندی لگائی، اُس کی بجائے گندم، مسور، پیاز وغیرہ طلب کرنے لگے ۔ حضرت موسیٰؑ کوہِ طُور پر کتاب لکھوانے گئے تو یہ لیکر سامری کے بچھڑے کو معبود بنالیا کہ موسیٰ کا معبود یہی ہے ۲۰/۸۸ مگر اللہ تعالیٰ نے اُس بچھڑے کو ذبح کرا کے اُن کے بہتان سے حضرت موسیٰ کو بری کردیا ۔ لیکن اس آئت ۳۳/۶۹ کی تفسیر بخاری شریف جلد دوم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۸۹۵ پر کتاب التفسیر میں یہ لکھی ہے :۔

(اردو ترجمہ) "حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام بہت ہی حیادار اور شرمیلے تھے ۔ یہانتک کہ کسی کے سامنے نہاتے بھی نہ تھے ۔ اِسی آئت میں اِسی قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے "۔ ذیل کی روائتی تفسیر کیساتھ محض تقابل کیلئے پیشِ خدمت ہے)۔

پتھر کپڑے لے بھاگا

● یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قصہ کیا ہے جسکی طرف بخاری شریف کے الفاظِ بالا کے مطابق اشارہ کیا گیا ہے ۔ وہ بھی خود بخاری شریف جلد اوّل کے صفحہ ۱۸۴ پر بالفاظِ ذیل موجود ہے :۔

(اردو ترجمہ) "حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روائت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں بنی اسرائیل برہنہ غسل کرتے تھے ۔ ایک دوسرے کو دیکھا جاتا تھا ۔ اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کرتے تھے ۔ تو بنی اسرائیل نے کہا کہ واللہ! موسیٰؑ کو ہم لوگوں کے ہمراہ غسل کرنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ وہ فتق (خصیہ کی بیماری) میں مبتلا ہیں ۔ اتفاق سے ایک دن موسیٰؑ غسل کرنے لگے اور اپنا لباس پتھر پر رکھ دیا ۔ وہ پتھر ان کا لباس لیکر بھاگا ۔ اور حضرت موسیٰؑ بھی اُس کے تعاقب میں یہ کہتے ہوئے دوڑتے گئے ثَوْبِیْ یَا حَجَرُ ثَوْبِیْ یَا حَجَرُ ۔ اے پتھر میرے کپڑے دیدے ۔ اے پتھر میرے کپڑے دیدے ۔ یہانتک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کو دیکھ لیا اور کہا کہ واللہ (موسیٰؑ کو کچھ بیماری نہیں ہے ۔ تب پتھر ٹھہر گیا ۔ موسیٰ نے اپنا لباس لیا اور پتھر کو مارنے لگے ۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (حضرت موسیٰؑ کی مار سے) پتھر پر چھ یا سات نشان اب تک باقی ہیں" یہ ہے نمونہ کتابِ لاریب کی اُس تفسیر کا جو کتبِ باریب سے کیگئی ہے ۔

واجب الاتباع صرف قرآنِ کریم

● سلسلۂ درس کی آئت زیر بحث ۶/۱۰۶ میں محولہ بالا متعدد وضاحتوں کے بعد اگلی

آیت مجیدہ میں آنحضور ؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ صرف اُس کتاب کی اتباع کیجئے جو آپ کی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل کیگئی ہے۔ اُس کے سوا یا اُسکے ساتھ ساتھ کسی اور کتاب کی اتباع کرنے کو شرک قرار دیا گیا ہے :۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ
اور پیروی کر جو وحی کیا گیا طرف تیری سے رب تیرے نہیں

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ۱۰۶
حاکم سوائے اسکے اور منہ موڑ لے سے مشرکوں

اور (اے رسول!) پیچھے پیچھے چلئے گا اُس (کتاب) کے جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے قابل نہیں۔ اور مشرکوں سے اعراض فرمائیے (جو غیر منزل کتابوں کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کیساتھ غیروں کو حکم شریک کرتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۚ وَمَا جَعَلْنٰكَ
اور اگر چاہتا اللہ زبردستی نہ شرک کرتے اور نہیں بنایا ہمنے آپکو

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ
اوپر ان کے نگہبان۔ اور نہیں آپ اوپر اُن کے کارساز

۱۰۸ ○

اور اگر اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت (زبردستی ہدایت دینا ہوتا تو لوگ شرک نہ کرتے۔ اور ہمنے (اے رسول!) آپکو لوگوں پر نگہبان نہیں بنایا کہ (زبردستی ہدایت دیں) اور نہ ہی آپ لوگوں کے کارساز ہیں (لوگوں کے بگڑے ہوئے کام قانون مشیت کے مطابق سنورتے ہیں)۔

دُوسروں کے معبودوں کو بُرا نہ کہو

● مذاہبِ عالم کا قاعدہ ہے کہ جہاں نظریات کا معمولی سا اختلاف پیدا ہوا حجت مغلوب الغضب ہو کر آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ لی اور زبانوں کو بے لگام چھوڑ کر فریق مخالف کی نہ صرف یہ کہ ذاتیات پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیا بلکہ اُسکے معبودوں اور بزرگوں کو بھی بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے جیسے کہ پیچھے $\frac{6}{104}$ عقل و بصیرت کیساتھ غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اُسی طرح سُورہ یوسف میں آنحضور ؐ کی سُنت کے مطابق عقل و بصیرت کی اساس پر دعوت الی اللہ کا حکم دیا گیا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِيْرَةٍ $\frac{12}{108}$ اے رسولؐ! کہہ دیجئیگا کہ میری سنت یہ ہے کہ میں عقل و بصیرت کی اساس پر اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں اِسی طرح :۔

● سُورہ نحل میں بھی آنحضور ؐ کی سنتِ مبارکہ بتائی گئی ہے :۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ $\frac{16}{125}$ (اے رسولؐ!) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئیگا حکمت کیساتھ اور احسن طریقہ کی نصیحت کیساتھ۔

● سُورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو حکم ہوا :۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا $\frac{20}{44}$ فرعون کیساتھ نرمی کیساتھ گفتگو کرنا۔

● سُورہ احزاب میں حکم دیا گیا ہے قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ $\frac{33}{70}$ ایمان والو! صاف اور سیدھی بات کیا کرو۔

● سورہ حٰم سجدہ میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ $\frac{41}{34}$ نیکی اور بُرائی باہم برابر نہیں ہیں۔ بُرائی کو اُس نیک سلوک کیساتھ دفع کیا کرو جو احسن طریقہ ہے اسی ضمن میں سلسلہ درس کی اگلی آیت

مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے جھوٹے معبودوں کو بھی بُرا نہ کہو :—

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اور نہ برا کہو جنہیں لوگ پکارتے ہیں سے سوائے
اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ
اللہ کے تو وہ برا کہیں گے اللہ کو عداوت سے بغیر علم کے۔ اسی طرح
زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ
مزین پایا ہم نے واسطے ہر امت کے عمل ان کا۔ پھر طرف رب ان کے
مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۹
لوٹ جانے کی جگہ ہے پھر وہ خبر دیگا انہیں ساتھ جو تھے وہ عمل کیا کرتے

اور (ایمان والو!) اُن لوگوں کو جنہیں لوگ اللہ کے ساتھ مدد مُراد دینے کیلئے پکارتے ہیں مُبرا نہ کہنا۔ (اگر تم نے ایسا کیا) تو وہ لوگ محض عداوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو مُبرا کہیں گے بغیر علم کے۔ اور اسی طرح ہم نے ہر اُمت کے لئے اُن کے مُبرے اعمال (یعنی دوسروں کے بزرگوں کو برا کہنا) مزین پایا ہے۔ (اسے بہت اچھا سمجھا جاتا ہے[۱]) پھر (عمال کی جوابدہی کے لئے) اِن سب کے لوٹ کر جانے کا مقام اِن کے رب ہی کی طرف ہے۔ پھر وُہ انہیں اُن عملوں کی خبر دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

● ۱؎ دوسروں کے بزرگوں کو گالیاں دینا اللہ تعالیٰ نے مزین نہیں کیا۔ بلکہ اُن کے عُلماء کی طرف سے مزین کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس بد عمل کو اُن کے عُلماء کی طرف سے مزین کیا ہُوا پایا ہے۔ دوسروں کے بزرگوں کو گالیاں دینے والے اِس عمل پر انتہائی خوش ہوتے اور فخر کرتے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم نے اِسے فساد کی جڑ بتایا ہے کہ اگر تم لوگوں کے جھوٹے معبودوں اور بزرگوں کو بُرا کہو گے تو وہ تمہارے سچے خدا پاک کو برا بھلا کہنا شروع کر دیں گے۔ فلھذا اِس سے صد فیصد پرہیز لازم ہے۔ یہ چیز سرچشمۂ فساد ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے منکرینِ اسلام کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وُہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر یہ مدعیِ رسالت کوئی خلافِ فطرت کام کر دکھائے (کوئی معجزہ دکھا دے) تو ہم اِس پر ایمان لے آئیں گے :—

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ
اور قسمیں کھائیں ساتھ اللہ کے پکی قسمیں اپنی البتہ اگر
جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا
آئے پاس انکے معجزہ البتہ ضرور ایمان لائیں گے ساتھ اسکے کہہ سوائے اسکے
الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا
نہیں کہ معجزات پاس اللہ کے ہیں اور نہیں شعور تم کو سوائے اسکے نہیں کہ

اور وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کی پکی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آجائے تو وہ ضرور (اس ضابطۂ حیات' قرآن مجید پر ایمان لے آئیں گے کہہ دیجئے گا کہ سوائے اِس کے کوئی بات نہیں کہ معجزات تو اللہ کے پاس ہیں۔ اور اس کا تمہیں شعور نہیں ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ (یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں) اگر ان کے پاس معجزات $\frac{۱۷}{۹۰ \text{ تا } ۹۳}$ آ بھی جائیں تو

جَآءَتۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۱۰
اگر کوئی معجزہ بھی آجائے تو وہ پھر بھی ایمان نہیں لائینگے

پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائینگے۔[2] (معجزات وہی طلب کرتے تھے جو کائنات کو اللہ تعالیٰ کے معجزے نہیں مانتے)۔

معجزات اور قرآن کریم ● [1] لفظ آیۃ کا لفظی معنی ہے نشانی۔ قرآن کریم نے تو قوانینِ جاریہ کے مشاہدات عالم کو آیتؐ یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دیا ہے $\frac{30}{20 \text{ تا } 28}$ لیکن روائتی تراجم میں آیۃ کا معنی لیا جاتا ہے معجزہ۔ اِس طرح اگر آئت کا معنی معجزہ بھی لیا جائے تو $\frac{30}{20 \text{ تا } 28}$ میں نوعِ انسانی کا مٹی میں سے پیدا ہونا اور پھر ہم جنس جوڑوں سے افزائشِ نسل ایک معجزہ ہے اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝ $\frac{30}{20-21}$

● پھر آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا معجزہ ہے۔ دِن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا آنا معجزہ ہے نیز نوعِ انسانی کے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف معجزہ ہے اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡعٰلِمِيۡنَ ۝ $\frac{30}{22}$

● پھر انسانوں کا تھک جانے کے بعد رات کو بھی سو جانا اور دن کے وقت روزی تلاش کرنا بھی اللہ کا معجزہ ہے۔ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ۝ $\frac{30}{23}$۔

● پھر بجلی کا دکھانا، اُس میں نقصان کا خوف اور فائدوں کا طمع موجود ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔ پھر آسمان سے پانی برسانا اور اُس کے ساتھ مُردہ زمین کو زندہ کر دینا بھی اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔ ——— اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۝ $\frac{30}{24}$ بیشک اِس میں عقلمندوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے بہت سے معجزے ہیں۔

● پھر زمین سمیت جُملہ کرہ ہائے سماوی کا الگ الگ کششِ ثقل کے ذریعہ اللہ کے قانون کے مطابق اپنے اپنے مدار پر محوِ گردش رہنا، زمین کی محوری گردش کیساتھ دن رات کا پیدا ہونا اور اُسکی مداری گردش کیساتھ موسموں کا تغیّر تبدّل بھی اللہ تعالیٰ کے معجزے ہیں وَ مِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ بِاَمۡرِهٖ ۝ $\frac{30}{25}$۔

جغرافیہ اور سائنس اللہ کے معجزے ہیں ● پس اگر لفظ آئت کا معنی معجزہ لیا جائے تو محوّلہ بالا سارے طبعی اور سائنسی قوانینِ جاریہ معجزات ہیں قرآن میں معجزہ کا لفظ اسلئے نہیں لایا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو عاجز کر کے مومن بنانا نہیں چاہتا۔ اُس نے انبیاءِ کرام کے ذریعہ اپنی کتابوں میں دلائلِ قاطعہ نازل فرما دیئے ہیں جن پر غور کر کے ہر شخص خود ایمان لائے یا خود کفر کرے۔ لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ $\frac{2}{256}$ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ۝ $\frac{109}{6}$۔

طلبِ معجزات ● زمانۂ رسالت کے منکرینِ قرآن کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے :۔
(اردو ترجمہ) اُنہوں نے کہا کہ (اے رسولؐ!) ہم آپ پر اُسوقت تک ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک آپ ہمارے لیئے زمین میں چشمہ نہ بہا دیں۔ یا آپ کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ تیار ہو جائے اور اُس میں نہریں بہ نکلیں۔ یا آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرا دیں۔ یا اللہ اور ملائکہ ہمارے سامنے آجائیں۔ یا آپکا گھر سونے کا بن جائے یا آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں۔ پھر ہم آپ کے آسمان پر چڑھنے کو بھی تسلیم نہ کریں گے یہانتک کہ آپ آسمان سے لکھی لکھائی کتاب لائیں جسے ہم

خود پڑھ لیں۔ (اے رسولؐ!) کہدیجئیگا کہ میرا رب (ان چیستانیات سے) پاک ہے۔ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ ۱۷/۹۰ تا ۹۴

● حاصل کلام یہ کہ قوم نے محولہ بالا خرقِ عادات معجزات طلب کئے مگر اُن کا مطالبہ یہ کہہ کر رد کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ وہ اپنے قوانینِ جاریہ کے خلاف نہیں کرتا ۵۰/۲۹ ۔ اور میں بشر رسول ہوں تمہارے مطالبات میرے احاطۂ اختیار سے باہر ہیں۔

● حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب معجزات عصاء کے ماتحت دریا میں ڈنڈا مار کر راستے بنا دینے کی حقیقت تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل سورہ بقرہ کے صفحہ ۴۱ + ۴۸ پر فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ اور تفسیر اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ کے عنوانات میں ملاحظہ فرمائیں۔ من وسلوٰی کی بحث صفحہ ۴۳ پر اور بنی اسرائیل کے اُوپر طور پہاڑ کے اُٹھائے جانے کے روائتی قصّے کی حقیقت صفحہ ۵۱ پر دیکھئے۔

اللہ کیا کچھ نہیں کرسکتا

● معجزات کے ضمن میں کہا جاتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۳/۱۶۵ ۔ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وُہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ پہلے تو اس جملہ ۳/۱۶۵ کا معنی ہی غلط لیا گیا ہے کہ وُہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اِس کا صحیح معنی یہ ہے کہ (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے انداز سے پیمانے اور قوانین متعین کرنیوالا ہے۔ اور وہ اپنے متعینہ قوانین کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ جو پابندیاں اُس نے اپنے آپ پر لگائی ہیں اُن کا پُورا پُورا پاس کرتا ہے۔ جھُوٹ نہیں بول سکتا۔ کھا پی نہیں سکتا۔ سو نہیں سکتا۔ بول و براز نہیں کرسکتا۔ اولاد نہیں پیدا کرسکتا۔ حتیٰ کہ لاکھوں نبی رسُول بھیجنے والا اب آنحضورؐ کے بعد اس دنیا میں کوئی ایک نبی بھی نہیں بھیج سکتا۔ بالفاظِ دیگر وُہ اپنے قوانین کو ہرگز ہرگز توڑنے والا نہیں۔ اس سیدھی سادی بحث پر غور نہ کرنا اور کفر بازی کی اُس پرانی روش پر قائم رہنا جس کی بدولت نہ کوئی مکتبِ فکر کفر کے فتوےٰ سے بچ سکا ہے اور نہ کسی مکتبِ فکر کا کوئی بزرگ ۔ یہ پرانی ضد اور تعصب کے سوا کچھ نہیں۔

عَود الی المقصود

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت نمبر ۶/۱۱۰ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ قوم نے کہا تھا اگر ہمیں کوئی معجزہ دکھایا جائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ لیکن اِس کے جواب میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر بفرضِ محال ان کے پاس کوئی معجزہ لے آیا جائے تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگلی آیت میں انہی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ پُوری کائنات میں قوانینِ جاریہ سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے ذہنی معجزے طلب کرنا اُن کے اُلٹے اذہان کی دلیل ہے۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا
اور پھیرتے اُلٹے پائے ذہن اُن کے اور نگاہیں اُن کی جیسے کہ
لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ
نہ ایمان لائے ساتھ اسکے پہلی مرتبہ اور چھوڑ دے ان کو بیچ
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ ۱۱۱
سرکشی انکی سرگرداں

اور ہم (اللہ) اُن کے اذہان کو اور اُن کی نگاہوں کو (عقل و بصیرت سے) اُلٹے ہُوئے پایا ہے جیسے کہ وہ پہلی مرتبہ اس (قرآن، متوازن و مکمل ضابطۂ حیات) کا انکار کر دیا۔ اور اللہ نے انہیں اُن کی سرکشی میں سرگرداں پایا ہے۔

● ؎ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ کا یہ معنی صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ذہنوں اور نگاہوں کو اُلٹا رہتا ہے۔ یہ کام انسان کا اپنا ہے کہ وہ انہیں خود بدل کر سیدھے راستے پر آجائے یا اُلٹا راستہ اختیار کرلے۔ نُقَلِّبُ فعل مضارع جمع متکلم باب تفعیل سے ہے۔ جس کے خاصہ وجدان کے مطابق یہ ترجمہ صحیح ہے کہ ہم (اللہ تعالیٰ) سرکشوں کے ذہنوں اور نگاہوں کو اُلٹا ہوا پاتے ہیں، ہم نہیں اُلٹتے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں طلبگارانِ معجزات کے متعلق مزید وضاحت بالفاظِ ذیل فرمائی گئی ہے:۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ ؎ وَ

اور اگر بیشک ہم نازل کریں طرف ان کی فرشتے اور

كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ

کلام کریں ان سے مُردے اور جمع کریں ہم اوپر ان کے ہر چیز

قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

سامنے نہ۔ ہوں کہ وہ ایمان لائیں مگر کہ چاہے اللہ۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝ ۱۱۲

اور لیکن اکثر اُن کے جہالت کرتے ہیں

اور اگر (معجزوں کے طلبگاروں) کی طرف ہم اُن کے ذہنی فرشتے (؎ ڈرانیوالے) نازل کردیں اور اُن کے ساتھ مُردے کلام کرنے لگیں اور ہم اُن کے سامنے (اُن کی ہر مطلوبہ چیز) اکٹھی کردیں تو (پھر بھی) وہ ایمان لانے والے نہ ہوں گے۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق چاہے۔ (کہ وہ خود حقائق کو تسلیم کرکے خود ایمان لائیں) ولیکن ان کی اکثریت جہالت ہی کو شعار بنائے ہوئے ہیں۔

● ؎ ملائکہ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔ قرآنی ملائکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخفی قوتیں ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہر جگہ بکثرت موجود ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لشکر "جنود السمٰوٰتِ والارض" ہیں۔ عوام نے اپنے ذہنی ملائکہ کا مطالبہ کیا۔ چونکہ وہ لوگوں کی ذہنی تخلیق ہیں۔ اِس لئے اُنہیں بھی قوانینِ جاریہ کی مخالف فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔

نبیوں ؎ کے مخالف شیطان انسانوں اور جنوں میں سے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں معجزات طلب کرنے والوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جنوں اور انسانوں میں سے شیطان ہیں جو انبیاء سلام علیہم کو پریشان کیا کرتے تھے آپس میں ایک دوسرے کو جھوٹی خود تراشیدہ باتیں سکھایا کرتے تھے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ ؎

اور اسی طرح پایا ہم نے واسطے ہر نبی کے دشمن شیطانوں کو

اور اسی طرح ہم نے (معجزات مانگنے والوں کو) پایا ؎ ہر نبی کے لئے دشمن بنے ہوئے، انسانوں میں سے اور جنوں میں سے شیطانوں ؎

الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ انسانوں اور جنوں کے سکھاتے تھے بعض ان کے طرف بعض کے	کو جو نبیوں کو تنگ کرنے کے لئے اور سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی جھوٹی باتیں سکھاتے تھے[۳] (کہ نبی وہ ہوتے ہیں جو معجزے دکھائیں) اور اگر آپ کا رب زبردستی چاہتا تو وہ لوگ ایسا نہ کرتے ۔ پس آپ انہیں بھی چھوڑ دیجئے اور اُسے بھی جو (وہ انبیاء[۶] کے متعلق معجزات کا عقیدہ اسلئے) گھڑتے ہیں (تاکہ لوگ نبیوں پر ایمان نہ لائیں) ۔
زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ ملمع کی ہوئی بات دھوکا دینے کیلئے اور اگر زبردستی چاہتا رب تیرا	
مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۱۲ نہ کرتے اُسے پس چھوڑ دے انہیں اور جو وہ گھڑتے ہیں	

● ۱ جَعَلْنَا کا معنیٰ ہم (اللہ) نے شیطانوں کو نبیوں کے دشمن بنایا صحیح نہیں ہے دشمن پایا صحیح ہے ۔

● ۲ شَيٰطِيْنَ انسانوں اور جنوں میں سے، یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کو سکھاتے تھے کہ نبیوں سے معجزے مانگیں ۔

● ۳ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ وہ لوگ خود گھڑی ہوئی جھوٹی باتیں ایک دوسرے کو سکھاتے تھے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو قوانین جاریہ کی مخالفت کر کے دکھائے ۔ آناً فاناً زمین سے چشمہ جاری کر دے ، کھجوروں اور انگوروں کا باغ لگا دے اُس کا گھر سونے کا بن جائے آسمان پر چڑھ جائے اور اوپر سے لکھی لکھائی کتاب لا دے وغیرہ وغیرہ $\frac{17}{90-91}$ (جنوں کی بحث صفحہ ۲۴۱ پر دیکھئے) ۔

● ۴ زخرف القول کا لفظی معنیٰ ہے ایسی بات جس پر سونے کا پانی چڑھا ہو ۔ یعنی جس سے حقیقت کے خلاف دھوکا لگ جائے ۔

● ۵ لَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ میں لفظ شَاۗءَ سے قانونِ مشیّتِ خداوندی مُراد ہے ۔ اور کسی کو زبردستی ہدایت دینا یا گمراہ کرنا اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیّت نہیں فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ $\frac{18}{29}$

● ۶ ذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ کے الفاظ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ معجزے طلب کرنے والوں سے بھی الگ ہو جائیں اور جو اُنہوں نے معجزات کا عقیدہ گھڑا ہے اُس سے بھی الگ ہو جائیں ——— واضح رہے کہ ان بحثوں میں ضیاعِ وقت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اگر قوانینِ جاریہ کے خلاف ہو سکتا ہوتا تو نہ طوفانِ نوحؑ کے لئے کشتی بنوائی جاتی $\frac{11}{37}$ اور نہ آنحضورؐ کو فوجی قوت تیار کرنے کا حکم دیا جاتا $\frac{8}{60}$ ۔ معجزات کی بحث صفحہ ۲۵۴ پر دیکھئے !

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں جنّ و انس کے شیطانوں کی ملمع سازی کی غرض بالفاظِ ذیل بتائی گئی ہے :۔

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اور تاکہ جھکیں طرف اسکی اذہان ان لوگوں کے نہیں ایمان لاتے	اور (انسانوں اور جنوں کے شیطانوں نے ملمع کردہ باتیں اس لئے گھڑی ہیں) تاکہ اُن لوگوں کے ذہن جو آخرت کو اعمال کی جوابدہی پر ایمان نہیں رکھتے اُس کی طرف جھکے رہیں ۔ اور تاکہ وہ اپنے آپکو اعمال کی جوابدہی سے آزاد جان کر اس پر خوش ہوں ۔
بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا ساتھ آخرت کے اور تاکہ وہ راضی ہوں اس پر اور تاکہ کر لیں جو	

هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ○ ۱۱۴
وہ کر رہے ہیں

اور تاکہ وہ (جو بُرے عمل کرتے ہیں کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکمنامہ صرف قرآن کریم ہے

● زُخْرُفَ الْقَوْلِ (ملمع کردہ باتوں) میں اگرچہ عوام کے لئے کشش و جاذبیت کے بے پناہ سامان موجود ہیں۔ لیکن آنحضورؐ سے ماقبل حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کردہ اقوال کے مقابلے پر پروردگارِ عالم نے اپنے آخری نبی رسولؐ جناب محمدؐ رسول اللہ کی زبان مبارک سے اعلان کروا دیا ہے کہ لوگو! جن اقوالِ منسوبہ کو تم بطور دلیل لاتے ہو، قرآنِ کریم کے مقابلے پر میں انہیں ہرگز حاکم نہیں مان سکتا۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ
کیا پھر سوائے اللہ تلاش کروں حاکم حالانکہ وہ ہے جس نے اتاری

اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
طرف تمہاری اپنی کتاب مفصل۔ اور جو لوگ دی ہم نے ان کو کتاب

يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ
جانتے ہیں کہ بیشک وہ ہے اُتارا گیا رب تیرے سے ساتھ حق پھر نہ ہونا

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ ۱۱۵
میں سے شک کرنیوالوں کے

(اے رسولؐ کہہ دیجئیگا) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں؟ حالانکہ (وہ اللہ ہی وہ) عظیم الشان ذات ہے جس نے (اپنا حکمنامہ ایک مفصل کتاب (قرآنِ کریم کی صورت میں) نازل کر دیا ہے۔ اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے وہ $\frac{۳}{۱۱۳}$ + $\frac{۵}{۸۳}$ + $\frac{۲۸}{۵۲-۵۲}$ خوب جانتے ہیں کہ وہ آپکے رب کی طرف حق کے ساتھ نازل کردہ ہے پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔

● ۱ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا کے استفہام انکاری میں آنحضورؐ سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی صاحبِ حکم ہے ہی نہیں۔ اور اُسکے احکام اسکی نازل کردہ مفصّل کتاب کے اندر موجود ہیں باہر نہیں، کیونکہ حَکَمًا کا متبادل لایا گیا ہے اَلْكِتٰبَ مُفَصَّلًا۔ بالفاظِ دیگر قرآنِ کریم ایک مفصّل کتاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام بھی اسی کے اندر موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا۔ $\frac{۱۸}{۲۶}$۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ
اور مکمل ہوا قانون رب تیرے کا عدل اور سچائی کیساتھ

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ ۱۱۶
نہیں بدلنے والا واسطے قوانین اسکے اور وہ ہے سننے والا جاننے والا

اور (اے رسولؐ!) آپ کے پروردگار کا ہر قانونِ کائنات سچائی اور عدل کی اساس پر مکمل ہو چکا ہوا ہے اس کے قوانین کو کوئی بدلنے والا ہے ہی نہیں۔ اور وہ خود ہے بہت بڑھکر سننے والا اور بہت بڑھ کر جاننے والا۔

● ۱ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ کے مطابق قوانینِ خداوندی میں ردّ و بدل کی عدم گنجائش کی اہم خبر یہ بتائی گئی ہے کہ ان

کے متعین کرنے والا سمیع وعلیم ہے جو قیامت تک کے حالات سے باخبر ہے، اسلئے اُس نے قیامت تک کی ضروریات کا سامان ان میں موجود کردیا ہے۔ اِن میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت کسی مقام پر جاکر بھی نہیں پڑے گی۔ مگر اس حقیقت کے باوجود عوام کی اکثریت ہر زمانہ میں ایسے لوگوں پر مشتمل رہی ہے جو معجزات کی صُورت میں قوانینِ خداوندی میں ردّ و بدل کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اور اسی چیز کو اصلِ دین اور صداقتِ دین کی دلیل مانتے ہیں اِس لئے آنحضور کو ایسے غلط عقائد سے منع کردیا گیا ہے :۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ ۱۱۷

اور اگر تو کہا مانے بہتوں کا جو ہیں زمین کے ہیں گمراہ کردیں گے تجھے سے راستے اللہ کے نہیں اتباع کرتے مگر ظن کی اور نہیں وہ مگر جھگڑا کرتے ہیں

اور اگر (اے رسولؐ بفرضِ محال) آپ زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی اتباع کریں (تو وُہ خود گمراہ ہیں معجزے طلب کرتے ہیں) آپ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کردیں گے۔ وہ (معجزات کے ضمن میں) صرف ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور (بے حقیقت چیزوں کے لئے جھگڑتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ ۱۱۸

بیشک تیرا رب وہ خوب جانتا ہے کون گمراہ ہوتا ہے راہ سے اس کی اور وہ خوب جانتا ہے کو راہ پانیوالوں

بیشک آپکا رب ہی وہ عظیم الشان ذات جو خوب جانتا ہے کون ہے جو اُس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وُہی خوب جانتا ہے انہیں جو سیدھی راہ پانے والے ہیں۔[۲]

● [۲] اِن آیاتِ کریمات میں خود اللہ تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کے خلاف معجزات کے طلبگاروں کو ظن و گمان کے پیروؤں کو گمراہ بتایا گیا ہے اور قوانینِ جاریہ کو حق و صداقت کی دلیل قرار دینے کیساتھ ساتھ اس امر کا اعلان کردیا گیا ہے کہ عوام کی اکثریت حقائق و دلائل سے کورے اور چیستانیات کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ زمانۂ رسالت میں یہودیوں کی اکثریت نے مسئلہ حلّت و حُرمت میں بھی چیستانی عقائد وضع کر رکھے تھے۔ $\frac{6}{146}$ میں آگے آرہا ہے کہ انہوں نے ناخن والے جانور اور گائے، بھیڑ بکری کی چربی کو حرام کر رکھا تھا سوائے اُس کے جو اُن کی پیٹھوں یا انتڑیوں اور ہڈیوں پر چڑھی ہوئی ہو اس لئے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اکثریت کا کسی راہ پہ چل نکلنا صداقت کی دلیل نہیں۔ ہدایت صرف ضابطۂ خداوندی میں محفوظ ہے۔ ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اکثریت کے خلاف $\frac{5}{3}$ میں جو حرام کیا گیا ہے اُس کے سوا حلال جانوروں کو اللہ کے نام کیساتھ ذبح کرکے کھایا کرو :۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ

پس کھاؤ میں سے ذکر کیا گیا نام اللہ کا اوپر اسکے اگر ہو تم

پس (اے ایمان والو!) اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو جس حلال جانور کو اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا گیا ہو اُس پر اللہ کا نام

بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۹
ساتھ آیتوں اسکی ایمان لانیوالے

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ
اور کیا ہے واسطے تمہارے کہ نہ تم کھاؤ میں سے ذکر کیا گیا نام

اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ
اللہ کا اوپر اسکے اور بیشک تفصیل کردی واسطے تمہارے جو حرام کیا اوپر تمہارے

اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ
مگر جو بیقرار ہوگئے تم طرف اسکے اور بیشک بہت لوگ گمراہ ہوتے ہیں

بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ
ساتھ خواہشوں اپنی کے بغیر علم کے - بیشک رب تیرا وہ خوب جانتا ہے

بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۲۰
کو سرکشوں

ذکر کیا گیا ہو، اُس کی ہر وہ چیز کھاؤ (جو ضابطہ الٰہی میں حلال بتائی گئی ہے۔

اور کیا (حرج) ہے تمہارے لئے کہ تم (اللہ کی حلال کردہ چیزیں) نہ کھاؤ، جس جانور پر اللہ کے نام کا ذکر کیا گیا اور بیشک (اللہ) نے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے (جو حلال جانوروں میں سے) تمہارے لئے حرام کیا ہے $\frac{۵}{۳}$ ۱۲۱ - سوائے اس کے جو تم (بھوک کی وجہ سے) اُس کے لئے بیقرار ہو جاؤ - اور بیشک اکثر لوگ اپنی خواہشوں (کی پیروی کرکے) لاعلمی میں گمراہ ہو جاتے ہیں - بیشک (اے رسولؐ!) آپ کا پروردگار ہی ہے جو خوب جانتا ہے انہیں جو (اللہ تعالیٰ کی حدیں) پھاندنے والے ہیں -

● چونکہ عام دستور یہ ہے کہ اکثریت کے عمل کو صداقت کی دلیل سمجھا جاتا ہے اسلئے اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں ایمان والوں کو اس حقیقت کی تاکید کیگئی ہے کہ اکثریت کے خلافِ قرآن عمل کی ظاہر اتباع بھی نہ کرنا اور اُن کی چھپی اتباع بھی نہ کرنا۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ
اور چھوڑ دو ظاہر گناہ اور چھپا اس کا بیشک

الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا
جو لوگ کماتے ہیں گناہ ضرور بدلہ دیئے جائیں گے ساتھ اسکے جو

كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝۱۲۱
کہ عمل بجالایا کرتے

اور ایمان والو! اپنی خواہش سے حلال و حرام میں تصرّف کرنے کے) ظاہر گناہ کو بھی چھوڑ دو اور چھپ چھپا کر بھی (نہ کرو) بیشک جو لوگ گناہ کماتے ہیں وہ ضرور ضرور اُس کی سزا دیئے جائیں گے جو عمل وہ کماتے چلے آرہے ہیں [1]

● [1] يَقْتَرِفُوْنَ کا سہ حرفی مادہ ق-ر-ف = قرف ہے جس کا بنیادی معنٰی ہے ناجائز کمائی کرنا قَرَفَ الرَّجُلُ کا معنٰی ہے كَذَبَ وَخَلَطَ- آدمی نے کما تو جھوٹ بولا اور معاملے کو غلط ملط کیا - اقترف کا معنٰی ہے اکتساب، بمعنی کمانے کی کوشش کرنا۔ پس كانوا يقترفون کے الفاظ میں بتایا گیا ہے حرام و حلال کے ضمن میں جھوٹ بولتے اور مسئلہ کو غلط ملط کرنے میں جو کوشش انہوں نے کی انہیں اُس کی پوری پوری سزا دی جائیگی۔

تکرار تاکیدی | ● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں تکرار تاکیدی کیساتھ اسی حکم کو اپنے اسلوبِ بیان کے مطابق ـــــ بصورتِ نہی دہرایا گیا ہے تاکہ مسئلہ کی مزید وضاحت کر کے اتمامِ حجت کر دی جائے چنانچہ ارشاد ہوا ہے :۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ
اور نہ کھاؤ اس میں سے نہ ذکر کیا گیا ہو نام اللہ کا

عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ
اوپر اسکے اور بیشک وہ ضرور سرکشی ہے اور بیشک سرکش

لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَ
خفیہ پیغام دیتے ہیں طرف دوستوں اپنے تاکہ وہ جھگڑیں تم سے اور

إِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢٢﴾ (ع)
اگر اطاعت کی تم نے اُن کی بیشک تم مشرک ہو

ع ۱۴ / ۱۱ ۱۲۲

اور جس (حلال جانور) پر اللہ کے نام کا ذکر کیا گیا ہو (یعنی جسے اللہ کے نام سے ذبح نہ کیا گیا ہو) اُس میں سے نہ کھانا اور بلا شبہ (حلال جانوروں کو بلا ذبح کئے کھانا) اللہ تعالیٰ کی حدود شکنی ہے۔ اور بلا شبہ اللہ کے نافرمان (خلوت نشین[1]) اپنے دوستوں (تمہارے مخالفوں) کو مباحثوں کی خفیہ تعلیم دیتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑتے رہیں۔ اگر تم نے اُن کی اطاعت کی تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے (وہ مشرک تمہیں بھی خلوت نشینوں کے فرمانبردار بنا کر مشرک بنالیں گے۔

● [1] $\frac{2}{14}$ کے الفاظ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ میں خلوت نشینوں کو شیطان کہا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر نوعِ انسانی سے اپنے حکم منواتے ہیں۔ آیتِ بالا $\frac{6}{122}$ میں اُنہی سرکش انسان شیطانوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اپنے دوستوں خیرخواہوں مریدوں کو ایسی خفیہ تعلیم دیتے ہیں جس کے ذریعہ، بحث و مباحثوں کی صورت میں مجادلے جھگڑے چلتے رہیں۔ اِن مباحثوں میں انبیاء (سلام علیہم) کے متعلق بشر نور، علمِ غیب، حاضر ناظر اور مختارِ کل وغیرہ کے نہ ختم ہونیوالے مسائل کے ذریعہ سر پھٹول کے سامان کئے جاتے ہیں اور ساتھ ہی مسئلہ حرام حلال میں ایسی تفریق پیدا کر دی جاتی ہے جس کے ذریعہ شرک فی الحکم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ پیچھے $\frac{5}{1 \text{ تا } 3}$ میں حلال و حرام کی مکمل بحث گزر چکی ہے کہ گھاس خور چوپایوں میں سے صرف جگالی کرنے والے حلال ہیں اور اُن کی جو چیز حرام ہے اُس کی بھی کھول کر وضاحت کر دی گئی ہے۔ اور پھر $\frac{6}{120}$ میں یہ بھی اعلان کر دیا گیا ہے قَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ بیشک کھول کر بیان کر دیا گیا ہے جو تم پر حرام کیا گیا ہے۔

● قرآن کریم کی اِس حیات آفریں تعلیم کی مخالفت کرنے والوں کو سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مُردے کہا گیا ہے اور قرآن کریم کے ذریعہ اِن دینی مُردوں کو دینی زندگی دینے کی خبر کے ساتھ وضاحت کر دی گئی ہے کہ دینی مُردے اور زندے برابر نہیں ہوتے۔

أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ
کیا اور جو ہو مُردہ پھر زندہ کریں ہم اُسے اور مقرر کریں ہم واسطے اسکے

کیا اور جو ہو دینی مُردہ پھر اُسے ہم (قرآن کریم کی زندگی دینے والی تعلیم کیساتھ) زندہ کر دیں اور اُس کے لئے (قرآنی) نور مقرر کر دیں

نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ
روشنی چلے وہ ساتھ اسکے بیچ لوگوں کے مانند مثل اسکی جو بیچ اندھیروں
لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ
نہیں نکلنے والا سے اسکے اور اسی طرح مزین کئے گئے واسطے کافروں کے
مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۱۲۲
جو تھے وہ عمل کیا کرتے

جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلے پھرے ۔ وہ اُس کی مثل ہوسکتا ہے جو (گمراہی کے) اندھیروں میں پھنسا ہُوا ہو ۔ (اور اعتقادی گندگی کی بدولت) اُن میں سے نکلنے والا نہ ہو ۔ اِسی طرح (اُنکے شیطانوں کی طرف) کافروں کے لئے اُن کے اعمال مزیّن کردئے جاتے تھے جو وہ بجالایا کرتے تھے ۔

● ملہ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کے الفاظ میں زُیِّنَ فعل مجہول مالم یُسمّٰی فاعلہ آیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ خانقاہ نشینوں نے عوام کے اُن اعمال کو جن پر اُنہوں نے اُنہیں خود لگا رکھا ہے خُوب مزیّن کرکے پیش کیا ہوتا ہے کہ خانقاہوں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں ۔ مُرادیں مانگی جاتی ہیں اور سجدے کئے جاتے ہیں ۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان مُشرکانہ اعمال کو عین اسلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ اور ان غیر قرآنی اندھیروں کی اندھیر گردیوں میں وہ لوگ ایسے پھنسا دئے گئے ہوتے ہیں کہ وہ اُن میں سے نکلنے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہوتے ۔ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۔

ضابطۂ خداوندی کی مخالفت کرنیوالے لوگ بڑے بزرگوں کے بھیس میں بستی بستی اور قریہ قریہ موجود ہیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ حلال و حرام ٹھہرانے والے لوگ عوام کے بڑے بڑے بزرگ بن کر بستی بستی موجود رہتے ہیں ۔ اِس لئے ہر بستی و قریہ کے مومنوں کو ہوشیار رہنا چاہئیے ۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ
اور اسی طرح پایا بنے بیچ ہر بستی کے بڑے بڑے
مُجْرِمِیْهَا لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا ؕ وَمَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا
مجرموں کو اسکے کہ وہ دھوکا کرتے ہیں بیچ اسکے اور نہیں دھوکا دیتے مگر
بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۱۲۴
جانوں اپنی کو اور نہیں شعور رکھتے

اور اسی طرح ہم (اللہ) نے ہر بستی میں اُس کے بڑے (بزرگ بنے ہُوئے) مُجرموں کو موجود پایا ہے (وہ اس لیے بزرگ بنے بیٹھے ہیں) کہ جھوٹی بزرگی کے مکروفریب کا جال پھیلائیں مگر وہ جو بھی فریب کرتے ہیں اُس کا وبال اُن کی اپنی جانوں پر ہے ۔ مگر اُنہیں اِس کا شعور نہیں ہے ۔

● ملہ اَكٰبِرَ سے وہ لوگ مُراد ہیں جو جھوٹی بڑائی کے دعویدار بن کر بستی بستی اور قریہ قریہ میں مکروفریب کا جال پھیلائے ہوتے ہیں اور نذروں نیازوں کی کمائی پر عیش اڑا رہے ہوتے ہیں ۔

● ملہ مُجْرِمِیْهَا دراصل مُجْرِمِیْنَهَا ہے ۔ مضاف کا نون اعرابی گر گیا ہے ۔ بستی کے ایسے لوگوں کو پوری بستی کے مجرم قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ پوری بستی کو اپنی بزرگی کا دھوکا دئیے ہُوئے ہوتے ہیں ۔

● ۳؎ یَمۡکُرُوۡا فِیۡہَا کے الفاظ میں اُن کا جُرم بتایا گیا ہے کہ وہ مکروفریب کا جال بچھائے ہوتے ہیں۔

● ۴؎ وَمَا یَمۡکُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِہِمۡ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو وہ لوگ عوام کا مال مکروفریب کے ذریعہ کھا رہے ہوتے ہیں مگر آخرت میں اِس کا وبال اُن کی اپنی جانوں پر ہوگا۔ اِس دھوکا فریب کی سزا ضرور ضرور اُن کو مل کر رہے گی:—

● ۵؎ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ کے الفاظ میں خبر دی گئی ہے کہ ایسے لوگ مکروفریب کے دھندے میں ایسے مست ہوتے ہیں کہ وہ اُس شعور تک سے کورے ہو جاتے ہیں کہ وہ کر کیا رہے ہیں۔ لوگوں کی مرادیں پُوری کرنے کے دعویدار ہوتے ہیں مگر اپنی مرادیں خود ادھوری پڑی ہوئی ہیں۔ دوسروں کی مُشکلیں حل کرنے کا دعوٰی کرتے ہیں مگر خود گوناگوں مشکلوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔

زمانۂ رسالت میں یہ حالت یہود و نصارٰی کے بزرگوں کی تھی

● زمانۂ رسالت میں یہود و نصارٰی کی یہ حالت تھی کہ ہر بستی اور ہر قریہ میں ان کے نام نہاد بزرگ تعویذ گنڈوں کی دکانیں سجائے بیٹھے تھے۔ جب آنحضور پر اللہ کی کتاب نازل ہُوئی تو اُنہوں نے کہا کہ ہم اُس وقت تک اُس چیز قرآنِ کریم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ چیز وحی الٰہی ہم پر نازل نہ ہو، جب تک ہمیں نہ دی جائے:—

وَاِذَا جَآءَتۡہُمۡ اٰیَۃٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ
اور جب آئی پاس ان کے کوئی آیت کہا نہیں ایمان لائینگے ہم

حَتّٰی نُؤۡتٰی مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ ؔؕ اَللّٰہُ
یہاں تک کہ دیئے جائیں ہم مثل اسکے جو دیئے گئے رسول اللہ کے۔ اللہ

اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ ؕ سَیُصِیۡبُ
خوب جانتا ہے کہاں ٹھہرائے رسالت اپنی۔ ضرور پہنچیگی

الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰہِ وَعَذَابٌ
اُن کو جو جُرم کرتے ہیں ذلت طرف سے اللہ کے اور عذاب

شَدِیۡدٌۢ بِمَا کَانُوۡا یَمۡکُرُوۡنَ ۝۱۲۵
سخت بسبب اسکے کہ تھے فریب کرتے

اور جب اُن کے پاس کوئی آیت (اللہ کی کتاب کی) آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اُسوقت تک ہرگز ایمان نہیں لائینگے یہاں تک کہ ہمیں دی جائے کتاب (اللہ کی) جس طرح رسُولوں کو دی جاتی ہے۔ (کہدے اے رسُول!) اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس کے سُپرد کرے۔ جو لوگ مکروفریب کے جُرم کرتے ہیں اُنہیں ضرور اللہ کی طرف سے ذلت (کی سزا) پہنچ کر رہے گی اور سخت عذاب پہنچیگا، اِس لئے کہ وہ مکروفریب کیا کرتے تھے۔

خود فریبی کی انتہا

● آیتِ بالا میں زمانۂ رسالت کے یہودی خَلوت نشینوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو یہاں تک اللہ کے مقرب جانتے تھے کہ اُن کے زعم کے مطابق نبوّت و رسالت کا حقدار بھی اپنے

آپ کو سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اُس کی نبوّت کا حقدار کون ہے۔ نیز اُن کے انکار کی وجہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ سرکشی اور طغیانی کی بلندیوں پر پہنچ چکے ہیں :-

فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ
پھر جو ارادہ کرے اللہ کہ ہدایت دے اسکو کھول دیتا ہے

صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ
ذہن اسکا واسطے اسلام کے۔ اور جو ارادہ کرے کہ گمراہ کرے اُس کو

يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ
کر دیتا ہے ذہن اُس کا تنگ گھٹا ہوا۔ مثل اسکے کہ وہ چڑھتا ہے

فِى السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجۡعَلُ اللّٰهُ الرِّجۡسَ
بیچ آسمان کے اسی طرح رکھتا ہے اللہ گندگی

عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۲۶
اوپر اُن کے جو نہیں ایمان لاتے۔

پھر اللہ تعالیٰ (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق) اُس شخص کے ذہن کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے (جس کی رجعت الی اللہ [۴۲/۱۳] کی بدولت) ہدایت کا ارادہ کرتا ہے۔ اور اُس شخص کے ذہن کو (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق) تنگ کر دیتا ہے (جس کی سرکشی کے بدلے) گمراہی کا ارادہ کرتا ہے۔ گویا کہ وہ سرکشی اور نافرمانی میں آسمان پر چڑھا ہوتا ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے اُن کے انکار و بغاوت کی بدولت ذہنی غلاظت لازم ہوئی ہوئی پاتا ہے۔

● سلہ ہدایت و گمراہی کی بحث پیچھے صفحہ۔۔۔ پر تفصیلاً گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان خود ہدایت پاتا ہے اور خود گمراہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں ہدایت و گمراہی خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیگئی ہے وہاں اُس کے قانونِ مشیّت کا ذکر محذوف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت دیتا ہے جو خود اُس کی طرف رجوع کرتا ہے يَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ [۴۲/۱۳]۔ چنانچہ ہدایت و گمراہی کے اِسی مبنی بر حقیقت خداوندی طریقے کے متعلق آنحضورؐ کو مخاطب کر کے اگلی آئتِ ذیل میں ارشاد ہوا ہے :-

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسۡتَقِيۡمًا ؕ قَدۡ
اور یہ ہے طریقہ رب تیرے کا سیدھا بیشک

فَصَّلۡنَا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ ۝۱۲۷
کھول دی ہمنے آئتیں واسطے قوم کے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں

اور (اے رسولؐ!) یہی ہے سیدھا راستہ آپ کے رب کا۔ بیشک ہم نے اپنی آئتوں کو اُس قوم کیلئے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے جو (ان سے) خود نصیحت حاصل کرنے والے ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ مفصّل ہیں اور ذریعہ ہدایت و نصیحت ہیں

● اِس آئت مجیدہ میں قرآن مجید سے نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ بتلایا گیا ہے آیاتِ قرآنیہ کا مفصّل ہونا۔ پس آیاتِ قرآنیہ مفصّل تسلیم نہ کرنا اُسے اِس کے اُس مقام سے گرانے کے مصداق ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن مجید کو مفصّل کی بجائے مجمل

قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قابلِ نصیحت نہیں۔ العیاذُ باللہ! حقیقتِ حال کی رُو سے قرآنِ کریم مفصّل ہے ۱۶/۸۹ + ۶/۱۱۶ + ۶/۱۲۶ ۔ اور اس کی تفصیل کا انداز یہ ہے کہ مسئلہ زیرِ بحث کی جزئیات کو یا تو خود بیان کر دیتا ہے یا جزئیات کے اصول بیان کر دیتا ہے۔ مثلاً :۔

صلوٰۃ موقّت نماز کی جزئیات

● اوقاتِ صلوٰۃ کی تعداد ۱۱/۱۱۴ میں بیان کر دی گئی ہے یعنی اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ دو دن میں اور ایک رات میں۔ دن کی دونوں صلوٰتوں کی انتہا قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ۲۰/۱۳۰ + ۵۰/۳۹ میں بتا دی ہے کہ دن کے پہلے حصّے کی صلوٰۃ سُورج نکلنے سے پہلے پہلے ادا کر لیا کرو اور دوسرے حصّے کی صلوٰۃ سُورج غروب ہونے سے پہلے پہلے۔ اِس طرح ان دو صلوٰتوں کی انتہا کھل کر سامنے آچکی ہے وہ وقت جس سے دن کے پہلے حصّے کی ابتدا ہوتی ہے یعنی طلُوعِ فجر، پوہ کا پھٹنا۔ اور دوسرے حصّے کی صلوٰۃ کی ابتدا آدھے دن کے دُوسرے حصّے کی ابتدا یعنی زوالِ آفتاب اسی طرح تیسری صلوٰۃ جو رات کی ابتدائی گھڑیوں پر مشتمل ہے۔ اُس کی ابتدا رات کی ابتدا ہے اور انتہا غائبِ شفق۔

● اِس کے بعد باری آتی ہے ارکانِ صلوٰۃ کی۔ اُن کی تفصیل ۲۲/۲۶ میں بتا دی گئی ہے قیام رکُوع اور سجدہ۔ طَہِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْقَآئِمِیْنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوْدِ۔ میرے گھر کو پاک رکھو آنے جانیوالوں، قیام رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے۔ انہی ارکان کی تائید ۳/۱۰۲ + ۴۸/۲۹ میں بھی کر دی گئی ہے۔

● جزئیاتِ صلوٰۃ کی آخری اہم چیز ہے کہ صلوٰۃ میں پڑھنا کیا ہے۔ اِس کی وضاحت فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۷۳/۲۰ پڑھو صلوٰۃ میں صلوٰۃ کے مقتضی مقام کے مطابق قرآن میں سے۔ صلوٰۃ چونکہ مقام حمد دعا تسبیح اور استغفار ہے اس لئے قرآنِ کریم میں سے حمد، دعا، تسبیح اور استغفار کی حامل آیات کریمات پڑھی جائیں گی۔ بتائیے! کونسی جزئیات غیر مفصّل چھوڑ دی گئی ہیں۔ مسئلہ صلوٰۃ کے متعلق ادارہ بلاغ القرآن کا شائع کردہ پمفلٹ "الصّلوٰۃ" ملاحظہ فرمائیں۔

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت میں قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ کے الفاظ میں جس نصیحت حاصل کرنے والی قوم کی خبر دی گئی ہے، اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ نصیحت حاصل کرنا بھی اُن کا اپنا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد خود اُن کے اپنے عملوں کی بدولت میسّر آتی تھی۔ یہ پاکیزہ جماعت صحابہ کرامؓ کی تھی، جس کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

لَھُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَ ھُوَ

واسطے اُن کے گھر ہے سلامتی کا نزدیک رب ان کے اور وہ ہے

اُن (مفصّل قرآن کی آیتوں سے نصیحت حاصل کرنیوالوں) کیلئے اُن کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے۔ اور وہ اللہ اُن کا

وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ۱۲۸ || مددگار ہے اُن عملوں کے ذریعہ جو وہ خود بجالاتے ہیں ۔[1]

مددگار ان کا ساتھ اسکے جو تھے عمل کرتے

● [1] هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کے جملہ مبارکہ میں اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جو مدد باری تعالیٰ کی طرف سے فرمائی گئی تھی وہ اُن کے اپنے اعمال کی بدولت تھی ۔ یعنی اُن کے اپنے اعمال کا بدلہ تھا ۔ مثلاً جنگِ بدر میں فتح اُن کے اپنے اعمال یعنی حسبِ حال مکمل جنگی تیاری اور ثابت قدمی کا بدلہ تھی جنگِ اُحد میں جو تکلیف پہنچی تھی وہ اُن کی اپنی سستی کا نتیجہ تھا ۔ جنگِ احزاب میں صحیح منصوبہ بندی اور اُس پر صحیح عمل کرنا باعثِ فتح و نصرت ہوا تھا ۔ اور بالآخر فتح مکہ کے وقت خدا تعالیٰ کے حکم ۸/۶۰ کے مطابق حسبِ استطاعت اُن کی بے پناہ جنگی تیاری سے مرعوب ہو کر دشمن نے بلا جنگ و جدال شکست تسلیم کر کے بیت اللہ شریف کا قبضہ دے دیا تھا ۔ قرآنی آئین کے مطابق خدا تعالیٰ کا دائمی قانون یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی ہی مدد کرتا ہے جتنے کہ انسان خود عمل کرتا ہے ۔ بالفاظِ دیگر جتنی اپنی مدد آپ کرتا ہے ۲۲/۴۰ ۔
وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۲۲/۴۰ اللہ اُسکی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے ۔

کائناتی اور تنزیلی قوانین

● کارگاہِ کائنات میں جتنے بھی خداوندی قوانین جاری و ساری ہیں اُن کے مطابق عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ مددگار بنتا ہے ۶/۱۲۸ اور اُن سے غفلت برتنے سے انسان خود ہی اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جاتا ہے ۔ زراعت ہو، صنعت و حرفت، ہر گوشۂ قانون میں خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین پر عمل کرنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی مدد بصورتِ کامیابی شاملِ حال ہوتی چلی جاتی ہے ۔

● لیکن یاد رہے کہ زندگی صرف اس دُنیا کی موجودہ زندگی ہی نہیں ہے کہ اس میں قوانینِ جاریہ پر زیادہ سے زیادہ عمل کر کے ذاتی مفاد حاصل کرتے چلے جائیں ، بلکہ اس زندگی کے بعد یعنی قیامت کو دوسری زندگی کا تصور بھی ناگزیر ہے ۔ اُخروی زندگی کی کامیابی کا تعلق خدا تعالیٰ کے تنزیلی قوانین کے ساتھ ہے ۔ زیر دستوں پر بالادستوں کا ظلم خدا تعالیٰ کو پسند نہیں ۔ وہ چاہتا ہے کہ اُس کی پیدا کردہ نعمتیں جو پوری نوعِ انسانی کے لئے ہیں ۲/۲۹ + ۲/۳۶ + ۷/۲۴ ، اِن میں عدم توازن اور عدم مساوات نہ پائی جائے ۔ یہ عدم توازن سرفہرست تو اربابِ اقتدار کی طرف سے برپا ہوتا ہے ۔

● چنانچہ اسی کی بدولت نوکرشاہی کے علاوہ جاگیردار ، زمیندار ، کارخانہ دار اور خلوت نشین حضرات آرامگاہوں میں چھپ کر بیٹھے عیش کرتے اور مزدور و مزارع بیچارے کڑکتی دھوپ میں جلتے اور شدید جاڑوں میں ٹھٹھرتے بھوکے مشقت کرتے ہیں ۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ میں ان مشقت گزاروں کو انس کہا گیا ہے اور آرامگاہوں میں چھپ کر بیٹھنے والوں اور اُنکی کمائی پر عیش کرنے والوں کو جنّ کہا گیا ہے ۔ مسئلہ جنّ کی بحث پیچھے صفحہ ۲۲۱ پر گزر چکی ہے ۔ ملاحظہ فرما کر تسلی فرمائیں ۔ انہی جنّ و انس کے متعلق باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يَٰمَعْشَرَ
اور جس دن جمع کرے گا انکو سب کو۔ اے گروہ
الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ ۖ وَقَالَ
جنّوں کے بیشک کثیر فائدہ اٹھایا تم نے سے انسانوں اور کہے گا
أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ
دوست ان کا میں سے انسانوں کے رب ہمارے فائدہ اٹھایا
بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ
بعض ہمارے نے سے بعض اور ہم پہنچے مدت اپنی کو جو مقرر کی تو نے
لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا
واسطے ہمارے کہیگا آگ ہے ٹھکانہ تمہارا ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ
مگر جو چاہے اللہ۔ بیشک رب تیرا بڑا داناً
عَلِيمٌ ○ ۱۲۹
بڑا علم والا ہے

اور وہ دن قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ (جنّ وانس) سب کو جمع کرلیگا (قیامت کو کہے گا) اے گروہ جنّوں کے (چھپ کر بیٹھنے والو!) تم نے انسانوں (مشقت گزاروں) سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔ انسانوں میں سے جنّوں کا دوست کہے گا کہ اے ہمارے رب! ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اور ہم اُس مدّت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کر رکھی ہے (یعنی موت تک بعض بعض سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ تعالیٰ) کہیگا تمہارا ٹھکانہ آگ ہے۔ اُسی میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت یہی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بڑھ کر دانا ہے اور بہت بڑھ کر صحیح صحیح علم والا ہے۔

● ۱۲۸ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ کے الفاظ میں اس امر کی خبر دی گئی ہے کہ جنّ یعنی مشقت گزاروں کا استحصال کرنے والوں نے خود مشقت گزاروں میں سے اپنے دوست (بصورت ایجنٹ) بنا رکھے ہوتے ہیں جو اپنے ہی ساتھی مزدوروں کا استحصال کرنے میں سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور زمینداروں کے دوست بنے ہوتے ہیں۔ وہ انہیں دوسرے مزدوروں کی نسبت کچھ زیادہ مزدوری دے دیتے ہیں۔ اگلی آیت میں اس کا یہ نتیجہ بتایا گیا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا
اور اسی طرح ہم دوست بناتے ہیں بعض ظالموں کو بعض کا
بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ ۱۳۰ ع ۱۵ / ۸ / ۲
اسلئے جو ہیں وہ کسب کرتے

اور اسی طرح ہم (انسانوں کے) ظالموں کو (جنّوں کے) بعض ظالموں کا دوست پاتے ہیں (اسی دوستی) کے سبب وہ کسب کرتے ہیں (یعنی مزدوروں مشقت گزاروں کا استحصال کرتے ہیں)۔

سرمایہ دار اور اُنکے مددگار کیا کسب کیا چالیں چلتے ہیں

● آیت بالا میں مزدور عوام کا خون چوسنے والے ظالموں (جنّوں) اور اُن کے مددگار انسان جنہیں سرمایہ دار مزدوروں

ہی میں سے چھانٹ کر نمبردار بنا دیتا ہے کہ تو دستی کام نہ کیا کر اور ان مزدوروں سے کام لیا کر۔ اِن سب کے متعلق ارشاد ہُوا ہے یہ دونوں مل کر اس ظلم کو قائم رکھنے کیلئے قسم قسم کے کسب کر توتیں کرتے ہیں یَکْسِبُوْنَ۔ اسکے ضمن میں اِن لوگوں کی چالبازیاں اور مکاریاں ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ سرمایہ داری نظام کا اوّلین دجل وفریب یہ ہے کہ عوام کو غریب رکھو اُنہیں پیٹ بھر روٹی نہیں ملنی چاہیئے تاکہ یہ خود بخود تمہارے اشاروں پر ناچتے رہیں۔ اس کے بعد جب دیکھتے ہیں کہ مزدور میں خودداری کے آثار پائے گئے ہیں تو اُسے چھٹیاں کرا دیتے ہیں تاکہ اُس کے گھر میں بھوک ناچنے لگے۔ اور اُس کا دماغ درست ہو جائے۔ مزدوروں میں سے خوشامدی قسم کے مزدوروں کو نمبردار (میٹ) بنا کر اُن سے جاسوسی کا کام لیتے ہیں۔ اور اس امر سے باخبر رہتے ہیں کہ کہیں مزدوروں کو اپنے حقوق کا شعور تو نہیں ہو رہا۔ یہ اور اس قسم کے سینکڑوں کسب کرتوتیں اور حربے ہیں جو یہ لوگ مل کر استعمال کرتے اور مزدور کے خُون کو شیرِ مادر بنائے رکھنے کے سامان کئے رکھتے ہیں۔

• لیکن اللہ تعالیٰ نے ابتداءِ آفرینش ہی سے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ واضح کر رکھا ہے کہ یہ شیطانی نظام ضابطۂ خداوندی کے اوّلین درسِ ربوبیّتِ عامہ ۱/۱ کے خلاف ہے۔ چنانچہ قیامت کے مذکورہ مکالمہ میں کہا جائیگا:۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ[1]
اے گروہ جنّوں اور انسانوں کے کیا نہیں آئے پاس تمہارے

رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ[2] وَیُنْذِرُوْنَکُمْ
رسول میں سے تمہارے پڑھتے اوپر تمہارے آیتیں ہماری اور ڈراتے تم کو

لِقَآءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓی اَنْفُسِنَا
ملاقات دن اس کی ۔ کہیں گے ہم گواہ ہیں اوپر جانوں اپنی

وَغَرَّتْهُمُ[3] الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓی
اور دھوکا دیا انہیں زندگانی دُنیا نے اور گواہ ہوئے اوپر

اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ ۝ ۱۳۱
جانوں اپنی کہ بیشک وہ تھے انکار کرنیوالے

(کہیگا اللہ تعالیٰ) اے گروہ جنّوں اور انسانوں کے (استحصال کرنے والو اور ہونے والو!) کیا تمہارے پاس ہمارے رسُول تمہیں میں سے نہیں آئے تھے[1] جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتے تھے[2]۔ اور تمہیں اس دن کی (حضورِ الٰہی میں) حاضری سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے ہم اپنے آپ پر گواہ ہیں

اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا[3] اور وہ اپنی جانوں پر آپ گواہ ہوئے کہ بلا شبہ وہ (ضابطۂ الٰہی کا) انکار کرنے والے تھے

• [1] اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ کے جملہ سے بعض لوگ یہ تصوّر اخذ کرتے ہیں کہ نبی رسُولوں کی آمد آنحضورؐ کے بعد بھی جاری ہے۔ واضح رہے کہ نبی رسُولوں کی آمد کا سلسلہ خُود باری تعالیٰ نے ۳۳/۴۰ میں آنحضورؐ کو خاتم النبیّین قرار دے کر ختم کر دیا ہے۔ آیتِ بالا میں جو لفظ آیا ہے رُسُلٌ یہ رسُول کی جمع ہے۔ عربی زبان میں رسُول کا لفظ عام ہے ۱۲/۵۰ میں شاہِ مصر کے ایلچی کو جو شاہِ مصر کی طرف سے حضرت یوسفؑ کے پاس جیل خانے میں بھیجا گیا تھا، رسُول کہا گیا ہے:۔ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ۔

لیکن جس طرح اسے اللہ کا نبی رسول نہیں کہا جا سکتا' اسی طرح آیتِ بالا میں حضور خاتم النبیین کے بعد قرآن کریم کے مبلغ مراد ہیں جو لوگوں کو قرآنِ کریم کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ کیونکہ آنحضور کے بعد افرادِ امت پر بھی بلاغِ قرآن فرض ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری :-

● وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ۶/۱۹ اور (اے رسول! کہد یجئے کہ) میری طرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ میں اسی کے ساتھ تمہیں برے اعمال کی سزا سے ڈراؤں اور وہ بھی اپنے زمانے میں اسی قرآن کے ساتھ لوگوں کو ڈرائے جس تک یہ پہنچے ——— اِس آیت مجیدہ کی رُو سے تبلیغِ قرآن قیامت تک جاری رہیگی۔ اور اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ کے تقاضے پُورے ہوتے رہیںگے۔

● ۲ـ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ کے الفاظ میں مبلغینِ قرآن کی نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی آیتیں پڑھیں گے' روائتیں نہیں پڑھیں گے۔ یعنی وہ تبلیغِ قرآن کو خالص رکھیں گے' اُس میں روائتوں اور قصوں وغیرہ کی ملاوٹ کر کے ناخالص نہیں کریں گے۔ لیکن یاد رہے کہ مبلغینِ قرآن کو قرآن پہنچانے والے کہا جائے گا اللہ کے نبی رسول نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ نبوت وہبی چیز ہے کسبی نہیں۔

● ۳ـ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کے الفاظ میں عام قاعدہ بتا دیا گیا ہے کہ انسانوں کو عموماً دنیا کی زندگی دھوکا دیتی ہے اور وہ غافل ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھنے کی یہ چیز ہے کہ دُنیا کی زندگی چند روزہ ہے اور اس میں کئے گئے اعمال کی جوابدہی کے لئے بلاشک وشبہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حاضر ہونا ہے۔ اگر یہ چیز یاد رہے تو پھر انسان دُنیا کی زندگی سے دھوکا نہیں کھاتا اور غلط کار نہیں بنتا۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

● آگے بڑھنے سے پہلے اوپر دئے گئے ضمنی نوٹ ۱ـ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ کی بحث پر پیدا ہونے والے اس اعتراض کا جواب دینا ضروری ہے کہ اگر مبلغینِ قرآن کو بھی رسُول کہا گیا ہے تو اگر مرزا غلام احمد کی قسم کا کوئی متنبی مولوی اپنے آپ کو اللہ کا رسُول کہلانے کا شوق کرے تو اُس کے خلاف قرآنِ کریم کی کیا دلیل ہے۔ جواباً عرض ہے کہ آنحضور کے بعد اللہ کی طرف سے نبیوں اور رسُولوں کو بھیجنے کا سلسلہ آیت مجیدہ ۳۳/۴۰ کے مطابق ختم ہو چکا ہے :- مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ نہیں ہیں محمد تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ' لیکن وہ اللہ کے رسُول ہیں (یعنی بحیثیت رسُول ہونے کے ساری اُمت کے دینی باپ ہیں۔ آپ کی بیویاں اُمت کی دینی مائیں ہیں ۳۳/۶) اور آپ وہ ذاتِ مقدس ہیں جن پہ نبیوں اور رسُولوں کی آمد اللہ کی طرف سے ختم کر دی گئی ہے۔ یہ آیت مجیدہ محکم آیت ہے' آنحضور کے خاتم النبیین ہونے کو باندازِ ذیل بھی اجاگر کیا گیا ہے :-

● حضرتِ نوحؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ۷/۵۹ بیشک ہمنے نوحؑ کو اسکی قوم کی طرف بھیجا۔

● حضرت ھودؑ کے متعلق فرمایا :- وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۷/۶۵ اور قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ھودؑ کو بھیجا۔

• حضرت صالحؑ کے متعلق آیا ہے :۔ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۷/۷۳ اور قومِ ثمود کی طرف اُنکے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔

• حضرت شعیبؑ کے متعلق فرمایا :۔ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۱۱/۸۴ اور اہلِ مدین کی طرف انکے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔

• حضرت موسٰیؑ کے متعلق آیا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی ۔۔۔۔۔۔۔ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۔ اور بیشک موسٰیؑ کو ۔۔۔۔۔۔ فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا۔ اِسی طرح حضرت مسیحؑ کا قول ہے :۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ۶۱/۶ اور جب مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ نے کہاکہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہُوا ہوں۔

• پس اِن آیاتِ کریمہ سے ثابت ہُوا کہ ہر نبی رسُول اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ لیکن آنحضورؐ کے متعلق خود آپ ہی سے اعلان کرادیا گیا ہے :۔

• قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ۷/۱۵۸ کہدے بیشک اے نوعِ انسانی ! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہُوا رسُول ہوں۔ نیز آنحضورؐ کے آخری رسُول ہونے کا باندازِ ذیل بھی اعلان کر گیا ہے :۔

• وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ۳۴/۲۸ اور نہیں بھیجا ہمنے آپکو مگر آپ نوعِ انسانی کیلئے کافی ہیں۔ آنحضورؐ کی کفایت اُسی طرح نوعِ انسانی کیلئے ہے جس طرح اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۳۹/۳۶ کے الفاظ میں اللہ تعالٰی کے کافی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ پھر آپکو دی گئی کتاب کے متعلق ارشاد ہُوا ہے اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ ۲۹/۵۱ کیا یہ لوگوں کیلئے کافی نہیں کہ ہمنے آپ پر اپنی کتاب قرآن مجید نازل کردیا ہے۔ جو کہ قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے ہدایت ہے هُدًی لِّلنَّاسِ ۲/۱۸۵ اب جبکہ آنحضور قیامت تک کیلئے بحیثیت رسُول کافی ہیں ۳۴/۲۸ اور آپکی کتاب بحیثیت کتاب کافی ہے ۲۹/۵۱ اور ۳۳/۴۰ کے مطابق آپ آخری رسُول ہیں تو ان دلائلِ قرآنیہ کی موجودگی میں اگر کوئی مولوی ۶/۱۳۱ کی متشابہ آیت کا سہارا لیکر اللہ کا رسُول ہونے کا دعوٰی کرے تو جھوٹے دعویدارانِ رسالت میں اضافہ کرکے جہنّم کا ایندھن بننے کے سوا اور کیا کریگا۔

عَوْدٌ اِلَی الْمَقْصُوْد

• مندرجہ بالا بحث میں ہم دور نکل آئے ہیں۔ اپنے سبق کی طرف رجُوع کرتے ہُوئے عرض گزار ہیں کہ ۶/۱۳۱ کے مطابق دُنیا کی زندگی سے دھوکا کھاکر ضابطۂ خداوندی سے غافل ہوجانا نافرمانی ہے اللہ کے بھیجے ہُوئے نبیؐ رسولؐ بھی فریضۂ تبلیغ رسالت و نبوّت اداکرکے لوگوں پر بھی اتمامِ حجّت کیا کرتے تھے اور مبلغینِ قرآن کا فریضہ بھی یہی اتمامِ حجّت ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اسی اتمامِ حجّت کی خبر بالفاظِ ذیل دی گئی ہے :۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی

مذکورہ بالا اسلئے کہ نہیں ہے رب تیرا ہلاک کرنے والا کسی بستی کو

بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ ۱۳۲

ظلم کیساتھ اور تھوں اُسکے رہنے والے بے خبر

(مذکورہ بالا اندازِ تبلیغ اے رسولؐ!) اِس لئے ہے کہ آپ کا رب ظلم کے ساتھ کسی بستی والوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے کہ وہ اس کے احکام سے) بے خبر ہوں (اور اُن پہ عذاب آجائے

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ
اور ہر کسی کیلئے ہیں درجے بسبب اسکے جو عمل کئے اور نہیں رب تیرا

بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۳
غافل اُس سے جو وہ عمل کرتے ہیں

اور ہر کسی کے لئے درجے مقرر ہوتے ہیں اُس کے مطابق جو وُہ عمل کرتے ہیں۔ اور (اے رسولؐ!) آپ کا رب اُس سے غافل نہیں جو وہ عمل کرتے ہیں (اسلئے ہر کسی کے صحیح درجے اُس کے اعمال کے مطابق متعین ہوتے ہیں)۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ
اور رب تیرا بے محتاج ہے رحمت والا اگر وہ چاہے

يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ
لے جائیگا تمہیں اور لے آئے گا سے پیچھے تمہارے جسے چاہے

كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝۱۳۴ۭ
جیسے کہ پیدا کیا تم کو میں سے نسل قوم دوسری کے

اور (اے رسولؐ!) آپکا پروردگار بے نیاز ہے رحمت والا ہے (ہرگز ظلم نہیں کرتا۔) اگر (تم بدعمل ہو جاؤ تو) وہ تمہیں لے جائے گا (ختم کر دے گا) اور اپنے قانونِ مشیت کے مطابق دوسری قوم کو لے آئے گا جیسے کہ تمہیں ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا تھا۔

● یہ خطاب آنحضورؐ کی معرفت زمانۂ رسالتِ محمدی کے لوگوں آپکے مخالفوں سے فرمایا گیا تھا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں انہی لوگوں کو کہا گیا ہے کہ اگر تم ہمارے رسولؐ کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وعدہ دیا گیا عذاب آ کر رہے گا:۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ
بیشک جو وعدہ تم دئے جاتے ہو ضرور آنیوالا ہے اور نہیں تم

بِمُعْجِزِيْنَ ۝۱۳۵
عاجز کرنے والے

بیشک جو وعدہ تمہیں (رسولؐ کے ذریعہ) دیا جاتا ہے (کہ اگر تم ہمارے دین کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وہ ضرور آنے والا ہے (وہ عذاب آ کر رہے گا) اور تم اُسے عاجز کرنے والے نہیں (کہ عذاب کو ٹال لو)۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ آنحضورؐ کے ذریعہ ذیل کا فیصلہ کن اور آخری اعلان کرا دیا گیا ہے :۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ
کہہ اے قوم میری عمل کرو تم اوپر مقام اپنے کے

اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ
بیشک میں عمل کرنیوالا ہوں پھر جلدی تم جان لوگے کون ہے کہ ہوگا

لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
واسطے اسکے انجام گھر کا بیشک وہ نہیں کامیاب کرتا

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ اے میری قوم (جب تم قرآنی حقائق کو تسلیم نہیں کرتے تو اب فیصلہ کن امر یہ ہے کہ) تم اپنے مقام پر عمل کرتے جاؤ اور میں تو اپنے مقام پر عمل کرنے والا ہوں (پھر اعمال کے نتیجے کے طور پر فیصلہ ہو جائے گا) تم جلدی ہی جان لو گے کہ کس کے اعمال بہتر نتائج پیدا کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے ٹھکانہ کام کرنے والوں کو کامیاب نہیں کرتا۔

الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۳۶

ظالموں کو

● اِس خداوندی اعلان کے مطابق اعمال کے بہتر نتائج کو دلیلِ صداقت قرار دیا گیا ہے۔ آنحضورؐ کے مبارک منشور کی پہلی شق ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱ ، جو بلا تمیز اعلیٰ وادنیٰ ربوبیتِ عالمینی کی علمبردار ہے۔ اِسی پر کامل عمل کی بدولت آنحضورؐ آخر کار فتح وظفر سے ہمکنار ہوئے نظامِ ربوبیت کے قیام میں اوّلین رکاوٹ عقیدہ پیشوائیت ہے جو زمانۂ رسالت کے یہود ونصاریٰ میں شدت کے ساتھ جاری تھا۔ جس میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے حصول کے لئے مختلف پیشواؤں کو وسیلہ قرار دیا جاتا' اور عقیدہ یہ تھا کہ اُن کے وسیلے کے بغیر نہ بارش برستی ہے نہ کھیتی پیدا ہوتی ہے۔ اِس لئے عوام کے ذہنوں میں بٹھا دیا گیا تھا کہ جبتک کمائی میں سے خدا کیساتھ ساتھ پیروں فقیروں کا حصّہ مقرر کر کے باقاعدہ ادا کیا جائے گا' نہ کھیتی پیدا ہوگی' نہ مویشیوں میں اضافہ ہو گا۔ اِسی چیز کی خبر سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں دیگئی ہے :-

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ

اور ٹھرایا واسطے اللہ کے اس سے کہ اگایا میں سے کھیتی کے

وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ

اور مویشیوں سے حصّہ پھر کہا یہ ہے واسطے اللہ کے ساتھ زعم ان کے

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ

اور یہ ہے واسطے شریکوں ہمارے پھر جو ہے واسطے شریکوں ان کے

فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ

پس نہیں پہنچتا طرف اللہ کے اور جو ہے واسطے اللہ کے پس وہ پہنچتا ہے

اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۱۳۷

طرف شریکوں ان کے ، برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں

اور (آنحضورؐ کے مخالفین نے) کھیتی کی پیداوار اور مویشیوں میں سے ایک حصّہ اللہ تعالیٰ کے لئے ٹھرایا تھا۔ پھر وہ کہتے تھے کہ یہ حصّہ (کھیتی اور مویشیوں کا) اُن کے زعم کے مطابق اللہ کا ہے اور یہ حصّہ ہمارے ٹھرائے ہوئے شریکوں کا ہے۔ پھر جو حصّہ اُن کے شریکوں کا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو حصّہ (اُن کے زعم کے مطابق) اللہ کا ہے وہ (بھی تو) اُن کے ٹھرائے ہوئے شریکوں کو پہنچتا ہے۔ (یعنی وہ لوگ دونوں حصّے پیروں کو دے دیتے ہیں) (کتنا) بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

پیروں کی نذر میں اولاد کا قتل ہے

● اگلی آئت مجیدہ میں پیروں کے حصّہ کا تقرر یعنی اولاد کا حق پیروں کی نذر کرنے کو قتلِ اولاد کہا گیا ہے۔ کہ وہ بچّوں کے پیٹ کا ٹکر پیروں کو دیتے ہیں :-

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اور اسی طرح مزین کیا واسطے بہت مشرکوں کے

اور اِسی طرح (مریدوں کے مالوں میں حصّے مقرر کر کے) بہت سے مشرکوں کیلئے اُنکے (ٹھرائے ہوئے) شریکوں (پیروں) نے

قَتْلَ[1] اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ[2] وَلِيَلْبِسُوْا[3]

قتل کرنا اولاد کا اُن کی شریکوں نے انکے تاکہ ہلاک کردیں انکو اور تاکہ مخلوط کردیں

عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ

اوپر اُن کے دین ان کا اور اگر چاہتا اللہ نہ کرتے اُسے

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○ ۱۳۸

پس چھوڑ اُن کو اور جو افترا کرتے ہیں

اُن کی اولاد کا قتل[1] کرنا مزین کر دیا ہے۔ تاکہ اُنہیں (مالی طور پر) ہلاک[2] کرتے رہیں اور تاکہ اُن کے دین کو اُن کے لئے مخلوط کر دیں[3]۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (زبردستی) چاہتا تو وُہ ایسا نہ کرتے۔ (اے مخاطب!) اُنہیں بھی چھوڑ دے اور اُس (دین کو بھی چھوڑ دے) جو یہ لوگ خود اپنے پاس سے گھڑ لیتے ہیں۔

● ۱-۲ قتل اولاد محاورۃً آیا ہے۔ اور لِيُرْدُوْهُمْ کا معنی ہے تاکہ وہ اُنہیں ہلاک کر دیں اِن معنوں میں ۹۲/۱۱ میں آیا ہے وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ○ اور اُس کے مال نے اُسے فائدہ نہ پہنچایا جب وہ ہلاک ہُوا۔ آیتِ بالا میں مالی اقتصادی ہلاکت مُراد ہے۔ جو نذروں نیازوں، مُریدوں کے مال میں مقررہ حصّوں کے مطابق وصول کر کے مُریدوں کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ اِسی چیز کیلئے قتل اولاد کا محاورہ استعمال ہُوا ہے۔ جس کی زندہ مثال یہ ہے کہ خواہ کھیت سے فصل اتنی کم پیدا ہُوئی ہو کہ مُرید کے بچوں کیلئے بھی ناکافی ہو تو پھر بھی پیر صاحب کا حصّہ ضرور ادا کر دیا جاتا ہے، پیر کے گھر میں اناج کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں مگر مُرید اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے سال بھر قرضہ اُٹھانے کے لئے مجبور ہُوا رہتا ہے۔

● ۳ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ کا مفہوم یہ ہے کہ کھیتی اور مویشیوں میں سے پیروں کا حصّہ تو کسی بھی دین میں مقرر نہیں ہے، نہ یہودیوں کے دین میں ہے نہ نصاریٰ کے دین میں۔ مگر پیر صاحبان مذکورہ نذروں نیازوں کو دین کا حصّہ ظاہر کر کے اُن کے لئے اصل دین کو مخلوط کر دیتے ہیں تاکہ نہ اصل دین اُن پر نمایاں ہو سکے اور نہ اِن کے مقررہ حصّوں کی وصولی میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو سکے۔ چنانچہ پیروں کی کھیتی اور اُن کے مویشیوں کو پہلے ہی سے الگ کر دینے کی خبر دے دی گئی ہے:۔

وَقَالُوْا[1] هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ

اور کہا یہ مویشی اور کھیتی اچھوتی ہے

لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ

نہیں کھائے گا اسکو مگر جسے ہم چاہیں ساتھ زعم ان کے اور

اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا

مویشی حرام کی گئیں پیٹھیں ان کی اور مویشی نہیں

يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۗ

ذکر کرتے نام اللہ کا اوپر اُن کے افترا کے طور پر اوپر اسکے

اور وُہ (مُرید) اپنے زعم کے مطابق کہتے ہیں کہ ان مویشیوں اور اس کھیتی کو ہم نہیں چھوئیں گے[1]۔ اِسے نہیں کھائے گا کوئی لیکن جسے ہم چاہیں گے۔ اور بعض مویشیوں کی پیٹھیں حرام کر دی جاتی ہیں (صرف پیر اُن پر سوار ہوتے ہیں[2]) اور بعض مویشیوں پر اللہ کے نام کا ذکر نہیں کرتے (کہتے ہیں یہ پیروں کے لئے مخصوص ہیں)[3]۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں ضرور ضرور اس کی سزا دے گا جو وہ افترا باندھ رہے ہیں (دین میں ایسے عقائد ایجاد کرتے اور اُنہیں اللہ کے دین کا حصّہ قرار دیتے ہیں)۔

سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۱۳۹

فرور سزا دے گا انکو بسبب وہ تھے افترا ہی کرتے

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ

اور کہا جو بیچ پیٹوں ان مویشیوں کے ہے

خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا

خالص ہے واسطے مردوں ہمارے اور حرام کیا گیا اوپر ساتھیوں ہمارے

وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ

اور اگر ہو مُردہ تو وہ بیچ اسکے شریک - فرور سزا دیگا انکو

وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۱۴۰

بیان کی ان کے بیشک وہ بہت دانا بہت علم والا ہے

اور وُہ (مُرید) کہتے ہیں کہ اِس مویشی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ خالصاً ہمارے مردوں (یعنی پیروں) کے لئے ہے۔ اور ہمارے ساتھیوں مُریدوں کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔ اور اگر (وُہ بچہ پیدا ہو) مُردہ تو اُس میں شریک ہوجاتے ہیں (اسے اپنے لئے قرار دے لیتے ہیں) اور اِس طرح جو (پیروں کے) وصف بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں اس کی فرور سزا دیگا۔ بلا شبہ وہ بڑھ کر دانا اور بڑھ کر علم والا ہے۔

● ۱ پیروں کے مُرید بعض مویشیوں کو پیدا ہوتے ہی اور بعض کھیتوں کو بوتے وقت ہی پیروں کی نذر کر دیتے ہیں کہ اِن میں سے اُن کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔ یہ ہے مفہوم اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ کا۔

● ۲ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا سے مُراد یہ ہے کہ مرید بعض جانوروں، گھوڑوں وغیرہ کو پیروں کی نذر کر کے یہ عقیدہ بنا لیتے ہیں کہ ان پر صرف پیر صاحب ہی سوار ہو سکتے ہیں، باقی لوگوں کے لئے اِن پر سواری کرنا حرام ہے۔

● ۳ وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا سے یہ مُراد ہے کہ مرید بعض مویشیوں کو خاص طور پر پیروں کے عطا کردہ قرار دیتے ہیں، اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ بعض مرید اپنے بیٹوں کو بھی اللہ کی بجائے پیروں کے عطا کردہ قرار دے کر اُن کے نام رکھتے ہیں پیر اندتہ اور عطا فرید وغیرہ۔

● ۴ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا کا لفظی معنی یہ ہے کہ یہ خالصاً ہمارے مردوں کیلئے ہیں۔ لیکن اہل تصوف پیروں کو مرد کہتے ہیں۔ مثلاً کبھی پیر کا ذکر ان لفظوں میں کیا جاتا ہے کہ وہ موچی مرد ہیں یا وُہ لوہار مرد یا ترکھان مرد ہیں۔ یا اس لئے کہ تصوف کی نام نہاد منزلوں کو طے کرنا مردانگی قرار دیا جاتا ہے۔

● ۵ بعض مُرید کسی مویشی کے پیٹ کے بچے کو اُس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی پیر صاحب کی نذر کر دیتے ہیں۔ اُس کے پیدا ہونے کے دن ہی سے اُسکا مخصوص ادب اور مخصوص مقام قرار دے دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وُہ بچہ مُردہ پیدا ہو جائے اِس لئے کہ اُسے پیر صاحب کا عجز قرار دیا جائے، اُلٹا اِسے اپنا حصہ قرار دے کر پیر صاحب کے لئے دوسرے وقت پھر زندہ پیدا ہونے والا بچہ اپنے ذمہ نیاز کے طور پر رکھ لیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے :-

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ
بیشک نقصان پایا جنہوں نے قتل کیا اولاد اپنی کو

سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ
بے عقلی سے بغیر علم کے اور حرام کیا جو دیا انہیں اللہ نے

افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا
بہتان باندھ کر اوپر اللہ کے۔ بیشک گمراہ ہو گئے اور نہ تھوئے

مُهْتَدِيْنَ ۝ ١٤١ ع ١٦
ہدایت پانے والے

بیشک جن لوگوں نے (مذکورہ بالا طریقے سے اولاد کے مُنہ سے چھین کر پیروں کو دیا) اُنہوں نے نادانی اور بے خبری کیساتھ اولاد کو قتل کیا، اور اللہ کے دیئے ہُوئے رزق کو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر (اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے) حرام کر لیا، وُہ گھاٹے میں رہے۔ بیشک وُہ گمراہ ہو گئے اور وُہ ہدایت پانے والے نہیں ہیں۔

● ۱؎ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ کے الفاظ میں قتل مجازی مُراد ہے کہ بچّوں کے مُنہ سے چھین کر پیروں کو دینا اولاد کے قتل کے مترادف ہے۔ نیز اگر اولاد کو بھی پیر پرستی پر لگا دیا تو گویا انہیں قتل کر دیا۔

● ۲؎ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جو رزق اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اولاد کی پرورش کے لئے دیا ہے، اس کے ایک حصّہ کو پیر کی نیاز قرار دے کر اپنے لئے حرام کر لینا۔ اور دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ پیر صاحبان مریدوں کو تعویذ دیتے وقت حکم دیتے ہیں کہ ایک پھل سبزی یا گائے کا گوشت چھوڑ دو۔ چنانچہ پیروں کے کہنے پر اپنے آپ پر گائے کا گوشت یا پھلوں میں سے امرود وغیرہ اور سبزیوں میں سے بھنڈی یا بینگن وغیرہ حرام کر لئے جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

● ۳؎ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ کے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر کیا جاتا ہے یعنی یہ کہ یہ سب کچھ کرنے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہُوا ہے۔ چنانچہ پیروں کے ملفوظات کو اُس کے لئے سند قرار دے کر ایسی ایسی چیزیں جزوِ اسلام بتائی جاتی ہیں جن کا اسلام کے ساتھ دُور کا تعلق بھی نہیں۔

● ۴؎ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ کے الفاظ میں ایسے لوگوں کو نہ صرف یہ کہ گمراہ قرار دیا گیا ہے بلکہ اُن کے متعلق یہ خبر دی گئی ہے کہ وُہ اس گمراہی میں اس قدر پکّے ہو جاتے ہیں کہ وہ ہدایت پانے والے ہیں ہی نہیں۔

ہر چیز کو پیدا کرنیوالا صرف اللہ تعالیٰ ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں پیروں کو خدائی اختیارات سونپنے والوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ حاجت روا وُہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے :-

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ
اور وُہی ہے جو پیدا کرتا ہے باغات ایک دوسرے پر چڑھے ہُوئے

(ان کے پیر کچھ پیدا نہیں کرتے ۱۶/۲۰) وُہ اللہ ہی ہے جو ایسے باغات پیدا کرتا ہے جو ایک دُوسرے کے اُوپر چڑھے ہُوئے ہوتے

وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۱۴۲

اور نہ چڑھے ہوئے اور درخت کھجور اور کھیتیاں مختلف ذائقے ان کے اور زیتون اور انار باہم ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے کھاؤ میں سے پھل اس کے جب وہ پھل دے اور دو حق اس کا دن اتارنے پھل کے اور نہ بے جا خرچ کرو بیشک وہ نہیں پسند کرتا بے جا خرچ کرنیوالوں کو

ہیں اور (ایسے بھی جو) نہیں چڑھے ہوئے ہوتے۔ اور (پیدا کرتا ہے) کھجوروں کے درخت اور کھیتیاں (جن کی کھجوریں اور اجناس) مختلف ذائقہ ہوتا ہے اُس کا۔ اور وہ زیتون (بھی پیدا کرتا ہے روغنی قروتوں کے لئے) اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے بھی۔ کھاؤ اُس کے پھلوں میں سے جب وہ پھل دے اور اُس کا حق (زکوٰۃ) ادا کیا کرو پھل اُتارنے اور فصل کاٹنے کے دن[1] اور فضول خرچ نہ کیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

● چونکہ مسلسل پانچ آیات کریمات کے سیاقِ کلام میں پیروں کی نذروں نیازوں اور مال میں اُن کا حصّہ مقرر کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ اِس لئے لَا تُسْرِفُوْا کے مطابق، پیروں کی نذریں نیازیں اور اُن کے لئے مقررہ حصّے اسراف میں بھی شامل ہیں اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہیں۔

اللہ کا حصّہ آمدنی میں سے ادا کرنا ہے بچت میں سے نہیں

● [1] اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ کھیتی کی فصل اور باغات کے پھلوں میں سے اللہ تعالیٰ کا حق، اُس کا حصّہ زکوٰۃ اُس دن ادا کیا کرو جس دن کھیتی کاٹ کر سمیٹی جائے اور جس دن پھل اُتار کر سنبھالا جائے۔ دیکھئے! یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا حصّہ زکوٰۃ سال کے بعد اُس مال میں سے ادا کیا کرو جو تمہارے پاس بچ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حصّہ اُن لوگوں کا حق ہے جنہیں ناہموار معاشرہ محرومِ رُبوبیّت کر دیتا ہے۔ اسلئے روایات کا دیا ہوا یہ تصوّر مطلقاً غلط کہ حقدار بیچارے تو سال بھر اپنے حق سے محروم رہیں، مالدار سال بھر عیش کرتا رہے اور سال کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اُس بچت کا چالیسواں حصّہ نکال دیا جائے۔ اگر سال کے بعد کچھ نہ بچے تو سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا حصّہ ساقط ہو چکا ہے۔

● جس طرح کھیتی کی فصل اور باغ کا پھل آمدنی ہے بچت نہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کا حق يَوْمَ حَصَادِهٖ ادا کیا کرو اُسی طرح اللہ کا حصّہ (زکوٰۃ) آمدنی میں سے ادا کرنا فرض ہے بچت میں سے نہیں۔ ماہوار تنخواہ پانے والا ماہوار زکوٰۃ ادا کرے گا اور ہفتہ وار اُجرت پانے والے کو اللہ تعالیٰ کا حق ہفتہ وار ادا کرنا ہو گا۔ زکوٰۃ کی وصولی اور حقداروں کو ادائیگی اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ آمدنی میں سے کتنا حصّہ زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی۔ اِس کے ضمن میں صحیح قرآنی حصّہ عُشر کی

صُورت میں بطور یادگار عملاً چلا آرہا ہے ۔ کہ فصلوں اور پھلوں کی آمدنی میں سے عُشر یعنی دسواں حصہ ادا کیا جاتا ہے اور سال بھر کی تاخیر کے بغیر آمدنی کے دن ادا کیا جاتا ہے ۔ یہی صحیح قرآنی تصور ہے ۔ اِسی عنوان زکوٰۃ کے مقررہ دسویں حصّے کی قرآنی بحث آگے آئت نمبر ۶/۱۶۱ کی تفسیر میں صفحہ ۳۰۲ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانا شیطانی فعل ہے

● چونکہ پیچھے مسلسل پانچ سات آیات کریمات میں پیروں اور مریدوں کا ذکر چل رہا ہے ۔ جس میں پیروں کی طرف سے اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانے کا ذکر پیچھے آئت نمبر ۱۴۱ میں گزر چکا ہے ۔ اِس لئے سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام ٹھہرانے کو شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے ۔ اور ساتھ ہی حلال جانوروں کی آٹھ قسمیں بیان کردی گئی ہے :۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا

اور میں سے چوپایوں کے لدّو ہیں اور پست قد ۔ کھاؤ

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

میں سے جو دیا تم کو اللہ نے اور نہ پیروی کرنا قدموں شیطان کی

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۴۳﴾

بیشک وہ واسطے تمہارے دشمن ہے ظاہر

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ

آٹھ قسمیں میں سے بھیڑ دو قسمیں اور

مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

میں سے بکری دو قسمیں کہہ کیا دو مذکر حرام کئے یا

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

دو مادہ ۔ یا جو مشتمل ہیں اُوپر اسکے رحم دو مادہ کے

نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ﴿۱۴۴﴾

خبر دو مجھے ساتھ علم کے اگر ہو تم سچے

اور چار پایوں میں سے بعض لدّو ہیں (دراز قد) اور بعض ہیں (غیر لدّو) پست قد ۔ اللہ تعالیٰ نے جو رزق (حلال بھگالی کرنے والے چوپائے ۵/۱) تمہیں عطا فرمایا ہے اُس میں سے کھاؤ ۔ اور شیطان کے چال چلن کی پیروی نہ کر (حلال کو حرام ٹھہرا کر کھانا چھوڑ نہ دینا) بیشک وُہ تمہارا ظاہر دُشمن ہے ۔

آٹھ قسمیں (کھاؤ) بھیڑ میں سے دو قسمیں (نر مادہ) ۔ اور بکری میں سے (کھاؤ) دو قسمیں (نر مادہ) ۔ (اے رسول ﷺ) کہہ دیجئے گا کیا اللہ نے بھیڑ بکری کے) دو مذکر حرام کئے ہیں یا دو مؤنثیں حرام کی ہیں ۔ یا اُن کے اُن بچوں کو حرام کیا ہے جو اِن دونوں مؤنثوں کے رحم اُٹھاتے ہیں ۔ (اللہ نے کسی کو بھی حرام نہیں کیا) اگر تم سچے ہو تو (سُنی سنائی باتوں سے نہیں بلکہ) مجھے علم کے ساتھ خبر دو ۔

● اِس آئت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ رسالت کے لوگ بھی ان میں سے بعض قسموں کو حرام قرار دیتے تھے ۔ نیز فرمایا :۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ

اور پیدا کیں اونٹ کے دو قسمیں اور میں سے گائے دو قسمیں

قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

کہہ کیا دو مذکر حرام کئے یا دو مادہ۔ یا جو

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ اَمْ كُنْتُمْ

مشتمل ہیں اوپر اسکے رحم دو مادہ کے۔ یا تھے تم

شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ

حاضر جب حکم دیا تم کو اللہ نے ساتھ اسکے پھر کون بڑا ظالم ہے

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ

اس سے جو افترا کرے اوپر اللہ کے جھوٹ تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو

بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

بغیر علم کے بیشک اللہ نہیں ہدایت یافتہ ٹھہراتا قوم

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ ع ۴

ظالموں کو

اور (دکھاؤ) اُونٹ میں سے دو قسمیں (نر مادہ) اور گائے میں سے دو قسمیں (نر مادہ)۔ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کیا (اللہ نے اُونٹ اور گائے کے) دو مذکر حرام کئے ہیں یا دو مؤنثیں حرام کی ہیں۔ یا اُن کے اُن بچوں کو حرام کیا ہے جو اِن دو مؤنثوں کے رحم اٹھاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی حرام نہیں کیا) یا (بتاؤ) تم اُس وقت حاضر تھے جب تمہیں اللہ نے یہ حکم دیا تھا۔ پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے جھوٹ بہتان باندھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالم (بے ٹھکانہ کام کرنے والی) قوم کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● چونکہ یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ بعض چیزوں کو حرام کر دیا تھا۔ اسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ وحیِ الٰہی کی رُو سے صرف یہ چیزیں حرام ہیں:۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا

کہہ نہیں پاتا میں بیچ اسکے جو بھیجا گیا طرف میری حرام کیا گیا

عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً

اوپر کھانیوالے کے کہ وہ کھائے اُسے مگر یہ کہ ہو وہ مُردہ

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ

یا خون بہتا ہوا یا گوشت خنزیر کا پس بیشک وہ

رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ

ناپاکی ہے یا حد شکنی منسوب کیا گیا واسطے غیر اللہ ساتھ اسکے پھر جو

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ میں اُس (کتاب) میں جو میری طرف وحی کیگئی ہے، کسی کھانیوالے پر (حلال جانور کی) کسی چیز کو حرام نہیں پاتا کہ وہ اُسے کھائے سوائے اس کے کہ وہ مُردہ ہو، یا (اُن کی رگوں کا) بہنے والا خون ہو یا اُن کی خنزیر کا گوشت ہو۔ پس بیشک یہ ناپاک ہیں یا (وہ ایسا حلال جانور ہے) جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ پھر جو کوئی (بھوک سے) بیقرار ہو (اُسے اس حالت میں اجازت ہے کہ) نہ (قانون کا باغی ہو جائے اور نہ سرکش تو بیشک تیرا رب بچاؤ عطا فرمانے

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۱۴۶

بیقرار ہو نہ باغی اور نہ عادی تو بیشک رب تیرا بخشنے والا مہربان ہے

والا رحمت والا ہے ۔ ۱؎

● ۱؎ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ میں حلال جانوروں کے متعلق وضاحت گزر چکی ہے کہ اُن کی کیا کیا چیز حرام ہے ۔ اور وُہ خود کس طرح حلال ہوتے ہوئے حرام ہوجاتے ہیں ۔ آیتِ بالا میں ۶/۱۴۶ میں اُسی تفصیل کو دُہرایا گیا ہے کہ حلال جانور اگر مرجائے تو حرام ہوجاتا ہے، نیز اگر وُہ کسی غیر اللہ فرد یا نصب خانقاہ اور مزار کی طرف منسوب کیا جائے تو حرام ہوجاتا ہے، ذبح کئے جانے پر اُس کی رگوں کا بہتا ہُوا خون حرام ہے ۔ اور باقی اُس کے گوشت میں جو غدود کا گوشت ہوتا ہے پھیپھڑے وغیرہ وہ بھی حرام ہیں ۔ البتہ ایک صورت میں اِن حرام چیزوں کے کھانے کی اجازت ہے کہ کوئی بھوک کی بدولت بیقرار ہوجائے تو جان بچانے کے لئے کھا سکتا ہے ۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اُن چیزوں کی فہرست دی گئی ہے جو یہودیوں نے ضابطۂ الٰہی کے خلاف حلال جانوروں کی حرام کر لی تھیں :-

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ أَوِ الْحَوَايَآ أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ ۱۴۷

اور اوپر ان کے جو یہودی ہُوئے حرام پایا ہم نے ہر والا ناخن اور میں سے گائے اور بھیڑ بکری حرام پائیں ہم نے اوپر انکے چربیاں دونوں کی مگر جو اُٹھائی پیٹھوں نے دونوں کی یا انتڑیوں نے یا جو ملی ہوئی ساتھ ہڈی کے ۔ وہ بدلہ دیا ہم نے اُن کو ان کی بغاوت کا اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں

اور ہم نے (اپنے نازل کردہ ضابطے کے خلاف) یہودیوں پر حرام کیا ہُوا پایا (یعنی انہوں نے خود حرام کر لیا تھا) ناخن والا ہر جانور ۔ اور گائے اور بھیڑ بکری میں سے (حرام کی ہوئی پائی) ہم نے اُن دونوں کی چربی، مگر جو اُن دونوں کی پیٹھوں پر لگی ہو۔ مذکورہ بدلہ ہم نے اُنہیں اپنی بغاوت کا ملا ہُوا پایا ہے (مذکورہ سب کچھ ہم نے اُن پر حرام نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے خود حرام کیا اِن چیزوں کو ۶/۱۴۹) اور بلا شبہ ہم سچے ہیں ۔

● ۱؎ حَرَّمْنَا کا معنٰی باب تفعیل کے خاصہ وجدان کے مطابق کیا گیا ہے "ہم نے حرام کیا ہُوا پایا" بالفاظِ دیگر مذکورہ چیزوں کو یہودیوں نے خود حرام کر رکھا تھا ۔ اللہ نے حرام نہیں کیا تھا ۔ اِس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ضابطہ اور قانون کو بدلتا نہیں ۱۰/۶۴ نیز آگے آیت نمبر ۱۴۹ میں یہودیوں کا اپنا اقرار موجود ہے کہ اُنہوں نے خود اِن چیزوں کو حرام

کر لیا تھا۔

● ۲؎ ذِی ظُفُرٍ کا لفظی معنیٰ ہے ناخن والا۔ اِس میں انسان اور درندے شامل ہیں۔ مگر اُونٹ کے بھی اگرچہ ناخن ہوتے ہیں لیکن ضابطۂ خداوندی کے مطابق اُونٹ حلال ہے حرام نہیں ۶/۱۴۵۔ لیکن ۳/۹۳ میں بتایا گیا ہے وہ۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ بنی اسرائیل پر تمام کھانے حلال ہیں۔ مگر اسرائیل (یعنی حضرت یعقوبؑ) نے ناموافقتِ مزاج کی بدولت اونٹ کا کھانا ترک کر رکھا تھا نزولِ تورات سے پہلے۔ (یہودیوں نے تورات کے ذمّہ لگا کر نہ صرف یہ کہ سُنّتِ یعقوبؑ کے طور پر اُونٹ حرام کر رکھا تھا۔ بلکہ ہر ناخن دار جانور کے حرام ہونے کا اصول قائم کر لیا تھا) اَے رسولؐ! کہئے گا کہ لاؤ تورات اور اُسے پڑھو اگر تم سچے ہو ــــ تقاضائے بشریت کے مطابق کسی نبی کا عدمِ موافقتِ مزاج کی بدولت کسی حلال چیز کو کھانا ترک کر دینا قانونِ خداوندی میں دخیل نہیں ہو سکتا۔ مگر ۳/۹۳ کے مطابق حضرت یعقوبؑ نے جو کھانا ترک کیا وُہ ناخن والا حلال جانور اُونٹ تھا۔ یہودیوں نے اِسے تورات کے ذمّہ لگا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہیں حکم ہُوا کہ تورات لاؤ اور پڑھو۔ یعنی تورات میں ناخن والے جانور کی حُرمت ہرگز مذکور نہیں۔ یہ یہودیوں کا اپنا افتراء ہے۔

● ۳؎ مذکورہ قسم کی چربیوں کے حرام کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُمّتیں اپنے اُوپر خود کیسی کیسی مُشکل پابندیاں عائد کر لیتی ہیں کہ صرف وُہ چربی کھائی جائے جو حلال جانور کی پیٹھ، انتڑیوں یا ہڈیوں کے ساتھ لگی ہُوئی ہو باقی چربی حرام ہے بقول اُن کے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے عذاب کی متوازی خبر بالفاظِ ذیل نازل کی گئی ہے وہ۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ ۱
پھر اگر وہ جھٹلائیں تجھ کو تو کہہ تمہارا رب صاحبِ رحمت ہے
وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۲ ۱۴۷
اور نہیں پھیرا جاتا عذاب اُسکا سے قوم مجرموں کے

پھر (اَے رسولؐ) اگر آپ کے مخالف آپکو جھٹلائیں تو کہہ دیجئے گا کہ تمہارا رب صاحبِ رحمت ہے۱؎ (توبہ کرنے والوں کو معاف کرنیوالا ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں ایسے) مجرموں سے اُس کا عذاب ٹلتا نہیں ہے۲؎

● ۱-۲؎ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ اور وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ کے متوازی ذکر اور آنحضورؐ کو اپنے مخالفین کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عذاب کے متوازی اعلان کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر آنحضورؐ کو جھٹلانے والے تائب ہو کر ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے گا اور اگر وہ مخالفت پر اڑے رہیں تو اُس کا عذاب ضرور آئے گا۔ وُہ ٹلنے والا نہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں اُن لوگوں کو اس عقیدے کی خبر دی گئی ہے جنہوں نے اللہ کے حلال کو خود حرام

کر رکھا ہے" وہ کہتے ہیں یہ سب کچھ اللہ ہی نے کرایا ہے - اگر وہ نہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ حلال کو حرام ٹھہراتے:-

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ
ضرور کہیں گے وہ جنہوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ
مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ
نہ شرک کرتے ہم اور نہ باپ دادا ہمارے اور نہ حرام کرتے ہم کوئی چیز کے
كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا
اسی طرح جھٹلایا اُن لوگوں نے سے پہلے اُن کے یہاں تک کہ چکھا
بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ
عذاب ہمارا - کہہ کیا پاس تمہارے ہے کوئی سے علم تو نکالو اسے
لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا
واسطے ہمارے نہیں اتباع کرتے تم مگر ظن کی اور نہیں ہو تم مگر
تَخْرُصُونَ ۱۴۹
اٹکل پچو کرتے ہو

جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے وہ ضرور کہیں گے اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ (اللہ کے حلال کردہ میں سے) حرام کرتے کسی شے کو، نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادے۔ اسی طرح جھٹلایا تھا اُن لوگوں نے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے گا کہ تمہارے پاس (کوئی اللہ کا نازل کردہ) علم ہے تو ہمارے لئے ظاہر کرو۔ (تمہارے پاس تنزیلی علم کی کوئی دلیل نہیں) تم صرف ظن وگمان کی پیروی کرتے ہو (کہ سب کچھ اللہ ہی کراتا ہے) نہیں ہو تم مگر اٹکل پچو بے دلیل باتیں ہی کرتے ہو۔

● دیکھئے! آئت بالا میں یہودیوں کا اقرار درج ہے کہ اللہ کے حلال کو اُنہوں نے اور اُن کے باپ دادوں نے خود حرام کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا۔ اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ سے ذیل کا حقیقت بدوش اعلان کرایا گیا ہے:-

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ
کہہ واسطے اللہ کے دلیل ہے پہنچنے والی پھر اگر وہ چاہتا
لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۱۵۰
ضرور ہدایت دے تم کو سب کو

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا۔ (حقیقت کو) پہنچنے والی دلیل صرف اللہ کے پاس ہے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ زبردستی چاہتا تو تم سب کو ہدائت دیتا (اُس کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ کوئی ہدائت پائے تو خود اور گمراہ ہو جائے تو خود[1])

● [1] سورہ کہف کی آئت نمبر ۲۹ میں ارشاد ہوا ہے:-
وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ ۱۸/۲۹ اور (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ حق قرآنِ کریم تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے، پھر جو کوئی خود چاہے اِس پر خود ایمان لائے اور ہدائت حاصل کرے اور جو کوئی خود چاہے خود اس کا انکار کرے اور خود محروم ہدائت ہو جائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بھی آنحضورؐ سے اعلان کروایا گیا ہے کہ جو چیزیں تم نے حرام کر رکھی ہیں، اُن کے متعلق خدا تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہو کہ یہ اللہ نے حرام کر دی ہیں۔ اِس کے متعلق اگر کوئی گواہ ہے تو لاؤ :۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ
کہہ لاؤ گواہ اپنے جو گواہی دیں

اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ
کہ بیشک اللہ نے حرام کیا یہ پھر اگر وہ گواہی دیں تو نہ گواہی دینا تو

مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِينَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
ساتھ ان کے اور نہ پیروی کرنا خواہشوں کی جنہوں نے جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری

وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ
اور ان کی جو نہیں ایمان لاتے ساتھ آخرت کے اور وہ ساتھ رب اپنے

يَعْدِلُوْنَ ﴿ع﴾ ۱۵۱ ع ۱۸/۶ ۵
برابر ٹھہراتے ہیں

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ لاؤ اپنے گواہ، اُن لوگوں کو جو یہ گواہی دیں کہ (جو کچھ تم نے حرام ٹھہرایا ہے) اِسے اللہ نے حرام کیا ہے۔ پھر اگر وہ ایسی گواہی دیں تو (اے رسولؐ!) اُن کے ساتھ آپ ایسی گواہی نہ دینا۔ اور اُن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ اور نہ اُن کی جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور وہ اپنے رب کے ساتھ (اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔

● ۱؎ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا کے الفاظ میں پھر وضاحت کر دی گئی ہے کہ ناخن والے جانوروں اور مذکورہ چربیوں کو اگر اللہ نے حرام کیا ہے تو اِس پر گواہ لاؤ۔ اِس کا مفہوم صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا، یہودیوں نے خود حرام کر لیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ انہیں شرک سے اجتناب کا حکم دیں اور ذیل کے الفاظ میں معاشرہ کے ہر گوشے کی اصلاح سے متعلقہ مسائل سے آگاہ کرنے کا فریضۂ رسالت ادا کریں :۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ
کہہ آؤ میں پڑھوں جو حرام کیا رب تمہارے نے اوپر تمہارے

اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ
یہ کہ نہ شریک کرو ساتھ اس کے کوئی شے اور ساتھ والدین کے اچھا سلوک کرنا

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
اور نہ قتل کرو اولاد اپنی کو سے بھوک کے ہم ہم رزق دیتے ہیں تم کو

(اے رسولؐ! انہیں) کہئے گا کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کر دیا ہے۔ (ذیل کے احکام کی نافرمانی حرام ہے) یہ کہ تم اُس کے (اللہ کے) ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کرنا۱؎ اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۲؎ اور اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کرنا۳؎ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۴؎ اور بے حیائی کے قریب نہ

وَ اِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
اور بھی ان کو۔ اور نہ قریب جاؤ بےحیائی کے جو ظاہر ہو
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ
ان میں سے اور جو چھپی ہو اور نہ قتل کرنا کسی جان کو جسے حرام کیا
اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ
اللہ نے مگر ساتھ حق کے۔ مذکورہ بالا کا حکم دیتا ہے ساتھ اسکے تاکہ تم
تَعْقِلُوْنَ ○ ١٥٢
عقلمند ہو جاؤ

جانا خواہ وہ ظاہر ہو یا چھپی ہوئی۔ اور کسی جان کو قتل نہ کرنا جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرا دیا ہے سوائے اس کے اس کا قتل کرنا لازم ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مذکورہ بالا احکام کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔ (ان احکام کی نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کر دیا ہے)۔

● ما۔ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔

شرک کی تین قسمیں ہیں

● ۱۔ شرک فی الذات
● ۲۔ شرک فی الصفات
● ۳۔ شرک فی الحکم

● شرک فی الذات کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور اللہ کا وجود تسلیم کرنا۔ اور شرک فی الصفات یہ ہے ازلی ابدی عالم الغیب، حاضر ناظر، مرادیں دینے والے دستگیر اور مشکلکشا وغیرہ کی جو صفات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں، غیر اللہ کو ان صفات کا حامل ٹھہرانا۔ اور شرک فی الحکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکمنامہ قرآن کریم کے ساتھ کسی اور کتاب کو اس کی مانند واجب الاتباع قرار دینا۔ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا میں شرک کی ان ہرسہ اقسام سے منع کر دیا گیا ہے۔

۱۔ شرک فی الذات

● نہایت افسوس کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے کہ اہلِ اسلام میں تینوں چیزیں موجود ہیں۔ شرک فی الذات کے ضمن میں تصوّف کی انتہائی اعلیٰ اور آخری منزل تسلیم کیگئی ہے ہمہ اوست یعنی کائنات کی ہر چیز اللہ ہے۔ حالانکہ ارشادِ باری ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۴۲/۱۱ یعنی کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ کی مثل نہیں۔ قرآن کریم تو اللہ تعالیٰ کے لئے تثلیث کا انکاری ہے لیکن اِدھر ہر چیز کو خود اللہ بتایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں جتنے کنکر اتنے شنکر کا نظریۂ چل رہا ہے۔ لیکن نظریۂ ہمہ اوست کے مطابق ہر چیز شنکر قرار دی جاتی ہے۔

۲۔ شرک فی الصفات

● ازلی ابدی صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے۔ لیکن یہاں رُوح کو غیر فانی مانا جاتا ہے۔ حاضر و ناظر اور ہر فرد و بشر کیساتھ ہر جگہ موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۵۷/۴ اے نوعِ انسانی تم جہاں کہیں بھی ہو وہ (اللہ) ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے۔ لیکن یہاں شیطانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر ناظر اور ہر ہر فرد کے ساتھ ہر جگہ اور ہر وقت موجود مانا جاتا ہے۔ اسی طرح حاجت روا اور مشکلکشا

صرف اور صرف ذاتِ باری ہے۔ لیکن یہاں اللہ کے زندہ بندوں کو جو خود اللہ کے محتاج ہیں اور متوفی بزرگوں کو جو زندگی بھر اللہ کے محتاج رہے، مرادیں دینے اور مشکلیں حل کرنے والے ٹھہرالیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کارخانۂ کائنات میں سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ قرآنِ کریم نے جنگِ اُحد کی شکست کا ذکر انتہائی وضاحت کے ساتھ صرف اس لئے پیش کیا ہے کہ دیکھ لو، حضور خاتم النبیینؐ سے بڑھ کر کون اللہ کا پیارا ہو سکتا ہے لیکن مشکلکشائی میں خود انہیں بھی کوئی عمل دخل موجود نہیں۔ اگر آنحضورؐ مشکلکشا ہوتے تو میدانِ اُحد میں شکست نہ ہوتی۔ حالانکہ حضرت علیؓ بھی اُس وقت موجود تھے جنہیں مشکلکشا ٹھہرایا گیا ہے۔ اِس ضمن میں خود رسولِ اکرمؐ سے ذیل کے اقرار لے کر درج قرآن کر دیئے گئے ہیں کہ کارگاہِ کائنات میں انہیں کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔

● قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ $\frac{7}{188}$ = (اے رسولؐ!) اعلان کر دیجئے گا میں اپنی جان کیلئے بھی کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں۔ سوائے اِس کے کہ مجھے بھی نفع اور ضرر خدا تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق ہی پہنچتا ہے۔

● قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ $\frac{10}{49}$ (ترجمہ $\frac{7}{188}$ کے عین مطابق ہے)

● قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ $\frac{72}{21}$ (اے رسولؐ!) اعلان کر دیجئے گا کہ بلا شبہ میں تمہارے لئے بھی کسی نقصان اور فائدے کا مالک نہیں۔

● اِن آیاتِ کریمات کے مطابق کسی بڑے سے بڑے نیکوکار اور انتہائی تقوای شعار فرد کے متعلق بھی یہ تصور کرنا غلط ہے کہ اُسے مرادیں دینے والا، مشکلکشا، حاجت روا یا دستگیر قرار دیا جا سکے۔

۳۔ شرک فی الحکم ● ۳ شرک فی الحکم کے متعلق قرآنِ کریم کا اعلانِ عام ہے وَّلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا $\frac{18}{26}$ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ $\frac{6}{57}$ + $\frac{12}{40}$ اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں۔ لیکن اِس کے خلاف کھلے بندوں یہ عقیدہ چل رہا ہے کہ :۔

● یہ حکم اللہ کا ہے اور یہ حکم رسولؐ کا ہے۔ ● یہ حکم اللہ کا ہے اور یہ حکم حدیث کا ہے۔

● یہ حکم قرآن کا ہے اور یہ حکم فقہ ہے۔ ● یہ حکم قرآن کا ہے اور یہ حکم پیرانِ طریقت کا ہے۔

● چنانچہ قرآنِ کریم تو اللہ تعالیٰ کا اکلوتا حکمنامہ ہے اور اُس کی ایک اکلوتی کتاب ہے، جو اُسکے مقدس رسولؐ کے ذریعہ اقوامِ عالم کی طرف نازل کی گئی تھی۔ لیکن اُس کے حکم میں روائتوں کی ہزاروں کتابیں، اور فقہ کی سینکڑوں کتابیں اور لاکھوں کتابیں تصوف اور متوفی بزرگوں کے ملفوظات کی شریک کر لی گئی ہیں۔ کاش کہ قرآنِ کریم کے اِس حکم وَّلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا $\frac{18}{26}$ پر غور کیا جائے۔

● ۴ سلسلہ درس کی زیر بحث آیت مجیدہ $\frac{6}{152}$ کے ضمنی نوٹ ۱ میں شرک سے اجتناب کے حکم کے بعد ضمنی نوٹ ۲ میں وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا کا حکم دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے اور ماں باپ خود بھی پیدائش

ہیں۔ کوئی فردِ بشر والدین کے بغیر عالمِ وجود میں نہیں آسکتا۔ نیز ہر شخص کا خالق اللہ بھی ایک ہے اور باپ بھی ایک ہے اور ماں بھی ایک ہے جس طرح نہ اللہ دو ہو سکتے ہیں اسی طرح نہ کسی فردِ بشر کے باپ دو ہو سکتے ہیں اور نہ ہی مائیں دو ہو سکتی ہیں۔

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ

● ۲۳؎ قرآنِ کریم کا اسلوبِ بیان یہ ہے کہ الفاظ کے حقیقی استعمال کے ساتھ ان کے مجازی استعمال بھی کرتا ہے۔ گزشتہ آیات مجیدہ ۶/۱۳۸، ۶/۱۴۱ میں قتلِ اولاد کا بطور مجاز ذکر آیا ہے۔ کہ پیروں کے مرید اولاد کے منہ سے چھین کر اور ان کے پیٹ کاٹ کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں پیروں کی نذر کر کے قتلِ اولاد کرتے ہیں۔ اسی طرح لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ کے الفاظ میں قتلِ مجازی یعنی اولاد کو غربت کے بہانے مناسب تعلیم و تربیت نہ دینے سے روکا گیا ہے۔ جس بچے کی صحیح تربیت نہ کر کے اسے شریف شہری نہ بنایا جائے وہ بڑا ہو کر یا تو بوجھ اٹھانے کا پیشہ اختیار کرے گا اور بھیک منگا یا جیب تراش بن کر ہر گھڑی قتل ہوتا رہے گا۔ عموماً ایسے بچے غریبوں کے ہوتے ہیں جن کے والدین غربت کے بہانے بچوں کی مناسب تربیت نہیں کرتے۔ اس آیت میں معاشرہ کے وہ غرباء مخاطب ہیں جو پہلے نمبر پر تو پیروں کے توہماتی نذرانوں کی ادائیگی کے ذریعہ غربت کو خود دعوت دیتے ہیں اور پھر یہ کہہ کر ہم غریب ہیں، بھوکے ہیں، اولاد کو مناسب تعلیم سے محروم کر دیتے ہیں۔ اس طرح چونکہ اولاد باعزت روٹی کمانے کے قابل نہیں ہو پاتی۔ یعنی نہ وہ اولاد کو پڑھاتے ہیں اور نہ ہنر مند بناتے ہیں، اس لئے ان کی اولاد باعزت روٹی سے محروم ہو کر عمر بھر قتلِ مجازی کے پنجے پڑی رہتی ہے۔ ایسے والدین کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنی بساط کے مطابق اولاد کو مناسب تربیت سے محروم کر کے قتل نہ کیا کرو۔ جس غلط معاشرہ کے تم فرد ہو اس کی غلط بخشیوں کے ثمرات سے تمہیں بھی حصہ ضرور ملے گا۔ اب اس کے مطابق ہی اولاد کو باعزت روٹی کمانے کے قابل بنا کر، انہیں قتلِ مجازی سے بچانا تمہارا فرض ہے۔

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ

● ۲۴؎ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ کا لفظی ترجمہ یہ ہے "ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں (تمہاری اولاد کو) بھی۔ ان الفاظ سے روایتی تفاسیر نے یہ تصور دیا ہے کہ امیروں کو بے تحاشہ دولت اور غریبوں کو بھوک ننگ، یہ تقسیم اللہ تعالیٰ ہی کی تقسیم ہے اور نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ کے الفاظ میں خدا تعالیٰ نے غریبوں کی بھوک ننگ کو اپنی ہی عطا قرار دیا ہے۔ العیاذُ باللہ! حالانکہ قرآنِ کریم کے اولین سبق اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق کسی کی بھوک ننگ کو رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کی طرف منسوب کیا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ رب کا معنی ہے نقطۂ آغاز سے شروع کر کے نقطۂ انجام تک پہنچانے والا۔ اور عالمین کے لفظ میں سے کوئی ایک متنفس بھی خارج نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی اگر غریبوں کی غربت کو عطاءِ خداوندی قرار دیا جائے تو اللہ ربُّ العٰلمین ہی نہیں رہتا۔ رزق کے سلسلے میں خداوندِ عالم نے تقسیم کار کر کے ہل چلانا، بیج ڈالنا اور پانی دینا انسان کا حصہ قرار دیا ہے اور بیجوں کے ایٹموں کو پھوڑ کر انگوری نکالنے انہیں

سلانے، بڑھانے، انہیں پودے بنانے اور پودوں کو ثمر بار کر کے پکانے کا سارا کام اپنے ذمہ لیا ہے ۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے :۔

● اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ ۵۶/۶۳-۶۴ ۔
(ترجمہ) کیا تم نے غور کیا ہے کہ تم جو کھیتی کرتے ہو (یعنی ہل چلا کر بیج ڈال دیتے ہو) کیا اسے پیدا کر کے ثمر بار تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں ؟ (یہ کام تم نہیں کرتے، ہم کرتے ہیں) ۔ پس مذکورہ تقسیمِ کار کے مطابق کھیتی کے ماحصل میں کاشتکار کا حصہ صرف اتنا ہے جتنا وہ کام کرتا ہے، باقی سب کا سب حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے ۔ کیونکہ زمین اس کی، پانی اس کا زمین میں بیجوں کی انگوری نکالنے کی خاصیت اس کی پیدا کردہ ۔ انگوری کو بڑھا کر پودے بنانے والے ذرائع اس کے ۔ پودوں میں دانے پیدا کرنے والا چاند اس کا ۔ فصلوں کو پکانے والا سورج اس کا ۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ زمین میں سے حاصل کردہ رزق میں کاشتکار کی محنت کتنی ہے اور خدا تعالیٰ کے کام کا کتنا حصہ ہے ؟

● اب آئیے اصل مسئلہ کی طرف کہ زمین کی پیداوار میں کیا یہ تصور قرآنی قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس کی تقسیم اس طرح ہو کہ بعض کے ہاں رزق ضرورت سے زائد ذخیرہ اندوزی کی صورت میں موجود ہو اور بعض کو ان کی غذائی ضروریات کے مطابق بھی میسر نہ ہو ۔ اسکا فیصلہ آیت ذیل میں دیا گیا ہے :۔

● هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۲/۲۹ وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ سب کا سب تم سب کے سب کیلئے پیدا کیا ہے ــــ تو اب ظاہر ہے کہ زمین کی پیداوار میں تقسیمِ رزق کی رو سے جو ناہمواری اور عدم توازن بصورتِ مشہود و موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم نہیں، جس طرح تقسیمِ کار کی رو سے انسان کا حصہ ہے ہل چلانا اور بیج بونا ۔ اور اللہ کا حصہ ہے اسے پیدا کرنا اور پکانا ۵۶/۶۳-۶۴، اسی طرح انسان کی بوئی ہوئی فصلوں کو اگانا پکانا وغیرہ تو اللہ کا حصہ ہے لیکن کھیت سے حاصل کردہ رزق کو مساوی انداز سے تقسیم کرنا انسان کا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ کا نہیں ۔ ہاں اس نے حکم دیدیا ہے کہ رزق کی تقسیم مساوی اور متوازن ہونی چاہیئے ۔ اور یہ تقسیم ہر مملکت کے سربراہ کے ذمہ ہے ۔ حضرت سلیمانؑ کو حکومت عطا کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :۔

● هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ۳۸/۳۹ (اے سلیمانؑ !) یہ حکومت ہماری بے حساب بخشش ہے ۔ (اب یہ تیرا کام ہے کہ) تو عوام پر احسان کرے (انہیں ضروریات کے مطابق دے) یا (اپنے اور اپنے عملہ کیلئے) روک لے ۔ حضرت سلیمانؑ نے متوازن معاشرہ قائم کر کے متوازن تقسیمِ رزق کا انتظام فرمایا ۔ حضرت یوسفؑ نے سربراہِ مصر کی حیثیت سے رزق کا چودہ سالہ کنٹرول کر کے رزق کی مساوی تقسیم فرمائی ۔ اسی کے مقابلے پر مصر کے سربراہ فرعون کا جرم یہ بتایا گیا ہے کہ اس نے تقسیمِ رزق میں عدم توازن قائم کر رکھا تھا :۔

● اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَۃً مِّنْھُمْ ۲۸/۴ = فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کی تھی۔ یعنی اُس نے اپنے عوام کو گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اُن میں سے ایک گروہ کے حقوقِ ربوبیت غصب کر کے اُسے کمزور کر دیا تھا ـــــ پس از روئے قرآنِ کریم تقسیم رزق سربراہ مملکت کا فریضہ ثابت ہو چکا کہ خواہ وہ کسی کو غریب کر دے یا امیر بنا دے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی تقسیمِ کار کے مطابق نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَ اِیَّاھُمْ کا معنی صاف صاف ثابت ہو چکا کہ ہم تمہارے لئے بھی رزق پیدا کرتے ہیں اور تمہاری اولاد کے لئے بھی۔ یہ تو سربراہوں کا کام ہے کہ وہ فرعونی تقسیم کے مطابق بعض کو امیر اور بعض کو غریب بنا دیتے ہیں۔ لیکن جس معاشرہ میں تم محصور ہو اُس میں اپنی بساط کے مطابق اولاد کو باعزت روزی کمانے کے قابل بنا دیا کرو۔ اور اپنے اس فرض سے غفلت کر کے انہیں قتل نہ کر دیا کرو۔ اس پر مشاہدات گواہ ہیں کہ غریب تو رہے ایک طرف، امیر طبقہ میں بھی جو لوگ اولاد کی تربیت سے غفلت کرتے ہیں، اُن کی اولاد بھی مجازی طور پر قتل ہو جاتی ہے۔ اور غریبوں میں سے جو لوگ قرآنی حکم کے مطابق اولاد کی صحیح تربیت کرتے ہیں اُن کی اولاد اس حالت میں کہ باپ گھسیارہ ہے مگر بیٹا ایک ممتاز مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

قتل میں استثنےٰ

● ۵ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ کے الفاظ میں اِلَّا بِالْحَقِّ کی استثنےٰ بھی قابلِ غور ہے کہ اُس شخص کو قتل کرنا منع نہیں، جس کا قتل کرنا لازم ٹھہرتا ہے۔ یہ اجازت اُس شخص کے متعلق ہے جس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو ۵/۵ اور یا وہ حکومت کا باغی اور ملک میں فساد برپا کرنے والا ہو ۵/۳۳ - لیکن واضح رہے کہ قاتل باغی اور فسادی کو اگرچہ قتل کرنا لازم ہے۔ لیکن یہ کام انفرادی طور پر نہیں کیا جائیگا۔ یہ کام بھی اُسی طرح حکومتِ وقت کا ہے، جیسے کہ ۲۴/۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ زانیہ عورت اور زانی مرد کو سرِ عام، سو سو کوڑے لگاؤ لیکن کوڑے لگانا حکومت کا کام ہے عوام کا نہیں۔ عوام کا فرض صرف اتنا ہے کہ بدکار مرد و عورت کو حکومت کے پیش کر کے اُن کے خلاف شہادتیں دے دیں۔ جس طرح انہیں کوڑے لگانا حکومت کا کام ہے عوام کا نہیں، اُسی طرح قاتل کو پھانسی کے تختہ پر لٹکانا بھی حکومت کا کام ہے عوام کا نہیں۔ اگر یہ کام یعنی قاتل اور باغی کو قتل کرنا وغیرہ انفرادی طور پر کئے جائیں تو معاشرہ فساد سے بھر جائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ کے ضمن میں مزید احکام دئے گئے ہیں:-

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ

اور نہ قریب جاؤ مال یتیم کے مگر ساتھ اسکے کہ وہ

اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ

بہتر ہو یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے جوانی کو اور پورا کرو پیمانہ اور ترازو

اور نہ قریب جانا یتیم کے مال کے، سوائے اس کے کہ وہ احسن طریقہ ہو۔ یہاں تک کہ جب وہ جوانی کو پہنچ جائیں (مسئوجبو جوان ہو جائیں تو اُن کے مال انہیں لوٹا دیا کرو) اور (ناپ کے) پیمانے اور ترازو (کی ڈنڈی اور باٹ) انصاف کے ساتھ پورے رکھو

بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا
ساتھ انصاف کے نہیں تکلیف دیتے کسی جان کو مگر طاقت اس کی اور جب

قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ
تم کہو تو عدل کرو اور اگرچہ ہو والا قربت کا اور ساتھ عہد اللہ

أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۲﴾
پورا کرو مذکورہ حکم کرتا ہے ساتھ اسکے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَ
اور بیشک یہ ہے راستہ میرا سیدھا پس پیروی کرو اسکی اور

لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ
نہ پیروی کرو راستوں کی ورنہ جدا جدا کر دیگا ساتھ تمہارے سے راہ اس کی

ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۵۳﴾
مذکورہ حکم کرتا ہے ساتھ اسکے تاکہ تم بچ جاؤ

ہم کسی جان کو اُس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے [۳] اور جب تم (کوئی گواہی کی) بات کرو تو عدل کے ساتھ (سچی بات) کرنا اگرچہ (تمہاری گواہی) تمہارے کسی قریبی ہی کے خلاف پڑتی ہو [۳] اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کیا کرو [۵] اللہ تعالیٰ تمہیں مذکورہ بالا حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اور بیشک یہی (جو اُوپر بیان ہوا ہے) میرا سیدھا راستہ ہے۔ پس تم اسی کی پیروی کرو۔ اور (اسکے سوا اور) راستوں کی پیروی نہ کرنا۔ ورنہ وہ تمہیں اُس (اللہ کے) راستے سے ہٹا دیں گے۔ (اللہ تعالیٰ) تمہیں مذکورہ بالا حکم دیتا ہے تاکہ تم (ہر قسم کے خطرات سے) بچ جاؤ۔

● [۱] یتیم کے مال کے قریب نہ جانے میں استثنیٰ بیان کیگئی ہے اِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ سوائے اس کے کہ وہ طریقہ اَحسن ہو۔ احسن طریقہ یہ ہے کہ اُن کے مال کی حفاظت کی جائے تاکہ ضائع نہ ہونے پائے اور نہ خراب ہو۔ اگر مرمت طلب بنے تو اسکی مرمت کی جائے، اگر کوئی کاروباری ادارہ ہے تو اس کی دیکھ بھال کی جائے تاکہ وہ نقصان کی راہ پر چل کر ختم نہ ہو جائے یتیموں کے عُمدہ مالوں کو اپنے ناقص مالوں کے ساتھ بدلا بھی نہ جائے۔ سورۂ نساء میں حکم دیا گیا ہے:— وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ [۴/۲] اور (اپنے) ناقص مال کو (اُن کے) عمدہ مال کے ساتھ تبدیل نہ کرنا۔ یتیموں کے مالوں کو انہیں واپس کرنے کا وقت بتایا گیا حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ سورہ نساء میں آیا ہے:—

● وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ [۴/۶] اور یتیموں کو آزماتے رہو۔ یہاں تک وہ نکاح کی عُمر کو پہنچ جائیں (یعنی بالغ ہو جائیں) پھر اگر تم اُن میں سُوجھ بُوجھ (عقل و فہم کی پختگی) پاؤ تو اُن کے مال اُنہیں واپس لوٹا دیا کرو۔ اس سے پہلے نہ دینا تاکہ کہیں اُسے اُڑا کر قلاش نہ ہو جائیں۔

● [۲] أَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ میں اَلْکَیْل سے مُراد ہیں ہر قسم کے پیمانے جن کے ساتھ ناپ کر چیزیں فروخت کی جاتی ہیں۔ اِس میں دُودھ ناپنے کے تمام پیمانے، تیل ناپنے کی گیلنیں اور اُن کے چھوٹے بڑے سب پیمانے، کپڑا ناپنے کے

گز اور میٹر وغیرہ۔ انہیں بھی پورا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ اور المیزان کا لفظی معنی ہے ترازو ۔ اِس سے متعلقہ چیزیں ہیں ترازو کی ڈنڈی کا انصاف کے ساتھ سیدھا ہونا ۔ اور کلو میٹر کے تمام چھوٹے بڑے کوئنٹل تک کے باٹ انہیں بھی پورا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن پر معاشرہ میں انصاف کے ذریعہ امن و امان قائم رہنے کا دارو مدار ہے ۔

● ۳ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کا جملۂ مبارکہ ان احکام کے درمیان میں لا کر اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم نے جو بھی احکام دیئے ہیں اور آئندہ دے رہے ہیں سب انسانی وسعت کے عین مطابق ہیں ۔ ان میں سے کوئی بھی حکم ایسا نہیں جس پر انسان عمل نہ کر سکے ۔

● ۴ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى کے الفاظ میں اِذَا قُلْتُمْ کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے کہ اس میں مومن مخاطب کا ہر قول شامل ہو جائے کہ وہ جب بھی کوئی بات کرے سچی کرے جھوٹ نہ بولے ۔ مگر یہاں خصوصیت کے ساتھ گواہی کی بات مقصود ہے کہ خواہ سچی گواہی سے تمہارے کسی قریبی کو نقصان پہنچتا ہو، وہ اُسکے مفاد کے خلاف بھی کیوں نہ ہو مگر تم سچی گواہی دینا ۔ جھوٹی گواہی کبھی نہ دینا ۔

● ۵ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے گئے ہر عہد کو پورا کرتے رہو ۔ اِس میں سرِ فہرست تو ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا وہ عہد جو ہر مومن اپنی نماز کی ہر رکعت میں دست بستہ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگینگے ۔ اور اس کے بعد اسی عہد کے اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کا عہد کیا جاتا ہے، بالفاظِ دیگر اس ایک عہد میں اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرنے کا عہد موجود ہے ۔ گویا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی فرمانبرداری کا وعدہ کرتے ہیں، جسے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں کتابِ موسیٰؑ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ بھی ہر مسئلہ کو کھول کھول کر بیان کرنیوالی تھی

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اور دی ہم نے موسیٰ کو اپنی کتاب مکمل اور پورا اسکے جو اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً احسن اور تفصیل کرنیوالی واسطے ہر چیز کے اور ہدایت اور رحمت لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (۱۵۵) ع ۱۹ تاکہ وہ ساتھ حاضری رب اپنے کے ایمان لائیں	اور ہم نے موسیٰؑ کو بھی اپنی کتاب عطا فرمائی تھی جو کامل اور مکمل تھی اور پر احسن (احکام کے) اور کھول کھول کر بیان کرنے والی ہر چیز (مسئلوں کو) اور کھول کھول کر بیان کرنیوالی جو ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی تا کہ لوگ اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کا اور اپنے اعمال کی جوابدہی پر ایمان لائیں ۔

تمام نبیوںؑ کو ایک ہی کتاب دی گئی تھی ● اس آیت مجیدہ کے مطابق تمام نبیوںؑ کی کتابیں ہر مسئلہ کو کھول کھول کر بیان کرنے والی بھی تھیں ہدایت اور رحمت بھی، ٹھیک یہی صفات قرآن مجید کی ۱۶/۸۹ میں بیان ہوئی ہیں:۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۰ ۱۶/۸۹ اور (اے رسولؐ) ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر مسئلہ کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے اور فرمانبرداروں کے لئے ہدایت بھی ہے رحمت بھی ہے اور خوشخبری بھی ہے۔

● حقیقت یہ ہے کہ سب کے سب نبیوںؑ کو ایک ہی کتاب دی گئی تھی اور مفصل اور مکمل دی گئی تھی۔ یہ تصور غلط ہے کہ سابقہ نبیوںؑ کی الگ الگ کتابیں اور الگ الگ شریعتیں تھیں۔ ملاحظہ ہوں آیاتِ ذیل:۔

۱۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۲/۲۱۳ پوری نوعِ انسانی ایک ہی جماعت ہے پھر اللہ نے اُن کی ہدایت کیلئے جزا کی خوشخبری دینے والے اور سزا سے ڈرانے والے اپنے نبیؑ مبعوث فرمائے اور اُن سب پر اپنی ایک ہی کتاب نازل فرمائی۔

۲۔ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۰ ۸۷/۱۸-۱۹ بلاشبہ یہی پہلے صحیفوں میں تھا صحفِ ابراہیمؑ اور صحفِ موسٰیؑ میں۔

۳۔ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۙ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۙ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۰ ۲۶/۱۹۲ تا ۱۹۶ اور بیشک وہ (قرآن) جہانوں کے پروردگار کا نازل کردہ ہے (اے رسولؐ!) اِسے شستہ عربی زبان میں لے کر روح الامین آپ کے قلبِ اطہر پر نازل ہوا تاکہ آپ انذار کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور بلاشبہ یہی (قرآن) پہلی کتابوں میں تھا۔

● دیکھئے اِن آیتوں میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ سابقہ نبیوںؑ کی کتابوں میں بھی قرآن کریم ہی کے احکام تھے۔ چنانچہ آیت ذیل میں بتا دیا گیا ہے کہ سب کو ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت دی گئی تھی:۔

۴۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ۴۲/۱۳ (ایمان والو! اللہ نے) تمہارے لئے اُسی دین کی شرع کر دی ہے، جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور یہ وہی دین اور وہی شرع ہے جو (اے رسولؐ!) آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ اور جس کا حکم ابراہیمؑ کو دیا گیا تھا اور موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو دیا گیا تھا۔

● پس آئت بالا زیر بحث ۶/۱۵۵ میں کتاب موسیٰ کی عین قرآن والی تعریف مکمل، مفصل، ہدایت اور رحمت بیان کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں ارشاد ہُوا ہے کہ اب یہ کتاب قرآن مجید واجب الاتباع نازل کی گئی ہے :-

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

اور یہ کتاب نازل کی ہم نے برکت والی پس پیروی کرو اس کی اور بچو تاکہ تم رحم کئے جاؤ

اور (اب) ہم نے یہ برکت والی کتاب نازل فرمائی ہے۔ پس (اب) اسی ہی کی پیروی کرو۔ اور (اس کی نافرمانی سے) بچ جاؤ تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

● ۱ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ کے الفاظ میں اب کا تصوّر وضاحتًا موجود ہے کہ اس سے پہلے حضرات موسیٰ اور عیسیٰ پر اپنی کتاب اُتاری گئی تھی اب ہم نے یہ بابرکت کتاب نازل فرمائی ہے۔

● ۲ فَاتَّبِعُوْهُ کے الفاظ میں جو ہُ ضمیر کتاب مبارک قرآن مجید کی طرف پھرتی ہے، اس نے حصر پیدا کیا ہے کہ ایمان والو! صرف اسی کتاب کی پیروی کرو۔ اس کے سوا کسی اور کتاب کی پیروی نہ کرنا۔ یہی حکم سورہ اعراف میں بھی حصر کیساتھ دیا گیا ہے :-

● اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۷/۳ پیروی کرو صرف اُس کتاب کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اور اس کے سوا کسی اور (جھوٹے) خیرخواہوں کی پیروی نہ کرنا —— دیکھئے اس آئت مجیدہ میں صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے سوا کسی کی پیروی سے منع کر دیا گیا ہے —— نیز خود آنحضور کو بھی تین مرتبہ کے تکرار کے ساتھ صرف وحی الٰہی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۳۳/۲ + ۱۰/۱۰۹ + ۶/۱۰۶ اور اے رسولؐ! آپ پیروی کریں صرف اُس کی جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ قرآن مجید۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کے مخالفین اہلِ مکّہ کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ ہم نے اپنی بابرکت کتاب نازل کر دی ہے۔ پس اسی کی پیروی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم یہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں یہود و نصاریٰ پر تو کتابیں نازل ہوئیں۔ ہم پر کیوں نہیں ہوئی۔ یا تم یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے۔ پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو ہماری آئتوں کے نازل ہونے کے بعد انہیں جھٹلانے لگے :-

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ

کہ تم کہو بیشک نازل ہوئی کتاب اوپر دو گروہوں

(اے مکّہ والو! سُن لو!) ایسا نہ ہو کہ تم یہ کہو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر کتاب نازل ہوئی۔ اور ہم اُن

مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَٰفِلِينَ ۝١٥٦
سے پہلے ہمارے اور بیشک تھے ہم سے درسوں ان کے ضرور غافل

کے درسوں سے بے خبر تھے۔

أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا
یا تم کہو اگر بیشک ہم نازل ہوتی اوپر ہمارے کتاب ضرور ہوتے ہم

أَهْدَىٰ مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ
زیادہ ہدایت والے ان سے پس ضرور آئی تمہارے پاس دلیل سے رب تمہارے

وَهُدًى وَرَحْمَةٌ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَذَّبَ
اور ہدایت اور رحمت پھر کون ہے ظالم اس سے کہ جھٹلائے

بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِينَ
ساتھ آیتوں اللہ کی اور روکے سے ان کے۔ ضرور سزا دیں گے ہم ان کو جو

يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا
روکتے ہیں سے آیتوں ہماری بُرا عذاب بسبب اسکے کہ تھے

يَصْدِفُونَ ۝١٥٨
روکتے

یا تم یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ضرور ہم ہوتے اُن (یہود و نصاریٰ) سے زیادہ ہدایت یافتہ۔ پس (سُن لو کہ) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل (قرآن مجید) آچکا ہے اور وہ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے۔ پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور (لوگوں کو) اُن سے روکے۔ ایسے لوگوں کو جو (ہماری آیتوں سے) روکتے ہیں ہم ضرور بڑے عذاب کی سزا دیں گے۔ (وہ اُن کے اپنے عملوں کا بدلہ ہوگا) بسبب اِس کے کہ وہ (لوگوں کو اللہ کی آیتوں سے) روکتے تھے۔

● اِس آیت مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفین کو آخر الامر شکستِ فاش کا بدترین عذاب دیا جائے گا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے منکرینِ ضابطۂ الٰہی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ آنحضورؐ اور قرآن کریم پر اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ اُن کے باطل پیشواؤں نے اُنہیں کچھ ذہنی ملائکہ کا تصور دے رکھا ہے کہ وہ شکلیں تبدیل کرکے بندوں میں آجاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعلق اُن کے ذہنوں میں یہ تصور بٹھا دیا ہے کہ وہ بادلوں کے سائے اور فرشتوں کے جلو میں خود آیا کرتا ہے $\frac{۲}{۲۱۰}$ اور یا وہ کوئی معجزہ نازل کرتا ہے۔ اِس لئے یہ لوگ اِن توہماتی چیزوں کے انتظار میں ایمان نہیں لاتے۔

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ
نہیں وہ انتظار کرتے مگر یہ کہ آئیں پاس انکے ملائکہ

أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ
یا آئے رب تیرا۔ یا آئے بعض نشانی رب تیرے کی۔ جس دن

نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر اس چیز کا کہ اُن کے پاس اُن کے "ذہنی" ملائکہ آئیں۔ یا داعیٔ رسولؐ!) اِن کے پاس آپکا رب خود (ملائکہ کے جلو میں $\frac{۲}{۲۱۰}$ آئے۔ یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے۔ جس دن آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے گی اُس دن اُس

يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا
آئے گی بعض نشانی رب تیرے کی نہ نفع دیگا کسی جان کو ایمان اسکا
لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا
نہیں تھی وہ ایمان لاتی سے پہلے یا عمل کیا بیچ ایمان اپنے کے اچھا
قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○ ۱۵۹
کہہ انتظار کرو بیشک ہم انتظار کرنیوالے ہیں

فرد و بشر کا ایمان لانا اُسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا۔ یا (ایمان لانے کے بعد اُس نے اپنے ایمان کی تصدیق میں کوئی) اچھا عمل نہیں کیا۔ کہہ دیجئے کہ تم (بھی نتیجے کا انتظار کرو اور بلاشبہ ہم (بھی نتیجے کا) انتظار کرنے والے ہیں۔

ملائکہ

● ملائکہ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر وضاحتاً گزر چکی ہے کہ اس کائنات کی سب مخفی قوتیں ملک ہیں۔ ذہن میں یاد تازہ کرنے کے لئے عرض کی جاتی ہے کہ جو ملائکہ قرآنِ کریم نے بتائے ہیں اُن کی دو اہم نشانیاں اُس نے خود پیش کر رکھی ہیں :۔

۱ - پہلی یہ کہ ملائکہ کو مخاطب کر کے ۲/۳۳ میں ارشاد ہُوا ہے :۔ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○ ۲/۳۳ اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپائے ہُوئے ہو۔ یعنی ملائکہ اپنے اندر کچھ چھپائے ہُوئے ہیں۔

۲ - دوسری یہ کہ ۲/۳۴ میں خبر دی گئی ہے :۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۲/۳۴ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ تم سب کے سب آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ تو ابلیس کے سوا سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے۔ اسی چیز کو ۴۵/۱۳ میں بالفاظِ ذیل اُجاگر کیا گیا ہے :۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ اے نوعِ انسانی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب تمہارے تابع تسخیر کر دیا ہے۔ چونکہ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ میں ملائکہ بھی شامل ہیں۔ پس آیت مجیدہ ۲/۳۴ اور ۴۵/۱۳ کے اتصال سے ثابت ہُوا کہ تمام ملائکہ بذریعہ تسخیر نوعِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہیں اسکے تابع تسخیر ہیں۔

● اب ملائکہ کی ان دو قرآنی صفات کو سامنے رکھ کر غور فرمائیں کہ بجلی کی صرف چمک دکھائی دیتی اور کڑک سنائی دیتی ہے۔ لیکن وہ اپنے اندر چھپائے ہُوئے کیا ہے ؟۔ ایتھر محض ایک گیس ہے وہ اپنے اندر کیا کچھ چھپائے ہُوئے ہے ؟ آج اللہ تعالیٰ کی یہ مخفی قوتیں تابع تسخیر کی جا چکی ہے۔ جس کی بدولت بجلی کا مَلک پورے کرۂ ارض پر شبانہ روز نوعِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ کہیں کارخانے چلا رہا ہے، کہیں ریلیں اور بسیں کھینچ رہا ہے۔ کہیں ہوائی جہاز اڑا رہا ہے اور کہیں نوعِ انسانی کے لئے اناج کی فراوانی کے سامان مہیا کر رہا ہے۔ ایتھر کی ریڈیائی صوتی لہریں کرۂ ارض کے علاوہ فضا اور خلا میں خبریں پہنچا رہی ہیں (ریڈیو) اور کہیں عکسی ریڈیائی لہریں زمین کے چپے چپے کے علاوہ فضا، خلا اور چاند ستاروں تک کی تصویریں ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کر رہی ہیں (ٹیلیویژن)

● پس مثال کے طور پر بجلی اللہ تعالیٰ کا وہ مَلک ہے جو مَلک کی قرآنی دو اہم صفات پر پورا اُترتا ہے۔ پہلے نمبر پر نوعِ انسانی کے سامنے ہر آن بذریعہ تسخیر سجدہ ریز ہے اور اپنے اندر اتنا کچھ چھپائے ہوئے ہے جس کی ادنیٰ سی جھلک اُوپر کی سطور میں پیش کی گئی ہے۔

ذہنی ملائکہ

● ملائکہ کا ایک تصوّر نوعِ انسانی کی طرف سے اُس وقت کا قائم کیا ہُوا ہے جب انسان بجلی کی چمک اور کڑک سے خوفزدہ ہو کر اُسے دیوتا تصوّر کرتا اور اُس کے سامنے پرنام کرتا تھا۔ ستاروں کو زنجیروں کیساتھ لٹکے ہوئے قمقمے خیال کرتا تھا۔ زمین کو بیل کے سینگوں پر ٹکی ہوئی مانتا اور زلزلوں کو بیل کا سینگ بدلنا گردانتا تھا۔ گائے کی اِس لئے پوجا کرتا تھا کہ یہ دُودھ دیتی اور بیل ہل کھینچتا ہے۔ سانپ کو اس لئے دیوتا مانتا تھا کہ وہ کاٹ کھاتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب آگ سے ڈر کر اُس کے ہوَن کئے جاتے تھے بلکہ آتشکدے روشن کر کے اُن کی چوبیس گھنٹے پُوجا کی جاتی تھی۔ پانی کی پُوجا دریاؤں کی پُوجا پہاڑوں کی پُوجا' چاند کی پُوجا' سُورج کی پُوجا اس کا شعار تھا۔ اِس کا شعور اس قدر کمزور تھا کہ انبیا علیہم السلام کی تعلیم کو فوراً بھول جاتا اور اُن چیزوں کی پُوجا پاٹ میں لگ جاتا جو خود اس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ چنانچہ ملائکہ کے متعلق اُس بے شعوری کے دَور کا قائم کردہ تصوّر یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے درباری ہیں اور اُس کے مشیر ہیں۔ بعض اُس کی کابینہ کے مخصوص مقرّب فرشتے ہیں۔ وہ ایک' پروں والی مخلوق ہے۔ شکلیں بدل لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے ملائکہ مقرّب فرشتوں کے جلو میں بادلوں پر سوار ہو کر سیر کو نکلا کرتا ہے چنانچہ ۲/۲۱۰ میں آیت زیرِ بحث ۶/۱۵۹ والا ہی مضمون بالفاظِ ذیل بیان ہُوا ہے :—

● هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ ۲/۲۱۰ یہ لوگ ایمان لانے میں نہیں انتظار کرتے مگر اس چیز کے منتظر ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائے میں آئے اور ملائکہ بھی آئیں (ہم دیکھ لیں) اور معاملہ طے ہو جائے۔ حالانکہ معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی اس کے متعین کردہ قوانین کے مطابق ہی طے ہوتے ہیں۔ سُورہ بنی اسرائیل میں مخالفین کا مطالبہ بتایا گیا ہے أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَٰٓئِكَةِ قَبِيلًا ۱۷/۹۲ یا اللہ تعالیٰ اور ملائکہ سامنے آجائیں۔ سُورہ انعام میں انہی لوگوں کا آنحضورؐ پر صرف ملک کے عدمِ نزول کا اعتراض بتایا گیا ہے :— وَقَالُوا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۶/۸ سورہ فرقان میں انہی کا اعتراض یہ مذکور ہے :— لَوْلَآ أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُۥ نَذِيرًا ۲۵/۷ اور اس کی طرف کوئی (خوفناک شکل والا) فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ لوگوں کو) ڈرانے والا ہو۔ اَب غور طلب یہ امر ہے کہ قرآن تو کھلی کہتا ہے کہ آنحضورؐ پر جبریل ملک نازل ہوتا تھا۔ اگر وہ اُن کا ذہنی ملک ہوتا شکلیں بدل بدل کر آنے والا تو آنحضورؐ فرما دیتے کہ دیکھ لو یہ ہے ملک جو مجھ پر نازل ہوتا ہے۔ لیکن جبریل ملک عوام کا ذہنی ملک نہیں تھا۔ ۲/۹۷ فَإِنَّهُۥ نَزَّلَهُۥ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ بیشک وہ (جبریل) اللہ کے حکم سے آپ کے قلبِ اطہر (یعنی ذہنِ مبارک) پر نازل ہوتا ہے۔

● تو اب بتائیے کہ پروں والے فرشتے کا ذہن میں اُترنے کا کیا مطلب؟ حقیقت یہ ہے کہ جبریل اللہ تعالیٰ کی مخصوص قوت ہے جو انبیاء سلام علیہم کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتی تھی۔ عوام کے ذہنی ملائکہ کا اگر کوئی وجود ہوتا تو آنحضورؐ کے مخالفین کا مطالبہ پورا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ جبریل کو کسی صحابی کی شکل میں بھیج دیتا اور آنحضورؐ فرما دیتے یہ دیکھو لو فرشتہ۔

ملائکہ کے متعلق ایک اہم سوال

● سُورہ فاطر میں آیا ہے :- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ $\frac{35}{1}$ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کو ازسرِنو بنانے والا ہے۔ ٹھہرانے والا ہے ملائکہ کو رسول دو دو، تین تین، چار چار قوتوں والے۔ اور اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی تخلیق میں زیادتی کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے۔

● اس آیت مجیدہ کے الفاظ اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ سے دو دو تین تین اور چار چار پروں والے ملائکہ کا ثبوت لایا جاتا ہے۔ حالانکہ اُڑنے والے پرندوں کے لئے تین پروں کا تصور ہی غلط ہے، کیونکہ پرواز کے لئے توازن لازم ہے۔ اُڑنے کیلئے دو دو اور چار چار پر، یقیناً توازن قائم رکھ سکتے ہیں، یعنی ایک ایک پر ہو تو دائیں بائیں دونوں طرف، اور دو دو ہوں تو دائیں بائیں دونوں طرف۔ لیکن اگر کسی پرندے کے تین پر ہوں تو ایک طرف ایک اور دوسری طرف دو ہوں گے، جس سے توازن بگڑ جائے گا اور پرندہ اُڑ نہیں سکے گا۔ پس آیت مجیدہ $\frac{35}{1}$ میں آمدہ لفظ ثُلٰثَ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں اَجْنِحَۃٍ بمعنی پر نہیں بلکہ قوتیں ہیں۔ اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ (نیکوکار بندوں) کو اپنے رسول ٹھہرایا تھا۔ اُن میں سے بعض دو دو قوتیں والے تھے، بعض تین تین اور بعض چار چار قوتوں والے تھے۔ (ملائکہ معنی نیکوکار بندہ $\frac{12}{31}$ میں حضرت یوسفؑ کیلئے آیا ہے مَلَكٌ كَرِيْمٌ)۔

● یہ اللہ تعالیٰ کے نبیؑ رسولؑ تھے۔ جیسے کہ حضرت داؤدؑ کے لئے $\frac{38}{17}$ دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ آیا ہے۔ داؤدؑ قوتوں والا۔ انبیاءؑ کی کم از دو قوتیں اور زیادہ سے زیادہ چار قوتیں ہوتی تھی۔ اُن کی پہلی قبلِ نبوت کی اخلاقی قوت ہوتی تھی کہ عوام اُن کے اخلاق و کردار کے مداح ہُوا کرتے۔ دوسری قوت نبوت کی ہر آن اللہ تعالیٰ کے ساتھ سلسلۂ وحی قائم رہتا تھا۔ انبیاءؑ کی تیسری قوت ہوتی تھی جماعتِ صحابہؓ کی اور چوتھی قوت، حکومت قائم ہونے کی ہوتی تھی۔ چنانچہ بعض انبیاءؑ جیسے حضرت لوط سلامٌ علیہ کو صرف دو قوتیں حاصل تھیں ذاتی کردار اور نبوت کی۔ بعض کو تین قوتیں حاصل تھیں کہ صحابہؓ کی جماعت بھی میسر آگئی۔ اور بعض کو چار قوتیں میسر تھیں کہ حکومت بھی قائم ہو گئی حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ اور سیدنا محمدؐ چار چار قوتوں والے تھے کہ اُنہیں حکومت بھی میسر آگئی تھی۔ پس $\frac{35}{1}$ میں بھی ملائکہ معنی لوگوں کے دو دو تین

چار چار پروں والے ملائکہ مقصود نہیں۔ اِس آیت مجیدہ سے تو چار تک پر ثابت کئے جاتے ہیں مگر حضرت جبریل کے چھ سو پر بتائے جاتے ہیں۔ عَنْ اِبْنِ مسعودٍ اَنَّ مُحَمَّدًا رَأٰی جِبْرَائِیْلَ لَهٗ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ (بخاری ص ۲/۴۷۔ مسلم ص ۱/۹۷ ترمذی ص ۲/۱۶۰)۔

● آیت مجیدہ ۱/۳۵ میں وحی لانے والے ملائکہ جبریل و میکال کا ذکر نہیں کیونکہ اُن کا تعلق صرف انبیاء سلام علیہم سے تھا۔ وہ صرف انبیاءؑ پر نازل ہوتے تھے۔ اُن کی ماہیت و کیفیت کو یا تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اللہ کے نبیؑ جانتے تھے جن کے قلوبِ اطہر پر وہ نازل ہوتے تھے۔ اخیر پر عوام کے ذہنی ملائکہ کے متعلق ایک اہم سوال یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال ایسے ذہنی ملائکہ موجود ہیں تو وہ بلاشبہ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ میں داخل ہیں۔ جس طرح بجلی اینھر ریڈیائی لہریں وغیرہ مسخر ہو چکی ہیں، اُسی طرح پروں والے عوام کے ذہنی ملائکہ کا مسخر ہو کر نوعِ انسانی کے تابع تسخیر ہونا بھی لازم ہے۔ پس کیا بتایا جا سکتا ہے کہ آج تک کونسا ذہنی ملک مسخر ہو کر نوعِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہو چکا ہے؟

● آیت مجیدہ زیرِ بحث ۶/۱۵۹ جو پیچھے صفحہ ۲۹۲ پر درج ہوئی ہے، اُس کا پہلا ضمنی نوٹ ۱ ملائکہ کے متعلق تھا۔ جس کی طویل بحث میں ہم دور نکل گئے تھے۔ اب اُس کے ضمنی نوٹ ۲ متعلقہ اللہ تعالیٰ کے روبرو آنے کی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ کے الفاظ کے مطابق عوام کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ یا خود اللہ تعالیٰ سامنے آجائے۔ لیکن واضح رہے کہ جس طرح عوام کے ذہنی ملائکہ کا تصور غیر قرآنی ہے اُسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا تصور بھی غیر قرآنی ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۶/۱۰۴ اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی بصیرت اُسے پا سکتی ہے وہ ہر آنکھ کو دیکھتا اور ہر بصیرت کو پاتا ہے۔

● ۳ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ کے الفاظ میں منکرینِ ضابطۂ خداوندی کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر نہ ملائکہ آئیں اور نہ اللہ ہی آئے تو کم از کم اللہ کی کوئی نشانی آجائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ روایتی تفاسیر نے اِس سے کسی حسّی معجزہ کے ظہور کا تصور دیا ہے۔ لیکن اس سے اگلے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ جب آپ کے رب کی کوئی نشانی آجائے تو پھر اُس شخص کے لئے جس پر وہ نشانی آجائے نہ ایمان لانے کا وقت باقی رہتا ہے اور نہ نیک اعمال بجا لانے کا۔ کیونکہ ارشاد ہوا ہے:۔ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا .... الخ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۶/۱۵۹

مسئلۂ توبہ بے فائدہ ہونا

● اب اِس آیت کی روشنی میں غور فرمائیں۔ قرآن کریم سے تین مقام ایسے ثابت ہیں کہ جب کسی کو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

۱۔ جب عذاب آ جائے ۲۔ جب موت آ حاضر ہو ۳۔ شکست اور گرفتاری کے بعد

۱۔ جب عذاب آجائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• پہلے نمبر پر فرعون اِس آیت کا پورا پورا مصداق ہے کہ :۔ جب اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی یہ نشانی آگئی کہ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کیلئے اُس سے پرامن ہجرت کی اجازت چاہی تھی ۱۰۵/۷ مگر اُس نے نہ دی۔ بالآخر وہ ہجرت کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر فرعون نے انکا تعاقب کیا۔ بنی اسرائیل سمندر کی شاخ میں سے اُس کی جذر کی حالت میں پار ہو گئے مگر مدّ آنے والی تھی کہ فرعون معہ لشکر اُس میں داخل ہو گیا۔ اُدھر سے مد آگئی اور وہ غرق ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ کی اس نشانی کی آمد کے بعد اُس نے ایمان لانا چاہا اور کہا :۔ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ ۹۰/۱۰ فرعون نے کہا بیشک میں ایمان لایا اُس الٰہ پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ لیکن اس پر جواب ملا :۔ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ ۹۱/۱۰ اب ایمان لاتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے تُو نے نافرمانی کی اور تُو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ چنانچہ یہ وہ وقت تھا کہ جب عذاب آگیا تو اس کے بعد ایمان لانا اسکے کسی کام نہ آیا۔

۲۔ جب موت حاضر ہو جائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• سُورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ ۱۸/۴ اور اُن لوگوں کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے جو بُرے عمل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے تو وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔ اور نہ (موت کے وقت) اُن لوگوں کے لئے ایمان لانا فائدہ مند ہے جو کفر ہی میں مرنے لگیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب کا وعدہ دے رکھا ہے۔ اگر آخری وقت تک کوئی شخص بدعمل رہا ہے تو موت کے وقت توبہ قبول نہیں۔ اگر کوئی کافر رہا اور موت کا وقت آگیا۔ اُس وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ پس موت کا وقت آجانا بھی اللہ کی ایک آیت ہے اُس کی ایک نشانی ہے اُس وقت نہ توبہ قبول ہوتی ہے، نہ ایمان لانا فائدہ دیتا ہے۔

۳۔ شکست اور گرفتاری کے بعد بھی ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا

• سُورہ مائدہ میں اسلامی حکومت کے اُن باغیوں کے متعلق جو قوت پیدا کرکے اہلِ اسلام سے جنگ کریں اور ملک میں فساد پھیلائیں، یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کیلئے ایمان لانے اور فرمانبردار ہونے کا موقعہ اُس وقت تک ہے جبتک کہ وہ شکست کھا کر گرفتار نہ ہو جائیں۔ جب اُن کی طاقت ختم ہو جائے اور وہ گرفتار ہو جائیں، تو اگر وہ گرفتار ہونے کے بعد ایمان لانا چاہیں تو اُن کا ایمان لانا اُسی طرح مردود قرار دیا جائیگا جس طرح فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہوا تھا :۔ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ

۱۔ جب عذاب آجائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• پہلے نمبر پر فرعون اِس آیت کا پورا پورا مصداق ہے کہ:۔
جب اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی یہ نشانی آگئی کہ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کیلئے اُس سے پرامن ہجرت کی اجازت چاہی تھی ۱۰۵/۷ مگر اُس نے نہ دی۔ بالآخر وہ ہجرت کرنے میں کامیاب ہوگئے مگر فرعون نے انکا تعاقب کیا۔ بنی اسرائیل سمندر کی شاخ میں سے اُس کی جذر کی حالت میں پار ہوگئے مگر مدّ آنیوالی تھی کہ فرعون معہ لشکر اُس میں داخل ہوگیا۔ اُدھر سے مدّ آگئی اور وہ غرق ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ کی اس نشانی کی آمد کے بعد اُس نے ایمان لانا چاہا اور کہا:۔ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ ۹۰/۱۰
فرعون نے کہا بیشک میں ایمان لایا اُس الٰہ پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔
لیکن اس پر جواب ملا:۔ آٰلْئٰنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ ۹۱/۱۰ اب ایمان لاتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے تُو نے نافرمانی کی اور تُو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ چنانچہ یہ وہ وقت تھا کہ جب عذاب آگیا تو اس کے بعد ایمان لانا اسکے کسی کام نہ آیا۔

۲۔ جب موت حاضر ہو جائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• سُورہ نسآء میں ارشاد ہُوا ہے:۔ وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ ۱۸/۴ اور اُن لوگوں کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے جو بُرے عمل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے تو وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔ اور نہ (موت کے وقت) اُن لوگوں کے لئے ایمان لانا فائدہ مند ہے جو کفر ہی میں مرنے لگیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب کا وعدہ دے رکھا ہے۔ اگر آخری وقت تک کوئی شخص بدعمل رہا ہے تو موت کے وقت توبہ قبول نہیں۔ اگر کوئی کافر رہا اور موت کا وقت آگیا۔ اُس وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ پس موت کا وقت آجانا بھی اللہ کی ایک آیت ہے اُس کی ایک نشانی ہے اُس وقت نہ توبہ قبول ہوتی ہے نہ ایمان لانا فائدہ دیتا ہے۔

۳۔ شکست اور گرفتاری کے بعد بھی ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا

• سُورہ مائدہ میں اسلامی حکومت کے اُن باغیوں کے متعلق جو قوت پیدا کرکے اہلِ اسلام سے جنگ کریں اور ملک میں فساد پھیلائیں، یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کیلئے ایمان لانے اور فرمانبردار ہونے کا موقع اُس وقت تک ہے جبتک کہ وہ شکست کھاکر گرفتار نہ ہو جائیں۔ جب اُن کی طاقت ختم ہو جائے اور وہ گرفتار ہو جائیں، تو اگر وہ گرفتار ہونے کے بعد ایمان لانا چاہیں تو اُن کا ایمان لانا اُسی طرح مردود قرار دیا جائیگا جس طرح فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہُوا تھا:۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ

انتظار کریں گے، صبح نہ نکلے گی تو پھر وظیفہ شروع کر دیں گے، جب تمام ہوگا اور نشان صبح کا ظاہر نہ ہوگا تو جانیں گے کچھ اسرار الٰہی ظاہر ہوگا۔ رونا اور استغفار کریں گے۔ جب تک کہ صبح مغرب سے ظاہر ہوگی۔ اور آفتاب مغرب کی طرف سے نکلے گا بے روشنی۔ تمام خلق دیکھے گی۔ ایمان بیقراری کا ہو جائے گا اور قبول نہ ہوگا۔ اور دروازے توبہ کے بند ہوں گے اور یہ احوال جب ہوگا کہ ایک سو بیس برس قیامت کے رہیں گے۔

● شیعہ مکتب فکر کے قرآن مجید مترجم حمائل شریف سید مقبول احمد صاحب کے صفحہ ۲۳۶ - ۲۳۷ پر بھی قیامت کی نشانیوں میں خروج دجال کا، نکلنا دابۃ الارض کا اور ظہور امام مہدی کا ——— دابۃ الارض کے متعلق لکھا ہے کہ اُس کے پاس عصاءِ موسیٰ اور مُہر سلیمانی ہوگی۔ وُہ کافر و مومن سب کے منہ پر مُہر لگائے گا۔ حتیٰ کہ دونوں کے مُنہ پر چھپ جائیگا ھٰذَا مُؤْمِنٌ ھٰذَا کَافِرٌ۔ دابۃ الارض سر بلند کر کے حکم خُدا سے آسمان اور زمین کے مابین سب چیزوں کو دیکھ لیگا۔ یہ واقعہ مغرب کی طرف سے سُورج نکلنے کے بعد ظاہر ہوگا۔ اُس وقت سے توبہ اُٹھا دی جائے گی یعنی نہ کوئی توبہ قبول ہوگی اور نہ کوئی عمل مانا جائیگا اور اُسی وقت کی تعریف خدا نے اِس طرح فرمائی ہے کہ کسی نفس کو اُس کا ایمان نفع نہیں دے گا۔" یہ ہے روائتی تفسیر آیتِ بالا $\frac{6}{158}$ کی۔

دجّال اور دابۃُ الارض

● دجّال کے متعلق روائتی تفاسیر میں لکھا ہے کہ ایک کانا بادشاہ ہوگا، جس کے ایک ہاتھ میں جنّت ہوگی ایک میں دوزخ ہوگا۔ جو شخص اُسے سجدہ کرے گا اُسے جنّت میں داخل کر دے گا اور جو سجدہ نہیں کرے گا اُسے دوزخ میں ڈال دے گا۔ اُس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کافر ——— دابۃ الارض کے متعلق تفسیر موضح القرآن کے صفحہ ۴۰۳ اور تفسیر حسینی کے صفحہ ۴۰۵ پر لکھا ہے کہ وہ ساٹھ گز لمبا ہوگا۔ اسکے چار پَیر ہونگے۔ سر اور سینگ بیل گائے کے۔ کان ہاتھی کے۔ رنگ چیتے کا۔ گردن اور ٹانگیں اونٹ کی۔ چھاتی شیر کی اور دم دُنبے جیسے ہوگی۔ حضرت موسیٰ کا عصا اور سلیمان کی انگوٹھی کا نگینہ اسکے پاس ہوگا۔ وہ لوگوں سے باتیں کرے گا۔ جسے عصا لگا دے گا اُسکا مُنہ سفید ہو جائیگا، جسے نگینہ چھوائیگا اُسکا مُنہ کالا ہو جائیگا۔ یہ نشان ہوں گے مومن اور کافر کے۔

● اب غور فرمائیے گا کہ ان روائتی تفاسیر کا کوئی تعلق آیت زیر بحث $\frac{6}{159}$ کیساتھ ہے؟ قرآن کریم نے $\frac{4}{18}$ میں بالفاظِ صریح اعلان کر رکھا ہے کہ اُس شخص کے لئے توبہ کا وقت باقی نہیں رہتا جو اُس وقت توبہ کرے جب موت کا وقت آموجود ہو۔ اُس وقت پر وہ اس بُرے عمل سے توبہ کرے جسے اُس نے اس سے پہلے نہیں چھوڑا تو اُس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اور اِس پر $\frac{10}{90-91}$ کی شہادت موجود ہے کہ موت کے وقت فرعون کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ نیز توبہ اُس وقت پر قبول نہیں ہوتی جب اللہ کا عذاب آجائے $\frac{6}{159}$ + $\frac{10}{90-91}$ اور تیسرے نمبر پر قرآنِ کریم کی رُو سے اسلامی حکومت کے باغی اور ملک میں فساد پھیلانے والے کی توبہ اس وقت قبول نہیں ہوتی جب وہ شکست کھا کر گرفتار ہو چکا ہو $\frac{5}{33-34}$ قرآنِ کریم کے فیصلہ کے مطابق توبہ قبول نہ ہونے کے یہی تین وقت ہیں، جن وقتوں پر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ لیکن روائتی تفاسیر

میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ کیسے غیر قرآنی چیستان پیش کئے گئے ہیں اور قیامت سے ایک بیس برس پہلے پہلے توبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے ۔ کانے دجّال تو قرآنِ کریم میں ذکر تک نہیں، یہ نام اور اس کے متعلقات سب کے سب روایات کی ایجاد ہے۔ البتہ دابۃ الارض کا ذکر ۲۷/۸۲ میں بالفاظِ ذیل آیا جسے مذکورہ چیستانی دابہ بنا دیا گیا ہے :۔

● وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ۝ ۲۷/۸۲ - اس آیت مجیدہ کا ترجمہ عرض کرنے سے پہلے اسکے چند الفاظ کی تشریح لازمی ہے :۔

● ۱ إِذَا بمعنی جب متضمن بمعنی شرط ہے ۔ ماضی پر داخل ہو تو اُسے مضارع بنا دیتا ہے ۔ اس نے وَقَعَ کو مضارع بنا دیا ہے ۔

● ۲ اَلْقَوْل سے مراد اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ۔ قول بمعنی قانون اور الف لام عوض مضاف الیہ ہے ۔

● ۳ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ کے الفاظ میں أَخْرَجْنَا کا معنی یہ نہیں کہ ہم زمین سے نکالتے ہیں ۔ کیونکہ یہاں مِنَ الْأَرْضِ میں مِنْ بیانیہ ہے بعضیہ نہیں ہے اور مِنَ الْأَرْضِ کا معنی ہے زمین میں کا یعنی زمین کا رہنے والا ۔ اور أَخْرَجْنَا کا معنی یہ ہے کہ ہم ظاہر کرتے ہیں ۔ ظاہر وہ خود ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ اللہ کی منشا کے مطابق کام کرتا ہے اس لئے اللہ نے اُسے اپنی طرف منسوب کیا ہے ۔

● ۴ دَابَّة کا معنی ہے جاندار ۔ اور انسان بھی ایک جاندار ہے ۔ اس آیت میں دَابَّة سے مراد انسان ہی ہے ۔ جس کی تائید اگلے نمبر ۵ میں بالفاظِ ذیل موجود ہے ۔

● ۵ تُكَلِّمُهُمْ کا معنی ہے وہ کلام کرتا ہے اُن سے ۔ اب روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ دُنیا بھر کے جانداروں میں کلام کرنے والا جاندار (دَابَّة) صرف اور صرف انسان ہے ۔ (الفاظ کی) تشریح کے بعد اب ۲۷/۸۲ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں :۔

(ترجمہ ۲۷/۸۲) اور جب کبھی ان (لوگوں) پر اللہ کا قانون واقع ہوتا ہے تو ہم زمین پر بسنے والے ایک انسان کو ظاہر کرتے ہیں جو اُن سے کلام کرتا ہے (انہیں آگاہ کرتا ہے کہ تم نے اللہ کی آیتیں چھوڑ دی ہیں یہ ایک حقیقت ہے) کہ نوعِ انسانی ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے ۔

● اس آیت مجیدہ ۲۷/۸۲ میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے اعراض کرتے ہیں تو اُنہی میں سے کوئی ایک انسان انہیں یاد دلاتا ہے کہ تم اللہ کی آیتوں کو بھول گئے ہو ——— یاد رہے کہ اس آیت مجیدہ سے سو سال کے بعد کسی مجدد کے آنے کا روائتی تصوّر ہرگز مراد نہیں لیا جا سکتا ۔ کیونکہ اس آیت کے آخری حصے میں لوگوں کے متعلق اللہ کی آیتوں پر سے یقین اُٹھ جانے کی خبر دی گئی ہے ۔ اور وہ ظاہر ہونے والا اللہ کی آیتیں یاد دلاتا ہے روائتیں پڑھ پڑھ کر اپنے مامور من اللہ ہونے کے دلائل نہیں پیش کرتا ۔

● مذکورہ دَابَّةُ الْأَرْضِ کے متعلق روایات کے وضع ہوئے چیستانی تصورات سب غلط ہیں ۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ وہ ایک ہی ہے چوپایہ ہے، وہ مجملہ افراد جو قوم کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں یاد دلاتے رہے قرآن کریم ۲۷/۸۲ کے مطابق دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ

تھے، جنہوں نے لوگوں کو یاد دلایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو بھول گئے ہو۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کو مخاطب کرکے اعلان کیا گیا ہے کہ جو لوگ دین میں تفریق پیدا کرکے فرقہ فرقہ ہو جائیں انکے ساتھ آپکا کوئی تعلق نہیں۔ اس طرح وہ متفرق ہو کر جو عمل کرتے ہیں۔ اُن سے قیامت کو آگاہ کیا جائیگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا
بیشک جنہوں نے تفریق پیدا کی دین اپنے میں اور ہو گئے

شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ
گروہ گروہ نہیں تو ان میں سے انکے بیچ کسی چیز کے سوائے اسکے نہیں معاملہ انکا

اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۱۶۰
طرف اللہ کے ہے پھر وہ خبر دیگا انکو ساتھ اسکے جو تھے عمل کرتے

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق پیدا کی اور وہ گروہ گروہ ہو گئے (یعنی فرقوں اور دھڑوں میں بٹ گئے۔ اے رسولؐ!) آپ کا اُن میں سے کسی کے ساتھ بھی کسی چیز میں کوئی تعلق نہیں۔ سوائے اِس کے اور کوئی بات نہیں کہ اُن کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔ پھر وہ اُنہیں (قیامت کو) خبر دیگا جو وہ (اللہ کے دین قرآنِ کریم سے متفرق ہو کر عمل کیا کرتے تھے۔

● ملہ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ کے الفاظ میں فَرَّقُوْا کا معنی ہے انہوں نے فرق کیا۔ تفریق کی۔ کس سے فرق کیا؟ کس سے تفریق کی؟ اِسکا جواب دیا گیا ہے دِيْنَهُمْ اپنے دین سے فرق کیا۔ دین سے تفریق کی۔ لیکن دین کیا چیز ہے؟ اِس کا جواب دیا گیا ہے:۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ۴۲/۱۳ اللہ نے شرع کردی ہے۔ اُس دین کی جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا اور وُہی دین جو ہمنے آپکی طرف وحی کیا ہے —— پس ثابت ہُوا کہ دین وہ چیز ہے جو آنحضورؐ کی طرف وحی کیا گیا تھا۔ اور وہ ہے قرآنِ کریم۔ فلہذا ثابت ہُوا کہ جو لوگ قرآنِ کریم میں تفریق پیدا کرکے فرقہ فرقہ ہو جائیں۔ اُن کے ساتھ رسولِ مقبولؐ کا ان کی کسی چیز میں بھی کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ قرآنِ کریم سے تفریق کرنے کی عملی صورت کیا ہے؟

● اِس سوال کا جواب سُورہ آلِ عمران کی آئت نمبر ۱۰۳ میں ایمان والوں کو مخاطب کرکے بالفاظِ ذیل دیا گیا ہے:۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۳/۱۰۳ اور اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن مجید کو سب مل کر مضبوط تھامے رہو اور تفریق پیدا نہ کر لینا۔ متفرق نہ ہو جانا۔ پس ثابت ہُوا کہ اکیلے قرآنِ مجید کو متفقہ طور پر تھامے رہنا عدم تفریق ہے۔ اور اسے نہ تھامنا اور یا متفرق انداز میں تھامنا ہے تفریق یعنی وَلَا تَفَرَّقُوْا کے حکمِ خداوندی کی حکم عدولی۔ اِسی عنوان کو سُورہ روم میں بالفاظِ ذیل بیان کیا گیا ہے:۔

● مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ ۳۰/۳۱-۳۲ اُس (اللہ) کی طرف رجُوع رہنے والے اور بچو اُسکی

نافرمانی سے اور صلوٰۃ قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا ۔ اُن میں سے جنہوں نے اپنے دین (قرآن) میں تفریق کی اور گروہ گروہ ہو گئے ۔ ہر گروہ اس چیز پر خوش ہے جو کچھ اُس کے پاس ہے ۔۔۔۔۔ اِن آیات میں تفریقِ دین کی وضاحت اس طرح کر دی گئی ہے کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے وہ اُس پر خوش ہے ۔ اُسے جزوِ دین یعنی جزوِ قرآن مانتا ہے ۔ اسی چیز کو ذرا اور کھل کر بیان کیا جائے تو یہ ہوگا کہ وہ اپنی اپنی خوشی کی چیزوں کو جزوِ قرآن صرف مانتے ہی نہیں بلکہ اُسے قرآنِ کریم میں سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں ۔

● مثال کے طور پر مزاروں اور خانقاہوں پر سرِ نیاز خم کرنے والے اسی پر خوش ہیں اور اسے جزوِ قرآن قرار دیتے ہیں نیز وہ لوگ جو ہر قمری ماہ کی گیارہ تاریخ کو گیارہویں والے پیر کی نیاز پکاتے ہیں ۔ وہ اسی پر خوش ہیں اور اسے قرآنِ کریم سے ثابت کرتے ہیں ۔ اسی طرح جو لوگ تعزیہ اور ذوالجناح کے سامنے سرِ نیاز جھکانے والے ہیں وہ اسی پر خوش ہیں ۔ اور اسے جزوِ دین مانتے اور قرآنِ کریم میں سے ثابت کرتے ہیں ۔ یہی ہے تفریقِ دین ، اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا کی خلاف ورزی کہ اپنی اپنی خوشی کے مسائل الگ الگ لئے بیٹھے ہیں اور انہیں الگ الگ قرآنِ کریم سے ثابت کرتے ہیں کُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں ہر نیکی کی دس گنا جزا کی خبر دی گئی ہے اور ہر برائی کی سزا صرف ایک گنا :-

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ
جو آیا ساتھ ایک نیکی کے واسطے اسکے ہے دس مثل اسکی
وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا
اور جو آیا ساتھ ایک برائی کے تو وہ نہیں بدلہ دیا جائیگا مگر مثل اسکی
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ۱۶۱
اور وہ نہیں ظلم کئے جائینگے

جو شخص (اللہ کے حضور میں) ایک نیکی لایا ، تو اُس کے لئے اس کی جزا (اللہ تعالیٰ کے ہاں) دس گنا ہے ۔ اور جو کوئی ایک برائی لایا وہ (اللہ تعالیٰ کے ہاں) سزا نہیں دیا جائے گا مگر صرف اُس جیسی (یعنی صرف ایک گنا) ۔ اور وہ (برائی کرنیوالے) ظلم نہیں کئے جائینگے ۔

اللہ تعالیٰ کی مخصوص شفقت

● اس آیتِ مجیدہ پر مختلف انداز سے غور کیا جانا لازم ہے ۔ سرِ فہرست تو اللہ تعالیٰ کی یہ مخصوص شفقت قابلِ غور ہے کہ ایک نیکی کرنیوالے کو دس گنا جزا کی خبر دیگئی ہے مگر ایک برائی کرنیوالے کی سزا کو دس گنا تو کیا ڈیڑھ یا سوا گنا کرنے کی خبر بھی نہیں دیگئی ۔ بلکہ واضح رہے کہ برائی کرنے کے بعد توبہ و اصلاح کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف معاف کر دیتا ہے بلکہ نیکیاں کرنیوالے کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کرنے کی خبر بھی دیگئی ہے :- اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ۲۵/۷۰ مگر جو کوئی (برے عمل کے بعد) توبہ کرے اور ایمان

لائے اور عمل صالح کرے تو ایسے لوگ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بچاؤ عطا فرمانیوالا اور بہت بڑھ کر رحمت کرنیوالا ہے۔

مسئلہ زکوٰۃ ● دوسرے نمبر پر آئت زیر بحث ۶/۱۶۱ پر اس انداز سے بھی غور کیا جانا ضروری ہے کہ ۹/۱۱۱ میں جو ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا سارا مال جنت کے بدلے خرید لیا ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۔ اسطرح جو سارا مال جنت کی قیمت قرار دیدی گئی ہے اسکے مطابق اللہ تعالیٰ تو جنت ضرور عطا فرمائیگا۔ مگر وہ سودے کیمطابق سارا مال کیوں وصول نہیں کرتا۔ اسکا جواب سورۃ محمدؐ میں دیا گیا ہے:۔

● اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْــَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ يَّسْــَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ ۴۷/۳۶-۳۷ سوائے اسکے نہیں کہ (آخرت کو بھول کر) دنیا کی زندگی کھیل اور لغو ہے۔ اور اگر تم ایمان لاؤ کھیل و لغو سے بچو تو اللہ تمہیں تمہارے اجر دے گا۔ اور وہ تم سے تمہارے سارے مال نہیں مانگتا۔ اگر وہ تم سے سارے مال مانگے تو تمہیں تنگ کرے اور تم اُن کی ادائیگی میں بخل کرنے لگو۔ اور وہ تمہاری عداوتیں اور کدورتیں نکالتا ہے۔

● یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سارے مال نہ مانگنے سے جو جنت کا سودا ہو چکا ہے وہ تو فسخ نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جنت کے سودے کا سارا مال نہیں مانگتا تو کتنا حصہ مانگتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہے:۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۶/۱۶۱ جو کوئی ایک نیکی لایا اللہ کے ہاں اس کی دس آگئی ہیں۔ بالفاظ دیگر جس نے اپنے مال کا دسواں حصہ ادا کر دیا اُس کا سارا مال اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گیا۔

عشر، دسواں حصہ زکوٰۃ ہے ● سورہ معارج میں جو مومنوں کے متعلق خبر دیگئی ہے:۔ وَالَّذِيْنَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ ۷۰/۲۴ اُن کے مالوں میں حاجتمندوں اور معذوروں کا ایک معلوم حصہ کا حق ہے۔ لفظ زکوٰۃ کا معنی ہی ہے کمزوروں کو قوت دینا۔ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ کے الفاظ سے کھل کر ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی رو سے معلومہ دسواں حصہ جو اللہ تعالیٰ جنت کی قیمت پورے مال کے بدلے وصول کرتا ہے زکوٰۃ ہے اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کو مال کی ضرورت نہیں وہ جو کچھ اپنے نام سے وصول کرتا ہے وہ غرباء کا حصہ ہوتا ہے جیسے کہ ارشاد باری ہے اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۷۳/۲۰ اللہ تعالیٰ کو قرض دو قرض حسنہ۔ یہ مال کس کو دیا جاتا ہے غرباء معاشرہ کو۔ اسلئے جنت کی قیمت پورے مالوں کی بجائے دسواں حصہ غرباء کا حصہ ہے۔ اب اس ضمن کا آخری سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ دسواں حصہ آمدنی کا ہے یا بچت کا۔ اس کا جواب پیچھے آئت مجیدہ ۶/۱۴۲ کی تفسیر میں صفحہ ۲۷۵ پر دیا جا چکا ہے آمدنی کا دسواں، بچت کا نہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سورہ فاتحہ کی آیت نمبر ۱/۵ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کے مروجہ ترجمہ "دکھا ہمکو راہ سیدھی" پر جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آنحضورؐ نے اپنی آخری نماز کے وقت تک سیدھی راہ دیکھی نہیں تھی جو دیکھنے کی دعا کر رہے تھے، کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ ۱/۵ کا مذکورہ مروجہ ترجمہ غلط ہے اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو سیدھی راہ دکھا دی تھی۔ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا تصریف آیات کے مطابق صحیح ترجمہ یہ ہے:۔ "چلائے رکھ ہم کو راہ سیدھی پر" نیز اس آیت میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ صراط مستقیم، دینِ قیم اور ملتِ ابراہیمؑ ایک ہی چیز ہے:۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ

کہہ بیشک میں ہدایت کی مجھے رب میرے نے طرف راہ سیدھی کے

دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ[1] وَمَا كَانَ

دین سیدھا طریقہ ابراہیمؑ کا خالص کا اور نہیں ہیں

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۱۶۲

میں سے مشرکوں کے

کہہ بیشک میں (وہ ہوں کہ) میرے رب نے مجھے صراطِ مستقیم (سیدھی راہ) کی ہدایت فرما دی ہے۔ وہ جو دینِ قیم (سیدھا اور پکا) دین ہے وہی جو طریقہ ہے ابراہیم کا جو ہر[1] طرف سے کٹ کر صرف اللہ کی طرف رہنے والا تھا۔ اور میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں ہوں۔

● [1] صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ کا بدل آیا ہے دِيْنًا قِيَمًا اور بدل بعد بدل آیا ہے مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا جس سے ثابت ہوا کہ صرف صراط مستقیم ہی دینِ قیم ہے اور وہی ملتِ ابراہیم ہے۔ جس سے یہ امر بھی کھل کر عیاں ہو چکا کہ حضرت ابراہیمؑ کو وہی دین دیا گیا تھا جو آنحضورؐ کو عطا ہوا۔ اس مسئلہ کی مکمل بحث پیچھے آیت نمبر ۶/۱۵۵ کی تفسیر میں صفحہ ۲۹۰ پر گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کے سب نبیوں کو ایک ہی کتاب ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت عطا فرمائی تھی۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں آنحضورؐ سے بانداز اقرار متعدد اعلان کروائے گئے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ[2] وَمَحْيَايَ وَ

کہہ بیشک نماز میری اور طریقہ میرا اور حیاتی میری اور

مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۶۳

موت میری واسطے اللہ پالنے والے جہانوں کے ہے

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ

نہیں شریک واسطے اس کے اور ساتھ مذکورہ کے حکم کیا گیا ہوں میں اور

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا۔ بیشک میری فرمانبرداری (ساری کی ساری) اور میرا طور طریقہ (سارے کا سارا) اور میری زندگی (ساری کی ساری) اور میری موت، خالصًا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔

اس (اللہ تعالیٰ) کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے مذکورہ بالا (یعنی پوری کی فرمانبرداری، پورا طور طریقہ، پوری زندگی اور

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ○ ۱۶۳	موت کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کرنے) کا حکم دیا گیا
میں پہلا ہوں مسلمانوں میں	ہوں۔ اور میں مسلمانوں کا پہلا مسلمان ہوں ۳

● ۱ لفظ صلوٰۃ کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی فرمانبرداری بھی ہے سورہ قیامت میں تقابل ضدین کے ذریعہ صلوٰۃ کا معنی نافرمانی کی ضد فرمانبرداری بتایا گیا ہے۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ○ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ○ ۷۵-۳۱-۳۲ پس اس نے تصدیق کی اور نہ فرمانبرداری کی۔ بلکہ جھٹلایا اور نافرمانی کی۔

● ۲ لفظ نسک کے بہت سے معنوں میں سے ایک معنی طور طریقہ بھی ہے پس نسکی کا معنی ہے میرا طور طریقہ سب اللہ کیلئے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بیان احکام کیمطابق ہے۔

● ۳ اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ کے دو معنے ہیں۔ ایک یہ کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں کہ جو حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے سب سے پہلے میں اسکے مطابق عمل کرتا ہوں اور دوسرا یہ کہ میں اول درجے کا مسلمان ہوں یعنی سب مسلمانوں سے بڑھ کر احکام خداوندی کا فرمانبردار ہوں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی دونوں آیات مجیدہ نمبر ۱۶۵-۱۶۶ سورہ انعام کی آخری آیات مجیدہ ہیں۔ آیت نمبر ۱۶۵ سے عیاں ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے مخالفین باطل عقائد کے حامل تھے جن کی طرف وہ آنحضور کو دعوت دیتے تھے۔ وہ لوگ غیر اللہ کو حاجت روا اور پالنہار یعنی رب مانتے تھے۔ اور اپنے پیروں بزرگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانیوالے تسلیم کرتے تھے۔ نیز علاوہ ازیں بہت سے مسائل میں قرآنی مسائل کیخلاف آبائی عقائد کے مطابق اختلاف کرتے تھے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ	(اے رسول ﷺ!) کہہ دیجئیگا کہ (اے لوگو!) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب (حاجت روا اور پالنہار) تلاش کروں۔ حالانکہ وہ (اللہ) ہر چیز کا رب (پالنہار) ہے۔ اور (یہ بھی سن لو کہ) ہر شخص جو عمل کرتا ہے اسکا بوجھ اسکی اپنی جان پر ہے۔ (قیامت کے دن) کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔ (ہر شخص اپنا اپنا بوجھ اٹھائیگا) پھر تمہارے (اعمال کی جوابدہی کیلئے) لوٹ کر جانے کی جگہ تمہارے رب کی طرف ہے۔ پھر وہ (اللہ) تمہیں اسکی خبر دیگا جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔
کہہ کیا سوا اللہ کے ڈھونڈوں میں رب حالانکہ وہ ہے رب	
كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ	
ہر چیز کا اور نہیں کماتی ہر جان مگر اوپر اسکے ہے	
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى	
اور نہیں اٹھائیگا اٹھانیوالا بوجھ دوسرے کا - پھر طرف	
رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ	
رب تمہارے لوٹ جانے کا مقام ہے پھر خبر دیگا تم کو ساتھ اسکے جو تم بیچ اسکے	
تَخْتَلِفُوْنَ ○ ۱۶۵	
اختلاف کرتے	

● ۱ؔ لفظ رب کا معنیٰ ہے نقطہ آغاز سے شروع کر کے نقطۂ انجام تک پرورش کرنے والا ۔ جیسے کہ انسان کی دنیوی زندگی کا نقطۂ آغاز ہے اسکی پیدائش ۔ مگر رب العلمین کی پرورش کا انداز اسکے نقطۂ آغاز ہی سے یہ ہے کہ وہ بچے کی پیدائش سے پہلے ہی اسکی ماں کی چھاتی پر دودھ کی دو نہریں بہا دیتا ہے ۔ جبتک بچے کے دانت نہیں آ گئے اس وقت تک یہ دو نہریں جاری رہتی ہیں اور ان کے خشک ہونے سے پہلے ہی بچے کے دانت نکل آتے ہیں تاکہ وہ سخت چیزیں چبانے کے قابل ہو جائے ۔ اسکے بعد اسکے رزق کے ضامن بظاہر ماں باپ ہوتے ہیں اور اُسے بہتر ہنرمند بنا کر باعزت روٹی کمانے کے قابل بنانا بھی اگرچہ بظاہر ماں باپ ہی کا فریضہ ہے ۔ لیکن درحقیقت یہ فریضہ حکومت وقت کا ہوتا ہے ۔ اس مسئلہ کی وضاحت تفسیر القرآن بالقرآن جلد سوم جو آپکے ہاتھ میں ہے کے صفحہ ۲۸۵ پر بغلی سرخی "نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ" میں گزر چکی ہے۔

● ۳۔۲ؔ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا کے الفاظ میں بھی اسی چیز کی تائید کر دیگئی ہے کہ بُرے عملوں کی سزا کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھائیگا ۔ عمل کرنیوالے ہی کو اٹھانا پڑیگا ۔ سورۃ عنکبوت میں اس قرآنی نظریہ کے منکروں کا قول بالفاظ ذیل درج ہے :۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

۲۹ / ۱۳۔۱۲

(مفہوم) اور مکافات عمل کے خداوندی اٹل قانون کے منکر ایمان والوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے راستے کی اتباع کرو ۔ (یعنی ہماری بیعت کر لو ۔ ہمارے مرید ہو جاؤ) تو تمہارے گناہوں کا بوجھ ہم اٹھا لینگے (یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ سے بخشوا لینگے) حقیقت یہ ہے کہ وہ اُنکے گناہوں کا بوجھ ذرہ بھر بھی اٹھانیوالے نہیں ہیں ۔ وہ جھوٹ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھا لینگے ۔ بلکہ ہو گا یہ کہ وہ ضرور اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھا لینگے اور اُن (اپنے مریدوں) کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے ۔ (کیونکہ انہوں نے انہیں گمراہ کیا تھا ۔ انہیں دوہری سزا دی جائے گی) اور جو (مریدوں) کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کا افترای انہوں نے گھڑ رکھا ہے قیامت کے دن اسکے متعلق اُن سے ضرور ضرور پوچھا جائیگا ـــــ پس کسی کے گناہوں کا بوجھ اٹھا لینے کا تصور از روئے قرآن کریم مطلقاً غلط اور ضابطۂ خداوندی کے ذمہ افترای محض ہے۔

● حقیقت یہ ہے کہ زندہ اور مردہ پیروں کے متعلق یہ تصور بہت پرانا چلا آ رہا ہے کہ قیامت کو وہ اپنے مریدوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھا لینگے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشوا لینگے ۔ یہی عقیدہ زمانۂ رسالت کے منکرین ضابطۂ خداوندی کا تھا ۔ انہی زندہ اور مردہ بزرگوں کو وہ لوگ رب مانتے تھے اور آنحضور ﷺ کو بھی اسی چیز کی دعوت دیتے تھے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قل کے کلام کیساتھ خود آنحضور ﷺ ہی سے اُن پر واضح کر دیا تھا کہ تمہارے یہ عقائد غلط ہیں ۔ اللہ کے سوا رب کوئی نہیں ۔ اور بُرے عملوں کا بوجھ عمل کرنیوالے کو خود اٹھانا پڑیگا نہ کوئی بوجھ اٹھائیگا اور نہ اللہ تعالیٰ سے بخشوائیگا۔

● ۴؎ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَخْتَلِفُوْنَ ○ کے الفاظ کے اوّلین مخاطب تو تھے زمانۂ رسالت کے منکرینِ ضابطۂ الٰہی جنہوں نے اس ضابطہ سے اپنے بزرگوں سے متوارث حاصل کردہ عقائد کی بنا پر اختلاف کیا تھا۔ اور انکے بعد قیامت تک کے وہ لوگ مخاطب ہیں۔ جنہوں نے کسی بھی دور میں قرآنی ضابطۂ الٰہی کے بتائے ہوئے مسائل سے یہ کہہ کر انکے بعد اختلاف کیا یا آج اختلاف کرتے ہیں یا آئندہ کرینگے کہ ہم نے تو اپنے زندہ بزرگوں سے نہ سُنے اور نہ مردہ بزرگوں کے ملفوظات میں یہ مسائل کبھی پڑھے ہیں۔ اُن کیلئے انکے بزرگ سند ہیں حالانکہ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ۲۸/۸۵ کے مطابق چونکہ فرضِ قرآن کریم کیا گیا ہے اسلئے بزرگ سند نہیں قرآن کریم سند ہے —— سلسلۂ درس کی اگلی یعنی سورۂ انعام کی آخری آیتِ مجیدہ کے بھی اوّلین مخاطب زمانۂ رسالت کے منکرینِ ضابطۂ خداوندی ہیں اور انکے بعد قیامت تک وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسکا انکار کیا کر رہے ہیں یا کرینگے ؛۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ ۱ الْاَرْضِ وہی ہے جس نے بنایا تم کو بعد میں آنیوالے زمین کے	وہ (اللہ ہی) ہے جس نے تمہیں زمین میں (اپنے اسلاف کے) اخلاف بنایا ۱ (تم انکے بعد زمین میں پیدا ہوئے)
وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ۲ لِّیَبْلُوَکُمْ ۳ اور بلند کیا بعض تمہارے کو اُوپر بعض کے درجوں میں تاکہ ظاہر کرے تم کو	اور تمہارے بعض کو (نیک عملوں کی بدولت) بعض پر درجوں میں فضیلت دی ۲ ۔ تاکہ تمہیں اُس چیز کے ذریعہ ظاہر کرے ۳ جو
فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ ۴ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۫ وَ بیچ اسکے جو دیا تم کو بیشک رب تیرا جلدی کرنیوالا سزا کا اور	تمہیں دی ہے ۴ (کہ تم نے اُسے کس طرح خرچ کیا ہے) بیشک رب تیرا جلد عذاب کرنیوالا بھی ہے اور بچاؤ عطا فرمانیوالا اور بہت
اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۶ ﴿ع﴾ ۲۰ ع بیشک وہ ضرور بچانیوالا رحم کرنیوالا	بڑھ کر رحمت فرمانے والا بھی ہے ؏

● ۱؎ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ سے مُراد زمین کے حکمران بھی ہیں اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم بھی اور افراد کے بعد دوسرے افراد بھی۔

● ۲؎ رَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ کے الفاظ میں منشاءِ الٰہی اسکے قانون کیمطابق عیاں ہے کہ وہ درجوں میں انہی کو بلند کرتا ہے جو اعمال بجا لائیں خواہ وہ حکمران ہوں یا کوئی قوم یا فرد۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں مدارج کی بلندی مراد ہے جو نیک اعمال کی بدولت میسّر آتی ہے۔ جیسے حکمرانوں میں سے حضرات داؤدؑ، سلیمانؑ اور مکی مدنی سرکار۔ قوموں میں سے ضابطۂ الٰہی کی متبع قومیں اور افراد میں سے اسکے متبع افراد۔

● ۳؎ لِیَبْلُوَکُمْ کے مصدر بَلَاۗء کا معنیٰ آزمانا ہے لیکن آزماتا وہ ہے جو حالات سے بے خبر ہو۔ اللہ تعالیٰ چونکہ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے اسلئے اس کا معنیٰ لکھا گیا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ لوگ جان لیں ۔

● ۴؎ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ میں مَا عموم کے مطابق حکمرانوں کی حکومت مُراد ہے مالداروں کا مال، علماء کا علم اور

طاقتوروں کی طاقت کہ وہ اِن نعماءِ خداوندی کا صحیح استعمال کرتے ہیں یا غلط - مالداروں کے مال خصوصاً قابلِ ذکر ہیں کہ کیا وہ اُن میں سے غریبوں کو اُنکا حصّہ دیتے ہیں یا نہیں - ۲۴/۷۰ میں مُصلّین کی تعریف میں آیا ہے :- وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ = وہ ،وہ لوگ ہیں کہ اُنکے مالوں میں حاجتمندوں اور معذوروں کا حق ہے جسے وہ حقداروں کو پہنچاتے ہیں - حقِ معلومہ آمدنی کے دسویں حصّہ زکوٰۃ کی وضاحت پیچھے صفحہ ۳۰۲ پر ملاحظہ فرمائیں -

● ۵-۱۶ اللہ تعالیٰ سریع العقاب جلد عذاب دینے والا ہے - اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک دن ایک ہزار سال کا ہے ۳۲/۵ کو ملحوظ رکھیں - یہ نہ سمجھیں کہ بدکار دندناتے پھرتے ہیں - نیز توبہ کیلئے بھی دفعۃً عطا کیا جاتا ہے - اِس کے ساتھ ہی اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بھی آگیا ہے - بالفاظِ دیگر سورہ انعام کا خاتمہ اس اعلان پر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیمانے کے مطابق بدکاروں کو جلد سزا دینے والا ہے مگر اُس نے ۳۲/۵ کے مذکورہ پیمانے اسلئے مقرر فرمائیں کہ وہ غفور رحیم ہے اس کے غفور رحیم کا تقاضا یہ ہے کہ بدکار توبہ کرکے اُسکی مغفرت و رحمت سے محروم نہ رہیں ۔

● واضح رہے کہ :-

● اللہ تعالیٰ ربُّ العزّت کی رحمت اور اُسکے عذاب کے تقابل پر تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کے ذریعہ غور کیا جائے تو سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۶ کے الفاظِ ذیل ابھر کر سامنے آتے ہیں :-

● عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۷/۱۵۶ میرا عذاب اُسے پہنچتا ہے جو میرے قانونِ مشیّت کی مخالفت کرکے خود عذاب کا مستحق ہوتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے (یعنی میرے عذاب سے بھی وسیع ہے) میں ضرور اپنی رحمت کو اُن لوگوں کیلئے فرض کردیتا ہوں جو میرے ضابطۂ حیات کی مخالفت سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ یعنی کمزوروں کو فریبی دیتے ہیں - اور وہ لوگ ہی وہ ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں -

● اللہ غفور رحیم کی رحمت اُسکے عذاب سے وسیع ہے - اِسی چیز کا ثبوت یہ ہے کہ اُسنے توبہ کا قانون مقرر کرکے اپنے عذاب پر اپنی رحمت کو غالب کر رکھا ہے - لیکن اُسکی وسعتِ رحمت سے فائدہ اٹھانا ہر شخص کا اپنا کام ہے کہ وہ اگر عصیاں کاری میں مبتلا ہوکر عذابِ الٰہی کا سزاوار ہوچکا ہے تو بصمیمِ قلب توبہ کرکے ربِ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیکر عذاب سے بچ جائے -

رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ ۲۳/۹۷-۹۸

بحمد اللہ کہ بفضلِ ایزدی تفسیر القرآن بالقرآن سورۃ الانعام

ختم شد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

سُوۡرَۃُ الۡاَعۡرَافِ مَکِّیَّۃٌ

تعارف ● اِس سورہ مجیدہ میں چونکہ اہلِ اعراف کا ذکر درج ہے اِس لئے یہ سُورہ مجیدہ سُورہ اعراف کے نام سے متعارف ہے۔ لفظ اعراف عرف کی جمع ہے جس کا بنیادی معنی ہے اُونچا مقام جو بآسانی جانا اور پہچانا جائے۔ اِس لفظ کا سہ حرفی مادہ ع۔ ر۔ ف ہے جس کے بنیادی معنے مقام بلند کی مخصوص صفت کے مطابق پہچاننا ہیں۔ عربی ادب میں عَرَفَ الشَّیۡءَ کا معنی ہے اُس نے اُس چیز کو جان لیا پہچان لیا۔ اسی مادہ سے یہ الفاظ مشتق ہیں۔ عارف اسم فاعل بمعنی جاننے اور پہچاننے والا۔ معروف اسم مفعول بمعنی جانا ہُوا۔ تعارف بمعنی جان پہچان۔ اعتراف بمعنی اقرار کرنا دورانِ حج جس میدان میں حاجی صاحبان باہمی تعارف کے لئے جمع ہوتے ہیں، اُسے میدانِ عرفات کہتے ہیں۔

● اہلِ اعراف جن کا ذکر جمیل اس سُورہ مجیدہ کی آیات نمبر ۴۶ و ۴۸ میں آیا ہے کون ہیں ؟ سابقہ مفسرین کرام کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ وُہ لوگ ہونگے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہونگی چونکہ نہ وہ جنت کے مستحق ہونگے نہ جہنم کے، اسلئے اُنہیں درمیان میں رکھا جائیگا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ ملائکہ ہونگے اور بعض کا خیال ہے کہ وُہ انبیاءؑ کرام ہیں۔ قرآنی تعریفِ آیات کے مطابق وہ بلند مقام کے مقیم حضراتِ انبیاءؑ کرام ہیں تفصیل اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

● سُورہ اعراف ۲۴ رکوع اور ۲۰۶ آیات کریمات پر مشتمل ہے۔ اِس میں سُورہ فاتحہ کے ساتوں عنوانات سے متعلقہ تفصیل بحث دَرج ہے۔

۱۔ مسئلہ ربُوبیت عالمین، یعنی نعماءِ خداوندی میں ہر فردِ انسانی کا متوازن و مساوی حق مسلّم ہے $\frac{1}{1}$ ۔

۲۔ سامانِ ربُوبیت اللہ تعالیٰ کی صفت عطا کردہ نعمتوں میں اپنی محنت شامل کرکے حاصل کیا جانا ضروری ہے $\frac{1}{2}$ ۔

۳۔ دُنیوی زندگی کے اعمال کی جواب دہی کیلئے قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حاضر ہونا اٹل ہے۔ $\frac{1}{3}$

۴۔ عبادت (یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اُسی سے مدد مانگنے میں وصل قائم رکھنے کا دائمی عقیدہ $\frac{1}{4}$ ۔

۵۔ اِسی سیدھے راستے پر قائم رہنے کی دائمی آرزو رکھنا اور اسی کیلئے ہمیشہ حضورِ الٰہی میں دعا کرتے رہنا $\frac{1}{5}$ ۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد یعنی انبیاؑ کرام کے متعلق اسی صراطِ مستقیم کے راہ رَو ہونے کا عقیدہ ۔ ۱/۶
۷۔ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد یعنی انبیاؑ کرام کے غیر مغضوب اور غیر گم کردۂ راہ ہونے پر ایمان رکھنا ۔ ۱/۷

ربط ● واضح رہے کہ قرآن مجیدہ کی ہر سُورہ مجیدہ کا ایک ربط تو ہوتا ہے دیباچۂ قرآن مجید، یعنی سُورہ مجیدہ فاتحہ کے ساتھ ۔ جس کی وضاحت سطورِ بالا میں کی جا چکی ہے کہ سُورہ اعراف میں سورہ فاتحہ کے ساتوں عنوانات پر بحث دَرج ہے، اِس لحاظ سے داخلی طور پر یہ ایک جامع سُورت مجیدہ ہے اور ہر سُورت کا دُوسرا ربط ہوتا ہے اپنے سے ماقبل سورہ مجیدہ کے ساتھ ۔ سُورہ اعراف کا اپنی ماقبل سُورہ انعام کیساتھ خصوصی ربط یہ ہے کہ جن بعض عنوانات کا سورہ انعام میں اجمال ہے ۔ سُورہ اعراف میں اُن کی تفصیل دے دی گئی ہے ۔ مثلاً سُورہ انعام کی آیات مجیدہ ۸۴ تا ۹۰ میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکرِ جمیل کے بعد سترہ نبیوں کے اسمائے گرامی بتائے گئے ہیں ۔ لیکن اِن میں سے حضرات نوحؑ، ھودؑ، صالحؑ، لوطؑ، شعیب اور موسیٰ و ہارون سلامٌ علیہم کا تفصیلی ذکر سُورہ اعراف میں آ گیا ہے ۔ حتیٰ کہ سُورہ مجیدہ کا نصف سے زیادہ حصّہ یعنی آئت نمبر ۵۹ سے ۱۵۷ تک کا کثیر حصّہ ان انبیاء کرام کے تذکارِ جلیلہ پر مشتمل ہے ۔
سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

● سُورہ اعراف کے رکوعِ اوّل کی ابتدا میں کفائتِ قرآن کا خصوصی اور تفصیلی اعلان بصورتِ حکم دَرج ہے اور قیامت کے دارالجزاء کا ضمنی تذکرہ ہے ۔ اور دوسرے رکوع میں ربوبیّتِ عالمینی کے بنیادی مسئلہ کی بحث نوعِ انسانی کے ابتدائی دَور سے شروع کر کے اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ شروع میں ملوکیت کی ابتدا کس طرح ہوئی تھی ۔ اور کس طرح اِسکے رسوا کُن اثرات کی بدولت خواص و عوام دونوں ننگے ہو گئے ۔ دونوں کا پردہ اُتر گیا ۔ دونوں ذلیل و رُسوا ہو کر رہ گئے ۔

● لیکن ابتدائی لغزش کے بعد عوام و خواص جلدی ہی تائب ہو کر دوبارہ نظامِ ربُوبیّت کی طرف لوٹ آئے ۔ واضح رہے کہ قرآنِ مجید میں جو سابقہ اقوام دادوار کے قصّے بیان کئے گئے ہیں، وہ محض قصّہ گوئی کے انداز میں نہیں لائے گئے ۔ بلکہ قیامت تک کی نوعِ انسانی کے لئے عبرت و موعظت کے لئے آئے ہیں ۔ لیکن افسوس ہے کہ نوعِ انسانی آئے دن سرکشی اور نافرمانی ہی میں آگے سے آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے ۔ ربُوبیّتِ عالمینی کے تصوّر تک سے بیگانگی اس کا شعار ہو چکا ہے ۔

● سُورہ اعراف کی ابتدا میں آنحضور خاتم النبیینؐ و رحمت للعٰلمینؐ کی ذاتِ گرامی کو حرُوفِ مقطّعات کے گرانقدر خطاب کے ساتھ مخاطب کر کے نزولِ قرآن اور کفائتِ قرآن کی خبر دی گئی ہے کہ اِس سے آپ کے ذِہن میں کسی قسم کی تنگی باقی نہیں رہیگی ۔ اور غرضِ نزول یہ بتائی گئی ہے کہ آپ اسی کتابِ مقدس کیساتھ لوگوں کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کیا کریں ۔ یعنی اپنا فریضۂ تبلیغ صرف اِس ایک اکلوتی کتاب کیساتھ ادا فرماتے رہیں :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ مفت نعمتیں دینے والے اور محنت کا پورا پورا بدلہ عطا فرمانیوالے کے مبارک نام سے پڑھیگا

الٓمّٓصٓ ۱

اَے امین، لین القلب، محمدؐ، مرسل، صادق!

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ

ایک کتاب نازل کیگئی طرف تیری پس نہ ہو

صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى

ذہن تیرے تنگی سے اسکے تاکہ تو ڈرائے ساتھ اسکے اور نصیحت

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۲

واسطے مومنوں کے

آسے امین! گداز ذہن والے! تعریف در تعریف کئے ہُوئے، خود ہماری طرف سے بھیجے ہُوئے سچے رسُول! آپکی طرف یہی ایک اکلوتی کتاب (قرآنِ حکیم) نازل کی گئی ہے تاکہ اسکی بدولت آپکے ذہن میں کوئی تنگی باقی نہ رہے۔ (نزولِ قرآن کی غرض یہ ہے) تاکہ آپ اِسی اکلوتی کتاب کیساتھ لوگوں کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کریں۔ اور یہ کتاب ماننے والوں کیلئے ایک (عظیم الشان) نصیحت نامہ ہے۔

ف الٓمّٓصٓ حروفِ مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیلی بحث دیباچہ کے صفحہ ۴۷ تا ۴۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں اختصار کے طور پر عرض کیا جاتا ہے کہ الف سے مراد ہے امین۔ لام سے مراد ہے لین القلب یعنی گداز ذہن والا میم اوّل سے مراد ہے محمّد یعنی تعریف در تعریف کیا گیا اور میم دوم سے مراد ہے مُرسل اور صٓ سے مراد ہے صادق سچا نیز صٓ سے صاحبِ قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے۔

● ۱ لفظ کِتٰبٌ مفرد مرفوع، خبر ہے هٰذَا مُبتدا محذوف کی۔ اور اُنْزِلَ اِلَيْكَ جُملہ فعلیہ کِتٰبٌ کی صفت ہے اور تقدیرِ کلام یہ ہے:- هٰذَا كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ اِس طرح کِتٰبٌ کی دو طرح سے تخصیص ہو گئی ہے۔ پہلی یہ کہ هٰذَا اسم اشارہ محذوف نے اکمل تمیز پیدا کر دی ہے اور دُوسری یہ کہ کِتٰبٌ نکرہ موصوفہ ہونے کی بدولت بھی مخصوص ہو چکی ہے۔ اسلئے معنی لکھا گیا ہے:- "آپکی طرف صرف یہی ایک اکلوتی کتاب نازل کیگئی ہے" یعنی اِسکے سوا اور کوئی چیز آپکی طرف ہرگز ہرگز نازل نہیں کیگئی۔

● ۳ فلا کی فا برائے علت آئی ہے۔ بمعنی:- "تاکہ آپکی تمام ذہنی اُلجھنیں اِسکے ساتھ دُور ہو جائیں"۔

● ۴ مِنْهُ کے مِنْ کا معنی ہے کی بدولت، جیسے کہ مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا ۷۱-۲۵ وہ اپنی خطاؤں کی بدولت غرق کئے گئے۔

● ۵ لِتُنْذِرَ بِهٖ کی لام مکسورہ برائے عِلت آئی ہے بمعنی غرض یہ ہے کہ ....

● ۶ لِتُنْذِرَ بِهٖ میں ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع کِتٰبٌ چونکہ اسم اشارہ هٰذَا محذوف کا مشارٌ الیہ ہے

اور بصورتِ واحد نکرہ مخصوصہ آیا ہے۔ اسلئے مرجع کے لحاظ سے اس ضمیر میں بھی تخصیص موجود ہے۔ لہذا معنی لکھا گیا ہے کہ :۔ "آپ اسی الکوتی کتاب کیساتھ عوام کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کریں۔

● یہ انذار کا معنی ہے معاشرہ کے ہر فرد کو الگ الگ اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنا، گروہ دکاندار ہے تو اُسکا کیا فرائضِ منصبی ہے اور اگر وہ گاہک ہے تو اُسکا کیا فرضِ منصبی ہے۔ اگر وہ عمالِ حکومت سے متعلق ہے تو اُسکا کیا فرضِ منصبی ہے اور اگر وہ رعایا کا فرد ہے تو اُسکا کیا فرضِ منصبی ہے۔ اسی طرح اگر وہ باپ ہے یا بیٹا، سُسر ہے یا داماد، مقیم ہے یا مسافر، دوست ہے یا ہمسایہ، اِن الگ الگ مقامات پر اُسکے الگ الگ فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنا آنحضورؐ کا فریضۂ رسالت تھا۔ اور آیتِ مجیدہ زیرِ بحث سے ثابت ہے کہ آنحضورؐ کو اسی کتاب قرآن مجید کے ساتھ انذار کرنے کا مکلف کر دیا گیا تھا۔ بالفاظِ دیگر اس کتاب قرآن مجید میں ہر کسی کے فرضِ منصبی کی خبر دی گئی ہے۔

مُنزّل من اللہ بھی صرف اور صرف قرآن کریم ہے اور واجب الاتباع بھی صرف اور صرف قرآن کریم ہے

● آیتِ بالا میں باندازِ تخصیص تکرار اعلان کیا گیا ہے کہ آنحضورؐ پر صرف اور صرف قرآن کریم نازل کیا گیا تھا، نیز صرف اور صرف قرآن کریم ہی کیساتھ آنحضورؐ کو عوام کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنے کا پابند کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں عوام کو بھی براہِ راست خطاب کے ذریعہ حکم دیدیا گیا تھا کہ صرف اور صرف اُس عظیم الشان کتاب کی اتباع کرو جو آنحضورؐ کے ذریعہ تمہاری طرف نازل کیگئی ہے :۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (سلہ) پیروی کرو جو نازل ہوا طرف تمہاری سے رب تمہارے	(ایمان والو!) اُس عظیم الشان الکوتی کتاب کی اتباع کرو جو تمہاری طرف تمہارے (رسولؐ کی معرفت) تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیگئی ہے اور اُس (اللہ) کے سوا جھوٹے کارسازوں کی اتباع نہ کرنا۔ تھوڑا ہے جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔
وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا اور نہ پیروی کرنا سے سوائے اسکے مددگار تھوڑا ہے	
مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۳ جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو	

● اس آیتِ مجیدہ کے خط کشیدہ جُملہ سلہ اور خط کشیدہ جُملہ سلہ باہم معطوف، معطوف علیہ ہیں، نیز جملہ سلہ کے اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ کے امریہ جملے میں صرف مَآ اُنْزِلَ کی اتّباع کا حکم دیا گیا ہے اور جملہ سلہ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ کے ناہیہ جملے میں اگرچہ بظاہر اس قرآنِ حکیم کے سوا کی اتباع سے منع کر دیا گیا ہے۔ لیکن :۔

ایک نکتۂ لطیف ● لیکن جملہ ۱ اور جملہ ۲ میں الفاظ کی حاکمیت قائم رکھتے ہوئے یہ عجیب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکم تو دیا گیا ہے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی اِتّباع کا اور منع کیا گیا ہے اللہ کے سوا جھوٹے کارسازوں کی اتّباع سے۔ حالانکہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی ضد چونکہ غیر مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ہے اسلئے لازم آتا تھا کہ امر یہ حکم اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ کی تائید کے لئے جو نہی لائی جاتی اُس میں غیر مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی اتّباع سے منع کیا جاتا۔ واضح رہے کہ آیت مجیدہ میں جو تائیدی نہی کا مخصوص انداز اختیار کیا گیا ہے اِس میں اِس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اطاعت و اتّباع کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسے کہ ۶/۵۷ اور ۱۲/۴۰ میں نفی اثبات کے حصر کیساتھ اعلان کیا گیا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ = اللہ کے سوا کسی اور کیلئے حکم کا حق ہے ہی نہیں۔ لیکن چونکہ اللہ کے حکم کی تعمیل یعنی اُس کی اطاعت و اتّباع کا ذریعہ صرف اور صرف ایک ہی ہے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِس لئے اِس نکتۂ لطیفہ کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ذہن میں محفوظ فرمالیں کہ قرآنِ کریم میں جہاں جہاں بھی اِتّباع و اطاعت کے احکام نازل ہوئے ہیں، ہر مقام پر خالصتہً اللہ تعالیٰ کی اتّباع و اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی اتّباع کے حکم میں بھی خالصتہً خدا تعالیٰ کی اِتّباع کا حکم ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی اِتّباع کا اکلوتا ذریعہ ہے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی قرآنِ حکیم۔

● اسلئے اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش ہی سے یہی اکلوتا انداز اختیار فرمایا تھا کہ اپنی طرف سے ایک اکلوتی کتاب نازل فرمائی جاتی اور اُسی کتاب کے ذریعہ اعلان کر دیا جاتا کہ صاحبِ حکم اور لائقِ اطاعت و اتّباع صرف میں ہوں ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰۔ پس تم میری نازل کردہ کتاب کے ذریعہ خالص میری اتّباع کرو۔

اتّباعِ رسولؐ ● اسکے بعد سمجھنے کی چیز ہے اتّباعِ رسولؐ کا اہم ترین مسئلہ۔ اُوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ اتّباعِ خداوندی کا واحد ذریعہ ہے اِتّباعِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی اتّباعِ کتاب۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب عوام النّاس پر الگ الگ نازل کی جاتی تھی۔ بلکہ عوام میں سے اُنہی کے ایک مسلّمہ نیکوکار اور انتہائی بلند اخلاق و بلند کردار مکرّم و محترم فرد کو مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کیلئے مہبطِ وحی کے طور پر خود چن لیا جاتا اور صرف اسی کے ذریعہ اپنی اتّباع کے اوامر و نواہی پہنچائے جاتے جو صرف اور صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی کتابِ خداوندی میں محفوظ کر دیئے جاتے۔ بالفاظِ دیگر مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی کتابِ خداوندی کی اِتّباع فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی اِتّباع ہے۔ اِسی طرح جہاں جہاں اِتّباع و اطاعتِ رسولؐ کا حکم دیا گیا ہے وہاں بھی اللہ کے رسولؐ کے ذریعہ عوام تک پہنچائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ضابطۂ حیات کی اِتّباع مُراد ہوتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ کا معنیٰ ہے اللہ کا حکم پہنچانے والا۔ جو خود بھی احکام خداوندی کے تابع ہوتا تھا جیسے کہ خود آنحضورؐ کا اقرار نفی اثبات کے حصر کیساتھ بتکرارِ کثیر قرآنِ کریم میں بالفاظِ ذیل موجود محفوظ ہے :—

● اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۴۶/۹ نہیں میں اتّباع کرتا مگر صرف اور صرف اُس عظیم الشّان ضابطے کی اتّباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے — آگے پڑھنے سے پہلے پھر ذہن نشین کر لیجئیگا کہ ناگوحی اور

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی اصل متبوع نہیں بلکہ متبوع اکیلی ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ قرآن کریم جو قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت واتباع کا اکلوتا ذریعہ ہے آنحضورؐ کی وساطت سے نازل کیا گیا تھا۔ پس آیت زیرِ بحث اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ۳/۷ سے وضاحتًا ثابت ہوا کہ اتباعِ خداوندی کا اکلوتا ذریعہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ہے اور اس امر کا فیصلہ کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کیا ہے، اِسکی متصل ما قبل آیت مجیدہ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ ۲/۷ کے الفاظ میں موجود ہے کہ وہ صرف اور صرف ایک اکلوتی کتاب ہے۔ اسکے سوا ذخیرہ روایات کی کوئی ایک کتاب بھی نہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ہے نہ واجب الاتباع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقدس رسولؐ خود بھی اِسی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کے تابع تھے، متبوع نہ تھے۔

ایک تاریخی المیہ

● یہ ایک انتہائی کرب انگیز المیہ ہے کہ کتبِ روایات کو مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ میں شامل کر کے واجب الاتباع قرار دے دیا گیا ہے۔ ان کے غیر منزل من اللہ ہونے کے سینکڑوں دلائل میں سے صرف دو قرآنی قرآنی دلیلیں پیشِ خدمت ہیں :—

۱۔ **پہلی دلیل** قاطعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منزل من اللہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :— وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۲/۲۳ اور اگر تم اُس میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمایا ہے، شک میں ہو تو اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ —— اور آگے خود ہی اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ دے دیا ہے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ۲/۲۴ پھر اگر تم اِس جیسی ایک سورت بھی نہ بنا سکے اور یاد رکھو کہ تم ہرگز ہرگز کبھی بھی نہ بنا سکو گے —— اب اس خداوندی چیلنج پر غور فرمائیں کہ مَا نَزَّلْنَا کی مثل آج تک نوعِ انسانی نہیں بنا سکی۔ مگر کتبِ روایات کی یہ حالت ہے کہ لاکھوں روایتیں گھڑ کر کتبِ روایات میں داخل کر دی گئی ہیں۔

۲۔ **دوسری دلیل** یہ ہے کہ قرآن کریم کے متعلق سورہ حم سجدہ میں اعلان کر دیا گیا ہے :— اِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ ۔ ۴۱/۴۱-۴۲ = بیشک وہ ایک اکلوتی غالب کتاب ہے۔ باطل نہ اُس میں آگے کی طرف سے شامل ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے کی طرف سے داخل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بے حد حکمتوں والے اور بے حد تعریفوں والے کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

● خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتابِ عزیز کا چودہ سو سالہ مشاہدہ گواہ ہے کہ اُس میں آج تک باطل کا گزر نہیں ہو سکا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ حکیم وحمید کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ لیکن کتبِ روایات اگر منزل من اللہ ہوتیں تو اُن میں بھی باطل کا گزر نہ ہو سکتا۔ چونکہ اُن میں لاکھوں کی تعداد میں باطل روایات احادیثِ منسوب کی صورت میں شامل کر دی گئی ہیں۔ اس لئے بصورتِ نصف النہار ثابت ہوا کہ کتبِ روایات مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ہرگز نہیں ہیں۔ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ صرف اور صرف قرآن حکیم ہے جس میں چودہ سو سال کی طویل مدت میں بھی نہ صرف یہ کہ باطل داخل نہیں ہو سکا بلکہ اس میں زیر زبر تک کوئی تبدیلی

واقع نہیں ہوسکی ۔ پس آنحضورؐ کی ذاتِ مقدس پر جو کتاب نازل ہوئی یعنی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور مَا یُوْحٰیٓ صرف اور صرف قرآن حکیم ہے ۔

قرآن کریم قوموں کے عروج وزوال کے اصول وقواعد سے بحث کرتا ہے

• مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی اس قرآنی وضاحت کے بعد پھر آیئے سلسلۂ درس کی طرف واضح رہے کہ قرآن مجید چونکہ مکمل ومفصل ضابطۂ حیات ہے ۱۱۵/۶ اسلئے اس میں قوموں کے عروج وزوال کے اصول وقواعد پر مکمل بحث درج ہے ۔ اسی سورۂ مجیدہ اعراف میں آئت مجیدہ نمبر ۵۹ تا ۱۵۷ میں قوم نوحؑ ۔ قوم عادؑ قوم ثمودؑ قوم لوطؑ قوم شعیبؑ اور قوم موسیٰؑ کی نافرمانیوں کے تذکرہ کے بعد اُن کی ہلاکت کے اسباب بیان کئے گئے ہیں جو آگے آرہے ہیں ۔ نیز سلسلۂ درس کی طرف بڑھنے سے پہلے اس چیز کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئیگا کہ ۱۳/۴۲ میں اعلان کیا گیا ہے کہ سابقہ انبیاء کی معرفت سابقہ اقوام کو بھی یہی ضابطۂ حیات دیا گیا تھا جو قرآن کریم میں نازل کیا گیا ہے ۔ اور ۱۹۶/۲۶ + ۱۸-۱۹/۸۷ کے مطابق سابقہ انبیاء کی کتابوں میں بھی یہی قرآنی ضابطۂ حیات نازل کیا گیا تھا ۔ بالفاظِ دیگر سابقہ اقوام اسی ضابطۂ خداوندی کی مخالفت کی بدولت ہلاک کی گئی تھیں ۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی پچھلی آئت مجیدہ ۳/۷ کے آخری جملے متنبہ کیا گیا ہے قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ۔ تھوڑا ہے جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو ۔ اور اس تنبیہ کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں سابقہ اقوام پر نزولِ عذاب کا وقت بتایا گیا ہے :-

وَکَمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَکْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا
اور کتنی سے بستیاں ہلاک کی ہمنے پھر آیا عذاب ہمارا

بَیَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴
رات کے وقت یا وہ تھے دوپہر کو سوئے ہوئے

اور ہمنے (اسی منزّل اللہ کی تکذیب کی بدولت) کتنی بستیاں ہلاک کر دیں ۔ پھر اُن پر ہمارا عذاب رات کے وقت آیا اور یا جب وہ دن کے وقت قیلولہ کر رہے تھے (دوپہر کو سوئے ہوئے تھے) ۔

عذاب آچکنے پر اعترافِ جرم

• سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ سابقہ اقوام پر جب عذاب آجاتا تو وہ اس امر کا اعتراف کرتے کہ بیشک ہم اپنی زندگی میں ناروا کام یعنی ظلم ہی کرتے رہے تھے :-

فَمَا کَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ
پھر نہیں تھا دعویٰ اُنکا جب آیا اُن کے پاس

بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝۵
عذاب ہمارا مگر یہ کہ کہا بیشک ہم تھے ظلم کرنیوالے

پھر (جس وقت اُن پر ہمارا عذاب آگیا تو) اُن کا اس کے سوا دعویٰ نہیں تھا کہ وہ کہتے ، بیشک ہم ظلم کرتے رہے تھے (یعنی بے ٹھکانہ کام ، ضابطۂ خداوندی کی مخالفت) کرتے رہے تھے ۔ (صرف دنیا کا عذاب ہی نہیں بلکہ انہیں اُخروی عدالت میں بھی حاضر ہو کر جوابدہ ہونا ہے)

قیامت کی عدالت میں رسُولوں اور اُنکی اُمتوں سے الگ الگ جواب طلبی

● اگلی آیت مجیدہ میں اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ دُنیوی عذاب سے اُخروی عذاب ٹل نہیں جاتا۔ بلکہ قیامت کی اُخروی عدالت میں نبیوں اور رسُولوں سے بھی پُوچھا جائیگا کہ تم نے ہمارا پیغام پہنچایا اور اُمتوں سے بھی ضرور ضرور سوال کیا جائیگا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ۶

پھر البتہ ہم سوال کرینگے ان سے بھیجے گئے طرف ان کی اور البتہ ہم سوال کرینگے بھیجے ہوؤں سے

پھر (اس دُنیوی زندگی کے بعد قیامت کی عدالت میں) ہم ضرور ضرور اُن لوگوں سے بھی سوال کرینگے جن کی طرف رسُول بھیجے گئے تھے[1] اور ہم ضرور ضرور اُن سے بھی سوال کرینگے جنہیں رسول بنا کر بھیجا گیا تھا[2]

● [1] جو سوال اُمتوں سے کیا جائے گا اُس کی خبر سُورہ انعام میں بالفاظِ ذیل دی گئی ہے :- اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۱۳۰/۶ = کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے رسُول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیتیں پڑھتے تھے۔ اور آج کے دن کی حاضری سے تمہیں آگاہ کرتے تھے۔ اُمتوں سے یہ سوال اتمام حجت کیلئے کیا جائیگا۔

● [2] اور مُرسلین سے پُوچھا جائیگا کہ کیا تم نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟ نیز جو کچھ تمہاری اُمتیں تمہاری تعلیم دادہ ہدایت کے نام سے کرتی رہیں تھیں، کیا تم نے اُنہیں اس کی تعلیم دی تھی۔ مثلاً حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ پر یہ سوال کیا جائیگا :- وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۱۱۵/۵ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ مریم کے بیٹے عیسیٰؑ سے پُوچھیگا، کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ مِلا کر دو الٰہ اور بنا لو ــــــ حضرت مسیحؑ سے یہ سوال اِس لئے کیا جائے گا، کہ اُن کی اُمت نے جو تین الٰہ بنا رکھے ہیں، اِس کے متعلق اُن کا عقیدہ ہے کہ اِس تثلیث کی تعلیم اُنہیں خود اُن کے رسُول عیسےٰ سلامٌ علیہ نے دی تھی۔

● اِسی طرح جناب رسالتمآب جناب مکی مدنی سرکارؐ کی اُمت نے قرآن کریم کے ساتھ جو کتبِ روایات کو ۔۔۔ کے خلاف واجب الاتباع قرار دے رکھا ہے۔ اِس کے متعلق اُمت کا عقیدہ یہ ہے کہ خود رسولِ مقبولؐ نے فرمایا تھا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ کہ میں قرآن بھی دیا گیا ہوں اور اُسکے ساتھ اسکی مثل اور بھی دیا گیا ہوں۔ اور وہ مِثْلَهٗ مَعَهٗ قرار دے لیا گیا ہے کتبِ روایات کو۔ چنانچہ عمل کی رُو سے قرآن کا مقام تو دے دیا گیا ہے کتبِ روایات کو اور قرآن حکیم کو ٹھہرا لیا گیا ہے صرف تلاوت کیلئے۔ تو اس طرح اُمت کی ناقابلِ انکار حالت یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت تو کی جاتی ہے شبانہ روز، اور قسمیں بھی اسی کی کھائی جاتی ہیں۔ مگر مسائل میں حاکم قرار دیدیا گیا ہے کتبِ روایات کو۔ تو اس

صورت میں حال یہ ہے کہ قرآن کریم کو اس طرح پکڑا ہوا ہے جیسے چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔ پس اُمت کی اسی حالت کے متعلق آنحضورؐ سے سوال کیا جائیگا کہ کیا آپ نے انہیں علم دیا تھا کہ قرآن کریم کو اس طرح پکڑو جیسے چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔ سُورۃ فرقان میں اسی سوال کو محذوف رکھ کر اسکے اس جواب کی خبر دیگئی ہے جو آنحضورؐ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حضور ربِّ ذوالجلال میں بالفاظ ذیل عرض کرینگے:۔

● وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۲۵/۳۰ = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب قیامت کی عدالتِ عالیہ اللہ کا رسولؐ (محمد عربیؐ) یہ کہیگا کہ اے میرے پروردگار! بیشک میری قوم نے اس قرآن کو خود اس طرح پکڑا ہوا تھا جیسے چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔ میں نے انہیں ایسے عقیدے اور عمل کی تعلیم ہرگز نہیں دی تھی۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آیت مجیدہ ۷ میں رُسُل انبیاء اور اُن کی اُمتوں سے الگ الگ سوال کئے جانے کی خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا پھر ہم بیان کرینگے اور پر ان کے ساتھ علم کے اور نہیں تھے ہم	پھر ہم انہیں اپنے علم کے مطابق (اُنکے عملوں کی) ضرور ضرور خبر دینگے۔ کیونکہ (جب ہمارے رسول ہمارا پیغام پہنچاتے اور پھر جب اُن کے بعد لوگ ان کی تعلیم کو بدل لیتے، ہم ہر وقت وہاں موجود تھے کسی وقت پر کبھی) ہم غائب نہیں تھے۔
غَآئِبِيْنَ ۞ ۷ غائب	

قیامت ایک یقینی چیز ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ قیامت ضرور ضرور آنیوالی ہے وہاں جن کا موازنۂ اعمال نیکیوں کا بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوں گے اور جن کا ہلکا ہوگا وہ ناکام ہو جائینگے:۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ اور وزن کرنا اس دن کا سچا ہے پھر جو بھاری ہوا	اور (خوب یاد رکھو کہ) قیامت کے دن موازنۂ اعمال کا وقوع حق ہے (وہ ہرگز نہ ٹلنے والی چیز ہے۔ پھر جس شخص کا موازنۂ اعمال (نیکیوں کا) بھاری ہوگا۔ ایسے لوگ (اُس عدالت میں) کامیاب ہونیوالے ہیں۔
مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ ۸ موازنہ اس کا پس وہ وہی ہیں کامیاب ہونیوالے	
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اور وہ جو ہلکا ہوا موازنہ اس کا پس وہ ہیں جنہوں نے گھاٹا دیا	اور جس شخص کا موازنۂ اعمال (نیکیوں کا) ہلکا ہوگا۔ پس یہ لوگ وُہی ہیں کہ جنھوں نے اپنے آپ کو خسارہ دیا۔ بسبب اس کے کہ اُنھوں نے ہماری آیتوں کیساتھ ظلم کیا (یعنی ہماری کتاب اور تنزیل کی آیتوں کو عملاً جھٹلایا)۔
اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۞ ۹ جانوں اپنی کو بسبب تھے ساتھ آیتوں ہماری کے ظلم کرتے	

● ملہ اس آیت کے الفاظ بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ انتہائی غور طلب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ظلم ہے اُنکا بیجا استعمال

آیاتِ خداوندی کی دو قسمیں ہیں، تنزیلی اور تکوینی۔ تنزیلی آیات کریمات وُہ ہیں جو اللہ کی نازل کردہ کتاب میں موجود محفوظ ہیں ان کے ساتھ ظلم یہ ہے کہ ان میں جو احکام نازل کئے گئے ہیں اُن پر عمل کرنے کی بجائے انکا ورد کرنا اور انہیں گھول گھول کر پینا مثلاً قرآن مجید کی آیتِ مبارکہ ہے اَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ ۵۵/۹ کہ تول کو انصاف کیساتھ قائم رکھو۔ مگر اس میں درج حکم کے خلاف کم تولتے رہنا اور اسکے الفاظ اَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ کا ورد کرکے اسکے ایک ایک حرف کی تلاوت سے دس دس نیکیوں کے ثواب کی اُمید رکھنا۔

● اسی طرح سورہ نحل میں شہد کے متعلق ارشاد ہُوا ہے فِیۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۱۶/۶۹ اس میں لوگوں کیلئے شفا ہے۔ اس آیت پر ظلم یہ ہے کہ شہد کو استعمال کئے بغیر مرض کی شفا کیلئے فِیۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ کے الفاظ کو لکھ لکھ کر اور گھول کر پینا۔ اس کے علاوہ کسی بھی آیتِ مجیدہ میں درج حکم پر عمل کرنے کی بجائے اُسے گھول گھول کر پینا اُس آیتِ مبارکہ پر ظلم ہے۔ لفظ ظلم کا معنیٰ ہی ہے بے ٹھکانہ کام کرنا۔

● اب آئیے اللہ تعالیٰ کی تکوینی یعنی کائناتی آیات کریمات کی طرف۔ قرآن مجید میں تکوینی آیتوں کی خبر بالفاظ ذیل دی گئی ہے:۔

● وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۳۰/۲۲ اور اسکی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا۔

● وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیۡلُ ۚۖ نَسۡلَخُ مِنۡهُ النَّهَارَ ۳۶/۳۷ اور تمہارے لئے رات اللہ کی آیت ہے کہ وہ اس میں سے دن کو نکالتا ہے۔

● وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ۳۶/۳۸ اور سُورج اسکی آیت ہے جو اپنے لئے مقرر کئے گئے مدار پر چلتا ہے۔

● وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ ۳۶/۳۹ اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کردی ہیں یہانتک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح لوٹ آتا ہے۔

● وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحۡیٖ بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ۳۰/۲۴ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے خوف اور طمع کی صورت میں (یعنی خوف اور طمع کی صورت میں دعوتِ غور و تدبر دیتا ہے) اور اسکی آیتوں میں سے ہے کہ وہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر اُسکے ساتھ زمین کو اُسکے مرجانے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ آیاتِ بالا میں درج ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی کائناتی آیت قرار دیا ہے۔ اور کائنات کی ہر چیز کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

● وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِیۡرًا ۲۵/۲ اور اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز سے متعلقہ صحیح صحیح قوانین متعین فرمادئیے۔

● اللہ تعالیٰ نے اپنی جُملہ کائناتی آیات کریمات کیلئے آیتِ بالا ۲۵/۲ کے مطابق الگ الگ قوانین مقرر کر دئیے ہیں جن کی زنجیروں میں جکڑی ہُوئی چیز ہر آن مصروفِ عمل ہے۔ انکے متعلق یہ تصور دینا ان پر ظلم ہے کہ وہ کبھی ایک سیکنڈ کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کی زنجیروں سے آزاد ہوکر کسی غیر اللہ کے تسلط میں چلی گئی ہوں۔ مثلاً فلاں بزرگ کے تسلط سے غروب شدہ سُورج عصر کے وقت پر لوٹ آیا تھا۔ حالانکہ ۳۶/۳۸ کے مطابق سُورج کبھی بھی اپنی اُس روش سے نہیں ہٹا اور نہ کبھی ہٹیگا جس پر اُسے خالقِ کائنات نے چلا دیا ہُوا ہے۔ اور یہی حالت چاند کی ہے کہ اُسکے

خالق ومالک نے اسکی جو منزلیں مقرر کر دی ہوئی ہیں ان میں آجتک سرِ مو فرق نہیں آیا ۳۶/۳۹ ۔ پس اِن کائناتی آیاتِ خداوندی میں کسی زندہ یا مُردہ بزرگ کا تسلّط تسلیم کرنا ان پر ظلم ہے ۔

● اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کائناتی آیات کریمات میں یہ بھی اُسکی آیتوں میں سے ہے کہ آٹا صرف اس صُورت میں میسّر آتا ہے کہ زمین میں ہل چلا کر گندم بوئی جائے اُسے پانی دیا جائے اس کی نلائی اور رکھوالی کی جائے ۔ وہ فصل تقریباً چھ ماہ کے بعد پک کر تیار ہو گی ۔ پھر اُسے کاٹ کر اور گاہ کر اُس سے گندم حاصل کرنے کے بعد اُسے چکی میں پیسنے کے بعد ہی آٹا میسّر آئیگا ۔ لیکن اس کے برعکس یہ تصوّر پیش کرنا کہ فلاں بزرگ نے ریت کا آٹا بنا دیا تھا ، یہ ان کائناتی آیاتِ خداوندی پر ظلم ہے ۔

● اسی طرح گُڑ اور شکر اِن کائناتی آیاتِ خداوندی پر عمل کئے بغیر میسّر نہیں آتے ، کہ زمین میں ہل چلا کر کماد بویا جائے اُسے پانی دیتے ہیں ، اور اسکی نلائی اور رکھوالی کرتے رہیں ، پھر وہ فصل اپنی مقررہ مدّت کے بعد پک کر تیار ہو گی اور اُس سے گنا میسّر آئیگا جسے بیلنے میں بیل کر رس مہیا ہو گی اور پھر اُسے آگ پر پکا کر ہی گُڑ اور شکر دستیاب ہو سکیں گے ۔ لیکن اسکے برعکس یہ تصوّر پیش کرنا کہ کسی بزرگ کے تسلّط سے آسمان سے شکر برستی ہے ، یہ ان کائناتی آیاتِ کریماتِ خداوندی پر ظلم ہے ۔

رجوع الی المطلب

● یہاں تک سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۹/۷ کے آخری جملہ کے الفاظ بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ کی مختصر وضاحت کیگئی ۔ اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں پوری نوعِ انسانی کے حقُوقِ ربُوبیّت کی خبر دینے کے بعد یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ تم بہت کم شکر گزاری کرتے ہو ۔ یعنی دُوسروں کی محنت کا پورا پورا بدلہ نہیں دیتے :۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ
اور بلاشبہ ہمنے ٹھکانا دیا تمکو بیچ زمین اور مقرر کیا واسطے تمہارے

فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰
اسمیں سامانِ معاش ۔ تھوڑا ہے جو تم شکر کرتے ہو

ع ۱ / ۸

اور (اے نوعِ انسانی !) بیشک ہم نے تم سب کو زمین میں ٹھکانہ (حقِ رہائش) [۱] عطا فرمایا ہے ۔ اور اس میں تم سب کے سب کیلئے سامانِ معاش [۲] پیدا کر دیا ہے ۔ پھر بہت تھوڑا ہے جو تم محنت کرنیوالوں کی محنت کا بدلہ دیتے ہو [۳] ۔

● ۱ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ میں کُمْ ضمیر جمع مخاطب کا مرجع پوری نوعِ انسانی ہے اور تمکّن کا مصدری معنیٰ حکومت قائم کرنا بھی ہے اور حقِ رہائش کے طور پر بلا کرایہ رہائش پذیر ہونا بھی ۔ ان الفاظ میں پوری نوعِ انسانی کیلئے زمین میں بلا کرایہ حقِ رہائش کا اعلان کیا گیا ہے ۔

● ۲ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ کے الفاظ میں پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کے حقِ معاش کا اعلان کیا گیا ہے ۔ پوری نوعِ انسانی کے اِسی حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی کے اعلان کیلئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۹/۳۶ اور

اسی سُورہ اعراف کی آیت نمبر ۶/۲۴ میں ذیل کے ایک ہی الفاظ لائے گئے ہیں :-

● وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اور (اے نوعِ انسانی!) تم سب کے سب کیلئے زمین میں حقِ استقرار (بلاکرایہ رہائش) بھی مسلّم ہے اور تم سب کے سب کے لئے حقِ متاع (یعنی حقِ ضروریاتِ زندگی) بھی مسلّم ہے۔

شکر کے قرآنی معنے

● ۳۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ میں آمدہ لفظ تشکرون کا سہ حرفی مادہ ش - ک - ر = شکر ہے۔ قرآنی لغت کے مطابق اسکے دو مصدری معنے ہیں :-

۱۔ "حصولِ مقصد کیلئے بھرپور محنت کرنا اور اس کا بھرپور بدلہ پانا" - اِن معنوں کی وضاحت سُورہ دہر میں بالفاظِ ذیل موجود ہے۔ قیامت کو اللہ تعالیٰ اہلِ جنّت کو ارشاد فرمائیگا - اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۰ ۷۶/۲۲ بیشک یہ (حصولِ جنّت) تمہارے اپنے عملوں کا بدلہ ہے - حقیقت یہ ہے کہ تمہاری بھرپور محنت مشکور ہوئی ہے (یعنی تمہاری بھرپور محنت کا بھرپور بدلہ دیا گیا ہے۔)

۲۔ "محنت کرنیوالے کی محنت کا بھرپور بدلہ دینا" مادہ شکر کے اِن معنوں کی وضاحت آیت نمبر ۷۶/۲۱ میں بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو نیکو کاروں کی محنت یعنی اُن کے اعمالِ صالحہ کا جنّت کی صُورت میں بھرپور بدلہ دیگا اور اسی چیز کی خبر ۲/۱۵۸ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ کے الفاظ میں دیگئی ہے - اِس جُملہ کا عوامی ترجمہ یہ ہے کہ پس بیشک اللہ تعالیٰ شکر کرنے والا اور بڑھ کر جاننے والا ہے - لفظ شکر کا عوامی مشہور و معروف معنٰی ہے' بھوک ننگ یا خوشحال، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا زبانی زبانی شکر ادا کرتے رہنا - لیکن غور فرمائیں ۲/۱۵۸ میں جو شاکرٌ بصیغہ اسم فاعل اللہ تعالیٰ کے لئے آیا ہے' کیا اِس کا یہ معنٰی تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبانی زبانی کس کا شکر ادا کرتا ہے ؟ ہرگز نہیں - بلکہ وہ ہر محنت کرنے والے کی محنت کا پُورا پُورا بدلہ عطا کرنے والا ہے - وُہ بھرپور محنت کا بھرپور بدلہ عطا فرماتا ہے - اُس کا اِس دُنیا میں بھی یہی دائمی طریقہ ہے اور آخرت میں بھی یہی طریقہ ہو گا۔

● واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی آیتِ بالا ۷/۱۰ میں پُوری نوعِ انسانی کے لئے بلاکرایہ حقِ رہائش اور حقِ معاش کے اعلان کے بعد جو فرمایا ہے قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ - اِس کا معنٰی سیاقِ کلام کے مطابق بھی اور جو چیز مشاہدۃً مزدور طبقے کے حقِ ربُوبیت میں حارج ہوتی ہے' وہ یہی ہے کہ محنت کشوں کی محنت کا بدلہ محنت کرانے والوں کی طرف سے بہت کم دیا جاتا ہے پس اس کا معنٰی قرآنی لغت، سیاقِ کلام اور مشاہدہ عالم کے مطابق یہی صحیح ہے کہ بہت تھوڑا ہے جو تم محنت کشوں کی محنت کا بدلہ دیتے ہو۔

● محنت کش کی محنت کا کم بدلہ دینا ہی وہ مرکزی خرابی ہے جس کے ذریعہ ایک طبقہ کو غریب اور مفلوک الحال رکھ کر معاشرہ میں معاشی ناہمواری پیدا کی جاتی ہے - اور غربت ہی وُہ ماں ہے جس کے بطن سے چوری چکاری اور جیب تراشی

جیسے جرائم جنم لیتے ہیں جیلخانے آباد ہوتے ہیں ۔ طبقاتی نظام کی بنیادیں مستحکم ہوتی ہیں ۔

طبقاتی نظام فرعونی نظام ہے • الٰہی نظام تو وہ ہے جس میں پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کو حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی قانوناً میسر ہوتا ہے۔ جس کی وضاحت ۶/۵ + ۲/۳۴ + ۶/۴۳ میں اوپر گزر چکی ہے اسکے برعکس غریب اور امیر کا طبقاتی نظام فرعون صفات افراد کا قائم کردہ ہے جس میں اُن افراد کو جو سامانِ معاش پیدا کرنے میں خون پسینہ ایک کرتے ہیں، محنت کا پورا بدلہ یعنی پوری اُجرت نہیں دی جاتی ۔ سُورہ قصص کی ابتدائی آیات کریمات میں اِس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ نظامِ مُلوکیت ہی وہ خطرناک نظام ہے جو اپنے تحفظ کے لئے نوعِ انسانی کو طبقات میں تقسیم کرکے محنت کش عوام کو اُن کے پیدائشی حقوقِ ربُوبیت سے محروم کر دیتا ہے۔ چنانچہ طبقاتی نظام کے علمبردار فرعون کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :-

• اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ .... اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے زمینِ (مصر) میں سرکشی اختیار کی ۔ اُس نے عوام کو (ناہموار معاشی) طبقوں میں تقسیم کرکے اُن میں سے ایک طبقے کو معاشی لحاظ سے کمزور کر دیا .... بیشک وہ فسادیوں میں سے تھا ۔ یہ فرعونی معاشرہ کے بنی اسرائیل تھے جنہیں اُن کے حقوقِ ربوبیت سے محروم کر دیا گیا تھا ۔ اور انہیں کمزور کرنے کا عمل فرعون کا تھا ۔ اللہ تعالیٰ کا نہیں تھا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کی قسمت میں بھوک ننگ نہیں لکھی تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہر فردِ بشر کیلئے حقوقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی مساوی متعین فرمایا ہے جس کا نفاذ سربراہِ مملکت کے قبضۂ اختیار میں ہوتا ہے ۔ جیسے کہ حضرت سلیمانؑ کو اقتدارِ مملکت عطا کرنے کے بعد ارشاد ہُوا تھا :-

• هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ۳۸/۳۹ یہ (اقتدارِ حکومت) ہماری عطاء بے حساب ہے اب یہ آپ کا اختیار ہے کہ متوازن نظام قائم کرکے نوعِ انسانی پر) احسان کریں اور یا (اللہ کی نعمتوں کو اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال اور اپنے عملہ کیلئے) روک لیں ۔ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۷/۱۰ میں پوری نوعِ انسانی کے مساوی حقوقِ ربوبیت کے اعلان کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں سُورہ بقرہ کی طرح نوعِ انسانی کی اوّلین پیدائش کا ذکر لایا گیا ہے جو نظامِ ملوکیت کی ناہمواریاں اور خرابیوں کو اُجاگر کرنے کیلئے آیت نمبر ۱۱ سے لیکر مسلسل آیت نمبر ۲۵ تک کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے بطور ملاحظہ فرمائیں :-

۱۰۔۲

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ

اور بیشک پیدا کیا ہم نے تم کو پھر صورتیں بنائیں تمہاری پھر

قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ

کہا ہم نے ملائکہ کو فرمانبردار ہو جاؤ آدم کے پس فرمانبردار ہو گئے مگر

اور (اَے نوعِ انسانی !) بیشک پہلے ہم نے تم کو زمین میں سے) پیدا کیا ۔ پھر ہم نے تمہیں (ارتقائی منازل سے گزار کر) کامل صُورت میں لے آئے ۔ پھر ہم نے اپنی سب کی سب کائناتی قوتوں کو (زبانِ حال سے) حکم دیا کہ تم سب کی سب نوعِ آدمؑ کی فرمانبردار ہو جاؤ

إِبْلِيسَ لَمْ يَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ○ ۱۱
ابلیس ۔ نہ ہوا وہ میں سے فرمانبرداروں کے

جاؤ۔ سب کائناتی قوتیں اسکی فرمانبردار ہوگئیں۔ لیکن اس کی اپنی داخلی نافرمان قوت (نفس امّارہ) اسکا فرمانبردار نہ ہوا۔

● آگے بڑھنے سے پہلے عربی متن پر لگائے گئے ۱ تا ۸ ضمنی نوٹ ملاحظہ فرمائیں :۔

● ۱؎ خَلَقْنٰكُمْ میں ضمیر کُمْ چونکہ بصیغہ جمع آئی ہے۔ اسلئے اسکا معنی لکھا گیا ہے :۔ ہمنے تم بنی نوع انسان کو پیدا کیا۔

● ۲؎ نوعِ آدم کے متعلق ذیل کی متعدد آیات کریمات میں بتکرار اعلان کیا گیا ہے کہ اسے پہلی مرتبہ زمین سے پیدا کیا گیا تھا۔

۱۔ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا 11/61 — اُس اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کردیا۔

۲۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ○ 20/55 ہمنے تمہیں (اے نوعِ انسانی!) ابتدا میں زمین میں سے پیدا کیا تھا، اور ہم تمہیں اسی میں لوٹا دیتے ہیں۔ اور قیامت کو تمہیں اسی میں سے دوبارہ نکال لینگے۔

۳۔ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ 53/32 — وہ اللہ جانتا ہے جب تم کو زمین میں سے پیدا کیا اور جب تم بصورتِ جنین ماؤں کے پیٹوں میں ہوتے ہو۔ ●

۴۔ وَاللَّهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ○ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ○ 71/17-18 — اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا، ٹھیک ٹھیک پیدا کرنا۔ پھر وہ تمہیں اسی میں لوٹا دیتا ہے اور (قیامت کو) تمہیں اسی میں سے نکال لیگا ٹھیک ٹھیک نکال لینا —— پس ان تکراری آیات مجیدہ کی شہادت کے مطابق یہ امر ناقابلِ انکار ہے کہ انسان کو پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا۔

● ۳؎ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ کا معنی لکھا گیا ہے :۔ پھر ہم تمہیں ارتقائی منازل سے گزار کر کامل صورت میں لے آئے۔ اس مفہوم کیلئے 15/29 + 38/72 میں ذیل کے متبادل الفاظ آئے ہیں :۔ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ پھر جب میں نوعِ آدم کو ارتقائی منازل سے گزار کر مکمل کرلوں۔ ارتقائی منازل کے لحاظ سے نوعِ انسانی کے ابتدائی جرثومے کی پہلی منزل 96/2 بیان کی گئی ہے خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ = اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتدا میں جونک نما جرثومے سے پیدا کیا۔ اور اسی ابتدائی جرثومے کی ارتقائی منازل کی موجودہ صورت صَوَّرْنٰكُمْ اور سَوَّيْتُهُ کے واضح الفاظ میں بیان کردی گئی ہے۔

● واضح رہے کہ آگے نوٹ ۲؎ میں آرہا ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز نوعِ انسانی کے تابع تسخیر کردی گئی ہے یعنی اس نے کائنات کی ہر قوت سے اسکی مضمر صفات کے مطابق کام لینا ہے۔ اس کام لینے کی وہ انسانی صفت جو اس میں پیدا کردی گئی ہے، اسکی وضاحت ارتقائی منازل کے ضمن میں فَإِذَا سَوَّيْتُهُ کے بعد وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي کے الفاظ میں کردی گئی ہے کہ پھر جب میں نوعِ آدم کو مکمل کرکے اسکی جبلت میں اپنی وہ تعلیم پھونک دوں (جس کے ساتھ وہ اسے عالم تمہیں اپنا فرمانبردار کرسکے) فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ○ 15/29 + 38/72 تو پھر تم نوعِ انسانی کے فرمانبردار ہوجانا۔ واضح

رہے کہ روح بمعنی تعلیم ۱۶/۲ + ۲/۱۵ میں بھی آیا ہے اور اسی ضمن میں ۴۲/۵۲ میں بھی آنحضورؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے
● وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا - اور (اے رسولؐ!) ہم نے اسی طرح آپکی طرف اپنی تعلیم قرآنِ کریم وحی فرمایا۔

● ۷ ملائکہ جمع ہے مَلَکٌ کی۔ اس کا سہ حرفی مادہ ہے م۔ل۔ک = ملک۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے کسی چیز میں کسی خاص چیز کا سلکا ہونا۔ اور وہ چیز اپنے مخصوص ملکے کے خلاف ہرگز ہرگز عمل نہ کرسکتی ہو۔ ملائکہ کی ایک صفت بموجب ۲/۳۴ + ۷/۱۱ یہ ہے کہ وہ سب نوعِ انسانی کے ساجد یعنی فرمانبردار ہیں۔ اور دوسری صفت بموجب ۲/۳۳ یہ ہے کہ وہ اپنے اندر بہت کچھ چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قوتیں ہیں جیسے کہ بجلی اپنے اندر یہ تمام صفتیں چھپائے ہوئے تھی جو آج اس سے سجدہ کروا کر نمایاں ہوئی ہیں کہ بجلی کیسا تھ ریلیں، کاریں، بتیاں، ہوائی جہاز اور راکٹ وغیرہ چل رہے ہیں۔

● نوعِ انسانی کو بتا دیا گیا ہے :- سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ (اے نوعِ انسانی!) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ سب کا سب تمہارے تابع تسخیر کر دیا ہے۔ یہ آیت مجیدہ ملائکہ کے متعلق دی گئی خبر فَسَجَدُوْا کی مترادف ہے۔ یعنی بجملہ ملائکہ بطریقِ تسخیر نوعِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اور ملائکہ پہ ایمان لانے کی غرض ان پر زبانی ایمان لانا نہیں بلکہ بطریقِ تسخیر ان سے سجدہ کروانا یعنی اپنے مطیع کرنا، ان سے کام لینا ہے۔

● سورۂ رعد کی آیات مجیدہ ۱۳/۱۱ تا ۱۳ میں برق، سحاب، رعد اور صاعقہ کو ملائکہ کے زمرہ میں بیان کر کے بتا دیا گیا ہے کہ سب کائناتی قوتیں ملائکہ ہیں :- هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے اس کے عذر کے خوف کی حالت میں اور اسکے فائدوں کے طمع کی حالت میں۔ اور وہ چلاتا ہے بوجھل بادلوں کو اور گرج کو۔ غرضیکہ تمام ملائکہ اس کی حمد اور اسکے خوف کیسا تھ اپنا اپنا فرضِ منصبی ادا کر رہے ہیں اور وہ زمین پر گرنے والی بجلی بھیجتا ہے۔ پس ملائکہ سے مراد خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوتیں ہیں جن کو نوعِ انسانی کے حضور بذریعہ طریقِ تسخیر تابع ہونے یعنی سجدہ ریز ہونے کا حکم اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۲/۳۴ کے الفاظ میں دیا گیا ہے۔

۸ يُسَبِّحُ کا معنیٰ لکھا گیا ہے وہ فرضِ منصبی ادا کرتے ہیں۔ ان معنوں کا قرآنی ثبوت يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۶۲/۱ + ۶۴/۱ میں موجود ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، سب کے سب اپنا اپنا فرض منصبی ادا کر رہے ہیں۔

۹ نُقَدِّسُ لَكَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے پھر ہم نے کائناتی قوتوں کو بزبانِ حال فرمایا۔ واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کا کائناتی

قوتوں کا مکالمہ جو سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ حجر، سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف، سورہ طٰہٰ، سورہ ص یعنی پورے سات سورتوں میں پھیر پھیر کر بیان کیا گیا ہے وہ حالی ہے قالی نہیں۔ کیونکہ نہ خدا کا کوئی مادی جسم اور زبان ہے اور نہ کائناتی قوتوں کی کوئی زبان ہے، جس سے وہ قالی کلام کرتی ہوں۔

● ۷ لفظ آدم سے مراد بائبل کا بتایا ہوا باوا آدم نہیں، بلکہ نوعِ آدم مراد ہے جیسے کہ آیت مجیدہ زیر بحث $\frac{۱۱}{۷}$ کے الفاظ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ سے ثابت ہے کہ ابتدا میں بہت سوں کو پیدا کیا گیا تھا۔ اور بہت سوں کا متبادل لفظ آیا ہے آدم، جس سے مراد ہے نوعِ آدم۔ یہاں لفظ آدم اسم جنس ہے۔

● ۸ اُسْجُدُوْا کا معنی لکھا گیا ہے فرمانبردار ہوجاؤ۔ اسکا سہ حرفی مادہ ہے س۔ ج۔ د= سجدہ جس کا بنیادی معنی ہے فرمانبرداری کرنا۔ اور حضورِ الٰہی میں ماتھا زمین پر رکھ دینا بھی مراد ہے۔ سورہ نحل میں کائنات کی ہر چیز کے متعلق ارشاد ہوا ہے:- وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ $\frac{۱۶}{۴۹}$ اور آسمانوں اور زمین کی ہر چیز ملائک، گیس اور جمادات، نباتات، حیوانات سب کے سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں (یعنی اسکے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ اُس کے تسخیری قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مصروفِ عمل ہیں۔ پس جس طرح کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو ماتھا نہیں ٹیکا رہی بلکہ اسکی فرمانبردار ہے اسی طرح اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کا معنی نوعِ آدم کو ماتھا ٹیکنا نہیں بلکہ $\frac{۴۵}{۱۴}$ کے مطابق اسکے تابع تسخیر ہوکر مطیع و فرمانبردار ہوجانا ہے۔

● ۹ ابلیس کا معنی لکھا گیا ہے نفسِ امارہ۔ اس کے لئے مشاہدہ بھی گواہ ہے اور قرآن کریم بھی۔ مشاہدہ اس طرح گواہ ہے کہ نوعِ انسانی کے سامنے بجلی جیسی مہلک یعنی جان لیوا قوتیں مطیع و فرمانبردار ہوتی چلی جارہی ہیں۔ مگر انسان کی داخلی قوت نفسِ امارہ ایک ایسی قوت ہے جو مطیع و محکوم ہونے کی بجائے ہر آن خود اس پر آپ حکمرانی کر رہی ہے۔ ہر لحظہ اسے برائی کا حکم کرتی ہے۔ اور قرآن کریم کی شہادت یہ ہے کہ $\frac{۱۲}{۵۳}$ میں اِنَّ تاکیدیہ کیساتھ خبر دیگئی ہے۔

● اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ = بیشک نفسِ امارہ برائی کا حکم دینے والا ہے۔ نفسِ امارہ بھی چونکہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ قوتوں میں سے ایک قوت ہے۔ اسلئے اسے بھی زمرۂ ملائکہ میں شمار کیا گیا ہے اور چونکہ اُس کا کام ہر آن برائی کا حکم کرنا ہے $\frac{۱۲}{۵۳}$ اسلئے اسکا حکم ماننے سے منع کر دیا گیا ہے۔

● آگے بڑھنے سے پہلے پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجئے گا کہ جب نوعِ آدم کو پیدا کیا گیا تو $\frac{۱۵}{۲۹}$ + $\frac{۳۸}{۷۲}$ کے مطابق اُسے سوی یعنی مکمل کر کے اُس کی جبلت میں وہ تعلیم بھی ڈالدی جس سے وہ کائناتی قوتوں کی مخصوصات کے مطابق اُن سے کام لے سکے، اُنہیں فرمانبردار کر سکے۔ تو اُسوقت تمام کائناتی قوتوں کو بزبانِ حال حکم دیا اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اب تم سب اِس نوعِ انسانی کے فرمانبردار ہوجاؤ۔ لیکن جیسے کہ آیت مجیدہ زیر بحث میں بتا دیا گیا ہے کہ سب قوتیں فرمانبردار ہو گئیں لیکن نفسِ امارہ کی آتشی قوت، جو ہر آن انسان کو خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ کرتی رہتی ہے نہ فرمانبردار نہ

مجموعی سلسلۂ دروس کی اگلی آیت مجیدہ ۱۲/۷ میں حالی مکالمہ کے طور پر بتایا گیا ہے کہ جب نفسِ امّارہ مطیع و فرمانبردار نہ ہوا تو اس نے بزبانِ حال کہا گیا:-

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ
کہا کس نے منع کیا تجھ کو کہ نہیں سجدہ کیا جب حکم کیا میں نے تجھ

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ
کہا میں بہتر ہوں اُس سے پیدا کیا تُو نے مجھ کو آگ اور پیدا کیا تُو نے اُسے

مِنْ طِيْنٍ ○ ۱۲
میں سے مٹی

(اللہ تعالیٰ نے ابلیس / نفسِ امّارہ سے بزبانِ حال) کہا کہ کس چیز نے تجھے منع کیا کہ تُو (نوعِ آدم کا) فرمانبردار نہیں ہوا جبکہ میں نے تجھے بھی (نوعِ آدم کی فرمانبرداری کا) حکم دیا ہے۔ اُس نے (بزبانِ حال) کہا کہ میں اُس سے بہتر ہوں کیونکہ تُو نے مجھے آگ (کی طرح بھڑک اٹھنے والے عنصر) سے پیدا کیا اور اسے تُو نے مٹی (جیسے ٹھنڈے اور کمزور عنصر) سے پیدا کیا۔

● پیچھے صفحہ ۳۲۲ پر ۱۱/۹۱ + ۲۰/۵۵ + ۵۳/۳۲ + ۶۱/۱۸-۱۷ کے حوالہ جات سے بتایا جا چکا ہے کہ نوعِ آدم کو زمین (مٹی) ہی سے پیدا کیا گیا تھا۔ سورۂ حجر میں آیا ہے اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۲۸/۱۵ بیشک میں نوعِ بشر کو سڑی ہوئی بدبودار بجنے والی گیلی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں ان الفاظ سے ثابت ہوا کہ نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق بدبودار بجتے ہوئے گارے سے ہوئی تھی جسے حقیر تصور کیا جاتا ہے۔ یعنی نوعِ آدم بھی اسی طرح بدبودار حقیر مٹی سے پیدا ہوئی تھی جس طرح عام جراثیم بدبودار گیلی مٹی سے پیدا ہوتے ہیں یعنی نوعِ آدم کی پیدائش سے قبل زمین کا درجۂ حرارت اس مقام پر تھا کہ اُس سے بیل بھینسے اور ہاتھی وغیرہ گرانڈیل نوعیں پیدا ہوئی تھیں۔ اسکے بعد جب اسکا درجۂ حرارت کم ہوا تو نوعِ آدم پیدا ہوئی اور اب درجۂ حرارت اسقدر کم ہو چکا ہے کہ اب صرف حشرات الارض کیڑے مکوڑے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

● المختصر: نوعِ آدم کو بدبودار بجتے ہوئے گارے سے پیدا کیا گیا تھا۔ اور اس نوع کی بہت سی داخلی قوتیں بھی اسکے ساتھ مٹی ہی سے پیدا کر دی گئیں تھیں مثلاً قوتِ باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، ناطقہ، حافظہ، متصورہ، متفکرہ، ہاضمہ، دافعہ وغیرہ۔ نیز قوتِ حسد، بغض، غضب، انتقام اور تکبر وغیرہ جن کا مجموعہ ہے نفسِ امّارہ / ابلیس، یہ بھی مٹی کے پیکرِ نوعِ آدم کے اندر مٹی ہی سے پیدا کئے گئے تھے۔ لیکن ابلیس کا حالی قیاس غلط ہے کہ وہ مٹی میں سے نہیں، بلکہ اس سے اعلیٰ چیز آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسد، بغض، غصّہ، غضب اور انتقام کے لئے بطور مجاز آگ اور آتش کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حسد و بغض کی آگ میں جل رہا ہے۔ فلاں شخص کے اندر آتشِ انتقام بھڑک رہی ہے لیکن واضح رہے کہ یہ الفاظ بطور مجاز استعمال ہوتے ہیں، یہ فی الحقیقت آگ نہیں ہیں۔ اس مجازی آگ کو ابلیس نے اپنے حالی مکالمہ میں مٹی سے افضل کہا لیکن جواب ملا:-

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳

کہا پس نیچے آ، سے اسکے پس نہیں لائق واسطے تیرے کہ تو تکبر کرے اسکے بیچ پس نکل بیشک تو ہے سے ذلیلوں کے

(اللہ تعالیٰ نے بزبانِ حال) فرمایا کہ پس تو اس فخر و تکبر کی حالت سے نیچے آ۔ تیرے لئے یہ لائق نہیں کہ تو (اس مٹی کے پیکر کا حصہ ہوتے ہوئے) اس میں تکبر کرے۔ (اپنے آپکو اس سے افضل سمجھے)۔ اس حالت سے نکل بیشک تو ادنیٰ میں سے ہے

● ۱ فَاهْبِطْ کا معنیٰ لکھا گیا ہے "اس تکبر کی حالت سے نیچے آجا۔" مادہ ہ ۔ ب ۔ ط ۔ ھبط کا بنیادی معنیٰ ہے کسی بھی چیز کا اونچی سطح سے نیچی سطح پر آنا۔ جیسے کہ ھَبَطَ الثَّمَنُ کا معنیٰ فلاں چیز کی قیمت نیچے آگئی کم ہوگئی اسی طرح یہاں کہا گیا ہے کہ فخر و تکبر کی اونچی سطح سے نیچی سطح پر یعنی عجز و نیاز کی سطح پر آجا۔ لیکن نفس امارہ ایسا کرنیوالا نہیں۔ ایک سرکش طاقت ہے۔

● ۲ فَمَا يَكُونُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابلیس کو فخر و تکبر کا کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ وہ نوعِ آدم کے ہر فرد کی متعدد صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اور اسکے اندر موجود ہے۔ اسی کے ساتھ بدبودار مٹی میں سے پیدا ہوا ہوا ہے۔ اسلئے اُسے یہ لائق نہیں کہ اسکا حصہ اور اسکے اندر ہوتے ہوئے اپنے آپکو اس سے بہتر قرار دے اور تکبر کرے۔ واضح رہے کہ جس طرح الفاظ بالا میں خبر دیگئی ہے کہ ابلیس نفس امارہ نے اپنے آپکو غلط طور پر اپنے پیکر سے بہتر سمجھا یہی حالت اُس شخص کی ہوتی ہے جو ابلیسی جذبات، بغض، حسد اور انتقام کی بدولت آگ بگولا ہو جاتا ہے، وہ بھی اپنے ہم جنس مدِ مقابل کو حقیر قرار دیتا اور کہتا ہے کہ یہ کون ہوتا ہے میرے منہ آنیوالا ذلیل حقیر، کمینہ کہیں کا۔ اگرچہ اُسکا مدِ مقابل نوعِ انسانی کے مساوی درجہ کے علاوہ اخلاقی اقدار کی رو سے اُس سے کہیں زیادہ بہتر ہی کیوں نہ ہو۔

● ۳ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ کے الفاظ میں ابلیس کو اُس کی جملہ صفات سمیت ادنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس پر مشاہدہ گواہ ہے کہ جو شخص نفس امارہ کے ماتحت ہو جاتا ہے وہ بھی اپنی ادنیٰ کمینہ حرکات لالچ، حرص، حسد، بغض اور فخر و تکبر کی بدولت اپنا اعلیٰ انسانی مقام کھو کر ادنیٰ ہو جاتا ہے۔

نوعِ انسانی میں نفس امارہ کو پیدا کرنے کا فلسفہ

● یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے اندر نفس امارہ (سرکش قوت) پیدا ہی کیوں کی ہے؟ اسکا جواب بالکل سہل ہے کہ یہ لا انتہا نعمتوں سے بھری ہوئی کائنات صرف اور صرف انسان کیلئے پیدا کیگئی ہے۔ اور اس کو مسخر کرنیکا حق بھی صرف اسی کو عطا کیا گیا ہے۔ نیز اس بھری کائنات میں صرف نوعِ انسانی ہی وہ نوع ہے جسے اپنے اعمال کا جوابدہ ٹھہرایا گیا ہے۔ اب اگر اس میں صرف نفس لوامہ ہی ہوتا جو ہمیشہ نیکیوں کا حکم کرتا ہے اسکے اندر برائی کا حکم کرنیوالی قوت موجود ہی نہ ہوتی تو اس طرح اگر یہ نوع نیک اعمال بجالاتی تو اسکی کیا خوبی تھی کہ جب نفس لوامہ یعنی نیکیوں کی ترغیب دینے والی

قوت کے مقابلے پر برائی کا حکم کرنیوالی قوت موجود نہ ہوتی۔ اسلئے خداتعالیٰ نے اِس پیکرِ خاکی میں جس طرح نفسِ لوّامہ بھی رکھدیا ہے جو ہر آن نیکی کا حکم کرتا ہے اسی طرح اس میں نفسِ امّارہ بھی پیدا کر دیا ہے جو ہر آن برائی کا حکم کرتا رہتا ہے تاکہ انسان ان دونوں میں سے جس کا چاہے اپنی رضا و رغبت کیساتھ حکم مانے اور اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اچھے یا بُرے عمل خود بجالائے۔ چنانچہ پیکرِ انسانی میں نفسِ امّارہ کی تخلیق اور اس میں اسکے دائمی قیام کا ذکر بالفاظ ذیل آیا ہے :-

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝۱۴
کہا مہلت دے مجھے تک اس دن جب اٹھائے جائیں

ابلیس (برائی کا حکم دینے والی قوت) نے کہا مجھے اُس دن تک مہلت دے جسدن یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائینگے

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝۱۵
کہا بیشک تو ہے سے مہلت دئیے گئیوں

اللہ تعالیٰ نے بزبانِ حال فرمایا ہے کہ بیشک تو بھی (نفسِ لوّامہ اور نفسِ مُطمئنّہ کی طرح) مُہلت دئیے گئیوں سے ہے[ا]

● [ا] اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ کے الفاظ سے نصف النہار کی طرح ثابت ہے کہ :-
صرف ابلیس ہی کو قیامت تک کیلئے مہلت نہیں دیگئی بلکہ اسکے ساتھ اور بھی بہت سی قوتیں ہیں جنہیں قیامت تک کے لئے مُہلت دیگئی ہے۔ پس اس طرح اگر ابلیس کے لفظ سے اسکا کوئی خارجی وجود تسلیم کیا جائے جیسے کہ اسرائیلیات کے دئیے گئے تصور نے ابلیس کو خداتعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر و موجود اور ہر کسی کے دماغ میں گھس کر اسے بُرائی کی ترغیب دینے والا ایک اکیلا فرد قرار دیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو پھر آئتِ بالا کیمطابق ماننا پڑیگا کہ اور بھی بہت سے ہیں جنہیں بالکل ابلیس کی طرح مہلت دیگئی ہے۔ یعنی پھر نفسِ لوّامہ کا بھی کوئی خارجی وجود ماننے پڑیگا۔ اور اگر اس چیز کو نہ مانا جائے اور اسرائیلیات کے اس نظریے کو صحیح تسلیم کیا جائے کہ نیکی کی ترغیب دینے والا بیچارہ نفسِ لوّامہ تو اکیلا ہے اور برائی کا حکم کرنیوالے دو ہیں، ایک نفسِ امّارہ اور دوسرا ابلیس، جو ہر شخص کے اندر گھس کر نفسِ امّارہ کی مدد کرتا ہے اور اس طرح دونوں مل کر نفسِ لوّامہ کو شکست دینے میں ہر جگہ کامیاب ہیں تو اسے خداتعالیٰ کی انتہائی بے انصافی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے معاذ اللہ! استغفر اللہ!

● واضح رہے کہ یہ طاقت کے عدم توازن کی انتہائی بے انصافی خداتعالیٰ کے ذمہ ہرگز نہیں لگائی جاسکتی کہ اُس نے برائی کی ترغیب دینے والے دو پیدا کر رکھے ہیں اور نیکی کی ترغیب دینے والا ایک اکیلا پیدا کر کے نوعِ آدم کو خود بے بس کر رکھا ہے جس سے ہر جگہ نفسِ لوّامہ شکست یاب ہے اور نفسِ امّارہ اور ابلیس شیطان ہر جگہ کامیاب ہیں۔ اور برائیوں کی کثرت گویا کہ خداتعالیٰ کی بے انصافی کا نتیجہ ہے۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ!

● مگر برادرانِ عزیز! حقیقت حال یہی ہے کہ نفسِ امّارہ اور ابلیس دو قوتیں نہیں بلکہ ۱۲/۵۳ کے الفاظ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ کے مطابق نفسِ امّارہ ہی ابلیس ہے اور برائی کا حکم کرنیوالا بھی ایک ہے جس طرح نفسِ امّارہ کو قیامت

تک کیلئے مہلت دیگئی ہے اسی طرح نفس لوامہ کو بھی قیامت تک کیلئے مہلت دی گئی ہے قرآن مجید میں نفس لوامہ کی نسبت نفس امارہ ابلیس کا ذکر کثیر تکرار اور انتہائی اہمیت کیساتھ اس لئے آیا ہے کہ یہ نوع انسانی کا انتہائی خطرناک دشمن ہے اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۳۶/۲۰ چنانچہ اس انتہائی خطرناک دشمن کے حالی مکالمہ میں اس کے خطرناک عزائم کی خبر سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۷/۱۶ میں نہایت وضاحت کیساتھ بالفاظ ذیل موجود و محفوظ ہے:۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ[۱] لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ	(ابلیس نے بزبان حال) کہا پس اس سبب سے کہ تُو نے مجھے گمراہ قرار دیا ہے اسلئے میں ان (نوع آدم کو گمراہ کرنے) کیلئے تیرے سیدھے راستے میں ضرور بیٹھونگا۔
کہا پس بوجہ اسکے گمراہ پایا تو نے مجھ ضرور میں بیٹھونگا واسطے انکے	
صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾	
راستے تیرے سیدھے	
ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ[۲] وَمِنْ	پھر میں (انہیں گمراہ کرنے کیلئے) ان کے آگے سے آؤنگا اور انکے پیچھے سے آؤنگا۔ اور ان کے دائیں سے آؤنگا اور انکے بائیں سے آؤنگا۔ (گویا کہ ہر چہار طرف سے آؤنگا یعنی (میں انہیں انفرادی منفعت کوشی میں اسی طرح مبتلا کردونگا کہ) تُو ان کی اکثریت کو محنت کشوں کی محنت کا پورا بدلہ دینے والا نہیں پائیگا۔[۴]
پھر ضرور آؤنگا انکے پاس سے درمیان دو ہاتھ انکے اور سے	
خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ	
پیچھے ان کے اور سے دائیں ان کے اور سے بائیں ان کے	
وَلَا تَجِدُ[۳] اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾	
اور نہیں تو پائیگا اکثریت ان کی قدردان	

● [۱] اَغْوَيْتَنِیْ چونکہ باب افعال سے ہے اسلئے اسکے خاص وجدان کیمطابق معنی لکھا گیا ہے تُو نے مجھے گمراہ پایا ہے۔

● [۲] ابلیس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے گمراہ کرنے کی تفسیر کو سمجھنے کیلئے پہلے یہ چیز ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اس آیت میں گمراہ کرنیکا دعویٰ تو کرتا ہے ابلیس لیکن اس دعوے کی تکمیل کیلئے آگے ۷/۲۰ میں شیطان کا لفظ آیا ہے۔ نیز ۶/۱۴۲ اور ۴/۳۸ میں بھی بعض انسانوں کو شیطان کہا گیا ہے جو خود گمراہ ہونے کے علاوہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ گو اس طرح ابلیس کبھی تو کسی بنی سنوری بے پردہ عورت کی صورت میں سامنے سے آجاتا ہے کبھی کسی فحش گانے کی آواز کی صورت میں پیچھے سے کھینچ لیتا ہے اسی طرح کبھی دغا فریب، رشوت، بلیک، سمگل بلکہ ملک فروشی کے ایجنٹ کی صورت میں کبھی دائیں طرف سے آنکلتا ہے اور کبھی بائیں طرف سے آدھمکتا ہے۔

● [۳] وَلَا تَجِدُ کی واؤ تفسیری ہے یعنی اسکے اگلے الفاظ میں ابلیس کے گمراہ کرنے کا نتیجہ بتایا گیا ہے اکثریت کا غیر شاکر غیر قدردان ہوتا۔

● [۴] لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ کا معنی لکھا گیا ہے کہ تُو ان کی (نوع آدم کی) اکثریت کو محنت کشوں کی محنت

کا پورا بدلہ دینے والا نہیں پائیگا۔ لفظ شکر کے اِن معنوں کا ثبوت آیت نمبر ۷/۱۰ کی تفسیر میں صفحہ ۳۲۰ پر ضمنی نوٹ ۲ میں گزر چکا ہے۔ کہ شکر کے دو معنے ہیں :۔

۱۔ محنت کرنیوالوں کی محنت کا پورا بدلہ دینا ۲/۱۵۸ سے ثابت ہے اور دوسرا معنٰی یہ ہے :۔

۲۔ حصولِ مقصد کے لئے بھرپور محنت کرنا۔ یہ معنٰی اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاۤءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۷۶/۲۲ ان ہر دو آیات کی مکمل بحث صفحہ ۳۲۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● آگے بڑھنے سے پہلے اس چیز کو ذہن میں تازہ کر لیجیئگا کہ خدا تعالٰی اور ابلیس کا مکالمہ حالی ہے قالی نہیں یعنی اس حالی مکالمے سے اِس امر کا اظہار مقصود ہے کہ ابلیس یعنی نفسِ امّارہ ذاتی منفعت کوشی اور انفرادی لوٹ کھسوٹ کا حکم کرتا رہتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص خود تو زیادہ سے زیادہ لینا چاہتا ہے اور دوسرے کو کم سے کم دینا چاہتا ہے اور اسطرح ہر حالت میں زد پڑتی ہے کمزور محنت کشوں پر کہ انہیں اُن کی محنت کا پورا بدلہ نہیں ملتا۔ اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایسے ناہموار نظام میں محنت کش بھی اسی ڈگر پر چل نکلتے ہیں کہ کام تھوڑا کریں اور اُجرت پوری لیں۔ لیکن اس طرح توازن برقرار نہیں رہ سکتا۔ اِس کے برعکس اللہ تعالٰی انفرادی منفعت کوشی کے خلاف اجتماعی توازن کا حکم دیتا ہے چنانچہ ابلیس کی چوطرفہ یلغار کا یہ جواب دیا گیا ہے :۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا
کہا نکل سے اسکے ذلیل دھتکارا ہوا

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ
واسطے اسکے اتباع کی تیری سے انکے ضرور بھر دونگا میں جہنم سے تمہارے

اَجْمَعِيْنَ ○ ۱۸
سب کے

(اللہ تعالٰی نے بزبانِ حال) کہا کہ تُو اِس حالت سے نکل تُو ذلیل دھتکارا ہوا۔[۱] یہ ایک یقینی امر ہے کہ اس نوع میں سے جو لوگ تیری اتباع کریں گے انہیں (یعنی نفسِ امّارہ کی اطاعت کرنیوالو!) میں تم سب کے ساتھ جہنم کو بھر دوں گا۔ (تم اپنے جہنمی معاشرہ میں گرفتار ہو جاؤ گے جس میں ہر طرف فتنہ فساد اور عدمِ اطمینان کی آگ بھڑک رہی ہو گی۔[۲]

● ۱ اس حقیقت سے کسی کو مجالِ انکار نہیں کہ نفسِ امّارہ کی اتباع کرنے والوں کو ہر آن ذلت اور دھتکار کے سوا اور کوئی مقام حاصل نہیں۔

● ۲ جہنم کا معنٰی عام طور لیا جاتا ہے دوزخ اور دوزخ سے مراد لی جاتی ہے اُخروی عذاب کی آگ۔ لیکن خدا تعالٰی نے دُنیا اور آخرت کے دونوں عذابوں کو اَلنَّار کہا ہے۔ جیسے کہ ہمیں دُعا سکھائی گئی ہے :۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ ۲/۲۰۱ اے ہمارے پروردگار ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمانا۔ اور ہمیں دُنیا اور آخرت کی آگ سے بچانا۔ دُنیا میں فتنہ فساد

سے لبریز معاشرہ اور عدم اطمینان بھی ایک ایسی آگ کا عذاب ہے جو ذہنوں کو جلاتا ہے - جہاں انسانی بنیادی حقوق خصوصاً خوراک، لباس اور رہائش کا عدم توازن زوروں پر ہوتا ہے - اس کے برعکس خدا تعالیٰ نے سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں بتادیا ہے کہ ہمنے ابتدا ہی میں اپنے نبیوں[۱] کی معرفت حکم دے دیا تھا :-

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ	اور اے آدم کہ تو اور ساتھی تیرا
الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا	جنت میں پھر کھاؤ دونوں سے جہاں چاہو تم دونوں
وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا	اور نہ قریب جاؤ دونوں اس جھگڑے کے ورنہ ہو جاؤ گے دونوں
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ ۱۹	سے ظالموں کے

اور (ہمنے اپنے انبیاء[۱] کی معرفت حکم دیا کہ) اے آدم! (سربراہ ریاست!) تو اور تیرے ساتھی[۲] (عوام) متوازن معاشرہ جنت میں پُرسکون رہو، اور تم دونوں (تو اور عوام) اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ - مگر اس (انکار و تکبر کے) شجرِ مشئوم[۳] کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں (ذاتی مفاد پرستی میں پڑ کر) ظالموں[۴] میں سے ہو جاؤ گے -

● [۱] یہاں یٰاٰدَمُ سے ماقبل قُلْنَا بھی محذوف ہے - اور انبیاء کا واسطہ بھی محذوف ہے - کیونکہ :-

● [۲] یہاں اٰدَمُ سے مراد حضرت آدم اللہ کے نبی نہیں ہیں - بلکہ سربراہِ ریاست مراد ہے کیونکہ عربی ادب میں آدم کا معنی سربراہِ سلطنت بھی ہے، نوعِ آدم بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی حضرت آدمؑ بھی ہے - مگر یہ معنے الگ الگ مقام پر موقعہ محل کے مطابق مراد ہوتے ہیں - یہاں حضرت آدمؑ اسلئے مراد نہیں ہیں کیونکہ اسی قصۂ آدم میں سورۂ طٰہٰ میں آیا ہے وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى $\frac{۲۰}{۱۲۱}$ اسکے معنے یہ ہیں کہ آدم نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی اور وہ گمراہ ہو گیا - قرآن مجید کا یہ فتویٰ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے کسی ایک پر نہیں لگ سکتا - کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاءِ کرام کے متعلق اعلان کر رکھا ہے :-

● عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ○ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○ $\frac{۲۱}{۲۶ - ۲۷}$ وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے واجب التکریم بندے تھے - وہ بات میں بھی اللہ تعالیٰ سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور اُن کا ہر قدم خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق اٹھتا تھا ——— پس وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى $\frac{۲۰}{۱۲۱}$ میں آدم سے مراد سربراہِ ریاست ہے جس نے خلافت ترک اور ملوکیت قائم کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی -

● [۳] زَوج کا معنی لکھا گیا ہے ساتھی - اِس لفظ کا مستقل معنی ہے ہی ساتھی - میاں بیوی کو زَوج اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے زندگی کے ساتھی ہیں - سربراہِ ریاست کے ساتھی عوام ہیں - اور یہاں ریاست کے متوازن نظام

کی ابتدائی کڑی بتائی گئی ہے کہ سربراہِ ریاست اور عوام میں کوئی غیریت نہیں، بلکہ وہ اُس کے ساتھی ہیں۔ ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے وہ بالکل سربراہِ ریاست کے برابر حقوقِ ربوبیت کے حقدار ہیں۔

● ۴ اَلْجَنَّةَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے جنتی معاشرہ۔ قرآنی ثبوت کیلئے سورہ طٰہٰ کی آئت ذیل ملاحظہ فرمائیں جس میں جنت کی یہ تعریف بتائی گئی ہے :۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ $\frac{20}{118-119}$ (جنت وہ ہے کہ) بیشک تیرا حق ہے کہ نہ تو اس میں بھوکا رہے نہ ننگا۔ اور بیشک نہ تو اس میں پیاسا رہے (نہ بے مکان ہو تاکہ) نہ تو دھوپ میں جلے۔ پس قرآنِ کریم نے ایسے متوازن معاشرہ کو دنیا کی جنت کہا ہے جس میں کوئی فردِ بشر خوراک لباس، پیاس اور رہائش کی چار بنیادی ضرورتوں سے محروم نہ ہو۔ بلکہ ان چاروں کا اُسے قانوناً مساویانہ حق حاصل ہو۔

● ۵ كُلَا اور شِئْتُمَا کے تثنیہ کے صیغوں میں جو سربراہِ ریاست اور عوام کے مساویانہ حقوقِ رہائش و معاش کی ضمانت دی گئی ہے، اس سے معاشرہ کے خواص و عوام مُراد ہیں، حضرتِ آدم و حوا مراد نہیں ہیں، کیونکہ یہاں میاں بیوی کے حقوق کی وضاحت نہیں کی گئی، بلکہ افرادِ معاشرہ اور سربراہِ ریاست کے مساوی حقوق کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ریاستی نظام کے قیام کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس نظام میں رزق کے سرچشموں پر سربراہِ ریاست اور اسکے عمال کا قبضہ و اقتدار ہوتا ہے۔ وہ نشۂ اقتدار میں بدمست ہو کر عوام کے حقوقِ ربوبیت کو نظرانداز کر دیتے ہیں، اسلئے فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا کے تثنیہ کے صیغوں میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ تم دونوں خواص و عوام کے حقوقِ ربوبیت مساوی متعین کیے گئے ہیں۔

● ۶ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کے الفاظ میں شجرِ ممنوعہ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا کی ضدِ انفرادی مفاد پرستی ہے، جس کی ابتدا اجتماعی حقوقِ ربوبیت کے انکار اور طبقاتی استکبار سے ہوتی ہے۔ کتبِ روایات میں اسرائیلیات کا دیا ہوا تصور صحیح نہیں ہے کہ شجرِ ممنوعہ گندم، انگور یا السی تھا۔ یہ چیزیں حلال ہیں حرام نہیں۔

● ۷ ظٰلِمِیْنَ ظالم کی جمع ہے، اسکا سہ حرفی مادہ ظ۔ل۔م = ظلم ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے کوئی بےٹھکانہ کام کرنا، جس کا نتیجہ بالکل اُلٹ برآمد ہو۔ جیسے کہ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا کے الفاظ میں اجتماعی معاشی توازن قائم کرنے کا حکم عدل و انصاف کا پیکر بھی ہے اور اجتماعی امن و اطمینان کا موجب بھی۔ لیکن اسکی ضدِ انفرادی مفاد پرستی ظلم ہے جس سے بےکس و بےبس افراد کی حق تلفی بھی ہوتی ہے اور نتیجہ بھی اس طرح اُلٹ برآمد ہوتا ہے کہ جس زمین کو اللہ تعالیٰ نے جنت بنانے کا حکم دیا ہے وہ جہنم بن جاتی ہے۔ اور جس معاشرہ کو امن و اطمینان کا گہوارہ ہونا چاہیئے وہ فساد اور عدمِ اطمینان کا پیکر بن جاتا ہے۔

ابلیس نفسِ امّارہ کی پہلی فریب کاری ● قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ ارشادِ ربّانی فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا کے متوازن حکم کیمطابق نوعِ انسانی نے جنتی معاشرہ قائم کرلیا، لیکن ابلیس جس نے نوعِ انسانی کو ناشکرگزار بنانے کا دعوٰی کر رکھا تھا، اُس نے اپنا اعلان کردہ مفاد پرستی کا حربہ استعمال کرکے رہا کے سربراہ اور عوام کو الگ الگ انفرادی مفاد پرستی کا فریب دیا۔ جس کی وضاحت سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مذکور ہے۔ لیکن جیسے کہ پیچھے وضاحت کردی گئی ہے کہ جو شخص اپنے آپکو ابلیس (نفسِ امّارہ) کے مطیع کردے، قرآنِ کریم اُسے شیطان کہتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں شیطان کا لفظ اُس مجسّم ابلیس کیلئے آیا ہے، جس نے ابلیس (نفسِ امّارہ) کا محکوم ہوکر معاشرہ کے سربراہ اور عوام دونوں کو انفرادی مفاد پرستی پر اُکسایا۔ اُسے اس میں اپنا مفاد مقصود تھا کہ اجتماعیت کے خاتمہ اور انفرادیت کے نفاذ سے اُسے بھی ذاتی منفعت کے حصول کا موقعہ میسر آتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا[1]

پھر وسوسہ دیا واسطے دونوں شیطان نے تاکہ ظاہر کرے واسطے دونوں کے

مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا

جو مخفی تھی سے دونوں کے سے برائیاں دونوں کی۔ کہا نہیں روکا تم دونوں کو

رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا

رب تمہارے دونوں نے اس جھگڑے سے مگر کہ نہ ہو جاؤ تم دونوں

مَلَكَيْنِ[3] اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ ۲۰

ملک۔ یا تم ہو جاؤ سے ہمیشہ رہنے والے

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ

اور قسمیں کھائیں دونوں کو بیشک میں ہوں واسطے تم دونوں کے خیرخواہوں میں سے

النّٰصِحِيْنَ ۝ ۲۱

خیرخواہوں کے

پھر اُن دونوں (خواص و عوام) کو شیطان نے وسوسہ[1] دیا تاکہ اُن دونوں کی وہ خرابیاں (جو ابھی تک) اُن دونوں سے مخفی تھیں[2] ان دونوں پر ظاہر ہوجائیں۔ چنانچہ اُس نے اُن دونوں کو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کو اِس شجرِ ممنوعہ سے اسلئے منع کردیا تھا کہ کہیں تم دونوں ملک نہ ہو جاؤ[3] (یعنی تمہارا اختیار و ارادہ نہ چھین جائے۔ اور تم دونوں کہیں اِن نعمتوں) میں ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ[4]۔

اور اُس نے اُن دونوں سے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ بلاشبہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں[5]۔ (یعنی تم دونوں کو تمہارے ہی بھلے کیلئے نصیحت کرتا ہوں)۔

● [1] فَوَسْوَسَ لَهُمَا سے مُراد یہ ہے کہ اُنہیں شیطان (مجسّم ابلیس انسان) نے ورغلایا کہ اجتماعی نظام میں وہ الگ الگ جائدادیں نہیں بنا سکتے، اسلئے انہوں نے انفرادی مفاد پرستی کی راہ اختیار کرلی۔

● [2] لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا کا مفہوم یہ ہے کہ جبتک وہ اجتماعی نظام پر قائم رہے اُسوقت تک اُنکی خود غرضانہ صفات ابھی اُن سے مخفی تھیں۔ لیکن جب انفرادی مفاد پرستی اختیار کرلی تو ظاہر ہو گیا کہ محبت و وفا

فریب، رشوت، ملاوٹ وغیرہ کیا کیا برائیاں کر سکتے ہیں۔

● ۳۰ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ کے ضمن میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ملک اور بشر میں نمایاں فرق یہ ہے کہ جملہ کائناتی قوتوں (ملائکہ) میں ذاتی اختیار و ارادہ موجود نہیں، بلکہ خالقِ کائنات نے انہیں جس جس نہج پر چلا دیا ہے وہ بلا چون و چرا اُس پر چل رہی ہیں۔ لیکن اسکے برعکس نوعِ آدم صاحبِ اختیار و ارادہ ہے :۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۔۔ ۴۱/۴۰ جیسے عمل اچھے یا بُرے تم خود چاہو کرو ۴۱/۴۰۔ انہیں فریب دیا گیا کہ کہیں تمہارا اختیار و ارادہ تم سے چھن نہ جائے۔

● ۳۱ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ کہیں تم ان اجتماعی نعمتوں کے دائمی مالک نہ بن سکو۔ اور ہر کسی کی جائداد اس کی اولاد میں تقسیم نہ ہو۔ پس شیطان نے جو نفسِ امّارہ (ابلیس) کا محکوم انسان ہی تھا، ریاستی نظام کے خواص و عوام دونوں کو الگ الگ ذاتی ملکیت کی ترغیب دی، حتیٰ کہ سربراہِ نظام کو ملوکیت کے اجرا کا لالچ دیا تاکہ اُس کے لئے حکومت و سلطنت کا دوام ہو جائے۔ یعنی اُسکی موت کے بعد سلطنت کا وارث اُسکا بیٹا ہو اور اُسکی موت کے بعد اس کا بیٹا۔ سورہ طٰہٰ میں اجراءِ ملوکیت کے اسی تصور کو کھل کر بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں ۷/۲۰ میں بصیغہ تثنیہ آیا ہے فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ کہ شیطان نے خواص و عوام یا صدر و عوام، دونوں کو ورغلایا ۔۔۔۔ مگر سورہ طٰہٰ ۲۰/۱۲۰ میں اکیلے سربراہِ سلطنت کیلئے بصیغہ واحد آیا ہے :۔ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ، شیطان نے سربراہِ ریاست کو یہ کہہ کر ورغلایا :۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۲۰/۱۲۰ اس نے کہا کہ اے آدم! (اے سربراہِ ریاست!) کیا میں تجھے ایک سدا بہار درخت یعنی ایسی حکومت کی خبر دوں جو کبھی پُرانی نہ ہو (یعنی جو ہمیشہ تیرے ہی خاندان میں رہے (تیرے بعد تیرے بیٹے کو ملے اور اسکے بعد تیرا پوتا اسکا وارث ہو) پس یہ ہے سلطنت کو دائمی طور پر نالائق بیٹوں اور عیاش و بدمعاش پوتوں اور پرپوتوں کی طرف منتقل ہوتے چلے جانے کا وہ شیطانی چکر جس کے لالچ کی بدولت استبدادی نظام یعنی نظام ملوکیت کی ابتدا ہوئی۔

● فلہذا سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۲۰/۱۲۰ سے بصورتِ نصف النہار ثابت ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ اور ملائکہ کے حالی مکالمہ میں متوازن اجتماعی نظام زیرِ بحث ہے۔ اور اسکے ضمن میں شیطان اور آدم کے ذکر میں یہ خبر دی گئی ہے کہ ابتداء میں نوعِ آدم کے ذہن میں میری اور تیری کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ کرۂ ارض پر ذاتی ملکیت کی لکیریں نہیں کھینچی گئی تھیں۔ اللہ کی زمین پر اللہ کی مخلوق پوری نوعِ آدم کو مساویانہ طور پر حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی قانوناً حاصل تھا۔ خدا تعالیٰ کے ہدایت فرمودہ اجتماعی نظام پر کاربند رہ کر صدر و عوام جنت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ تھی وہ اجتماعیت کی جنت جس سے انہیں شیطان نے نکال کر انفرادیت کے جہنم میں گرا دیا۔

● ۳۲ فَاسْجُدُوْا... اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ کے الفاظ سے کھل کر عیاں ہو چکا ہے کہ یہ اُنہی میں سے ایک نفسِ امّارہ کا محکوم انسان تھا۔ پیچھے وضاحت کی جا چکی ہے کہ نفسِ امّارہ کے محکوم انسان کو قرآن کریم نے شیطان کہا ہے۔ ذیل میں مزید

وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ نسآء میں بتایا گیا ہے کہ ایسے شیطان لوگ خیر خواہی کالبادہ اوڑھ کر اور عوام کے ہم نشین بن کر انہیں گمراہ کرتے ہیں:۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۚ وَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَہٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ۝ ۴ / ۳۷-۳۸

جو لوگ خود بھی (انفرادیت کا شکار ہو کر) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا (یعنی ذاتی مفاد پرستی کا) حکم دیتے ہیں۔ اور جو مال انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیا ہے اُسے (خزانہ کر کے) چھپا رکھتے ہیں۔ (ایسے لوگ عذاب کے مستحق ہیں) حقیقت یہ ہے کہ ہمنے اجتماعیت کے منکروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (ایسے لوگ انفرادیت کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں)۔ اور وہ لوگ بھی اسکا شکار بنے رہتے ہیں جو اپنے مالوں کو دکھاوے کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو نہ اللہ پر ایمان ہوتا ہے نہ آخرت پر (یہ سب کارگزاری شیطان (نفس امارہ) کی ہے) حقیقت یہ ہے کہ جس کسی کا شیطان ہم نشین ہو وہ ہم نشینی کے لحاظ سے بہت برا ہم نشین ہے (وہ انفرادیت کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے)۔

● بس یہی حال ہُوا کُرۂ ارض پر قائم ہونیوالے اوّلین مرکزی نظاموں کا کہ کہیں تو وزیر و مشیر بن کر سربراہ نظام کو اجتماعیت سے گمراہ کر کے ملوکیت کی اجراء کروائی اور کہیں ہم نشین کی صورت میں خیر خواہ بن کر عوام کو انفرادیت کے جہنم میں دھکیل دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سربراہ و عوام دونوں نے انفرادی فخر و انکار کے شجرِ ممنوعہ کا مزہ چکھ لیا:۔

فَدَلّٰىھُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَۃَ	پس گرا دیا دونوں کو ساتھ دھوکے کے سے پھر جب چکھا دونوں نے شجر ممنوعہ
بَدَتْ لَھُمَا سَوْاٰتُھُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْھِمَا	ظاہر ہو گئے واسطے دونوں کے عیب دونوں کے اور لگے دونوں ڈھانپنے اوپر اپنے دونوں
مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ ؕ وَ نَادٰىھُمَا رَبُّھُمَآ اَلَمْ	سے قانون جنت کا۔ اور پکارا دونوں کو رب دونوں کے نے کیا نہیں
اَنْھَکُمَا عَنْ تِلْکُمَا الشَّجَرَۃِ وَ اَقُلْ لَّکُمَآ اِنَّ	منع کیا تم دونوں کو سے مذکورہ جھگڑے اور کیا نہیں کہا تھا تم دونوں کو بیشک
الشَّیْطٰنَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ ۲۲	شیطان ہے واسطے تم دونوں کے ظاہر دشمن

پس شیطان نے (صدر و عوام) دونوں کو دھوکے کیساتھ (اجتماعیت کی بلندیوں سے انفرادیت کی پستیوں میں) گرا دیا۔ پھر جب دونوں نے (انفرادی فخر و انکار کے) شجرِ ممنوعہ کا مزہ چکھا تو ان دونوں کی برائیاں ایکدوسرے پر ظاہر ہو گئیں اس پر انہوں نے پھر سے (اجتماعیت کے) جنتی قانون کو اپنے اوپر لاگو کرنا شروع کیا۔ (تو اس طرح پھر معاشرہ جنت بدوش ہو گیا۔ اُن کے پروردگار نے (اپنے انبیاء کی معرفت) اُن سے کہا کیا میں نے تمہیں اس (تکبر و انکار کے) شجرِ ممنوعہ سے منع نہیں کیا تھا اور کیا نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا ظاہر دشمن ہے۔

● علہ فدلّٰھما میں دلّ کا لفظی معنٰی ہے نیچے لٹکا دیا۔ پس مفہوم یہ ہوا کہ شیطان نے دونوں کو نیچے لٹکا دیا تھا۔ یہ الفاظ بطور مجاز آئے ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ شیطان نے انہیں اجتماعیت کی بلندیوں سے انفرادیت کی پستیوں میں گرا دیا۔

● علہ ذاقا کا لفظی معنٰی یہ ہے کہ ان دونوں نے مزہ چکھا۔ مزہ چکھنے کا محاورہ اس عمل کے نتیجے کیلئے بولا جاتا ہے جس عمل کی بدولت، عمل کرنے والے کو انتہائی ذلیل ہونا پڑے۔ چنانچہ انفرادیت کے طبقاتی نظام میں ہر طرف قانون شکنی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ صدر ہو یا عوام کے داخلی طبقات، سب کا باہمی اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ حکومت عوام پر بڑے بڑے ٹیکس لگاتی ہے مگر عوام قسم قسم کے حربوں کے ذریعہ ان کی ادائیگی سے پہلو تہی کرتے چلے جاتے ہیں۔ خود عوام کا عوام پر اعتماد نہیں رہتا، کیونکہ انفرادی نظام میں ہر شخص ہوسِ زر کے ماتحت ہر آن جھوٹ، فریب، رشوت، ملاوٹ اور چور بازاری وغیرہ کے تمام حربے استعمال کرتا چلا جاتا ہے۔

● علہ بدت لھما سواٰتھما سے مراد یہ ہے کہ سربراہ و عوام اور خواص و عوام کے خود غرضانہ خصائص کو اجتماعی نظام میں سر اٹھانے کا موقعہ نہیں ملتا = یہ اسلئے کہ ہر شخص کو اسکی ضروریاتِ زندگی بروقت اور حسبِ ضروریات ملتی چلی جاری ہوتی ہیں لیکن انفرادی نظام میں ایک طرف تو بے وسیلہ افراد ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو جاتے ہیں، اسلئے وہ حصولِ ضروریات کیلئے ناجائز طریقے استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف وسائل والے لوگ وسائل کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کیلئے ہر جائز ناجائز حربہ استعمال کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس طرح اس حمام میں سب ننگے ہوتے ہیں۔

● کتبِ روایات نے بدت لھما سواٰتھما سے چیستانی تصور پیدا کیا ہے کہ حضرت آدمؑ و حواؓ جنت میں شجرِ ممنوعہ گندم، انگور یا لستن کھا لینے کی بدولت دونوں ننگے ہو گئے اور ایکدوسرے کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں۔ معاذ اللہ! معاذ اللہ! استغفر اللہ! کتبِ روایات نے اِن چیستانیات کو $\frac{11}{91}$ + $\frac{40}{55}$ + $\frac{43}{32}$ + $\frac{1-7}{17-18}$ کے خلاف اس مقام سے شروع کیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضرتِ آدمؑ کا بت بنا کر اسکی پسلی سے اسکی بیوی نکالی اور انہیں جنت میں رہنے کا حکم دیا مگر متنبہ کر دیا کہ جنت میں جہاں سے چاہو کھاؤ مگر اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ وہ درخت کیا تھا؟ روائتی تفاسیر میں درج ہے کہ وہ گندم کا درخت تھا یا انگور کا یا لستن کا درخت تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ دونوں میاں بیوی باز نہ آئے اور اس ممنوعہ درخت کو چکھ لیا۔ پھر کیا ہوا؟ دونوں میاں بیوی ننگے ہو گئے، ان کا لباس اتر گیا۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ!

● شجر کا معنٰی صرف درخت ہی نہیں بلکہ اسکا معنٰی جھگڑا اور تنازعہ بھی ہے۔ آیات زیر بحث میں ھٰذہ الشجرۃ اور تلکما الشجرۃ سے کوئی درخت ہرگز مراد نہیں۔ بلکہ یہاں انفرادی نظام کو جو باہمی جھگڑوں کا تنازعوں کا سرچشمہ ہے، الشجرۃ تو کہا گیا ہے اور اسی کی قربت سے منع کیا گیا ہے۔ نیز شجرِ ممنوعہ کی تعریف کیلئے اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ کے الفاظ

ہیں۔ یعنی قوانینِ خداوندی کا انکار اور فخر و تکبر، جس سے اَلشَّجَرَۃَ یعنی جھگڑے اور تنازعے جنم لیتے ہیں۔ ابتدائی معاشرے اجتماعیت کی اساس پر قائم ہوئے مگر شیطان، ابلیس مجسّم انسانوں کے ورغلانے پر جب انفرادیت رائج ہوئی تو صدر و عوام اور خواص و عوام سب کی مضمر (پوشیدہ) برائیاں کھل کر عیاں ہوگئیں۔ واضح رہے کہ آیت مجیدہ کے ان الفاظ میں اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ انفرادی نظام میں جھوٹ، فریب، رشوت، ملاوٹ اور چور بازاری وغیرہ جرائم کا متعدی امراض کی طرح پھوٹ پڑنا ایک لازمی امر ہے۔ لیکن اجتماعی نظام میں یہ جرائم از خود دم توڑ دیتے اور خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

● ۴؎ وَطَفِقَا یَخۡصِفٰنِ عَلَیۡہِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّۃِ سے کتب روایات نے یہ تصور دیا ہے کہ جب حضرت آدم اور حوّا جنت میں ننگے ہو گئے تو برہنگی کو ڈھانپنے کیلئے اپنی اپنی شرمگاہوں پر جنت کے درختوں کے پتے جوڑنے شروع کئے۔ افسوس ہے کہ اس چیستانی تصور میں اللہ تعالیٰ کے اوّلین نبیؑ کی عصمت و حرمت کا پاس بھی نہیں کیا گیا۔ حقیقت وُہی ہے جو بیان کر دیگئی ہے کہ ان آیتوں میں حضرت آدم و حوّا کا قصہ نہیں بیان کیا گیا، بلکہ ان میں ابتدائی معاشروں کا تذکرہ ہے کہ کرۂ ارض پر نوعِ آدم زمین میں سے پیدا کیگئی تھی، جس کا واضح ثبوت کھلے الفاظ میں آیات مجیدہ ۱۱/۶۱ + ۲۰/۵۵ + ۵۳/۳۲ + ۷/۱۸-۱۷ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوّلین انبیاء کی معرفت اجتماعی مرکزی نظام کا حکم دیا۔ جس سے ایسا جنتی معاشرہ قائم ہوا جس میں وَکُلَا مِنۡ حَیۡثُ شِئۡتُمَا کی قرآنی خبر کے مطابق خواص و عوام کے ہر فرد کو متوازن ضروریاتِ زندگی میسر آتی تھیں، لیکن نفسِ امّارہ کے محکوم شیطانوں نے جنتی متوازن اجتماعی نظام کو انفرادی شیطانی نظام میں بدل دیا۔ تو پھر صدر و عوام کے وُہ بُرے خصائص جنہیں انہوں نے پھر سے اجتماعی نظام کے قیام کے ذریعہ معدوم کر دیا۔ بالفاظِ دیگر انہوں نے پھر سے جنتی قانون کو اپنے اوپر لاگو کر کے اپنے آپکو اُسکے مطیع کر دیا۔

● وَرَقِ الۡجَنَّۃِ میں ورق بمعنی قانون ہے۔ اور جنت بمعنی وہ معاشرہ ہے جس میں ہر طرف ضروریاتِ زندگی کی فراوانی ہو۔ سورہ کہف ۱۸/۱۹ میں ورق بمعنی قانونی سکہ آیا ہے، جو کسی حکومت میں قانوناً چل رہا ہو۔ سکے کو بھی ورق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُسے قانون کی سند حاصل ہوتی ہے۔ اور جنت بمعنی متوازن معاشرہ سورہ طٰہٰ ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ میں آیا ہے جس کا ذکر پیچھے صفحہ [illegible] پر گزر چکا ہے۔

● ۵؎ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَا کے الفاظ میں انبیاء سلام علیہم کا واسطہ محذوف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ معاشرہ کے سربراہ اور خواص و عوام میں سے کسی کیساتھ بھی براہِ راست خطاب نہیں کرتا تھا، بلکہ اپنے منتخب نمائندوں انبیاء سلام علیہم ہی کے ذریعہ پیغام پہنچاتا تھا۔ چنانچہ ابتداءِ آفرینش میں کرۂ ارض پر جہاں جہاں بھی نوعِ آدم پیدا ہوئی تو اُن کی ہدایت کے لئے اُنہی میں سے نبی رسول مبعوث کر کے اجتماعی نظام کے قیام کا حکم دیا۔ اور پھر جب اجتما

کو ملوکیت اور انفرادیت میں بدل کر عوام و خواص ننگے ہو گئے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ہی کے ذریعہ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں انفرادی مفاد کوشی کے شجرِ ممنوعہ سے منع نہیں کیا تھا؟

● یہ شجرِ ممنوعہ کے متعلق پیچھے کھل کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ نہ یہ گندم کا درخت ہے نہ انگور کا بستن کا، بلکہ یہ ملعون انفرادی نظام ہے جس میں افرادِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضمانت ریاستی نظام کے ذمہ نہیں ہوتی اور اس طرح انفرادی مفاد کے ٹکراؤ سے قدم قدم پر جھگڑے تنازعے (اشجار) پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سب ایکدوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اور ہر طرف بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ کا منظر پیدا ہو جاتا ہے۔

● یہ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کے الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے کہ جو شخص انفرادی نظام کے قیام کی ترغیب دے اور اجتماعی نظام سے روکے وہ شیطان ہے اور نوعِ انسانی کا کھلا دشمن ہے، جو انفرادیت کے ذریعہ نوعِ انسانی کو ناہموار معیشت اور باہمی جھگڑوں، تنازعوں اور عداوتوں کے جہنم میں دھکیلنا چاہتا ہے۔ شیطان وہ شخص ہے جو نفسِ امارہ کا محکوم ہو کر مجسم ابلیس بن چکا ہوتا ہے۔ کھلے دشمن کی نشانی ہے ناہموار معاشرہ کی ترغیب یا سفارش کرنیوالا۔

● الختصر! یہاں تک اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ابتدائی دور میں جب اجتماعیت کو ملوکیت و انفرادیت میں تبدیل کر دیا گیا اور انفرادیت کے برے نتائج ظاہر ہو گئے تو پھر چونکہ ابھی جنتی اجتماعی نظام کی خوبیاں نگاہوں کے سامنے تھیں اور اجتماعیت کے شجرِ طیبہ کا خوشگوار ذائقہ ابھی سربراہ و عوام کی زبانوں پر موجود تھا، اس لئے صدر و عوام دونوں اجتماعیت کی طرف لوٹ آئے۔ اپنی غلطی کا عاجزانہ اقرار کیا اور اپنے پروردگار سے مغفرت و رحمت کے طلبگار ہوئے:۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا کہا رب ہمارے ظلم کیا ہم نے جانوں اپنی پر اور اگر نہ تو معاف کر دے واسطے ہمارے وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞ ۲۳ اور نہ رحم کرے تو ہم کو ضرور ہم ہو جائینگے بیچ سے گھاٹا پانیوالوں	(صدر و عوام سب نے کہا) اے ہمارے پروردگار ہم نے (اجتماعیت کی بجائے انفرادیت اختیار کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہمیں بچاؤ عطا فرمائے اور ہم پر رحمت نہ کرے تو ہم نقصان اٹھانیوالوں سے ہو جائینگے۔

● اس سے اگلی آیات مجیدہ میں پھر:۔

پچھلے مضمون کو تکرار تاکیدی کے طور پر مختصراً دہرا کر بتایا گیا ہے کہ تم اجتماعیت کو چھوڑ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہو۔ تم سب انفرادیت میں سے نکلو اور ذہن نشین کر لو کہ زمین میں تم خواص و عوام کا رہائش و ضروریاتِ زندگی کا مساوی حق ہے:۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کہا نکلو بعض تمہارا واسطے بعض کے دشمن	(اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ) فرمایا کہ تم سب خواص و عوام اس (انفرادیت سے) نکلو۔ تمہارا بعض (ذاتی مفاد کے ٹکراؤ کی بدولت) بعض کا دشمن ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین میں تم سب (خواص و عوام) کیلئے آخری دم تک کیلئے حقِ رہائش بھی مسلم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلم ہے۔
وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اور واسطے تمہارے بیچ زمین کے حقِ رہائش اور حقِ ضروریات ہے	
إِلَىٰ حِينٍ ○ ۲۴ تک مدت کے	

پوری نوعِ انسانی کیلئے اس عنوان کے ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی مساوی حقوقِ انسانی کا اعلان

● واضح رہے کہ مندرجہ بالا صفحات پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کے بنیادی حقوق سے متعلقہ عنوان ذیل کے الفاظ میں ۷/۱۰ سے شروع ہوا ہے :۔

● وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۷/۱۰ اور اے نوعِ آدم! بیشک ہمنے تمہارے ایک ایک فرد کو زمین میں حقِ رہائش بھی دیا ہے اور حقِ معاش بھی عطا فرمایا ہے ——— اور ۷/۲۴ کے الفاظ ذیل پر ختم ہوا ہے :۔

● وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۷/۲۴ اور اے نوعِ انسانی! تم سب کے سب کے آخری دم تک کیلئے زمین میں حقِ رہائش بھی مسلم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلم ہے ——— واضح رہے کہ نوعِ انسانی کے انہی پیدائشی حقوقِ رہائش و معاش کا اعلان ۷/۲۴ والے الفاظ ہی میں ۲/۳۶ سورہ بقر میں بھی وضاحتاً گزر چکا ہے۔

● پس سورہ بقرہ اور سورہ اعراف میں عنوانِ بالا سے متعلقہ الفاظ کی یکسانیت سے پوری طرح کھل کر ثابت ہو چکا کہ سورہ اعراف کی آیاتِ بالا میں سورہ بقر ہی کے عنوان کو دہرایا گیا ہے۔ اور ان دونوں مقامات پر پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کے متوازن اور مساوی حقِ رہائش و معاش کا اعلانِ عام کر دیا گیا ہے تاکہ ہر سربراہِ ریاست قرآنِ کریم کے اس تکراری اعلان کے مطابق کرۂ ارض کے ہر گوشے میں ایسا متوازن نظام قائم کرے جس میں ہر فردِ ریاست کے رہائش و معاش کے بنیادی اور پیدائشی حقوقِ بالا کو قانوناً تسلیم کیا جائے تاکہ کرۂ ارض سے بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کا شیطانی رقص ختم ہو جائے۔ اور پورا کرۂ ارض جنتِ ارضی یعنی متوازن حقوقِ رہائش و معاش کی جیتی جاگتی تصویر بن جائے۔

اُخروی عدالت کی حاضری کو ہمیشہ یاد رکھو

● آیتِ زیرِ بحث ۷/۲۴ میں وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ کی وضاحت کے بعد اگلی آیت میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا متوازن حقوق کی خلاف ورزی کرنیوالو! سب کیساتھ ساتھ تم بھی سن لو کہ تم سب نے اِسی زمین میں رہنا ہے اِسی میں

ین مرتا ہے اور زندگی میں کئے گئے اچھے بُرے عملوں کی جواب دہی کیلئے تمہیں اسی زمین میں سے نکال کر حاضر عدالت کر لیا جائیگا :۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۲۵

کہا بیچ اسکے تم جینا ہے اور بیچ اسکے تم مرنا ہے اور میں سے اسکے نکالے جاؤ گے

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ (اے نوعِ انسانی!) تم سب اِس زمین ہی میں زندگی گزارنی ہے ۔ اور اسی میں مر جانا ہے اور اسی میں سے تم (دوسری مرتبہ ۲۰/۵۵) اعمال کی جوابدہی کیلئے نکال لئے جاؤ گے[1]۔

● [1] مِنْهَا تُخْرَجُونَ پر غور کرنے کیلئے آیت بالا ۲۵/۷ کی مترادف سورہ طٰہٰ کی آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں :۔

● مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى ۲۰/۵۵ اے نوعِ آدم! ہمنے تمہیں پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا اور (تمہارے مرنے کے بعد) ہم تمہیں اسی میں لوٹا دیتے ہیں ۔ اور (تمہارے اعمال کی جوابدہی کیلئے) ہم تمہیں دوبارہ اسی زمین میں سے نکال لینگے ۔

لباس التقویٰ اور جسمانی لباس

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں گزشتہ آیات مجیدہ کے ربط باہمی کے مطابق اجتماعیت کو لباس التقویٰ کہا گیا ہے لیکن ساتھ ہی بتا دیا گیا ہے کہ جسمِ انسانی کے ظاہری لباس اور آدمیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے ۔ خداوندِ علیم و علام کو معلوم تھا کہ لوگ اُن مخبوط الحواس دیوانوں کو اللہ کے پاس پہنچے ہوئے بزرگ قرار دیا کریں گے جو دماغی خرابی، دیوانگی اور پاگل پن کی بدولت واہی تباہی کلام کرتے ہیں، انہیں لباس پہنایا جائے تو اُسے پھاڑ دیتے اور ہمیشہ ننگے رہتے ہیں ۔ جیسے کہ مادر زاد اور ننگوں کو اللہ کے ولی، ابدال، اوتاد اور غوث قطب وغیرہ کے خدائی عہدیدار قرار دیا جاتا ہے ۔ حالانکہ آیتِ ذیل کے مطابق لباس پہننا فرض ہے :۔

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا[1] يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۚ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ[2] ۚ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ[3] ۲۶

اے نوعِ آدم بیشک اُتارا ہے ہمنے اوپر تمہارے حکم لباس کا ڈھانپے برہنگی تمہاری اور خوبصورت ہو اور لباس بچنے کا مذکورہ بالا بہتر ہے ۔ مذکورہ بالا ہیں سے نشانیوں اللہ کی سے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

اے نوعِ آدم بیشک ہمنے تم سب کے سب پر لباس پہننے کا حکم[1] نازل فرمایا ہے (اس شرط کیساتھ) کہ وہ تمہارے ننگ پن کو بھی ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو ۔ اور مذکورہ بالا حکم (یعنی پوری نوعِ آدم کے حق رہائش و ضروریات) کی نافرمانی سے بچنا ہی تو خیر (یعنی بھلائی)[2] ہے ۔ مذکورہ بالا حکم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں[3]۔ (یعنی ایسا متوازن نظام قائم کریں جس میں کوئی شخص اپنے حق رہائش اور حق ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے) ۔

● ملہ لِبَاسًا کی تنوین عوض مضاف ہے اور تقدیرِ کلام یہ ہے :۔ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ حُكْمَ لِبَاسٍ = بیشک ہمنے تم سب پر لباس پہننے کا حکم نازل فرمایا ہے ۔ بصورت دیگر اگر اس تنوین کو عوض مضاف تسلیم نہ کیا جائے تو مشاہدہ معارض ہے کہ پہننے کا سلا سلایا یا اَن سلا لباس آسمان سے کبھی بھی نازل نہیں ہوتا ۔

● ملہ ذٰلِكَ اسم اشارہ مذکر بعید ہے جو مذکورہ بالا کیلئے آتا ہے ۔ اور مذکورہ بالا چونکہ مستقر و متاع کے حقِ انسانی کا اعلان ہے اسلئے لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ کا معنٰی لکھا گیا ہے کہ مستقر و متاع کے متوازن حکم کی خلاف ورزی سے بچنا ہی تو بھلائی ہے ۔

● غور طلب یہ امر ہے کہ آئت بالا میں جسمانی لباس اور لباس التقوٰی دو چیزیں الگ الگ بیان ہوئی ہیں جسمانی لباس بیک وقت دو شرطوں کیساتھ مشروط ہے کہ ننگ پن کو بھی ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو ۔ پس آئت بالا کے مطابق ایسا باریک اور ایسا فِٹ لباس پہننا حکمِ باری کے خلاف ہے جو پہنا ہُوا بھی ہو اور جسم کے اعضاء الگ الگ نمایاں بھی ہوں ۔ نیز اس آئت مجیدہ میں یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ کے خطاب کیساتھ لباس پہننے کے حکم کے نفاذ سے عیاں ہے کہ مخبوط الحواس ننگے اس حکم سے مستثنٰے ہیں کیونکہ اُن پر بوجہ دیوانگی کوئی شرعی پابندی لازم ہی نہیں ۔ تو اس طرح جن دیوانوں کو قرآن کریم دائرۂ آدمیت ہی سے خارج قرار دیتا ہے ، ہم ہیں کہ انہیں پہنچے ہوئے بزرگ ، ولی ، ابدال ، اوتاد اور غوث قطب وغیرہ کے خداوندی عہدیدار مانتے ہوتے ہیں ۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ !

● آئت بالا میں دوسرے نمبر پر لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ کے الفاظ میں لباسِ تقوٰی کا ذکر آیا ہے ۔ لباس کا لفظ سہ حرفی مادہ ل ۔ ب ۔ س سے ہے ۔ جس کا بنیادی معنٰی ہے لازم ہونا ، ڈھانپ لینا ، چھپا لینا = کپڑوں کو لباس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جسم کو ڈھانپ لیتے ہیں ، چھپا لیتے ہیں ۔ اور تقوٰی کا لفظ سہ حرفی مادہ و ۔ ق ۔ ی سے ہے ، جس کا معنٰی ہے بچانا ۔ اور تقوٰی کا معنٰی ہے خود بچنا ۔ اب چونکہ پیچھے مسلسل آئت نمبر ۱۰ تا ۲۵ ، سولہ آئتوں میں مستقر و متاع یعنی نوعِ انسانی کے حقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی کا اعلان چل رہا ہے ۔ نیز چونکہ آگے بھی یہی عنوان جاری ہے اسلئے کلام کے سیاق و سباق دونوں سے ثابت ہے کہ یہاں مستقر و متاع کے خداوندی حکم کی خلاف ورزی سے بچنا یعنی ایسا نہ ہو کہ حقِ رہائش و متاع سے محرومی نوعِ انسانی کا لباس بن جائے ۔ عرفِ عام میں تقوٰی پرہیزگاری لیا جاتا ہے لیکن اس مشاہداتی حقیقت کو کبھی نہ بھولئے کہ ضروریاتِ زندگی سے محروم افراد سے پرہیزگاری کی کیا امید کی جاسکتی ہے ؟ جبکہ بھوک ننگ تو خود ایمان تک کے لئے زہرِ قاتل ثابت ہوتی ہے ۔ تو اس طرح جہاں ہر آن ایمان ہی متزلزل ہو ، وہاں پرہیزگاری کہاں سے آسکتی ہے ؟

● قرآن کریم نے بھوک کے لباس کو بجائے خود ایک عذاب قرار دیا ہے ۔ سورہ نحل میں ایک نافرمان بستی والوں کے متعلق آیا ہے فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ۱۶/۱۱۲ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے

معصومی عملوں کی بدولت بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا۔ پس آیاتِ بالا میں اسی لِبَاسُ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ سے بچنے ہی کو کہا گیا ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۷/۲۶ اور اے نوعِ انسانی مذکورہ بالا حقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی کے خداوندی حکم کی خلاف ورزی سے بچنا ہی تو بھلائی ہے۔

● ۳۸ آیتِ مجیدہ زیرِ بحث ۷/۲۶ کا آخری جملہ انتہائی غور طلب ہے ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں، جن کی غرض یہ ہے کہ لوگ اِن سے نصیحت حاصل کریں۔ جیسے کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اس آیت میں دو لباسوں کا ذکر ہے، جسمانی لباس، اور پوری نوعِ انسانی کے حقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی کی مخالفت سے بچنے کا لباس۔ افسوس ہے کہ اِن دونوں کی مخالفت صدیوں سے اس طرح جاری ہے کہ معاشرہ کے دیوانے جو لباس پھاڑ کر ننگے ہو جاتے ہیں انہیں تو اولیاء اللہ مانا جاتا ہے اور نوعِ انسانی کو لباس التقویٰ یعنی اسکے متوازن حقِ مستقر و متاع کی یہ کہہ کر مخالفت کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بعض لوگوں کی قسمت میں بلا کرایہ رہائشی مکان کی بجائے کرائے کا مکان لکھ رکھا ہے اور ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے اُس نے خود کسی کی قسمت میں بھوک ننگ لکھ دی ہوئی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف کے باب الحیض میں حضرت انس رضؓ کی روائت ہے کہ ہر شخص کی سعادت یا شقاوت اور رزق کی تنگی یا فراخی عین اُس کی پیشانی پر لکھ دی جاتی ہے جب وہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم کے دلائلِ قاطعہ کی رُو سے آپ سابقہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ پوری نوعِ انسانی کا پیدائشی حق ہے کہ اُسے زندگی کے آخری دم تک بلا کرایہ رہائش اور ضروریاتِ زندگی مسلسل میسر آتی رہیں۔ بالفاظِ دیگر معاشرہ کا ایسا نظام قائم ہونا چاہیئے جس میں مذکورہ انسانی حقوق کی ضامن مرکزی حکومت ہو۔

● پیچھے آپ آیت نمبر ۷/۲۰ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ شیطان (ابلیس مجسم انسان) نے صدر و عوام کو اجتماعی نظام کی جنت سے نکال کر انفرادی نظام کے جہنم میں جھونک دیا تھا۔ اس لئے اگلی آیت مجیدہ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ آئندہ کے لئے محتاط رہنا:۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ
اے نوعِ آدم! نہ فتنے میں ڈالدے تمکو شیطان، جیسے نکالا

اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا
ماں باپ تمہارے کو جنت سے کھینچتا تھا سے دونوں کے لباس دونوں کے

لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ
تاکہ ظاہر ہو دونوں پر بُرائی دونوں کی بیشک وہ دیکھتا ہے تمکو وہ اور قبیلہ اُس کا

اے نوعِ آدم! (ہوشیار باش!) ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی شیطان انفرادیت کے فتنے میں مبتلا کر دے، جیسے کہ اُس نے تمہارے اوّلین ماں باپوں کو اجتماعی نظام کی جنت سے نکال دیا تھا۔ اُس نے اُن پر اُن کا (مستقر و متاع) کا لباس کھینچ لیا۔ تاکہ اُن پر اُن کی بُرائیاں عیاں ہو جائیں۔ بیشک وہ اور اسکے شطو نگڑے تمہیں اس مقام سے دیکھتے ہیں جہاں

مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ أَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۲۷

سے وہاں نہیں تم دیکھتے ان کو۔ بیشک ہمنے پایا ہمنے شیطانوں کو دوست واسطے اُن کے جو نہیں وہ ایمان لاتے

سے تم نہیں دیکھتے بیشک ہم نے شیطانوں کو دوست پایا ہے اُن کا جو (نوعِ آدم ہی کے حقِ مستقر و متاعِ) پر ایمان نہیں لاتے

● ۱ بنی آدم کا معنی لکھا گیا ہے نوعِ آدم۔ کیونکہ قرآنی رہنمائی کے مطابق نوعِ آدم کسی ایک شخص آدم کی اولاد نہیں ہے بلکہ پیچھے واضح کیا جا چکا ہے کہ ۱۱/۶۱ ۲۰/۵۵ ۵۳/۳۲ ۱۷-۱۸/۱۷ کے مطابق نوعِ آدم کو زمین میں سے پیدا کیا گیا تھا۔ نیز خود زیرِ نظر سورہ اعراف ۱۱/۷ میں بھی ارشاد ہوا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اور البتہ تحقیق ہم نے تم بہت سوں کو پیدا کیا۔ پھر بہت سوں کو ارتقائی منازل سے گزار کر موجودہ صورت میں لائے۔ (پھر اس طرح جب تم کائناتی قوتوں سے کام لینے کے قابل ہو گئے تو) ہمنے جملہ کائناتی قوتوں کو بزبانِ حال حکم دیا کہ تم سب کی سب نوعِ آدمی کی فرمانبردار ہو جاؤ۔ پس چونکہ ان قرآنی دلائلِ قاطعہ کے مطابق نوعِ انسانی کسی ایک شخص آدم کی اولاد نہیں۔ اسلئے بنی آدم کا جو معنی لکھا ہے نوعِ آدم صد فیصد صحیح ہے۔

● ۲ سابقہ صفحات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ نوعِ آدم ابتدائی معاشرہ کے جس فتنے میں مبتلا ہوئی تھی وہ انفرادی مفاد کوشی ہی کا فتنہ تھا۔ اسلئے یہاں لَا يَفْتِنَنَّكُمُ کے الفاظ میں اسی فتنے کی خبر دی گئی ہے۔

● ۳ اَبَوَيْكُمْ سے بابا آدم اور حوا مراد لینا قرآنِ کریم کی رو سے غلط ہے کیونکہ نوٹ ۱ کے مطابق نوعِ آدم کے بہت سے افراد مرد و عورتیں زمین میں سے پیدا کئے گئے تھے۔ اسلئے اَبَوَيْكُمْ کا معنی تمہارے اولین ماں باپ صحیح ہے۔ کیونکہ اس نوع کے اولین ماں باپ الگ الگ بہت سے مرد و عورتوں کی صورت میں زمین میں سے پیدا کئے گئے تھے۔ جن کے ساتھ اجتماعیت کی جنت سے نکالنے کا ابتدائی واقعہ پیش آیا تھا۔

● ۴ لفظ جنت کی وضاحت بھی پیچھے گزر چکی ہے ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ کے مطابق وہ معاشرہ و نبوی جنت ہے جس میں کوئی فردِ معاشرہ حقوقِ ربوبیت و رہائش سے محروم نہ ہو۔

● ۵ نزعِ لباس کے متعلق روایات کا دیا ہوا تصور غلط ہے کہ شجرِ ممنوعہ کے استعمال سے حضرت آدمؑ و حواؑ معاذ اللہ ننگے ہو گئے تھے۔ اور انکی شرمگاہیں اُن پر ظاہر ہو گئیں۔ بلکہ جیسے کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ ابتدائی معاشرہ کے صدور و عوام انفرادی مفاد پرستی کے شجرِ ملعونہ سے منع کیا گیا تھا، جس میں ہر شخص ذاتی نفع اندوزی کیلئے قسم قسم کے دھوکے فریب کے ذریعہ اپنی برائیوں کو خود عیاں کرتا رہتا ہے۔ پس شیطان نے جو نسا لباس کھینچ لیا وہ متوازن ضروریاتِ زندگی کا ضامن وہ اجتماعی نظام تھا، جس میں نوعِ آدم کا کوئی ایک فرد بھی اپنے حقوقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسی طرح لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا کے الفاظ میں اسی حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ اگرچہ نوعِ آدم میں دغا، جھوٹ، فریب

جیسی برائیوں کی استعداد موجود ہے، لیکن اجتماعی نظام میں جہاں ہر کسی کی ضروریاتِ زندگی متوازن انداز میں کم میسر آرہی ہوں، اس نوع کو مذکورہ بالا برائیوں کو بروئے کار لانے کے مواقع ہی میسر نہیں آتے۔ لیکن جب مفاد پرستانہ انفرادی نظام قائم ہوجائے تو صدر رد عوام، سب کے سب ذاتی مفاد کیلئے قسم قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور دونوں کی مضمر برائیاں کھل کر عیاں ہوجاتی ہیں۔ دونوں ننگے ہوجاتے ہیں۔

● ۸۰ هُوَ وَقَبِيلُهُ یعنی شیطان اور اسکے قبیلہ سے مراد معاشرہ کا وہ لیڈر اور اُسکی جماعت ہے جو سب مل کر اجتماعی نظام کے خلاف انفرادی نظام کے قیام و فروغ میں معروفِ عمل ہوں۔

● ۹۰ يَرٰىكُمْ ...... مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ سے یہ مراد ہے کہ وہ سب کے سب ہر آن تمہارے حالات پر نگاہ رکھتے ہیں کہ اجتماعی معاشرہ میں جہاں کوئی نقص حادثاتی طور پر واقع ہُوا تو وہ اجتماعی نظام کے خلاف اپنا پروپیگنڈا تیز کر دیتے ہیں۔ کہ دیکھ لو ہم نہیں کہتے تھے کہ بُرے وقت کیلئے الگ الگ مال جمع کر لیا کرو۔ اور اس طرح وہ تمہارا اجتماعی لباس اُتار کر تمہیں ننگا کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ اسکے برعکس تم ہو کہ انہیں اُس مقام سے نہیں دیکھتے جہاں سے وہ دیکھتے ہیں۔ اسلئے تم انکے دھوکے میں نہ آجانا۔ یہاں آیتِ ذیل $\frac{2}{156}$ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اجتماعی نظام میں بھی بعض مقام ایسے آجاتے ہیں جہاں ضروریاتِ زندگی میں کمی واقع ہوجاتی ہے جیسے کہ جنگ کے ایام کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :—

● وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ $\frac{2}{156}$ اور بیشک ہم تمہارے استقلال کو ظاہر کرتے ہیں دشمن کے حملہ کے خوف، مالوں جانوں اور رزق کے نقصان کیساتھ۔ اَے رسولؐ! اُن مستقل مزاج مومنوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ انہیں جب دشمن کی بدولت مذکورہ بالا مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بیشک ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور ہم (ان مصیبت کے ایام میں بھی اُسی کے قانون کی طرف) رجوع کرنیوالے ہیں۔

● پس سلسلۂ درس کی آیت زیرِ بحث $\frac{7}{27}$ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ شیطان اور اُسکی جماعت کے پروپیگنڈے میں نہ آنا جو حادثاتی مصائب کے وقت خصوصیت کیساتھ اجتماعیت سے پھسلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز شیطان کے متعلق سابقہ صفحات میں پوری وضاحت کر دیگئی ہے کہ قرآنِ کریم اُن لوگوں کو بھی شیطان قرار دیتا ہے جو نفسِ امارہ کے متبع ہو کر خود بھی گمراہ ہوجاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اجتماعیت سے ہٹانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں $\frac{7}{2}$ $\frac{1}{38}$ ۔

● ۱۱ جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ ...... الخ کا معنیٰ لکھا گیا ہے کہ ہمنے شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست بنایا جو نوعِ انسانی کے حقِ مستقر و متاع پر ایمان نہیں لاتے۔ اس آیت کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ ہمنے شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست بنایا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ کام ہرگز نہیں ہے کہ وہ شیطانوں کیساتھ لوگوں کی دوستی گانٹھتا رہے۔ بلکہ وہ ایسے لوگ، جو نوعِ انسانی کے حقوقِ ربوبیت پر ایمان نہیں لاتے، شیطانوں کو اُن کے ساتھ دوستی گانٹھے ہُوئے پاتا

ہے۔ یہاں فعل جعلنا میں خاصہ وجدان موجود ہے۔

● ۱۲ لا یؤمنون کا معنی لکھا گیا ہے جو لوگ پوری نوعِ انسانی کے حقِ مستقر و متاع پر ایمان نہیں لاتے یہ معنی یہاں اسلئے ٹھیک ہے کہ آیاتِ مجیدہ ۱/۲ سے ۲۷ تک مسلسل نوعِ انسانی کے حقِ مستقر و متاع کا عنوان جاری ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ اے نوعِ انسانی تمہارا حقِ رہائش بھی مسلم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی۔

آباؤ اجداد کا تواتر دلیل صداقت نہیں

● زمانۂ رسالتِ محمدی میں صدیوں سے انفرادی نظام قائم تھا۔ جس کی صداقت کی دلیل کے طور پر کہا جاتا تھا کہ ہمنے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقے پر پایا ہے۔ اس لئے ہم کس طرح یہ مان لیں کہ پوری نوعِ انسانی کے حقوق اللہ نے مساوی قرار دئیے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے:—

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ۱ قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا ۲

اور جب کام کرتے ہیں برا کہتے ہیں پایا ہمنے اوپر اسکے

آبَاءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ

باپوں اپنے کو اور اللہ نے حکم دیا ہمیں اسکا۔ کہہ بیشک اللہ نہیں حکم کرتا

بِالْفَحْشَاءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا

ساتھ برائی کے کیا تم کہتے ہو اوپر اللہ کے جو نہیں

تَعْلَمُوْنَ ○ ۲۸

تم جانتے

اور جب وہ (ذاتی مفاد پرستی کیلئے عوام کے حقِ ربوبیت میں) غصب ۱ کا ارتکاب کرتے ہیں تو (دلیل کے طور پر یہ) کہتے ہیں کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کو اسی روش پر پایا ۲ ہے۔ اور اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔ اے رسول! کہدیجئیگا کہ بیشک اللہ تعالیٰ الفحشاء کا (یعنی غصب حقوقِ ربوبیت کا) حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کیلئے وہ کچھ کہتے ہو جسے تم جانتے ہی نہیں (کہ اللہ تعالیٰ ایسے حکم ہرگز نہیں دیتا جو الفحشاء کے ممد و معاون ہوں)۔

الفحشا بمعنی غصب حقوقِ ربوبیت

● ۱ فعلوا فاحشة کا مصدری معنی لیا گیا ہے حقوقِ ربوبیت میں غصب کا ارتکاب کرنا۔ یعنی عوام کو انکے حقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دینا۔ عوام کا استحصال کرنا۔ لفظ فاحشہ کا سہ حرفی مادہ ف-ح-ش ہے جس کا بنیادی معنی ہے کسی بھی کام میں اسکے متعلق متعینہ حدود و قیود کو پھاند جانا۔ چونکہ جنسیات کی حدود و قیود یہ ہیں کہ مرد اور عورت کے ورثاء کی موجودگی میں فریقین قیدِ نکاح میں آجائیں۔ اسلئے اگر کوئی مرد عورت ان حدود کو پھاند کر جنسی تعلق قائم کریں تو انکی اس حدود شکنی کو بھی فاحشہ کہا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر عربی ادب میں صرف بدکاری ہی کو فاحشہ یا الفحشاء نہیں کہا جاتا، بلکہ کسی بھی دائرہ کی حدود شکنی کو اسی مادہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً باہمی گفتگو کی حدود و قیود میں ایکدوسرے کا ادب و احترام قائم رکھنا۔ لیکن جب ان حدود کو پھاند کر گفتگو کی جائے تو اس حدود شکن گفتگو کو فحش کلامی کہا جاتا ہے۔

● قرآنِ کریم میں لفظ فحشاء کے معنے تقابلِ ضدین کے ذریعہ ١٦/٩٠ میں اُجاگر کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً عدل کی ضد ہے ناانصافی، جسے ١٦/٩٠ میں الفحشآء کہا گیا ہے :۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ ...... وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ ١٦/٩٠ بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا ...... اور منع کرتا ہے الفحشآء یعنی بے انصافی سے :۔ پس اس قرآنی توضیح کے مطابق ١٦/٩٠ میں فحشاء کا معنیٰ ہے ناانصافی، خواہ وہ معاشرے کے کسی بھی گوشے میں کی جائے۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے عین عدل و انصاف کی حدود و قیود کے مطابق مذکورہ عنوانِ ربوبیت کے متعلق اعلان فرمایا ہے :۔ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ کہ اے نوعِ انسانی تم سب کیلئے زمین میں بلا کرایہ حقِ رہائش بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلّم ہے۔ پس اظہر من الشمس ہے کہ ان انفرادی حدود و خداوندی کو پھاند کر کسی بھی طبقہ کے حقوقِ ربوبیت غصب کئے جائیں تو اس غصب و نہب کو بھی فاحشہ ہی کہا جاتا ہے، جیسے کہ عربی اَدب میں فحشاء کا معنیٰ بُخل یعنی دُوسرے کا حق مارنا بھی ہے، جیسے کہ بخیل آدمی کو عربوں کے ہاں فاحش کہا جاتا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں لفظ فاحشۃ کی ضد قسط یعنی انصاف لایا گیا ہے قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ٧/٢٩ کہہ دیجئیگا اَے رسُولؐ کہ اللہ تعالیٰ نے (فاحشۃ کا حکم نہیں دیا بلکہ انصاف کا حکم دیا ہے کہ پوری نوعِ انسانی کو اُس کے پیدائشی حق کے مطابق رہنے کیلئے بِلا کرایہ مکان بھی ملنا چاہیئے اور ضروریاتِ زندگی بھی آخری دَم تک ہر کسی کو میسّر آتی رہنی چاہئیں۔

● پس مذکورہ بالا قرآنی لُغت، تقابلِ ضدین، سیاق و سباقِ کلام، عام لُغتِ عرب اور انسانی پیدائشی حقُوق کے دلائلِ قاطعہ کے مطابق ثابت ہُوا کہ لفظ فاحشۃ کے متعدد معنوں میں سے ایک معنیٰ حقوقِ ربُوبیّت میں ارتکابِ غَصب بھی ہے۔

● ٢ وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کی قدیمی روش ہی یہ ہے کہ اربابِ اقتدار اپنے اپنے دائرۂ اقتدار میں خواہ کسی کا دائرہ وسیع ہو یا مختصر، اُسکے مطابق اپنے ماتحتوں اور زیردستوں کے حقُوقِ ربُوبیّت غصب بھی کرتے ہیں اور اس عمل میں اپنے سچے ہونے کی یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ آئت بالا ٧/٢٨ میں زمانۂ رسالتِ محمدی کے منکرینِ ربُوبیّت کے متعلق یہ خبر دیگئی ہے کہ وہ کہتے تھے اَمَرَنَا بِھَا ہمیں اللہ تعالیٰ ہی نے ایسا کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ آج بھی عوام میں ایسا ہی عقیدہ چل رہا ہے۔ مگر اسکی تردید اگلی آئت مجیدہ میں بالفاظِ ذیل کردیگئی ہے :۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۥ

کہہ حکم دیا رب میرے نے ساتھ انصاف کے اور سیدھے کرو چہرے اپنے پاس ہر نماز کے اور دعا کرو اُس سے خالص کرنیوالے واسطے اسکے دین کو

کہہ دیجئیگا (اَے رسُولؐ!) میرے رب نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور سیدھا کرو اپنے چہرے (قبلہ رُخ) ہر صلوٰۃ کے وقت پر اور (صلوٰۃ میں) اُسکے حضور میں دعا کیا کرو، خالص کرنے والے ہوکر اُسکے دین کو واسطے اُسکے۔ (یاد رکھو کہ) جس طرح تمہیں پہلی

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ ۲۹ ‖ مرتبہ (زمین سے) پیدا کیا تھا اُسی طرح تم (دوبارہ) لوٹا لئے جاؤ گے (اعمال کی جوابدہی کیلئے دوبارہ پیدا کر لئے جاؤ گے)[۶]

جیسے تمہاری ابتدا کی لوٹائے جاؤ گے

● ۱ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ کی وضاحت اُوپر کر دی گئی ہے کہ :-
سیاقِ کلام کے مطابق ربوبیت عامہ کا عادلانہ حکم دیا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کا ہر فرد رہائش اور ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے متوازن اور مساوی حقوق کا حقدار ہے۔

● ۲ مسجد کا لفظ یہاں ظرفِ زمان بمعنی سجدہ (صلوٰۃ) کا وقت۔ نیز چونکہ صلوٰۃِ موقّت کی غرض اجتماعی نظامِ ربوبیت کا قیام ہے اسلئے اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ کے الفاظ میں ہر صلوٰۃ (نماز) کے وقت اجتماعیت کو قائم رکھنے کیلئے منہ سیدھا قبلہ رُخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ $\frac{۲}{۱۲۵}$ میں ارشاد ہوا ہے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ اور مقامِ ابراہیم کو جائے صلوٰۃ بناؤ۔ یعنی اِسے صلوٰۃِ موقّت کیلئے سمت ٹھہراؤ۔

● ۳ تا ۵ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے دین کو صرف اُسکے لئے خالص رکھتے ہوئے ہر صلوٰۃ کے وقت پر اُسکے حضور میں دعا کیا کرو۔ اللہ کے دین میں اُسکا کوئی نبی رسول بھی شریک نہیں۔ اُسکے نبی رسول اُسکا پیغام لوگوں کو پہنچاتے تھے۔ اُسکے حکم میں شریک ہرگز نہیں تھے۔ وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ○ $\frac{۱۸}{۲۶}$ اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔

● آیتِ بالا کے الفاظ وَادْعُوْهُ کو جب فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ $\frac{۷۳}{۲۰}$ کیساتھ ملایا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃِ موقّت (نماز) میں عام یعنی حیض نفاس، نکاح طلاق، لین دین اور تقسیم وراثت سے متعلقہ آیات مجیدہ کی تلاوت کی اجازت نہیں۔ اور نہ سابقہ اقوام کے اچھے بُرے لوگوں کے قصے اللہ تعالیٰ کو سنانے کی اجازت ہے۔ بلکہ صلوٰۃ (نماز) اللہ کے حضور میں مقامِ دُعا ہے۔ پس اللہ کے حضور صرف دعائیں کی جائینگی اور ہونگی صرف قرآنی۔ غیر قرآن پڑھنا $\frac{۴۳}{۴}$ کی رُو سے بھی منع ہے اور $\frac{۲۹}{۴۵}$ کی رُو سے بھی اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ پڑھو کتاب میں سے جو تیری طرف وحی کیگئی ہے اور صلوٰۃ (نماز) قائم رکھو۔

● واضح رہے کہ قیامِ ربوبیت کے ضمن میں صلوٰۃِ موقّت کا مسئلہ اسلئے لایا گیا ہے کہ صلوٰۃ اور ربوبیت عامہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے

صلوٰۃ اور ربوبیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے

صلوٰۃِ موقّت کیلئے مسجد میں جمع ہونے کی غرض ہی یہ ہے کہ ایک اجتماعی نظام کیا جائے اور جو افراد محرومِ ربوبیت ہوں انہیں اُن کا حقِ ربوبیت مہیا کیا جائے۔ اگر حکومت کی طرف سے کوئی ایسا نظام قائم نہ کیا گیا ہو تو حاضرینِ مسجد فردِ محروم کو قدموں پر کھڑا کر دیں۔ ایسا نہ کیا جائے تو غرضِ صلوٰۃ پوری نہیں ہوتی۔

● ۶ تا ۷ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کی بعثت کو غلط

نہ تصور کرو۔ جس طرح نہیں اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا ۲۰/۵۵ اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کریگا۔ اگر قیامت کی کامیابی کے طلبگار ہو تو پوری نوعِ انسانی کے حقوقِ ربوبیت پر ایمان لاؤ اور پھر ایسے نظام کے قیام کیلئے معروفِ عمل ہو جاؤ۔ جس میں کوئی فردِ بشر حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ پایا جائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں دو گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک ہدائت یافتہ اور دوسرا گمراہ۔ سیاقِ کلام کے مطابق ہدائت یافتہ گروہ وہ ہے جو ربوبیتِ عالمین پر ایمان رکھتا ہے اور گمراہ وہ ہے جو اُسکا منکر ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے :-

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۗ
ایک گروہ نے ہدائت پائی اور ایک گروہ لازم ہوئی اوپر اُنکے گمراہی

إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ
بیشک اُنہوں نے پکڑا شیطانوں کو کارساز سے ساتھ

اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ۝ ۳۰
اللہ کے اور وہ گمان کرتے ہیں بیشک ہیں وہ ہدائت یافتہ

(جو لوگ نظامِ ربوبیت پر ایمان لائے اور اُس پر عمل کیا اُس) ایک گروہ نے ہدائت پائی[۱] اور (جنہوں نے اسکا انکار کیا اُس) ایک گروہ پر گمراہی لازم ہو گئی[۲] کیونکہ اُنہوں نے اللہ کیساتھ گمراہ کرنیوالوں[۳] کو اپنے مددگار[۵] ٹھہرالیا۔ اور وہ (گمراہ) یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدائت یافتہ ہیں[۶]

● ۱-۲ جو لوگ خدا تعالیٰ کے نازل کردہ متوازن نظامِ معیشت پر ایمان لائیں اور اسکے نفاذ کی کوشش کریں انہیں ہدائت یافتہ گروہ قرار دیا گیا ہے۔ اور جن لوگوں نے اِس نظام کا انکار کیا اور اسکے نفاذ کی مخالفت کی اُس گروہ پر گمراہی لازم قرار دے دی گئی ہے۔ بالفاظِ دیگر اس آئتِ قرآنیہ اور اس کے سیاق و سباق کے مطابق متوازن نظامِ معیشت ہدائت ہے اور اسکا انکار گمراہی ہے۔

● ۳ مِن دُونِ اللّٰهِ کا معنیٰ اللہ کے سوا بھی ہے اور اللہ کے ساتھ بھی ہے۔ جیسے کہ پیچھے وضاحت کر دیگئی ہے کہ ۵/۱۱۶ میں آیا ہے (ترجمہ) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ عیسیٰؑ ابن مریمؑ سے قیامت کو پوچھیگا، کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو مِن دونِ اللّٰہ، اللہ کیساتھ ملا کر دو الٰہ بنا لو۔

● ۵ آئتِ بالا میں شیاطین کی وضاحت اِن لفظوں میں موجود ہے کہ نظامِ ربوبیت کے باغیوں کو لوگوں نے اپنے کارساز ٹھہرالیا ہوا ہے۔ اُن سے مدد مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ وہی خلوت نشین ہیں جنہیں ۲/۱۴ میں شیطان کہا گیا ہے وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ ـــــ جو لوگ معاشرہ کی خدمت سے مُنہ موڑ کر اور خدا تعالیٰ کے عطا کردہ ہاتھ پاؤں توڑ کر خلوتوں میں جا بیٹھتے اور لوگوں کو مُرادیں دینے کے دعویدار بن کر عوام کی جیبوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں انہیں شیطان کہا گیا ہے۔

● واضح رہے کہ استعانت کے ضمن میں خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے قاری سے اسکے پہلے ہی سبق میں إِيَّاكَ

نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا اقرار لے لیا ہے کہ ہم صرف تیری فرمانبرداری کرینگے اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگینگے۔ اور جن بزرگوں سے لوگ مرادیں مانگتے ہیں انکے متعلق ۲۲/۷۳ میں اعلان کر دیا ہے :-

● يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ" - اَے نوعِ انسانی ایک حقیقت بیان کی جاتی ہے' (کان کھول کر) سُن لو۔ تم جن جن کو اللہ کے ساتھ ملا کر پکارتے ہو (جن جن سے مدد مرادیں مانگتے ہو) وہ سب کے سب مل کر بھی ایک مکھی تک نہیں پیدا کر سکتے، بلکہ مکھی اگر اُن سے کچھ چھین کر لے جائے' تو اُس سے واپس نہیں لے سکتے اَب ظاہر ہے کہ مکھی تو انبیاء کرام بھی پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ انبیاء کرامؑ سے بھی غائبانہ مدد مرادیں مانگنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۱/۴ کے وعدے کے مطابق' اسلام میں مدد مُرادیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنے کی اجازت ہے۔ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا' خدا تعالیٰ کیساتھ کئے گئے وعدہ کی وعدہ خلافی' اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اسکے اختیاراتِ مخصوصہ میں غیر اللہ کو شریک کرنے کا کھلا ارتکابِ شرک ہے العیاذ باللہ!

● ؁ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ کے الفاظ میں اِس مشاہداتی حقیقت کا بھی اعلان کر دیا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنے والے اپنے آپکو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔ کاش کہ ہم دعویدارانِ ہدایت اپنا جائزہ لیکر خود فیصلہ کریں کہ کیا ہم يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ کے مصداق تو نہیں ہیں؟

ترکِ زینت اور ترکِ غذا کا عقیدہ مطلقاً غیر قرآنی ہے

● جن غیر اللہ بزرگوں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں' اُنکا مشہور و معروف مسلک یہ ہے کہ وہ ایک لنگوٹی کے سوا ترکِ لباس' اور چلّہ کشی کی صورت میں نمائشی ترکِ غذا کو نام نہاد تقرب الی اللہ کا ذریعہ ٹھہراتے ہیں' اور وجودِ عاشقاں کلّی نماز است کے الفاظ میں لنگوٹی اور عُریانی کو نماز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اگلی آیات مجیدہ کی رُو سے ترکِ لباس و غذا حرام مطلق ہے :-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ
اَے بنی آدم پکڑو زینت اپنی نزدیک ہر

مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ
نماز کے اور کھاؤ اور پیو اور نہ ضائع کرو۔ بیشک وہ

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۳۱
نہیں پسند کرتا ضائع کرنے والوں کو

اَے نوعِ آدم! ہر صلوٰۃِ موقّت (نماز) کے ہر وقت پر اپنی زینت لئے رہو (ترکِ زینت نہ کرنا لباس نہ اُتارنا) اور کھاؤ پیو (ترکِ غذا نہ کرنا) لیکن (اللہ کے رزق کو) ضائع نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ (اللہ تعالیٰ) ضائع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دیکھا آپنے کہ:۔ ● ترکِ لباس اور ترکِ خوراک کو تقرب الی اللہ کا نام نہاد ذریعہ قرار دینے کی کس طرح تردید کر دی گئی ہے۔ نیز نماز اور زینت کو لازم ملزوم قرار دیا گیا ہے۔ تو اب بتائیے کہ کیا تقرب الی اللہ کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یعنی لباس پہننے میں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھانے پینے میں ہے یا اُسکی نافرمانی کرکے لنگوٹی پہننے اور چلّہ کشی کرکے کھانا پینا چھوڑ دینے میں ہے؟ ترکِ لباس اور ترکِ نعماءِ خداوندی، مطلقاً حرام ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اسکے خلاف انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا گیا ہے:۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ
کہ کون ہے جو حرام کرے زینت اللہ کی جسے پیدا کیا اس نے

لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ
واسطے بندوں اپنے اور پاکیزہ میں سے رزق کے۔ کہہ وہ ہے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً
واسطے ان کے جو ایمان لائیں بیچ حیاتی دنیا کی خاص طور پر

يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
دن قیامت کے اسی طرح ہم کھول کھول کر بیان کرتے ہیں آیتیں واسطے اس قوم کے

يَّعْلَمُوْنَ ۝ ۳۲
کہ وہ جانتے ہیں

(اے رسول!) کہہ دیجئیگا! کون ہے جو اللہ کی اُس زینت (لباس) اور اسکے پاکیزہ رزق کو حرام قرار دیدے جسے اُس نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے۔ (زینت اور پاکیزہ رزق دنیا میں بھی مومنوں کیلئے ہے اور قیامت کے دن خالصتاً صرف انہی کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے لئے اپنی آیتوں کو اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتا ہے یعنی اُس قوم کے لئے جو جانتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کی تشریح خود کرتا ہے، خود ہی انہیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے)۔

● ۲ اللہ تعالیٰ نے زینت اور پاکیزہ رزق کو اپنے تمام تر بندوں کا حق بتایا ہے۔ اور انہیں حرام کرنے کے عمل کو انتہائی غصے اور ناراضگی کا موجب قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ کون ہے جو انہیں حرام کرے؟

● ۳ اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کردہ زینت (لباس) اور پاکیزہ رزق کو دنیا کی زندگی میں اپنے تمام بندوں کافر مومن وغیرہ سب کا حق قرار دیا ہے، مگر قیامت کے دار الجزاء میں انہیں خالصتاً مومنوں ہی کا حق بتایا ہے۔ یعنی اُن لوگوں کو ان سے محروم ٹھہرا دیا ہے جو دنیا میں نظامِ رُبوبیت کے منکر ہیں۔

● ۵ اِس آیت مجیدہ کا آخری جملہ انتہائی غور طلب ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جاننے والوں کیلئے اپنی آئتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور کھول کھول کر یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام زینتیں اُس کے تمام بندوں کا حق ہیں۔ اِس طرح مومنوں کا دنیا میں بھی ان پر حق ہے اور قیامت کے دن تو یہ کافروں سے علیحدہ

خالصۃً مومنوں ہی کا حق ہیں - اسکے برعکس اہلِ تصوف ہیں کہ پہلے تو چلّہ کشی کے ایام میں اپنے آپ پر لباس اور رزق دونوں کو حرام کر لیتے ہیں - اور پھر جب چند یوم کے فریبِ نفس کے بعد بزعمِ خویش مقرّب الی اللہ کے دعویدار بن کر تعویذ گنڈے کی دکان سجاتے ہیں تو تعویذ دیتے وقت کسی کے لئے بڑا گوشت اور کسی کے لئے ماش یا مسور کی دال اور کسی کے لئے بھنڈی، بینگن اور امرود وغیرہ کو یہ کہہ کر حرام کر دیتے ہیں کہ ورنہ تعویذ اثر نہیں کرے گا - اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی لوگ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ کے مصداق نہیں ہیں ؟

ایک لمحۂ فکریہ • اہلِ بصیرت کے لئے پیچھے ۲۶ میں ارشاد ہوا ہے - يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا - اے بنی آدم بیشک ہمنے تم پر لباس پہننے کا حکم نازل کیا ہے تاکہ وہ تمہارے ننگ پن کو بھی ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو - ان قرآنی الفاظ کے مطابق جو شخص لباس نہیں پہنتا ننگا رہتا ہے وہ تو زمرہ بنی آدم ہی سے خارج ہو جاتا ہے - مگر ہم ہیں کہ اُسے اللہ کا ولی اور پہنچا ہوا فرد قرار دیتے ہیں - اور آئت بالا ۳۲ میں انہی لوگوں کے متعلق چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ زینتوں اور اُسکے پیدا کردہ رزق کو حرام کرے، جو اُس نے دنیا میں مومن کافر اپنے سب بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور قیامت کو خالصۃً مومنوں کا حق ہو گا - اب انہی چیزوں کو حرام کر کے اللہ تعالیٰ کے چیلنج کو چیلنج کرنیوالوں پر غور کرنا ہر صاحبِ عقل بصیرت کا اوّلین فرض ہے - فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ -

اللہ تعالیٰ نے کیا حرام کیا ہے • اہلِ تصوف کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں کو حرام ٹھہرانے پر پُرغضب تنبیہ کے بعد اگلی آئت مجیدہ میں آنحضور کی زبانِ فیض ترجمان سے اُن عقائد و اعمال سے آگاہ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیئے ہیں - اہلِ عقل و دانش بغور ملاحظہ فرمائیں :-

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ

کہہ بیشک حرام کیا رب میرے نے غصب ربوبیت جو ظاہر ہوا

مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ

سے اسکے اور جو پوشیدہ ہوا اور کمزوری اور بغاوت بغیر حق کے

وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ

اور یہ کہ تم شرک کرو ساتھ اللہ کے جس کی نازل کی ساتھ اسکے کوئی دلیل اور

(اے رسولؐ !) کہہ دیجئیگا کہ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ (مذکورہ بالا گوشۂ معیشت میں) میرے رب نے ہر قسم کا استحصال[۱] حرام کر دیا ہے، خواہ وہ ظاہراً کیا جائے یا چھپ چھپا کر کیا جائے - نیز ہر قسم کی کمزوری[۲] بھی حرام ہے اور ناحق بغاوت[۳] بھی - اور یہ بھی حرام ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کیساتھ اسکی ذات و صفات یا حکم میں کسی کو شریک کرو

اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۳

یہ کہ تم کہو اوپر اللہ کے جو نہیں تم جانتے

جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اور یہ بھی حرام ہے کہ تم اللہ کے ذمے لگا کر وہ بات کہو کہ جسے تم جانتے نہیں ؛

● ۱ الفواحش کا معنیٰ لکھا گیا ہے استحصال ؛۔
اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ف ۔ ح ۔ ش، جس کی مکمل بحث پیچھے صفحہ ۲۴۲ پر آیت نمبر ۲/۲۶۸ کی تفسیر میں یعنی سُرخی اَلْفَحْشَآءِ بمعنیٰ غصبِ ربُوبیّت کے تحت گزر چکی ہے۔

● ۲ اَلْاِثْم کا معنیٰ لکھا گیا ہے کمزوری۔ اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ا ۔ ث ۔ م جس کا مصدری معنیٰ ہے کمزور ہو جانا۔ مضمحل ہو کر ساتھیوں سے پیچھے رہ جانا۔ دیر ہو جانا وغیرہ۔ قرآن کریم نے ۲/۲۱۹ میں خمر اور میسر کو اِثْمٌ کَبِیْرٌ کہا ہے، انسانی کریکٹر کی بہت بڑی کمزوری۔

● خمر کہتے ہیں ہر نشہ آور چیز کو۔ چونکہ ان چیزوں کے استعمال سے انسانی قوای میں اضمحلال اور کمزوری پیدا ہوتی ہے اسلئے خمر کو اثم کبیر کہا گیا ہے۔ اثم کا معنیٰ گناہ بھی ہے اسلئے خمر گناہ کبیرہ بھی ہے۔

● مَیسِر کا لفظ مادہ ی ۔ س ۔ ر سے ہے، اسکا معنیٰ ہے آسانی۔ اس طرح میسر ہر اُس مال کو کہتے ہیں جو بلا محنت ہاتھ لگتا ہو۔ مثلاً نذریں، نیازیں، جاگیروں کی آمدنی، مکانوں اور دکانوں کے کرائے، سُود، اور جوئے کا روپیہ جو بلا مشقت میسر آتا ہے، سب میسر میں داخل ہے۔ اب اِس قسم کی دولت سے جس طرح قوائے انسانی میں اضمحلال اور کمزوری پیدا ہوتی ہے اور ایسا شخص جس طرح بھنگل انگار اور ناکارہ ہو جاتا ہے، محتاجِ بیان نہیں۔ قرآن کریم نے خمر اور میسر کے نقصان کو انکے نفع سے زیادہ کہا ہے وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۲/۲۱۹ اور خمر میسر سے جو کمزوری پیدا ہوتی ہے وہ انکے نفع سے بڑی ہے۔ خمر کے ذریعہ چند گھنٹوں کیلئے بے خودی سی پیدا ہوتی ہے لیکن اسکا نقصان اتنا بڑا ہے کہ اسکے عادی کے اعضاء کمزور ہوتے ہوتے بالکل ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہی حال میسر کا ہے کہ بلا محنت مال کا حصول بھنگل انگار بناتا اور اعضاء کو مضمحل کر کے محنت مشقت کے بالکل ناقابل بنا دیتا ہے۔

● ۳ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ کے الفاظ میں ناحق بغاوت کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ان سے یہ امر کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ بغاوت بالحق حرام نہیں کیگئی۔ اسکا مفہوم روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس فرد یا قوم کے حقوقِ ربُوبیّت غصب کئے گئے ہوں، یعنی جس کا استحصال کیا جا رہا ہو اُسے احتجاج کا حق حاصل ہے، مگر یہ حق کمزوری کیساتھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلئے اثم یعنی کمزوری سے بچنا لازم ہے تاکہ اپنے حقوق کیلئے احتجاج کیا جا سکے۔ یہ طاقت عوامی اتفاق و اتحاد کی ہے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کے حقوقِ ربُوبیّت کیلئے حضرتِ موسیٰ نے قوم بنی اسرائیل کے نوجوانوں کو اکٹھا کر کے عوامی اتحاد کی طاقت مہیا فرمائی تھی۔ ایسی متحد و متفق جماعت کی یقیناً اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مددِ خاص ہی سے بنی اسرائیل کامیاب ہو گئے اور فرعون کو مع لاؤ لشکر غرق کر دیا گیا۔ بنی اسرائیل اور

حضرت موسیٰ کا یہ احتجاج فرعون کے خلاف اسکے عمل غصبِ حقوقِ ربوبیت کی بدولت تھا۔ لیکن یاد رہے کہ اگر متوازن حقوقِ ربوبیت میسّر ہوں تو آئتِ بالا کے مطابق حکومت کی بغاوت اور احتجاج کرنا مطلقاً حرام ہے۔

● ۴ے شرک کے متعلق کہا گیا ہے مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا - ان الفاظ کا تعلق ۲/۳ کیساتھ ہے جس میں بتا یا گیا ہے کہ گمراہ لوگ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگتے ہیں۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب لاریب کے شروع میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۱/۴ کا وعدہ لے لیا ہے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی فرمانبرداری کرینگے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے رہینگے۔ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا شرک ہے جس کے متعلق مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا کے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ جو لوگ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنے کا جواز اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتے ہیں۔ وہ بگوش ہوش سن لیں کہ اس کے جواز کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ یہ لوگ غلط کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے بزرگوں کو اپنے اختیارات سے حصہ دے رکھا ہے۔ گویا کہ اُس نے انہیں خود اپنے شریک بنایا ہُوا ہے۔

● ۵ے وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ میں یہ چیز بھی حرام کردی گئی ہے کہ ایسے احکام و نظریات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے چلے جائیں جو نہ علم و عقل کی میزان پر پورے اُترتے ہوں اور نہ وہ ذاتِ باری کے شایانِ شان ہوں۔ یہاں علم کی فضیلت اور اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ ۱۷/۳۶ میں ارشاد ہُوا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ اور اُس چیز کے پیچھے نہ لگ جانا جس کا تجھے علم نہ ہو۔ بیشک علم کے جو ذرائع تجھے عطا کئے گئے ہیں) کان، آنکھ اور دماغ، ان سب کے متعلق (قیامت کو) سوال کیا جائے گا۔ کہ کسی عقیدے کو قبول کرتے ہُوئے اِن علم کے ذرائع سے کام کیوں نہیں لیا تھا)۔ پس اس آئت میں اس مفروضے کو غلط قرار دیدیا گیا کہ اسلام میں عقل کو دخل نہیں۔ عقل سے بیگانہ قوموں کو قرآنِ کریم نے تو مُردہ بتایا ہے چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ اور واسطے ہر امت میعاد ہے پھر جب آئے میعاد اُنکی لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ نہ وہ پیچھے رہتے ہیں ایک ساعت اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں	اور (حقیقت یہ ہے کہ) واسطے ہر اُمت کے (اُسکے اپنے اعمال کے مطابق) اسکی میعاد ہے۔ پھر جب اُس کی اپنی بدعملیوں کی بدولت اس کی میعاد آجاتی ہے (پوری ہوجاتی ہے) پھر نہ وہ ایک ساعت پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے ہی بڑھ سکتے ہیں۔

اقوامِ عالم کے عروج وزوال کے اٹل خداوندی قوانین

● اِس آئت مجیدہ میں اٹل قوانینِ خداوندی کی خبر دیگئی ہے۔ مروجہ تفاسیر میں اس آئت سے یہ تصور اخذ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوموں کے عروج وزوال کی مدت پہلے ہی متعین کررکھی ہے، چنانچہ خدا تعالیٰ کے پہلے روز کے لکھے کے مطابق قوموں

کا عروج و زوال رو بعمل آتا چلا جا رہا ہے۔ یہ نظریہ حقیقت کے مطلقاً برعکس ہے جس سے یہ بزدلانہ عقیدہ جنم لیتا ہے کہ جب ہماری قومی زندگی کی میعاد خدا تعالیٰ نے خود مقرر کر رکھی ہے جس سے ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہو سکتا تو پھر ہمیں قومی وقار کو قائم رکھنے کیلئے جانکاہ مشقتیں اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اور اسی چیز کا نتیجہ ہے کہ کرۂ ارض پر قومی زندگی کے لحاظ سے مسلمان قوم سب قوموں سے پس ماندہ ہو کر رہ گئی ہے۔

● قوموں کے عروج و زوال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے بلا تمیز کافر و مومن جملہ اقوام عالم کے متعلق اعلان کر رکھا ہے:- إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۱۳/۱۱ بیشک کسی بھی قوم کے عروج و زوال کا کوئی بھی تغیر اللہ تعالیٰ اس وقت تک نہیں لاتا جب تک وہ خود اپنے اچھے یا برے اعمال کے ساتھ اپنے اندر اچھا یا برا تغیر خود پیدا نہیں کرتے۔

● اب اچھے یا برے اعمال کے متعلق بھی ملاحظہ فرمائیں کہ مروجہ تفاسیر نے کتنا عظیم دھوکا دے رکھا ہے۔ نیک اعمال کی فہرست میں صرف نماز روزہ وغیرہ شمار ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ اعمال اپنے مقام پر اچھے ہیں مگر یہ قومی عروج سے متعلقہ اعمال کا مقام نہیں لے سکتے۔ قومی عروج کے ضمن میں ارشادِ باری ہے:-

● كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ۲/۲۱۶ ایمان والو! تم پر لڑنا فرض کیا گیا ہے (اپنے آپکو فنونِ حرب سے آراستہ کر لو)۔

● وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸/۶۰ اور دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو۔ خصوصاً تمہارے ہاں ذرائع رسل و رسائل کی اتنی بہتات ہو کہ تم اس فوجی قوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دشمنوں کو ہمیشہ لرزہ براندام رکھو۔

● اِن ارشاداتِ خداوندی پر مشاہداتِ عالم گواہ ہیں کہ زندہ قوموں کی صف میں اُن لوگوں کا شمار ہوتا ہے جو با اُصول جنگجو اور جفاکش ہوں۔ نیز جن کے ہاں نت نئے و نِ جدید سے جدید جنگی ہتھیار تیار ہو رہے ہوں۔ یعنی جو اپنے آپکو وَأَعِدُّوا لَهُم .... مِّن قُوَّةٍ کی عملی تفسیر بنا دیں۔ لیکن یاد رہے کہ خدا تعالیٰ قومی عروج کو صرف اس دائرے میں محدود نہیں رکھتا کہ تمہارے دشمن لرزہ براندام رہیں۔ بلکہ وہ خارجہ دفاعی قوت کے ساتھ داخلہ امور سمیت ہر گوشے کی اصلاح کا حکم دیتا ہے۔ اگلی آیت میں اپنی آیتوں کی اتباع کے ذریعہ جملہ خطرات سے محفوظ رہنے کا حکم دیا گیا ہے:-

يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ
اے نوعِ آدم اگر جو آئیں تمہارے پاس رسول میں سے تمہارے

اے نوعِ آدم اگر جو آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے جو تم پہ میری آیتیں پڑھیں، تو جو کوئی (ہماری آیتوں کی

يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا
پڑھتیں اُوپر تمہارے آئتیں میری پھر جو بچیں اور اصلاح کریں تو نہیں

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۵
خوف اوپر اُن کے اور نہ وہ غمگین ہونگے

ہدائت کے مطابق خارجہ بچاؤ اور داخلہ اصلاح کریں اُن پر نہ مستقبل کا خوف ہوگا اور نہ وہ ماضی کے اعمال کیلئے غمگین ہوں گے۔

● ۱ لفظ اِمّا مرکب ہے اِنْ + مَا کا۔ اور اسکا ترجمہ ہے اگر جو۔ اِس آئت کا یہ مفہوم اخذ کرنا کہ اللہ کے نبی رسُولؐ آنحضورؐ کے بعد بھی آتے رہیں گے، مطلقاً غلط ہے کیونکہ ۳۳ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے مطابق آنحضورؐ کے بعد نبیوں کی آمد مطلقاً بند کردی گئی ہے یہ اسلئے کہ اُس نے نوعِ انسانی کی ہدائت کیلئے اپنی آخری کتاب قرآنِ کریم کی حفاظت خود اپنے ذمہ لے لی ہے۔ اَب نبی رسول کی قائم مقام اللہ کی کتاب ہے۔ چونکہ آنحضور کے بعد رُسل انبیاء کی آمد ختم کردی گئی ہے اسلئے اِمّا = اِنْ + مَا لاکر کہا گیا ہے کہ اگر جو آنحضور سے پہلے ہمارے رسُول آئیں اور آپ کے بعد نہ آئیں تو دونوں وقفوں میں ہدائت کا ذریعہ اللہ کی آئتیں ہی ہیں نبی رسُولؐ اپنی زندگی میں بھی صرف اللہ کی آئتیں ہی پڑھ کر راہِ ہدائت دکھاتے تھے اور اُنکے بعد بھی راہ ہدائت کی قندیل اللہ کی آئتیں ہیں۔

● ۲تا۴ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ کے الفاظ میں خارجی بچاؤ (مضبوط دفاع) اور داخلی اصلاح کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان دو متوازن اعمال کا نتیجہ بتایا گیا ہے فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ خوف ہوتا ہے مستقبل کا اور حُزن ہوتا ہے ماضی کی سُستی کا۔ اِن سے نجات اسکے سوا ممکن نہیں کہ سرحدیں مضبُوط ہوں، یعنی خارجی حملے کے بچاؤ کا پورا پورا انتظام کیا گیا ہو، اور داخلی طور پر ہرفرد معاشرہ کو ضروریاتِ زندگی سے مطمئن کردیا گیا ہو۔ یعنی نہ خارجہ حملے کا خطرہ باقی رہے اور نہ داخلی بغاوتوں کا —— آئت بالا میں اتباعِ آیات کا نتیجہ بتاکر اگلی آئت میں مکذّبینِ آیات کی خبر دیگئی ہے:-

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا
اور جنھوں نے جھٹلایا کو آئتیں ہماری اور تکبر کیا

عَنْهَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۳۶
سے اُنکے وہ ہیں والے آگ کے۔ وہ اسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں

اور جو لوگ ہماری آئتوں کو جھٹلائیں اور اُن سے تکبر کریں (یعنی نہ خارجی بچاؤ کا انتظام کریں اور نہ داخلی اصلاح کا) اُن کے لئے خوف وحُزن کی آگ میں جلنا ہے۱ اُس میں ہمیشہ رہینگے۔

● ۱ چونکہ سابقہ آئت مجیدہ میں :-
آیاتِ ربانی کی اتباع کا نتیجہ خوف وحُزن سے نجات بتایا گیا ہے۔ اسلئے آیاتِ خداوندی کے انکار اور تکبر کا نتیجہ یقیناً اسکی ضد ہے خوف وحُزن کی آگ میں جلنا۔ دفاع مضبوط نہ ہو تو دشمن کے حملے کا خوف ہر آن موجود رہتا ہے اور

شکست کے بعد ماضی کا غم لازم ہو جاتا ہے کہ اگر دفاع میں کمی نہ کرتے تو آج یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اگلی آئت میں خدا تعالیٰ پر اس امر کا افترا باندھنے کو ظلم عظیم بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و شکست پہلے ہی مقرر کر رکھی ہے :۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى[1] عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
پھر کون ہے بڑھ کر ظالم جو افترا کرے اوپر اللہ کے جھوٹا

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ
یا جھٹلائے آئتوں اسکی۔ وہ لوگ کہ پہنچتا ہے انکو حصّہ ان کا

مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ
میں سے کتاب کے حتیٰ کہ جب آتے ہیں پاس انکے بھیجے ہوئے ہمارے پورا دیتے ہیں

قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
کہتے ہیں کہاں ہیں وہ جو تم تھے پکارتے سے ساتھ اللہ کے

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ
کہتے ہیں گم ہو گئے سے ہمارے اور گواہ ہوئے اوپر جانوں اپنی بیشک وہ

كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ ۳۷
تھے انکار کرنیوالے

پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کے ذمہ جھوٹ باندھے[1] یا اسکی آئتوں کو جھٹلائے۔ ایسے لوگ وہ ہیں کہ انہیں (انکے بُرے عملوں کی سزا کا وہ) حصّہ پہنچتا ہے جو ہماری کتاب میں درج ہے۔ یہانتک کہ جب اُنکے پاس ہمارے بھیجے ہوئے آتے ہیں تو (سزا دینے والے فاتح) انہیں پُورا بدلہ دیتے ہیں۔ (یعنی انہیں پوری پوری سزا دیتے ہیں)۔ وُہ (بزبانِ حال) کہتے ہیں کہ کہاں ہیں آج وُہ جنہیں تم اللہ کیساتھ پکارتے تھے۔ (اُنہوں نے آج تمہاری مدد کیوں نہیں کی) انکا حالی جواب یہ ہوتا ہے وُہ ہم سے گم ہو گئے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے آپ پر خود گواہ ہوتے ہیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی آئتوں کے) منکر تھے۔

● [1]-۲-۳ سیاقِ کلام کے مطابق آئت نمبر ۳۵ میں بتایا گیا ہے کہ آیاتِ خداوندی پر عمل کرنیوالے خارجی بچاؤ اور داخلی اصلاح مکمل کر کے مستقبل کے خوف اور ماضی کے حُزن و غم سے نجات پا جاتے ہیں۔ اسلئے آئت بالا میں مذکور اللہ تعالیٰ پر افترا سے مُراد یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ چیز لگاتے ہیں کہ وہ جسے چاہتا ہے فتح دیتا ہے جسے چاہتا ہے شکست دیتا ہے ٭ اور آیاتِ خداوندی کی تکذیب یہ ہے کہ نہ وہ خارجی بچاؤ کا انتظام کرتے ہیں اور نہ داخلی اصلاح کا۔ واضح رہے کہ خارجیہ کمزوری اور داخلی بغاوتیں ہی قوموں کی شکست کے دو بڑے اسباب ہیں۔ اسی طرح قانونِ خداوندی کے منکروں کو حملہ آور اقوام کے ذریعہ جو عذاب پہنچتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے کہ صحابہؓ کرام کو $\frac{9}{14}$ میں ارشاد ہوا ہے :۔ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ۔ تم دشمنوں کیساتھ جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے انہیں عذاب کریگا۔ (یعنی انہیں عذاب کا حصّہ (نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ) تمہارے ہاتھوں پہنچائے گا۔ اسی طرح آئتِ بالا میں فاتح حملہ آوروں کو رُسُلَنَا کہا گیا ہے "ہمارے بھیجے ہوئے" جن کے ہاتھوں اللہ سزا دیتا ہے

* تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ سے اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت مراد ہے۔ تفصیل کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کا صفحہ ۲۲ ملاحظہ فرمائیں۔

قیامت کا عذاب

• یہ تو ہوئی دُنیا کی ناکامی یعنی عذابِ شکست۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن منکرینِ آیات کو دُنیوی عذاب ہو چکا، کیا انہیں اُخروی عذاب نہیں ہوگا؟ اِس کا جواب یہ دیا گیا ہے :-

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
کہیگا داخل ہو جاؤ ساتھ جماعتوں کے بیشک گزر چکیں سے
قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ[2] وَالْإِنْسِ[3] فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ
پہلے تمہارے میں سے استحصال کرنیوالے اور استحصال ہونیوالے بیچ آگ۔ جب داخل ہوگی
أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا
جماعت لعنت کریگی بہن اسکی یہانتک کہ جب آجائیں گے بیچ اسکے سب
قَالَتْ أُخْرَاهُمْ[4] لِأُولَاهُمْ[5] رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا
کہیگی دوسری جماعت واسطے پہلی اپنی کے رب ہمارے یہ ہیں گمراہ کیا ہم کو
فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ
پس دے اِن کو عذاب دُگنا میں سے آگ کے کہیگا واسطے سب کے دُگنا
وَلَٰكِنْ لَا تَعْلَمُونَ[6] ۝ ۳۸
اور لیکن نہیں تم جانتے

(قیامت کو اللہ تعالیٰ اُن سے) کہیگا[1] اِن جماعتوں کے ساتھ تم آگ میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے استحصال کرنے والوں[2] اور استحصال ہونے والوں[3] کی گزر چکی ہیں۔ جب ایک جماعت اُخروی آگ کے عذاب میں داخل ہو گی تو اُسکی بہن (دوسری جماعت) اُس پر لعنت کریگی یہانتک کہ جب (اپنے جرائم کی سزا کے طور پر) سب اُس میں داخل ہو جائینگے تو دُوسری جماعت[4] پہلی جماعت[5] کے متعلق یہ کہے گی کہ اے رَب ہمارے! یہ ہیں وُہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ پس تُو انہیں آگ کا دُگنا عذاب دے۔ کہے گا (اللہ تعالیٰ کہ) سب کیلئے دُگنا عذاب ہے۔ اور لیکن حال یہ ہے کہ تم لوگ حقیقت کو نہیں جانتے ہو[6]

• ملہ قَالَ ماضی ہے مگر چونکہ قیامت کے متعلق آیا ہے اسلئے یہ اُسی طرح مستقبل کا فائدہ دیتا ہے جس طرح ۲۵/۳۰ میں آیا ہے وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا۔ اور (قیامت کو) رسول (عربی) کہینگے کہ اَے میرے پروردگار! میری اِس قوم نے اِس قرآن مجید کو اِس طرح پکڑا تھا جیسے چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔

• ملہ-۳ جنّ وانس کی بحث پیچھے صفحہ ۲۱۴ پر گزر چکی ہے کہ جنّ وانس کی اصطلاح کے بہت سے معنوں میں سے ایک معنٰی یہ بھی ہے کہ عوام کا استحصال کرنیوالے اصطلاحاً جنّ ہیں اور استحصال ہونیوالے اصطلاحاً انس ہیں۔

• ملہ-۵ اُخْرٰىهُمْ اور اُولٰىهُمْ کے الفاظ جامعیت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اِن میں ذیل کے دونوں مفہوم موجود ہیں: پہلا مفہوم یہ ہے کہ اُخروی نار میں بعد میں داخل ہونیوالی جماعت پہلے داخل ہو چکی ہوئی جماعت کو گمراہ کرنیوالی بتائیگی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ گمراہ کرنیوالے طاغوت جہنم میں پہلے داخل کیے جائیں گے۔

اور گمراہ ہونیوالے بعد میں ۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہر قوم چونکہ اپنی پہلی قوم کے طرزِ عمل کو سند مان کر اُس پر عمل کرتی ہے، اسلئے پچھلے پہلوں کو کہینگے کہ ہمیں انہوں نے گمراہ کر دیا تھا ۔ لیکن خدا تعالیٰ کا یہ جواب مذکور ہے کہ تم یہ نہیں جانتے کہ عقل کے پٹ بند کر کے کسی طاغوت (گمراہ کرنیوالے) یا کسی سابقہ قوم کی تقلید کرنا بھی تو اُسی درجہ کی گمراہی ہے جس سے گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے ایک ہی سطح کے مجرم ہوتے ہیں ۔ اور وہ ایک جیسے ہی عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں ۔

● ۵۲ وَلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ میں استحصال کرنے اور استحصال ہونیوالوں کیلئے مساویانہ عذاب کی خبر پہ پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ جب استحصال ہونے والوں کا قصور کوئی نہیں، قصور سارا استحصال کرنے والوں کا ہے کہ انہوں نے سادہ لوح عوام کا استحصال کیا ۔ انہیں نقصان پہنچاتے رہے، انہیں مسلسل کمزور اور غریب رکھتے چلے گئے ۔ تو اس پر استحصال ہونیوالوں کو کیوں عذاب دیا جائیگا ۔ وہ بیچارے دُنیا کے عذاب محتاجی اور غریبی میں بھی مبتلا رہے اور قیامت کو بھی عذاب کے مستحق ٹھہرے یہ تو انصاف کا خون کرنے کے مصداق ہے ۔ ایسے عمل کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا ۔ جواباً عرض ہے کہ اگر مذکورہ دونوں کا قصور صرف یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک جماعت نے گمراہ کیا اور دوسری گمراہ ہو گئی، تو اس سے ہمیں بھی بظاہر گمراہ ہونیوالی کا کوئی قصور معلوم نہیں ہوتا ۔ بلکہ قصور گمراہ کرنیوالی ہی سامنے آتی ہے ۔ مگر یاد رہے کہ گمراہ ہونیوالوں کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و بصیرت سے کام نہ لینے کا جرم کر کے بلا سوچے سمجھے غلط راستہ اختیار کر لیا ۔ اسلئے برابر کے مجرم ٹھہرے ۔ اسی طرح استحصال ہونا بھی گمراہی ہی کی ایک شق ہے ۔ کہ گمراہ کرنیوالوں نے یہ عقیدہ بھی بطورِ اسلام دے دیا کہ بھوک ننگ اور خوشحالی سب اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے، وہ جس حال میں رکھے، اسکا شکر ادا کرتے رہو ۔ واضح رہے کہ بھوک ننگ کو اللہ تعالیٰ کی دین جاننا اُسکی صفت ربّ العٰلمین کا کھلا انکار ہے ۔ اس طرح استحصال ہونیوالے اگر استحصال زدگی کو جزوِ ایمان قرار دیدیں تو برابر کے مجرم ٹھہرتے ہیں ۔

● پیچھے بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ قوم بنی اسرائیل کو آلِ فرعون کی استحصال زدگی سے نکالنے کیلئے حضرت موسٰی سلام علیہ نے اُنکے مساویانہ حقوقِ ربوبیت کا اعلان فرمایا ۔ قوم اس پر ایمان لائی اور اسکے خلاف ایک لمبی تحریک چلانے کے بعد کامیاب ہوئی ۔ جو لوگ اپنے حقوقِ ربوبیت سے دست بردار ہو کر ذلت و خواری، غلامی، ناداری اور استحصال زدگی کو خدائی دین تسلیم کر کے اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں وہ دُنیا میں بھی ذلت اور استحصال زدگی کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں اور قیامت کو بھی انہیں استحصال کرنیوالوں کے برابر سزا دی جائیگی ۔

● مسئلہ استحصال کے ضمن میں ہم بہت دُور نکل آئے ہیں ۔ اسلئے اپنے درس کی طرف رجوع

رجوع الی المقصود کرتے ہوئے عرض گزار ہیں کہ سلسلۂ درس کی پچھلی آیت مجیدہ میں قیامت کا ذکر آیا ہے کہ جہنم

ہیں تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے متعلق کہیں گے یہ گمراہ کرنیوالے ہیں۔ بارِ الٰہا! انہیں دُگنا عذاب دے۔ اُن کا جواب بالفاظِ ذیل درج ہے:۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ

اور کہیگی پہلی جماعت ان کی واسطے دوسری انکی پس نہیں ہے واسطے تمہارے

عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

اوپر ہمارے سے فضیلت پس چکھو عذاب بسبب اسکے جو تھے تم

تَكْسِبُوْنَ ۝ ع ۳۹

کسب کرتے

ع ۸

(گمراہ کرنیوالی یعنی) اُن میں سے پہلی جماعت پچھلی (یعنی گمراہ کرنیوالوں) کو کہیگی۔ پس تم کو ہم پر کیا فضیلت ہے (کہ تمہیں کم عذاب دیا جائے اور ہمیں تم سے دُگنا عذاب دیا جائے) پس تم اپنی اُن کوتوتوں کی سزا کا عذاب چکھو جو تم کرتے رہے تھے۔

● ملہ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ کے الفاظ نے گمراہ ہونیوالوں اور استحصال ہونیوالوں کو گمراہ کرنے اور استحصال کرنے والوں کے برابر کے عذاب کا مستحق ہونے کی نہایت کھُل کر وضاحت کر دی ہے کہ انہیں جو عقائد دئے گئے جن کے مطابق وہ بداعمالیوں سے باز نہ آئے۔ اِس پر انہوں نے غور تک نہ کیا کہ وہ کونسا صراطِ مستقیم ہے جو برائیاں کرتے چلے جانے کی کھلی چھٹی دیتا ہے کیونکہ گمراہ کرنیوالوں کا قریباً ہر مسلک میں یہی ایک نظریہ ہے کہ تمہارے گناہ بخش دئیے جائینگے۔ اِس عقیدہ کیمطابق دلیرانہ بداعمالیاں کیجاتی ہیں۔ اِس طرح صراطِ مستقیم کے نام سے غلط راستے پر لگا کر چونکہ گمراہ کرنیوالے اور گمراہ ہونیوالے نیز استحصال کرنیوالے اور استحصال ہونیوالے سب بداعمالیوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اسلئے دونوں کو عذاب میں بھی برابر کے شریک قرار دیا گیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں پُر غضب اعلان کر دیا گیا ہے کہ مکذبینِ آیاتِ خداوندی اور تکبر کرنیوالے جنت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکینگے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا

بیشک جو لوگ جھٹلاتے ہیں کو آئتوں ہماری اور تکبر کرتے ہیں سے اُن کے

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

نہ کھولے جائینگے واسطے انکے دروازے آسمان کے اور نہ وہ داخل ہونگے جنت میں

حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

یہانتک کہ گزر جائے موٹا رسّہ بیچ سے سوراخ سوئی کے اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے

الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۴۰

مجرموں کو

(بگوشِ ہوش سُن لو کہ) بلاشبہ جو لوگ ہماری آئتوں کو جھٹلاتے ہیں اور (اُنکی عملاً مخالفت کر کے) اُن سے تکبر کرتے ہیں اُنکے لئے آسمان کے دروازے (یعنی رحمت کے دروازے) نہیں کھولے جائینگے ملے۔ اور وہ (ہرگز ہرگز) جنت میں داخل نہیں ہونگے جبتک کہ سوئی کے ناکے میں سے موٹا جہازی رسّہ نہ گزر جائے۔ اور ہم اسی طرح مجرموں کو (اُنکے جرموں کی سزا دینگے (اُنہیں ہرگز جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا)۔

● ۱۔ اس آیت مجیدہ میں لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ کے الفاظ محاورہ کے طور پر آئے ہیں جو دنیوی خوشحالی اور خوشگواری کے لئے آتے ہیں۔ جو دنیا میں کائناتی آیات کریمات پر عمل کرنے سے میسر آتی ہیں اور اخروی جنت کی نعمتیں خدا تعالیٰ کی تنزیلی آیات کریمات پر عمل کرنے سے میسر آئیں گی۔ دنیا میں زرعی خوشحالی صحیفۂ فطرت کی زرعی آیات زرعی قوانین پر عمل کرنے کا نتیجہ ہوتی ہے اور صنعتی ترقی صنعتی قوانین کائنات پر عمل کرنے کی مرہون منت ہے۔ نیز اس آیت مجیدہ میں حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ کا جملہ محال تام کے طور پر آیا ہے کہ جس طرح سوئی کے ناکے میں سے موٹے جہازی رسّے کا گزرنا محالِ تام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا ذہنی انکار اور عملی استکبار کرنے والوں کا اخروی جنت میں داخلہ بھی محالِ تام ہے۔ وہ کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ (جب تک توبہ کر کے آیات خداوندی کے انکار اور استکبار سے باز نہ آجائیں)۔

● تفسیر القرآن بالقرآن میں متعدد مقامات پر اس امر کی توضیح کر دی گئی ہے کہ آیات خداوندی دو قسموں پر منقسم ہیں تنزیلی اور تکوینی۔ تنزیلی وہ ہیں جو قرآن کریم میں موجود ہیں اور تکوینی وہ ہیں جو ہر آن کائنات میں جاری و ساری ہیں۔ ان دونوں کی مخالفت دنیا میں بھی موجب ذلت ہے اور آخرت میں بھی موجب عذاب ہو گی۔

● ربط کلام کی رو سے پچھلی آیت مجیدہ ۷/۴۰ میں خبر دی گئی ہے کہ مجرموں کو جنت میں ہرگز داخلہ نہ مل سکے گا مگر اس میں بلا توبہ اور اصلاح کا مفہوم محذوف ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں انہی کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ جہنم میں اسی حالت میں ہوں گے:۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○ ۴۱

واسطے انکے ہیں سے جہنم کے ہے بچھونا اور سے اوپر انکے ہے اوڑھنا اور اسی طرح ہم بدلہ دینگے ناروا کام کرنیوالوں کو

ان مجرموں کیلئے بچھونا بھی (شکست و ناکامی کی آگ میں) جلنے کے عذاب کا ہوگا اور اس میں انکا اوڑھنا بھی (اسی جلن کے عذاب کا ہوگا۔ مذکورہ بالا طریقے ہی سے ہم ناروا کام کرنیوالوں (ظالموں) کو بدلہ دینگے۔

● ۱۔ لفظ جہنم کی وضاحت تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم میں ۳/۱۲ کی تفسیر میں صفحہ ۱ پر ملاحظہ فرمائیں شکست و ناکامی کی آگ عربی زبان میں جہنم کا معنی لیا جاتا ہے گہری تہ والا کنواں۔ اس طرح گہرائی اور پستی کے ربط کیمطابق ۳/۱۲ میں جہنم کا معنی شکست و ناکامی کی ذلت اور پستی ہی صحیح ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں ایمان لانے اور اصلاح معاشرہ کے کام کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ

اور جو لوگ ایمان لائیں اور کام کریں اچھے نہیں ہم تکلیف دیتے

اور جو لوگ آیات خداوندی پر ایمان لائیں اور اصلاح معاشرہ کے کام کریں (جن سے معاشرہ متوازن ہو جائے) ہم

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ

کسی جان کو مگر مطابق طاقت اسکی وہی ہیں والے جنت کے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ۴۲

وہ ہیں بیچ اسکے رہنے والے ہمیشہ

کسی جان پر اُسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے وہی جنت والے ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جملہ معترضہ کی اہم قرآنی مثال

● اس آیت مجیدہ کے متن اور اُسکے بالمقابل ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ ایک جملہ معترضہ ہے۔ یعنی اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے بعد عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی قرآنی پابندی کا جو نفسانی ذہن پر بوجھ پڑتا ہے کہ نہ جانیئے وہ کتنا بھاری عمل ہے۔ اِس بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے درمیان میں یہ جملہ اعتراض لایا گیا ہے کہ ہم کسی نفس پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے، بلکہ اصلاحِ معاشرہ کے ضمن میں افراد و اقوام اپنی اپنی وسعت کیمطابق پوری دیانتداری کیساتھ جو اصلاحی کام کرینگے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونگے۔ اِس طرح جملہ معترضہ کو الگ کرکے تقدیرِ کلام یہ ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ .... اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○۔ چنانچہ اپنی اپنی وسعت کے مطابق دیانت و امانت کی اساس پر اصلاحی اعمال بجالانیوالے مومنوں کے معاشرہ کا یہ نقشہ پیش کیا گیا ہے :-

وَنَزَعْنَا مَا فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

اور ہم نکالتے ہیں جو بیچ اذہان ان کے ہیں سے رنجش کے

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ

چلتی ہیں سے ماتحت اُنکے نہریں اور کہا سب تعریف واسطے اللہ کے

الَّذِىْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۖ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَآ

جس نے ہدایت کی ہمارے واسطے اور نہ تھے ہم البتہ ہدایت پاتے اگر نہ

اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ

ہدایت کرتا ہمیں اللہ البتہ تحقیق آئے رسول رب ہمارے کیساتھ حق کے

وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا

اور ندا دیئے جائینگے کہ وہ ہے تمہاری جنت وارث کئے گئے تم اسکے بوجہ اسکے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ ۴۳

تم تھے تم عمل کرتے

اور ہم اُن (ایسے متوازن معاشرہ کے افراد کے) ذہنوں میں سے ہر قسم کی باہمی رنجش خارج ہوئی ہوئی پاتے ہیں (کیونکہ اُن سب کے ماتحت (ضروریاتِ زندگی کی) نہریں بہتی ہوتی ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ سب تعریفیں اچھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اِسی جنتی معاشرہ کی راہنمائی فرمائی ہے حالانکہ اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم اس راہ کو نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول سچی کتاب لاتے رہے تھے۔ اور وہ حالی ندا دیئے جاتے ہیں کہ یہ ہے وہ جنت جس کے تم اُن عملوں کی بدولت وارث کئے گئے ہو جو تم انجام دیتے رہے تھے۔

● اِس آیت مجیدہ میں دُنیوی جنت یعنی مساوی و متوازن معاشرہ کا یہ نشان بتایا گیا ہے کہ اُس میں ہر فرد معاشرہ

کے ہاں ضروریات زندگی کی اسقدر فراوانی ہوتی ہے کہ گویا اُن سب کے ماتحت انکی نہریں بہہ رہی ہوتی ہیں۔ اور اُس متوازن نظام کی بدولت افرادِ معاشرہ میں باہمی شکررنجی کا نام ونشان تک موجود نہیں رہتا۔ یہ نمونہ ہے اُخروی جنت کا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ کا ربط آیات نمبر ۳۸ تا ۴۰ کیساتھ ہے جن میں اُخروی جنت وجہنم کا ذکر ہے۔ نیز اگلی آیات مجیدہ میں نادیٰ، قالوا، اَذّن ماضی کے افعال مضارع کا فائدہ دیتے ہیں جو تحقق ووقوع کیلئے آئے ہیں کہ ایسا ضرور ضرور ہو کر رہیگا:۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا
اور پکاریں گے والے جنت کے والوں آگ کو کہ بیشک پایا ہمنے

مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ
جو وعدہ کیا ہم سے رب ہمارے نے سچا پھر کیا پایا تمنے جو وعدہ کیا رب تمہارے نے

حَقًّا ۖ قَالُوا نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن
سچا کہیں گے ہاں۔ پھر اعلان کریگا ایک اعلان کرنیوالا درمیان انکے کہ

لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾
بیزاری ہے اللہ کی اُوپر ناروا کام کرنیوالوں

اور (قیامت کو) اہلِ جنت اہلِ نار کو مخاطب کر کے کہینگے[۱] کہ ہمارے ساتھ ہمارے پروردگار نے جو (اپنی سچی کتاب کی معرفت) وعدہ کیا تھا (جنت کا) وہ ہمنے سچا پایا ہے۔ کیا تم نے بھی اُس وعدے کو سچا پایا ہے جو تمہارے ساتھ تمہارے پروردگار نے (اپنی سچی کتاب کی معرفت) کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں (ہمنے بھی اُسے سچا پایا ہے)۔ پھر (اہلِ جنت میں سے) ایک اعلان کرنیوالا اعلان کریگا کہ (آج کے دن) ناروا کام کرنیوالوں پر اللہ تعالیٰ کی بیزاری ہے۔

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا
وہ لوگ روکتے تھے سے راہ اللہ کی اور ڈھونڈتے تھے اسکی

عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ﴿٤٥﴾
کجی اور وہ تھے ساتھ آخرت کے انکار کرنیوالے

(ناروا کام کرنیوالے ظالم) وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ قرآنِ کریم سے (لوگوں کو) روکتے تھے اور اُس میں کجی تلاش کرتے تھے[۲] حقیقت یہ ہے کہ وہ اُخروی (عدالت میں حاضری) کے منکر تھے۔

● [۱] نادیٰ کا مصدری معنی پکارنا بھی ہے اور مخاطب کرنا بھی ہے۔ تصریفِ آیات کیمطابق اہلِ جنت واہلِ نار کا یہ مکالمہ جنت اور نار میں داخل ہونے سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ ۲۱/۱۰۲ سے ثابت ہے کہ جنت اور نار میں باہمی اتنی دوری ہوگی کہ اہلِ جنت نار کا کھٹکا تک نہ سن سکینگے (لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۲۱/۱۰۲)۔ نادیٰ ماضی بمعنی مضارع برائے تحقق ووقوع آئی ہے۔

● [۲] جو لوگ اللہ کی سبیل یعنی اُسکے نازل کردہ ضابطۂ حیات قرآنِ کریم سے روکنے والے ہیں اُن کی

پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اس ضابطۂ خداوندی قرآن کریم میں کمیاں اور کجیاں تلاش کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ لوگ ہیں جو منزل من اللہ ضابطے میں خود ہی قسم قسم کی کمیاں اور کجیاں پیدا کرتے ہیں کیونکہ اس میں کسی قسم کی کجی خالق کائنات نے چھوڑی ہی نہیں۔ جیسے کہ سورہ کہف میں ارشاد ہوا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۱۸/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اس (کتاب میں) کسی قسم کی کوئی بھی ہرگز ہرگز نہیں رکھی۔

اصحاب اعراف

● لفظ اعراف کا معنی ہے اونچا مقام۔ قرآن کریم کی شہادت کے مطابق چونکہ اللہ کے نبی رسول عمل واخلاق کے لحاظ سے انتہائی بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں اسلئے اصحاب اعراف جنہیں اگلی آیت مجیدہ میں رجالٌ (مرد) کہا گیا ہے اللہ کے نبی رسول مراد ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اہل جنت اور اہل نار کو ایکدوسرے سے جدا کرنے کی خبر دینے کیساتھ ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ اصحاب اعراف ان سب کو انکے چہروں کے نشانوں سے پہچان لینگے۔

وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ

اور بیچ دونوں کے پردہ ہوگا اور اوپر مقام بلندوں کے مرد

یَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِیْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ

پہچانینگے سب کو ساتھ نشان چہروں انکے اور کہینگے والے باغ جنت کے کہ

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۟ لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾

سلامتی ہو اوپر تمہارے نہیں داخل ہوئے اسمیں اور وہ امید رکھتے ہونگے

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ

اور جب پھیری جائینگی آنکھیں انکی طرف والے آگ کے

قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾ ع

کہینگے رب ہمارے نہ ٹھہرائیو ہمیں ساتھ قوم غلط کار کے

اور ان (اہل جنت اور اہل نار) دونوں کے درمیان پردہ کر دیا جائیگا (یعنی انہیں ایکدوسرے سے الگ کر دیا جائیگا) اور اونچے مقام پر اللہ کے مرد (اسکے نبی رسول) ہونگے وہ سب لوگوں کو انکے چہروں کے نشانوں سے پہچانتے ہونگے۔ اور وہ اہل جنت کو جو ابھی اس میں داخل نہیں ہوئے ہونگے اور اس کے امیدوار ہونگے کہیں گے تم پر سلامتی ہو۔ اور جب انکی نگاہیں اہل نار کی طرف پھیری جائیں گی تو وہ (حضور الٰہی میں عرض کرینگے کہ) اے ہمارے پروردگار ہمیں اس غلط کار قوم کا ساتھی نہ بنائیو۔

● لفظ حجاب کا معنی پردہ بھی ہے دوری اور علیحدگی بھی ہے سورۃ التطفیف میں ضابطۂ خداوندی کو جھٹلانے والے کے متعلق ارشاد ہوا ہے اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ؕ كَلَّا بَلْ ٜ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ۸۳/۱۳ تا ۱۵ جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ یوں نہیں، بلکہ ان کے اذہان کو ان کے ان عملوں نے زنگ لگا دیا ہے جو وہ کسب

کرتے چلے آرہے ہیں۔ بیشک وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے محجوب یعنی دُور رکھے جائینگے۔ پس آیت زیر بحث ۷/۴۶ میں حجاب کا معنی دُوری اور علیحدگی ہے۔ اہل جنت اور اہلِ نار، جنت اور نار میں بھیجنے سے پہلے ہی ایکدوسرے سے الگ کر دیئے جائینگے۔ جیسے کہ سُورہ یٰسٓ میں آیا ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کو حکم دیا جائیگا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۳۶/۵۹ مجرمو! آج الگ ہو جاؤ۔

● ۲؎ رِجَالٌ سے مُراد انبیاء کرام ہیں۔ جیسے کہ انکے لئے خصوصی طور پر ۱۲/۱۰۹ میں رِجَالٌ کا لفظ لایا گیا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ۱۲/۱۰۹ اور اے رسولؐ! نہیں بھیجے ہمنے آپ سے پہلے مگر رجال (مرد) ہی بھیجے تھے کہ ہم اُن رجال کی طرف وحی کرتے تھے ــــ پس یہاں ۷/۴۶ میں رِجَالٌ سے مُراد صرف انبیا کرامؑ ہیں۔

● ۳؎ يَعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ سے مُراد ہے کہ انبیا کرامؑ اہلِ جنت اور اہلِ نار کو چہروں کے نشانات سے پہچان لیں گے، جن کے متعلق سُورہ قیامت میں خبر دیگئی ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۷۵/۲۲ اُسدن کچھ چہرے تروتازہ ہونگے۔ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۷۵/۲۴ اور کچھ چہرے اُسدن مرجھائے ہُوئے ہونگے۔

● ۴؎ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ جنت اور دوزخ میں داخلہ سے پہلے کی بات بتائی جارہی ہے کہ اہلِ جنت جنت میں داخل نہیں ہُوئے ہونگے، انکے داخلے کا فیصلہ ہوچکا ہوگا، اسلئے وہ اُس کے امید وار ہونگے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ خبر اہلِ جنت کے متعلق ہے۔ لیکن روائتی تراجم میں اہلِ اعراف کے متعلق یہ غلط تصور از خود پیدا کر لیا گیا ہے کہ اہلِ اعراف وہ لوگ ہونگے جو موازنۂ اعمال کے لحاظ سے نہ جنتی ہونگے نہ جہنمی۔ وہ صرف جنت کے امیدوار ہونگے۔ یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کا مطلقاً تذکرہ موجود نہیں ہے کہ وہ جنتی ہونگے نہ جہنمی، بلکہ جنت اور جہنم کے درمیان رکھے جائینگے۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں کی صفت بتائی گئی ہے کہ وہ اہلِ جنت اور اہلِ نار کو چہروں سے پہچان لینگے۔ بلکہ یہ صفت انہی رجال (انبیاء کرام) کی ہے جنہیں ۱۲/۱۰۹ میں رِجَالًا کہا گیا ہے۔ وہ لوگ مطابق تعریفِ آیاتِ قرآنیہ انبیاء کرام کے سوا کوئی نہیں ہونگے۔

● ۵؎ وَاِذَا صُرِفَتْ کے مطابق کہ جب اُن کی نگاہیں اہلِ نار کی طرف پھیری جائینگی، سے بھی ثابت ہوا کہ یہ واقعہ اُسوقت کا بیان ہورہا ہے کہ جب اہلِ جنت اور اہلِ نار الگ الگ تو کر دیئے جائینگے لیکن نہ ابھی اہلِ جنت، جنت میں داخل کیئے گئے ہونگے نہ اہلِ نار، نار میں۔

● ۶؎ لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ کے الفاظ میں ہر قسم کے مجرموں کو ظالم کہا گیا ہے۔ ظلم کا معنی ہے کوئی بھی بے ٹھکانہ ناروا کام کرنا۔ یعنی ہر قسم کے جرائم ظلم کی فہرست میں شامل ہیں۔ بالفاظِ دیگر ذہن نشین کرنے کی بات یہ ہے کہ ہر ناروا کام ظلم ہے اور ہر ظلم خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، قابلِ سزا جُرم ہے، جس سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے توبہ

کر کے اپنی اصلاح کر لینا ۶/۵۴ + ۱۶/۱۱۹ - مسئلہ توبہ کی تفصیل اسی جلد کے صفحہ ۲۹۶ تا ۲۹۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● آگے بڑھنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ الاعراف بمعنی اُونچا مقام کوئی اونچا ٹیلہ نہیں ہوگا بلکہ انبیاءِ کرام کا مقامِ بلند نبوّت ہوگا سلسلۂ دُرس کی اگلی آیت مجیدہ میں آیا ہے کہ وہ انبیاءِ کرام [۱] اہلِ نار کو مخاطب کر کے یہ کہینگے :-

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُم
اور پکاریںگے والے اونچے مقام کے مردوں کو پہچانیںگے انکو

بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ
ساتھ چہروں انکے کہینگے نہ فائدہ دیا سے تمہیں اجماع تمہارے نے اور جو تھے تم

تَسْتَكْبِرُونَ ○ ۴۸
تم تکبر کیا کرتے

اور اُونچے مقام والے (یعنی اللہ کے نبی رسول [۱]) اہلِ جہنم کے) مردوں سے مخاطب ہونگے وہ انہیں (اُنکے چہروں کے نشان سے پہچانینگے۔ کہینگے کہ تمہیں تمہارے اجماعِ (امت) نے یعنی جس پر تم تکبر کیا کرتے تھے، نے کوئی فائدہ نہیں دیا (یعنی تمہیں اُس نے جرائم کی سزا سے نہیں بچایا)۔

أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ
کیا یہ وہی ہیں جنہیں قسم کھاتے تھے تم نہیں پہنچیگا اُن کو

اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۚ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ
اللہ ساتھ رحمت کے داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں ڈر اوپر تمہارے

وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ○ ۴۹
اور نہ تم تم غمگین ہوگے

اور (اہلِ جنت کی طرف اشارہ کر کے) وہ کہینگے کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق [۲] تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نہیں فرمائیگا (حالانکہ انہیں حکم دیا دیا گیا ہے کہ [۳]) تم جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر نہ آئندہ کے لئے کوئی خوف ہوگا اور نہ ماضی میں کئے گئے اعمال کے لئے تم غمگین ہو گے [۴]

● [۱] مَا أَغْنَىٰ عَنكُمْ جَمْعُكُمْ کے الفاظ میں اِس امر کی وضاحت موجود ہے کہ صداقت کی دلیل کسی عمل پر اکثریت کا اجماع نہیں جس پر یہ لوگ تکبر کرتے ہیں بلکہ صداقت کی دلیل اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابِ مقدس کے دلائلِ قاطعہ ہیں۔

● [۲-۳] أَهَٰؤُلَاءِ کا مشارٌ الیہ اہلِ جنت ہونگے۔ جن کے متعلق اجماع والے آج قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اِن پر اللہ تعالیٰ قیامت کو رحمت نہیں کریگا۔ یہاں یہ محذوف ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیگا "اور جنت میں داخل ہو جاؤ" مظہر ہے۔

● [۴] واضح رہے کہ خوف آنیوالے وقت "مستقبل" کیلئے ہوتا ہے اور حزن غم ماضی میں کئے گئے عملوں کا ہوتا ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خبر دیگئی ہے کہ وہیں اہلِ نار اہلِ جنت کو مخاطب کر کے کہینگے کہ جنت میں تم کو جو ٹھنڈا پانی اور عمدہ کھانے عطا کئے جائینگے اُن میں سے کچھ ہمیں بھی دینا۔ مگر وہ وہیں کہدینگے کہ جنت کی

نعمتیں اہلِ نار پر اللہ تعالیٰ نے حرام کر رکھی ہیں ۔ اِسلئے وہ اُن لوگوں کو میسّر نہیں آسکتیں جنہوں نے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا :-

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا[3]
مخاطب ہونگے والے آگ کے والوں جنت کو کہ بخشنا

عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ
اوپر ہمارے میں سے پانی کے اور بیچ جو رزق دیا تمکو اللہ کیلئے بیشک اللہ نے

حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۵۰
حرام کر دیا اسے اوپر انکار کرنیوالوں کے

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّ
وہ جنہوں نے پکڑا دین اپنا بے مقصد اور کھیل اور

غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا
دھوکا دیا انہیں زندگی دنیا نے پس آج ہم بھلا دینگے انکو جیسے

نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
بھلائی ملاقات دن اُن کے اِس کی ۔ اور جو تھے ساتھ آیتوں ہماری

يَجْحَدُوْنَ ۵۱
تھے وہ جھگڑتے

اور (وہیں جنّت اور دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے) اہلِ نار اہلِ جنت کو مخاطب کر کے استدعا کرینگے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جو جنّت میں (ٹھنڈا میٹھا) پانی اور رزق عطا فرمائے گا اس میں سے ہمیں بھی (تھوڑا سا) ازراہِ بخشش عطا کرنا[3] مگر وہ کہینگے کہ اُنہیں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کیلئے حرام کر دیا ہے جو اُسکے ضابطے کا انکار کرنیوالے ہیں ۔

وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین کو بے مقصد اعمال یعنی کھیل تماشا بنا لیا تھا ۔ اور انہیں دُنیا کی زندگی نے دھوکا دے دیا تھا ۔ (اللہ تعالیٰ فرمائیگا) آج کے دن ہم انہیں اُسی طرح بھلا دینگے جس طرح انہوں نے آج کے اس (یعنی قیامت کے) دِن کو بھلا دیا تھا ۔ اور جیسے کہ وہ ہماری آیتوں کے متعلق جھگڑا کیا کرتے تھے ۔

● [1-2] نادیٰ اور قالوا دونوں افعالِ ماضی ہیں لیکن چونکہ قیامت کے ذکر میں آئے ہیں اسلئے تحقق و قوع کیلئے مضارع مستقبل کا فائدہ دیتے ہیں ۔

● [3] اَفِیْضُوْا کا معنی یہاں پر یہ نہیں کہ ہمیں ازراہِ بخشش عطا کرو ۔ بلکہ یہ ہے کہ ہمیں ازراہِ بخشش عطا کرنا ۔ اِن افعال سے یہ مفہوم اخذ کرنا بالکل غلط ہے کہ اہلِ جنت کے جنّت میں اور اہلِ نار کے نار میں چلے جانے کے بعد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اہلِ نار نار کے اندر مذکورہ استدعا کرینگے ۔ کیونکہ جنّت و جہنّم کی باہمی دُوری کی وضاحت $\frac{2}{102}$ کے مطابق پیچھے گزر چکی جسکہ اہلِ جنت جہنم کی آواز تک نہ سُن سکینگے ۔ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا $\frac{21}{102}$ ۔ پس اہلِ جہنم کی مذکورہ استدعا جہنم میں داخل ہونے سے پہلے اُس مقام کی ہے جہاں اہلِ جہنّم کو اہلِ جنت سے جُدا کر دیا جائیگا ۔ اور ابھی جنّت اور جہنّم میں داخل ہوئے نہ ہوں گے ۔

● اوپر اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا | اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اپنے علم کیمطابق مفصّل کر دیا ہے

انکار کرنیوالوں کی سزا بیان کرنے کے بعد اگلی آئت مجیدہ میں آیاتِ خداوندی کی انکاری صورت کی وضاحت کردی گئی ہے کہ یہ لوگ آیاتِ خداوندی کو مفصّل نہیں مانتے، حالانکہ اس نے اپنی آئتوں کو اپنے لامحدود علم کے مطابق مفصّل کردیا ہے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ۵۲

اور البتہ بیشک آئے ہم پاس انکے ساتھ کتاب کے مفصّل کیا ہم نے اوپر علم کے ہدائت اور رحمت واسطے اس قوم کے جو ایمان لاتے ہیں

اور بیشک ہمنے (اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ) انکے پاس اپنی کتاب بھیجی ہے۔ جسے ہمنے (اپنے لامحدود) علم کیمطابق مفصّل کردیا ہے جو ماننے والی قوم کیلئے ہدائت بھی ہے اور رحمت بھی ہے۔

غور فرمائیں ● اس آئت سے آیاتِ ماقبل میں قیامت کی سزا جزا کے تفصیلی بیان میں اہل نار کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ انہیں اس امر کی سزا دی جائیگی کہ وہ ہماری آئتوں کو انکار کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ وہ لوگ مانتے نہ تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آئتیں ہیں بلکہ یہ کہ وہ اللہ کی آئتوں کو مفصّل نہیں مانتے تھے۔ انکے اس عقیدے کے ردّ کے طور پر آئتِ بالا میں اعلانِ عام کردیا گیا ہے کہ ہم نے انکار کرنیوالوں کی طرف اپنی ایک اکلوتی کتاب بھیجی ہے۔ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ میں كِتٰبٍ بصیغہ واحد آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی کتاب نازل ہوئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کردیا گیا ہے کہ ہم نے اُسے اپنے لامحدود علم کے مطابق مفصّل کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم سے کس کا علم افضل ہے؟ ● غور طلب یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہے کہ میں نے اپنی کتاب کو لامحدود علم کے مطابق مفصّل کردیا ہے مگر علماءِ کرام یہ کہیں کہ نہیں یہ مفصّل نہیں، مجمل ہے، اسکی تفصیل ان کتبِ روایات میں موجود ہے جو عن فلاں عن فلاں کے ذریعہ آنحضورؐ کے دو سو سال بعد آپکی طرف منسوب کئے جانے کی بدولت یکسر ظنّی ہیں، یقینی نہیں۔ تو بتائیے کہ کیا ایک یقینی کتاب کی تفصیل ظنّی کتابیں کرسکتی ہیں؟ ہرگز نہیں پھر دیکھئے کہ قرآن کو غیر مفصّل ماننے میں کتنی آیات کریمات کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

● قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ ۶/۹۹ بیشک ہمنے اپنی آئتوں کو تفقہ کرنیوالی قوم کیلئے مفصّل کردیا ہے۔

● قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ ۶/۱۲۶ بیشک ہمنے اپنی آئتوں کو نصیحت حاصل کرنیوالی قوم کیلئے مفصّل کردیا ہے۔

● اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۝ ۶/۱۱۵ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئیگا کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں جبکہ اُس نے اپنا حکمنامہ ایک مفصّل کتاب کی صورت میں تمہاری طرف نازل کردیا ہے۔"

اس عنوان کی مکمل بحث کہ قرآنِ کریم کی تفصیل، تفسیر اور تبیین خود قرآنِ کریم کے اندر موجود ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے کردی ہوئی ہے پیچھے صفحہ ۲۴۸ ملاحظہ فرمائیں اور اس امر کی مفصّل بحث کہ قرآنِ کریم کی تبیین کا ذریعہ تصریفِ آیات قرآنیہ ہے اور خود آنحضورؐ بھی تبیینِ قرآنِ کریم بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ فرمایا کرتے تھے، صفحہ ۲۴۷ پر ملاحظہ...

فرمائیں۔

● آیتِ بالا میں اپنے علمِ لامحدود کے مطابق اپنی کتاب کی خود تفصیل کرنے کے اعلان کے بعد پھر اُنہی لوگوں کی طرف رُخ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مفصل تسلیم نہیں کرتے۔ ارشاد ہُوا کہ ایسے لوگ اپنے مذکورہ جُرم کی سزا کے منتظر ہیں :-

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ
نہیں انتظار کرتے وہ مگر سزا اُسکی کی ۔ جس دن آجائے گی

تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ
سزا اُسکی کہینگے وہ جنہوں نے بھلادیا سے پہلے بیشک آئے

رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا
رسول رب ہمارے کے ۔ پس کیا ہیں واسطے ہمارے سے شفاعیتوں کے پھر وہ شفاعت کریں

لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ
واسطے ہمارے یا ہم لوٹائے جائیں پھر ہم عمل کریں سوائے اسکے جو ہم نے کئے تھے بیشک

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
گھاٹا دیا انہوں نے جانوں اپنی کو اور گم ہوگئے سے انکے جو تھے وہ

يَفْتَرُوْنَ ۝ ۵۳ ع ۱۲
وہ بہتان باندھتے

وُہ نہیں انتظار کرتے مگر اُس (اپنے جُرم تکذیب آیات) کی سزا کا۔ جس دِن قیامت کو جُرم کی سزا آجائیگی تو اس دن وہ لوگ جنہوں نے اس سے پہلے (دُنیوی زندگی میں) اسے بھلادیا تھا۔ یہ کہینگے کہ بیشک ہمارے رب کے رسُول حق (مفصل کتاب) لیکر آئے تھے۔ کیا آج کوئی شفاعیتوں میں سے کوئی ہمارا شفیع ہے؟ جو ہماری شفاعت کرے[۲] یا ہم (دُنیا میں واپس) لوٹائے جائیں۔ تاکہ ہم اُن بُرے اعمال کے خلاف جو ہم کرتے رہے تھے (اچھے) عمل کریں۔ بیشک اُنہوں نے اپنے آپکو نقصان پہنچایا۔ اور وُہ بہتان جو وُہ باندھتے تھے کہ قیامت کو ہماری شفاعت ہو جائیگی) اُن سے گم ہو جائیگا۔ (کسی کام نہیں آئیگا)۔

● ع۱ تاویل کا معنٰی ہے نتیجہ۔ تکذیب آیاتِ خداوندی کا نتیجہ ہے دُنیا و آخرت کی سزا۔

شفیع صرف اللہ تعالیٰ ہے

● ع۲-۳ آیتِ بالا میں عقیدۂ شفاعت کو افترٰی محض کہا گیا ہے۔ سُورہ زُمر میں شفاعت کا عقیدہ رکھنے والوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ۳۹-۴۳-۴۴ کیا لوگوں نے اللہ کے سوا کوئی اور شفیع بنا لئے ہیں (اے رسول!) کہدے سمجھیگا! اگرچہ نہ وُہ کسی چیز کے مالک ہی ہوں اور نہ ہی وُہ عقل رکھتے ہوں۔ (اے رسول!) آپ اعلان کر دیجئیگا کہ شفاعت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں (یعنی شفاعت اللہ کے سوا اور کسی کا حق ہے ہی نہیں کیونکہ) آسمانوں اور زمین میں صرف اُسی کی حکومت ہے۔ پھر تم اعمال کی جوابدہی کیلئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ــــ دیکھا آپنے! کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اُس ذاتِ مقدس کیلئے مختص بتائی گئی ہے جو آسمانوں

اور زمین کی حکومت کا مالک ہے ۔ اور جس کے حضور میں قیامت کے دن سب لوگ اعمال کی جوابدہی کیلئے حاضر کئے جائینگے ۔ پس ثابت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور شفیع نہیں ہے ۔

● نیز غیر اللہ کو شفیع ٹھہرانے کو سورہ یونس میں شرک قرار دیا گیا ہے یہ اسلئے کہ جب ۳۹/۴۴ کیمطابق اللہ کے سوا شفیع کوئی اور ہے ہی نہیں تو کسی اور کو شفیع قرار دینا صریحاً شرک ثابت ہوتا ہے ۔ اس شرک کی وضاحت بالفاظ ذیل کر دیگئی ہے :۔ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۱۰/۱۸ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں یہ ہمارے شفاعتی ہیں (اے رسول!) کہدیجیئے کیا تم اللہ تعالیٰ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ (تمہارے زعم کیمطابق) جانتا نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں ۔ وہ (اللہ تعالیٰ) پاک ہے اس چیز سے جو تم (غیر اللہ کو شفیع ٹھہرا کر) اسکے ساتھ شرک کرتے ہو ۔

● اس آیت میں غرض شفاعت بتا دیگئی ہے کہ کیا غیر اللہ شفیع اللہ تعالیٰ کو یہ بتائیں گے کہ یہ شخص مجرم نہیں ہے اسے معاف کر دیا جائے ۔ شفیع صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو اسلئے بتایا گیا ہے ۳۹/۴۴ کہ وہ آسمانوں اور زمین کی جملہ پوشیدگیوں کو اچھی طرح جانتا ہے ۔ نیز وہ بے انصافی کرنیوالا ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مجرم کو مجرم گردان کر اسے سزا دیدے ۔

ایک غلطی کا ازالہ ● مسئلہ شفاعت کے ضمن میں اہل روایات کو آیت ذیل سے غلطی لگی ہے ۔ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۲/۲۵۵ اسکا یہ غلط مفہوم لیا جاتا ہے کون ہے جو اللہ کے ہاں اسکی اجازت کے بغیر شفاعت کرے ۔ حالانکہ تصریف آیات کیمطابق یہاں اِلَّا بِإِذْنِهِ کا معنی ہے اسکے قانون کیخلاف شفاعت کرے ۔ اذن بمعنی قانون آگے صفحہ ۳۷۲ پر آیت نمبر ۷/۵۸ میں آ رہا ہے وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا اور صحت مند زمین کی پیداوار اپنے رب کے اذن (قانون) کیمطابق اچھی اور جو ناقص زمین ہے نہیں پیدا ہوتی اسکی پیداوار مگر ناقص ہی پیدا ہوتی ہے ـــ جس طرح یہاں اذن بمعنی قانون ہے کیونکہ صحت مند زمین سے اچھی فصل اور ناقص زمین سے ناقص فصل کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ۔ اسی طرح ۲/۲۵۵ میں اِلَّا بِإِذْنِهِ کا مفہوم بھی اذن بمعنی قانون کیمطابق یہ ہے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی شفاعت کر سکے ۔ اور اللہ تعالیٰ کو کسی شفاعت کی عدم ضرورت کی خبر اگلے الفاظ میں دیدیگئی ہے يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وہ اللہ تعالیٰ خود جانتا ہے جو کچھ مجرموں کے آگے ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے یعنی مکمل حالات کو خود جانتا ہے اُسے کسی شفاعتی کی کیا ضرورت ہے ۔ پھر شفاعت کے عدم قانون خداوندی ہونے کا اعلان قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۳۹/۴۴ کے الفاظ میں کر دیا ہے ۔ نیز ۱۰/۱۸ میں عقیدۂ شفاعت کو شرک قرار دیدیا ہے ۔ اور

شفاعت کے عدم قانونِ خداوندی کی خبر اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۲/۲۵۵ میں بالفاظ ذیل دے دی گئی ہے :-

● يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۲/۲۵۴
ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اُس میں سے اُس دن سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کر لو جس میں نہ کوئی سودا بازی ہو گی نہ کوئی دوستی کام آئیگی اور نہ شفاعت ہو گی ——— اس آیت میں یوم سے مُراد موت کا دن بھی ہے اور قیامت کا دن بھی۔ جس طرح موت کے دن سودا بازی دوستی اور شفاعت کی نفی کر دیگئی ہے کہ اُس دن شفاعت سمیت کسی بھی طریقے سے مرنیوالے کو موت سے نہیں بچایا جا سکتا اسی طرح قیامت کے دن بھی کوئی مجرم جو بلا توبہ و اصلاح مر گیا ہو شفاعت کیے کسی بھی طریقے سے جرائم کی سزا سے بچ نہ سکیگا۔ شفاعت اور انصاف ایکدوسرے کی ضد ہیں اور خدا تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کے ساتھ قیامت کو بے انصافی کرے۔

● آیتِ بالا ۷/۵۳ کے الفاظ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا کی تفسیر کے ضمن میں تعریف آیات کے ذریعہ مسئلہ شفاعت کے مرکزی نقطہ کی وضاحت آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اور صرف اللہ کیلئے ہے لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۳۹/۴۴ اور اسکی اس صفت مخصوصہ میں کسی کو شامل کرنے کو ۱۰/۱۸ میں شرک کہا ہے۔ مسئلہ شفاعت کے ضمن میں انتہائی حیرت انگیز امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا کا اعلان جس ذاتِ اقدس رسولِ اکرم سے کروا دیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور شفیع ہے ہی نہیں، ہم نے اُسی ذات رسولِ اکرم کو شفیع قرار دے لیا ہے۔ اب سلسلۂ درس کی اگلی آیت ملاحظہ فرمائیں :-

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بیشک تمہارا رب اللہ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو
فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ
بیچ چھ دنوں کے پھر قابض ہوا اوپر سلطنت اپنی کے وہ ڈھانپتا ہے رات کو
النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ
دن پر اُسے طلب کرتا ہے جلدی اور سورج اور چاند اور ستارے
مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ
مطیع کئے گئے ساتھ قانون اسکے خبردار واسطے اسی کے ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا
تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۵۴
بابرکت ہے اللہ پروردگار جہانوں کا

(اے نوعِ انسانی!) بیشک تمہارا پروردگار ہے وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقفوں میں پیدا کیا پھر وہ اس عظیم سلطنت پر پورا پورا کنٹرول کئے ہوئے ہے۔ وہ (اپنے قانونِ جاریہ کے مطابق) رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے۔ پھر وہ اُسے جلدی طلب کرتا ہے (یعنی دن اپنے مقررہ وقت پر پھر نکل آتا ہے) اور سورج اور چاند اور ستارے اُسکے قانون کے مطابق (اپنے اپنے مدار پر) محوِ گردش ہیں۔ خبردار! (بگوشِ ہوش سن لو کہ) واسطے اُسی کے ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا۔ بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کی مخلوق کا ایک جیسا رب ہے (تم اسکے حکم ربوبیت میں تصرف کرنا)۔

● ۱ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا یہ روائتی معنیٰ غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مادی جسم ہے اور نہ اُسکا بیٹھنے کا کوئی مادی تخت ہے۔ بلکہ عرش کا معنیٰ ہے سلطنت اور استوٰی کا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس عظیم سلطنت پر پوری طرح کنٹرول کئے ہوئے ہے۔ انسان کے سوا کوئی بھی چیز اُس راہ سے ہٹ نہیں سکتی جو اسکے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ صرف حضرتِ انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہ حکم دیکر کہ بُرے عملوں سے بچو اور نیک کام کرو، اعلان کر دیا گیا ہے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۴۱/۴۰ اچھے یا بُرے جیسے بھی عمل تم خود چاہو، خود کرو۔ یہ تمہارا اپنا اختیار و ارادہ ہے۔

● ۲ اَمْر کا معنیٰ بھی قانون ہے، جیسے کہ قرآنی لغت کیمطابق ۳۲/۱۴ میں آیا ہے وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ اور اللہ نے کشتیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ وہ اسکے امر (قانون) کے مطابق سمندر میں چلتی رہیں۔ اب دیکھئے کہ سمندر میں کشتیوں کے چلنے کا ایک مخصوص خداوندی قانون ہے کہ لوہے تک کی بنی ہوئی وہ کشتیاں اور بڑے بڑے جہاز پانی پر تیرتے پھرتے ہیں جو اپنے حجم کے پانی کے وزن سے ہلکے ہوں، مگر جو اپنے حجم کے پانی کے وزن سے بھاری ہوں وہ ڈوب جاتے ہیں۔ پس مذکورہ مشاہدہِ عالم کیمطابق تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ کا صاف معنیٰ یہ ہے کہ کشتیاں اللہ تعالیٰ کے متعینہ قانون کیمطابق سمندر میں چلتی ہیں۔ اور اسی طرح سُورج چاند ستارے وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے اُس متعینہ قانون کیمطابق افلاک کی پہنائیوں میں اپنے اپنے مدار پر محوِ گردش ہیں جو انکے لئے متعین کر دیا گیا ہے۔

● ۳ آئتِ بالا زیرِ بحث ۷/۵۴ کا آخری جملہ ہے تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ جس کا مفہوم یہ ہے کہ بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو پوری کائنات کے تمام جہانوں کی پوری مخلوق کا ایک جیسا رب ہے۔ یوں نہیں کہ کسی کو اُس نے وافر سامانِ رُبوبیت کا حق عطا فرما دیا ہے اور کسی کو اسقدر محدود کہ اُسکے اہل و عیال کی ضروریاتِ ربوبیت پوری بھی نہ ہوتی ہوں۔ اِس جملہ مبارکہ کے الفاظ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ پورے عالمین کے حقوقِ ربوبیت میں ہرگز ہرگز کوئی امتیاز روا نہیں رکھا گیا۔ پیچھے صفحہ ۳۴۸ پر وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۷/۲۴ + ۲/۳۶ کی تفسیر میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ زمین میں ہر فردِ انسانی کا حق ہے کہ اُسے مرتے دم تک کیلئے بلا کرایہ مکان بھی میسر رہے اور ضروریاتِ زندگی بھی متوازن و مساوی انداز ملتی رہیں۔ اور ایسا متوازن انتظام قائم کرنا مرکزی حکومت کا فریضہ ہے جس حکومت میں ایسا انتظام نہ ہو وہ اسلامی حکومت نہیں کہلا سکتی، بلکہ وہ ۲۸/۴ کیمطابق فرعونی حکومت ہو سکتی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ میں تضرع خوف اور طمع کیساتھ مخفی انداز میں بحضورِ خداوندی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں:-

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا
اور دعا کرو رب اپنے کو عاجزی کیساتھ خفیہ انداز میں بیشک وہ نہیں

اور اپنے پروردگار کے حضور میں دُعا کیا کرو عاجزی کیساتھ مخفی انداز میں ۱ (یعنی مشکلات کے وقت صرف اُسی سے

يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ پسند کرتا حد سے بڑھنے والوں کو	مدد مانگا کرو اور قوانین خداوندی کی مخالفت کر کے مشکلات کو دعوت نہ دیا کرو بیشک وہ (اللہ) حد سے پھاندنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا اور نہ تم فساد کرنا بیچ زمین کے پیچھے اصلاح اسکی وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ اور دعا کرو اسے خوف اور طمع سے بیشک رحمت اللہ کی قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ نزدیک ہے سے توازن قائم کرنیوالوں	اور (اللہ تعالیٰ کی حد سے پھاند کر) زمین میں فساد نہ کرنا پیچھے اسکے کہ اسکی اصلاح ہو چکی ہو (یعنی جب ہر فرد معاشرہ کے حقوق ربوبیت محفوظ ہو چکے ہوں) اور اُس اللہ ہی کے حضور دعا کیا کرو (اسکے قوانین کی مخالفت کے بُرے نتیجے سے ڈرتے ہوئے اور اسکے قوانین پر عمل کرنے کے بہتر نتیجے کا طمع رکھتے ہوئے) بیشک اللہ کی رحمت ان لوگوں کے قریب ہے جو (نظام ربوبیت قائم کر کے معاشرہ میں توازن قائم کرنیوالے ہیں۔

● ۱؎ اُدعُوا کا سہ حرفی مادہ ہے د۔ ع۔ و جسکا بنیادی معنیٰ ہے بلانا پکارنا دعا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کے دو مقام ہیں۔ ایک ہے صلوٰۃ موقّت (نماز) اور دوسرا ہے مشکل وقت پر غائبانہ مدد مرادیں مانگنا۔ قرآن مجید نے نماز کو بھی خالصتہً اللہ تعالیٰ کیلئے مختص کر رکھا ہے اور غائبانہ مرادیں مانگنے کو بھی۔ صلوٰۃ نماز بھی مقام دعا ہے وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۲۷/۱۸ مسجدیں صرف اللہ کیلئے ہیں۔ پس اللہ کیساتھ غیر اللہ کو مت پکارو۔ صلوٰۃ میں دعا بھی مانگی جاتی ہے اور اُسی سے مدد مانگنے کا اقرار بھی کیا جاتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۱/۴۔

● ۲؎ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً کے الفاظ میں دعا کے آداب سکھائے گئے ہیں عاجزی اور خفیہ انداز کیساتھ۔ اس حکم الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ کو زور کی آواز کیساتھ پکارنا شجر ممنوعہ ہے۔ نیز واضح رہے کہ اُدْعُوْا فعل امر جمع میں خود آنحضور بھی شامل ہیں اور حضرت علیؓ بھی جنہیں مشکلوں کے وقت پکارا جاتا ہے۔ حالانکہ آنحضور سمیت جملہ بزرگوں کو صرف حضور الٰہی میں دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جسکے مطابق خود آنحضور اور آپکے صحابہؓ اور دیگر تمام بزرگ خود اللہ تعالیٰ سے مرادیں مانگتے تھے۔ اس طرح غیر اللہ سے مرادیں مانگنا حکم باری کے بھی خلاف ہے۔ نیز سنّت رسول اور تعامل صحابہؓ کے بھی خلاف ہے۔

● ۳؎ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ کے جملہ مبارکہ سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حد سے پھاندنا اُسکی ناراضگی کا موجب ہے۔ نیز ظاہر ہے کہ حدود اللہ کو پھاند کر انسان خود مشکلات میں گرفتار ہو جاتا ہے مثلاً آگ میں انگلی ڈالیں تو یقیناً جل جائیگی۔ پس انتہائی بلیغ انداز کیساتھ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاند کر مشکلات کو دعوت نہ دیا کرو۔ قوانین خداوندی کی حدود میں محدود رہو اور ہمیشہ اسی کے حضور میں نہ زور زور سے نہیں بلکہ مخفی انداز میں عاجزانہ دعائیں بھی کیا کرو اور غائبانہ مدد مرادیں بھی صرف اسی سے مانگا کرو۔

● ۴؎ آیت نمبر ۵۵ میں اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً آیا ہے کہ اپنے رب کے حضور عاجزی کیساتھ خفیہ دعا کیا

کرو۔ اس آیت نمبر ۵۶ میں وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا آیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ دُعا کیساتھ خوف اور طمع کی شرط بھی عائد کر دیگئی ہے۔ اِس سے عیاں ہے کہ دُعا کیساتھ بُرے اعمال کے بُرے نتیجے کے خوف سے بُرے عملوں سے بچنا ہوگا اور نیک اعمال کے اچھے نتیجہ کے طمع کیساتھ نیک اعمال بجالانے ہونگے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ دُعا اپنے آپ کو نیک اعمال بجالانے اور بُرے اعمال سے بچنے کی تحریک ہے جس میں یہ بھی شامل ہے کہ جس مقصد کے حصول کے لئے دُعا کی جائے اسکے حصول سے متعلقہ قوانینِ خداوندی پر عمل کرنا لازم ہے۔ اور اس عمل کیساتھ ہی حصولِ مقصد کا طمع کیا جاسکتا ہے اسکے برعکس قانونی حدود شکنی کا لازمی نتیجہ حصولِ مدّعا سے محرومی ہی ہے۔ اور اس خطرہ سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے قوانینِ خداوندی کی پابندی۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں قیام نظام ربوبیت کے ربط کیمطابق زمین کی پیداوار کا مستقل قاعدہ بتا دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے قانون کیمطابق بارشیں برساتا ہے اور اُس پانی کیساتھ اچھی زمین سے اچھی پیداوار نکلتی ہے اور ناقص زمین ناقص فصل ہی دیتی ہے:۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ
اور وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی درمیان ہاتھوں

رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ
رحمت اسکی یہانتک کہ جب اٹھاتی ہے وہ بادل بھاری ہانک لاتے ہیں ہم

لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
طرف زمین مُردہ کے پھر نازل کرتے ہیں ہم ساتھ اسکے پانی پھر نکالتے ہیں ہم ساتھ اسکے

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ
سے تمام میوے مانند مذکورہ ہم نکالینگے مُردے شائد کہ تم

تَذَكَّرُوْنَ ۝ ۵۷
نصیحت حاصل کرو

اور وُہ (اللہ تعالیٰ ہی) ہے جو اپنے قانون کے مطابق اپنی رحمت سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے کیلئے ہوائیں بھیجتا ہے[۱]۔ یہانتک کہ جب ہوائیں بھاری بادلوں کو اُٹھالاتی ہیں تو ہم اُسے (اپنے قانون کیمطابق) مُردہ زمین کی طرف ہانک کرلے جاتے ہیں[۲]۔ پھر ہم (اپنے قانون کیمطابق) اُس پانی کیساتھ ہر قسم کے میوے نکالتے ہیں[۳]۔ اسی طرح ہم قیامت کے دن مُردوں کو نکالینگے[۵] (یہ بیان اسلئے کیا گیا ہے) تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (کہ معاشی توازن کے قیام کیلئے خدا تعالیٰ نے پورے کارخانۂ کائنات کو ہر آن سرگرم عمل رکھا ہوا ہے[۶])

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ
اور زمین تندرست نکلتی ہے پیداوار اسکی ساتھ قانون رب اسکے

وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ
اور جو ناقص ہے نہیں نکلتی مگر ناقص پیداوار۔ مانند اسی کے

اور صحتمند زمین سے اُس کی پیداوار اُسکے رب کے قانون کے مطابق (زیادہ اور عمدہ) نکلتی ہے اور جو زمین ناقص ہو۔ اُس میں سے نہیں نکلتی مگر ناقص فصل ہی نکلتی ہے اسی طرح ہم [illegible] کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں اُس

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝ ۵۸ || قوم کیلئے جو بھرپور محنت کرنیوالے ہیں ۔۸

ہم پھیرتے ہیں اپنی آیتیں واسطے قوم بھرپور محنت کرنیوالے

● ۱ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ کے جملہ میں آمد باران رحمت کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہواؤں کا ذکر ہے جو خدا تعالیٰ کے متعینہ طبعی قوانین کیمطابق کالی گھنگھور گھٹاؤں سے آگے آگے چلتی ہیں بَيْنَ يَدَيْ کا لفظی معنٰی ہے درمیان دو ہاتھوں کے مگر اسکا اصطلاحی معنی ہے آگے یا سامنے۔

● ۲ سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ کیمطابق قانون قدرت یہ ہے کہ بادل ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر آتے ہیں اور مُردہ زمین کیطرف ہانک دئیے جاتے ہیں۔ جس علاقے میں زور کی گرمی پڑتی ہے وہاں ہوا گرم ہو کر ہلکی ہو جاتی اور بہ اُوپر اٹھ جاتی ہے۔ اس خلاء کو پُر کرنے کیلئے سمندر کی ٹھنڈی ہوا اپنے کندھوں پر بادلوں کو اٹھا کر تیزی سے اس طرف بڑھتی ہے۔

● ۳ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ کی خبر کے مطابق ہوا کے ذریعہ سمندر سے اٹھا کر لائے گئے بادل پہاڑوں سے ٹکرا کر مُردہ زمین پر برس پڑتے ہیں اور اُسے زندہ کر دیتے ہیں۔ سائنسی تحقیق کیمطابق زمین پانی اور فضائی گیسوں کے آمیزے کیساتھ زندہ ہو جاتی ہے یعنی گرمی کی شدت کیساتھ جو اسکی صلاحیت نمو ختم ہو چکی ہوتی ہے زندہ ہو جاتی ہے۔ ۵۰/۸ میں اس آمیزے کو مَآءً مُّبٰرَكًا کہا گیا ہے وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا ۵۰/۸۔

● ۴ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ کے الفاظ میں اسی چیز کی خبر دیگئی ہے کہ اُن فضائی گیسوں اور پانی کے آمیزے کیساتھ زمین میں سے ہر قسم کے میوہ جات اور فصلیں نکالی جاتی ہیں۔

● ۵ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى یہ جملہ معترضہ ہے کہ جس طرح ہم فضائی گیسوں اور پانی کے آمیزے سے مُردہ زمین کو زندہ کر لیتے ہیں اسی طرح قیامت کو مخصوص گیسوں اور پانی کے مخصوص آمیزے کیساتھ مُردوں کو زندہ کر کے زمین میں سے نکال لینگے۔ یعنی اسی طرح مخصوص گیسوں اور پانی کا آمیزہ برسا کر مُردوں کو قیامت کے دن زمین میں سے نکال لینے کی خبر ۵۰/۱۱ میں كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ کے الفاظ میں آئی ہے اور ۳۵/۹ میں كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ کے الفاظ آئے ہیں۔

● ۶ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ کے الفاظ بارش کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور اُس میں سے ہر قسم کے پھل اور اجناس پیدا کرنے کی خبر کے بعد لائے گئے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں کہ یہ بارشیں برسانے اور فصلیں اگانے کا عظیم کائناتی نظام پوری نوع انسانی کیلئے ہے۔ اسکے ماحصل سے پوری نوع انسانی کا فیضیاب ہونا ضروری ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مرکزی طور پر ریاستی نظام ربوبیت قائم کر کے مذکورہ رزق کی منصفانہ تقسیم کی جائے۔

● ۷ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا کے الفاظ میں صراحتاً بتا دیا گیا ہے کہ اِذْن کا معنی قانون ہے کیونکہ صحت مند زمین سے عمدہ غذا کا پیدا ہونا اور ناقص زمین سے ناقص پیداوار کا میسر آنا خدا

تعالیٰ کا دائمی قانون ہے یعنی ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ تک ایسا ہی ہوتا چلا جائیگا۔ قرآنِ کریم میں تصریفِ آیات کے ذریعہ اذن بمعنی قانون ذیل کے دیگر متعدد مقامات سے ثابت ہے :۔

۱۔ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۱۰/۱۰۰ اور کسی نفس کیلئے یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے اذن (قانون) کے بغیر ایمان لے آئے۔ اور کفر و ایمان کا قانونِ خداوندی یہ ہے :۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ۱۸/۲۹ اور کہدیجیئگا اے رسول! کہ حق قرآن تمہارے رب کی طرف سے آگیا ہے پس جو کوئی خود چاہے اس پر ایمان لائے اور جو کوئی خود چاہے انکار کر دے۔

۲۔ کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ ۲/۲۴۹ بارہا اللہ کے اذن (قانون) کے مطابق چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے۔ اور غلبے کا قانون اسی آئت کے اگلے الفاظ میں بیان کر دیا ہے ثابت قدمی وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۲/۲۴۹ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کیساتھ ہے (ثابت قدم رہنے والے ہی غالب آتے ہیں)

۳۔ وَمَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰہِ ۳/۱۶۶ اور جس دن دو گروہوں میں مقابلہ ہوا اُس دن تمہیں جو شکست کی مصیبت پہنچی تھی وہ اللہ کے اذن (قانون) کے مطابق پہنچی تھی۔ اور فتح و شکست کے قانون کا اعلان اس سے ماقبل آئت مجیدہ ۳/۱۶۵ میں موجود ہے اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۳/۱۶۵ کیا اور جب تمہیں (جنگِ اُحد میں) شکست کی مصیبت پہنچی حالانکہ اس سے پہلے تم انہی دشمنوں کو (جنگ بدر میں) اس سے دگنی شکست دے چکے تھے۔ تم نے اس شکست پر کہا کہ یہ کیوں آئی۔ کہدیجیئگا اے رسول! کہ یہ تمہارے اپنے ہی افراد کی کوتاہی کی بدولت آئی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قوانین متعین کرنیوالا ہے۔

• اِس آئت مجیدہ ۳/۱۶۵ میں اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا مفہوم بھی اُجاگر کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا قدیر ہے۔ لفظ قدیر بمادہ قدر سے صفت مشبّہ ہے۔ اور قدر کا معنی ہے اندازہ پیمانہ اور قانون۔ اس طرح عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا معنی ہے ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا۔ اور فتح کا قانون ہے ثبات قدمی۔ چنانچہ جنگ اُحد کی شکست کی موجب صحابہؓ کے ایک دستہ کی سستی ہی تھی۔

۴۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۶۴/۱۱ نہیں آتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے اذن (قانون) ہی کیمطابق آتی ہے۔ اور اس قانون کی خبر بالفاظ ذیل دیگئی ہے وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ ۴۲/۳۰ اور جو بھی مصیبت تمہیں آتی ہے پس وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ پس قانونِ خداوندی یہ ہے کہ ہم جو کچھ بوئینگے وہی کچھ کاٹیں گے۔

● ۸؎ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ کے جملہ مبارکہ میں سابقہ آیات مجیدہ میں پھیر پھیر کر لائے گئے بیان کو اُس قوم کیلئے بتایا گیا ہے جو بھرپُور محنت کر کے بھرپُور بدلہ پانیوالے ہیں۔ بالفاظِ دیگر کام چوروں کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مقام نہیں۔ شکر کا معنیٰ ہے بھرپُور محنت کر کے بھرپُور صلہ حاصل کرنا۔ سُورہ دہر میں اُخروی عطاءِ جنت کو بھرپُور محنت کا بھرپُور صلہ قرار دیا گیا ہے اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ ۷۶/۲۲ بیشک یہ جنت تمہاری بھرپُور محنت کی جزا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمہاری اپنی سعی مشکور ہوئی ہے۔ یعنی تمہاری اپنی ہی بھرپُور محنت کا بھرپُور بدلہ تمہیں جنت کی صورت میں دیا گیا ہے۔ ۲/۱۵۸ میں آیا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ، اِسکا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی محنت کا پورا پورا بدلہ دینے والا ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ شکر کرتا ہے۔

● مذکورہ پند و نصائح کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آئت نمبر ۵۹ سے لیکر آئت نمبر ۱۵۶ تک مُسلسل سابقہ اُمتّوں کا ذکر آیا ہے جنہوں نے قوانین خداوندی کی مخالفت کر کے اپنے آپکو قَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ کے زُمرہ سے خارج کر دیا اور عذابِ خداوندی کی مستحق ہُوئیں۔ چنانچہ بالترتیب قوم نوحؑ قوم عادؑ قوم ثمودؑ قوم لُوطؑ قوم شعیبؑ اور قوم موسیٰ کا ذکر لایا گیا ہے تاکہ وہ قوم جسے قرآن کریم دیا گیا ہے اور جس کی طرف حضور خاتم النبیینؐ مبعوث فرمائے گئے تھے، نصیحت حاصل کر کے خدا تعالیٰ کی فرمانبردار ہو جائے :۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ

بیشک بھیجا ہم نے نوحؑ کو طرف قوم اسکی پھر کہا اے قوم میری

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ

حکم مانو اللہ کا۔ نہیں واسطے تمہارے حاکم سوائے اسکے بیشک میں ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ۵۹

لئے تمہارے عذاب دن بڑے سے

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۶۰

کہا سرداروں نے میں سے قوم اسکی بیشک ہم دیکھتے ہیں تجھے بیچ گمراہی کھلی

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ

کہا اے قوم میری نہیں ساتھ میرے گمراہی اور لیکن میں رسُول ہوں

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۶۱

سے رب جہانوں کے

البتہ تحقیق ہمنے نوحؑ کو اُنکی قوم کی طرف (رسُول بنا کر) بھیجا پھر انہوں نے کہا کہ اَے میری قوم تمہارے لئے اللہ کے سوا اور کوئی بھی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ بیشک میں (تمہاری بداعمالیوں کی بدولت) تمہارے لئے بڑے دِن (قیامت) کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں (یعنی چاہتا ہوں کہ تم اس عذاب سے بچ جاؤ۔ لیکن قوم نے جواب دیا) :۔

اُسکی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں (کیونکہ تو ہماری آبائی روش سے ہٹ گیا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا) :۔

(حضرت نوحؑ نے) کہا کہ اَے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں۔ بلکہ میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے بھیجا ہُوا ہوں۔ (میرا کام نظامِ ربوبیت قائم کرنا ہے) ۱؎

● ۱؎ وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے جملہ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنا تعارف جہانوں کے

رب کے بھیجے ہوئے کے الفاظ میں پیش کیا - یعنی ربوبیتِ عالمین کی تبلیغ فرمائی - جس پر قوم کے سرداروں نے آپکی روش کو غلط قرار دیا مگر حضرت نے فرمایا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ تمہیں تمہاری پرورش کرنے والے کا پیغام پہنچا رہا ہوں - تمہیں نصیحت کر رہا ہوں :-

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ

میں پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات رب اپنے کے اور نصیحت کرتا ہوں واسطے تمہارے

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۶۲

اور جانتا ہوں سے اللہ جو نہیں تم جانتے

(حضرت نوحؑ نے فرمایا) میں تمکو اللہ کے وہ پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہیں اللہ کی طرف سے وہ نصیحت کرتا ہوں جو تم نہیں جانتے -

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

کیا اور تعجب کرتے ہو تم کہ آئی پاس تمہارے نصیحت طرف سے رب تمہارے

عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ

بذریعہ بشر کے میں سے تمہارے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں اور تاکہ تم بچو اور تاکہ تم

تُرْحَمُوْنَ ۶۳

تم رحم کئے جاؤ

کیا اور تم نے اس چیز پر تعجب کیا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی نصیحت تمہیں میں سے ایک بشر[1] کے ذریعہ آئی ہے تاکہ وہ تمہیں تمہارے فرائض منصبی سے آگاہ کرے اور تاکہ تم اپنے رب کی مخالفت سے بچ جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے - (لیکن قوم نے آپکو جھٹلا دیا) :-

[1] سورہ ھود ۱۱ میں رجل کا متبادل البشر آیا ہے -

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ

پھر جھٹلایا اسے پھر نجات دی ہم نے اسے اور انکو جو ساتھ اسکے تھے

فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

بیچ کشتی کے اور غرق کیا ہم نے انکو جنہوں نے جھٹلایا ساتھ آیتیں ہماری

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۶۴ ع

بیشک وہ تھے قوم اندھے

ع ۸ / ۱۵

پھر انہوں نے (حضرت نوح کو) جھٹلا دیا - پھر ہم نے اُسے اور ان لوگوں کو جو اُسکے ساتھ کشتی میں تھے (طوفان سے) بچا لیا اور اُن لوگوں کو ہم نے (طوفان میں) غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا - بلاشبہ وہ (عقل کی) اندھی قوم تھی (انہیں حقائق دکھائی ہی نہیں دیتے تھے) -

سورۂ ھود ● [1] عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم نوح اس عقیدے کی حامل تھی کہ نبی بشر نہیں ہوتے بلکہ مافوق البشر ہوتے ہیں - اسی چیز کے متعلق سورہ ھود میں ارشاد ہوا ہے :- فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۱۱/۲۷ پس حضرت نوح کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے نہیں دیکھتے مگر تو ہمارے جیسا ایک بشر ہے اور نہ ہم نہیں دیکھتے کہ نہیں کی تیری پیروی کی طرف ایسے لوگوں نے جو ہمارے رذیلے ہیں جن کی رائے صرف صدا الصحرا ہے ـــــ اس آیت مجیدہ میں سرداران قوم کے

کے انکار کی دو وجہیں بتائی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ نبی رسول بشر نہیں ہو سکتے۔ اور دوسری یہ کہ اُن پر سب سے پہلے قوم کے سرداروں کو ایمان لانا چاہیئے۔ نہ یہ کہ قوم کے رزیلے لوگ اس پر پہلے ایمان لے آئیں۔ بالفاظِ دیگر انکے خیال میں اعلیٰ و ادنیٰ اور اونچ نیچ کی طبقاتی تقسیم صحیح تھی، اللہ کے نبی کو اسی چیز کی تائید کرنی چاہیئے۔ تاکہ اونچ طبقہ کے لوگ اس پر فوراً ایمان لے آئیں۔ اِس طرح جب انکی منشاء کے خلاف حضرت نوح کے گرد معاشرہ کے ستائے ہوئے غریب لوگ اکٹھے ہو گئے تو اب قوم کے سرداروں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم اسوقت تک آپکے پاس نہیں آسکتے جبتک آپ ان ادنیٰ لوگوں کو اپنے سے دُور نہ کر دیں۔ لیکن انبیاء کی غرض بعثت ہی ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز کو ختم کرنا ہوتی تھی، اس لئے آپ نے جواب دیا۔

● وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ $\frac{11}{29-30}$ اور میں اِن (معاشرہ کے ستائے ہوئے لوگوں) کو اپنے سے دُور کرنیوالا نہیں ہوں۔ (میری غرض بعثت ہی اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز کو ختم کرنا ہے) بیشک یہ لوگ اللہ کے حضور حاضر ہونیوالے ہیں۔ ولیکن تم جاہل قوم ہو۔ اے میری قوم اگر میں انہیں اپنے سے دُور کر دوں تو (یہ قیامت کو اللہ کے حضور شکائت کرینگے) پھر کون ہے جو اس جرمِ عظیم کی سزا سے مجھے اللہ تعالیٰ سے بچا سکے۔ کیا پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

سورہ مومنون

● سورہ مومنون میں بھی حضرت نوح کے سردرانِ قوم کا یہ اعتراض کہ تو بشر ہے اسلئے ہم تجھ پر ایمان نہیں لا سکتے" بالفاظ ذیل درج ہے:- فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ۝ $\frac{23}{24}$ پس اُسکی قوم کے سرداروں نے ایکدوسرے کو کہا کہ یہ نوح نہیں ہے مگر صرف تمہارے جیسا ایک بشر ہی ہے۔ وُہ ارادہ کرتا ہے کہ نبوت کا دعویدار ہو کر تم پر فضیلت حاصل کرے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نبی بھیجنا چاہتا تو ملائکہ کو نازل کر دیتا۔ ہمنے اپنے باپ دادوں سے یہ ہرگز نہیں سُنا (کہ اللہ کے نبی بشر ہوتے ہیں)۔

● اس آئت مجیدہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قوم نوح اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی۔ تبھی تو اُنہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نبی بھیجنا چاہتا تو ملائکہ کو نبی بنا کر نازل کر دیتا۔

مسئلہ بشریت انبیاء اور قرآن کریم

● قرآن کریم میں خود آنحضور سمیت جملہ انبیا کرام سے بصورت اعلان اقرارِ بشریت کرا دیا گیا ہے $\frac{18}{110}$ + $\frac{41}{6}$ میں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَیَّ۔ کہہ دیجئیگا اے رسول! کہ یہ ایک پکی بات ہے کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں۔ (فرق یہ ہے کہ) میری طرف وحی کیجاتی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں آنحضور کا یہ اقرار درج ہے هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا $\frac{17}{93}$ نہیں ہوں میں مگر صرف اور صرف تمہارے جیسا ہی بشر رسول ہوں۔

حضرت نوح کو طوفان سے کس طرح بچایا گیا؟

● حضرتِ نوح کی قوم پر پانی کے طوفان کا عذاب لاکر انہیں غرق کر دیا گیا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرتِ نوح اور اُنکے ساتھیوں کو کس طرح طوفانِ آب سے بچایا گیا تھا۔ اس کا جواب سُورہ ھود کی آیت نمبر ۳۷ میں بالفاظِ ذیل دیا گیا ہے :۔

● وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝ ۱۱/۳۷ اور (نوح کی طرف وحی کی گئی کہ) آپ ایک کشتی ہماری نگرانی میں ہماری وحی (سائنسی اصولوں) کیمطابق بنائیں اور مجھے ظالموں (ہماری آیتوں کو جھٹلانیوالوں) کے متعلق مخاطب نہ کرنا۔ بلاشبہ وُہ غرق کئے جانیوالے ہیں۔

● ملے یہاں وحی بمعنی سائنسی اصول یعنی خدا تعالیٰ کے متعینہ کائناتی قوانین ہے۔ یہاں اگر وحی بمعنی وحی نبوت لیا جائے تو حضرت نوح سے موجودہ سائنسدان زیادہ عقلمند ثابت ہوتے ہیں جنہوں نے بلا وحی الٰہی ہوائی جہاز، راکٹ اور خلائی جہاز تک تیار کر لئے ہیں اور حضرت نوح ایک کشتی بھی بلا وحی الٰہی نہ بنا سکے تھے۔

● آیت بالا ۱۱/۳۷ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت نوح اور آپکے ساتھیوں کو پانی کے طوفان سے بچانے کیلئے آپ سے کشتی بنوائی گئی تھی۔ اس سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ آپکو کائناتی قوانین کیمطابق ہی بچایا گیا تھا۔ اس خبر میں اس چیز کا دائمی حکم موجود ہے کہ مصائب کے دفعیہ کیلئے صرف دعائیں ہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے متعینہ کائناتی قوانین پر عمل کرنا بھی فروری ہے جیسے کہ طوفانِ آب سے بچنے کیلئے حضرت نوح کو حکماً کشتی تیار کرنا پڑی تھی۔

قومِ نوح کے پانچ پیر

● سُورہ نوح میں قومِ نوح کے متعلق آیا ہے :۔ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ ۷۱/۲۳ اور انہوں نے (آپس میں ایکدوسرے کو کہا کہ تم اپنے کارسازوں اور مددگاروں کو نہ چھوڑنا۔ اور نہ چھوڑنا ودّ کو نہ سُواع کو اور نہ یغوث یعوق اور نسر کو چھوڑنا ـــ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب طوفانِ آب کی صورت میں آیا تو انکے مذکورہ پانچ پیروں نے انکی کوئی مدد نہ کی اور وُہ سب غرق ہو گئے۔ اس آیت ۷۱/۲۳ سے ثابت ہوتا ہے کہ قومِ نوح نے مذکورہ بالا پانچ بزرگوں ودّ سواع یغوث یعوق اور نسر کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کر رکھا تھا یعنی انہیں مشکلکشا اور کارساز بنا رکھا تھا۔ کیونکہ وہ قوم خدا تعالیٰ کی ہستی کی منکر تو نہیں تھی۔ جیسے کہ پیچھے ۲۳/۲۴ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ قوم کے سرداروں نے قوم سے کہا کہ نوح تو تمہارے جیسا ایک بشر ہے اگر اللہ نے رسُول بھیجنا ہوتا تو ملائکہ کو رسُول بنا کر بھیج دیتا ہمنے اپنے آباؤ اجداد سے یہ سُنا ہی نہیں کہ رسُول بشر ہوتے ہیں۔

کیا طوفانِ نوحؑ ساری زمین پر آیا تھا؟

● روائتی تفاسیر کا دیا ہوا تصور یہ ہے کہ طوفانِ نوحؑ ساری زمین پر آیا تھا اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت نوح نے حضورِ الٰہی میں عرض کیا تھا رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ ۷۱/۲۶ اسکا معنی یہ لیا جاتا ہے کہ حضرت نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار تو پُوری زمین پر کافروں کی کوئی بستی باقی نہ چھوڑ۔ یہ ترجمہ غلط ہے کیونکہ الارض کے الف لام کی بدولت خاص وہ خطۂ ارضی مراد ہے جس میں

قوم نوح کی بستیاں آباد تھیں۔ الارض بمعنی مخصوص خطۂ ارض کی مثال ۲۸/۳ میں ملاحظہ فرمائیں اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ اسکا معنی صاف ہے کہ فرعون نے زمین کے اُس حصّے میں سرکشی اختیار کی تھی جس میں اسکی حکومت تھی۔ پس طوفان نوح زمین کے صرف اُس علاقے پر آیا تھا جس میں وہ نافرمان قوم آباد تھی۔ یہ پہاڑوں میں گھرا ہُوا علاقہ تھا کہ پانی جُودی پہاڑی کی چوٹی تک پہنچ گیا اور اس علاقے کی تمام بستیاں غرقاب ہوگئیں اور پوری نافرمان قوم ختم کردی گئی۔

کیا کشتی نوح میں ہر نوع کے جوڑے سوار کئے گئے تھے؟

● روائتی تفاسیر کا دیا ہُوا ایک تصور یہ بھی ہے کہ کشتی نوح میں سانپ بچھو گوہ، کرلی مکھی مچھر وغیرہ ہر نوع کے جوڑے سوار کئے گئے تھے۔ اور دلیل یہ دیجاتی ہے فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۲۳/۲۷ (ہمنے نوح کو کہا کہ) ہر ضروری نوع کے دو دو جوڑے کشتی میں سوار کرلیں۔ یہ حکم اسلئے دیا گیا تھا کہ اُس پہاڑی وادی میں اس عظیم طوفان کی بدولت کوئی جاندار زندہ بچنے والا نہیں تھا۔ اسلئے پانی اُترنے کے بعد جب دوبارہ زندگی شروع کی جائے تو وہ نوعیں جو انسانی زندگی کیلئے ضروری ہیں گائے، بھینس بھیڑ بکری اور گھوڑا گدھا وغیرہ کی نسل کشی کی جاسکے۔ اسکے سوا موذی جانوروں اور حشرات الارض سانپ بچھو، گوہ کرلا وغیرہ کی انسانی زندگی کو نہ ضرورت ہے اور نہ انکے دو دو جوڑے سوار کئے گئے تھے روائتی تفاسیر کو دھوکا ہُوا ہے مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ میں آمدہ کُلٍّ کے لفظ سے۔ حالانکہ کُلٍّ کا لفظ موقعہ محل کیمطابق ضروری اشیاء کا حامل ہوتا ہے۔ غیر ضروری چیزیں اسکے دائرہ سے از خود خارج ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ملکہ سبا کے متعلق حضرت سلیمان کے ایک عامل ہُدہُد نے حضرت کو یہ خبر دی تھی:۔

● اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ۲۷/۲۳ بیشک میں نے ایک عورت کو دیکھا ہے جو عوام پر حکومت کرتی ہے اور اُسے ہر (ضروری) چیز دیگئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں كُلِّ شَیْءٍ کا معنی ضروریاتِ سلطنت کے دائرے میں محدود ہے یعنی سلطنت کی ہر ضروری چیز فوج، خزانہ، راشن، اسلحہ، عمارتیں، محلات اور قلعے دیوانخانے وغیرہ نہ کہ سانپ بچھو گوہ کرلے، مکھی مچھروں کے ہجوم بھی اسکے پاس موجود تھے۔

حضرت نوح کی بسائی ہُوئی متوازن بستیاں

● حضرت نوح جن غیر متوازن بستیوں کی طرف مبعوث کئے گئے تھے انکا نقشہ آپ پیچھے ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ انکے باشندے اعلیٰ و ادنیٰ اور غریب و امیر کی ظالمانہ تقسیم میں منقسم تھے۔ چنانچہ جب حضرت نوح نے متوازن حقوقِ ربوبیت عامہ کا اعلان فرمایا تو مفلوک الحال لوگ آپکے گرد جمع ہوگئے اور آپ پر ایمان لے آئے مگر انکا استحصال کرنیوالے سرداروں نے کہا کہ ہم آپ پر اُسوقت تک ایمان نہیں لاسکتے جبتک آپ ہمارے ان رذیلوں کو اپنے سے دُور نہ کردیں۔ لیکن آپنے انکا یہ مطالبہ قبول نہ کیا اسلئے وہ لوگ باقاعدہ طور پر آپکی مخالفت پر ڈٹ گئے۔ چنانچہ انکی اسی ناہمواری کی بدولت ان پر پانی کا عذاب لایا گیا اور وہ ختم کر دیئے گئے۔ لیکن جب پانی اترا تو سابقہ مکانات گر چکے تھے اور سر چھپانے

کیلئے کو ئی عمارت باقی نہ رہی تھی - اسلئے اب اوّلین کام کیا جانیوالا یہ تھا کہ نئی بستیاں بسائی جائیں - چنانچہ بسائی گئیں -

● لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ بستیاں جو طوفان کے بعد حضرت نوح نے بسائی تھیں کیا انکا انداز متوازن تھا یا حسب سابق عدم توازن کا مُرقع تھا؟ یعنی کیا حضرت نوحؑ نے یہ انداز اختیار کیا تھا کہ اپنے بھائی بھتیجوں بھانجوں سالوں ہم زلفوں کو اور انکی اولادوں کو جو آپ پر ایمان لاکر طوفان سے بچ گئے تھے انہیں تو زمین کے کئی کئی پلاٹ الاٹ کر دئیے ہوں اور عمارتیں بنانے کیلئے کئی کئی درخت بھی دیدئیے ہوں تاکہ وہ کرایہ پر دینے کیلئے کوارٹر دکانیں اور گودام تعمیر کرکے باآرام استحصالی زندگی کا اہتمام کرلیں اور جن مومنوں سے آپکا کوئی نسبی تعلق نہیں انہیں صرف اس بنا پر کہ نہ وہ حضرت کے ننھال سے تھے نہ ددیال اور نہ سسرال سے، اسلئے انہیں کوئی زمین نہ دیگئی ہو اور انہیں حضرت کے عزیزوں اور قریبیوں کا کرایہ دار بننے پر مجبور کر دیا گیا ہو۔

● پھر کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت نوح نے طوفان کے بعد جو ریاستی نظام قائم کیا تھا اُس میں آپنے صرف ددیالی ننھالی اور سُسرالی قرابت داروں کو ہی اعلیٰ مناصب عطا فرمائے ہوں اور جن سے آپکا کوئی نسبی تعلق نہیں تھا انہیں چپڑاسی وغیرہ بناکر تذلیلِ انسانیت کی ہو؟ اِن سوالوں کا جواب مطلق نفی میں ہے، اگر طوفان کے بعد بھی پھر وہی نافرمان غیر متوازن معاشرہ قائم فرمایا تھا تو ظاہر ہے کہ طوفان لاکر نافرمانوں کو ختم کرنا مطلقًا عبث ٹھہرتا ہے - اسلئے آپنے ایسا متوازن نظام کیا جس میں نہ کوئی بھوکا تھا نہ ننگا نہ کوئی بے علاج تھا نہ بے مکان - اور یہی تھی جُملہ انبیاء سمیت حضرت نوح کی غرضِ بعثت، ناہموار و غیر متوازن معاشرہ کو مٹانا اور ہموار و متوازن معاشرہ قائم کرنا - سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ $\frac{۳۷}{۷۹}$ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝ $\frac{۳۷}{۱۸۱}$ -

● قومِ نوح کے تذکرہ کے بعد قومِ ھُود کی نافرمانیوں کا ذکر سلسلۂ ورس کی اگلی آیات مجیدہ میں بالفاظِ ذیل لایا گیا ہے :-

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ

اور طرف قوم عاد بھائی انکے ھود کو بھیجا کہا اَے میری قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا

حکم مانو اللہ کا نہیں ہے واسطے تمہارے میں سے حاکم سوائے اسکے کیا پھر نہیں

تَتَّقُوْنَ ۝ ۶۵

تم بچتے

اور قوم عاد کی طرف (انکی رہنمائی کیلئے بھیجے) انکے بھائی ھُود کو (بھیجا) انہوں نے کہا کہ اَے میری قوم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو - تمہارے لئے اسکے سوا کوئی اور فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے کیا پھر تم (اس حقیقتِ ثابتہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے) نہیں بچتے - (تمہیں اپنے حاکم حقیقی کی مخالفت سے بچنا چاہیئے)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا

کہا سرداروں نے جنہوں نے انکار کیا میں سے قوم اسکی بیشک ہم

آپکی قوم کے اُن سرداروں نے جنہوں نے (ہمارے نازل کردہ ضابطے کا) انکار کیا یہ کہا بیشک ہم تجھے بیوقوفی میں دیکھتے ہیں

لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ
تم کو دیکھتے ہیں تجھے بیچ بیوقوفی کے اور بیشک ہم گمان کرتے ہیں تجھے میں سے

الْكٰذِبِيْنَ ۞ ۶۶
جھوٹوں کے

اور بلاشبہ ہم گمان کرتے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔

فرمایا۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ
کہا اے میری قوم نہیں ہے ساتھ میرے بیوقوفی اور

لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞
لیکن ہوں میں بھیجا ہوا طرف سے پروردگار جہانوں کے

(حضرت ھودؑ نے) کہا کہ اے میری قوم میں بیوقوف نہیں ہوں ولیکن میں اُس ذات کا بھیجا ہوا ہوں جو پورے عالمین (ساری کی ساری مخلوق) کا ایک جیسا رب ہے (میں اپنے رب کا پیغام ربوبیت لیکر آیا ہوں)۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ
پہنچاتا ہوں تمکو پیغامات رب اپنے کے اور میں ہوں واسطے تمہارے

نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۞ ۶۸
نصیحت کرنیوالا امین

میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تم سب کیلئے باامانت نصیحتیں کرنیوالا ہوں۔ (اللہ کے پیغامات اور اسکی نصیحتوں میں نہ کمی کرنیوالا ہوں نہ زیادتی کرنے والا)۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ
کیا اور تم تعجب کرتے ہو کہ آئی پاس تمہارے نصیحت طرف سے

رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْٓا
رب تمہارے بذریعہ بشر کے ہیں سے تمہارے تاکہ وہ ڈرائے تمکو اور یاد کرو

اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي
جب بنایا تم کو جانشین سے پیچھے قوم نوح کے اور زیادہ کیا تمکو بیچ

الْخَلْقِ بَصْۜطَةً فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ ۶۹
پیدائش کے زیادہ کرنا پس یاد کرو نعمتیں اللہ کی تاکہ تم فلاح پاؤ

اور کیا تم اِس چیز پر تعجب کرتے ہو کہ تمہاری طرف تمہارے رب کی نصیحت تمہی میں سے ایک بشر کے ذریعہ آئی ہے تاکہ وہ تمہیں تمہارے فرائض منصبی سے آگاہ کرے۔ اور تم اُس وقت کو یاد کرو کہ تمہیں اللہ نے قوم نوح کے بعد اُس کا جانشین بنایا اور تمہیں افزائش نسل کے پھیلاؤ میں زیادہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ (تاکہ تم بُرے عملوں سے بچو اور) آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔

قوم عاد نے بھی اللہ کے شریک بنا رکھے تھے

● جس طرح قوم نوح نے پانچ پیروں کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا تھا اسی طرح قوم عاد نے بھی اپنے بزرگوں کو اللہ کے شریک بنا رکھا تھا۔ اسلئے انہوں نے حیرانی سے کہا۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ
انہوں نے کہا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ ہم حکم مانیں اللہ اکیلے کا

وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا
اور ہم چھوڑ دیں جو تھے حکم مانتے باپ دادے ہمارے پس لے آ ہم پر جو

تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ۷۰
تو وعدہ دیتا ہے ہمیں اگر ہے تو میں سے سچوں کے

(قوم عاد نے حضرت ھُودؑ کو) کہا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کریں اور جن (بزرگوں) کی فرمانبرداری ہمارے باپ دادے کرتے تھے انہیں چھوڑ دیں۔ پس تو لے آ (وہ عذاب) جس کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔

● ۱ لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ کے الفاظ سے کھل ثابت ہوتا ہے کہ قوم عاد (اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی بلکہ قوم نوح کی طرح اللہ تعالیٰ کیساتھ اسکی صفاتِ مخصوصہ میں غیر اللہ کو شریک کر رکھا تھا۔ غیر اللہ کو حاجت روا، مشکلکشا اور دستگیر قرار دے رکھا تھا۔ اور حضرت ھُودؑ کو عذاب لانے کی دعوت و یدی تھی۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر بلاوجہ عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ قومیں اپنے برے اعمال کی بدولت خود عذاب الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ قوم عاد اپنے غلط عقائد اور بُرے اعمال کی بدولت رفتہ رفتہ عذاب کے خداوندی پیمانے پر پوری اترتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا کہ حضرت ھُودؑ اُن کے بُرے اعمال کے مطابق ۔۔ ارشاد فرمایا:۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ
کہا بیشک لازم ہو گئی اوپر تمہارے طرف سے رب تمہارے رسوائی

وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ
اور غصہ کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے بیچ ناموں کے کہ نام رکھ لئے تم نے وہ

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ
تم نے اور باپوں تمہارے نے نہیں نازل کی اللہ نے ساتھ اسکے میں سے

سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ
کوئی دلیل پس تم انتظار کرو بیشک میں ہوں ساتھ تمہارے میں سے

الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ۷۱
انتظار کرنیوالوں کے

(حضرت ھُودؑ نے قوم سے) کہا کہ تمہاری بداعمالیوں کی بدولت تم پر تمہارے رب کی طرف سے ذلت اور غضب لازم ہو چکا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ اُن ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے پہلے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۱ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ پس تم بھی (نتیجے کا) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

● ۱ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَا کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم عاد نے اپنے بزرگوں کے ایسے نام رکھ لئے ہوئے تھے جن کی کوئی دلیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئی۔ افسوس ہے کہ ایسے ہی نام اہلِ اسلام نے اپنے بزرگوں کے رکھ لئے ہیں جن کی دلیل قرآن کریم میں موجود نہیں ہے مثلاً شیخ الشیوخ مشکلکشا، دستگیر، غوث، قطب ابدال اوتاد وغیرہ۔ قوم عاد پر

ایسے ہی عقائد و اعمال کی بدولت عذابِ خداوندی نازل ہوا۔ لیکن حضرت ھود اور اُنکے ساتھیوں کو عذاب سے بچا لیا گیا:۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
پس بچا لیا ہمنے اسے اور جو تھے ساتھ اسکے ساتھ رحمت طرف سے اپنی

وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا
اور کاٹ دی ہمنے جڑ ان لوگوں کی جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری اور نہیں تھے

مُؤْمِنِيْنَ ○ ۷۲
ایمان لانیوالے

پھر ہمنے اُسے (ھود) کو عذاب سے بچا لیا اور اور اُن لوگوں کو بھی جو اُسکے ساتھ تھے اپنی طرف سے اپنی رحمت کیساتھ اور کاٹ ڈالی ہمنے جڑ اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور نہیں تھے وہ ایمان لانیوالے۔

ع ۹ ۱۲

سورہ ھود

• سورہ ھود میں قوم عاد کے متعلق ارشاد ہوا ہے وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ○ ۱۱/۵۰ اور ہمنے قوم عاد کی طرف اُنکے بھائی ھود کو بھیجا۔ اُس نے کہا اَے قوم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اُسکے سوا کوئی حاکم نہیں۔ نہیں ہو تم مگر (غیر اللہ کی فرمانبرداری کو اللہ کا حکم بنا کر) اُس اللہ پر بہتان باندھنے والے ہو ۔ مگر قوم نے جواب دیا:۔

• قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ۱۱/۵۳ انہوں نے کہا اَے ھود تو کوئی واضح دلیل ہمارے پاس نہیں لایا۔ اور ہم تیرے کہنے پر اپنے الاہوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں جن کی ہم فرمانبرداری کرتے ہیں۔

• چونکہ قوم ھود کے بڑے بڑے آدمی آپ ایمان نہ لائے صرف غریب عوام ہی آپکے ساتھ ہوئے اسلئے قوم نے کہا:۔

• اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ...... اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ۱۱/۵۴ تا ۵۶ ہم اسکے سوا کچھ نہیں کہتے کہ ہمارے الاہوں میں سے جن کا حکم ہم واجب الاتباع مانتے ہیں کسی الہ نے تجھے برائی سے مس کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا بیشک میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ ہو جاؤ کہ بلاشبہ میں اس سے بری ہوں جو تم (اپنے بزرگوں کو) اللہ کیساتھ شریک کرتے ہو۔ پس تم سب مل کر میرے خلاف تجویز کر لو، پھر مجھے مہلت نہ دینا۔ بیشک میں نے اللہ پر بھروسہ کیا ہے جو میرا بھی اور تمہارا بھی ایک جیسا رب ہے ...... میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔

• سورہ سورہ آل عمران سورہ مریم میں حضرت مسیح کا یہی قول درج ہے اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ ۳/۵۱ + ۱۹/۳۶ بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے۔ پس اُسی رب العلمین کی فرمانبرداری کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

● ملا ۱۱/۵۶ میں آیا ہے اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ یہ ایک محاورہ ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ میرا رب سیدھے راستے کی رہنمائی کرنیوالا ہے۔ اور سیدھا راستہ ۳/۵۱ + ۱۹/۳۶ میں بتا دیا گیا ہے فَاعْبُدُوْہُ صرف اُس کیلئے کی فرمانبرداری کرو۔ اور اس سے ماقبل ہر سہ مقامات پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے۔ یعنی نوعِ انسانی میں نظامِ ربوبیت قائم کرنا ہی سیدھا راستہ ہے۔ صراطِ مستقیم کا معنی ہے منزلِ مقصود پر پہنچنے کا چھوٹے سے چھوٹا بے خطر راستہ۔ نظامِ ربوبیت ہی چھوٹے سے چھوٹا اور بے خطر راہ ہے جس میں نہ کسی کے حقوقِ ربوبیت غصب ہوتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ میں کسی بغاوت کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ خطرات صرف اور صرف غصبِ حقوق ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

سُورۃ شعرآء

● قومِ عاد کا ذکر سُورۃ شعراء میں بھی آیا ہے:- کَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِیْنَ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ هُوْدٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ إِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِیْعُوْنِ ۝ ۲۶/۱۲۳ تا ۱۲۶ قومِ عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ اُنکے بھائی ھودؑ نے اُنہیں کہا تم کیوں اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے نہیں بچتے۔ بیشک میں تمہاری طرف امانتدار رسول ہوں۔ پس تم اللہ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ جس طرح میں اللہ کی کتاب کیمطابق عمل کرتا ہوں تم بھی کتاب اللہ پر عمل کر کے اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ کا یہ معنی غلط ہے کہ اللہ سے بچو۔ بلکہ لفظ اللہ کا الف لام عوض مضاف ہے اور مضاف ہے قانون۔ اور صحیح معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت کے بُرے نتیجے سے بچ جاؤ۔

قومِ عاد ایک جابر قوم تھی۔ وہ اپنی فتح کی یادگار میں بڑے بڑے مینار بنایا کرتے تھے

● سُورۃ شعراء کی آیاتِ مجیدہ ۱۲۸ تا ۱۳۰ میں حضرت ھودؑ کے یہ الفاظ آئے ہیں أَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ۝ ...... إِنِّیْ أَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝

۲۶/۱۲۸ تا ۱۳۰ + ۱۳۵ حضرتِ ھودؑ نے کہا، کیا تم ہر بلند مقام پر (اپنی فتح کی) یادگار تعمیر کرتے ہو۔ (یہ تم بالکل فضول کام کرتے ہو) اور تم محل اور مینار بناتے ہو گویا کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی قوم پر پنجہ مارتے ہو (یعنی جارحانہ حملہ کرتے ہو تو فتح کے بعد) جبّار بن کر اُسے غلام بنا لیتے ہو۔

● ملا تَعْبَثُوْنَ کا مادہ ع-ب-ث = عبث ہے جسکا معنی ہے ہر وہ کام کرنا جس میں انسانی توانائی عقل محنت اور دولت بے فائدہ خرچ کی جائے۔ یادگاروں پر کروڑوں روپیہ کا خرچ تعبثون کے زمرہ میں آتا ہے۔ یادگاریں رات کے اندھیرے میں مجرموں کو پناہ دینے کے سوا کسی بھی کام نہیں آتیں۔ انہیں مجرم قومیں بناتی ہیں۔ قرآنِ کریم میں آیا ہے قُلْ سِیْرُوْا فِی الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ ۲۷/۶۹ کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ مجرم قوموں کا کیا انجام ہوا۔ جو عوام کے حقوقِ ربوبیت غصب کر کے یادگاریں، قلعے اور محلات تعمیر کرتے رہے گویا کہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں مگر وہاں آج دن کے وقت اُلّو بولتے ہیں اور رات کو چور اور ڈاکو وہاں پناہ لیتے ہیں۔

• حضرت ھودؑ کے مذکورہ ۲۶/۱۲۵ تا ۱۳۵ کے وعظ کے جواب میں مغرور قوم نے جواب دیا:- قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ ۲۶/۱۳۶ تا ۱۳۸ اُنہوں نے کہا کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نہ کریں ہمارے لئے برابر ہے (ہم اپنی روش سے باز نہیں آئینگے کیونکہ) یہی ہمارے بزرگوں کا طریقہ ہے اور ہم عذاب کئے جانیوالے نہیں (یعنی ہمیں اللہ کا عذاب نہیں آئیگا) ـــــ یہ اسلئے کہ انکے علماء و مشائخ نے انکے مروجہ اعمال کو اللہ تعالیٰ کے احکام کیمطابق قرار دے رکھا تھا۔ لیکن ارشاد باری ہے:-

• فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۶/۱۳۹ پس اُنہوں حضرت ھودؑ کو جھٹلایا۔ اِسکے بدلے میں ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اور اکثریت مومن نہ ہوئی۔

سُورہ حٰم سجدہ • سُورہ حٰم سجدہ میں قوم ھودؑ کے متعلق آیا ہے:- فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ[1] وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا[2] فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ۴۱/۱۵-۱۶ ۔

(مفہوم) پھر جو قوم عاد تھے۔ اُنہوں نے زمین میں تکبّر کیا جسکا اللہ کے سوا کسی کو حق نہیں[1] اور کہا کہ ہم سے بڑھکر قوت کے لحاظ سے کون طاقتور ہے۔ کیا اور اُنہوں نے غور نہ کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اُنہیں پیدا کیا وُہ قوت کے لحاظ سے اُن سے طاقتور ہے اور وُہ ہماری آیتوں کے بارے میں (حضرت ھودؑ کیساتھ) جھگڑتے تھے۔ پھر ہمنے اُن پر اُنکی سرکشی کے بدلے میں ایسی تند و تیز اور لگاتار چلنے والی ٹھنڈی ہوا بھیجی جس سے ہیبتناک آوازیں بھی نکلتی ہیں۔ تاکہ ہم اُنہیں دُنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھائیں حالانکہ آخرت کا عذاب بہت زیادہ رسوا کرنیوالا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنکی کوئی مدد نہ دُنیا میں کیگئی تھی اور نہ آخرت میں کیجائیگی۔

• [1] فَاسْتَكْبَرُوْا ..... بِغَيْرِ الْحَقِّ کے الفاظ سے یہ تصوّر پیدا کرنا غلط ہے کہ کسی قوم یا کسی فرد کو کسی وقت پر تکبّر کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ ۴۵/۳۷ میں آیا ہے وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اِس آئت مجیدہ میں لَهٗ کا جار مجرور مقدّم لاکر حصریہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اسلئے تکبّر کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ پس اُوپر ۴۱/۱۵ میں بِغَيْرِ الْحَقِّ کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے تکبّر کیا جسکا نہ کسی قوم کو حق حاصل ہے نہ کسی فرد کو۔

• [2] رِيْحًا صَرْصَرًا کا معنیٰ ہے لگاتار چلنے والی تند و تیز ہوا جس میں ٹھنڈک بھی ہو اور اُس سے مُہیب آوازیں بھی نکلتی ہوں۔ مادہ ص - ر - ر۔ صرّ کا بنیادی معنیٰ ہے کسی کام میں دوام پایا جانا۔ اِسی مادہ سے ہے لفظ اصرار یعنی کسی چیز کی طلب میں نہ ٹوٹنے والا تسلسل۔ پس اس طرح رِيْحًا صَرْصَرًا کا معنیٰ ہے مسلسل چلنے والی ہوا۔ نیز صَرَّ، يَصِرُّ، صَرِيْرًا کا معنیٰ ہے سخت آواز نکالنا۔ یہی قوم عاد پر بھیجی گئی وہ شدید و مُہیب آندھی تھی جس سے ہیبتناک آوازیں بھی نکلتی

تھیں اور اس میں ٹھنڈ بھی تھی - صِرٌّ کا معنی ٹھنڈ اور جاڑا ہے

● ۳ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ کا لفظی معنی ہے نحس دن، بُرے دن - ہر قوم خود اپنے اعمال کیساتھ اُنہی دنوں کو اپنے لئے خود بُرے بنا لیتی ہے جو نیک عمل کرنیوالوں کیلئے خوشی اور شادمانی کے دن ہوتے ہیں - ویسے اپنے مقام پر تو ہر دن سعید ہی سعید ہے - افراد اور قومیں خود انہیں اپنے بُرے عملوں کیساتھ نحس (منحوس) بنا لیتی ہیں - اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ کسی قوم کے ایّامِ زوال کو بھی کہتے ہیں - قوم عاد کا زوال شروع ہو چکا تھا -

● ۴ خِزْیِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کے الفاظ میں جو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا ذکر آیا ہے وہ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ جب قوم عاد کا زوال شروع ہو چکا تو انہیں پے در پے رسوائیاں آتی رہیں حتّٰی کہ انہی ایامِ زوال میں ان پر تیز و تند ٹھنڈی، ہیبتناک آوازوں والی اور مسلسل چلنے والی آندھی کا عذاب آ گیا اور وہ سب کے سب ختم ہو گئے۔

سورہ قمر

● سورہ قمر میں قوم عاد پر لائی گئی آندھی کی شدّت بالفاظ ذیل بیان ہوئی ہے۔ کَذَّبَتْ عَادٌ فَکَیْفَ کَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ کَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ $\frac{54}{18-20}$ قوم عاد نے (میری آیتوں کو) جھٹلایا - پھر میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ ہمنے اُن پر مسلسل چلنے والی ٹھنڈی ہوا انکے زوال کے دنوں میں بھیجی - وہ انسانوں کو اس طرح اُٹھا اُٹھا کر پھینکتی تھی گویا کہ وہ کھجوروں کے جڑ سے اکھڑے ہوئے پیڑ ہیں -

سورۃ الذّٰریٰت

● قوم عاد کے متعلق سورہ الذّٰریٰت میں ارشاد ہوا ہے۔ وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ۝ ۱ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ کَالرَّمِیْمِ ۝ $\frac{51}{41-42}$ اور قوم عاد کے تذکرہ میں بھی نشانی ہے جب ہمنے اُن پر بے خیر ہوا[1] بھیجی - وہ جس چیز پر آتی تھی اُسے نہیں چھوڑتی تھی مگر بوسیدہ ہڈیوں کی طرح کر دیتی تھی (یعنی اُس آندھی میں ایسے کیمیاوی اثرات موجود تھے جس سے چیزیں بوسیدہ ہڈیوں کی طرح ہو جاتی تھیں -

● ۱ رِیْحَ الْعَقِیْمَ کا معنی ہے وہ ہوا جس میں خیر و بھلائی نہ ہو - بانجھ عورت کو اسلئے عقیم کہا جاتا ہے کہ اُس سے کھیتی کا پھل خیر و بھلائی میسّر نہیں ہوتا، یعنی اُس سے اولاد پیدا نہیں ہوتی -

سورہ احقاف

● قوم عاد پر لائے گئے عذاب کے متعلق سورہ احقاف میں بتایا گیا ہے۔ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۚ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ تُدَمِّرُ کُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤی اِلَّا مَسٰکِنُهُمْ ۚ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ $\frac{46}{24 تا 25}$ -

(مفہوم) پس جب انہوں نے دیکھا اُسے ابر اپنی کھیتیوں کی طرف بڑھتا ہوا تو کہا یہ ایک بادل ہے جو ہم پر برسے

والا ہے (حضرت ھودؑ نے فرمایا نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کیلئے تم جلدی کرتے تھے - یہ ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ وہ اپنے رب کے امر (قانون $\frac{۱۴}{۳۴}$) کیمطابق ہر چیز کو برباد کر دیگی۔ پھر اسکے ساتھ وہ ایسے نابود ہو گئے کہ انکے گھروں (کے کھنڈروں کے) سوا اور کچھ باقی نظر نہیں آتا تھا - اسی طرح ہم مجرموں کو (انکے بُرے عملوں کی) سزا دیتے ہیں - (قوم عاد نے جسے ابر سمجھا وہ لگاتار چلنے والی آندھی تھی)

سورۃ الحاقہ - سات راتیں آٹھ دن مسلسل آندھی چلتی رہی

● تصریف آیات کیساتھ اس امر کی وضاحت تو ہو چکی ہے کہ قوم عاد پر مسلسل چلنے والی آندھی کا عذاب لایا گیا تھا۔ سورہ الحاقہ میں اس امر کی خبر دیگئی ہے کہ وہ خطرناک آندھی مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں کے لمبے وقفے پر مشتمل تھی۔ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ $\frac{۶ \; ۹}{۸ \; ۶ \; ۶۹}$ پھر جو قوم عاد تھی وہ لوگ (اپنی بداعمالیوں کی بدولت خوفناک آوازوں والی شدید مہلک آندھی کیساتھ ہلاک کئے گئے - اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر لگاتار سات راتوں اور آٹھ دن کے لئے مسلّط کر دیا پھر اے مخاطب! تو نے اس قوم کو (تصوّر کی نگاہ کیساتھ) دیکھ لیا ہے کہ وہ اس آندھی میں جڑوں سے اکھڑے ہوئے کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گرے پڑے ہیں - پھر کیا تو نے (نگاہِ تصوّر کیساتھ) دیکھا ہے کہ ان کا کوئی ایک متنفس بھی باقی بچا ہے؟ (کوئی نہیں بچا)۔

حضرت ھود اور آپکے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ جاریہ کیمطابق نجات دی تھی

● قوم عاد کی تباہی کے ضمن میں حضرت ھود اور آپکے ساتھی مومنوں کو کس طرح نجات دیگئی تھی جبکہ طوفانِ آب کے عذاب سے بچانے کیلئے حضرت نوح کو حکم دیا گیا اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا $\frac{۲۳}{۲۷}$ کہ ہماری نگرانی میں خود ہمارے متعین کردہ سائنسی قوانین کیمطابق ایک کشتی بنائیں۔ کشتی بنانے کا حکم کیوں دیا گیا؟ اسکا جواب بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعینہ سائنسی قوانینِ جاریہ میں پانی کے طوفان سے بچاؤ کیلئے کشتی ہی ضرورت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق نافرمان قوم کو پانی میں غرق کر دیا اور حضرت نوح اور آپکے ساتھیوں کو عظیم طوفان سے کشتی کے ذریعہ بچا لیا۔

● اسکے بعد باری آئی قوم عاد کی جس کیلئے طوفانِ باد یعنی ایک شدید آندھی کا عذاب تجویز کیا گیا جسکی خوفناک آوازیں انسانی زندگیوں کو ختم کرنے کیلئے کافی تھیں۔ پھر آندھی کی شدت کا یہ عالم کہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر عادی کو جڑوں سے اکھڑے ہوئے کھجور کے درختوں کی طرح پچھاڑ کر رکھ دے۔ تو ایسی حالت میں اس عظیم و شدید طوفانِ باد سے حضرت ھود اور آپکے ساتھیوں کو کس طرح بچایا گیا تھا؟

● اس سوال کا جواب بھی بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ جس طرح پانی کے طوفان سے بچاؤ کیلئے حضرت نوح کو

کشتی بنانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اُسی طرح حضرت ھودؑ کو ہوا کے طوفان کے بچاؤ کیلئے ایسی زمین دوز پناہ گاہیں تیار کرنے کا حکم دیا گیا جو اس آندھی کے طوفانِ عظیم کی زد سے نہ صرف محفوظ رہیں بلکہ وہاں اسکی وہ ہیبتناک آواز بھی نہ پہنچ سکے جو انسانی زندگی کے خاتمہ کیلئے کافی تھی۔ اب یہ سوال ہے کہ پناہ گاہیں بنانے کا حکم قرآنِ کریم میں موجود نہیں ہے۔ اسکا جواب اصحاب عقل و بصیرت کیلئے حضرت نوحؑ کے نام کشتی کی تیاری کے حکم میں موجود ہے جو قوانینِ جاریہ کی بالادستی کا دائمی ثبوت ہے کہ قیامت تک کیلئے جس جس قسم کے خطرات پیدا ہوتے چلے جائیں اُسی اُسی قسم کے بچاؤ کے سامان مہیا کرتے چلے جاؤ۔ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے تذکارِ جلیلہ جو سُورہ اعراف کے سلسلۂ درس میں شروع ہیں۔ آئندہ آیات کریمات میں آپ دیکھیں گے کہ ہر مقام پر اُنکی حفاظت مادی ذرائع ہی کیساتھ کیگئی تھی تاکہ اہلِ اسلام اس سے غافل ہو کر پسماندہ نہ ہو جائیں۔

● قوم عاد کے عبرتناک انجام کے ذکر کے بعد اگلی آیات مجیدہ میں قوم ثمود کا ذکر آرہا ہے۔ جو اپنی بداعمالیوں کی بدولت قومِ متشکرین کے زُمرہ سے خارج ہو چکی تھی۔ اسکے متکبر سرداروں نے اللہ کی پیدا کردہ چراگاہوں اور اُسکے جاری کردہ چشموں کو ذاتی ملکیت قرار دیکر عوام کے مویشیوں کو اپنے رحم و کرم پر موقوف کر رکھا تھا۔ اُنکی طرف حضرت صالحؑ کو مبعوث فرمایا گیا لیکن جب انہوں نے چشموں اور چراگاہوں پر عوام کے مساویانہ حقِ استعمال کا اعلان کیا تو متکبر سرداروں نے منافقانہ طور پر عوام کے حقِ مساوات کو تسلیم کر لیا۔ اِس پر ایک اونٹنی کو آزمائشی طور پر آزاد چھوڑا گیا کہ اگر اُسے چشموں اور چراگاہوں سے نہ روکا گیا تو یہ عوام کے حقِ مساوات کو تسلیم کر لینے کا عملی ثبوت ہوگا۔ اور اگر اُسے نقصان پہنچایا گیا تو یہ عوام کے حقِ مساوات کے غصب پر اصرار سمجھا جائیگا۔ اور قوم کے نافرمان لوگ عذابِ خداوندی کے مستحق ٹھہرینگے۔ اس وسیع عنوان کو سُورہ اعراف میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔ جسکی تفصیل سُورہ ھُود، ابراہیم، حجر، فرقان، شعراء، نمل، عنکبوت، حم سجدہ، ذاریات، نجم، قمر، حاقہ، فجر اور شمس میں کیگئی ہے اِس قرآنی تفصیل کو تکراری بیانات کے سوا باقی تمام محولہ سُورتوں سے وضاحتاً پیش کیا جائیگا۔ سُورہِ اعراف کا اجمالی بیان یہ ہے:-

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ
اور طرف قوم ثمود کے بھائی انکے صالح کو بھیجا۔ کہا اے قوم میری

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ
حکم مانو اللہ کا نہیں واسطے تمہارے کوئی حاکم سوا اسکے بیشک آئی پاس تمہارے

بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ
دلیل طرف سے رب تمہارے۔ یہ ہے اونٹنی اللہ کی

لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ
واسطے تمہارے نشانی پس چھوڑ دو اسے یہ کھائے بیچ زمین اللہ کے

اور ہمنے قوم ثمود کیطرف اُنکے بھائی صالحؑ کو رسول بناکر بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اکیلے اللہ کی محکومیت (فرمانبرداری) کرو۔ تمہارے لئے اُسکے سوا اور کوئی فرمانبرداری کیا جانے والا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ (کہ ربّ کی ربوبیت میں سب کا مساویانہ حق ہے یعنی چشموں اور چراگاہوں میں غریب عوام کے مویشیوں کا بھی مساویانہ حق ہے) یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے (حقِ مساوات کی) نشانی قرار دیگئی ہے اِسے چھوڑ دو (کہ یہ اللہ کی اونٹنی) اللہ کی زمین

وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ
اور نہ مَس کرنا اُسے ساتھ برائی کے ورنہ پکڑ لیگا تمکو عذاب

أَلِيمٌ ۝ ۷۳
دردناک

(چراگاہوں) میں کھائیے (اور چشموں سے پانی پیئے $\frac{26}{155}$) پس تم اسے ضرر نہ پہنچانا - ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لیگا -

● ل۲ چشموں اور چراگاہوں میں حقِ مساوات اور اللہ کی اونٹنی کی وضاحت تصریفِ آیات کے ذریعہ قرآنِ کریم کے دوسرے مقامات سے پیش کیجائیگی انشاء اللہ ! - فی الحال سلسلۂ درس کی اگلی آیات ملاحظہ فرمائیں - حضرت صالح نے مزید فرمایا :-

وَاذْكُرُوٓا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ عَادٍ
اور یاد کرو جب بنایا تمکو جانشین سے بعد قوم عاد کے

وَبَوَّأَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا
اور ٹھکانہ دیا تمکو بیچ زمین کے بناتے ہو سے نرم مٹی اُسکی

قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ ٱلْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَٱذْكُرُوٓا ءَالَآءَ
محلات اور تراشتے ہو پہاڑوں کو گھر پس یاد کرو نعمتیں

ٱللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ ۷۴
اللہ کی اور نہ پھرو بیچ زمین کے فساد کرنیوالے

اور (اے میری قوم) اُسوقت کو یاد کرو جب اُس (اللہ) نے تمہیں قومِ عاد کے بعد (اُنکا) جانشین بنایا - اور تمہیں ایسی زمین میں آباد کیا کہ تم اسکی نرم مٹی سے محل تعمیر کرتے ہو اور اُسکے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو - پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور (اُس کے قانونِ مساواتِ ربوبیت کی مخالفت کر کے) زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو -

● آیاتِ بالا $\frac{7}{59}$ + $\frac{7}{65}$ + $\frac{7}{73}$ کے الفاظ پر غور کرنے سے عیاں ہو رہا ہے کہ حضراتِ نوحؑ، ھودؑ اور صالحؑ کی تبلیغ کے ابتدائی الفاظ ایک ہیں يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ - جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح قومِ نوح نے اللہ کیساتھ اپنے پانچ پیروں وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو شریک کر رکھا تھا - اسی طرح قومِ عاد اور قومِ ثمود نے بھی اپنے بزرگوں پیروں کو اللہ کے شریک ٹھہرایا ہوا تھا - نیز جس طرح حضرتِ نوح کی تبلیغ پر صرف غرباء ہی نے لبیک کہا تھا اُسی طرح قومِ عاد و ثمود کے غریبوں ہی نے حضراتِ ھود اور صالح کی تبلیغ کو قبول کیا تھا - چنانچہ قومِ ثمود کے سرداروں نے حضرتِ صالح پر ایمان لانیوالے غریبوں سے یہ کہا :-

قَالَ ٱلْمَلَأُ ٱلَّذِينَ ٱسْتَكْبَرُوا۟ مِن قَوْمِهِۦ
کہا سرداروں نے جنہوں نے تکبّر کیا میں سے قوم اُسکی

لِلَّذِينَ ٱسْتُضْعِفُوا۟ لِمَنْ ءَامَنَ مِنْهُمْ
واسطے اُنکے جو کمزور کر دیئے گئے واسطے اُنکے جو ایمان لائے میں سے اُنکے

اُس (حضرت صالح) کی قوم کے متکبّر سرداروں نے اُن لوگوں کو کہا جو کمزور کر دیئے گئے تھے اُن میں سے جو (حضرت صالح) پر ایمان لے آئے تھے کہا کیا تم نے جان لیا (مان لیا) ہے کہ صالح واقعی اپنے رب کا بھیجا ہوا رسول ہے انہوں نے جواب دیا کہ (بےشک

أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ
کیا تم جانتے ہو یہ کہ بیشک صالح بھیجا گیا طرف رب اپنے کے

جان لیا (اور مان لیا) ہے کہ واقعی وہ اپنے رب کا رسول ہے) وہ جو کچھ دیکر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔

قَالُوٓا إِنَّا بِمَآ أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝
کہا انہوں نے بیشک ہم ہیں ساتھ اسکے جو بھیجا گیا ساتھ اسکے ایمان لانیوالے

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا إِنَّا بِالَّذِيٓ آمَنتُم
کہا جنہوں نے تکبر کیا بیشک ہم ساتھ جسکے تم ایمان لائے

بِهِ كٰفِرُونَ ۝ ۷۶
ساتھ اسکے انکار کرنیوالے

جن لوگوں نے تکبر کیا تھا (انہوں نے بڑی دلیری سے) کہا کہ جس (ضابطے) کیساتھ تم ایمان لائے ہو بیشک ہم ہیں ساتھ اُسکے (یعنی ہم اسکا) انکار کرنیوالے ہیں۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ
پس کاٹ ڈالے پاؤں اونٹنی کے اور سرکشی کی سے حکم

رَبِّهِمْ وَقَالُوا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ
رب اپنے اور کہا اے صالح لے آ ہم پر ساتھ اسکے جو وعدہ دیتا ہے ہمکو

إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ ۷۷
اگر ہے تو میں سے رسولوں کے

پھر انہوں نے (مذکورہ) اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے اور اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی اور (بڑی دلیری سے) کہا کہ اے صالح! اگر تو رسولوں میں سے ہے تو جس (عذاب) کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے اُسے ہم پر لے آ۔

● قوم ثمود کے اس انتہائی مختصر ذکر کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اُن پر لائے گئے عذاب کا بھی ذیل کے الفاظ میں مختصر ذکر کر دیا گیا ہے:-

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ
پھر پکڑ لیا انہیں زلزلے نے پھر ہو گئے وہ بیچ گھروں اپنے

جٰثِمِينَ ۝ ۷۸
گھٹنوں پر گرے ہوئے

پھر (انکی نافرمانی کی بدولت) انہیں ایک زلزلے (کے عذاب) نے پکڑ لیا۔ پھر وہ اپنے اپنے گھروں سے گھٹنوں پر (اوندھے) گرے ہوئے رہ گئے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت صالح اور آپکے ساتھیوں سے ہجرت کروا کر انہیں زلزلے کے عذاب سے بچا لیا گیا۔ اور آپ نے قوم کے طلبِ عذاب کے جواب میں اُن سے منہ موڑ لیا اور یہ کہہ کر ہجرت فرما گئے کہ میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے:-

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ
پھر منہ موڑ لیا سے انکے اور کہا اے قوم میری بیشک پہنچا دیا میں نے تمہیں

حضرت صالح نے (اُنکے طلب عذاب پر) اُن سے منہ موڑ لیا اور یہ کہتے ہوئے ہجرت فرما گئے کہ) اے میری قوم!

رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ۷۹	بیشک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام (مساواتِ ربوبیت) پہنچا دیا ہے۔ اور تمہیں نصیحت کی ہے۔ لیکن تم ہو کہ نصیحت کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتے۔
پیغام رب اپنے کا اور نصیحت کی میں نے واسطے تمہارے اور لیکن نہیں تم پسند کرتے نصیحت کرنیوالوں کو	

● قوم ثمود سے متعلقہ سورہ اعراف کے اجمالی ذکر کے بعد اس اجمال کی تفصیل تصریفِ آیات کے ذریعہ دوسرے مقامات پر ملاحظہ فرمائیں :۔

سورہ ھود ● سورہ ھود میں قوم ثمود کا ذکر بالکل سورہ اعراف والے الفاظ میں شروع ہوا ہے وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا م قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ $\frac{11}{61}$ اور ہمنے قوم ثمود کیطرف اُنکے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ اُس نے کہا کہ اے میری قوم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اسکے سوا کوئی فرمانبرداری کیا جانیوالا نہیں ہے۔ وہ وہی عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہیں (تمہارے ابتدائی باپوں کو ابتدا میں $\frac{32}{7}$) زمین سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کر دیا۔ پس تم بُرے عمل ترک کر کے اُسی سے مغفرت طلب کرو (اور نیک عملوں کے ذریعہ) اُسی کیطرف رجوع کرنیوالے ہو جاؤ۔ بیشک میرا رب ہر کسی کے قریب بھی ہے $\frac{50}{16}$ ۔ اور ہر کسی کی رجعت کو (بشرطِ اصلاح $\frac{6}{54}$) قبول بھی کرتا ہے۔

قوم ثمود بھی آبائی تواتر کی قائل تھی ● سورہ ھود کی اگلی آیت $\frac{11}{62}$ میں قوم کا جواب درج ہے قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ $\frac{11}{62}$ قوم نے کہا اے صالحؑ! اس سے پہلے ہمیں تجھ سے بڑی اُمیدیں تھیں (کہ تو ہمارے آبائی تواتر مذہب کی تائید کریگا لیکن) تو ہمیں اُن بزرگوں کی فرمانبرداری سے منع کرتا ہے جن کی عبودیت ہمارے باپ دادے تواتر سے اختیار کئے ہوئے تھے حقیقت یہ ہے کہ تو (جس انسانی مساوات) کیطرف ہمیں بُلاتا ہے اسکے متعلق ہم شک میں مبتلا ہیں۔ آپنے فرمایا :۔

● قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ $\frac{11}{63}$ حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم! کیا تم نے غور کیا ہے کہ بیشک میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل (ربوبیت) پر ہوں۔ اور اُس نے مجھے اپنی رحمت (قانونِ مساوات) عطا فرمایا ہے۔ پھر اسکے بعد اگر میں اپنے رب کی نافرمانی (کر کے تمہاری ہمنوائی) کروں تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے پر میری مدد کرے۔ پھر تم مجھے نقصان کے سوا کسی چیز میں بھی زیادہ نہیں کرتے ـــــ اس ذکر کے بعد سورہ ھود میں بھی چراگاہوں اور چشموں میں عوامی مساوات کے ضمن میں اجمالاً اونٹنی کا ذکر بالفاظِ ذیل آیا ہے جسکی تفصیل سورہ قمر کی تصریفِ آیات میں آگے آرہی ہے :۔

● وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

قَرِیْبٌ ۝ ۱۱/۶۴ حضرت صالحؑ نے فرمایا یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے (چشموں اور چراگاہوں میں عوامی حقِ مساوات کی) نشانی (مقرر کی گئی) ہے ۔ اِسے آزاد چھوڑ دو ۔ یہ اللہ کی اونٹنی اللہ کی زمین (چراگاہوں) میں کھائے (اور اللہ کے چشموں سے پانی پئے ۲۶/۱۵۵) پس تم اِسے ضرر نہ پہنچانا ۔ ورنہ تمہیں قریبی عذاب پکڑ لیگا ۔

● ۱ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ میں اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے اور معنی یہ ہے کہ میں بلاشبہ واضح دلیلِ ربوبیت عامہ پر ہوں ۔

● ۲ سورۃ اعراف میں آیا ہے عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور یہاں آیا ہے عَذَابٌ قَرِيْبٌ یعنی نافرمانی کے بعد فوراً آپکڑنے والا دردناک عذاب ۔ قومِ ثمود کی نافرمانی کا جام بالکل لبریز ہو چکا تھا ۔ آخری اتمامِ حجت کے طور پر مذکورہ اونٹنی کو اس قوم کے لئے آخری نشانی قرار دیا گیا تھا ۔ جس کو ضرر پہنچاتے ہی عذابٌ قریب آگیا ۔

قومِ ثمود کو تین دن کی مہلت دیگئی تھی

● سورۃ ھود کی اگلی آیت میں قومِ ثمود کی آخری نافرمانی کی خبر بالفاظِ ذیل دی گئی ہے :- فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ ۱۱/۶۵-۶۶ پس انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تو حضرت صالحؑ نے انہیں بارشادِ خداوندی خبر دی کہ اپنے گھروں میں تین دن کیلئے فائدہ اٹھا لو ۔ یہ (اللہ کے عذاب کا) وعدہ ہے جو جھٹلایا جانے والا نہیں ہے ۔ پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اپنی رحمت (یعنی اپنے قانون) کے مطابق (ہجرت کروا کر) حضرت صالحؑ کو اور اُن لوگوں کو جو اُن پر ایمان لائے تھے اُس دن کی رسوائی سے بچا لیا ۔ بیشک تیرا پروردگار ہی تو قوت والا اور غالب ہے ۔ پھر کیا ہُوا ؟ حضرت صالحؑ سے اُن کے صحابہؓ سمیت ہجرت کروا دیگئی اور نافرمان قوم پر عذاب آگیا :-

● وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ ۱ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۲ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ ۱۱/۶۷-۶۸ اور جن لوگوں نے (عوام کے حقوقِ ربوبیت غصب کر کے) ظلم کیا اُنہیں (زلزلے کی) خوفناک آواز ۱ نے پکڑ لیا ۔ پھر وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے گرے ہوئے رہ گئے ۔ گویا کہ وہ وہاں کبھی تھے ہی نہیں ۔ خبردار ! قومِ ثمود نے بلاشبہ اپنے رب (کی ربوبیتِ عامہ ۲) کا انکار کیا تھا ۔ خبردار ! قومِ ثمود کیلئے اپنے رب سے (بوجہ انکارِ ربوبیت) دوری ہے ۔

● ۱ سورۃ ھود میں اَلرَّجْفَةُ آیا ہے اور یہاں اَلصَّيْحَةُ ہے ۔ رجفہ کا معنی ہے لرزنا ۔ اسلئے رجفہ زلزلہ کیلئے آتا ہے اور صیحہ کا معنی ہے خطرناک آواز ۔ دونوں کے اشتراک سے مُراد ہے ایسا عظیم زلزلہ جس سے توڑ پھوڑ کی زور کی آواز پیدا ہو ۔

● ۲ جہاں قرآن مجید میں رب تعالٰی کے انکار کا ذکر ہوتا ہے وہاں انکارِ ربوبیتِ عامہ مراد ہوتی ہے ۔ جیسے کہ قومِ ثمود ۵/۷ کے مطابق رب تعالٰی کی ہستی کی منکر نہیں تھی ۔ بلکہ وہ چشموں اور چراگاہوں پر غاصبانہ قبضہ کر کے صرف اپنے رب کی ربوبیت ہی منکر تھی ۔

سورۃ شعراء

● سورۃ شعراء میں قومِ ثمود کی نافرمانی اور آمدِ عذاب کا تذکرہ بالفاظِ ذیل آیا ہے :- كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ (۲۶/۱۴۱ تا ۱۴۳) قوم ثمود نے حضرت صالحؑ سمیت سابقہ رسولوں کو جھٹلایا وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب انہیں اُنکے بھائی صالحؑ نے کہا کہ تم اللہ کی مخالفت سے کیوں نہیں بچتے۔ بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ۝ (۲۶/۱۴۶) کیا تم اسی حالت میں امن کیساتھ چھوڑ دیئے گئے ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ قوم ثمود کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ عوامی چراگاہوں اور چشموں پر مالکانہ حقوق قائم کرکے اُن کے حقِ مساوات کو غصب کر رکھا تھا۔ حضرت صالحؑ نے فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ (۲۶/۱۵۰) پس تم اللہ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ جس طرح میں قانون خداوندی کی اطاعت کرتا ہوں تم بھی اُسی طرح قوانین خداوندی کی اطاعت کرو۔ لیکن قوم نے کہا:- مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ[1] مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ[2] ۝ (۲۶/۱۵۴ تا ۱۵۶) اُنہوں نے کہا کہ (تو رسول نہیں ہے) سوائے اِسکے نہیں کہ تو وھوکا کھاؤں میں ہے۔ اور نہیں ہے تو مگر ہمارے جیسا بشر ہے (اِسلئے تو رسُول نہیں ہوسکتا) اگر تو سچوں سے ہے تو کوئی نشانی لا۔ آپ نے فرمایا یہ اونٹنی (غرباء کے مویشیوں کی نمائندہ مقرر کیجاتی) ہے معلومہ (مقررہ) وقفہ[1] میں پانی پینے کی باری اِسکے (یعنی غرباء کے مویشیوں کے) لئے بھی ہے اور ایک معلومہ وقفہ میں تمہارے مویشیوں کے لئے بھی ہے تم اسے ضرر نہ پہنچانا۔ ورنہ تمہیں بڑے دن[2] کا عذاب پکڑلے گا۔

● [1] لفظ یَوم کا مطلق معنٰی ہے کوئی سا چھوٹا یا بڑا وقفہ۔ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ میں یَوم کا معنٰی ہے پانی پینے کی باری کا معلومہ وقفہ۔ حضرتِ صالحؑ نے عوام کے مویشیوں کے پانی پینے کیلئے الگ الگ وقفے مقرر کر دئے۔ اِن الفاظ کا روائتی تصوّر ہرگز صحیح نہیں کہ ایک دِن لوگوں کے مویشیوں کے پانی پینے کا مقرر کیا گیا تھا اور ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کا۔ اپنی باری پر اونٹنی چشمے کا سارا پانی پی جاتی تھی، بالفاظِ دیگر اونٹنی کی باری کے دِن باقی سارے مویشیوں کو پیاسا رہنا پڑتا تھا۔ یہ اچھی نشانی تھی جو عوام کے مویشیوں کو پیاسا رہنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ ایسے جیتانی تصورات مطلقاً غیر قرآنی ہیں۔ نیز حضرت صالحؑ کی اونٹنی کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ پہاڑ میں سے نکلی تھی، قرآن کریم میں اس کا بھی کوئی ثبوت موجود نہیں۔

● [2] عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ کے الفاظ میں لفظ یوم سے مراد وہ دِن ہے جس دن قوم ثمود پر عظیم زلزلے کا عذاب آیا تھا قوموں پر آنیوالے عذاب کے دن کو بھی یومِ عظیم قرار دیا گیا ہے۔

سُورہ نمل

● سورہ نمل میں قوم ثمود کے متعلق آیا ہے کہ اُس میں نو سردار تھے جنہوں نے حضرت صالحؑ پر شبخون مار کر اُنہیں قتل کرنے کی تجویز کی:- وَكَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ (۲۷/۴۸ - ۴۹) اور شہر میں نو فسادی سردار تھے جو اُس زمین میں فساد پھیلاتے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم صالحؑ اور اُس کے اہل (صحابہؓ) پر ضرور شبخون مار کر انہیں ہلاک کر دیں گے۔ پھر اُس کے وارث کو کہہ دیں گے کہ ہم (اُس کے) اور

اِسکے اہلِ صحابہؓ کی ہلاکت کے وقت موجود نہیں تھے ۔ اور بلاشبہ ہم (اپنے بیان میں) سچے ہیں ——— لیکن ہوا یہ کہ :-

● وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا¹ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ ۲۷/۵۰ تا ۵۲ اُنہوں نے شبخون مارنے کی ایک خفیہ تجویز کی اور ایک خفیہ تجویز ہم نے بھی کی (اُن پہ عذاب لانے کی اور حضرت صالح کو اُن کے صحابہؓ سمیت ہجرت کروانے کی ۷/۷۹) اور انہیں ہماری تجویز علیہ کا کوئی شعور تک نہ تھا ۔ پھر اے مخاطب غور کر کہ اُن کی خفیہ بُری تجویز کا کیا انجام ہوا ۔ ہم نے اِن نو سرداروں اور اُن کی پوری منکر قوم سب کو ہلاک کر دیا ۔ پھر (تصوّر کی نگاہ سے) دیکھ کر وہ ہیں اُن کے گھر جو اُنکے ظلم کی بدولت (کھنڈرات کی صورت میں) ویران پڑے ہیں ۔ بے شک مذکورہ بالا بیان میں عقل مند قوم کے لئے عبرت کی ایک عظیم نشانی ہے ۔

● ¹ لفظ مکر کے سہ حرفی مادہ م ۔ ک ۔ ر کا بنیادی معنٰی ہے ایسی خفیہ تجویز کرنا جس کا مدِّمقابل کو علم نہ ہونے پائے جیسے کہ قوم ثمود کے حضرت صالح اور اُن کے صحابہؓ کو قتل کرنے کی خفیہ بُری تجویز کے لئے مکر کا لفظ آیا ہے ۔ یہی لفظ اللہ کی طرف سے ہو تو اسکا معنٰی اچھی خفیہ تجویز ہوتا ہے ۔ نیز یہ لفظ مکر آنحضورؐ کی ہجرت کے لئے آیا ہے جیسے کہ خود رسول اکرمؐ کے متعلق بھی بتایا گیا ہے :- وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ۸/۳۰ اور (اے رسولؐ!) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب انکار کرنیوالوں نے آپکے لئے یہ خفیہ تجویز کی کہ وہ یا تو آپکو عمر قید کر دیں یا قتل کر دیں اور یا آپکو ملک بدر کر دیں ۔ اور (حالت یہ تھی کہ) وہ بھی ایک خفیہ تجویز کر رہے تھے اور اللہ بھی ایک خفیہ تجویز کر رہا تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام خفیہ تجویزیں کرنیوالوں سے بہتر تجویز کرنیوالا ہے ۔ اِس آیت مجیدہ ۸/۳۰ میں بھی آنحضورؐ سے ہجرت کروانے کی تجویز کا ذکر ہے اور ۲۷/۵۰ میں بھی حضرت صالح سے ہجرت کروانے کا ذکر ہے جو فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ..... ۷/۷۹ سے عیاں ہے کہ حضرت صالح قوم سے منہ موڑ کر ہجرت فرما گئے ۔ اِس سے آگے قومِ ثمود کا ذکر سورہ قمر میں ملاحظہ فرمائیں :-

سورہ قمر

● كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ ۵۴/۲۳ تا ۲۵ قومِ ثمود نے انذار کرنیوالوں (یعنی رسولوں) کو جھٹلایا پس اُنہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک اکیلے بشر کی اتباع کریں ۔ پھر تو ہم گمراہی اور پاگل پن میں مبتلا ہو جائینگے کیا ہم میں سے اُس شخص (صالح) پر نصیحت نامہ نازل ہوا ہے ؟ بلکہ وہ تو بڑا ہی جھوٹا اور لاف زن ہے ۔

● قومِ ثمود کے متکبّر سرداروں کے مندرجہ بالا بیان کے جواب میں ارشاد ہوا ہے :-

● سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآ

قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ $\frac{54}{26 \text{ تا } 28}$ ۔۔۔ وہ عنقریب کل کو (تین دن کے بعد $\frac{11}{65}$) جان لینگے کہ کون بڑھکر جھوٹا اور لاف زن ہے۔ بیشک ہم ایک اونٹنی کو (عوام کے مویشیوں کے نمائندہ کے طور پر) اُنکی آزمائش کیلئے بھیجنے والے ہیں (جسے بھیج دیا گیا ہے) پھر (ہمنے صالح کو کہا کہ) اُنکے انجام کا انتظار کر اور خود مستقل مزاج رہ۔ اور انکو خبر دیدے کہ (چشموں کا) پانی اُنکے (یعنی امرآ اور غربا) کے درمیان بٹا ہُوا ہے (اللہ تعالیٰ کے پانی پر سب کا مساوی حق ہے) ہر کوئی اپنی اپنی باری پر حاضر کیا گیا ہے (یعنی سب اپنی اپنی باری پر اپنے اپنے مویشیوں کو پانی پلایا کریں ۔۔۔۔۔۔ یہ تھا وہ عہد جو حضرت صالح نے قوم کے سرداروں سے لیا، جس پر عمل درآمد کی نشانی ایک اونٹنی مقرر کیگئی، جو غربا کے مویشیوں کے نمائندہ کے طور پر اپنی باری پر اوائی مویشیوں سمیت روزانہ پانی پیتی تھی۔ اُسے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا اور اُسے ضرر نہ پہنچانا عوام کے پانی کے حقِ مساوات پر عمل درآمد کی نشانی قرار دیا گیا۔ مذکورہ اونٹنی کو اللہ کی اونٹنی اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پانی کی مساویانہ تقسیم کی نشانی مقرر کی گئی تھی۔

سُورۃ الشمس | • سورہ الشمس میں آیا ہے كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ۝ إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۝ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوَّاهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۝ $\frac{91}{11 \text{ تا } 15}$

قوم ثمود نے اپنی سرکشی کیساتھ (حضرت صالح کو) جھٹلایا۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اُن میں سے ایک انتہائی خبیث آدمی (اونٹنی کو قتل کرنے کیلئے) اٹھا۔ حالانکہ انہیں اللہ کے رسولؑ نے کہا تھا کہ یہ اونٹنی (غربا کے مویشیوں کی نمائندہ) بھی اللہ کی ہے اور پانی بھی اللہ کا ہے۔ (اسے ضرر پہنچا کر عہد مساوات کو توڑ نہ دینا) مگر انہوں نے اُسے جھٹلا دیا۔ پھر اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے پھر اُنکی (اس عہد شکنی اور چشموں اور چراگاہوں کے مساویانہ حقوق کے غصب کے بدترین) گناہ کے بدلے اللہ نے ان پر (خوفناک آواز زلزلے والے زلزلے کے ذریعہ) ہلاکت نازل کی اور انہیں برابر کردیا اور اُس نے انکے اس عبرتناک انجام کی کوئی پرواہ نہ کی۔

قومِ ثمود کے جرائم | ۱• سورہ اعراف $\frac{7}{5}$ میں مذکور ہے کہ قومِ ثمود کے سردار اپنے لئے بڑائی چاہتے تھے، انتہائی متکبر تھے۔

۲• سورہ اعراف $\frac{7}{5}$ ہی میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے میں سے بہت سے لوگوں کو کمزور کر دیا تھا۔

۳• وہ سورہ نمل $\frac{27}{4}$ کے مطابق اللہ کو مانتے تھے مگر $\frac{11}{44}$ کیمطابق اکیلے اللہ کو نہیں مانتے تھے بلکہ اپنے بزرگوں کو اُسکے شریک بنا رکھا تھا۔

۴• سورہ شعرآء $\frac{26}{15}$ میں درج ہے کہ وہ رسولوں کو بشر نہیں مانتے تھے۔ اِسی لئے حضرت صالح کی نبوت کا انکار کر دیا۔

۵• سُورہ ھود $\frac{11}{44}$ میں ہے کہ وہ تواتر کے قائل تھے اور آباؤ اجداد کی روش کو صداقت کی دلیل جانتے تھے۔

۶• سُورہ نمل $\frac{27}{4}$ میں آیا ہے کہ قومِ ثمود کے نو متکبر سرداروں نے حضرت صالح اور آپکے صحابہؓ پر شبخون مار کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ اسلئے کہ وہ چشموں اور چراگاہوں کی مساوات کے منکر تھے مگر حضرت صالح نے اُن سے مساوات کا عہد لیا تھا۔

۷• سورہ اعراف $\frac{7}{7}$ + سورہ ھود $\frac{11}{99}$ + سورہ شعرآء $\frac{26}{157}$ + سورہ قمر $\frac{54}{29}$ اور سورہ شمس $\frac{91}{12-14}$ میں بتکرار اکثیر قومِ ثمود کا یہ جُرم مذکور ہے کہ چشموں اور چراگاہوں کو عالمی انسانی سطح پر سب لوگوں کے مویشیوں کا مساوی حق تسلیم کرنے پر جو ایک اونٹنی کو

اِس عہد کی نشانی ٹھہرایا گیا تھا، انہوں نے اُسکے پاؤں کاٹ کر عہدِ مساوات کو توڑ دیا۔ جس کے بدلے تین دن کی مہلت کا اعلان کرنے کے بعد فوراً زلزلہ کا عذاب آگیا۔

ناقۂ صالح کی حقیقت ● حضرت صالح کی اونٹنی کو اس کے سوا کوئی اور فضیلت حاصل نہیں تھی کہ وہ چشموں اور چراگاہوں کے عہدِ مساوات کی نشانی قرار دی گئی۔ قومِ ثمود پر عذاب ایذاءِ ناقہ کی بدولت نہیں آیا تھا، بلکہ چشموں اور چراگاہوں جیسی عوامی چیزوں پر غاصبانہ قبضہ جمانے کی بدولت آیا تھا جن پر پوری نوعِ انسانی کے مشترکہ استعمال کا مساویانہ حق روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ بالفاظِ دیگر اونٹنی کا قتل نظریۂ مساواتِ ربوبیت کا قتل تھا جو اللہ تعالیٰ کے اوّلین اعلانِ ربوبیتِ عامہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱/۱ کی کھلی مخالفت ہے۔

روایاتی تفسیر ● روایتی تفسیروں نے جہاں حضرت صالح کی اونٹنی کی پیدائش کے متعلق یہ تصور پیش کیا ہے کہ وہ پلی پلائی جوان اور حاملہ اونٹنی پہاڑ سے نکلی تھی اُسی طرح اُسکے قتل کے متعلق ذیل کا افسانہ پیش کیا ہے :-

● جیسے کہ پیچھے ۲/۴۹ کے مطابق گزر چکا ہے کہ قومِ ثمود کے نو متکبر سرداروں نے حضرت صالحؑ پر شبخون مارنے کی قسم کھائی تھی نیز ۹۱/۱۲ کے مطابق اُنہی میں سے ایک انتہائی شقی سردار نے ناقۂ صالحؑ پر ہاتھ اٹھایا اور اُسکے پاؤں کاٹ دیئے تھے۔ جس کی غرض عہدِ مساوات کو توڑنا تھا۔ لیکن اسکے برعکس تفسیر موضح القرآن میں سُورۂ شعراء ۲۶/۱۵۷ کی تفسیر کے ضمن میں قتلِ ناقۂ صالح کے متعلق لکھا ہے :-

● "ایک عورت بدکار کے گھر مویشی بہت تھے۔ اس نے چارے اور پانی کی تکلیف سے اپنے ایک یار کو سکھایا کہ اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ اس کے تین دن بعد عذاب آیا" ——— اِس بیان پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قتلِ ناقہ محض ایک بدکار عورت کا فعل تھا تو ساری قوم پر عذاب کیوں لایا گیا۔ اِسی طرح پانی پلانے کیلئے جو باریاں مقرر کی گئی تھیں کہ قوم کے سرداروں اور غریب عوام کے مویشی روزانہ اپنی اپنی باری پر پانی پلانے کیلئے حاضر کئے جایا کرینگے تاکہ کوئی مخاصمت پیدا نہ ہونے پائے۔ تو کیا مذکورہ بدکار عورت کے مویشیوں کو اپنی باری پر پانی میسّر نہیں آتا تھا؟

قومِ لوط کا تذکرہ ● سُورۂ اعراف میں قومِ لوط کا تذکرہ بھی اجمالی طور پر نہایت اختصار کیساتھ آیا ہے اس قوم نے اغلام اور رہزنی جیسے عظیم جرائم کی مجرم ہوکر اپنے آپکو قومِ مسلمون کے زمرہ سے خارج کرلیا تھا۔ انکی بستی میں آنیوالے مرد (رجال) انکی ہوسِ اغلام کا نشانہ بنتے تھے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ میں اُنکا اجمالی ذکر بالفاظِ ذیل ملتا ہے :-

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَۃَ

اور لوطؑ جب کہا واسطے قوم اپنی کیا تم کرتے ہو بے حیائی

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۞ ۸۰

نہیں بڑھا تم سے ساتھ اسکے سے کوئی ایک سے جہانوں کے

اور لوط (کو ہمنے انکی قوم کی طرف بھیجا) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب انہوں نے اپنی قوم کو کہا کہ تم ایسی بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو کہ تم سے پہلے دُنیا میں اِس بُرائی کا مرتکب کوئی ایک شخص بھی نہیں ہوا۔

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ بیشک تم ضرور آتے ہو مردوں کے پاس شہوت سے سے سوائے النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ ۸۱ عورتوں بیشک ہو تم قوم حد سے گزرنے والے	(حضرت لوطؑ نے مزید فرمایا) بیشک تم ضرور جنسی تسکین کے لئے عورتوں کی بجائے مردوں کے پاس آتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندنے والی قوم ہو۔

● قوم لوط کا ذکر قرآن مجید میں سورہ اعراف، ھود، حجر، انبیاء، شعراء، نمل، عنکبوت، صٰفّٰت، ذٰریٰت، قمر اور سورہ فیل میں آیا ہے۔ ہم انشاء اللہ تکرار کو چھوڑ کر اس کی تفصیل تمام سورتوں سے پیش کرینگے۔ فی الحال اجمالی ذکر بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ اور نہیں تھا جواب قوم اُسکی کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکالدو انکو مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ ۸۲ سے بستی اپنی بیشک ہیں وہ ہیں بندے پاک بننے والے	اور (حضرت لوطؑ کی تبلیغ ہدایت پر) اُن کی قوم کا جواب اِسکے سوا نہیں تھا کہ انہوں نے آپس میں ایکدوسرے کو کہا کہ انہیں اپنی بستی سے نکالدو۔ یہ لوگ بڑے پاک بننا چاہتے ہیں (بھلا یہاں ایسے پاک لوگوں کا کیا کام ہے ؟)

● سلسلۂ درس کی اس سے اگلی دو آیتوں میں انتہائی اختصار کیساتھ حضرت لوط کی ہجرت اور انکی قوم کے بُرے انجام کی خبر دیگئی ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ پھر بچایا اسکو اور ساتھیوں اُسکے کو سوائے بیوی اس کی کے تھی وہ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ ۸۳ میں سے پیچھے رہنے والوں	پھر (ہمنے اُس قوم کی بداعمالیوں کی بدولت عذاب بھیجا مگر لوطؑ کو) اور اسکے ساتھیوں سے ہجرت کروا کر) انہیں عذاب سے بچا لیا سوائے اسکی بیوی کے۔ وہ (اپنے عملوں کی بدولت) پیچھے رہنے والوں سے تھی
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ اور برسایا ہمنے اُوپر انکے ایک مینہ۔ پس دیکھ کیسا ہوا عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۸۴ ع ۱۰ / ۱۷ انجام مجرموں کا	اور ہمنے (اُنکی بدعملیوں کی سزا کے طور پر) اُن پر (پتھروں کا) ایک مینہ برسایا۔ پھر (اَے مخاطب!) غور کر کہ اُس مجرم قوم کا کیا انجام ہُوا۔

سُورہ ھود ● سُورہ ھود میں قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے ذکر میں اس اَمر کی وضاحت کیگئی ہے کہ ان پر مٹی کے پکے ہوئے نشان زدہ پتھروں کی بارش برسائی گئی تھی۔ اور یہ پتھراؤ اللہ تعالیٰ نے اپنے با اقتدار رسُولوں سے منجنیقوں کے ذریعہ کرایا تھا۔ نیز یہ اللہ کے رسُول قوم لوط کی طرف آنے سے پہلے حضرت ابراہیم کے پاس آئے، اور انہیں دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری دی۔ قرآن مجید میں اُن رسولوں کو پہلے حضرت ابراہیمؑ کے مہمان کہا گیا ہے اور پھر حضرت لوطؑ کے مہمان کہا گیا ہے

سورہ ھود میں اس پہلے جملے ذکر کو قدرے وضاحت کے ساتھ بالفاظ ذیل شروع کیا گیا ہے۔

● وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ ۱۱/۶۹ اور بیشک ہمارے رسول ابراہیم کے پاس خوشخبری لیکر آئے۔ اور اُن سے کہا سلماً، آپ نے کہا سلٰمٌ پھر حضرت ابراہیم (مہمانوں کی پانی وغیرہ کی فوری تواضع کے بعد) بغیر دیر لگائے انکی مہمانی کیلئے ایک بُھنا ہُوا بچھڑا لے آئے۔

● ملہ فَمَا کی فا میں وہ وقفہ مضمر ہے جو آنیوالے مہمانوں کی اولین لازمی تواضع پانی وغیرہ پلانے کیلئے مختص ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مہمان کی بھوک کا نہیں بلکہ پیاس کا فوری انتظام کیا جاتا ہے۔ اس اولین مہمان نوازی کو حضرت ابراہیم جیسے مہمان نواز کی طرف سے کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا تھا کہ انہوں نے مہمانوں کو پانی وغیرہ نہ پلایا ہو اور بچھڑا ذبح کرنے لگ گئے ہوں۔

● سورہ ھود کی اس سے اگلی آیت مجیدہ میں آیا ہے فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۱۱/۷۰ پھر جب حضرت نے دیکھا کہ انکے ہاتھ کھانے تک نہیں پہنچے تو انہیں مخدوش جانا اُن سے خوف زدگی کو ذہن میں چھپایا (مہمانوں نے بھانپ لیا اور) کہا کہ خوف نہ کھائیں، بیشک ہم قوم لُوط کی طرف (اُسکی تباہی کیلئے) بھیجے گئے ہیں۔ (ہم حضرت لُوط کے مہمان ہیں انہوں نے آپکو حضرت اسماعیل کی پیدائش کی خوشخبری دی) تو اس پر آپکی بیوی تعجب کیساتھ ہنس پڑی کہ کیا میں عیا بانجھ بیٹا جنونگی۔ اسکے متعلق ارشاد ہُوا ہے۔

● وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ۱۱/۷۱-۷۲ اور اُنکی بیوی پاس کھڑی تھی وہ (بیٹے اسماعیل کی خوشخبری پر اس حیرت کیساتھ کہ بڑھیا بیٹا جنے گی) ہنس پڑی۔ اس پر ہم نے (اپنے رسولوں کے ذریعے دوسرے بیٹے) اسحٰق کی اور پوتے یعقوب کی خوشخبری دیدی۔ اُس نے کہا کیا میں جنونگی جبکہ میں بانجھ ہوں اور یہ میرا خاوند بوڑھا ہے۔ یہ تو بڑی عجیب چیز ہے۔

● ملہ کھانے تک ہاتھ نہ پہنچے اسلئے کہ وُہ حضرت ابراہیم کے بھی مہمان تھے ۱۵/۵۱ + ۵۱/۲۴ اور حضرت لُوط کے بھی مہمان تھے ۱۱/۷۷ + ۱۵/۶۲ اسلئے انہوں نے پانی حضرت ابراہیم کے ہاں پیا اور کھانا حضرت لوط کے ہاں جا کھایا۔

● ملہ سُورہ صٰفٰت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم بوڑھے ہو گئے مگر اولاد نہیں تھی۔ اسلئے حضور الٰہی میں دعا فرمائی رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ ۳۷/۱۰۰+۱۰۱ اے میرے پروردگار مجھے صالح اولاد عطا فرما۔ اس پر ہم نے اُسے ایک بُردبار بیٹے کی خوشخبری دیدی ــــ یہ حضرت ابراہیم کے پہلے بیٹے حضرت اسماعیل کی خوشخبری تھی۔ کیونکہ انہی کے متعلق آیا ہے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىْۤ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىْۤ اَذْبَحُكَ ۳۷/۱۰۲ پھر جب وُہ (جوان ہو گیا) آپکے کام میں ہاتھ بٹانے لگا تو آپنے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں ـــــ اِس سے ثابت ہُوا کہ حضرت ابراہیم کو پہلی خوشخبری حضرت اسماعیل کی دگئی اور دوسری خوشخبری حضرت اسحاق کی تھی۔ چنانچہ اس سے آگے ۳۷/۱۱۱ میں ارشاد ہُوا ہے وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور (اسماعیلؑ کی خوشخبری کے بعد) ہمنے اُسے اسحاقؑ نبی کی خوشخبری دی جو صالحین میں سے تھا۔ پس واضح رہے کہ حقیقت یہ ہے کہ:-

● حضرت ابراہیمؑ کو پہلی خوشخبری حضرت اسماعیلؑ کی دیگئی تھی جو ۳۷/۱۰۱ میں مظہر ہے اور ۱۱/۷۱ میں محذوف ہے اور دوسری خوشخبری حضرت اسحٰقؑ کی تھی جو ۳۷/۱۱۲ میں بھی مظہر ہے اور ۱۱/۷۱ میں بھی مظہر ہے۔ آپکے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ تھے اور چھوٹے تھے حضرت اسحاقؑ، جو ۳۷/۱۰۱+۱۱۲ میں بھی بالترتیب ثابت ہے اور سورہ ابراہیم میں بھی اسی ترتیب کیساتھ خود حضرت ابراہیمؑ کے الفاظ میں موجود ہے:- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ ۱۴/۳۹ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے (میری دُعا پر) بڑھاپے میں (یکے بعد دیگرے دو بیٹے) اسماعیلؑ اور اسحاقؑ عطا فرمائے۔ بلاشبہ میرا پروردگار ضرور دُعا کو سُننے والا ہے ——— پس ۱۱/۷۱ میں حضرت کے پہلے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی پہلی خوشخبری محذوف ہے جس پر آپکی بڑھیا بیوی تعجب کیساتھ ہنس پڑی۔ مگر اس پر اُسے دُوسرے بیٹے اسحٰقؑ کی بھی خوشخبری دیگئی اور پوتے یعقوبؑ کی خوشخبری بھی سُنا دیگئی یعنی آپ کی زندگی ہی میں پوتا بھی آپکو دیا جائیگا۔ اور ساتھ ہی مائی صاحبہ کو کہا گیا:-

● قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝ ۱۱/۷۳ اللہ کے رسُولوں نے کہا اَے خاتون کیا تُو اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہے۔ اَے ابراہیمؑ کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکت ہو، بیشک وُہ بہت بہت تعریفوں والا اور بہت بہت بزرگی والا ہے۔

● اس درمیانی واقعہ کے بعد بتایا گیا ہے:- فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ۝ ۱۱/۷۴،۷۵ پھر جب حضرت ابراہیمؑ سے خوف دُور ہوا اور انکے پاس خوشخبری پہنچ گئی تو (ہمارے رسولوں کے ذریعہ) ہم سے قوم لوطؑ کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ بیشک ابراہیمؑ البتہ ضرور بُردبار، گداز ذہن اور اللہ کی طرف رجوع ہونیوالا تھا ——— اس پر اپنے رسولوں کے ذریعہ کہا گیا:-

● یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ۝ ۱۱/۷۶ اَے ابراہیم! اس چیز سے اعراض کریں۔ بیشک تیرے رب کا عذاب آچکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انکے پاس نہ لوٹایا جانیوالا عذاب آگیا ہے ——— حضرت ابراہیمؑ کے مہمان یہاں سے فارغ ہو کر حضرت لوطؑ کے ہاں جا مہمان ہوئے:-

● وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۝ ۱۱/۷۷ اور جب ہمارے رسُول لوطؑ کے پاس پہنچے تو آپ پر انکا آنا گراں گزرا اور آپنے گہری تنگی محسوس کی اور فرمایا کہ یہ آج کا دن بہت سخت ہے ——— یہ اسلئے کہ آپکی قوم اغلام باز تھی۔ چنانچہ ارشاد ہوا:- وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ۝ ۱۱/۷۸ اور (حضرت لوطؑ کے خدشے کیمطابق) اسکی قوم انکی طرف بے اختیار دوڑتی ہوئی آئی۔ اور وُہ اس سے پہلے بھی برائیوں کے مرتکب ہوتے تھے

حضرت لوطؑ نے فرمایا کہ تمہارے لئے (جنسی تسکین کیلئے تمہاری بیویاں) یہ میری بیٹیاں ہی پاکیزہ تر ہیں۔ پس تم اللہ (کے قانون کی مخالفت سے) بچو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی موجود نہیں ہے (کہ مہمان تو پوری بستی کے سانجھے مہمان ہوتے ہیں)۔

● هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ کا لفظی معنی یہ ہے کہ یہ میری بیٹیاں تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔ اسکا یہ مفہوم نہیں ہے کہ حضرت لوطؑ نے اپنی حقیقی بیٹیوں کے متعلق کہا تھا، کیونکہ اللہ کا نبی اپنی بیٹیاں مذکورہ قسم کے بدکاروں کے نکاح میں نہیں دے سکتا تھا۔ اسلئے یہاں قوم کی بیٹیاں یعنی افرادِ قوم کی بیویاں مراد ہیں۔ لیکن مذکورہ بدکاروں نے انتہائی ڈھٹائی کیساتھ جواب دیا۔

● قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴿۱۱/۷۹﴾ انہوں نے کہا بیشک تو جانتا ہے کہ (اپنی بیویوں) تیری بیٹیوں کیساتھ (غیر فطری فعل کا) ہمارا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ تو جانتا ہی ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں —— وہ غیر فطری فعل چاہتے تھے، جس پر عورتیں کبھی راضی نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ اس سے جنسی تسکین کی بجائے انکی بدنی اور ذہنی تکلیف کیساتھ ساتھ احساسِ کمتری اور ذلت میں بھی مبتلا ہو کر رہ جاتی ہیں۔

● حضرت لوطؑ نے قوم کے بُرے ارادوں اور اپنی دفاعی کمزوری کے پیشِ نظر مہمانوں کے تحفظ کے لئے انتہائی حسرت سے کہا:۔ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ۝ آپنے کہا کاش میرے پاس تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی پس میں مضبوط سہارے کی پناہ لیتا ہوں —— رُكْنٍ شَدِیْدٍ یعنی مضبوط سہارا صرف اور صرف ذاتِ باری کی مدد ہے، جو اپنے نیکوکار بندوں، خصوصاً انبیاءِ کرام کی بروقت مدد فرماتا ہے۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ خود مہمانوں ہی نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:۔

● قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ۝ ﴿۱۱/۸۱﴾ —مہمانوں نے کہا اے لوطؑ! بیشک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ (بدکار لوگ) آپ تک نہیں پہنچ سکینگے۔ آپ اپنی بیوی کے سوا اپنے اہل کے افراد کو لے کر رات کے ایک حصے میں یہاں سے نکل جائیں۔ اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ بیشک جو عذاب ان بدکاروں پر آنیوالا ہے، وہ آپکی بیوی کو بھی پہنچیگا۔ بلاشبہ انکے عذاب کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟ یقیناً یقیناً قریب ہے۔ آیا ہی چاہتی ہے)۔

قومِ لوطؑ پر لائے گئے عذاب کی تفصیل

● حضرت لوطؑ اپنی نافرمان بیوی کے سوا اپنے جملہ اہل کیساتھ بستی سے ہجرت کر گئے اور حسبِ وعدہ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب باندازِ زلزلہ آ گیا:۔
فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ۝ ﴿۱۱/۸۲-۸۳﴾ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہمنے اُس بستی کی اونچی عمارتوں کو پیوندِ زمین کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمنے اُس پر مٹی کے پکے ہوئے کھنگروں کے پتھر بارش کی طرح پے در پے لگاتار برسائے، جن پر تیرے پروردگار کے

قانون[۶] کے مطابق ایک ہی نشان کندہ[۵] تھا۔ اور (اے رسول!) وہ بستی (آپ کے مخالف) ظالموں سے کچھ دُور نہیں ہے۔

● [۱] جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا کا مفہوم یہ ہے کہ بستی کی اُونچی عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر اُس قوم کو ختم کر دیا۔
● [۲] مَطَرٌ بارش کو کہتے ہیں اور مَطَرٌ کا معنیٰ ہے برسنا۔ اس طرح اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً کا معنیٰ ہے کہ ہم نے اُس پر بارش کی طرح پتھر برسائے۔

● [۳] حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ سِجِّيلٍ کا معنیٰ ہے آگ میں پکایا ہوا مٹی کا کھنگر۔ اس طرح حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ کا معنیٰ ہے آگ میں کھنگر کی حد تک مٹی کے پکائے ہوئے پتھر۔ سورہ ذاریات میں انہی پتھروں کو کہا گیا ہے حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ $\frac{۵۱}{۳۳}$ یعنی مٹی کے پتھر۔ اب مشاہدہ گواہ ہے کہ مٹی میں پتھر جیسی سختی اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب اُسے آگ میں پتھر کی حد تک پکایا جائے۔

● [۴] مَّنضُودٍ کا لفظ مادہ ن-ض-د- نضد سے ہے، جس کا مصدری معنیٰ ہے تہ بہ تہ ہونا۔ اور مَطَرٌ یعنی بارش کی طرح برسنے کی حالت میں اسکا مصدری معنیٰ ہے پے در پے لگاتار برسنا۔ پس ثابت ہوا کہ قوم لُوط پر مٹی کے کھنگر کی حد تک پکائے ہوئے پتھر بارش کی طرح لگاتار برسائے گئے تھے۔

● [۵-۶] یہاں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ہی کیلئے بصورتِ حال آیا ہے مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ، یعنی اُن کھنگروں کی حد تک مٹی کے پکائے ہوئے کھنگروں کی حالت یہ تھی کہ ہر ایک پر ایک ہی نشان کندہ تھا۔ مُّسَوَّمَةً حال ہے بمعنیٰ نشان کندہ۔ اور عِندَ رَبِّكَ کے الفاظ میں رب تعالیٰ کے قانون کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہر ایک پتھر پر ایک ہی نشان کندہ کرنا رب تعالیٰ کے کائناتی قانون کیمطابق تھا۔ (تفصیل حسب ذیل ہے) :-

● آیات مجیدہ $\frac{۱۱}{۸۳-۸۲}$ کے الفاظ کی حاکمیت کیمطابق قوم لُوط پر لائے گئے عذاب کی حقیقت یہ ثابت ہوتی ہے کہ اُس بدکار قوم پر اُس دَور کی حدِّ ایجاد کیمطابق منجنیقوں کیساتھ کھنگروں کے گولے برسائے گئے تھے۔ اور چونکہ منجنیق کے خانے میں ایک ہی سائز کے گولے آسکتے ہیں، اسلئے ہر منجنیق کے خانے کیمطابق الگ الگ ایک ہی سائز کے سانچوں میں گیلی مٹی تھاپ کر گولے بنائے جاتے تھے۔ بالکل اُسی طرح جیسے آجکل ایک ہی سائز کے سانچے میں اینٹیں تھاپی جاتی ہیں اور سانچے میں کھدا ہوا ایک ہی نشان سب اینٹوں پر کندہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ گولے گیلی مٹی کے تھاپ کر بنائے جاتے تھے اور الگ الگ منجنیقوں کے خانوں کے سائز کیمطابق سانچوں میں کھدا ہوا الگ الگ ایک ہی نشان گولوں پر کندہ ہوتا چلا جاتا تھا پھر انہیں آگ میں پکا کر کھنگر کی حد تک پکا لیا جاتا تھا تاکہ جہاں گرمیں خود نہ ٹوٹیں مگر مقامِ مضروب پر تباہی لے آئیں۔

● سابقہ زمانوں میں ایسی ہی منجنیقوں کیساتھ کھنگروں کے گولے برسائے جاتے تھے۔ گولوں پر الگ الگ منجنیق کے خانے کے سائز کے الگ الگ نشان کندہ ہوتے تھے، جسے مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ یعنی تیرے رب کے قانون کے مطابق کہا گیا ہے۔ یہاں

لفظ رب سے مراد رب تعالیٰ کا مکافاتی قانون ہے اور عِنْدَ مضاف حرفِ جار قرآن مجید میں "کے مطابق" کے معنوں میں مستعمل ہے۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۳/۱۶۲-۱۶۳ اس آیت کے ترجمہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ اسی میں عِنْدَ اللّٰهِ کا معنی ہے اللہ کے قانونِ مکافات کیمطابق:۔ کیا وہ شخص جس نے رضاءِ الٰہی کی اتباع کی، اُس شخص کی مانند ہے جس نے اللہ کو ناراض کیا جس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ کے قانون کیمطابق (عند اللہ) انکے الگ الگ درجے ہیں۔ اللہ دیکھتا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔

المختصر! ● یہاں تک یہ ثابت ہو چکا کہ قوم لوط کی بستی پر مٹی کے پکے ہوئے ایک ہی نشان والے اللہ کے قانون کے مطابق بنائے گئے کنکروں کے پتھر منجنیقوں کے ذریعہ لگاتار برسائے گئے تھے، جو اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۱۱/۸۲-۸۳ کے خداوندی ارشاد سے عیاں ہے۔ اب اس ضمن کا آخری سوال یہ ہے کہ کنکروں کے نشان کندہ گولوں کی بارش کس سے کروائی گئی تھی؟

● اسکا جواب ۵۱/۳۱ تا ۳۴ سے ثابت ہے کہ یہ بارش بدلائلِ ذیل اللہ کے رسولوں اور حضرات ابراہیم و لوط سلام علیہما کے مہمانوں سے کرائی گئی تھی۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے مہمانوں سے پوچھا۔ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ ۵۱/۳۱ اے اللہ کے رسولو! تمہاری مہم کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:۔ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۵۱/۳۲-۳۴ انہوں نے کہا بیشک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم حد سے نکلنے والوں کیلئے تیرے رب کے قانون کے مطابق مٹی کے بنائے گئے نشان کندہ پتھر لگاتار برسائیں۔

● اِن الفاظِ خداوندی سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول، حضرات داؤد و سلیمان سلام علیہما کی طرح رسول ہونے کیساتھ ساتھ صاحبِ اقتدار بھی تھے۔ انکا منجنیق بردار فوجی دستہ پیچھے خفیہ مقام جھاڑیوں وغیرہ میں محفوظ تھا، جسے وعدہ والی صبح سے پہلے پہلے رات کے وقت موقعہ پر لایا گیا اور حضرت لوطؑ سے راتوں رات ہجرت کروا کر صبح کے وقت نشان کندہ کنکروں کے پتھروں کی لگاتار بارش کیساتھ بدکار قوم کی بستی کو پیوندِ خاک کر دیا گیا۔ چنانچہ حکمِ خداوندی کیمطابق اللہ تعالیٰ کے مذکورہ مقتدر رسولوں نے پہلے حضرت ابراہیم سلام علیہ کو دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری دی اور پھر قوم لوط پر منجنیقوں کے ذریعہ پتھراؤ کر کے اُسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔

● قوم لوط پر عذاب بھیجنے کا ذکر سورہ اعراف، ھود، حجر، انبیاء، شعراء، نمل، عنکبوت، صٰفّٰت، ذاریات، قمر اور سورہ فیل میں آیا ہے۔ عذاب کی تفصیل کے طور پر سورہ قمر میں کہا گیا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا ۵۴/۳۴ بیشک اُن پر ہم نے پتھر پھینکے۔ سورہ اعراف، شعراء اور نمل میں قوم لوط کے عذاب کے متعلق ایک ہی الفاظ آئے ہیں وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۷/۸۴ + ۲۶/۱۷۳ + ۲۷/۵۸ ہم نے ان پر مینہ برسایا۔ پھر کیسا بُرا مینہ تھا جو متنبہ کئے گئے (مجرموں) پر برسایا گیا تھا۔

● سورہ عنکبوت میں آیا ہے کہ اللہ کے رسولوں نے حضرت لوطؑ سے کہا اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا

مِّنَ السَّمَآءِ ٢٩/٣٤ بیشک ہم اس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنیوالے ہیں۔ سورہ حجر میں آیا ہے وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ١٥/٧٤ اور ہم نے اُن پر کھنگر کے پتھروں کا مینہ برسایا۔ سورہ ذریٰت میں آیا ہے کہ اللہ کے رسُل سلام علیہم نے حضرت ابراہیم سلام علیہ سے کہا قَالُوْا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۙ مُّسَوَّمَةً ٥١/٣٢ تا ٣٤ انہوں نے کہا بیشک ہم مجرموں کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم اُن پر مٹی کے پکائے ہوئے نشان کندہ پتھر برسائیں۔ اور سورہ ھود میں ارشاد ہوا ہے وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً ١١/٨٢-٨٣ اور ہم نے اُن پر مٹی کے پکے ہوئے کھنگروں کے نشان کندہ پتھر برسائے۔

● قرآن بھر میں پھیلی ہوئی مذکورہ بالا آیات کریمہ کی شہادت اور قرآن کریم کے مستقل اسلوب بیان تصریف آیات سے مکمل کر ثابت ہو چکا کہ بدکار قوم لوط پر مٹی کے کھنگر کی حد تک پکے ہوئے پتھر بارش کی طرح پے در پے لگاتار برسائے گئے تھے۔ اور وہ اُس دور کی عسکری اسلحہ صنعت کیمطابق ایجاد کردہ منجنیقوں کے ذریعہ برسائے گئے تھے۔ اور برسانے والے، اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ رسل سلام علیہم، حضرات داؤد و سلیمان سلام علیہما کی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کے علاوہ کسی حصۂ زمین میں صاحب اقتدار بھی تھے۔

ایک اہم سوال کا جواب

● یہاں معترض اعتراض کرسکتا ہے، جبکہ آیات بالا میں منجنیقوں کا ذکر مطلقاً موجود نہیں تو پھر یہ تصور کس طرح صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اسکا جواب بالکل سادہ اور صاف ہے کہ جہاں ٨/١٧ میں آیا ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ اور نہیں تیر اندازی کی آپنے، جب آپنے تیر اندازی فرمائی۔ دیکھئے یہاں کمان کا ذکر موجود نہیں، جس کے ذریعہ آنحضور نے تیر اندازی فرمائی تھی۔ لیکن چونکہ تیر اندازی کمان ہی کے ذریعہ کیجاتی ہے، اِسلئے کمان کا ذکر نہ موجود ہونے کے باوجود ٨/١٧ میں تیر اندازی بذریعہ کمان مذکور ہے اسی طرح آیات بالا میں مٹی کے کھنگر کی حد تک پکے ہوئے پتھروں کا بارش کی طرح برسانا بذریعہ منجنیقوں مذکور ہے۔

دو اور اہم سوالات

● یہاں پہنچ کر عنوان بالا کے متعلق ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قوم لوط پر کھنگر والے پتھر برسانے والوں کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ اسکا جواب از روئے قرآن کریم یہ ہے کہ قوم لوط پر بھیجے گئے عذاب کا ذکر گیارہ سورتوں میں آیا ہے جیسے کہ پیچھے درج کر دیا گیا ہے، مگر کسی ایک سورت میں بھی اللہ کے مذکورہ رسولوں کیلئے ملائکہ کے الفاظ مطلقاً نہیں آئے۔ یا تو اُنکے لئے رُسُلُنَا کے الفاظ آئے ہیں یعنی ہمارے رسول اور یا ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ اور ضیفِ لوط یا ضَيْفِهٖ کے الفاظ آئے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم کے مہمان اور حضرت لوط کے مہمان۔ چنانچہ رُسُل اور مُرْسَلُوْنَ کے الفاظ آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں :-

● سورہ ھود میں آیا ہے وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ١١/٦٩ اور بیشک بیشک ابراہیم کے پاس ہمارے رسول خوشخبری لیکر آئے۔ اسی سورہ مجیدہ میں آیا ہے وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا ١١/٧٧ اور جب ہمارے رسول لوط کے پاس آئے

سورہ حجر میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آنیوالوں سے پوچھا قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۱۵/۵۷ اے اللہ کے رسولو! تمہاری مہم کیا ہے۔ حضرت ابراہیم کے عین یہی الفاظ سورہ ذریٰت میں آئے ہیں قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۵۱/۳۱ پھر سورہ حجر میں آیا ہے فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۣ الْمُرْسَلُوْنَ ۱۵/۶۱ پھر جب اللہ کے رسول آل لوط کے پاس آئے۔

● اب ملاحظہ فرمائیں انہی اللہ کے رسولوں کیلئے ضیف ابراہیم اور ضیف لوط کے الفاظ آیات ذیل میں آئے ہیں:۔

● سورہ حجر میں آیا ہے وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۵ ۱۵/۵۱ اور اے رسول ان لوگوں کو ابراہیم کے مہمانوں کی خبر دیجئے۔ سورہ ذریٰت میں ارشاد ہوا ہے هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۵۱/۲۴ کیا آپکے پاس ابراہیم کے مہمانوں کی خبر پہنچی ہے (یقیناً سابقہ سورتوں میں پہنچ چکی ہے)۔ سورہ ھود میں آیا ہے کہ جب قوم لوط برے ارادے کیساتھ حضرت لوط کی طرف آئی تو آپنے فرمایا وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۱۱/۷۸ مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو ——— سورہ حجر میں ارشاد ہوا ہے اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۵ ۱۵/۶۸ بیشک یہ میرے مہمان ہیں۔ پس مجھے ان میں رسوا نہ کرو ——— سورہ قمر میں ارشاد ہوا ہے وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ ۵۴/۳۷ اور بیشک ان بدکاروں نے حضرت کو ان کے مہمانوں کیساتھ بدکاری کے لئے پھسلانا چاہا۔ (مگر نہ پھسلا سکے)۔

● پس مذکورہ آیات مقدسہ میں جب متعدد بار بتکرار کثیر رسل اور ضیف کے الفاظ آئے ہیں اور ملائکہ کا لفظ ایک مرتبہ بھی کہیں نہیں آیا اسلئے کھل کر ثابت ہوا کہ یہ ملائکہ نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے صاحب اقتدار رسول تھے۔ حضرات ابراہیمؑ و لوطؑ کے مہمان بشر تھے۔

● دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ جب سابقہ نافرمان اقوام کو طوفانِ آب، طوفانِ باد، طوفانِ برق اور زلزلوں کے ذریعہ ختم کیا گیا تھا تو قوم لوط پر انسانوں ہی کے بنائے ہوئے کھنگریا لے پتھروں کی بارش خود انسانوں ہی سے کیوں کرائی گئی تھی جبکہ قوم لوط کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا لشکر جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ موجود تھے۔ اس کا جواب قوم نوح پر لائے گئے پانی کے عذاب میں موجود ہے کہ حضرت نوحؑ کو آمدِ طوفان کی خبر دینے کیساتھ حکم دیدیا گیا کہ طوفان سے بچنے کے لئے کشتی تیار کریں۔ اس حکمِ خداوندی میں کھل کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ جو بھی عذاب آئے گا مادی ذرائع سے آئے گا، چنانچہ پانی کا سیلاب، آندھی کا طوفان، بجلی اور زلزلے سب مادی چیزیں ہیں اور ان سے بچاؤ بھی مادی ذرائع ہی کے ساتھ ممکن ہوگا، جیسے کہ طوفانِ آب سے محفوظ رہنے کے لئے مادی چیز کشتی ہی کام دے سکتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے کشتی ہی تیار کرائی تھی۔

● اللہ تعالیٰ کی اس سنتِ مبارکہ کے مطابق جو قرآنِ کریم سے بطور نمونہ پیش کیگئی ہے، حضرت ھود سے یقیناً ایسی پناہ گاہیں بنوائی گئی تھیں جن میں آندھی کا اثر نہ ہو کیونکہ آپکی قوم پر ایسی آندھی کا عذاب لایا گیا تھا جو مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی اور قوم ھود کو ختم کر گئی۔ قوم ثمود پر مہلک آواز والے زلزلے کا عذاب لایا گیا مگر حضرت صالح سے تجربت

کروائی گئی۔ اس طرح قومِ لوطؑ پر کھنگر یالے پتھروں کی بارش کا عذاب لایا گیا مگر حضرت لوطؑ سے ہجرت دالی گئی۔ حضور مکی مدنی سرکارؐ کی مخالف قوم چونکہ بارہا آنحضورؐ پہ جارحانہ حملے کر کے آپ پہ جارحانہ جنگ ٹھونستی رہی، اسلئے اُس قوم پر جنگ ہی کا عذاب نازل ہوتا رہا۔ جنگ بدر، اُحد، خندق اور حُنین وغیرہ سب اُنکی لائی ہُوئی جنگیں تھیں۔ اِس لئے جس طرح نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم دیا گیا تھا، اُسی طرح آنحضورؐ کو اور آپکے مقدس صحابہؓ کو زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرنے کا حکم دیا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ۸/۶۰ دشمن کے مقابلے کیلئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوّت تیار کرتے رہو چنانچہ آنحضورؐ کی بے پناہ فوجی تیاری ہی کا نتیجہ تھا کہ دشمن بڑی سے بڑی فوجی قوت کے ساتھ حملہ آور ہوتا رہا، مگر ہر بار شکست یاب ہوکر لوٹتا رہا۔ اور آخرالامر آنحضورؐ کی فوجی قوت ہی کے سامنے معرکۂ مکّہ معظّمہ میں دشمن نے بلا جنگ و جدال شکست تسلیم کر لی۔

● المختصر! ہم یہ بتا رہے ہیں کہ قومِ لوطؑ پر اپنے صاحبِ اقتدار رسُولوں کے ذریعہ کھنگر یالے پتھروں کی بارش فوجی انداز کیساتھ منجنیقوں کے ذریعہ کیوں کرائی گئی تھی۔ یہ اسلئے کہ قیامت تک کے اہلِ اسلام کو متنبّہ کرنا تھا کہ یاد رکھو زمین میں اقتدار بھی فوجی قوّت ہی کیساتھ میسّر آیا کریگا اور قائم بھی عسکری قوت ہی کیساتھ رہ سکیگا۔ جیسے کہ حضرت داؤدؑ اعظم (داؤد ذا الاَیْد) کی عظیم سلطنت کا راز ان لفظوں میں بتایا گیا ہے وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۳۴/۱۰ اور ہمنے اسکے لئے لوہے کو نرم پایا (یعنی وہ لوہے کے جنگی ہتھیار (اسلحہ) بکثرت تیار کرتے تھے۔ اور آپکو اسی کا حکم دیا گیا تھا اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۳۴/۱۱ یہ کہ آپ لوہے کی زرہیں بنائیں اور (اُن کے حلقوں میں جسم کے ہر عضو کے مطابق صحیح صحیح) اندازہ رکھنے کا اہتمام فرمائیں۔

اِسی طرح :۔

● حضرت سلیمانؑ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُن کے ہاں پگھلے ہُوئے تانبے کے چشمے بہتے تھے وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۳۴/۱۲ یعنی آپکے ہاں تانبے کے اسلحی پرزہ جات ڈھلا کرتے تھے۔ بالفاظِ دیگر حضرات داؤد و سلیمان سلامٌ علیہما کی مضبوط حکومتوں کا راز ہمہ وقتی جدید سے جدید اسلحہ کی تیاری تھا۔

● اِسی طرح اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا مقتدر رسُول اُس دَور کی اسلحی ترقی کے مطابق اَیسے گوپھن بارود چلانے کے مالک تھے جن میں مٹی کے کھنگر یالے نشان کندہ پتھر استعمال کئے جاتے تھے۔ اور دشمن کو آنِ واحد میں تہ و بالا کر کے رکھدیا جاتا تھا۔ جس طرح مذکورہ صاحبِ اقتدار فوجی اسلحہ کی تیاری میں قوموں کی صفِ اوّل میں سب سے آگے اور غالب تھے اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضور خاتم النبیینؐ کو بھی جدید سے جدید اسلحہ کا حکم ۸/۶۰ دیا۔ جس کی بدولت ثابت قدم صحابۂ رسُولؐ زندگی بھر غالب رہے۔ یہ ایک انتہائی تباہ کُن المیہ ہے کہ اہلِ اسلام کو مادیّت سے بالکل بیگانہ کر کے دُنیا بھر میں پس ماندہ کر رکھ دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ سورہ فیل کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ ابرہ نامی شاہِ یمن ہاتھیوں کی فوج لیکر بیت اللہ شریف کو مسمار کرنے کیلئے حملہ آور ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے کنکر بردار پرندوں کی فوج بھیج کر انہیں تباہ کر دیا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ

جب یہودیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا اور اسکے ایک حصّے کو جلا دیا، کیا اُسے بچانے کیلئے کوئی پرندوں کی فوج آئی تھی۔ جواب ظاہر ہے ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس سے پہلے سلطان صلاح الدینؒ نے بھی ۵۸۳ھ میں فوجی قوت ہی کیساتھ بیت المقدس کو فتح کیا تھا اور اب بھی فوجی قوت ہی کیساتھ بیت المقدس بنی اسرائیل سے واپس لیا جاسکتا ہے۔

سُورہ فیل

● واضح رہے کہ سُورہ فیل میں بھی قومِ لُوط کی تباہی کا حیرت انگیز واقعہ بیان کیا گیا ہے جس پر مذکورہ سُورت (سُورہ فیل) کے وُہ الفاظ بطور شاہد عادل موجود ہیں جو پیچھے لائی گئی تین سُورتوں کے حوالوں سے پیش کئے جاچکے ہیں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ۔ سورہ فیل میں قومِ لُوط کو اصحٰب الفیل کہا گیا ہے۔ عربی زبان میں فیل الرائے بیوقوف اور موٹی عقل والے آدمی کو کہتے ہیں۔ دیکھئے لغت منتہی الارب ربع سُوم صفحہ ۴۳۵۔ نیز دیکھئے مفردات امام راغب مطبوعہ اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۸۱۹ پر درج ہے :- رَجُلٌ فِيلُ الرَّأْيِ وَ فَالُ الرَّأْيِ - کمزور رائے آدمی۔ قومِ لُوط کی اغلام بازی کی رائے ناقص، کمزور اور عقل کے خلاف تھی۔

● قومِ لُوط وُہ لوگ تھے کہ حضرت لُوط کی تبلیغ کے باوجود اُس عظیم خباثت پر اڑے رہے کہ اُن سے پہلے اس کی مرتکب کوئی قوم نہ ہوئی تھی۔ اور وہ لوگ اس فعلِ بد کو مِل کر متحد ہو کر انجام دیتے تھے۔ قرآنِ کریم کا مستقل اسلوب بیان ہے تصریفِ آیات، جس کے مطابق حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ کے الفاظ دو سُورتوں ھُود اور حِجر میں آئے ہیں، بالکل یہی الفاظ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ $\frac{105}{4}$ سورہ فیل میں آئے ہیں۔

● سورہ فیل کی تفصیل کو سمجھنے کیلئے پہلے اس چیز کا جاننا ضروری ہے کہ قرآنِ کریم کی آخری سورتوں میں انتہائی اختصار کیساتھ اُن قصص کو دُہرایا گیا ہے جو پیچھے قرآن بھر میں پہلے ہو گئے ہیں، جیسے کہ سورہ فجر میں اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ کے وُہی الفاظ آئے ہیں جو سُورہ فیل میں اصحابِ فیل کا واقعہ یاد دلانے کیلئے آئے ہیں۔ دیکھئے ارشاد ہُوا ہے :-

● اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِى الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ $\frac{89}{6 \text{ تا } 14}$ ۔

(مفہوم) اَے رسول! کیا آپنے غور نہیں کیا کہ آپکے رب نے قومِ عاد کیساتھ کیا کیا تھا۔ اُونچے نشانوں اور بلند عمارتوں والوں کیساتھ جن کی مثل شہروں میں پیدا نہ کئے گئے تھے۔ اور آپکے رب نے قومِ ثمود کیساتھ کیا کیا تھا، جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراش تراش کر گھر بنائے۔ اور آپکے رب نے لشکروں والے فرعون کیساتھ کیا کیا تھا جنھوں نے شہروں میں سرکشی کی، بلکہ اُن میں بہت زیادہ فساد کیا۔ آپ کے رب نے اِن سرکش قوموں کیساتھ یہ سلوک کیا کہ اُن سب پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ بیشک آپکا رب (بدعمل اقوام و افراد کی) گھات میں ہے۔ (مہلت دینے کے بعد عذاب نازل کرتا ہے)۔

● دیکھئے! ان آیاتِ مجیدہ میں قومِ عاد و ثمود اور لشکروں والے فرعون کے متعلق یاد دلایا گیا ہے، غور فرمائیے کہ ان

سرکشوں کیساتھ آپکے رب نے کیا سلوک کیا تھا - اور خود ہی اختصاراً جواب دیدیا ہے کہ اُس نے ان سب پر اپنے عذاب کا کوڑا برسا دیا تھا - اب غور فرمائیے کہ یہاں صرف عذاب کا کوڑا برسانے کی خبر دیگئی ہے - مگر ان سب کے الگ الگ عذاب کی تفصیل دیکھے قرآن بھر میں پھیلی ہوئی ہے - یہاں صرف ان اقوام کے نشان بتا دیئے ہیں کہ قوم عاد ارم وعماد والی تھی - قوم ثمود کا نشان یہاں بتایا گیا ہے جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ - اور فرعون ذِی الْاَوْتَادِ - اب صاف ظاہر ہے کہ انہی نشانوں ارم ذَاتِ الْعِمَادِ، جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ اور ذِی الْاَوْتَادِ کے الفاظ کے حوالوں سے ان قوموں کے الگ الگ حالات قرآن بھر سے دیکھنے اور اُن پر غور کرنے اور عبرت حاصل کرنے کی دعوت دیگئی ہے -

● اسی طرح سورہ فیل میں قوم لوط کا نام انتہائی ناراضگی کیساتھ اصحٰب الفیل رکھا گیا ہے ، موٹی عقل اور کمزور رائے والے جیسے کہ ۲۱/۷۴ میں اِس قوم کے متعلق آیا ہے کَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝ وہ خبیث عمل بجالاتے تھے بلاشبہ وہ قوم بدعمل ، حد سے پھاندنے والے تھے - اُن پر لائے گئے عذاب کے لئے سورہ فیل میں تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۱۰۵/۴ کے الفاظ لائے گئے ہیں ، کہ وہ ، وہ تھے جن پر کھنگر یالے پتھر برسوائے گئے تھے - اور ان کھنگر یالے پتھر برسانے والوں کو سورہ فیل میں کہا گیا طَيْرًا اَبَابِيْلَ - جس سے قوم طیر کا گروہ مراد ہے - ابابیل کا معنیٰ گروہ ہے - یہ کسی پرندے کا نام نہیں مفردات امام راغب کے صفحہ ۹ پر درج ہے کہ ابابیل کا واحد ابالۃ - ابیلٌ ہے - اور اس کا معنیٰ ہے اونٹوں کا گروہ - سورہ فیل میں چونکہ ابابیل کا لفظ طَيْرًا پر داخل ہوا ہے ، اسلئے اس کا معنیٰ ہے طیر کا گروہ - اب اگر تصریف آیاتِ قرآنیہ کیساتھ بیان حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ، یعنی کھنگر یالے پتھر پھینکنے والے پرندے ثابت ہوں تو طیر بمعنی پرندے ہوگا اور اگر قرآن بھر میں حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ کو برسانے والا فوجی گروہ ہی ثابت ہو تو اُس سے مراد طیر قوم کا فوجی گروہ ہوگا - اب چونکہ قرآن مجید کی متعدد سورتوں سے بتکرار کثیر ثابت ہو چکا کہ ، کھنگر یالے پتھر صرف قوم لوط پر برسوائے گئے تھے اور برسانے والا اللہ تعالیٰ کے صاحبِ اقتدار رسولوں کا فوجی دستہ تھا - اسلئے ثابت ہوا کہ یہاں پرندوں کا گروہ مراد نہیں بلکہ طیر قوم کا فوجی دستہ ، فوجی رجمنٹ مراد ہے -

● جیسے کہ مختلف رجمنٹوں کے نام اُن کے قبائل یا علاقوں کے ناموں پر ہوتے ہیں - مثلاً پنجاب رجمنٹ ، بلوچ رجمنٹ ، مرہٹہ رجمنٹ ، سکھ رجمنٹ اور گورکھا رجمنٹ وغیرہ - پس طَيْرًا اَبَابِيْلَ سے مراد طیر رجمنٹ کا دستہ ہے - اہل عرب میں کلبی قبیلہ اور قبیلہ بنو اسد بہت مشہور قبیلے ہیں - وہ اپنے اپنے کسی بزرگ کلب اور اسد کے نام پر کلبی اور بنو اسد کہلاتے ہیں - اسی طرح دورِ ابراہیمی میں قبیلہ طیر اپنے کسی بزرگ کے نام سے مشہور تھا ، جس کے نام پر قبیلہ طیر کا نام طیر چل رہا تھا - اور اس قبیلہ کی رجمنٹ کے دستے کو طَيْرًا اَبَابِيْلَ کہا گیا ہے - اور جس طرح سورہ فجر میں قوم ثمود ، عاد اور قوم فرعون کے عذاب کی خبر دی گئی ہے فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ کہ تیرے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسا دیا - اسی طرح قوم لوط کے متعلق سورہ فیل میں ارشاد ہوا ہے — وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ پھر آپکے رب نے اُن پر قوم طیر

کا فوجی دستہ بھیجا، جس نے اُن پر مٹی کے پکے ہُوئے کھنگر یا لے پتھر برسا دیے ۔ اور اُنہیں کھائے ہُوئے بھُس کی مانند کر دیا

● مذکورہ بالا ابتدائی اور تمہیدی وضاحت کے بعد اب پوری سُورہ فیل اور تصریفِ آیات کے ذریعہ اُسکا مفہوم ذرا خالی الذہن ہو کر ملاحظہ فرمائیں ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۝[1] اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۝[2] تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ[4] مِّنْ سِجِّیْلٍ ۝[3] فَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ[5] مَّاْکُوْلٍ ۝ ۱۰۵/۱تا۵

(مفہوم) اللہ رحمان و رحیم کے نام کیساتھ پڑھیگا (اے صاحبِ قرآن!) کیا آپنے موٹی عقل والی[1] (قومِ لوط) پر غور کیا ہے ۔ کیا آپکے رب نے انکی بُری تجویز کو ناکام نہیں کر دیا تھا ؟ ۔ اور کیا اُن پر طَیر (رجمنٹ کا فوجی) دستہ نہیں بھیجا تھا[2] جس نے اُن پر (مٹی کے پکے ہُوئے) کھنگروں[3] کے پتھر پھینکے ۔ پھر اُنہیں روندے ہُوئے بھُس کی طرح کر دیا[5]۔

● [1] اصحب الفیل کی وضاحت پیچھے گزر چکی ہے ۔ موٹی عقل اور ناقص رائے والے ۔ دیوث لوگ ۔

● [2-4] عام تراجم میں طَیْرًا اَبَابِیْلَ کا معنٰی پرندوں کا جھنڈ لیا گیا ہے مگر آگے چل کر اُن کا جو کام بتایا گیا ہے تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۔ اس میں تَرْمِیْھِمْ رمی سے ہے ۔ جس کا معنٰی ہے نشانہ پر تیر مارنا ۔ تیر کیساتھ مارے ہُوئے شکار کو رَمِیَّۃ کہتے ہیں ۔ چونکہ اس مادہ میں نشانہ باندھنے کا تصوّر موجود ہے اِسی لئے رَمْیُ الرَّصَاص کا معنٰی ہے گولی چلانا ۔ اِسی طرح رَمْیُ الْحِجَارَۃ مِنْ سِجِّیْلٍ کا معنٰی ہے مٹی کے پکے ہُوئے کھنگروں کے پتھر نشانہ باندھ کر نشانے پر پھینکنا ۔ یہ پرندوں کا کام نہیں بلکہ یہ ماہر نشانہ بازوں کا کام ہے ۔

● رمی کا مصدری معنٰی نشانے پر تیر مارنے کے علاوہ گوپئے کیساتھ نشانے پر پتھر مارنا بھی ہے ۔ مگر چونکہ یہاں نشان کندہ کھنگر یا لے پتھروں کے نشانے پر پھینکنے کا ذکر ہے جو مخصوص نشان کندہ سانچوں میں ٹھاپ کر آگ میں پکائے جاتے تھے اسلئے یہاں گوپئے کی بجائے منجنیقوں کے ذریعہ نشانہ باندھ کر پھینکنا مُراد ہے ۔

● [3] حِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ سجّیل کا معنٰی ہے کھنگر کی حد تک پکائی ہُوئی مٹی کو سجیل کہتے ہیں ۔

● [5] قومِ لوط کی بستی پر سنگباری کے نتیجے میں اُس کی حالت بتائی گئی ہے جیسے کہ کسی کھیتی کو مویشی جی بھر کر اجاڑ چکتے ہیں اور پیروں کیساتھ روند دیتے ہیں ۔

انگوٹھی میں نگینہ

● واضح رہے کہ قرآن کریم کی ہر سُورت اور آئت مجیدہ میں اللہ تعالٰی کے نازل کردہ تمام الفاظ اپنے اپنے مقام پر اس طرح ہوتے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ ۔ کوئی بھی لفظ نہ بھرتی کا ہوتا ہے نہ بلا ضرورت نازل کیا ہوتا ہے ۔ قرآن مجید کی مختلف سُورتوں میں قومِ لوط کا ذکر لایا گیا ہے ۔ اُن پر برسائے گئے پتھروں کیلئے حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّیْلٍ کے الفاظ بلا مقصد نہیں لائے گئے ۔ اور اُن پر مُسَوَّمَۃً کی مخصوص تعریف بطورِ حال لا کر اِس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ نشان کندہ کھنگر یا لے پتھر منجنیقوں کے ذریعہ برسائے گئے تھے ۔ اور اس سوال کا جواب پیچھے بھی دیا جا چکا ہے کہ آیات مجیدہ کے بکثرت تکرار

کے باوجود منجنیقوں کا نام کیوں نہیں آیا۔ مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔ مثلاً جب آپ کہتے ہیں کہ میں نے فائر کیا تو یہ ضروری نہیں کہ آپ بندوق یا ریوالور کا نام لیں۔ سُننے والا جانتا ہے کہ فائر یا تو بندوق کے ساتھ کیا جاتا ہے اور یا ریوالور وغیرہ کے ساتھ۔ وہ کلام کے موقعہ محل کے مطابق خود سمجھ لیتا ہے کہ فائر بندوق کے ساتھ کیا گیا ہے یا ریوالور کے ساتھ۔ پھر شکاری بندوق کیساتھ یا فوجی بندوق کیساتھ۔

● اگر بانداز تعمق غور کیا جائے تو سورہ فیل کے روائتی مفہوم میں اہل اسلام کو غیر مسلّح کرنے کی کھلی کوشش موجود ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر بیت اللہ شریف کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے، جیسے کہ اُس نے اُسے ہاتھیوں والوں سے محفوظ رکھا۔ اِسی عقیدے سے اس نظریے نے جنم لیا ہے کہ دین بھی اللہ کا ہے، اسلئے اسکی حفاظت بھی اُسی کے ذمہ ہے۔ جس طرح اُس نے چڑیوں سے ہاتھیوں کو مروا دیا تھا، اسی طرح ہماری، ہمارے گھروں کی، ہماری مسجدوں کی، ہماری حکومت کی بھی وہی حفاظت کریگا، ہمیں کسی بھی فوجی طاقت کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام کی پچاس ساٹھ حکومتوں میں باوجود اسکے کہ ان میں سونے کے، تیل کے اور لوہے کے ذخائر بافراط موجود ہیں، مگر کسی ایک اسلامی حکومت میں اسلحہ سازی تو کیا، لوہے تک کا کارخانہ موجود نہیں۔ بالفاظِ دیگر چڑیوں سے ہاتھی مروانے کے عقیدے نے مسلمانوں کو اس مقام پر لا کھڑا کر دیا ہے کہ اہل اسلام کو اسلحہ کی ضرورت نہیں۔ اِسکے لئے چڑیوں کی فوج کافی ہے، جو چونچوں اور پنجوں کے ذریعہ نشانے پر کنکر مارتی ہیں جس سے ہاتھی معہ سوار چھید کر مر جاتا ہے۔

● اِسکے برعکس سُورہ فیل کے صحیح قرآنی مفہوم کے مطابق جو تصریف آیات کے مستقل اسلوب قرآنیہ کیساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اُس سے ہر آن جدید سے جدید اسلحہ تیار کرتے رہنے کا سبق ملتا ہے۔ جیسے کہ مذکورہ صاحب اقتدار رسولوں نے اس دور کی اسلحی ایجاد کے مطابق اسلحہ تیار کر رکھا تھا، جس کا حکم آنحضور اور آپکے صحابہ کرام کے نام بالفاظِ ذیل جاری کیا گیا تھا:-
وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ -۸:۶۰- اور دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ اسلحی قوت تیار کرتے رہو، خصوصاً ذرائع رسل و رسائل کی تمہارے ہاں وہ بہتات موجود ہو کہ تم اسکے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔ (وہ تم پر حملہ کی جرأت نہ کریں گھر بیٹھے کانپتے رہیں)۔

● اِس آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اہل اسلام کے ہاں ہمیشہ کیلئے انکی اسلحہ فیکٹریوں میں دن رات جدید سے جدید اسلحہ تیار ہوتا رہے، کیونکہ پرانی بندوقوں اور چھوٹی توپوں کیساتھ دور مار میزائلوں والا دشمن کس طرح دہل سکتا ہے۔ اور پرانے طیاروں کیساتھ میراج لڑاکا طیاروں کا مقابلہ کس طرح ہو سکتا ہے۔

ایک اہم آخری سوال

● اللہ کے رسولوں حضرات ابراہیمؑ اور لوطؑ کے مہمانوں کے متعلق آخری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ کے رسول ہی تھے تو اس چیز کا کیا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بیٹوں اور پوتے کی بشارت خود کیوں نہ دی جبکہ وہ خود اللہ کے برگزیدہ نبی رسول تھے۔ اور اُن پر زندگی بھر وحی کا نزول

جاری رہا تھا؟

● اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کی اساس پر یہ ہے کہ اُسکا ہر کام وقتی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرات یعقوبؑ اور یوسفؑ دونوں نبی تھے۔ مگر حضرت یوسف کے زندہ سلامت اور صاحب اقتدار ہونے کی خبر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ پر براہِ راست نازل نہ فرمائی، حالانکہ وُہ خود نبی تھے اور آن پر زندگی بھر نزولِ وحی جاری رہا تھا بلکہ وُوسرے نبی حضرت یوسفؑ کے ذریعہ بھجوائی گئی تھی، حالانکہ حضرت یعقوب سلام علیہ ہر سال برس کیلئے فراقِ فرزند میں مضطرب وبیقرار وقت گزار رہے تھے۔ اِس میں حکمت یہ تھی کہ حضرت یوسفؑ کے کندھوں پر قیامِ ربوبیتِ عامہ کی چودہ سالہ ذمہ داری ڈالدی گئی تھی۔ جبتک چودہ سال پورے نہ ہوجاتے اور غلّے کا بے لوث کنٹرول اہلِ عالم کے سامنے عملاً مکمل نہ ہوجاتا کہ نہ صرف آپنے ملکِ مصر میں چودہ سالہ طویل عرصہ میں مسلسل غلّہ مہیا فرمایا بلکہ دُور دراز کے قحط زدہ لوگ بھی غلّہ لینے آتے رہے، حتیٰ کہ بعض لوگوں میں غلّہ خریدنے کی سکت موجود نہ ہوتی انہیں صدقہ کی مد سے غلّہ دیا جاتا تھا۔

● جب حضرت یوسفؑ اس چودہ سالہ امتحان میں صد فیصد کامیاب ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے یوسفؑ نبی کی معرفت اپنے یعقوبؑ نبی کو حضرت یوسف کے عہدۂ عزیزِ مصر (وزیرِ اعظم) کی وردی کی قمیص بھجوا کر مطلع کیا کہ آپکا بیٹا نہ صرف یہ کہ زندہ ہے بلکہ عہدۂ عزیزِ مصر پر فائز المرام رہکر غلّے کے چودہ سالہ کنٹرول کی وہ خدمت انجام دے چکا ہے جس سے متعلقہ خواب کو شاہِ مصر کی کابینہ کے گیارہ ستارے، اسکا وزیرِ اعظم (عزیزِ مصر) اور خود شاہِ مصر سمجھنے تک سے قاصر رہے تھے۔ ملکِ مصر کا آفتاب (شاہِ مصر) ملکِ مصر کا چاند (وزیرِ اعظم) اور مصر کی کابینہ کے گیارہ رکن (گیارہ ستارے) سب کے سب حضرت یوسفؑ کے سامنے سجدہ ریز یعنی اپنے اپنے اختیارات سے حضرت یوسف کے حق میں دست بردار ہوچکے ہیں یعنی اُنکے مطیع ہوچکے ہیں۔ بس۔

● جس طرح حضرت یعقوبؑ نبی کو بیٹے کی زندگی کی خوشخبری براہِ راست بذریعہ وحی نہیں دیگئی تھی اُسی طرح حضرت ابراہیم کو دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری براہِ راست نہ دیگئی۔ اس میں حکمتِ بالغہ یہ تھی کہ جنابِ خلیل سلام علیہ نے دعا فرمائی تھی۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ ٥ ۱۰۰/۳۷ اے میرے پروردگار! مجھے صالحین میں سے اولاد عطا فرما۔ لیکن اُدھر بوڑھے میاں بیوی پر رحمتِ باری اسقدر فراواں جوش عمل میں آئی کہ بیک وقت دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری کا فیصلہ کردیا گیا۔ اب ایک بڑھیا کو ایک بیٹا جننے کی خوشخبری پر تعجب کرنا ایک لازمی امر تھا۔ چنانچہ ایک بیٹے کی خوشخبری پر مائی صاحبہ مسکرا پڑیں کہ اب بڑھیا بیٹا جنے گی؟ اس پر ایک اور بیٹے اور ایک پوتے کی بھی عینِ حیات خوشخبری دیدیگئی۔ اِس پر مائی صاحبہ نے فرمایا يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوزٌ وَّهٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ٥ ۷۲/۱۱ اِس پر اپنے دھروں کے ذریعہ دعا کیگئی اَتَعْجَبِينَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ٥ ۷۳/۱۱ اے خاتون! کیا تو اللہ کے قانون پر تعجب کرتی ہے؟ اے (ابراہیمؑ کے) گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت و برکت ہے (تم دونوں میں قوت تولید پیدا کردینا قانونِ خدا وندی کیلئے کچھ مشکل نہیں)۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد تعریفوں والا بہت بڑی شان والا ہے۔

● اُدھر حضرت یعقوب سلامٌ علیہ کیلئے بھی خوشخبری کا معاملہ تھا' وہاں بھی براہِ راست وحی کی بجائے دُوسرے نبی کے ذریعہ کا مخصوص انداز اختیار کیا گیا۔ اور اِدھر حضرت ابراہیم کیلئے بھی خوشخبری کا معاملہ تھا' وہ بھی براہِ راست کی بجائے بذریعہ دُوسرے رسُولوں کے خوشخبری دیگئی۔ سَلٰمٌ عَلٰی یَعْقُوْبَ - سَلٰمٌ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ۔

قومِ شعیب[۳۳]

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں قومِ لوط کے بعد قومِ شعیبؑ اہلِ مدین کی بداعمالیوں اور اُن پر لائے گئے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُس قوم نے ناپ تول میں کمی کرکے ناجائز نفع اندوزی کے ذریعہ اللہ کی زمین میں فساد برپا کر رکھا تھا:-

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ
اور طرف مدین کے بھائی ان کے شعیب کو کہا اے قوم میری

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ قَدْ
حکم مانو اللہ کا نہیں واسطے تمہارے کوئی حاکم سوائے اُسکے بیشک

جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا
آئی پاس تمہارے دلیل سے رب تمہارے پس پورا کرو

الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَ
ناپ کو اور ترازو کو اور نہ کم دو لوگوں کو چیزیں

هُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا
انکی اور نہ فساد کرو بیچ زمین کے پیچھے درستی اس کی

ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ ۸۵
مذکورہ بالا بہتر واسطے تمہارے اگر ہو تم ماننے والے

اور بھیجا اہلِ مدین کی طرف اُنکے بھائی شعیب کو (رسول بناکر بھیجا) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ بیشک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ پس تم ناپ اور تول کو پُورا کرو۔ اور لوگوں کو چیزیں (کم ناپ کر اور کم تول کر) نہ دیا کرو۔ اور زمین کی اصلاح ہوچکنے کے بعد اس میں (کم ناپ تول کے ذریعہ) فساد نہ پھیلاؤ۔ اور اگر تم اپنے دعوٰیِ ایمان میں سچے ہو تو تمہارے لئے وُہ (یعنی ناپ تول کو پورا کرنا اور لوگوں کو کم ناپ کر یا کم تول کی بجائے پُورا ناپ تول کر چیزیں دینا) ایک بہتر امر ہے

عبادت کا معنی ہے حکم ماننا اور الٰہ کا معنی ہے حاکم

● ملہ عربی لغت کے مطابق لفظ الٰہ سے مراد ہے وہ اعلیٰ ذاتِ مقدس جس کا حکم مانا جائے، جس کی فرمانبرداری کی جائے۔ چنانچہ یہی مراد اُعْبُدُوا اللّٰہَ کے الفاظ میں وضاحت کردیگئی ہے کہ الٰہ وہ ہے جس کی عبودیت اختیار کی جانی چاہیئے۔ اُعْبُدُوا اللّٰہَ کا یہ معنی غیر واضح اور مبہم ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اور عبادت کا یہ معنی مطلقاً غلط ہے کہ اللہ کے نام کا جاپ جپتے رہو۔ یا دن رات نفل پڑھتے رہو۔ اُعْبُدُوا اللّٰہَ بصیغہ امر کا بدل اگلے الفاظ میں بصیغہ امر لایا گیا ہے فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ ' اللہ کی فرمانبرداری کرو، یعنی ناپ تول کو پُورا کرو۔ اِسی چیز کی وضاحت اگلے الفاظ میں بصیغہ نہی موجود ہے وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم ناپ تول کر نہ دیا کرو۔ اور ان جملہ اعمال کو فساد فی الارض قرار دیا گیا ہے وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ

اِصْلَاحِهَا۔ پس آیتِ مجیدہ کے ان موجود محفوظ الفاظ سے صراحتاً ثابت ہوا کہ ناپ تول کو پورا کرنا اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرنا اُعْبُدُوا اللّٰهَ میں داخل ہے۔ فلھذا ثابت ہوا کہ پورا ناپنا اور پورا تولنا عین عبادتِ خداوندی ہے اور اسی طرح ہر وہ کام عبادتِ خداوندی میں شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا جائے، یعنی جو کام بھی اُسکی عبودیت کی حدود میں محدود رہتے ہوئے انجام دیا جائے وہ عین اللہ کی عبادت میں داخل ہے۔

● ۲؎ یہاں زمین کی اصلاح سے مراد یہ ہے کہ جب مسلمہ طور پر ناپ تول وغیرہ کی مقدار میں متعین ہو چکی ہوں تو اُن میں کمی بیشی کرنا خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور صریحاً فساد فی الارض ہے۔

● ۳؎ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قومِ شعیبؑ جو لوگ خریداروں سے دام تو پورے وصول کرتے تھے مگر انہیں چیزیں کم دیتے تھے وہ اپنے آپکو مومن ہی قرار دیتے تھے اور مومن ہی سمجھتے تھے۔ لیکن اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ میں ان شرطیہ آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنا شرطِ ایمان کے صد فیصد خلاف ہے۔ پس ایمان کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ تجارتی کاروبار میں نہ ملاوٹ ہو نہ کم ناپ تول یعنی ناجائز نفع اندوزی سے پوری طرح پرہیز کی جائے۔ ورنہ دائرہ ایمان سے از خود خارج ہو جاتا ہے۔

قومِ شعیبؑ مومنوں کو دھمکیاں دیتی تھی

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو بالفاظ واضح منع فرمایا کہ ضابطۂ خداوندی پر ایمان لانیوالوں کو دھمکیاں نہ دو بلکہ فسادیوں کے انجام پر غور کرو۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ
اور نہ بیٹھو ہر ہر راستے۔ دھمکاتے ہو تم اور روکتے ہو

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا
سے راستے اللہ کے جو ایمان لایا ساتھ اسکے اور تم تلاش کرتے ہو اُسکی کجی

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا
اور یاد کرو جب تھے تم تھوڑے پھر کثرت دی تمکو اور غور کرو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○ ۸۶
کس طرح ہوا انجام فسادیوں کا

(حضرت شعیبؑ نے فرمایا اے میری قوم!) اور تم راستوں میں اسلئے مت بیٹھا کرو کہ تم انہیں دھمکاؤ، جو (ضابطۂ خداوندی۱ پر) ایمان لے آئے ہیں اور تم انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے (یعنی اُس کے نازل کردہ ضابطۂ حیات سے) روکتے ہو۔ اور اس (ضابطۂ خداوندی) میں بھی تلاش کرتے ہو۔ اور تم اپنے اُسوقت کو یاد کرو کہ جب تم تعداد میں تھوڑے تھے۔ پھر اُس نے تمہیں (اپنے قانون کیمطابق) زیادہ کر دیا۔ اور غور کرو کہ فسادیوں کا کیا انجام ہوتا چلا آیا ہے۔

● ۱؎ یہاں سَبِيْلِ اللّٰهِ کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ضابطۂ حیات، جسے نوعِ انسانی کے لئے زندگی گزارنے کا راستہ کہا گیا ہے۔ اور اسی سبیل یعنی ضابطۂ حیات کے متعلق ارشاد ہوا ہے تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا کہ تم اُس میں کجیاں تلاش کرتے ہو۔ آج بھی جب قرآنی ضابطۂ حیات جو مساواتِ انسانیہ کا علمبردار ہے، پیش کیا جاتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ اگر اُمت کے تم

فرد کو ضروریاتِ زندگی میسر آنا شروع ہو جائیں تو محنت مشقت والے کام کون کرے گا، حالانکہ جن ممالک میں قرآنِ کریم سے چُرا کر متوازن آئین نافذ ہو چکا ہے، وہاں کوئی رکاوٹ موجود نہیں۔ تمام کام بوجوہ احسن انجام پذیر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں حضرتِ شعیبؑ کے الفاظ میں خبر دیگئی ہے کہ کچھ لوگ ضابطۂ الٰہی پر ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے انکار کر دیا۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ
اور بیشک ہے ایک گروہ میں تمہارے ایمان لایا ساتھ اسکے جو

اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا
بھیجا گیا ہوں ساتھ اسکے اور ایک گروہ نہ ایمان لایا پس انتظار کرو

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾
یہانتک فیصلہ کرے اللہ درمیان ہمارے اور وہ ہے بہتر فیصلے کرنیوالوں کا

(حضرت شعیب نے قوم سے فرمایا) اور بیشک تم میں سے ایک گروہ اُس (ضابطۂ خداوندی) کے ساتھ ایمان لایا ہے جو میں دیکر بھیجا گیا ہوں۔ اور ایک گروہ ہرگز ایمان نہیں لایا پس تم اُسوقت تک (اپنی بداعمالیوں کے نتیجے کا) انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ فیصلہ کرنیوالوں میں بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔

● ۱؎ یہاں اِنْ نہ نافیہ نہ شرطیہ۔ بلکہ اِنَّ کا مخفف ہے بمعنٰی بیشک۔ واضح رہے کہ:-
یہاں قرآن مجید نے اہلِ قواعد کی یہ غلطی نکالی ہے کہ وہ اِنْ کو اِنَّ کا مخفف صرف اسوقت تسلیم کرتے ہیں جب اس پر لام مفتوح داخل ہو، مگر یہاں بتایا گیا ہے کہ اِنْ بلا دخولِ لام بھی عربی ادب میں اِنَّ کا مخفف بمعنٰی بیشک بھی مستعمل ہے۔
● ۲؎ یہاں اِصْبِرُوْا کا معنٰی ہے اپنے اپنے مقام پر مستقل مزاجی کیساتھ عمل کرتے رہو اور نتیجے کا انتظار کرو۔
● ۳؎ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ کے الفاظ میں وضاحت کر دیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کیمطابق فیصلہ کرتا ہے:-
● ۴؎ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ کے جملۂ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اُسکے فیصلے عام قاضیوں اور ججوں جیسے نہیں ہوتے جو کبھی غلط بھی ہو جاتے ہیں کیونکہ انکے فیصلے گواہوں کی صحیح یا غلط گواہیوں کیمطابق صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ چونکہ ہر واقعہ کا خود عینی گواہ ہے اسلئے اُسکے فیصلے ہرگز ہرگز غلط نہیں ہوتے۔ آیتِ بالا میں مذکور حضرت شعیب کے قول کے جواب میں قوم نے کہا:-

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
کہا سرداروں جنہوں نے تکبر کیا سے قوم اسکی

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ
ضرور ہم نکال دینگے تجھے اے شعیب اور جو لوگ ایمان لائے ساتھ تیرے

قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ
بستی اپنی یا ضرور تم لوٹ آؤ گے بیچ گروہ ہمارے۔ کہا کیا اور اگرچہ

(حضرت شعیبؑ کے جواب میں) اُنکی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے تکبر کیا، کہ اے شعیب ہم آپکو اور اُن لوگوں کو جو آپ پر ایمان لے آئے ہیں اپنی بستی سے نکال دینگے اور یا تم ضرور ہماری جماعت میں واپس لوٹ آؤ گے (حضرت شعیبؑ نے فرمایا کیا ہم واپس آ سکتے ہیں؟) اگرچہ ہم (تمہاری جماعت کے اعتقادات و اعمال سے) نفرت کرتے ہوں۔ (جن افراد نے

كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾
ہوں ہم کراہت کرنیوالے

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ
بیشک بہتان باندھا اوپر اللہ کے جھوٹ اگر لوٹ جائیں ہم بیچ

مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ
جماعت تمہاری پیچھے اسکے جب نجات دی ہمیں اللہ نے سے اس کے

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ
اور نہیں لائق واسطے ہمارے کہ ہم لوٹ جائیں بیچ اسکے مگر یہ کہ

يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ
چاہے اللہ رب ہمارا محیط ہے رب ہمارا ہر چیز پر علم کی رو سے

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ
اوپر اللہ کے بھروسہ کیا ہم نے رب ہمارے فیصلے کر درمیان ہمارے اور درمیان

قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾
قوم ہماری کے ساتھ حق کے اور تو ہے بہتر فیصلے کرنیوالوں کا

تمہارے مذہب سے بیزار ہو کر اُسے ترک کر دیا ہے وہ واپس نہیں آسکتے)۔

(حضرت شعیبؑ نے فرمایا) اگر ہم تمہاری ملت (مذہب) میں لوٹ جائیں تو (اسکا مطلب یہ ہے کہ) بیشک ہم نے اللہ تعالیٰ پر (نزولِ وحی کا) بہتان باندھا پیچھے اِسکے کہ اُس نے ہمیں اس (تمہارے غلط مذاہب) سے نجات دیدی ہے۔ اور ہمارے لئے یہ لائق نہیں ہے کہ ہم اس (تمہارے مذہب) میں لوٹ جائیں۔ بیشک[۱] یہ کہ ہمارا رب تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ ہم (تمہارے مذہب میں) نہ لوٹیں[۲]۔ ہمارا پروردگار علم کی رُو سے ہر چیز پر محیط ہے۔ ہم نے اللہ (کے قانون) پر بھروسہ کیا ہے۔ اُے ہمارے پروردگار! تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کردے۔ بلاشبہ تو فیصلے کرنیوالوں میں بہتر (صحیح صحیح) فیصلے کرنیوالا ہے۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کا صحیح مفہوم

• ۱ـــه اِلَّاَ جو اہلِ قواعد کے ہاں حرف استثنائیہ مانا گیا ہے قرآن مجید میں ذیل کے متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱- اِلَّاَ استثنےٰ کیلئے ہے۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۴۷/۱۹ پس جان لے وہ کہ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔

۲- اِلَّاَ استغراق کیلئے ہے۔ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ ۳۸/۱۴ نہیں تھیں سب مذکورہ قومیں کہ سب نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔

۳- اِلَّاَ اِنْ لَا کے معنوں میں ہے۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ۹/۴۰ اگر تم اُسکی مدد نہ کرو تو اللہ اُسکی مدد (کا فیصلہ) کرچکا ہے۔

۴- اِلَّاَ عاطفہ بمعنی اور ہے۔ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ ۲۷/۱۰-۱۱ بیشک میں وہ ہوں کہ میری طرف سے بھیجے ہوئے رسول ڈرا نہیں کرتے اور نہ میرا وہ بندہ ڈرتا ہے جو کبھی کوئی زیادتی کر بیٹھے اور قرآنی اعمالِ صالحہ کیساتھ برائی کو نیکی میں بدل لیا ہو۔ (اُسے بھی کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا)۔

۵- اِلَّاَ تاکید یہ بمعنی یقیناً، برائے تصدیقِ ماقبل ہے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۸۷/۶-۷ اَے رسول[۳] بیشک ہم آپکو پڑھاتے ہیں، پھر آپ بھولتے نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی چاہا ہے کہ آپ بالکل نہ بھولیں۔

۲ـــه اہلِ قواعد کے ہاں سَ حرف مستقبل قریب کیلئے مانا گیا ہے لیکن یہاں بتلایا گیا ہے کہ سَ تاکید کیلئے بھی آتا ہے

کیونکہ جب آنحضورؐ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے پڑھایا جا رہا تھا' اسوقت ارشاد ہوا تھا سَنُقْرِئُكَ - اب ظاہر ہے کہ اسکا یہ معنی ہرگز صحیح نہیں کہ ہم آپکو عنقریب پڑھائینگے - بلکہ صحیح معنی یہ ہے کہ بیشک ہم آپکو پڑھاتے ہیں پھر آپ بھولتے نہیں - اور اسکے بعد جو اِلَّا آیا ہے وہ تاکید یہ معنی یقیناً برائے تائید ماقبل کیلئے آیا ہے - اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ - بیشک اللہ نے یہی چاہا ہے کہ جو کچھ آپکو پڑھایا جائے آپ اُسے ہرگز ہرگز نہ بھولیں' بس مشیتِ الٰہی یہی ہے - اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہ میں آمدہ اِلَّا کو قواعد میں استثنٰی بالمشیت کہتے ہیں - جو ماقبل کی تصدیق اور استمرار کیلئے آتا ہے - یعنی جہاں اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ آئے تو اسکا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے' اللہ نے یہی چاہا ہے' یہی مشیتِ الٰہی ہے' اِسکے خلاف کبھی نہیں ہوگا۔

● اسی طرح سلسلۂ درس کی آیت زیر بحث ۸۹ میں مَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَا کے بعد آیا ہے اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ یہاں بھی اِلَّا تاکید یہ معنی یقیناً برائے تصدیق ماقبل کیلئے آیا ہے' تردید کیلئے نہیں آیا - اور اسکا معنی یہ ہے :- اور ہمارے لئے یہ لائق نہیں کہ ہم اِس (تمہارے مذہب) میں واپس لوٹ جائیں - بیشک یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا بھی یہ ہے کہ ہم تمہارے باطل مذہب میں لوٹ کر نہ جائیں ——— یہ مفہوم حضرت شعیبؑ کی شانِ نبوت اور آپکے صحابہؓ کی شانِ عصمت کے عین مطابق ہے کیونکہ یہ امر ہرگز باور نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا ہو کہ حضرت شعیبؑ کے صحابیؓ اپنی قوم کے اُس باطل مذہب میں واپس لوٹ جائیں جس میں شبانہ روز ناپ تول کی کمی کیساتھ اللہ کی زمین میں فساد کیا جا رہا تھا - اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ایسا کرنیوالوں کو اُنکے علماء کی طرف سے مومن ہونے کی سند حاصل تھی - سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سردارانِ قوم شعیب کے متعلق یہ بھی مذکور ہے :-

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
اور کہا سرداروں نے جنہوں نے انکار کیا میں سے قوم اسکی

لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝
البتہ اگر تمنے اتباع کی شعیب کی بیشک تم ہو اسوقت ضرور گھاٹا پانیوالے

اور اُس (حضرت شعیبؑ) کی قوم نے (آپس میں ایکدوسرے کو) کہا کہ بیشک اگر تم شعیبؑ (کی نبوت) پر ایمان لائے تو بلاشبہ تم اُسوقت ضرور نقصان اٹھانیوالوں سے ہو جاؤ گے (ہم تمہیں ہر طرح سے نقصان پہنچائیں گے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں انتہائی اختصار کیساتھ قوم شعیب کا یہ انجام بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ حضرت شعیب پر ایمان لانے والوں کو نقصان تو نہ پہنچا سکے - بلکہ خود ہی اپنے بدعملوں کی بدولت عذابِ الٰہی کے شکار ہو کر اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہگئے :-

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ
پھر پکڑ لیا ان کو زلزلے نے پھر ہو گئے وہ بیچ گھروں اپنے

جٰثِمِیْنَ ۝ ۹۱
گھٹنوں پر اوندھے پڑے

پھر اُنہیں زلزلے (کے عذاب) نے پکڑ لیا - پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہگئے (پوری قوم کو زلزلہ کے عذاب کیساتھ ختم کر دیا گیا)۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ
جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کہ نہیں رہے وہ اس میں

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝۹۲
جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو تھے وہی گھاٹا پانیوالے

وہ لوگ جنہوں نے حضرت شعیبؑ (کی نبوت اور اُن کے ذریعہ نازل کردہ ضابطہ الٰہی کا) انکار کیا۔ گویا کہ وہ اس بستی میں کبھی تھے ہی نہیں، جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا۔ وہی تھے گھاٹا پانیوالے۔

حضرت شعیبؑ کی ہجرت

• اللہ تعالیٰ کی والئی سُنّتِ مبارکہ یہ ہے کہ جب کسی نافرمان قوم پر اُسکا عذاب آنیوالا ہوتا تو اپنے نبی رسول معہ اُسکے صحابہؓ کے اُس بستی سے ہجرت کروالیتا تھا۔ چنانچہ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت شعیب قوم کو یہ کہتے ہُوئے اُن سے منہ موڑ گئے (ہجرت فرماگئے) کہ اے قوم میں نے تمہیں اللہ کے پیغامات پہنچادئیے اور تمہیں نصیحت کردی ہے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
پس منہ موڑا اُس نے اُن سے اور کہا اے میری قوم تحقیق پہنچائے میں نے تمہیں

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ
پیغامات رب اپنے کے اور نصیحت کی میں نے واسطے تمہارے پھر کس طرح

اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝۹۳ ع ۱۱
افسوس کروں اُوپر قوم انکار کرنیوالوں کے

پھر اُس (حضرت شعیبؑ) نے اُن سے مُنہ موڑ لیا اور کہا (یعنی یہ کہتے ہُوئے ہجرت فرماگئے) کہ اے میری قوم میں نے (اپنا فرض ادا کرتے ہُوئے) تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچادیئے۔ اور تمہیں نصیحت کی۔ پھر (اُسکے بعد میں انکار کرنیوالوں (پر آمدِ عذاب کے بدلے) کس طرح افسوس کروں؟

سورہ ھُود

• سورہ اعراف کی آیاتِ بالا میں حضرت شعیبؑ اور اُنکی قوم کا تذکرہ اختصاراً اور اجمالاً بیان ہُوا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل تصریفِ آیات کے ذریعہ سُورہ ھُود، حجر، شعراء، عنکبوت میں موجود ہے پہلے سورہ ھود پیش خدمت ہے:-

• وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ ۱۱/۸۴ تا ۸۶ ۔

(مفہوم) اور ہمنے اہلِ مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اس کے سوا اور کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ اور تم ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ بیشک میں تمہیں (ناپ تول میں کمی کے ذریعہ ناجائز مال کیساتھ) مالدار دیکھتا ہوں۔ اسلئے میں تمہارے لئے گھیر لینے والے دِن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اور اے میری قوم پھر سُن لو کہ) ناپ اور تول کو انصاف کیساتھ پورا کرو (یعنی نہ لیتے وقت زیادہ لو اور نہ دیتے وقت کم دو)

خصوصاً لوگوں کو انکی چیزیں کم نہ دو۔ اور (ناپ تول کی کمی کیساتھ) زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ تمہارے لئے وہ مال بہتر ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق نفع کے طور پر) باقی بچے۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو (ناپ تول پورا کرو) میں تم پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا —— لیکن قوم کم ناپنے اور کم تولنے والے بیوپاریوں نے جواب دیا:-

● قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ ۸۷/۱۱ انہوں نے کہا اے شعیبؑ! کیا تیری صلوٰۃ تجھے (ہمارے متعلق) یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اُن کی اطاعت چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں۔ یا (ہم ناپ تول میں کمی کرنا ترک کر دیں) جو ہم اپنے مال کمانے کیلئے اپنی منشا کیمطابق کرتے ہیں۔ بیشک تو خود بُردبار اور خود سمجھ دار ہے (تو جانتا ہے کہ تجارت میں ایسا کرنا ہی پڑتا ہے)۔

● ۱ے صلوٰتُكَ بمعنی تیری صلوٰۃ کے مرکب اضافی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قوم شعیبؑ کی بھی ایک صلوٰۃ تھی۔ مگر حضرت شعیب کی صلوٰۃ انکی صلوٰۃ سے مختلف تھی۔ قوم نے کہا کہ تیری صلوٰۃ یہ حکم دیتی ہے کہ ہم باپ دادا کے معبودوں کو بھی چھوڑ دیں اور تجارت میں جو ناپ تول میں کمی کر کے زیادہ مال کماتے ہیں اُسے بھی ترک کر دیں؟۔

صلوٰۃِ موقّت کی حقیقت کو بدل دینا سابقہ اُمتوں کی پرانی روش ہے

● صلوٰۃِ موقّت (نماز) جس کا حکم جملہ انبیاء کرامؑ لیکر آتے رہے اور جسے خود رسول اکرمؐ بھی لیکر آئے تھے، اُسکی رُو سے لازم آتا ہے کہ صلوٰۃ گزار مومن کی صلوٰۃ اسکی زندگی کے ہر گوشے میں دخیل ہو یعنی صلوٰۃِ موقّت جسے عرفِ عام میں نماز کہا جاتا ہے کے ذریعہ حضورِ الٰہی میں کئے گئے وعدہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے مطابق مُصلّی (نمازی) اس امر کا پابند ہو جاتا ہے کہ جھوٹ فریب دھوکا دہی، چوری چکاری اور ناپ تول میں کمی وغیرہ، اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے دُور رہے۔ صلوٰۃ موقّت میں کئے گئے وعدے پر قائم رہنا **اقامتِ صلوٰۃ** ہے۔ جسکی تاکید اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کے الفاظ میں باری تعالیٰ کی طرف سے بار بار کیگئی ہے۔

صلوٰۃ پوجا پاٹ نہیں ہے

● لیکن سابقہ اُمتوں ہی میں، حقیقتِ صلوٰۃ کو پوجا پاٹ کے تصور کیساتھ بدل دینے کی پُرانی روش چلی آئی ہے۔ وُہی صلوٰۃ، جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر بےحیائی اور ہر بُرے کام سے بچنے کا ذریعہ قرار دیگئی ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۴۵/۲۹، اُس کو ہر بُرے کام کی سزا سے بچانیوالی قرار دے لیا جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ موجودہ امت میں یہ عقیدہ راسخ ہو چکا ہے کہ بھائی! نماز گناہ بخشوانے کا ذریعہ ہے، اسی طرح قوم شعیب کا عقیدہ بھی صلوٰۃ کے متعلق یہ تھا کہ ہم جو ناپ تول میں کمی کر کے مال کماتے ہیں نماز کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمارے تمام گناہ معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن جب حضرت شعیب نے قوم کے سامنے صلوٰۃ (نماز) کا حقیقی تصور پیش کیا، جس کی رُو سے ناپ تول پورا کرنا جزوِ صلوٰۃ ہے تو اس پر قوم نے انتہائی تعجب کیساتھ پوچھا، اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم پوجا پاٹ کا وہ طریقہ ترک کر دیں جو باپ دادا سے چلا آرہا ہے، اور مال کمانے میں وہ ہیر پھیر چھوڑ دیں جو ہم اپنی منشا کے مطابق کرتے چلے آرہے ہیں۔

بے روح نماز

• جس نماز کو صرف پوجا پاٹ بنالیا جائے کہ اُدھر نمازیں بھی پڑھی جارہی ہوں اور اُدھر بلیک مارکیٹ اور ملاوٹ وغیرہ بھی چل رہی ہو، وہ ایک بے روح نماز ہے۔ لیکن برادران عزیز! یہ تصور بھی مطلقاً غلط ہے کہ اس میں روح پیدا کرنے کی بجائے، خود اسے ترک کرکے بیٹھ جائیں۔ یہ تلقین و تبلیغ بھی امتِ مسلمہ کیخلاف ایک انتہائی خطرناک سازش ہے کہ چھوڑو جی اس بے روح نماز میں کیا پڑا ہے۔ جب خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہوگی تو وہ صلوٰۃ قائم کریگی بالفاظِ دیگر جبتک ایسی حکومت قائم نہ ہو، اسوقت تک کھلے بندوں رشوت ملاوٹ خوب چلاتے چلے جاؤ۔ نہ ایسی حکومت قائم ہو اور نہ ہم رشوت ملاوٹ اور کم ناپ تول کو ترک کرکے بے روح نماز میں روح ڈالیں۔ نہ نو من تیل ہو اور نہ رادھا ناچے۔ اس کے برعکس حکم یہ ہے کہ صلوٰۃِ موقت نماز کو پڑھو بھی اور اسے قائم بھی کرو۔ یعنی جھوٹ، فریب، کم ناپ تول اور ہر قسم کے بُرے کاموں سے صد فیصد پرہیز بھی کرو۔ حضرت شعیب نے کب حکومت قائم کرنے کے بعد صلوٰۃِ موقت قائم فرمائی تھی اور کیا خود آنحضور مدنی سرکار قیام حکومت سے پہلے صلوٰۃِ موقت (نماز) ادا نہیں کیا کرتے تھے؟

رجوع الی المقصود

• سورہ ھود کی آیتِ بالا کے مطابق جب صلوٰۃ کی اُس وضاحت پر جو حضرت شعیب نے فرمائی تھی، قوم شعیب نے تعجب کیا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ دیکھو! میں تجارتی ہیر پھیر نہیں کرتا اور مجھے تم سے بہتر یعنی پاکیزہ روزی مل رہی ہے۔ جب میں تجارتی ہیر پھیر سے پرہیز کرسکتا ہوں تو تم کیوں نہیں کرسکتے؟

• يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ؀ 11/88

(مفہوم) اے میری قوم بیشک[1] میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور وہ مجھے (ناپ تول میں کمی کئے بغیر) عمدہ (پاکیزہ) روزی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں یہ ارادہ نہیں رکھتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کرتا ہوں، خود اسکے ضمن میں تمہاری مخالفت کروں۔ میں تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ ہی سے اسکی توفیق حاصل ہے میں نے اللہ تعالیٰ کے قانون پر بھروسہ کیا ہے اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

• [1] یہاں اِنْ كُنْتُ میں بھی اِنْ بلا ورودِ لام مفتوح اِنَّ کا مخفف ہے بمعنی بیشک۔

• حضرت شعیب نے مزید فرمایا۔ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ؀ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ؀ 11/89-90

اور اے میری قوم تمہیں میری مخالفت اس چیز کا مجرم نہ بنادے کہ تم پر وہی عذاب آجائے جو قوم نوح یا قوم ھود یا قوم صالح پر آیا تھا۔ اور قوم لوط تو تم سے دور نہیں گزری ہے۔ اور تم (ناپ تول پورا کرکے) اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب رجوع کرنیوالوں کیلئے بڑا مہربان اور محبت کرنیوالا ہے۔

• لیکن قوم نے جواب دیا۔ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ ۹۱/۱۱ قوم نے کہا اے شعیب! آپ کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں جو آپ کہتے ہیں - اور بلاشبہ ہم آپ کو اپنے اندر ایک کمزور (تاجر) پاتے ہیں - اور اگر آپ کی برادری نہ ہوتی تو ہم آپ کو پتھر مار مار کر مار ڈالتے - اور آپ ہمارے مقابلے پر غالب آنیوالے نہیں ہیں ——— اسکے جواب میں حضرت نے فرمایا:-

● قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ ۹۳-۹۲/۱۱ -

(ترجمہ) حضرت شعیب نے فرمایا کہ اے میری قوم! کیا تمہیں اللہ کی نسبت میری برادری کا زیادہ ڈر ہے اور اسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے (اس طرح تم عذاب سے نہیں بچ سکتے) بیشک میرا پروردگار تمہارے اعمال کا احاطہ کرنیوالا ہے - اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو اور میں اپنی جگہ پر عمل کرنیوالا ہوں - تم عنقریب جان لو گے کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے یعنی کون جھوٹا ہے (بس اب) تم نتیجہ کا انتظار کرو - اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالا ہوں -

● سورہ ھود کی اس سے اگلی آیت میں نتیجہ کی خبر دیگئی ہے:-

● وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝ ۹۵-۹۴/۱۱ اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے اپنی رحمت کیسا تھ شعیب کو اُن لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے (ہجرت کروا کر ۹۳/۷) عذاب سے بچالیا اور جن لوگوں نے (عوام پر مدتوں ظلم کیا تھا، انہیں زلزلہ کی ایک گڑ گڑاہٹ نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے - گویا کہ وہ وہاں کبھی رہے ہی نہیں تھے (اے مخاطب) خبردار! اہلِ مدین کے لئے اُسی طرح اللہ تعالیٰ سے دوری ہے جیسے قوم ثمود اللہ سے دور ہو گئی تھی -

سورہ حجر ● سورہ حجر میں قوم شعیب کا تذکرہ انتہائی اختصار کیسا تھ آیا ہے - سورہ حجر میں اور سورہ شعرآء میں قوم شعیب کو اصحٰب الایکہ کہا گیا ہے یعنی بن والے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدین کی بستی ایک بن میں آباد تھی - چنانچہ ارشاد ہوا ہے:- وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۷۹-۷۸/۱۵ اور بیشک بن والے بھی ضرور (عوام پر) ظلم کرنے والے تھے - پھر ہم نے اُن سے بدلہ لیا (قوم لوط و شعیب) کی دونوں بستیاں یقیناً ایک کھلی شاہراہ پر تھیں -

سورہ شعرآء ● سورہ شعرآء میں قوم شعیب کا ذکر سورہ ھود کی طرح تفصیلاً بیان ہوا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ اس قوم نے بھی قوم نوح، ہود اور صالح کی طرح حضرت شعیب کی نبوت کا یہ کہکر انکار کر دیا کہ چونکہ تو ہمارے جیسا بشر ہے اسلئے تو اللہ کا رسول نہیں ہوسکتا - كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــــَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ

لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۗ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۚ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۚ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۚ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۗ ۲۶/۱۷۶ تا ۱۸۴

(مفہوم) بن والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا - وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب انہیں شعیب نے کہا کہ تم اللہ کی مخالفت سے کیوں نہیں بچتے - بیشک میں تمہارے لئے امانتدار رسول ہوں - پس اللہ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو - میں تم سے اجرِ رسالت نہیں مانگتا میرا اجر صرف رب العلمین کے ذمہ ہے - تم پیمانے پورے کرو اور لوگوں کو نقصان دینے والے نہ بنو - ترازو کی سیدھی ڈنڈی کیساتھ تولا کرو - اور ناپ تول میں کمی کرکے زمین میں فساد نہ کرتے پھرو - اور پھر سن لو) اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور ابتدائی مخلوق کو بھی اسی نے پیدا کیا تھا -

● حضرت شعیبؑ کے اس لمبے وعظ کا کوئی اثر نہ ہوا - قوم نے اسکا یہ جواب دیا :- قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۙ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۚ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۗ ۲۶/۱۸۵ تا ۱۸۷

قوم شعیب نے کہا کہ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ تو فریب خوردہ ہے (کہ تو اللہ کا رسول ہے) سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ تو ہمارے جیسا بشر ہے (بشر رسول نہیں ہو سکتا) بلاشبہ ہم گمان کرتے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے - پس اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے -

● لہ یہاں اِنْ پر لام مفتوح داخل ہوا ہے، اسلئے یہاں بھی اِنْ، اِنَّ کا مخفف ہے بمعنی بلاشبہ ——— سورۂ شعراء کی اگلی آیت میں حضرت شعیبؑ کا جواب اور آمدِ عذاب کی خبر دیگئی ہے قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۚ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۗ ۲۶/۱۸۸-۱۸۹ حضرت شعیب نے فرمایا تم جو عمل کرتے ہو میرا پروردگار انہیں اچھی طرح جانتا ہے - انہوں نے حضرت کو جھٹلایا - پھر انہیں چھا جانے والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا - بلاشبہ وہ بڑے دن کا عذاب تھا -

سورۂ عنکبوت

● سورۂ عنکبوت میں حضرت شعیبؑ اور آپکی قوم کا تذکرہ انتہائی اختصار کیساتھ ذیل کے الفاظ میں ضمناً لایا گیا ہے :- وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۚ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۲۹/۳۶-۳۷ اور اہلِ مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا - پھر انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی فرمانبرداری کرو اور قیامت کے دن کی امید رکھو اور زمین میں (کم ناپ تول کیساتھ) فساد نہ پھیلاتے پھرو - مگر انہوں نے حضرت شعیب کو جھٹلا دیا - اسلئے انہیں زلزلے نے پکڑ لیا - پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے -

● قوم شعیب کی سزا کے طور پر اَلصَّيْحَةُ ۱۱/۹۴ اور اَلرَّجْفَةُ ۲۹/۳۷ کے الفاظ آئے ہیں - اَلصَّيْحَةُ کا معنی ہے گرج

گڑاہٹ - اور اَلرَّجْفَۃُ کا معنٰی ہے زور سے ہلنا' زلزلہ - دونوں کے اتصال سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم پر ایسا زلزلہ لایا گیا تھا جس کے توڑ پھوڑ کے نتیجے میں زوردار گڑگڑاہٹ بھی پیدا ہوئی تھی - اس نافرمان قوم کو تو اس عذاب کیساتھ ختم کر دیا گیا اور حضرت شعیب کو نزولِ عذاب سے قبل ہجرت کروا دی گئی - اور آپ ان سے یہ کہتے ہوئے منہ موڑ گئے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے' اللہ کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں -

● سلسلۂ درس کی اگلی سولہ آیات مجیدہ میں سابقہ اقوام کے حالات پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے - ملاحظہ فرمائیں ارشادات باری :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ

اور نہیں بھیجا ہم نے بیچ کسی بستی کے نبیوں میں سے کوئی نبی مگر پایا ہم نے

اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ○ ۹۴

اہل اسکے کو بیچ سختی اور ضرر کے تاکہ وہ عاجزی کریں

اور ہم نے کسی بھی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر (اُس وقت کہ جب) ہم نے اسکے رہنے والوں کو (انکی سرکشی کی بدولت ناہموار معاشرہ کی) سختی اور تکلیف میں پایا - (اور نبی اسلئے بھیجا جاتا کہ وہ عاجزی اختیار کریں -

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ حَتّٰی

پھر بدل دیا ہم نے جگہ بدحالی کے خوشحالی یہانتک کہ

عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ

وہ بھول جاتے اور کہتے بیشک مس کیا باپوں ہمارے کو سختی نے اور آسانی نے

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَۃً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ ۹۵

پھر پکڑا ہم نے انکو اچانک اور وہ نہ رکھتے شعور

پھر ہم (اپنے نبی کے ذریعہ بھیجے ہوئے متوازن ضابطے کیساتھ) انکی بدحالی کو خوشحالی کیساتھ بدل دیتے تھے حتٰی کہ وہ ایک عرصہ کے بعد) پھر بھول جاتے (بدکردار ہو جاتے) اور کہتے کہ ہمارے باپ دادا پر کبھی تنگی اور کبھی آسانی آیا کرتی تھی پھر ہم انہیں (انکے بُرے عملوں کی بدولت) اچانک پکڑ لیتے - مگر انہیں شعور تک نہ ہوتا (کہ ہم پکڑے جانیوالے ہیں) - نیز فرمایا :-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

اور بیشک اگر والے بستیوں کے ایمان لاتے اور بچتے

لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

ضرور کھول دیتے ہم اوپر انکے برکتیں سے آسمانوں کے اور زمین کے

وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ○ ۹۶

اور لیکن جھٹلایا انہوں نے پھر پکڑا ہم نے انکو بدلے اسکے تھے وہ کسب کرتے

اور اگر بستیوں والے (ہمارے متوازن ضابطۂ حیات پر) ایمان لاتے اور (اسکی مخالفت سے عملاً) بچتے تو ہم اُن پر (عذاب کی بجائے) آسمانوں اور زمین کی برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے - لیکن وہ ہمارے ضابطے کو جھٹلاتے رہے - پھر ہم انہیں انکی بداعمالیوں کی بدولت پکڑتے رہے -

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ

کیا پھر نڈر ہو گئے والے بستیوں کے کہ آوے پاس انکے

کیا پھر (بدعمل) بستیوں والے نڈر ہو گئے ہیں (یعنی انہیں بے خوف نہیں ہونا چاہیئے) کہ اُن پر ہمارا عذاب رات کے

بَأْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ ۹۷ عذاب ہمارا رات کو اور وہ ہوں سوئے ہوئے	وقت آجائے جب وہ سوئے ہوئے ہوں۔
اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا اور کیا نڈر ہوئے والے بستیوں کے کہ آوے پاس انکے عذاب ہمارا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ ۹۸ دن چڑھے اور وہ ہوں کھیلتے	کیا اور بستیوں والے نڈر ہو گئے ہیں (بد اعمالیوں سے باز نہیں آتے) کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے جب وہ لہو و لعب (کھیل تماشوں میں) مشغول ہوں۔
اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ کیا پھر وہ نڈر ہوئے تجویز اللہ سے پس نہیں نڈر ہوتی تجویز اللہ سے اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ۹۹ ۱۲ ع ۲ مگر قوم گھاٹا پانیوالی	کیا پھر وہ (بستیوں والے بدعمل لوگ) اللہ تعالیٰ کی تدبیر (اعمال کی سزا) سے بے خوف ہو گئے ہیں (جو انکے اپنے اعمال کا بدلہ ہے ۹۸/۷) بس اللہ تعالیٰ کی تدبیر (اعمال کی سزا) سے وہی لوگ نڈر ہو جاتے ہیں جو نقصان اٹھانیوالے ہیں

افرادِ معاشرہ کی ذمہ داری سربراہِ مملکت پر ہے

● اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ معاشرہ کے جرائم کا اصل ذمہ دار سربراہِ مملکت ہوتا ہے جس کے قبضہ اختیار میں پورے ملک کے رزق کے سرچشمے ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے:۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ کیا اور نہیں عیاں ہوا واسطے انکے وارث ہوئے زمین کے سے بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ پیچھے وارثوں اسکے کہ اگر چاہیں ہم پہنچائیں انکو بدلے گناہوں انکے اور نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ ۱۰۰ ہم مہر پاتے ہیں اوپر دلوں انکے کے پس وہ نہیں سنتے	کیا اور (مذکورہ بالا عذابوں کی خبر سے) اُن لوگوں پر عیاں نہیں ہو گیا جو زمین کے پہلے وارثوں کے بعد زمین کے وارث ہوئے ہیں (یعنی جو اسوقت زمین کے الگ الگ حصوں پر حکومت کر رہے ہیں) اگر ہم اپنے قانونِ مشیت کیمطابق انہیں انکے گناہوں کے بدلے (جرائم کی) سزا پہنچائیں۔ (ان سے اقتدار چھین جائے) حقیقت یہ ہے کہ (انکی برائیوں کی کثرت کی بدولت) ہمنے انکے ذہنوں پر عدم تدبر (۱۶۹/۷ کی) مہریں لگی پائی ہیں۔ پس وہ سنتے ہی نہیں۔

● ۱ اس آیت مجیدہ میں یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ کے الفاظ میں روئے سخن سربراہانِ مملکت کی طرف کیا گیا ہے اور خبر پر اُن کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ سنتے ہی نہیں۔ کیسی صحیح خبر دی گئی ہے کہ یہ لوگ اس بات کو سننے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتے کہ ملک کا خزانہ عوام کے خون پسینے کی کمائی سے بھرتا ہے اسلئے اس سے اُن کی ضروریاتِ زندگی کا پورا کرنا اور انہیں ہر قسم کی سہولتیں مہیا

کرنا تمہارا اولین فرض ہے۔ مگر وہ عیش کوشیوں میں معروف رہنے والے کب سنتے ہیں۔ لیکن اِن والیانِ ریاست کو وارننگ دیدی گئی ہے کہ تمہاری فرض ناشناسی کی بدولت تم پر بھی تمہارا پیمانۂ ظلم لبریز ہو چکنے پر عذاب آسکتا ہے۔ کرۂ ارض کا مشاہدہ گواہ ہے کہ جو سربراہان سلطنت عوام کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے میں مصروفِ عمل رہتے ہیں انہیں حکومتیں الٹنے کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ لیکن جو عوام کے حقوقِ ربوبیت سے غافل ہیں آئے دن انکی حکومتوں کے تختے اُلٹتے رہتے ہیں۔ اسی عنوانِ ربوبیت سے متعلق آگے چلکر آیت نمبر ۱۰۳ سے ۱۳۷ تک فرعون کی حکومت کا تختہ الٹنے کا ذکر ہے، جس نے اپنی رعایا کے ایک حصّہ یعنی بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت قانوناً غصب کر رکھے تھے، یہ حقیقت تو آگے چل کر اپنے مقام پر بیان کیجائیگی، فی الحال سلسلۂ درس کی اگلی آیات کریمات ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے آگے ارشاد ہوا ہے :-

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ
مذکورہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں اوپر تیرے سے خبریں ان کی

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا
اور بیشک آئے پاس انکے رسول انکے ساتھ دلائل کے۔ پھر نہ ہوئے کہ ایمان لاتے

بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى
بوجہ اسکے کہ جھٹلایا سے پہلے مثل مذکورہ مُہریں لگی پاتا ہے اللہ اوپر

قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۱۰۱
ذہنوں انکار کرنیوالوں کے

(اے رسولؐ!) مذکورہ بالا بستیوں کی خبریں ہمنے آپ پر بیان کی ہیں۔ اور البتہ تحقیق انکے پاس انکے رسولؑ (اپنے اپنے وقت پر) دلائلِ قاطعہ کیساتھ آئے لیکن وہ اُن پر ایسلئے ایمان نہ لائے کیونکہ وہ (اور انکے اسلاف) اس سے پہلے ان دلائل کو جھٹلا چکے تھے اس طرح (اسلاف کی تقلید کرکے) واضح دلائل کا انکار کرنیوالوں کے اذہان پر خود (عدمِ تدبّر ۷/۱۷۹ کی) مُہریں لگی ہوئی پاتا ہے۔

● ع۱ یَطْبَعُ فعل خلاقی مجرّدوں میں خاصہ وجدان موجود ہے۔ بصورتِ دیگر خدا تعالیٰ عادل نہیں ٹھہرتا کہ لوگوں کے ذہنوں پر خود ہی نافرمانی اور انکار کی مہریں لگاتا ہے اور خود ہی سزا دیتا ہے۔ نوعِ انسانی کے خود عدمِ تدبّر کی دلیل اسی سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۹ کی تفسیر میں دیکھئے اور افعال خلاقی مجرّدوں میں خاصہ وجدان کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے دیباچہ کے صفحہ ۱۰۵ پر بھی موجود ہے، اور وجدان کے خود مادہ وجد کے الفاظ میں سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ باری ہے :-

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ
اور نہیں پایا ہمنے واسطے بہتوں ان کے سے عہد اور بیشک

وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝ ۱۰۲
پایا ہمنے بہتوں ان کے کو حدیں پھاندنیوالے

اور ہم نے اُن مذکورہ بالا اقوام) کی اکثریت کو بلاشبہ اپنے عہد (وفا کرتے) نہیں پایا۔ اور بلاشبہ ہم نے اُن کی اکثریت کو ضرور ضرور حدیں پھاندنے والے پایا۔

• ملا ۲ اس آئت مجیدہ وَجَدْنَا کے دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ ارشاد ہوا ہے کہ انہیں عہد شکن ہمنے نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خود عہد شکن تھے، ہمنے انہیں عہد شکن پایا تھا - نیز ہمنے انہیں حدوں پھاندنیوالے نہیں بنایا تھا، بلکہ وہ خود حدود شکن تھے، ہمنے انہیں حدوں پھاندنے والے پایا تھا - پس ان دلائلِ قاطعہ کے مطابق بھی اُوپر یَطْبَعُ اللّٰهُ میں خامہ وجدان موجود ہے کہ اللہ تعالٰی نے اُنکے اذہان پر مُہریں لگائیں نہیں تھیں، بلکہ ان کی اپنی لگائی ہوئی پائی تھیں -

قومِ فرعون

• سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں حضرت موسٰیؑ، فرعون اور قومِ فرعون کا تذکرہ شروع ہورہا ہے واضح رہے کہ یہ ذکر قرآن مجید کی ۲۷ سورتوں سورہ بقرہ، نسآء، مائدہ، انعام، اعراف، انفال، یونس، ھود، ابراہیم، نحل، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیآء، مومنون، فرقان، شعرآء، نمل، قصص، عنکبوت، سجدہ، احزاب، صٰٓفّٰت، مومن، زخرف، دخان، جاثیہ، ذٰریٰت، قمر، صف، جمعہ، تحریم، حاقہ، مزمل، نازعات اور فجر میں آیا ہے ان میں سے پانچ سورتوں اعراف، یونس، طٰہٰ، شعرآء اور قصص میں تفصیلاً بیان ہوا ہے اور باقی اجمالاً - سلسلۂ درس میں سابقہ اقوام نوحؑ، عاد، ثمود، لوطؑ اور شعیبؑ کے مذکورہ بالا اذکار کے بعد قومِ فرعون کا ذکر بالفاظِ ذیل شروع ہوا ہے :-

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى پھر بھیجا ہمنے سے بعد ان کے موسٰیؑ کو ساتھ نشانیوں اپنی طرف	پھر اُن (مذکورہ بالا انبیآء) کے بعد ہمنے موسٰیؑ کو اپنی واضح نشانیوں کیساتھ فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا - پس انہوں نے اُن (ہماری آئتوں) کیساتھ ظلم کیا (یعنی اُنہیں جھٹلا دیا) - پھر (اے رسولؐ!) غور کیجئیگا کہ فسادیوں کا کیا انجام ہوا -
فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ فرعون اور سرداروں اسکے پس ظلم کیا ساتھ انکے پس غور کر	
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۱۰۳ کس طرح ہوا انجام فساد کرنیوالوں کا	

ناہموار تقسیمِ رزق فساد ہے اور ناہموار تقسیم کرنیوالے فسادی ہیں

• ملا اس آئت مجیدہ میں فرعون اور اُسکے سرداروں کو فسادی کہا ہے اور فساد کی تعریف فرعون ہی کے ذکر میں سورہ قصص میں کردی ہے اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ...... اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے اپنی سلطنت کی زمین میں سرکشی اختیار کی - یعنی اپنے عوام کے الگ الگ طبقات بنادئے تھے - اُن میں سے ایک طبقے کو کمزور کردیا ...... بلاشبہ وہ فسادیوں میں سے تھا ـــــ دیکھئے اس آئت میں بتایا گیا ہے کہ عوام کے اقتصادی طبقے بنا کر کسی گروہ کو کمزور کر دینا، اسکا حقِ ربوبیت غصب کرلینا فساد ہے -

• سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں حضرت موسٰیؑ کا فرعون کیساتھ اولین خطاب درج ہے جس میں آپنے پورے عالمین کے حقوقِ ربوبیت کا اعلان فرمایا :-

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اور کہا موسیٰ نے اے فرعون بیشک میں بھیجا ہوا ہوں طرف سے رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۴﴾ ۱۰۴ رب تمام جہانوں کے	اور حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ اے فرعون! میں (تیری طرف اور تیرے سرداروں کی طرف) اُسکا بھیجا ہوا آیا ہوں جو بنی اسرائیل سمیت جن کے حقوقِ ربوبیت تُو نے غصب کر رکھے ہیں) تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

قصہ موسیٰ و فرعون کا پس منظر و پیش منظر

• ۱۰۴ سورہ زخرف میں بھی آپکا یہی خطاب درج ہے وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۴۳/۴۶ اور بیشک ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پس اس نے کہا بیشک میں تمام جہانوں کے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔ حضرت موسیٰ کو جب نبوت عطا فرمائی گئی تو اُسوقت بھی یہ الفاظ دہرائے گئے تھے اِنِّىۡۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۲۸/۳۰ بیشک میں ہی اللہ ہوں رب تمام جہانوں کا۔ واضح رہے کہ ان الفاظ کا قصۂ حضرت موسیٰ کیساتھ ایک مخصوص تعلق ہے اور اس قصّے کا مخصوص پس منظر یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے دورِ اقتدار میں اپنے گیارہ بھائیوں کو مصر میں لا آباد کیا تھا۔ اِس طرح حضرت یوسف سمیت بارہ بھائیوں کی اولاد مصر میں بڑھی پھولی، جو وہاں بنی اسرائیل کہلائی۔ وہاں ان کی کئی پشتیں گزر گئیں۔ مگر عرصہ دراز گزرنے کے بعد بنی اسرائیل کو غیر مصری، غیر ملکی قرار دے کر ان سے شہری حقوق قانوناً چھین لیئے گئے۔ اب انکا کام صرف یہ قرار پایا کہ وہ مصریوں کی خدمت کریں، اُنکی بیگاریں بجالائیں۔ ضروریاتِ زندگی انہیں صرف اِتنی دی جاتی تھیں کہ وہ اگلے دن کی بیگار کیلئے زندہ رہ سکیں۔

• سورہ قصص ۲۸/۴ میں آیا ہے کہ فرعون نے انہیں کمزور کر دیا تھا۔ اس پر ۲۸/۵ میں ارشاد ہوا ہے وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا۔ اور ہمنے ارادہ کیا کہ ہم اُن لوگوں (بنی اسرائیل) پر احسان کریں جو کمزور کر دیئے گئے تھے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارادے کی تکمیل کیلئے حضرت موسیٰ کو پیدا کیا۔ اور خود فرعون کے گھر میں پال کر جوان کیا، منصبِ نبوت سے نوازا اور اس اوّلین اعلان کیساتھ فرعون کی طرف بھیجا کہ میں تو عالمین کے رب کا بھیجا ہوا ہوں اور تُو بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت غصب کئے ہوئے ہیں۔ المختصر! اس قصّے کا پس منظر یہ ہے کہ فرعون اور اسکی قوم بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت دبائے ہوئے تھے۔ جنہیں واپس دلانے کیلئے حضرت موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا گیا۔ اور اسکا پیش منظر یہ ہے کہ فرعون، بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت دینے کیلئے تیار نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اسکے لشکروں سمیت سمندر کی اتھاہ میں غرق کر دیا اور اسکے نفیس محلات اور بھرے خزانے یعنی اسکی پوری حکومت بنی اسرائیل کے حوالے کر دی۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت موسیٰ کے اوّلین خطاب کا دوسرا اہم ترین حصّہ ذیل کے الفاظ خداوندی میں نازل ہوا ہے:-

حَقِيقٌ عَلَىٰٓ أَن لَّآ أَقُولَ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا
قائم اُوپر کہ نہ کہوں میں اوپر اللہ کے سوائے

ٱلْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ
حق کے بیشک آیا ہوں تمہارے پاس ساتھ دلیل طرف سے رب تمہارے پس بھیج

مَعِىَ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿١٠٥﴾
ساتھ میرے بنی اسرائیل کو

(حضرت موسیٰؑ نے مزید فرمایا کہ میں) اس پر قائم ہوں کہ اللہ کے ذمہ لگا کر سچ کے سوا کچھ نہ کہوں؟ - بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (اُسکی ربوبیتِ عالمین کی) ایک واضح دلیل لایا ہوں (اے فرعون اگر تو انہیں حقوقِ ربوبیت نہیں دیتا تو) بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے (تاکہ وہ پُرامن ہجرت کرکے کسی اور جگہ جاکر اپنے حقوقِ ربوبیت حاصل کریں)

نہ فرعون خود اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر تھا، نہ اسکے سردار نہ اس کی ساری قوم

● ۱ اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ فرعون اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر نہیں تھا - ورنہ وہ یہ کہتا کہ اے موسیٰ! میں تو تیرے اللہ کو مانتا ہی اور تُو کہتا ہے کہ میں اِس پر قائم ہوں کہ اللہ کے ذمہ جھوٹ نہ لگاؤں - اِسی طرح فرعون کے سردار بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے - سورہ طٰہٰ میں آیا ہے کہ سردارانِ فرعون نے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی جھوٹ لگا دیا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا ہے - وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۲۰/۶۱ افسوس ہے تم پر، اللہ کے ذمہ بہتان نہ باندھو —— اِسی طرح پوری قومِ فرعون بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی - سورہ دخان میں آیا ہے کہ قومِ فرعون کی طرف اللہ کا رسول (حضرت موسیٰ) تشریف لایا، جس نے کہا کہ اللہ کے بندوں (یعنی اسرائیل) کو میرے حوالے کردو، میں اللہ کا امانتدار رسول ہوں - اس سے اگلے الفاظ یہ ہیں وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۴۴/۱۹ اور اللہ کے خلاف سرکشی نہ کرو —— اگر وہ خدا تعالیٰ کے منکر ہوتے تو یہ کہتے کہ ہم تو تیرے اللہ ہی کو نہیں مانتے اور تُو ہمیں اُسکی مخالفت سے منع کرتا ہے -

● سورہ مومن میں کابینۂ فرعون کے مردِ مومن کے الفاظِ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ قومِ فرعون حضرت یوسف کو اللہ کا رسول مانتی تھی بلکہ انہیں اللہ کا آخری رسول مانتی تھی - وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۴۰/۳۴ بیشک تمہارے پاس اِس سے پہلے واضح دلائل کے ساتھ حضرت یوسف آئے - پھر جو متوازن ضابطۂ حیات وہ لائے تم اس میں ہمیشہ شک کرتے رہے - یہانتک کہ جب وہ فوت ہوگئے تو تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ یوسف کے بعد کوئی اور رسول نہیں بھیجیگا —— پس فرعون اور قومِ فرعون اللہ کو بھی مانتے تھے اور حضرت یوسفؑ پر ایمان رکھتے تھے اور انہیں اللہ کا آخری رسول مانتے تھے -

● المختصر! فرعون اور قومِ فرعون کو انکار تھا اللہ کی ربوبیتِ عالمین کا - وہ خود اپنے آپکو عوام کا ربِ اعلیٰ کہتا تھا ۷۹/۲۴ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى - اور یہ کہ کرانکا بلاشرکت غیرے استبدادی حاکم وکیسٹر بنا ہوا تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۲۸/۳۸ -

قصۂ موسیٰ و فرعون کو سمجھنے کا بنیادی نکتہ

● ۲ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کے الفاظ انتہائی اہم ہیں اور جبتک ان کی تہ تک نہ پہنچا جائے اُسوقت تک قرآن مجید کی سورتوں

پہلے ہوئے قصّۂ موسیٰ و فرعون کو سمجھا نہیں جاسکتا۔ اس کا پس منظر پیچھے پیش کر دیا گیا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیّت غصب کر رکھے تھے۔ اور حضرت موسیٰ چونکہ بچپن سے لیکر پوری جوانی تک فرعون کے ہاں رہے تھے، اسلئے جانتے تھے کہ سرزمینِ مصر میں بنی اسرائیل کو شاہی قانون میں غیر ملکی قرار دیکر انہیں حقوقِ ربوبیّت سے قانوناً محروم کر رکھا ہے اسلئے وہ جانتے تھے کہ فرعون انہیں حقوقِ ربوبیّت نہیں دیگا۔ اسلئے آپنے پہلا اور آخری ایک ہی مطالبہ پیش کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ یعنی انہیں پُرامن ہجرت کی اجازت دیدے تاکہ یہ لوگ کسی اور مقام پر آباد ہو جائیں، جہاں انہیں انکے پیدائشی اور انسانی حقوقِ ربوبیّت میسّر آسکیں۔ اس مطالبے میں مرکزی نکتہ ہی بنی اسرائیل کے حصولِ حقوقِ ربوبیّت کا تھا۔ جنہیں فرعون اور سردارانِ فرعون ماننے کیلئے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ متنازعہ مسئلہ صرف بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیّت کے تسلیم و انکار کا تھا جو سرزمینِ مصر میں بحیثیتِ غیر ملکی آباد تھے۔ چنانچہ فرعون نے اسی کے ضمن میں کہا کہ اگر تو انکے حقوقِ ربوبیّت کی کوئی واضح دلیل لایا ہے تو پیش کر۔

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ

کہا اگر تو آیا ہے ساتھ نشانی کے پس آ ساتھ اسکے

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ ۱۰۶

اگر ہے تو میں سے سچوں کے

(فرعون نے کہا) کہ اگر تُو کوئی دلیل (ربوبیّتِ عامہ) لایا ہے تو اگر تُو سچوں میں سے ہے تو اُسے پیش کر۔ (کیا غیر ملکی اقوام کے حقوق مُلکی اقوام کے برابر ہوتے ہیں؟)۔

● اس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے دو دلیلیں پیش کیں۔ ایک عصا اور دوسری ید بیضا۔ ان الفاظ کی پہلے عام لغت اور پھر قرآنی لغت ملاحظہ فرمائیں۔ اِسکے بعد اگلی آیاتِ مجیدہ پیش کی جائینگی۔ تاکہ صحیح مفہوم کے سمجھنے میں آسانی رہے۔ واضح رہے کہ قصّۂ موسیٰ سلام علیہ کے تحت قرآن مجید میں لفظ عصاء تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ عصاء بمعنی سہارا　　۲۔ عصاء بمعنی جماعت　　۳۔ عصاء بمعنی قانون

● قرآنی لغت تو بعد میں پیش کی جائیگی۔ پہلے لغتوں کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

● لغت مِرآۃ القرآن نشر کردہ مکتبۃ السلام کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۴۰۲ پر ہے۔ عصاءُ الرّجل سونٹے سے مارنا (اسم کی صورت میں سونٹا لاٹھی)۔ عصاءُ القوم قوم کو جمع کیا (اسم کی صورت میں اجتماع، جماعت)۔ اَلنّاسُ عَبِیدُ العَصَا عوام، ڈنڈے کے، یعنی قانون کے بندے ہیں۔ قانون کے بغیر قابو نہیں آتے)۔

● مفتاح اللغات مطبوعہ کراچی کے صفحہ ۵۲۲ پر ہے۔ "عصاءٌ" کڑی۔ لاٹھی (یعنی سہارا) زبان۔ پنڈلی کی ہڈی۔ عورتوں کا سربند۔ سر پہ باندھنے کا رومال۔ گروہ۔ جماعت۔ شق العصاءُ جماعت میں تفرقہ ڈالا۔

● المنجد مطبوعہ دارالاشاعت کراچی کے صفحہ ۸۱۱ کالم اوّل پر ہے۔ العصاءُ لاٹھی، سہارے کی چیز (یعنی سہارا) اجتماع۔ جماعت

پنڈلی کی ہڈی - زبان - زیادہ ملامت کرنا - القی المسافر العصآء - مسافر اپنے مقام پر پہنچ گیا - (بمعنی منزل) اَلنَّاسُ عَبِیْدُ العصآء لوگ ڈنڈے سے ڈرتے ہیں" (یعنی عوام قانون کے بندے ہیں، قانون کے بغیر قابو میں نہیں رہتے ——— پس خط کشیدہ اور نمبر لگے الفاظ پر غور فرمائیں کہ المنجد میں عربی ادب کے مطابق لفظ عصاء کے متعدد معنوں میں مندرجہ تینوں قرآنی معنے موجود ہیں - سہارا، جماعت، قانون -

عصآء کے قرآنی معنوں کو سمجھنے میں رکاوٹ

● عصآء کے صحیح معنے سمجھنے میں رکاوٹ ہے وہ تصور جو اسرائیلیات سے اخذ کرلیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اُسے زمین پر پھینکتے تھے وہ سانپ بن جاتا تھا قرآن مجید میں آیا ہے فَاَلْقٰی عَصَاہُ فَاِذَا ھِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ اَلْقٰی کا مصدری معنی عربی لغت کے مطابق پھینکنا بھی ہے اور پیش کرنا بھی ہے - پھینکنے کا مفہوم لیا جائے تو عصآء بھی ڈنڈا ہی ہوگا - لیکن اگر القٰی کا مصدری معنیٰ پیش کرنا لیا جائے تو وہ ڈنڈا نہیں بلکہ دلیل و براہن کے طور پر کوئی عالمگیر خداوندی قانون ہوگا - سب سے پہلے تو یہ چیز غور طلب ہے جبکہ حضرت موسیٰ کے ذمہ صرف دو کام تھے، عصآء یعنی ڈنڈا زمین پر پھینکنا اور بغل میں سے ہاتھ نکال کر دکھانا - اور یہ دونوں کام معجزاتی طور پر انجام پا جاتے تھے کہ ڈنڈے کا سانپ بن جاتا تھا اور ہاتھ سفید ہو جاتا تھا" تو پھر جب حضرت موسیٰ جیسے شاہ زور کو جو مکا مارے تو آدمی کو ڈھیر کر دے جب یہ نشانیاں دیکر فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے یہ کیوں کہا کہ میری زبان غیر فصیح ہے میرے ساتھ ہارونؑ کو نبی بنا کر بھیجئے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح البیان ہے - اِس سے بھی ثابت ہوا کہ یہ کوئی جسمانی کام نہیں تھا بلکہ زبان سے پیش کرنے والے دلائل تھے (تفصیل آگے آرہی ہے)

● دوسرے نمبر پر قرآن مجید میں دو مقامات پر ۲۷/۱۰ + ۲۸/۳۱ میں بتایا گیا ہے کہ جب عصآء پیش کیا جاتا تھا تو وہ سانپ نہیں بن جاتا تھا بلکہ سانپ جیسا ہوتا ہے وَاَلْقِ عَصَاکَ فَلَمَّا رَاٰھَا تَھْتَزُّ کَاَنَّھَا جَآنٌّ ۲۷/۱۰ اور پیش کر عصاء اپنا - پھر موسیٰ نے غور کیا کہ وہ بل چل مچا دیگا، گویا کہ وہ سانپ تھا - بالکل یہی الفاظ ۲۸/۳۱ میں بھی آئے ہیں - اب غور فرمائیں کہ قرآن مجید میں دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ کَاَنَّھَا جَآنٌّ کے الفاظ کاف تشبیہ، مشبہ اور مشبہ بہٖ موجود کیساتھ آئے ہیں پس اہل علم سے مخفی نہیں کہ جہاں حرف تشبیہ وارد ہوتا ہے وہاں حقیقت ہرگز نہیں ہوتی - ویسے تو جہاں مشاہدہ معارض ہو وہاں حرف تشبیہ نہ بھی موجود ہو تو پھر بھی حقیقت نہیں مانی جاتی، جیسے اگر کہا جائے اَلزَّیْدُ اَسَدٌ" کہ زید شیر ہے تو اس سے یہ مطلب نہیں لیا جاتا کہ زید کی چار ٹانگیں اور لمبی گچھے دار دم ہے، بلکہ اُس سے اسمیں شیر جیسی بہادری کا ہونا مراد لیا جاتا ہے - لیکن جب حرف تشبیہ لاکر کہا جائے اَلزَّیْدُ کَالْاَسَدِ تو پھر گرامر کی رُو سے بھی اس امر کا تصور تک ختم ہو جاتا ہے کہ زید سچ مچ کا شیر بن گیا ہے -

● اسی طرح جب عصآء کے متعلق دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ مشبہ، مشبہ بہٖ اور حرف تشبیہ، تینوں چیزیں لاکر اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ عصآء سچ مچ کا سانپ نہیں بن جاتا تھا - بلکہ وہ سانپ جیسا ہوتا تھا - سانپ کی طرح بل چل مچا دینے والا تھا - کَاَنَّھَا جَآنٌّ میں ھَا ضمیر مونث مشبہ عصاء کیلئے آئی ہے جَآنٌّ مشبہ بہٖ ہے یعنی جس کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور کاف حرف تشبیہ اصالتاً موجود ہے - پس ڈنڈے کا اصل سانپ بننے کا تصور تک بھی قائم نہیں کیا جا سکتا -

کاف حرفِ تشبیہ کی قرآنی مثالیں

● قرآنِ مجید میں کاف تشبیہ کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ جنت کی عورتوں کے متعلق کہا گیا ہے کَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۵۵/۵۸ وہ عورتیں یاقوت و مرجان جیسی گرانقدر ہونگی کیا اس آیت سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ جنت کی عورتیں پتھر کی بنی ہونگی؟ اسی طرح منکرین قرآن کے متعلق ارشاد ہوا ہے کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۷۴/۵۰-۵۱ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگتے ہیں ـــــ بتائیے کیا ان آیتوں سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ منکرین قرآن واقعۃً گدھے بنگئے تھے، انکا جسم واقعی گدھے کے جسم میں تبدیل ہوگیا تھا ـــــ نیز غور و فکر نہ کرنیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۷/۱۷۹ وہ ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

● اِن قرآنی مثالوں سے کھل کر ثابت ہوچکا کہ جس طرح کاف حرفِ تشبیہ کی موجودگی میں نہ جنتی عورتیں پتھر کی ہونگی، نہ منکرین قرآن سچ مچ گدھے بنگئے تھے اور نہ عدم تدبر کی بدولت کوئی شخص ڈنگر بن جاتا ہے اسی طرح کَاَنَّهَا جَآنٌّ میں کاف حرفِ تشبیہ کی موجودگی کی قرآنی دلیل کیمطابق ڈنڈا سانپ نہیں بن جاتا تھا بلکہ جس طرح قرآنِ کریم کے منکر گدھوں جیسے بیوقوف ہوتے ہیں اور عقل سے کام نہ لینے والے ڈنگروں جیسے بے عقل ہوتے ہیں، اسی طرح عصاءِ موسٰی جہاں پیش کیا جاتا تھا وہاں سانپ کی طرح ہل چل مچا دیتا تھا۔

عصاء بمعنی قانونِ ربوبیتِ عالمینی بھی ہے

● حضرت موسٰی کو وادیٔ طور میں جب عطاءِ نبوت کیوقت مخاطب فرمایا گیا تو ارشاد ہوا يٰمُوْسٰٓى اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۲۸/۳۰ اے موسٰی بیشک میں اللہ تمام جہانوں کی مخلوق کا ایک جیسا رب ہوں۔ ہر ذی جان کا حق ہے کہ اسے اسکی ضروریاتِ رزق متوازن انداز کیساتھ مساویانہ طور پر ملنی چاہئیں۔ یہی قانونِ ربوبیت عالمینی وہ عصاء تھا کہ جب حضرت موسٰی نے پیش کیا تو فرعون کے ہاں ہل چل مچ گئی کیونکہ اُس نے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت قانونی طور پر غصب کر رکھے تھے۔ یعنی اُسکی سلطنت میں کتے گدھے اور سؤر تک ضروریاتِ رزق سے باقاعدہ طور پر سرفراز تھے مگر بنی اسرائیل کو محض بیگاری بنا دیا گیا اور مساویانہ انسانی حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔

یدِ بیضاء

● اسکے ضمن میں یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ الفاظ قرآن مجید میں اس مروجہ مرکب اضافی کی صورت میں نہیں آئے۔ الگ الگ آئے ہیں دونوں کی الگ الگ لغت ملاحظہ فرمائیں۔ ید کا لفظ انتہائی وسیع المعنی ہے۔ المنجد کے صفحہ ۱۰۴۳ پر لغت اضداد کی رُو سے ذیل کے معنے مذکور ہیں:۔ ہاتھ، ہتھیلی، نعمت، احسان، جاہ، مرتبہ، قدرت، طاقت، ندامت، ذلت، جماعت۔ کھانا، ظلم سے روک، راستہ، فریادرسی وغیرہ۔ حضرت موسٰی کے ذکر میں ید بمعنی جماعت ہے۔

● بیضاء کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ب۔ ی۔ ض، بیض ہے۔ یہ بھی لغتِ اضداد میں سے ہے۔ اسکا معنی سفید ہونا بھی ہے اور تباہ و برباد ہونا بھی ہے۔ لغت منتہی الارب مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور جلد چہارم کے صفحہ ۱۷۵ کالم ۳۔ سطر ۱۲-۱۳ پر لکھا ہے:۔ بیضاء = بلاد سختی، گندم و جو بے پوست، آفتاب، زمین ویران، ضد عامر ـــــ عامر کا معنی ہے آباد، اسکی ضد بیضاء کا ایک معنی ہے تباہ و برباد۔ واضح ہے کہ عصاء اور ید بیضاء کا ذکر قرآن مجید میں پانچ مقامات پر آیا ہے اور ہر مقام پر دونوں کا ذکر لازم و ملزوم کی صورت میں بالکل ساتھ لایا گیا ہے سورہ قصص میں ان دونوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ

کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۲۸/۳۲ یہ دو دلیلیں ہیں ربوبیت کی تیرے رب کی طرف سے عطا کردہ فرعون اور اسکے سرداروں کیلئے، بیشک وہ حد میں پھاندنے والی قوم ہے۔ یہ دو دلیلیں تھیں جو زبان سے پیش کی جانیوالی تھیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ نے حضور الٰہی میں عرض کی :- وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً ۲۸/۳۴ اور میرا بھائی ہارون زبان کی رُو سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ اُسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج۔

● عصا اور ید بیضاء کو دو دلیلیں ۲۸/۳۲ میں کہا گیا ہے۔ عصاء کی لغت اوپر گزر چکی ہے ڈنڈا۔ سہارا۔ جماعت اور قانون۔ ید کے متعدد معنوں میں ایک معنیٰ جماعت بھی آپ اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں اور بیضاء کا ایک معنیٰ از روئے لغت تباہ و برباد بھی اُوپر گزر چکا ہے۔ اسلئے مرکب ید بیضاء کا معنیٰ ہوا تباہ حال جماعت۔

● واضح رہے کہ یَدٌ کے لغوی معنے جماعت کیمطابق حضرت موسیٰ کو الگ الگ دو حکم دیے گئے ہیں۔ اُن پر اس چیز کو ذہن میں محفوظ رکھتے ہوئے غور فرمائیں کہ حضرت موسیٰ کا فرض متعین کیا گیا تھا بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرنا۔

۱۔ وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۲۰/۲۲ اور اپنی جماعت بنی اسرائیل کو اپنے دامنِ شفقت میں ضم کر لیجئے۔ وہ (فرعون کے استبداد کی چکی میں پسی ہوئی قوم اپنے چھنے ہوئے حقوقِ ربوبیت کے حصول کیلئے) بغیر کسی کمی کے تباہ حال نکل آئیگی۔

۲۔ وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۲۷/۱۲ اور اپنی جماعت (قوم بنی اسرائیل) کو اپنی جھولی میں ڈال لیں، متحد کر لیں۔ وہ (مظلوم قوم اپنے حقوقِ ربوبیت کے حصول کی تحریک میں) بغیر کسی کمی کے تباہ حال نکل آئیگی۔

۳۔ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۲۸/۳۲ اپنی جماعت (قوم بنی اسرائیل) کو اپنے گریباں سے منسلک کر لیجئے۔ وہ (بوقتِ ضرورت احتجاجاً تباہ حال نکل آئیگی۔

● دیکھئے! ان آیات کریمات میں حضرت موسیٰؑ کو ایک تو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنی قوم کو اپنی جھولی میں ضم کر لیں (اُنہیں اپنی جھولی میں ڈال کر متحد کر لیں) اور دُوسری خبر دیگئی ہے کہ وہ تباہ حال نکل آئیگی۔ ان دونوں کا متبادل ذکر تصریفِ آیات کے ذریعہ سورہ یونس میں موجود ہے وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۱۰/۸۷ اور ہمنے موسیٰ اور اسکے بھائی کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو شہر میں گھر بنا کر (الگ بستی بسا کر) ٹھکانہ دو۔ نیز اپنے گھروں کو آمنے سامنے بناؤ اور اجتماعی نظام قائم کرو (یعنی باہمی تعاون کے ذریعہ ہر آن ایکدوسرے کی مدد کرتے رہو۔ یہ ہے اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ، وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ اور اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ کی تفسیر۔ حضرات موسیٰ و ہارون نے ایک الگ قرآنی بستی بسا کر قوم بنی اسرائیل کو متحد کر لیا۔ اِس طرح تحریکِ ربوبیت کو کامیاب کرنے کیلئے ضرورت پڑنے پر ہزاروں تباہ حال افراد بطور احتجاج باہر نکل آتے تھے۔ اِس طرح حضرت موسیٰ نے فرعون پر ثابت کر دکھایا کہ انہوں نے جو قوم بنی اسرائیل کیلئے حقوقِ ربوبیت کا مطالبہ کیا تھا، اِس پر ربوبیتِ عالمینی کا عالمگیر قانون بھی بطور دلیل موجود تھا، اور اس تحریک کے پیچھے پُوری قوم

بنی اسرائیل بطور احتجاج موجود تھی جو بوقتِ ضرورت تباہ شدہ باہر نکل آتی تھی۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل دیکھنے کیلئے واقعتہً تباہ حال ہو چکی تھی

● آیاتِ بالا میں حضرت موسیٰؑ کو اپنی تباہ حال قوم کو مجتمع کرنے اور انہیں تحریکِ ربوبیت کیلئے اپنے ساتھ ملانے کے احکام ہدیہ قارئین کئے جاچکے ہیں اسکے بعد وہ آیات مجیدہ پیش خدمت ہیں جن میں ان احکام کی تعمیل صورت بیان کیگئی ہے۔ پچھلے صفحہ پر سلسلہ درس کی آیت مجیدہ ۱۰۵/۷ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے متعلق فرعون سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر تو انہیں حقوقِ ربوبیت نہیں دیتا تو انہیں میرے ساتھ کر اس کو ہجرت کرنے کی اجازت دیدے تاکہ وہ کسی اور جگہ جاکر اپنے جائز حقوقِ ربوبیت حاصل کریں۔ لیکن فرعون نے جواب دیا کہ اگر تو مطالبہ حقوقِ ربوبیت میں سچا ہے اور اگر اسکے ضمن میں کوئی دلیل لایا ہے تو لا پیش کر۔ فرعون کے اس سوال کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے جو دو دلیلیں پیش کیں انکا ذکر اگلی آیت ۱۰۷/۷ میں بالفاظ ذیل آیا ہے:۔

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰۷﴾ پھر پیش کیا سارا اپنا پھر اچانک وہ تھا اژدھا ظاہر	اس پر (حضرت موسیٰؑ نے) اپنا عصائے تحریک کا سہارا عالمگیر قانونِ ربوبیت پیش کیا۔ تو وہ (فرعون کیلئے) اچانک اژدھا جیسا ۲۷/۱۰ (۲۸/۳۲) تھا۔
وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿۱۰۸﴾ اور نکالی قوم اپنی پھر اچانک تھی وہ تباہ حال واسطے دیکھنے والوں کے	اور اپنی قوم کو احتجاج کیلئے نکالا، تو وہ غور کرنے والوں کے لئے واقعتہً اچانک تباہ حال تھی۔ پ ۱۳ ع ۹

● واضح رہے کہ سورہ شعراء میں بھی بالکل آیاتِ بالا ۱۰۸-۱۰۷/۷ والے الفاظ آئے ہیں جن میں یہی خبر دیگئی ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کیلئے دلیل طلب کی تو ارشاد ہوا ہے:۔

● فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ۝ شعراء ۳۳-۳۲/۲۶ پس موسیٰؑ نے اپنا عصائے سہارا تحریک، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمین کا ناقابلِ انکار ثبوت پیش کیا تو وہ فرعون کیلئے اچانک اژدھا جیسا تھا۔ (جو بنی اسرائیل کے غصبِ ربوبیت کے تمام فرعونی دلائل کو نگل گیا) نیز آپ نے اپنی قوم کو احتجاج کیلئے نکالا تو وہ غور کرنے والوں کیلئے اچانک واقعتہً تباہ حال نکل آئی۔ بالفاظِ دیگر کسی بھی صاحب شعور و تدبر کیلئے حضرت کے ید بیضاء، یعنی آپکی تباہ حال قوم بنی اسرائیل کو دیکھنے اور اسکی تباہ حالی پر غور کرنے کے بعد قانونِ ربوبیت عالمین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ جب فرعون اور اس کے درباری دلائل موسوی کے سامنے لاجواب ہوگئے تو فرعون نے باہر سے جادو بیان بلوا کر جلایا تاکہ مذہبی دلائل کے تقدس کے ذریعہ حضرت موسیٰؑ کو قائل کرسکیں کہ ایک غیر ملکی قوم کو نہ متوازن حقوقِ ربوبیت کا حق حاصل ہے اور نہ ہجرت کا۔ چنانچہ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مذکور ہے:۔

قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ کہا سرداروں نے سے قوم فرعون کے۔ بیشک یہ جادو بیان	قوم فرعون کے سرداروں نے (لاجواب ہونے کے بعد) کہا کہ بیشک یہ (موسیٰ) ایک بہت بڑا جادو بیان عالم ہے۔ (اس کے

آیت و لفظی ترجمہ	ترجمہ
عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ بڑا علم والا	دلائل کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے)
يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا ارادہ کرتا ہے کہ نکالے تمکو سے زمین تمہاری کہ پھر کیا والا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ تم حکم کرتے ہو	یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں (فرعون اور اسکے حکام وعمال کو) تمہاری زمین سے نکال باہر کرے۔ پھر تم (اس کے بارے میں) کیا حکم دیتے ہو۔
قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ کہا ڈھیل دے اسے اور بھائی اسکے کو اور بھیج بیچ شہروں کے حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ اکٹھا کرنیوالے	(قوم کے سرداروں نے (فرعون) کو کہا کہ تو اسے اور اسکے بھائی کو ڈھیل دے اور اپنے شہروں میں (علماء کو) اکٹھے کرنیوالے بھیج۔
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ آئینگے پاس تیرے ساتھ ہر جادو بیان عالم کے	وہ (اکٹھا کرنیوالے) تیرے پاس ہر عالم جادو بیانؑ کو لے آئینگے۔

لفظ سحر کی لغوی تحقیق ● لفظ سحر کا مادہ س-ح-ر = سحر ہے جسکا بنیادی معنٰی ہے دھوکا اور فریب۔ اس سے اسم فاعل ہے ساحر بمعنٰی دھوکا دینے والا۔ تاج العروس میں اسکا معنٰی لکھا ہے ایسا دھوکا جس سے پتہ ہی نہ لگے کہ کس طرح دھوکا دیا گیا ہے۔ صاحب محیط نے اسکا معنٰی لکھا ہے موڑنا۔ یعنی کسی چیز کو موڑ مار کر اسے اسکی غیر حقیقت میں پیش کرنا۔ صاحب تہذیب نے اسکا معنٰی کسی چیز کی اصل حقیقت کو غیر حقیقت کی طرف پھیر کر دھوکا دینا لکھا ہے۔

● اسی مادہ سے لفظ سحر ہے جو رات کے اسوقت کو کہتے ہیں جب صبح کی ابتدا ہو رہی ہو۔ تو اسوقت دھوکا لگتا ہے کہ ابھی پوہ پھٹی نہیں، حالانکہ پوہ پھٹ چکی ہوتی ہے عشر مُسْتَحُوْرُ اس پھیڑ کو کہتے ہیں جس کے تھن تو لمبے لمبے ہوں مگر دودھ تھوڑا دیتی ہو۔ المختصر، اس مادہ کے بنیادی معنوں کے مطابق سحر کا معنٰی دھوکا ہے، جادو تو دنیا بھر میں وجود تک موجود نہیں۔ جو لوگ جادو کے کھیل دکھاتے ہیں، انکی حقیقت اسکے سوا نہیں ہوتی کہ وہ تماشہ دیکھنے والوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ رسّی کا سانپ نہیں بنتا، بلکہ سانپ انکے پاس موجود ہوتا ہے، لوگوں کو دکھاتے ہیں رسّی مگر ہاتھ کی صفائی کیساتھ ٹوکری کے نیچے رکھ دیتے ہیں سانپ۔ اس کے بعد جب ٹوکری اٹھا کر دکھاتے ہیں تو لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ رسّی کا سانپ بن گیا ہے۔

● قرآن مجید میں مادہ سحر کا معنٰی دھوکا موجود ہے۔ $\frac{23}{84 \text{ تا } 86}$ میں آیا ہے قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ...... قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ اے رسول! ان سے پوچھیگا کہ ان گنت آسمانوں اور اس عظیم سلطنت کا رب کون ہے۔ ضرور کہینگے کہ اللہ ہے ...... آپ کہہ دیجئیگا کہ پھر تم کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں کہاں سے سحر

ہوگیا ہے، کہاں سے دھوکا لگ گیا ہے۔ قرآنی لغت کے مطابق سحر کا معنیٰ تقابلِ ضدّین کے ذریعہ جھوٹ بھی بتایا گیا ہے۔ ۱۰/۷۶ میں آیا ہے فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ پس جب انکے پاس ہماری طرف سے حق سچ آگیا تو انہوں نے کہا یہ ظاہرا سحر ہے جھوٹ ہے۔ دیکھئے یہاں حق کی ضد بتائی ہے سحر، اور حق کی ضد جھوٹ ہے جادو نہیں۔ آیات بالا میں ایسے سٰحِرٌ عَلِيْمٌ ایسے عالموں، مذہبی علماء کو کہا گیا ہے جو مذہب کے تقدس کے پردے میں عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ آج کے دور میں بھی علماءِ کرام نے عوام کو دھوکا دے رکھا ہے کہ جو لوگ بھوکے ننگے ہیں، انکی قسمت میں خود اللہ تعالیٰ نے بھوک ننگ لکھی ہوئی ہے اور جو لوگ آسودہ حال ہیں، انکی قسمت میں آسودگی خود اللہ تعالیٰ نے لکھی ہوئی ہے۔

● حالانکہ ۱/۱ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق ربوبیتِ عالمین میں ہر فردِ معاشرہ برابر کا حقدار ہے۔ اس دور کے علماء نے چونکہ مسئلہ ربوبیت کو غلط سمت کی طرف موڑ کر لوگوں کے اذہان میں مذہبی طور پر راسخ کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل غیر ملکی ہیں، اس لئے ان کے حقوق مصریوں کے برابر نہیں ہیں۔ مصری لوگ اپنے آپکو حضرت یوسفؑ کے پیروکار مانتے تھے اور کہتے تھے لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۴۰/۳۴ اللہ تعالیٰ اس (یوسف) کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجیگا۔

● المختصر سحر کا معنیٰ ہے جھوٹ اور دھوکا۔ اور ساحر کا معنیٰ ہے جھوٹ کو سچ کر دکھانے والا۔ اور سٰحِرٌ عَلِيْمٌ کا معنیٰ ہے ایسا عالم جو بات کو موڑ ماڑ کر جھوٹ کو سچ کر دکھائے۔ چنانچہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰؑ کو بھی انکے دلائل سننے کے بعد سٰحِرٌ عَلِيْمٌ کہا ۷/۱۰۹ جادو بیان عالم۔ اور عالموں کو بھی سَحَّارٍ عَلِيْمٍ کہا ۲۶/۳۷ جادو بیان علماء۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا ہے:

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا
اور آئے جادو بیان علماء پاس فرعون کے کہا بیشک واسطے ہمارے

لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ○ ۱۱۳
ضرور ہے بدلہ اگر ہوں ہم، ہم غالب آنیوالے

اور (فرعون کے بلانے پر) فرعون کے پاس جادو بیان علماء آگئے انہوں نے (فرعون کو) کہا کہ اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں اسکا ضرور ضرور بدلہ ملنا چاہیئے۔

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ ۱۱۴
کہا ہاں اور بیشک ہوگے تم ضرور میرے مقربین سے

(فرعون نے) کہا ہاں، اور بیشک تم میرے مقربین میں ہو جاؤگے۔ تمہیں میں اپنا کابینہ میں شامل کرونگا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ
کہا اے موسیٰ کیا یہ کہ تو پیش کریگا اور یا کہ ہم ہوں

نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ○ ۱۱۵
ہم پیش کرنیوالے

(باہر سے آنیوالے سحر بیان علماء نے) کہا اے موسیٰ آپ (اپنے دلائل) پیش کرینگے یا ہم پیش کریں۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ
کہا پیش کرو پھر جب پیش کیا دھوکا دیا آنکھوں

النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝ ۱۱۶
لوگوں کو اور ڈرایا انکو اور آئے ساتھ دھوکے بڑے کے

(اس پر حضرت موسٰی نے (فرمایا) تم (اپنے دلائل) پیش کرو۔ پھر جب انہوں نے (اپنے دلائل) پیش کئے تو (فرعون کی ملکیت مصر کے جھوٹے جاہ و جلال کے اظہار کیساتھ) عوام کی نگاہوں کو دھوکا دیا (اُن میں خیرگی پیدا کر دی) اور انہیں (فرعون کے غیض و غضب سے ڈرایا۔ اور وہ (بنی اسرائیل کے غصب حقوقِ ربوبیت کی ایک بہت بڑی پُر فریب دلیل لائے۔

تفسیر بذریعہ تصریف آیات

● ۱۱۶ واضح رہے کہ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ اور وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ معطوف معطوف علیہ کے دونوں جملوں کو متصل رکھ کر مفہوم سمجھنا لازم ہے۔ اوّل الذکر میں آیا ہے کہ باہر سے آنیوالے سحر بیان علماء نے لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا۔ اسکا معنی عام مترجمین نے یہ لکھا ہے کہ انہوں نے جادو کے ذریعہ لوگوں کی نظر بندی کر دی۔ اِس سے ثابت ہُوا کہ اگر ساحرین فرعون نے رسیاں اور سوٹیاں پھینکی تھیں تو وہ سانپ نہیں بنی تھیں۔ بلکہ لوگوں کی نگاہوں کو دھوکا دیا گیا تھا ۲۰/۶۶ میں بھی اسی چیز کی تائید موجود ہے کہ جب مذکورہ علماء نے اپنی رسیاں اور سوٹیاں پیش کیں تو فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى پس اچانک اُنکی رسیوں اور سوٹیوں کے متعلق اُنکی سحر بیانی سے موسٰی کے خیال میں آیا کہ وہ دوڑتی ہیں۔ دیکھئے يُخَيَّلُ اِلَيْهِ کے الفاظ نے کس طرح کھول کر رکھ دیا ہے کہ اگر انہوں نے واقعۃً رسیاں اور سوٹیاں پھینکی تھیں تو وہ سانپ نہیں بن گئیں تھیں بلکہ حضرت موسٰی کے صرف خیال ہی میں آیا تھا کہ وہ دوڑتی ہیں۔ اِسی طرح عصاءِ موسٰی عالمگیر قانونِ ربوبیت کے متعلق ۷/۱۰۷ ۲۸/۳۱ میں كَاَنَّهَا جَآنٌّ کے الفاظ سے ثابت ہے کہ وہ سانپ نہیں تھا بلکہ سانپ کی طرح ہلچل مچا دینے والا تھا۔

● واضح رہے کہ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ کے معطوف اور معطوف علیہ کے جملہ معطوفہ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ میں باری تعالٰی نے خبر دی ہے کہ ساحرین فرعون نے عوام کو فرعون کے جبر و تشدد اور غیض و غضب سے ڈرا کر انکی آنکھوں میں خیرگی پیدا کر دی تھی۔ جیسے کہ سورہ شعراء میں علماء فرعون نے فرعون کے غلبے کو بطور دلیل پیش کیا تھا۔ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ۲۶/۴۴ پس اُنہوں نے اپنی رسیاں اور سوٹیاں (یعنی بنی اسرائیل کے غصب حقوقِ ربوبیت کی دلیلیں) پیش کیں اور کہا کہ بلاشبہ غلبہ فرعون کی بدولت ہم ہی غالب آنے والے ہیں۔

● ایک طرف بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کے غصب کی دلیل فرعون کا مکمل قانون تھا دوسری طرف علماء فرعون نے اُس خود ساختہ مذہبی قوانین کے ذریعہ انہیں محرومِ ربوبیت ثابت کرنے کے لئے اپنے حبال اور عصی پیش کئے۔ حبال حبل کی جمع ہے قرآن مجید میں اسکا معنی قانون آیا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا ۳/۱۰۳ اللہ کی رسی اُسکے قانون قرآن مجید کو مضبوط تھام لو۔ اسی طرح عصی جمع ہے عصاء کی۔ اور عصا کا معنی قانون پیچھے صفحہ ۴۳۰ پر ثابت کیا جا چکا ہے۔ پس علماءِ فرعون نے عوام کو فرعون کے غیض و غضب سے ڈرایا اور اسکے حق میں خود ساختہ قوانین پیش کئے۔ اُدھر خود فرعون نے عوام کو مخاطب کر کے سرزمینِ مصر پر اپنا بادشاہی حق جتا

ہوئے کہا :۔

• قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ۴۳/۵۱ فرعون نے کہا اے میری قوم کیا ملک مصر میرا نہیں ہے۔ اور کیا اسکے دریا میرے حکم کے ماتحت نہیں بہتے؟ پھر تم کیوں عقل نہیں کرتے ۔۔ ان الفاظ میں فرعون نے اس استبدادی عقیدے کی نشاندہی کی کہ زمین اور اسکے خزانوں کے مالک بادشاہ ہوتے ہیں۔ سیاسی ضرورت کیمطابق وہ جسے چاہیں خوشحال کریں اور جسے چاہیں کمزور کر دیں جیسے کہ ۲۸/۴ کا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو کمزور کر رکھا تھا۔ سلسلۂ درس کی آیتِ بالا ۷/۱۱۶ کیمطابق علماءِ فرعون نے غلبۂ فرعون پیش کیا اور بنی اسرائیل کے غصبِ حقوقِ ربوبیت کے حق میں اپنی رسیاں اور سوٹیاں یعنی کمزور اور بودے دلائل پیش کئے۔ حضرت کیطرف سے ردِعمل کے متعلق سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظ ذیل ارشاد ہوا ہے :۔

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کے کہ پیش کر قانونِ ربوبیت اپنا	اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا (عالمگیر قانونِ ربوبیت عامہ) پیش کریں (پھر جب آپ نے اُسے پیش کیا تو) وہ اچانک اُن تمام بہتانوں کو نگل گیا جو انہوں نے باندھے تھے
فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ ج ۱۱۷ پھر اچانک وہ نگل گیا جو انہوں نے بہتان باندھا	
فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ج ۱۱۸ پھر ثابت ہوا حق اور جھوٹا ہو گیا جو تھے وہ عمل کرتے	پھر حق ثابت ہو گیا اور (بنی اسرائیل کے غصبِ حقوقِ ربوبیت کا جو عمل وہ کرتے چلے آرہے تھے) جھوٹا ثابت ہو گیا۔

• ۱؎ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ کے الفاظ میں تلقف کا اسمِ حرفی مادہ ل۔ق۔ف لقف بمعنی نگل جانا ہے جو مجاز کے طور پر نیستی کا بیان کے اظہار کیلئے آتا ہے۔ اور یافکون کا مادہ ا۔ف۔ک افک بمعنی بہتان باندھنا ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ کا عصا، عالمگیر قانونِ ربوبیتِ عالمین اُن تمام دلائل کو نگل گیا جو علماءِ فرعون نے فرعون کے حقِ ملوکیت اور بنی اسرائیل کے غصبِ حقوقِ ربوبیت کیلئے اِفکاً یعنی بہتاناً اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگائے تھے۔

دلائل کا تقابل تھا، شعبدہ بازی کا مقابلہ نہیں تھا

• واضح رہے کہ افک کا معنیٰ جادو نہیں کہ مَا يَاْفِكُوْنَ کا معنیٰ یہ کیا جائے کہ جو اُنہوں نے جادو کے ذریعہ سانپ بنائے تھے۔ بلکہ اسکا معنیٰ بہتان باندھنا ہے ۲۴/۱۱ میں آیا ہے جَآءُوْ بِالْاِفْكِ وہ آئے ساتھ بہتان کے۔ ۳۷/۱۵۱-۱۵۲ میں آیا ہے۔ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وہ اپنے بہتان کیساتھ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے ۔۔۔ پس لفظ اِفک کے معنوں کے مطابق علماءِ فرعون نے فرعون کے حق میں اور بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کیخلاف اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر جو غلط دلائل دیتے تھے، اُن دلائل کو حضرت موسیٰ کی پیش کردہ عالمگیر ربوبیت عالمینی کی لاجواب دلیل کھا گئی نہ یہ کہ بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کے جواز و عدمِ جواز کا فیصلہ اس چیز پر رکھا گیا تھا کہ سانپ بنا کر میدان میں چھوڑیں، جسکا سانپ مدِمقابل کے سانپوں کو کھا جائے اُسے غالب مانا جائے۔ العجب!

● ذرا غور کیجئے کہ اگر سانپ بنانے کا ناقابل تسلیم کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی دینا تو صرف اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ حضرت موسیٰ نے تو بقول روایات صرف ایک ڈنڈے میں زندگی پیدا کر دی معجزانہ طور پر لیکن ساحرین فرعون کس طرح خدائی اختیارات کے مالک ہو گئے اور کس طرح ایک نہیں بلکہ درجنوں سرتیوں اور رسیوں میں جان ڈال دی؟ ـــــ واضح رہے کہ دلائل کا مقابلہ تھا چنانچہ ناٹا پلکتزن کے قرآنی الفاظ کی ناقابل تردید سند کیطابق ساحرین فرعون نے اپنے دلائل میں خدا تعالیٰ پر بہتان باندھا تھا مگر جب حضرت موسیٰ نے اپنا عصا، عالمگیر قانون ربوبیت عالمین پیش کیا تو علماء فرعون وہیں موقعہ ہی پر شکست یاب ہو گئے۔

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿ج﴾ ۱۱۹

پس ہار گئے وہاں اور لوٹے مطیع ہو کر

پس (علماء فرعون) وہیں مغلوب ہو گئے۔ اور (حضرت موسیٰ کے) مطیع ہو کر (وہاں سے) لوٹے۔

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿ج﴾ ۱۲۰

اور گر گئے جادو بیان علماء سجدہ کرتے ہوئے

اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) وہ جادو بیان علماء سجدہ میں گر گئے (یعنی انہوں نے شکست تسلیم کر لی)۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿لا﴾ ۱۲۱

کہا ایمان لائے ہم ساتھ رب جہانوں کے

انہوں نے کہا کہ ہم عالمین کے رب پر ایمان لے آئے ہیں (رب تعالیٰ کا عالمگیر قانون ربوبیت عامہ تسلیم کر لیا ہے)

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ ۱۲۲

رب موسیٰ کا اور ہارون کا

ہم موسیٰ کے رب پر اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے ہیں (یعنی موسیٰ اور ہارون کا پیش کردہ نظریہ ربوبیت صحیح ہے)۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

کہا فرعون نے تم ایمان لائے ہو ساتھ اسکے پہلے کہ میں اجازت دوں

لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ

واسطے تمہارے بیشک یہ ہے تجویز جو تجویز کی تم نے وہ بیچ شہر کے

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۲۳

تاکہ نکالو تم اس سے اس کے اہل اسکے پس ضرور تم جان لوگے

(اس پر وہیں) فرعون نے کہا کہ تم اس سے پہلے اس پر ایمان لائے ہو کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ بیشک یہ (تم سب کی مشترکہ) تجویز[1] ہے جو تم نے اس ملک کے متعلق کی ہے کہ تم اسکے وارثوں کو اس سے نکال دو۔ پھر تم اس کا نتیجہ ضرور جان لوگے۔ [2] یہاں پی بھی کے متعلق ہے اور یہاں المدینہ سے مراد ملک مصر ہے۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

ضرور کاٹ دونگا ہاتھ تمہارے اور پاؤں تمہارے بوجہ بغاوت کے

ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ۱۲۴

پھر ضرور سولی دونگا تم سب کو

میں ضرور تمہاری بغاوت[3] کے بدلے تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دونگا (یعنی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دونگا[4]) - اور پھر تم سب کو سولی دے دونگا۔

● [1] مکر مکرتموہ کے الفاظ میں فرعون نے کہا کہ باہر سے آئے ہوئے علماء نے موسیٰ علیہ السلام کیساتھ مل کر اس ملک

کے وارثوں (خاندانِ فرعون) کو یہاں سے نکال دینے کی تجویز کی ہے ۔ سورہ شعرآء میں اسکے متعلق فرعون کے یہ الفاظ آئے ہیں :-
قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ ...
۲۶ ۴۹ فرعون نے کہا ، تم اس سے پہلے ایمان لے آئے ہو کہ میں تمہیں اجازت دوں ۔ بیشک یہ (موسٰی) تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں اس دھوکا دہی کی تجویز سکھائی ہے ۔ پس تم ضرور اسکا نتیجہ جان لوگے ۔ میں تمہاری اس بغاوت کے عوض تمہارے ہاتھوں میں ہتکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈالکر قید کردونگا اور پھر تم سب کو سُولی دونگا ــــ المختصر باہر سے آئے ہوئے علماء کے ایمان لانے کو فرعون نے انکی موسٰی کیساتھ مشترکہ باغیانہ تجویز قرار دیا اور حضرت موسٰی کو انکا استاد و سرغنہ قرار دیا ۔

● ۳ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ کا معنٰی اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا نہیں ، بلکہ مِنْ خِلَافٍ کا معنٰی ہے بوجہ یعنی بسبب بغاوت کے اور یہاں مِنْ بمعنٰی وجہ ہے ۔ پوری تفصیل دیکھیے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳۳ کی تفسیر میں گزر چکی ہے ۔

● سورہ طٰہٰ میں بھی فرعون کے بالکل یہی الفاظ آئے ہیں ۔ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ ۲۰ ۷۱ بیشک وہ (موسٰی) تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں دھوکا دہی کی تجویز سکھائی ہے ۔ پس میں تمہاری بغاوت کی بدولت تمہارے ہاتھوں میں ہتکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈالکر قید کردونگا ۔ اور پھر تمہیں سُولی دیدونگا ۔ مگر انہوں نے جواب دیا :-

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝۱۲۵
کہا بیشک ہم طرف رب اپنے لوٹنے والے ہیں

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ
اور نہیں تو انتقام لیتا ہم سے مگر یہ کہ ایمان لائے ساتھ آیتوں

رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا
رب اپنے کی جب آئیں ہمارے پاس اے رب ہمارے ڈال دے اوپر ہمارے

صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝۱۲۶ ع ۱۴ ۱۸
استقامت اور فوت کر ہم کو فرمانبردار

(فرعون کے حق شناس علماء نے کہا) بلاشبہ ہم اپنے رب کیطرف لَوٹنے والے ہیں (اور ہم اپنے رب کی عالمگیر ربوبیت عامہ پر ایمان لائے ہیں ۔ اور (اے فرعون !) تو ہم سے صرف اس چیز کا انتقام لیتا ہے کہ ہم رب کی آیتوں پر جبکہ وہ ہمارے پاس آگئی ہیں ، ایمان لائے ہیں ! اے ہمارے رب تو ہمیں استقامت عطا فرما اور ہمیں موت دینا اس حالت میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں (ہم چاہتے ہیں کہ فرعون کی سختی کے باوجود تیرے فرمانبردار رہکر مریں) ۔

● سورہ طٰہٰ میں ان حق شناس علماء کا یہ جواب درج ہے :-
● قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۭ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۲۰ ۷۲-۷۳ = (فرعون کے حق پسند علماء نے) کہا ہم تجھے ان واضح دلائل پر جو ہمارے پاس آگئے ہیں اور اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے ہرگز ترجیح نہیں دینگے ۔ تو ہمارے متعلق جو بھی فیصلہ کرنا چاہے کر دے ، ہم اپنے رب کی عالمگیر ربوبیت عامہ پر ایمان لے آئے ہیں تاکہ وہ ہماری

خطائیں معاف کر دے ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھلائی والا اور بڑھ کر باقی رہنے والا ہے ۔

● جادوگروں کی اس حق شناسی کی اس حق پسندی کا فرعون اور اسکے سرداروں پر کوئی اثر نہ ہوا ۔ بلکہ قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون کو کہا ۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی
اور کہا سرداروں نے قوم فرعون کے کیا تو چھوڑتا ہے موسیٰ

وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ[1] وَ
اور قوم اسکی تاکہ بغاوت کریں زمین میں اور وہ چھوڑ دیں تجھے اور

اٰلِهَتَكَ[2] قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ
حکام تیرے کو کہا ضرور ہم قتل کرینگے بیٹے ان کے اور زندہ رکھیں گے

نِسَآءَهُمْ[3] وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ○ ۱۲۷
عورتیں اُن کی اور بیشک ہم اُن پر غالب آنیوالے ہیں

اور قوم فرعون کے سرداروں نے (فرعون کو) کہا، کیا تو موسیٰ اور اسکی قوم کو (آزاد) چھوڑتا ہے تاکہ وہ (تیری حکومت کی) زمین میں بغاوت پھیلائیں اور تجھے بھی چھوڑ دیں (یعنی تیرے اختیاراتِ ربوبیت کا بھی انکار کر دیں[1]) اور تیرے حکام کو بھی چھوڑ دیں (ان کا حکم بھی نہ مانیں) اُس نے کہا ضرور ہم اُنکے ابناء القوم (تحریکِ ربوبیت میں آگے بڑھ کر حصہ لینے والوں) کو قتل کرینگے اور (پیچھے رہنے والے عورت صفت افراد) کو زندہ رکھیں گے اور بیشک ہم اُن پر غالب آنیوالے ہیں[2]۔

● [1] یَذَرَکَ کا لفظی معنی یہ ہے کہ وہ تجھے چھوڑ دیں گے ۔
مگر چونکہ حضرت موسیٰ نے قوم سے اُسکے دعویٰ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ۷۹/۲۴ کا انکار کروایا تھا اسلئے اِس سے اُسکی ربوبیت کا انکار مراد ہے ۔

● [2] اٰلِهَة جمع ہے اِلٰہ کی اور اِلٰہ کا معنی ہے حاکم اسلئے اٰلِهَتَكَ کا معنی ہے تیرے مقرر کردہ حکام ۔ پیچھے صفحہ ... پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ فرعون، اُسکے سردار اور اسکی قوم، سب خدا تعالیٰ کی ہستی کو مانتے تھے ۔ یہاں چونکہ فرعون کو بغاوت کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا اسلئے سردارانِ فرعون نے کہا کہ اگر تو موسیٰ اور اُسکی قوم کو آزاد چھوڑتا ہے تو وہ تیرے ربِّ اعلیٰ کے اعلان کا بھی انکار کر دیں اور تیرے مقرر کردہ حکام کا حکم بھی نہیں مانیں گے ۔ ملک میں بغاوت پھیلا دیں ۔

● [3] فرعون نے بغاوت کو کچلنے کیلئے اعلان کیا کہ ہم اُنکے ابناء القوم کو قتل کر دینگے جو تحریک میں آگے بڑھ کر حصہ لینگے اور جو پیچھے رہ گئے عورت صفت افراد ہیں اُنہیں زندہ چھوڑ دینگے ۔ فرعون کے اِس اعلان کے جواب میں حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو مستقل مزاج رہنے کا حکم دیا ۔

قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ
کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی مدد چاہو سے اللہ اور ثابت قدم رہو

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
بیشک ہے زمین واسطے اللہ کے وارث کرتا ہے اسکا جسے چاہتا ہے سے

(فرعون کے مذکورہ بالا اعلان کے جواب میں) حضرت موسیٰ نے قوم کو کہا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو ۔ (حالات کا مقابلہ مستقل مزاجی کیساتھ کرو) بلاشبہ زمین اللہ کی ہے (فرعون کی نہیں ہے) ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے بھی زمین کا

عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۸
بندوں اپنے اور انجام ہے واسطے بچنے والوں

وارث بناتا ہے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق بناتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہتر انجام قوانینِ الٰہی کی نگہداشت کرنیوالوں کا ہوتا ہے۔

● ملہ زمین اللہ کی ہے یعنی اِس پر ملکیت کا دعویٰ شرک ہے۔

زمین کی وراثت طاقت سے ملتی ہے

● ملہ وراثتِ ارضی کا قانونِ مشیت ہے طاقت - چنانچہ بنی اسرائیل کی محکومیا کی بدولت اُن سے حکومت کے چھن جانے کا ذکر کرنے کے بعد ۳/۱۱۲ میں بتایا گیا ہے :- ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ — وہ جہاں کہیں بھی ہوں ان پر غلامی مسلط کر دی گئی سوائے اسکے کہ یا تو وہ حَبْلُ اللّٰهِ کیساتھ غلامی سے نکل سکیں گے اور یا حَبْلٌ مِّنَ النَّاسِ کیساتھ۔ حبل کا معنی ہے قانون۔ پس اِس آیت مجیدہ میں غلامی سے نکلنے کے دو طریقے بتائے گئے ہیں، یعنی یا تو اللہ تعالیٰ کے عادلانہ قانون کے ذریعہ طاقت حاصل کیا جا سکتی ہے اور یا انسانوں کے بنائے ہوئے ظالمانہ قانون کیساتھ طاقت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا مشاہدہ گواہ ہے کہ جنہیں کرۂ ارض پر چپہ بھر زمین کی حکومت حاصل نہیں تھی جب انہوں نے انسانوں کے بنائے قانون کے ذریعہ بڑی حکومتوں سے طاقت حاصل کر لی تو درجنوں مسلمان حکومتوں کے وسط میں اُنکی حکومت قائم ہو چکی ہوئی ہے — سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آیا ہے کہ جب فرعون نے اپنے اعلان کے مطابق بنی اسرائیل پر سختی کی تو انہوں نے حضرت موسیٰ کو کہا :-

قَالُوٓا أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَمِنۢ
کہا ایذا دیئے گئے ہم سے پہلے کہ تو آیا پاس ہمارے اور سے

بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ
پیچھے جو آیا تو پاس ہمارے کہا قریب ہے رب تمہارا کہ ہلاک کرے

عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْأَرْضِ فَيَنظُرَ
دشمن تمہارے کو اور جانشین بنائے تمکو بیچ زمین کے پھر وہ دیکھے

كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝۱۲۹ ع
کیسے تم عمل کرتے ہو

(قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو) کہا کہ آپکے آنے سے پہلے بھی ہم ایذا دیئے جاتے تھے اور آپکے آنے کے بعد بھی (ہم ایذا دیئے جا رہے ہیں - اس پر حضرت موسیٰ نے) کہا، قریب ہے کہ (تمہاری مستقل مزاجی کی بدولت) تمہارا پروردگار تمہارے دشمن فرعون کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں اسکا جانشین بنا دے۔ پھر وہ دیکھیگا کہ (حکومت میسّر آنے کے بعد) تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (کیا تم عوام کے حقوقِ ربوبیت ادا کرتے ہو یا نہیں ؟)۔

فرعونیوں پر قحط کا عذاب

● اسکے بعد تحریک آزادی کو کچلنے کیلئے جب فرعون نے سختی شروع کر دی - دلائل کی رُو سے مجبور ہو چکنے کے باوجود نہ اُنکے حقوقِ ربوبیت تسلیم کئے اور نہ انہیں ہجرت کی اجازت دی - تو حضرت موسیٰ نے احتجاج کے طور پر مختلف شعبوں میں ترک کار شروع کرا دی - مصر کے زرخیز کھیتوں میں مشقت کرتے تھے بنی اسرائیل، اور اُنکی محنت کا ماحصل لے جاتے تھے مصری - حضرت موسیٰ نے کھیت مزدوروں سے ترک کار کرا دی، جس کے نتیجے میں قحط پڑ گیا - چنانچہ اگلی

آیت مجیدہ میں یہی خبر دی گئی ہے :۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ
اور بیشک پکڑا ہم نے قوم فرعون کو ساتھ قحط کے
وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳۰
اور کمی سے پھلوں کی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

اور بلاشبہ ہمنے قوم فرعون (کی ضد کی بدولت) اُسے قحط سالی میں مبتلا کر دیا۔ اور پھلوں کی پیداوار میں کمی ہوگئی۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (یعنی بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت تسلیم کریں)۔

● لیکن قوم فرعون نے اشیائی ڈھٹائی کیساتھ رزق کی فراخی کو اپنی طرف منسوب کیا اور قحط کو حضرت موسٰی اور آپکی قوم کی نحوست قرار دیا ہے :۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ
پس جب آتی پاس انکے بھلائی کہتے واسطے ہمارے ہے یہ
وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى
اور اگر پہنچے انہیں برائی، نحوست ٹھہراتے ہیں طرف سے موسٰی
وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
اور جو ہیں ساتھ اسکے۔ خبردار یقیناً نحوست انکی طرف سے اللہ کے
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۱
اور لیکن بہت انکے نہیں وہ جانتے

پس جب (بنی اسرائیل کی محنتِ شاقہ کی بدولت) انہیں فراوانی میسر آتی تو (اُسے اپنی طرف منسوب کرکے) کہتے "یہ ہمارے لئے ہے۔ کیونکہ زمین اور باغات ہمارے ہیں) اور اگر (بنی اسرائیل کے ترکِ کار سے) اُن پر قحط آجاتا تو اُسے موسٰی اور (اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ خبردار اُن کی نحوست (اُن کی ضد کی بدولت) اللہ کے قانون کیمطابق تھی۔ لیکن اُن کی اکثریت جانتی ہی نہیں تھی (کہ زمین کا مالک اللہ ہے اور فصلیں اور پھل محنت کے بغیر میسّر نہیں آتے)۔

● حضرت موسٰی نے بنی اسرائیل سے ترکِ کار کروا کر ثابت کر دیا کہ انہیں بنی اسرائیل کی محنت سے غلہ میسّر آتا ہے۔ لیکن اُنہوں نے کہا :۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا
اور کہا جو بھی لائے گا تو پاس ہمارے ساتھ اسکے سے نشانی تاکہ تو دھوکہ دے ہمکو
بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۲
ساتھ اسکے پس نہیں ہم ساتھ تیرے ایمان لانیوالے

اور (فرعونیوں نے) کہا تو جو بھی نشانی لائیگا کہ تو اُس کے ذریعہ ہمیں دھوکا دے (کہ بنی اسرائیل کے حقوق مصریوں کے برابر ہیں) تو جان لے کہ ہم اس پر ایمان لانیوالے نہیں ہیں۔ (ہم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا)۔

طوفان، ٹڈی دل، چیچڑیوں، مینڈکوں اور فسادِ خون کی متعدی بیماریوں کے عذاب

● اسکے بعد حضرت موسٰی نے فرعونیوں پر مزدوروں کی محنت کی اہمیت کا عملی ثبوت پیش کرنے کیلئے دوسرے شعبوں میں بھی بنی اسرائیل سے ترکِ کار کے ذریعہ احتجاج کرانا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب شعبۂ انسدادِ سیلاب کے منفرد بنی اسرائیل حکام

چھوڑ دیا تو صدیوں کے آرام طلب اور سہل انگار فرعونی سیلاب پر قابو نہ پاسکے اور موسم برسات میں طوفان کی روک تھام نہ ہوسکی اس لئے پانی دارالسلطنت کے گھروں میں گھس آیا۔ اسی طرح جب شعبۂ ٹڈی دل کے بنی اسرائیل محنت کاروں نے ترکِ کار کر دی تو ٹڈی دل نے ملک میں تباہی مچا دی۔ فی زمانہ ترکِ کار کو ہڑتال کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر شعبہ کے محنت کش بنی اسرائیل مزدوروں کی ترکِ کار، ہڑتالوں کی بدولت معاشرہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو گیا۔ طوفان کی بدولت بستیاں سیم زدہ ہو گئیں، آب و ہوا بے حد مرطوب ہو گئی، اسلئے حشرات الارض، چچڑیوں کی بہتات باعث عذاب بن گئی، نیز فسادِ خون کی بیماریاں پھوٹ پڑیں۔ ساتھ ہی جب طوفان کا پانی اترا تو مینڈکوں کی بہتات پیچھے چھوڑ گیا، جس نے معاشرہ کی زندگی حرام کر دی اب چونکہ یہ سب پروگرام اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ کے ذریعہ قوم بنی اسرائیل کو خود دیئے تھے، اسلئے انہیں اس نے اپنی طرف منسوب کیا ہے:۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ
پس بھیجا ہمنے اوپر انکے سیلاب اور ٹڈی دل اور چچڑیاں

وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ
اور مینڈک اور خون نشانیاں کھلی پھر تکبر کیا اور

كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○ ۱۳۳
تھے وہ قوم جرم کرنیوالے

پھر ہمنے اُن (فرعونیوں) پر سیلاب کا عذاب بھیجا اور ٹڈیوں کا اور چچڑیوں (جوؤں کا حشرات الارض) کا عذاب بھیجا۔ اور مینڈکوں اور فسادِ خون کی بیماریوں کا عذاب کھلی نشانیاں بھیجیں، اِس لئے کہ انہوں نے تکبر کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک مجرم قوم تھی۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے سرِعلی احتجاج کا نتیجہ برآمد ہونے پر قوم فرعون حضرت موسیٰ کو کہتی کہ آپ اپنے پروردگار سے دعا کر کے یہ عذاب دور کر دیں (بنی اسرائیل کو کام پر لگا دیں) ہم آپ پر ایمان لے آئینگے اور بنی اسرائیل کو آپکے ساتھ ہجرت کرا دینگے:۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا
اور جب واقع ہوتا اوپر انکے عذاب کہتے اے موسیٰ دعا کر واسطے ہمارے

رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ
رب اپنے سے ساتھ اسکے عہد کیا ساتھ تیرے البتہ اگر کھولدے تو ہم سے عذاب

لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○ ۱۳۴
ضرور ہم ایمان لائینگے لئے تیرے اور ضرور بھیجینگے ساتھ تیرے بنی اسرائیل کو

اور جب اُن پر (مذکورہ بالا عذابوں میں سے کوئی) عذاب واقع ہوتا تو کہتے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں دعا کیجئے جس کا اُس نے آپ سے عہد کیا ہے۔ اگر آپ ہم سے عذاب دور کر دیں تو بیشک ہم آپ پر ایمان لے آئینگے اور ضرور بنی اسرائیل کو آپکے ساتھ بھیج دینگے (یعنی انہیں ہجرت کرا دیں گے)۔

بُرا ہو علاقائی تعصب کا فرعونیوں نے اسکی حد کر دی

● فرعون اور فرعونیوں نے اپنی خود پیش کردہ شرط کے مطابق بھی جب اُن سے عذاب دور ہو جاتا اپنا وعدہ توڑ دیتے۔ حکومتوں کا یہی قاعدہ ہے کہ جب مزدور

ہڑتال کر دیں تو اُنکے ساتھ وعدہ کرتے ہیں کہ تم کام پر آجاؤ تمہارے مطالبات ضرور پورے کر دئیے جائینگے۔ لیکن جب وہ کام پر آجاتے ہیں تو خود اپنا کیا ہوا وعدہ توڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح فرعون والے بھی ہجرت کی اجازت کا وعدہ کر کے ہڑتال کھلوا لیتے مگر وعدہ پورا نہ کرتے۔ اس طرح حضرت موسیٰ کو متعدد بار ہڑتال کرانا پڑی۔ میعادی وعدے کی میعاد نے تو عمل ختم ہو جاتا ہوتا ہے۔ سلسلہ ورس کی اگلی آیت مجیدہ میں بار بار کی کرائی گئی ہڑتالوں اور اہل فرعون کے میعادی وعدوں اور وعدہ کی مدت گزرنے پر اہل فرعون کے وعدہ توڑنے کا ذکر بالفاظ ذیل آیا ہے:-

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ
پھر جب کھول دیتے ہم سے انکے عذاب۔ ایک میعاد تک جو پہنچنے والے تھے

إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ○ ۱۳۵
اچانک وہ وعدہ توڑ دیتے

پھر جب ہم اُنکے مقررہ وعدہ کے وقت تک کیلئے، جس تک وہ پہنچنے والے تھے، عذاب اٹھا لیتے (یعنی بنی اسرائیل کو کام پر لگا دیتے) تو وہ (وعدہ کی میعاد پوری ہونے پر) اچانک وعدہ توڑ دیتے۔

● بالآخر جب فرعون نے بار بار وعدہ توڑا تو حضرت موسیٰ اپنی قوم کے انقلابی نوجوانوں کو ساتھ لیکر رات کے وقت ہجرت فرما گئے لیکن جیسے کہ پیچھے $\frac{۵}{۱۰۵}$ میں حضرت موسیٰ کا مطالبہ گزر چکا ہے أَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے مگر $\frac{۵}{۱۱۰}$ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس پر فرعون نے اپنی کابینہ سے کہا يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ وہ موسیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دے، یعنی وہ بنی اسرائیل کو اسلئے لے جانا چاہتا ہے کہ تمہارے مشقت کے کام ٹھپ کر کے تمہیں ناکارہ کر دے اور خود طاقت حاصل کر کے تمہیں سرزمین مصر سے نکال کر اس پر خود قابض ہو جائے۔

● چنانچہ جب اسے پتہ چلا کہ حضرت موسیٰ اپنی انقلابی جماعت کیساتھ ہجرت فرما گئے ہیں تو لشکروں سمیت تعاقب کیا۔ حضرت موسیٰ نے بحیرہ قلزم کی آبنا کو پار کرنا تھا۔ آبناء کا پانی جزر کی حالت میں تھا یعنی اسوقت آبناء پایاب تھی۔ آپ ساتھیوں سمیت اُسے پار کر چکے تھے کہ فرعون آپہنچا۔ اس نے مد کی آمد کا جائزہ لئے بغیر فوج کو آبناء میں اتار دیا مگر مد آگئی وہ غرق ہو گئے ارشادِ باری ہے:-

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ
پس بدلہ لیا ہمنے ان سے پھر غرق کیا ہمنے انکو بیچ سمندر کے بسبب اسکے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ○ ۱۳۶
جھٹلایا کو آیتوں ہماری اور تھے سے ان کے بے خبر

پس ہم نے اُن (فرعون اور اسکے لشکروں) سے انتقام لیا اور انہیں سمندر کی موجوں میں غرق کر دیا۔ یہ اسلئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اُن (ہماری آیتوں) سے بے خبر تھے۔

● لفظ یَمّ کا معنی مفتاح اللغات مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۹۰۸ پر دریا، سمندر اور سمندر کی موجیں درج ہے۔ $\frac{۲۰}{۷۸}$، $\frac{۲۸}{۷۰}$ میں یمّ کا لفظ آیا ہے۔ اس سے دریائے نیل مراد نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ اس پر تو پل موجود تھا۔ یہ بحیرہ قلزم کی آبناء تھی جسکو پار کر کے حضرت موسیٰ کو حدود مصر سے پار ہو جانا مقصود تھا۔ بحیرہ قلزم کی آبناء کیلئے جس میں سمندر کا مد و جزر آتا تھا $\frac{۲۰}{۷۸}$ میں اسے

مد کی حالت کا سمندر کا خشک راستہ کہا گیا ہے طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۔ روائتی تفاسیر میں آیا ہے کہ دریا میں ڈنڈا مارنے سے پانی میں راستے بن گئے تھے، اسکے متعلق اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ کی تشریح تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۴۱-۲۴۴ پر دیکھئے، اور جو روائتی تصور ہے کہ پتھر پر ڈنڈا مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑتے تھے، اس کے ضمن میں اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ کی وضاحت جلد اوّل کے حصہ تفسیر کے صفحہ ۸۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں

● سُورہ یونس کی آیت نمبر ۹۰ میں آیا ہے کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو توبہ کی ۔ مگر قبول نہ ہوئی ۔ یہ اس لئے کہ قانونِ خداوندی کے مطابق موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی ۔ توبہ سے متعلق مکمل بحث اسی جلد سوم کے صفحہ ۵۴ پر گزر چکی ہے ۔

کیا پوری قوم بنی اسرائیل سے ہجرت کرائی گئی تھی

● ہجرت موسیٰ کے ضمن میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا قوم کے جملہ افراد بوڑھوں، بچوں، بیماروں، حاملاؤں اور زچّوں سب سے ہجرت کرائی گئی تھی ۔ اس کا جواب حالات کے مطابق بالکل ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کوئی کام عقل ودانش کے خلاف ہرگز نہیں کرتے تھے دیکھئے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا اوّلین مطالبہ بنی اسرائیل کی پُرامن ہجرت کا تھا مگر اسکی اجازت آخر دم تک فرعون نے نہ دی ۔ اسلئے یہ پُر امن ہجرت نہیں تھی، بلکہ پُر خطر ہجرت تھی جس میں بیماروں، بوڑھوں، بچوں اور زچہ عورتوں کیلئے آرام دہ سواریوں کا انتظام نہیں تھا ۔ سواریاں صرف گھوڑے ہو سکتے تھے، جن پر بوڑھوں اور بیماروں کا سفر کرنا ممکن نہیں ۔ پھر فرعون کے تعاقب کا خطرہ سر پہ سوار تھا ۔ اس لئے ایسے حالات میں بچوں، بیماروں، بوڑھوں اور زچہ عورتوں کو ساتھ لے جانا فعلِ پیغمبر ہرگز نہیں ہو سکتا ۔ اسلئے آپ کا اپنی قوم کی انقلابی جماعت کیساتھ ہجرت فرمانا ہی متصوّر ہو سکتا ہے ۔

غیر دانشمندانہ ہجرت کے خوفناک نتائج

● ۲۵-۱۹۲۴ء کے قریب جب ہندوستان پر انگریز حکمران تھا، علماءِ کرام نے کافر کی حکومت سے نکل جانے، ہجرت کر جانے کا فتویٰ دیدیا ۔ چنانچہ افغانستان کی اسلامی سلطنت کی طرف ہجرت شروع ہوگئی ۔ پنجاب اور سندھ کے لاکھوں خاندانوں نے بچوں، بوڑھوں اور حاملاؤں سمیت ہجرت کر دی ۔ چنانچہ اس غیر دانشمندانہ ہجرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغانستان کی سڑکوں اور راستوں پر حاملہ عورتوں کے ہاں بچے پیدا ہوئے، بوڑھے اور بیمار سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکے اور سڑکوں کے کنارے ہزار ہا لاوارث لاشوں کے انبار لگ گئے ۔ جو لوگ افغانستان پہنچ گئے ان کے لئے نہ خوراک کا انتظام تھا نہ رہائش کا، اور نہ ہی سندھ اور پنجاب کے گرم علاقوں کے باشندے افغانستان کی برفانی سردی کی شدت برداشت کر سکے ۔ ہزاروں افراد ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر گئے جو باقی بچے، وہ اس حالت میں کافر حکومت میں واپس آ گئے کہ نہ گھر رہے نہ در رہے ہجرت کرتے وقت اپنی املاک اونے پونے داموں ہندوؤں کے ہاتھ بیچ کر غلط ہجرت کی نذر کر چکے تھے اور ہزارہا خاندانوں کی حالت یہ ہوگئی کہ پھوٹی کوڑی تک پلے نہ رہی ۔

آنحضور نبی اکرمؐ کی ہجرتِ مبارکہ

● حضور نبی اکرمؐ کی ہجرت مبارکہ کو تصور میں لائیں ۔ کہ آپ نے ہجرت سے پہلے مدینہ

منورہ میں اپنے معاون پیدا کئے، جنہوں نے مہاجرینِ مکہ کو نہ صرف ٹھکانہ دیا بلکہ ہر قسم کی مدد کر کے قدموں پر کھڑا کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے انہیں انصار کے معزز لقب سے ملقب فرمایا جو آنحضورؐ اور آپکے مہاجر ساتھیوں کیلئے ہر وقت چشم براہ تھے۔ پس حضرت موسیٰ کی طرف سے بچوں، بوڑھوں، بیماروں، حاملاؤں اور زچہ عورتوں سمیت ایک پر خطر ہجرت کروانے کا تصور تک بھی نہیں کیا جاسکتا۔

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت مجیدہ ۱۳۶/۷ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون کو اُسکے لشکروں سمیت غرق کر دیا گیا۔ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے :-

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ
اور وارث کیا ہمنے قوم کو جو تھے کمزور کر دئے گئے
مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا
مشرقوں زمین کے اور مغربوں اسکے وہ کہ برکت دی ہمنے بیچ اسکے
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اور پورا ہوا قانون رب تیرے کا بوجہ احسن اوپر بنی اسرائیل کے
بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ
بسبب اسکے کہ ثابت قدم رہے اور ختم کر دیا ہمنے جو تھا تعمیر کیا فرعون
وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ ۱۳۷
اور قوم اسکی نے اور جو تھے وہ سلطنت بناتے

اور (فرعون کو غرق کر دینے کے بعد) ہمنے مصر کی زمین کے مشرقوں اور مغربوں کا جس میں ہمنے (فراوانیٔ اجناس و ثمرات کی) برکت رکھدی ہوئی ہے، اُس قوم کو وارث بنا دیا جو (فرعون اور قوم فرعون کی طرف سے) کمزور کر دئے گئے تھے۔ [ملہ]

اور پورا ہو گیا بنی اسرائیل پر تیرے رب (کے قانون کیطابق اُس) کا وعدہ، اِس وجہ سے کہ وہ ثابت قدم رہے (فرعون کے مظالم کا مقابلہ مستقل مزاجی کیساتھ کیا۔ اِس لئے ہم نے فرعون اور اسکی قوم کی (تمام نام نہاد اصلاحی تعمیر) بناوٹ بھی اور جو وہ (استبدادی) سلطنت بناتے رہے تھے ختم کر دی۔

حکومتِ فرعون کے وارث بنی اسرائیل ہوئے

● ملہ غرقِ فرعون کے بعد اُسکی حکومت کا وارث اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ اسکے لئے آیتِ بالا میں اَوْرَثْنَا کے بعد مشارق و مغارب کے الفاظ آئے ہیں، یعنی پوری کی پوری سلطنت کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا تھا۔ سورہ شعراء میں اسکے لئے یہ الفاظ آئے ہیں :- فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۲۶/۵۷ تا ۵۹ ہمنے فرعونیوں کو لدے پھندے باغوں، بہتے چشموں، بھرے خزانوں اور نفیس مکانوں سے نکال دیا۔ بالکل ایسا ہی ہوا۔ اور اُن کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا —— سورہ دخان میں آیا ہے :-

● كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ ۴۴/۲۵ تا ۲۸ = فرعونیوں کیلئے کتنے باغات، چشمے، کھیتیاں، نفیس مکان اور نعمتیں پیچھے چھوڑ گئے جن میں وہ مزے کیا کرتے تھے۔ بالکل ایسا ہوا تھا۔ اور ہمنے اِن سب چیزوں کا وارث دوسری قوم (بنی اسرائیل کو) بنا دیا۔ بنی اسرائیل

کر عطا کردہ اِس حکومت کے متعلق سورہ بقرہ میں بار بار کہا گیا ہے۔ یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۞ ۲/۴۰-۴۷-۱۲۲ اے بنی اسرائیل میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور بیشک میں نے تمہیں مصر کی حکومت عطا کر کے تمہیں لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اس سوال کا جواب تفسیر القرآن بالقرآن جلد اول کے صفحہ ۴۰ میں موجود ہے کہ فرعون کے مرنے کے بعد مصر کی حکومت بنی اسرائیل کے کن افراد کے سپرد ہوئی۔

● ۲ے یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون کا عوام کی فلاح و بہبود کا دعویٰ محض تصنع یعنی بناوٹ محض تھا۔ بنی اسرائیل کو کمزور کر رکھا تھا مگر قارون کو جو قوم بنی اسرائیل ہی میں سے تھا اسلئے نواز رکھا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے استحصال میں فرعون اور فرعونیوں کا معاون تھا۔

● ۳ے وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ کا عام تراجم میں یہ معنی لکھا ہے۔ اور فرعون اور اسکی قوم نے جو کچھ بنایا تھا ہم نے اُسے تباہ کر دیا اور جو اونچی عمارتیں بناتے تھے (ترجمہ مولوی احمد علی لاہوری مرحوم) یہ ترجمہ اسلئے صحیح نہیں کہ خود اسی آیت ۷/۱۳۷ کے الفاظ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ کی مخالفت بھی کرتا ہے اور اوپر دیگئی آیات مجیدہ ۲۶/۵۹ اور ۴۴/۲۵-۲۸ کی بھی مخالفت کرتا ہے، جن میں اعلان کیا گیا ہے کہ غرق فرعون کے بعد اُن کے اُن باغوں، چشموں، خزانوں اور نفیس مکانوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا جن میں وہ مزے کیا کرتے تھے۔ اگر فرعون اور فرعونیوں کی بنائی ہوئی مذکورہ چیزوں اور بلند عمارتوں کو تباہ کر دیا گیا تھا تو بتائیے کیا بنی اسرائیل کو کھنڈرات کا وارث بنایا گیا تھا۔ فرعون اور فرعونیوں نے عوامی اصلاحات کا جو تصنع بنایا ہوا تھا، اُسکا خاتمہ کر دیا گیا اور اسکی جگہ ربوبیت عامہ پر مبنی اصلاحی نظام کیا گیا جس میں ہر فرد انسانی کے حقوق بحیثیت مساوی اور متوازن تسلیم کئے گئے تھے۔

● ۴ے وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ کا یہ روائتی ترجمہ کہ وہ جو اونچی عمارتیں بناتے تھے سب تباہ کر دیگئی تھیں بوجوہ بالا غلط ہے۔ یَعْرِشُوْنَ کا سہ حرفی مادہ ع۔ ر۔ ش ہے عرش کا معنی عربی ادب کے مطابق سلطنت بھی ہے۔ اسلئے یَعْرِشُوْنَ کا معنی ہے جو وہ ظالمانہ سلطنت بناتے رہے تھے، اُسے ختم کر دیا گیا اور حضرت موسیٰ کی ہدایات کے مطابق ربوبیت عامہ پر مبنی حکومت قائم کیگئی جس میں کوئی بھوکا تھا نہ ننگا۔ نہ بے علاج تھا نہ بے مکان۔

بنی اسرائیل کا ایک عجیب واقعہ

● فرعون لشکروں سمیت غرق ہو گیا، حکومت مصر اور فرعون کا جینے کے رجال مومن اور حضرت ہارون کے سپرد ہوئی۔ حضرت موسیٰ اپنی جماعت کو سمندر کی آبنائے سے پار کر کے لے جا رہے تھے کہ انکا گزر ایک بستی سے ہوا جہاں کے لوگ بتوں کے سامنے جھکے بیٹھے تھے۔ اس پر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے مطالبہ کیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا

اور پار کیا ہمنے کو بنی اسرائیل سمندر سے پھر وہ آئے

اور ہمنے بنی اسرائیل کو سمندر (کی آبنائے) سے پار اُتار دیا تو وہ ایک ایسی قوم پر آئے جو بتوں کے آگے جھکے ہوئے تھے اُنکو

عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى

او پر ایک قوم کے جھکے بیٹھے تھے آگے بتوں کے واسطے انکے کہا اے موسیٰ

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ

بنا واسطے ہمارے ایک دیوتا مانند واسطے انکے دیوتاؤں کے کہا بیشک تم ہو

قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ ۱۳۸

قوم جہالت کرتے ہو

(بنی اسرائیل) نے کہا کہ اے موسیٰ ہمیں بھی ایک دیوتا بنا دیجئے جیسے کہ ان لوگوں کے دیوتے ہیں۔ (حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں) فرمایا بیشک تم ایسی قوم ہو جو تم جہالت کرتے ہو[1]

● ۱؎ اگرچہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی قیادت میں ایک طویل عرصہ سے فرعون کے خلاف سرگرم عمل رہی تھی، اور حضرت نے انہیں وحدتِ باری سے پوری طرح روشناس کرا دیا تھا اور بت پرستی کے شرک سے بھی آگاہ کر دیا تھا، لیکن صدیوں کی غلامی نے انکے دماغ ایسے ماؤف کر رکھے تھے کہ بت پرستوں کو بتوں کے ساتھ سجدہ ریز دیکھ کر انہیں یاد ہی نہ رہا کہ کس سے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ایک بت بنا دیجئے۔ لیکن حضرت نے نہایت تحمل اور متانت کیساتھ اُن جاہلوں پر کھل کر واضح کر دیا:۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ

بیشک یہ عمل ضائع ہونیوالا ہے جو ہیں وہ بیچ اسکے اور غلط ہے

مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۳۹

جو ہیں وہ عمل کرتے

(آپ نے فرمایا) بیشک یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں ضائع ہونیوالا ہے اور جو وہ عمل کر رہے ہیں وہ باطل ہے (غلط ہے درست نہیں ہے)

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ

کہا کیا میں سوائے اللہ تلاش کروں تمہارے لئے حاکم حالانکہ اس نے

فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۴۰

فضیلت دی تمکو اوپر جہانوں کے

فرمایا کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں (تمہارے زمانے اور علاقے کے) لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے (تمہیں حکومت تک سے نواز دیا ہے)۔

(اگلی آیت میں خدا تعالیٰ کا خطاب ہے)

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

اور جب نجات دی ہمنے تمکو سے قوم فرعون کے پہنچاتے تھے تمکو

سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

برا عذاب ذلیل کرتے تھے بیٹوں تمہارے کو اور درگزر کرتے تھے

نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

عورتوں تمہاری سے اور بیچ اسکے تمہارے آزمائش تھی رب تمہارے

اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب ہمنے تم کو قوم فرعون سے نجات دی۔ وہ تمہارے ابناءِ قوم (یعنی آگے بڑھ کر حقوقِ ربوبیت مانگنے والوں) کو ذلیل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں (پیچھے رہنے والے عورت صفت افراد) سے درگزر کرتے تھے۔ اِس میں تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری استقامت کا ایک بہت بڑا اظہار تھا[1]۔

عَظِيمٌ ۝ ۱۴۱
بہت بڑا

ع ۱۶
۶

● ؎ بَلَآءٌ اگر بندوں کی طرف سے ہو تو اسکا مصدری معنی ہوتا ہے آزمانا، اور اگر اللہ کی طرف سے ہو تو اسکا مفہوم ہوتا ہے ظاہر کرنا۔ کیونکہ اللہ عالم الغیب ہے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اُسے کسی کو آزمانے کی ضرورت نہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں وادیٔ طور میں کتاب موسیٰ کو الواح (یعنی تختیوں) پر لکھوانے کا ذکر باندازِ ذیل اور بالفاظِ ذیل آیا ہے:۔

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ
اور وعدہ ٹھہرایا ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا اور

اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ
پورا کیا ہم نے ساتھ دس راتوں کے پھر پوری ہوئی مدت رب اسکے کی

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ
چالیس راتیں اور کہا موسیٰ نے واسطے بھائی اپنے ہارون کے

اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ
جانشینی کر میری بیچ قوم میری اور اصلاح کرنا اور نہ اتباع کرنا راستے

الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۱۴۲
فساد یوں کی

اور ہم نے موسیٰ کیساتھ (کتاب کو الواح میں لکھوانے کا) تیس ؎ راتوں کا وعدہ ٹھہرایا۔ پھر (ایک مخصوص واقعہ کی بدولت) ہم نے اُسے دس راتوں کے ساتھ پورا کیا۔ (اس طرح) اُس (موسیٰ) کے رب کی مدت پوری ہوئی چالیس راتیں۔ اور موسیٰ نے (قوم میں سے آتے وقت) اپنے بھائی ہارون کو کہا کہ تم (میرے بعد) میری قوم میں میری جانشینی (کے فرائض ادا) کرنا۔ اور اصلاح کرنا۔ اور فساد کرنیوالوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا۔

● ؎ کتابتِ کتاب کا کام تیس راتوں ہی کا تھا۔ لیکن دس راتوں کی تاخیر ذیل کے مخصوص واقعہ کی بدولت ہوگئی:۔

وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ
اور جب آیا موسیٰ واسطے مدت ہماری اور کلام کی اُس سے

رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ
رب اسکے نے کہا اے میرے رب دکھا مجھ کو میں دیکھوں تجھے۔ کہا

لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ
ہرگز نہ دیکھیگا تو مجھے اور لیکن دیکھ طرف پہاڑ کے پھر اگر ٹھہرا

اور جب آیا موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر اور اُس کے رب نے اس سے (بذریعہ جبریل) کلام کیا تو موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے (اپنا آپ) دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھیگا۔ اور لیکن تو پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تو مجھے دیکھ سکیگا۔ پھر جب اُس کے رب نے پہاڑ کو (ایک شدید زلزلے کے ساتھ) ہلایا

مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ جگہ اپنی پر تو عنقریب دیکھیگا مجھے پھر جب روشن کیا رب اسکے نے	(۲/۵۵) اور تجلی کے ساتھ اُسے روشن کیا تو اُسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسٰی بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ پھر جب افاقہ ہُوا (یعنی ہوش میں آیا) تو کہا کہ اَے میرے پروردگار تو دیکھے جانے سے (۶/۱۰۲) پاک ہے۔ میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں (آئندہ تجھے دیکھنے کا سوال نہیں کروں گا)۔ اور میں ایمان لانیوالوں میں سے پہلا ایمان لانیوالا ہوں (کہ تجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا)۔
لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ واسطے پہاڑ کے کر دیا اسکو ریزہ ریزہ اور گرا موسٰی بیہوش ہوکر	
فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ پھر جب افاقہ ہُوا کہا پاک ہے تو میں توبہ کرتا ہوں طرف تیری اور	
اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ۱۴۳ میں ہوں پہلا مومنوں کا	

حضرت موسیٰؑ نے اللہ کو دیکھنے کا سوال کیوں کیا؟

● ۱ اس سوال کا جواب تصریفِ آیات قرآنیہ کی رُو سے یہ ہے :۔ (۲/۵۵-۵۶) میں بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے :- وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وہ وقت قابلِ ذکر ہے (اَے بنی اسرائیل جب تمہارے کچھ افراد نے) کہا کہ اَے موسٰی ہم آپ پر اُسوقت تک ایمان نہیں لائینگے یہانتک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہرانہ دیکھیں (اس پر حضرت موسٰی نے اللہ کو دیکھنے کی درخواست کی) تو تمکو زلزلے نے پکڑ لیا اور تم دیکھتے تھے (تم بیہوش ہوگئے) پھر ہم نے تمہیں اس بیہوشی کی موت سے اُٹھایا تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

● ۲ یہ کہاں کا واقعہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے کتنے آدمی تھے۔ اسکا جواب (۷/۱۵۵) میں دیا گیا ہے :- وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ اور موسٰی نے (کتاب لکھنے کیلئے) اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو ہماری مقررہ (۳۰ راتوں کی) مدت کیلئے چُنا۔ پھر جب (اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا) تو انہیں زلزلے کی گڑگڑاہٹ نے پکڑ لیا۔ اِن تینوں مقامات (۷/۱۴۳) + (۷/۱۵۵) + (۲/۵۵-۵۶) کو یکجا کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ ان ہرسہ آیات مجیدہ میں ایک ہی واقعہ کے مختلف حصے بیان ہُوئے ہیں۔ یہ ستر آدمی تھے، جنہیں حضرت موسٰی نے کتاب لکھنے کیلئے منتخب کیا مگر جب وادیِ طور میں پہنچے تو انہیں شوق ہُوا کہ جب حضرت موسٰی کیساتھ کلام بیاں ہوتی ہے تو کیوں نہ اللہ کو دیکھ لیا جائے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم اُسوقت تک ایمان نہ لائینگے کہ اللہ آپ کے ساتھ کلام کرتا ہے جبتک آپ ہمیں ظاہرانہ دکھا دیں۔ اِس پر حضرت نے رَبِّ اَرِنِیْ کا مطالبہ کر دیا۔ خدا تعالیٰ کو تو (۶/۱۰۳) کے مطابق کوئی آنکھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پہاڑ کی طرف دیکھو کیا پہاڑ ہماری تجلی کی تاب لا سکتا ہے۔ اس کی چمک سے پہاڑ میں زلزلہ آ گیا، توڑ پھوڑ سے گڑگڑاہٹ پیدا ہُوئی۔ وہ ستر آدمی مع حضرت موسٰی بیہوش ہوکر گر پڑے، دس راتوں کے بعد ہوش آیا۔ حضرت موسٰی نے اپنے ساتھیوں کے مطالبہ پر رَبِّ اَرِنِیْ کا مطالبہ کیا تھا۔ اور دس راتوں کی بیہوشی کی بدولت تیس راتوں میں دس راتوں کی تاخیر ہوگئی تھی۔

● ۳ لَن تَرٰىنِیْ کے الفاظ میں چونکہ مضارع پر لَن داخل ہوا ہے اسلئے اسکا معنی یہ ہے کہ تُو کبھی بھی مجھے نہیں دیکھیگا- ۶/۱۰۴ میں کلیہ کے طور پر اعلان کر دیا گیا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ : اسے نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی بصیرت اُسے پا سکتی ہے جو اہل تصوف یہ کہتے ہیں کہ ہمنے اللہ کو دیکھا ہے، وہ دو جرموں کے مجرم ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ۶/۱۰۴ کے قرآنی کلیہ کی تکذیب کرتے ہیں اور دوسرا یہ کہ اپنے آپکو حضرت موسیٰ سے افضل قرار دیتے ہیں کہ وہ تو ایک صاعقہ یعنی بجلی کی چمک کی تاب نہ لا سکے تھے - یہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔

تجلّٰی رَبُّہٗ کا روائتی مفہوم

● ۴ تجلّٰی رَبُّہٗ کی تفسیر بصورت فائدہ "اصلی روائتی تفسیر موضح القرآن میں بالفاظ ذیل درج ہے:- "پس جسوقت کہ روشنی کی پروردگار اسکے نے یعنی نور اپنا یا نور عرش کا، سوئی کے ناکے کے برابر ظاہر کیا واسطے پہاڑ کے تو کر دیا پہاڑ کو ریزہ ریزہ، اور گر پڑا موسیٰ بیہوش ہو کر دہشت اسکی سے - فائدہ روایت میں ہے کہ ستر ہزار پردوں کے پیچھے سے سوئی کے ناکے کے برابر نور ظاہر کیا تھا - اس ساعت میں جو دیوانہ تھا ہوشیار ہو گیا، جو بیمار تھا تندرست ہو گیا۔ تمام زمین سرسبز ہو گئی اور کھارے پانی میٹھے ہو گئے" ——— یہ ہے روائتی تفسیر کہ سمندر کا پانی میٹھا ہوا ہے اور نہ ریگستان عرب یا سرسبز ہوا نہ خطۂ استوا کا کوئی بھی ریگستانی علاقہ - اب آیئے تجلّٰی رَبُّہٗ کے قرآنی مفہوم کی طرف ۹۲/۲ میں آیا ہے وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى : شہادت ہے دن کی جب وہ ہر چیز کو روشن کر دیتا ہے اس طرح فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ کا معنی ہے پھر جب اسکے رب نے پہاڑ پر (بجلی کی) روشنی ڈالی - کس چیز کی روشنی ڈالی؟ صاعقہ کی - بجلی کی چمک، جو اسقدر تیز تھی کہ پہاڑ میں زلزلہ آگیا، جسکی توڑ پھوڑ سے رجفہ یعنی کڑ کڑاہٹ پیدا ہوئی - یہ زور کی بجلی تھی جس کی تاب پہاڑ نہ لا سکا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔

● اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور آپکے ستر ساتھیوں پر تجربانی دور کے ذریعہ واضح کر دیا ہے کہ انسان تو بجلی کی چمک نہیں دیکھ سکتا، اسے دیکھنے کی کوشش کرے تو بینائی ضائع کر بیٹھتا ہے - ذرا سی شدت کی بجلی کی دہشت سے بیہوش ہو جاتا ہے - یہ خدا تعالیٰ کو کیا دیکھ سکتا ہے جو ذات انتہائی لطیف ہے - تجربے کی رو سے لطیف چیزیں دیکھی ہی نہیں جا سکتیں - مثلاً ہوا لطیف ہے، جسم پر لگتی اور حلق میں سے گزرتی ہوئی صرف محسوس ہوتی ہے مگر دکھائی نہیں دیتی - ایتھر کی صوتی اور عکسی لہریں آواز اور تصویریں لاتی ہیں مگر خود دکھائی نہیں دیتیں، کیوں؟ اسلئے کہ لطیف ہیں - یہی مشاہداتی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نہ دکھائی دینے کی وجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئی ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ...... وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۶/۱۰۴ اُسے نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی عقل و بصیرت اُسے پا سکتی ہے ...... کیونکہ وہ خود تو لطیف ہے نہ دکھائی دینے والا ہے مگر وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

● ۵ حضرت موسیٰ کے الفاظ تُبْتُ اِلَيْكَ کا مفہوم سیاق کلام کیمطابق بالکل یہ ہے کہ میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی تجھے دیکھنے کی درخواست نہ کرونگا - چنانچہ آپنے ہوش میں آنے کے بعد توبہ کر لی تو ارشاد ہوا توبہ قبول - ہمارے صالحات کو محفوظ

تھام لیجئے:-

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ
کہا اے موسیٰ بیشک میں نے برگزیدہ کیا تجھ کو اوپر لوگوں کے

بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ
ساتھ پیغاموں اپنے کے اور ساتھ کلام اپنے کے - تھام لے جو دیا میں نے تجھے اور ہو جا

مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۱۴۴
بیچ شکر گزاروں کے

فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں کے مقابلے پر اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے ذریعہ برگزیدہ ٹھہرایا ہے آپ اُس چیز (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات) کو مضبوط تھام لیجئے جو ہم نے آپ کو (بذریعہ وحی) عطا فرمایا ہے - اور (اس پر عمل کر کے) بھرپور جزا پانے والوں میں سے ہو جائیں عـلـه

● عـلـه لفظ شکر کا سہ حرفی مادہ ش - ک - ر = شکر ہے جس کا بنیادی معنی ہے بھرا ہوا ہونا - الشکرۃ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے تھن دودھ سے بھرے رہیں - اور دودھ سے بھرے ہوئے تھنوں کو ضَرَّةٌ شَكْرِىٰ کہتے ہیں - پس اِن معنوں کے مطابق آیتِ بالا میں حضرتِ موسیٰ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ایسا متوازن معاشرہ قائم فرمائیں جس میں ہر کوئی ضروریاتِ زندگی سے بھرپور فیضیاب ہوتا رہے - سورہ طٰہٰ میں آپ کے نام ابتدائی خطاب میں بھی اِسی چیز کا حکم دیا گیا ہے:-

● اِنَّنِىْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝ ۲۰/۱۵ - اے موسیٰ بیشک میں اللہ ہوں - میرے سوا کوئی صاحبِ حکم نہیں - پس تو صرف میری محکومیت اختیار کرنا اور میری نصیحت کے مطابق الصّلوٰۃ (اجتماعی نظام) قائم کرنا - بیشک وہ گھڑی ضرور آنیوالی ہے جسے میں نے مخفی رکھا ہے کہ اُس میں ہر شخص کو اُسکی محنت کی اتنی اُجرت دی جائے، جس کیلئے وہ کوشش کرتا ہے - واضح رہے کہ قرآنی معاشرہ میں ہر شخص سے محنت لی جاتی ہے اسکی طاقت کے مطابق اور محنت کی اُجرت (جزا) دی جاتی ہے اُسکی ضرورت کیمطابق - جس شخص کے کندھوں پر دس افراد کا بوجھ ہے اُسے دس افراد کی ضرورت کیمطابق اُجرت ملنی ضروری ہے، کیونکہ اسکی سعی و کوشش دس افراد کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کیلئے ہوتی ہے اور یہی مفہوم ہے لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى کا -

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں بتایا گیا ہے کتابِ موسیٰ دنیوی ہنگاموں سے دور وادیٔ طور میں الواح پر لکھوائی گئی تھی -

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ
اور لکھی ہم نے واسطے اسکے بیچ تختیوں کے سے ہر چیز

مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ
نصیحت اور تفصیل واسطے ہر چیز کے، پس پکڑ اُسے ساتھ قوت کے

اور ہم نے اُس (موسیٰ) کیلئے (لکڑی کی) تختیوں پر لکھوائی ہر چیز نصیحت کی اور تفصیل ہر چیز کی - پھر (ہم نے حکم دیا) اِسے مضبوطی کیساتھ تھام لے اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ وہ اسے اچھی طرح پکڑ لیں (یعنی اس میں مندرج احکام پر پوری طرح

وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُرِيكُمْ
اور حکم کر قوم اپنی کو پکڑیں ساتھ اچھی طرح ضرور دکھاؤں گا تمہیں

دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ۱۴۵
انجام حد میں پھاندنے والوں کا

عمل کریں[۳]) میں ضرور تم کو ان لوگوں کا گھر (بُرا انجام[۴]) دکھاؤنگا جو حد میں پھاندنے والے ہیں۔

● [۱] کَتَبْنَا سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب موسیٰ کو خود لکھا تھا۔ بلکہ یہاں سے تحریر کاتبوں سے لکھوانا مراد ہے۔

● [۲] الواح کا لفظ حضرت نوحؑ کی کشتی کی تعریف میں ۵۴/۱۳ میں آیا ہے ذَاتِ اَلْوَاحٍ کہ وہ لکڑی کے تختوں سے بنائی گئی تھی۔ کتاب موسیٰ کی الواح کے متعلق یہ تصور صحیح نہیں کہ وہ مٹی کی بنی ہوئی تھیں، کیونکہ جب حضرت موسیٰ سے بہت دَور پہلے دَورِ نوحؑ میں لکڑی کے تختے بنائے جا چکے تھے تو حضرت موسیٰ کے دَور میں مٹی کی غیر مضبوط تختیوں پر کتاب لکھوانے کی کیا مجبوری تھی؟

● [۳] يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ وہ اُسکے یعنی کتاب کے اچھے حصّوں پر عمل کریں۔ کتاب تو ساری ہی احسن ہے اسلئے اَحْسَنِهَا کے مرکب اضافی میں مضاف الیہ ضمیر ھَا کتاب کیمطابق اچھے عمل کیلئے آئی ہے کہ لوگ اس پر اچھی طرح عمل کریں۔ اسی چیز کی تائید آیت مجیدہ کے یہ الفاظ کرتے ہیں فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ کہ کتاب کی پُوری نصائح کو مضبوط پکڑ لے، پوری کتاب پر عمل کر۔

● [۴] یہاں دَارَ الْفٰسِقِيْنَ کا معنیٰ فاسقوں کا وہ گھر ہے جو اُنکے فسق کی سزا کے طور پر انہیں میسّر آنے والا اُنکا بُرا انجام ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کے متعلق ارشاد ہُوا ہے کہ ہمنے اُن میں سے نافرمانوں کو اپنی آیتوں سے پھرا ہُوا پایا تھا۔

سَأَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ
ضرور میں پھرے ہوئے پاتا ہوں سے آیتوں اپنی انہیں جو تکبر کرتے ہیں

فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا
بیچ زمین کے بغیر حق کے اور اگر دیکھیں ہر نشانی نہیں

يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ
ایمان لاتے ساتھ اسکے اور اگر دیکھیں راہ راست نہیں پکڑتے اسے

سَبِيْلًا ۚ وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ
راستہ اور اگر دیکھیں راہ گمراہی کی۔ پکڑ لیں اسے راستہ۔ مذکورہ بالا

بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ ۱۴۶
اسلئے کہ بیشک انہوں نے جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری کو اور تھے وہ ان سے غافل رہنے والے

جو لوگ زمین میں ناحق تکبّر کرتے ہیں (انسان کو تکبّر کا کوئی حق حاصل نہیں) میں انہیں ضرور اپنی آیتوں کیلئے پھرا ہُوا پاتا ہوں[۱] ان کی حالت یہ ہے کہ اگر (ربوبیّتِ عامہ) کی ہر ایک نشانی بھی دیکھ لیں تو پھر بھی اُس پر ایمان نہیں لاتے۔ اگر وہ (ربوبیّتِ عامہ کا) سیدھا رستے کو (عملی صورت میں بھی) دیکھ لیں تو پھر بھی اس پر نہیں چلتے۔ اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اس پر چلتے ہیں۔ انکی مذکورہ بالا حالت اسلئے ہے کہ ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا اور وہ اُن سے (یعنی ہماری آیتوں سے) غافل رہتے ہیں

● [۱] حرف سَ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کے دیباچہ صفحہ ۴۹ پر ملاحظہ فرمائیں کہ یہ مستقبل قریب کے علاوہ حال کی تاکید کیلئے بھی آتا ہے۔

● سلہ سَاَصْرِفُ کا یہ معنی غلط ہے کہ میں تکبر کرنیوالوں کو عنقریب اپنی آیتوں سے پھیر دونگا، کیونکہ انہی کے متعلق آگے ارشاد ہوا ہے کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا، انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا ہے (عنقریب جھٹلائیں گے نہیں بلکہ جھٹلا چکے ہیں)۔

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ
اور جنہوں نے جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری۔ اور ملاقات

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
آخرت کی ضائع ہوئے اعمال ان کے نہیں بدلہ دئے جائینگے مگر جو

كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع
تھے وہ عمل کرتے

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کے دن کی (حضورِ الٰہی میں) حاضری کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہوگئے انہیں صرف اُن عملوں کا بدلہ دیا جائیگا جو وہ خود بجالایا کرتے تھے۔

● سلہ یہاں اعمال کے ضائع ہونے کی وجہ بتا دی گئی ہے کہ وہ لوگ اللہ کی آیتوں اور آخرت کے دن کی حاضری کو جھٹلاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر آخروی جزا اُن نیک اعمال کی دی جائیگی جو حضورِ الٰہی میں حاضری کے خوف سے کئے جائینگے۔ اسکے سوا حکومت کے ڈر سے بُرے عملوں سے بچا جائے، یا اسلئے نیک کام کئے جائیں کہ لوگ انکی تعریف کریں، تو جس غرض کیلئے بُرے کاموں سے بچتے رہے کہ دست اندازی پولیس سے بچتے رہیں یا یہ کہ لوگ انکی تعریف کریں، انہیں انکا مطلوبہ بدلہ مل گیا، دست اندازی پولیس سے بھی بچے رہے اور دنیا میں تعریفیں کراتے اور خوش ہوتے رہے۔ پس قیامت میں اُن اعمال کا بدلہ دیا جائیگا جو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے قیامت کی حاضری سے ڈر کر کئے جائیں۔

بچھڑے کی پوجا

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اسوقت کے متعلق بتایا گیا ہے جب حضرت موسیٰ طور پر کتاب لکھوانے کیلئے گئے تو پیچھے قوم بنی اسرائیل نے سامری کے کہنے پر ایک بچھڑے کو معبود بنالیا، اُس سے مرادیں مانگنے لگے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ
اور بنایا قوم موسیٰ نے سے پیچھے اسکے سے گہنوں انکے

عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ
بچھڑا ایک جسم واسطے اسکے آواز کیوں نہ غور کیا انہوں نے بیشک وہ

لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ
نہیں کلام کرتا ان سے اور نہ ہدایت کرتا راہ کی پکڑا اسکو اور

اور انہوں (بنی اسرائیل) نے موسیٰ کے (طور پر جانے کے) بعد انکے زیورات کیساتھ سنگارے ہوئے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ جو محض ایک جسم تھا جس کے لئے صرف بچھڑے کی آواز تھی۔ انہوں نے کیوں نہ غور کیا کہ بیشک نہ اُن سے کلام کرتا تھا۔ اور نہ انہیں سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا تھا۔ انہوں نے اُس (بیکار جسد) کو معبود بنالیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ظالم

كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ○ ۱۴۸ | کام کرنیوالے تھے۔
تھے وہ ظلم کرنیوالے

● علے مِنْ حُلِيِّهِمْ سے پہلے مُزَيَّنًا محذوف ہے۔ اور تقدیرِ کلام یہ ہے مُزَيَّنًا مِنْ حُلِيِّهِمْ یعنی وہ انکے زیورات کے ساتھ سنگارا ہوا تھا۔ روائتی تفاسیر میں آیا ہے کہ سامری ایک سنار تھا۔ اس نے جس بچھڑے کی پوجا کرائی تھی وہ کوئی زندہ بچھڑا نہیں تھا۔ بلکہ اس نے قوم کے زیورات لیکر انکا ایک بچھڑا ڈھالا اور اس میں جبرئیل کی گھوڑی کے پاؤں تلے کی مٹی ڈالکر بچھڑے کی آواز پیدا کی تھی۔ (جس قوم میں غور و فکر کا مادہ باقی نہ رہے وہ جبرئیل کو پروں والی مخلوق، مانکر پھر اسے گھوڑی پر سوار کرتے ہیں) قرآن کریم پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک زرد رنگ کا بے داغ خوبصورت بچھڑا تھا ۲/۶۹ جو نہ بوڑھا تھا نہ بچہ ۲/۶۸، اُسے نہ کنوئیں میں جوتا جاتا تھا نہ ہلوں میں ۲/۷۱۔ سامری خود سانڈ دیوتا کی پوجا کرتا تھا۔ جسے اُس نے گھنگرو اور ٹلیاں پہنا رکھی تھیں اور اُسے مرادیں دینے والا بتا کر لوگوں سے معبود منوالیا۔ بعض عورتوں نے بھی فرطِ عقیدت کیساتھ اپنے زیور اتار کر اُسے پہنا دئے۔ آج بھی یہی حالت ہے کہ بعض لوگ بکرے یا بیل بچھڑے وغیرہ کو گوٹے والا اچھاڑ چڑھا کر اور زیورات پہنا کر گلیوں اور بازاروں میں نمائش کرتے پھرتے ہیں۔ لوگ اُن سنگارے ہوئے جانوروں سے مرادیں مانگتے اور اُن کے حضور میں نذریں نیازیں پیش کرتے ہیں۔ یہی حالت مذکورہ بچھڑے کی تھی اور جو لوگ ان جانوروں کو اچھاڑ چڑھا کر اور زیور پہنا کر نمائش کرتے پھرتے ہیں، سامری اسی قسم کا گئو پرست آدمی تھا۔

● سامری کے متعلق سورہ طٰہٰ میں آیا ہے کہ حضرت موسٰی جب کتاب لکھوا کر واپس آئے تو دیکھا کہ سامری نے قوم بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا پر لگا دیا ہے۔ پہلے تو آپ اپنے بھائی ہارون کو ناراض ہوئے پھر سامری کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

● قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ○ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ○ ۲۰/۹۵-۹۶ حضرت موسٰی نے پوچھا کہ اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔ اُس نے کہا میں نے وہ چیز سمجھی ہے جسے لوگ نہیں سمجھے میں نے سابقہ رسول کے اثر (منسوب احادیث) میں سے ایک اثر (ایک حدیث) لی اور اُسے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور میرے نفس نے مجھے ایسا ہی سمجھایا —— یہ تو ہے ۲۰/۹۵-۹۶ کا صحیح ترجمہ کہ قومیں اپنے گزرے ہوئے رسولوں کی طرف منسوب احادیث کو انکے اثر قرار دے لیتی ہیں۔ سامری نے ایسی ہی کوئی روائت منسوب پیش کی جسمیں سابقہ کسی رسول کی طرف گئو سالہ پرستی منسوب کیگئی تھی۔ قوم نے کسی سابقہ رسول کی سُنت سمجھ کر بچھڑا پرستی شروع کر دی۔

● روائتی تفاسیر نے انہی آیات مجیدہ ۲۰/۹۵-۹۶ کے الفاظ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ کا یہ معنی لیا ہے کہ سامری نے کہا کہ میں نے حضرت جبرئیل کی گھوڑی کے پہیوں کی مٹی بھر مٹی اٹھالی۔ (یہ کوئی نہیں سوچتا کہ سامری کو جبرئیل اور اسکی گھوڑی کہاں مل گئے تھے؟) —— حضرت موسٰی نے قوم کو بھی انکا وعدہ یاد دلایا۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۲۰/۸۶ کہا اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے (اپنی خالص فرمانبرداری کا) اچھا وعدہ نہیں لیا تھا (تمہیں کیا ہوگیا) انہوں نے جواب دیا۔

● قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ۝ ۲۰/۸۷-۸۸ قوم نے کہا کہ (اے موسیٰ) ہم نے از خود آپکے وعدے کیخلاف نہیں کیا - لیکن ہم قوم کی زینت (زیورات جو بچھڑے کو پہنائے گئے تھے) کا بوجھ اٹھوائے گئے ہم نے اسے بلا سوچے سمجھے اٹھالیا"۔ پس اسی طرح سامری نے (بچھڑے کو سنگار کر) ہمیں پیش کیا یعنی اُس نے قوم کیلئے ایک بچھڑا نکالا جو محض ایک جسم ہے۔ اُس میں صرف بچھڑے کی آواز ہے۔ پس سامری اور اُسکے ساتھیوں نے کہا کہ یہ بچھڑا ہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی یہی معبود ہے۔ موسیٰ اپنے اس معبود کو بھول گیا ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۵۲ تا ۵۵ پر اسکی وضاحت کی جا چکی ہے کہ اُسی بچھڑے کو ذبح کرانے کے عملاً ثابت کر دیا گیا تھا کہ وہ جو اپنے آپکو چھری سے نہیں بچا سکا، وہ تمہاری کیا مرادیں پوری کرے گا۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے سامری کو کہا کہ دیکھ ہم تیرے معبود کو ابھی جلا کر اسکی راکھ دریا میں بہا دیتے ہیں۔

● وَانظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ ۲۰/۹۷ اور تو اپنے معبود کیطرف دیکھنا جس کے سامنے تو جھکا ہوا ہے ہم اُسے ضرور ضرور (تیرے سامنے ذبح کرکے ۲/۷۱) جلا دینگے پھر اسکی راکھ بکھیر کر دریا میں بہا کر نیست و نابود کر دینگے۔ اِس آیت مجیدہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سامری نے زیورات کا بچھڑا نہیں ڈھالا تھا۔ بلکہ وہ ایک اصلی بچھڑا تھا جو ذبح بھی ہو سکتا تھا اور جل کر راکھ بھی ہو سکتا تھا۔ اسکے برعکس زیورات کے ڈھالے ہوئے بچھڑے کو چونکہ جلانے اور اسکی راکھ بنانے کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا، اسلئے ثابت ہوا کہ وہ بچھڑا ایک حقیقی بچھڑا تھا، جسے ذبح کرکے، جلا کر اور راکھ بنا کر دریا میں بہا دیا گیا تھا اور سامری سنار نہیں تھا۔ بلکہ ایک گئو پرست مشرک تھا جس نے حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی میں کسی سابقہ رسول کی سنت بنا کر گئو سالہ کو قوم کا اور حضرت موسیٰ کا معبود بنا کر گئو سالہ پرستی شروع کرا دی تھی۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں خود قوم موسیٰ کے ہاتھوں بچھڑے کو ذبح کروا کر اُسے اُن سے چھڑانے کا وہی ذکر اختصاراً کیا گیا ہے جو سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۶۵ تا ۷۲ میں تفصیلاً بیان ہوا ہے۔ اور ساتھ ہی بچھڑا پرستی سے قوم بنی اسرائیل کی ندامت بھی مذکور ہے :-

وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا
اور جب بچھڑا ایا گیا بذریعہ ہاتھوں انکے اور دیکھا بیشک تحقیق گمراہ ہوئے

قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ
کہا البتہ اگر نہ رحم کرتا ہم پر رب ہمارا اور بچاتا واسطے ہمارے ضرور ہوئے ہم

مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ۱۴۹
سے گھاٹا پانیوالوں کے

اور جب خود اُنکے (بنی اسرائیل کے) ہاتھوں (بچھڑے کو ذبح کروا کر اُسے) اُن سے چھڑوا دیا گیا اور اُنہوں نے جان لیا کہ بلاشبہ وہ (گئو سالہ پرستی کرکے) گمراہ ہو گئے تھے تو اُنہوں نے کہا کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرتا اور ہمیں (گئو سالہ پرستی سے) بچا نہ لیتا تو ضرور ہم (آخروی) نقصان اٹھانے والوں میں ہو جاتے۔

● ۱؎ سُقِطَ کا لفظی معنی ہے گروایا دیا گیا۔ یہاں بنی اسرائیل سے گئو سالہ پرستی کا چھڑانا مراد ہے جو آپ نے بچ کرا کے چھڑائی گئی۔

● ۲؎ فی بمعنی بذریعہ کی قرآنی دلیل اور مثال پہلی جلد کے دیباچہ کے صفحہ ۹۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۳؎ رَاَوْا کا معنی انہوں نے دیکھا بھی ہے اور غور کیا بھی ہے۔ کیونکہ دیکھنے کیساتھ ہی متصلاً مقام غور ہے۔

● ۴؎ یَغْفِرْ لَنَا میں غفر کا مصدری معنی ہے بچانا۔ یہاں گئو سالہ پرستی سے بچانا مقصود ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو کوہ طور ہی پر خبر پہنچ گئی تھی کہ قوم نے گئو سالہ پرستی شروع کر دی ہے۔ اسلئے آپ انتہائی غصے کی حالت میں واپس آئے اور اپنے بھائی سے بھی ناراض ہوئے اور قوم سے بھی۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ
اور جب لوٹا موسیٰ طرف قوم اپنی غصے میں افسوس کی، کہا

بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ
بری ہے جو جانشینی کی تم نے میری بعد میرے کیا تم نے جلدی کی حکم سے رب اپنے

وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ
اور رکھیں تختیاں اور پکڑا ساتھ سر بھائی اپنے کھینچا اسے

إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي
طرف اپنی کہا بیٹے ماں میری کے بیشک قوم نے کمزور کر دیا مجھے

وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ
اور قریب تھا قتل کر دیتے مجھے پس نہ ہنسا ساتھ میرے دشمنوں میرے کو

وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ۱۵۰
اور نہ ٹھہرا مجھے ساتھ قوم ظالموں کے

اور جب حضرت موسیٰ (قوم کی نافرمانی پر) افسوس کرتے ہوئے غضبناک حالت میں اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو اپنے بھائی سے اور قوم سے کہا تم نے میرے بعد میری بُری جانشینی کی ہے، کیا تم نے اپنے رب کے حکم (اسکے عذاب کے لئے) جلدی کی ہے اور تختیاں (ایک طرف) رکھ دیں۔ اور اپنے بھائی کو سر تھام کر اسے اپنی طرف بلایا۔ اس نے کہا اے میری ماں جائے بیشک قوم نے مجھے کمزور کر دیا (میرا ساتھ نہ دیا) اور قریب تھا کہ سب میری مخالفت کر دیتے۔ پس تو مجھ پر میرے دشمنوں کو مت ہنسا۔ اور مجھے ظالموں (گئو سالہ پرستی کرنے والوں کا) ساتھی نہ ٹھہرا۔

● ۱؎ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّہٗ کا معنی روائتی تفاسیر میں یہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارونؑ کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ بلکہ سورہ طٰہٰ کے الفاظ ذیل لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ $\frac{20}{94}$ سے روائتی تراجم نے یہ نقشہ پیش کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ہاتھ سے حضرت ہارونؑ کی داڑھی پکڑ لی اور دوسرے سے سر کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ العیاذ باللہ!

● حضرت موسیٰ و ہارونؑ دونوں سگے بھائی بھی تھے اور دونوں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی بھی تھے۔ اسی طرح دنیوں کے اخلاق کا جو نقشہ روائتی تراجم نے پیش کیا ہے اس سے بڑھ کر انبیاء کرامؑ کی کیا توہین ہو سکتی ہے؟ اَخَذَ بِرَاْسٍ کا لفظی ترجمہ "سر سے

پکڑا اور محاوراتی معنیٰ ہے سر پر پہنچ گیا، موقعہ پر آگیا۔ جب قوم بچھڑے کی پوجا میں معروف تھی۔ اور یَجُرُّہٗ اِلَیْہِ کا محاوراتی مفہوم یہ ہے جواب طلبی کیلئے اپنے پاس بلایا۔ جب آپ غصّے کی حالت میں لوگوں کے سامنے ناراض ہونے لگے تو حضرت ہارونؑ نے کہا فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ۔ مجھ پر میرے دشمنوں کو مت ہنسائیے۔ قوم کو میرا مذاق اڑانے کا موقعہ نہ دیجئے میرا قصور کوئی نہیں۔ میں نے بہت سمجھایا مگر قوم نے ایک نہ مانی۔ اور یہی مفہوم ہے ۲۰/۹۴ کے الفاظ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ کا کہ لوگوں کے سامنے میری ذلت نہ کریں کیونکہ لوگوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقعہ میسّر آ جائیگا۔

● انبیاء کرام کتنے ہی غصّے کی حالت میں ہوں، انسانی اخلاق کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے۔ جب حضرت موسیٰؑ حقیقتِ حال سے آگاہ ہوئے تو فرمایا۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

کہا اے میرے رب معاف کر واسطے میرے اور واسطے بھائی میرے اور داخل کر ہمکو بیچ رحمت اپنی اور تو ہے بڑھکر رحم کرنیوالا رحم کرنیوالوں کا ع

(حضرت ہارونؑ کے حقیقتِ حال واضح کرنے پر حضرت موسیٰ نے حضورِ خداوندی میں عرض کیا) اے میرے پروردگار! (مجھ سے اور میرے بھائی سے جو کوتاہی ہو گئی ہے اسکے بدلے) مجھے بھی معاف فرما اور میرے بھائی کو بھی معاف فرما حقیقت یہ ہے کہ تو سب رحم کرنیوالوں کا بڑھکر رحم کرنیوالا ہے۔

جواباً ارشاد ہوا:-

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾

بیشک جنہوں نے پکڑا بچھڑا ضرور پہنچیگا انہیں غضب سے رب ان کے اور ذلت زندگی میں دنیا کے اور مثل مذکورہ ہم بدلہ دیتے ہیں افترا کرنیوالوں کو

(اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں سے جو کچھ ہوا درگزر کیا مگر) بلاشبہ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ہے، انہیں اُنکے رب کی طرف سے ضرور عذاب اور ذلت آئیگی۔ اور اس مذکورہ طریقے سے ہی ہم افترا کرنے والوں کو (اُنکے افترا کا) بدلہ دیتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾

اور جنہوں نے عمل کئے برے پھر توبہ کی سے پیچھے اسکے اور ایمان لائے بیشک رب تیرا سے بعد اسکے ضرور معاف کرنیوالا مہربان

اور (ہمارا قانون یہ ہے کہ) جو لوگ بُرے عمل کریں پھر اُسکے بعد توبہ کریں اور (عملاً) ایمان لائیں، یعنی پھر بُرے عمل نہ کریں تو بیشک تیرا رب اُس کے بعد ضرور معاف کرنے والا مہربان ہے۔

سامری کا بائیکاٹ

● حضرت موسیٰ پر حقیقتِ حال نمایاں ہو گئی کہ قصوروار سامری ہے تو آپ نے اُسے یہ کہکر قوم سے خارج کر دیا۔ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۲۰/۹۷ کہا چلا جا یہاں سے یہاں تجھ پر لازم ہے کہ تو یہ کہے کہ میرا (موسیٰ، ہارون اور سابقہ انبیاء کیساتھ کوئی میل جول، کوئی واسطہ نہیں)۔ تو اس طرح واقعۂ سامری کے اثرات [illegible]

کرنے اور قوم کی اصلاح کر چکنے کے بعد جب آپکا پوری طرح غصہ اتر گیا تو سلسلہ ورس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے -

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ
اور جب دور ہوا سے موسیٰ غصہ پکڑیں تختیاں

وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ
اور بیچ تحریر انکی ہدایت اور رحمت ہے واسطے انکے وہ واسطے رب اپنے

يَرْهَبُونَ ○ ۱۵۴
ڈرتے ہیں

اور جب حضرت موسیٰ سے غصہ (پوری طرح رفع ہو گیا تو - کتاب کی لکھی ہوئی الواح کو اٹھایا اور کار تبلیغ میں معروف ہو گئے) انکی تحریر میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں' ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی تھی -

کتاب لکھوانے کیلئے ستر کاتبوں کو چنا گیا تھا

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر پیچھے گزرے ہوئے واقعہ کتابت کتاب کی طرف رخ کیا گیا ہے - اور اللہ تعالیٰ نے اسکی وضاحت کچھ اور الفاظ ذیل فرمائی ہے -

وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا
اور چنے موسیٰ نے قوم اپنی سے ستر آدمی واسطے وعدے ہمارے

فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم
پھر جب پکڑا ان کو زلزلے نے کہا رب میرے اگر چاہتا تو ہلاک کرتا تو انکو

مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ
سے پہلے اور مجھے بھی کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمکو بوجہ اسکے جو کیا بیوقوفوں نے

مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ
سے ہمارے نہیں ہے وہ مگر قانون تیرا گمراہ ظاہر کرتا ہے ساتھ اسکے جسے تو چاہے

وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ ۖ أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
اور تو ہدایت دیتا جسے تو چاہے تو ہی ہے مددگار ہمارا معاف کر واسطے ہمارے

وَارْحَمْنَا ۖ وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ○ ۱۵۵
اور رحم کر ہمکو اور تو ہی ہے بہتر معاف کرنے والوں کا

اور موسیٰ نے (ہماری کتاب لکھوانے کے) ہمارے وعدہ کیلئے ستر آدمیوں کو چنا - پھر جب (موسیٰ سمیت) ان سب کو (بجلی کی کڑک سے پیدا شدہ $\frac{۲}{۵۵}$) زلزلے نے آپکڑا - (اور وہ سب بیہوش ہو گئے تو حضرت موسیٰ نے ہوش میں آنے کے بعد) کہا کہ اے اللہ اگر تو (اپنی متعینہ اقدار کے مطابق) چاہتا تو ان سب کو اور مجھے بھی اس سے پہلے ہلاک کر دیتا - کیا تو بیوقوفوں کی بعد کے بدلے ہمیں ہلاک کرتا ہے (ہرگز ہلاک نہیں کرتا) جو ہم سے بیوقوفوں نے کی ہے $\frac{۲}{۵۵}$ - نہیں ہے یہ مگر تیرا قانون مشیت ہے - اسی کیساتھ تو اپنی متعینہ اقدار کے مطابق کسی کو گمراہ اور کسی کو ہدایت یافتہ پاتا ہے اپنے قانون مشیت کے مطابق - تو ہی ہمارا کارساز ہے - پس تو ہی ہماری لغزش کے عذر سے ہماری توبہ کی بدولت بچا لے - اور ہم پر رحم کر' حقیقت یہ ہے کہ تو بچا دینے والوں کا بہتر بچاؤ دینے والا ہے -

● اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی التجا کی تھی $\frac{۲}{۵۵}$ تو یہ انکے ستر ساتھیوں میں

میں سے بعض کی ضد کی بدولت تھی - جیسے کہ سورۃ بقرہ میں وضاحتًا بتایا گیا ہے۔

● وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى ٱللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَٰكُم مِّنۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ ۲/۵۵-۵۶ اور (اے زمانۂ رسالتِ محمدی کے یہودیو!) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تم نے (تمہارے بزرگوں کے ان ستر افراد میں سے بعض بیوقوفوں نے (۷/۱۵۵) جنہیں حضرت موسیٰ کتاب لکھوانے کیلئے طور پر لے گئے تھے) یہ کہا کہ ہم اسوقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے (کہ آپکے ساتھ اللہ کلام کرتا ہے) جبتک ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہر نہ دیکھ لیں (اس پر موسیٰ نے ہم سے رَبِّ أَرِنِيٓ ۷/۱۴۳ کی التجا کر دی - تو تمہارے بڑوں کو بجلی کی کڑک والے زلزلے ۷/۱۴۳ نے پکڑ لیا اور وہ اس منظر کو تم (تمہارے بزرگ) آنکھوں سے دیکھ رہے تھے - (پھر ایسا ہوا کہ موسیٰ سمیت تمہارے بزرگ بیہوش ہو گئے ۷/۱۴۳) پھر اس موت کی سی حالت کے بعد ہم نے تمہیں (تمہارے بزرگوں کو) ہوش میں لاکر کھڑا کر دیا تاکہ تم (تمہارے بزرگ) ہیر (شکر کریں - (میرے احکام کیمطابق زندگی بسر کریں) -

● ملہ فِتْنَتُكَ میں فتنہ کا لغوی معنیٰ آزمائش ہے - لیکن جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستعمل ہو تو اسکا معنیٰ آزمائش نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے وہ ہر کسی کے ماضی، حال اور مستقبل کو اچھی طرح جانتا ہے - یہاں اِس لفظ کا معنیٰ قرآنی لغت کے مطابق بتا دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت - جیسے کہ مصدر الفاظ میں آیا ہے تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَآءُ کہ تو جسے گمراہ پاتا ہے مطابق اسکے یعنی اپنے قانونِ مشیت ہی کے مطابق پاتا ہے اور جسے ہدایت یافتہ پاتا ہے اپنے قانونِ مشیت ہی کے مطابق پاتا ہے - تُضِلُّ میں خاصہ وجدان ہے - کسی کو گمراہ، اللہ نہیں کرتا - جو بھی گمراہ ہوتا ہے خود ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے گمراہ ہوا ہوا پاتا ہے کرتا نہیں؛ اور اسی طرح جو کوئی ہدایت اختیار کرتا ہے خود کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہدایت یافتہ پاتا ہے - مَن تَشَآءُ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۰۲ پر يُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُ ۳/۲۶ کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں اب ہدایت و گمراہی کا قانونِ مشیت یہ ہے قُلِ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹ اے رسول! کہہ دیجئے گا کہ حق قرآنِ کریم تمہارے رب کیطرف سے ہے جو کوئی خود چاہے اس پر ایمان لائے اور ہدایت پائے جو کوئی خود چاہے انکار کر دے اور گمراہ ہو جائے۔

رجوع الی المقصود ● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت موسیٰ کی دعا و التجا کے باقی الفاظ بیان کئے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی آرزو سے توبہ کرنے کے بعد آپنے دُنیا و آخرت کی بھلائی طلب فرمائی۔

<u>وَٱكْتُبْ لَنَا فِى هَٰذِهِ ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِى</u>
اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا کے بھلائی اور

اور (اے ہمارے پروردگار) لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا اور آخرت میں بھلائی (یعنی ہم ضرور بھلائی کے کام کرینگے) اللہ نے

فِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ
بیچ آخرت کے بیشک ہم نے رجوع کیا طرف تیری۔ کہا عذاب اپنا پہنچاتا ہوں ساتھ اس کے

مَنْ أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا
جسے چاہوں اور رحمت میری وسیع ہوئی ہر چیز سے پھر ضرور لکھوں گا اسے

لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ
واسطے انکے جو بچتے ہیں اور وہ دیتے ہیں زکوٰۃ اور جو ہیں وہ

بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾
ساتھ آیتوں ہماری ایمان لاتے

فرمایا میں اپنا عذاب اُسے پہنچاتا ہوں، جسے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق چاہتا ہوں۔ (یعنی برے عمل کرنیوالوں کو پہنچاتا ہوں) حقیقت یہ ہے کہ میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے[1] پس ضرور اپنی رحمت ان لوگوں کے لئے لکھتا ہوں (فرض کرتا ہوں) جو میرے قانون کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ اور معاشرہ کے دُبلوں کو فربہی دیتے ہیں اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں (زبانی زبانی ایمان نہیں بلکہ اُن پر عملاً ایمان لاتے ہیں)۔

● ملے وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کے الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے کہ میری' اللہ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ یعنی اُس کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ کوئی شخص اس کی رحمت سے محروم نہ رہے۔ لیکن جو لوگ برے عمل بجالاتے ہیں وہ خود اللہ کی رحمت سے دُور ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اسی آیت مجیدہ میں آیا ہے کہ میں ان لوگوں کیلئے اپنی رحمت فرض کر دیتا ہوں' جو میرے قانون کی مخالفت سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یعنی دُبلوں، کمزوروں کو اُنکی ضروریاتِ زندگی مہیا کرکے اُنہیں فربہی دیتے ہیں۔
● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالتِ محمدی کے اُن یہود و نصاریٰ کا ذکر لایا گیا ہے جو آنحضورؐ پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے:-

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي
وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں ہمارے رسول نبی مکی کی جسے

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ
پاتے ہیں اسے لکھا ہوا پاس اپنے بیچ توراۃ کے اور انجیل کے

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ
حکم کرتا ہے ساتھ احکام الٰہیہ کے اور منع کرتا ہے انہیں سے منکرات الٰہیہ سے

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
اور حلال بتاتا ہے واسطے انکے پاکیزہ چیزیں اور حرام بتاتا ہے اوپر ان کے

الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي
ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے بوجھ ان کے اور طوق جو

وہ لوگ ہمارے مکی رسولؐ نبی (پر ایمان لاکر اُس) کی اتباع کرتے ہیں جسے (یعنی جس کی آمد کی خوشخبری) اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں[1]۔ وہ انہیں معروف یعنی قرآنی احکام کا حکم دیتا ہے اور منکر یعنی ان کاموں سے منع کرتا ہے جو قرآن نے منع کئے ہیں[2]۔ اور وہ احکام قرآنیہ کے مطابق طیبات یعنی) پاکیزہ چیزیں حلال بتاتا ہے[3]۔ اور وہ اُنکے لئے خبائث (یعنی ناپاک چیزوں کو حرام بتاتا ہے۔ اور وہ اُنکے بوجھ اُتارتا ہے اور اُنکے وہ طوق دُور کرتا ہے جو اُن پر (اُنکی گردنوں میں) پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو لوگ اِس (نبی اُمّی) پر ایمان لائیں اور اسکی تعظیم کریں اور اسکی مدد کریں[4] اور اُس نُور (قرآن کریم) کی

كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ
تھیں۔ اوپر ان کے پھر جو لوگ ایمان لائیں ساتھ اسکے اور عزت کریں اسکی

وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ
اور مدد کریں اسکی اور اتباع کریں نور کی جو اتارا گیا ساتھ اسکے

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ۱۵۷ ع
وہی ہیں وہی کامیاب ہونیوالے

اتباع کریں جو اس پہ نازل کیا گیا ہے۔ وہی لوگ ہیں وہی تو فلاح پانے والے (یعنی دنیاو آخرت میں کامیاب ہونے والے) ہیں۔

● ۱۔ اُمّی کا لفظ جہاں آنحضورؐ کی تعریف کیلئے آیا ہے وہاں اسکا معنیٰ ان پڑھ نہیں بلکہ مکی ہے کیونکہ ۴۲/۷ میں مکہ معظمہ کو اُمّ القریٰ کہا ہے۔ اسلئے اُمّ کیساتھ یائے نسبتی لگا کر آپکو اُمّی یعنی مکی کہا جاتا ہے۔ سورہ جمعہ میں اسکی وضاحت بالفاظِ ذیل کر دی گئی ہے ھُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ ۲/۶۲ وہ اللہ ہی ہے جس نے مکے والوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔۔۔ آنحضورؐ کو جن لوگوں کے اندر انہی میں سے رسول مبعوث فرمایا گیا تھا وہ سب ان پڑھ نہیں تھے بلکہ مکی تھے جن میں مکی رسول مبعوث کیا گیا تھا۔ ۶۲/۲ کا یہ معنیٰ کس قدر تعجب انگیز غلط ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک ان پڑھ رسول مبعوث فرمایا۔ یا للعجب!

● ۲۔ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ کے الفاظ سے ثابت ہے کہ آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خبر توراۃ میں بھی نازل کر دی گئی تھی اور انجیل میں بھی اُسے نازل کر دیا گیا تھا۔ توراۃ و انجیل کے جن موجودہ نسخوں میں آنحضورؐ کی خوشخبری موجود نہیں ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے متعصب یہود و نصاریٰ نے خود خارج کر دی ہے۔

● ۳۔ المعروف کا لفظی معنیٰ ہے جانا ہوا۔ یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہے احکام قرآنیہ۔

● ۴۔ المنکر المعروف کی ضد ہے یعنی غیر معروف یہ بھی قرآنی اصطلاح ہے معنی وہ کام جن سے قرآن نے منع کر دیا ہے۔

● ۵، ۶۔ یُحِلُّ اور یُحَرِّمُ کا یہاں لفظی معنی مراد نہیں کہ مکی رسول حلال کرتا حرام کرتا ہے کیونکہ اللہ کے رسول اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے، اللہ کے دین میں رد و بدل کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ ۱۵/۱۰ میں خود آنحضورؐ کا اعلان موجود ہے مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ۔ میں اس امر کا مجاز نہیں ہوں کہ اللہ کے کلام کو اپنی خواہش سے بدل دوں۔ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ رسولؐ کے ذمہ صرف اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہے مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۹۹/۵۔ چنانچہ آنحضورؐ کو حکم دیا۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۶۷/۵ اے رسولؐ جو کچھ آپکے رب کی طرف سے آپکی طرف نازل کیا گیا ہے اُسے لوگوں تک پہنچا دیں۔ اگر کسی چیز کو آنحضورؐ حلال یا حرام کریں تو دین اللہ ناخالص ہو جاتا ہے جس کے متعلق آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے:-

● اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ۲-۳/۳۹ بیشک ہم نے آپ کی

طرف اپنی سچی کتاب نازل فرمائی ہے۔ پس آپ اللہ کی فرمانبرداری کریں اُسکے دین (قرآن) کو خالص رکھتے ہوئے۔ خبردار اللہ کیلئے خالص دین ہے (ملاوٹ والا دین اسکے ہاں قبول نہیں)۔

● سورہ تحریم میں آیا ہے یَاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۶۶-۱ اے نبی! آپ کیوں حرام کرینگے اُس چیز کو جو اللہ نے آپکے لئے حلال فرمائی ہے (یعنی آپ ایسا ہرگز نہیں کرینگے) اس آیت میں دو چیزوں کا ثبوت ملتا ہے۔ پہلی یہ ہے۔ حلال وحرام کرنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور دوسری یہ کہ آنحضور کو کسی چیز کو حلال وحرام کرنے کا حق حاصل ہے اور نہ آپ نے کسی چیز کو حرام (یا حلال) کبھی بھی کیا تھا۔ پس آیت بالا زیر بحث ۷-۱۵۷ میں مذکورہ بالا حقائق قرآنیہ کے مطابق یُحِلُّ اور یُحَرِّمُ کا صحیح مطلب یہی ہے جو لکھا گیا ہے کہ وہ (اُمّی نبی رسولؐ) پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام بتاتا ہے (حلال وحرام کرتا نہیں)۔

● ۷ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ کا دائرہ بہت وسیع ہے کہ آنحضورؐ نے عوام پر قرآنی احکام نافذ کرکے قرآنی سلطنت کی حدود میں بسنے والوں پر پڑے ہوئے تمام بوجھ اتار دیئے تھے۔ یعنی نظام ربوبیت کے قیام کی بدولت ضروریاتِ زندگی کے جس بوجھ تلے الگ الگ افراد دبے ہوئے تھے، وہ تمام بوجھ مرکزی حکومت کی طرف منتقل کر دیئے گئے۔ اور اغلال یعنی طوق لوگوں نے اپنے اپنے بزرگوں کی تقلید کے پٹے اپنی گردنوں میں ڈال رکھے تھے، نیز قومی، قبائلی، علاقائی اور خاندانی رسم ورواج کے جو قلادے اپنی اپنی گردنوں میں پہنے ہوئے تھے، آنحضور نے سب کے سب اتار پھینکے۔ اور انہیں ان تمام جکڑ بندیوں سے آزاد کر دیا۔

● ۸ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ کے الفاظ میں آنحضورؐ پر ایمان لانے کی صحیح صورت بتادی گئی ہے کہ آنحضور پر صحیح ایمان اُس شخص کا ہے جو ایمان لانے کے بعد آپکی تعظیم وتکریم میں کسی قسم کی کمی نہ رہنے دے اور قرآنی نظام کے قیام میں آپکی مدد بھی کرے۔ جبتک آنحضور بنفس نفیس اُمت میں موجود رہیں اسوقت تک آپکی حمایت اور مدد کرنا اپنا فرض جانے اور جب آپ دنیا سے تشریف لے جائیں تو آپکے قائم کردہ نظام اور آپکے قرآنی مشن کو آگے سے آگے بڑھانے میں خود بھی کوشاں رہے اور جو لوگ اس نظام کے سربراہ ہوں انکی مدد کرتا رہے۔

● ۹ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ کے الفاظ میں آنحضورؐ پر ایمان لانے کی عملی تصدیق کا اعلان کر دیا ہے کہ جو لوگ آنحضورؐ پر ایمان لائیں ان پر لازم ہے کہ وہ اُس نور کی اتباع کریں جو آنحضور کے ساتھ نازل کیا گیا تھا۔ وہ قرآن کریم ہے۔ اس جملے میں اُنْزِلَ مَعَهٗ کے الفاظ انتہائی اہم ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم تو آپکی طرف نازل کیا گیا تھا۔ نہ یہ کہ آپ بھی نازل ہوئے تھے اور قرآن کریم بھی آپ کے ساتھ نازل ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نزولِ کریم سے ماقبل زمین پر موجود تھے۔ قرآن کریم کو نازل فرمایا گیا تھا اور آپکو زمین میں بحیثیت نبی مبعوث فرمایا گیا تھا۔ تو اس طرح قرآن اور رسول کی معیت یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزول سے پہلے آپ محمد بن عبد اللہ تھے، اس کے نزول کے ساتھ آپ محمد رسول اللہ ہوئے۔ بالفاظ دیگر اہل عالم کی طرف قرآن کو رسول

اور آنحضور کی بعثتِ مبارکہ میں مثبت ہے کہ ایک ہی وقت پر اِدھر آپ کی طرف قرآنِ کریم نازل ہُوا اُدھر آپ نبی رسول ہو گئے۔

● نیز وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ کے الفاظ میں دو چیزوں کا اعلان کیا گیا ہے ﴿ا﴾ - پہلی یہ کہ قرآن نور ہے اور ﴿ب﴾ دوسری یہ کہ قرآن کریم ہی واجب الاتباع ہے - اِن ہر دو شقوں کی الگ الگ وضاحت پیش خدمت ہے :-

﴿ا﴾ - قرآن نور ہے - سورہ نساء میں ارشاد ہُوا ہے :- یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ ۴/۱۷۵ اے نوعِ انسانی بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل قاطعہ آگئی ہے یعنی ہم نے تمہاری طرف نور (قرآن کریم) نازل کر دیا ہے - اور ۷/۱۵۷ میں بھی نور کو نازل کردہ بتایا گیا ہے - اور اس آیت مبارکہ ۵/۱۵ میں بھی نور کو نازل کردہ بتایا گیا ہے - اسی طرح سورہ تغابن میں بھی آیا ہے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ۶۴/۸ پس ایمان لاؤ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسول کیساتھ اور اس نور کیساتھ جو ہم نے نازل فرمایا ہے - یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نور کیا ہے جو اللہ کی طرف سے آنحضور پر نازل کیا گیا ہے - اسکا جواب بھی خود اللہ تعالیٰ نے بالفاظِ ذیل دے دیا ہُوا ہے :-

● اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ۝ ۷۶/۲۳ اے رسول! بیشک ہم نے آپ پر قرآن کو اس طرح نازل کیا ہے جو نازل کرنے کا حق ہے - پس کھل کر ثابت ہو چکا کہ آنحضور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جو نور نازل کیا گیا، وہ قرآن کریم ہے - اس سے اگلا سوال اس خداوندی نور قرآن کریم کے متعلق یہ ہے کہ اسے سمجھنے کیلئے کیا کسی اور کتاب کی ضرورت ہے؟ اسکا دو لفظی جواب تو یہ ہے کہ کیا سورج کی موجودگی میں کسی چراغ، فانوس، لیمپ یا کسی ہائی سے ہائی کینڈل پاور بلب کی ضرورت ہوتی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں ہوتی - اسی طرح آفتاب ہدایت قرآن کریم سے بڑھ کر اور کونسی روشن کتاب ہو سکتی ہے کہ اس آفتاب کی موجودگی میں کوئی گوشہ تاریک رہ گیا ہو جسے وہ روشن کریگی - قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے خود قرآن کریم کافی ہے - جس نے ہدایت کے ہر گوشے کو خود روشن کر رکھا ہے - قرآن کریم کو غیر اللہ کتابوں کا محتاج قرار دینا سورج کو چراغ دکھانے کے مصداق ہے - خدا تعالیٰ نے اسے بار بار نور کہا ہے آفتاب ہدایت - قرآن کریم کو سمجھنے کے اصول خدا تعالیٰ نے خود اسکے اندر نازل کر دیئے ہیں - جو ادارہ بلاغ القرآن کی طرف سے انتہائی محنت کے ساتھ تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے دیباچہ میں "قرآن فہمی کے قرآنی اصول" کے عنوان میں جمع کر دیئے گئے ہیں -

﴿ب﴾ - اس ضمن کی دوسری شق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نورِ ہدایت ہی واجب الاتباع ہے - سورہ اعراف میں ارشاد ہُوا ہے :-

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ۷/۳ ایمان والو! صرف اس کتاب کی اتباع کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے - یہی اللہ کی اتباع ہے - اسکے سوا کسی اور جھوٹے مددگار کی اتباع نہ کرنا - یہ تو اہل ایمان والوں کی طرف کھلا حکم - اسی ضمن میں خود آنحضور کو بھی یہی حکم بتکرار دیا گیا ہے :-

● وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۳۳/۲ + ۶/۱۰۶ + ۱۰/۱۰۹ اور اے رسول آپ اتباع کریں جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف وحی کیا گیا ہے —— اس حکم پر عمل کرنے کا اعلان بھی آنحضور کی طرف سے نفی اثبات کے حصر کیساتھ بتکرار کرا دیا گیا ہے :-

● اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۶/۵۰ + ۷/۲۰۳ + ۱۰/۱۵ + ۴۶/۹ - میں نہیں اتباع کرتا مگر صرف اور صرف اس کتاب کی اتباع

کرتاہوں جو میری طرف وحی کیگئی ہے ـــــ یہاں پہنچ کر آخری سوال یہ ہوتا ہے کہ صرف اکیلئے قرآن کریم کی اتباع کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم مفصل ہے اور اسکی موجودگی میں کسی اور کتاب کی تلاش شرک میں داخل ہے سورہ انعام میں آنحضور کی زبان مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے :-

● اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۝ ٦/١١٥ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں حالانکہ اس نے اپنا حکمنامہ ایک مفصل کتاب (قرآن کریم کی صورت میں نازل کر دیا ہے ـــــ اس آیت مجیدہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن کریم خود مفصل کتاب ہے - اپنی تفصیل آپ کرتی ہے اسلئے کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں - اور دوسرا یہ کہ یہی اللہ کا حکمنامہ ہے - کسی اور کتاب کی تلاش گویا کہ اللہ کے سوا کسی اور حاکم کی تلاش ہے ، جو کھلا شرک ہے - نیز سورہ عنکبوت میں ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن کریم کافی ہے :- اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ٢٩/٥١ کیا لوگوں کیلئے یہ کافی نہیں (یقیناً کافی ہے) کہ ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو اُن پر پڑھی جاتی ہے - بلاشبہ مذکورہ کتاب میں ایمان لانیوالوں کیلئے رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی ہے -

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت مجیدہ میں حضور نبی اکرم پر ایمان لانے کی عملی صورت کی وضاحت کے بعد اگلی آیت میں ایک مخصوص انداز کیساتھ اس اہم حقیقت کا اعلان فرما دیا گیا ہے کہ جناب مکی مدنی سرکار کے بعد کوئی اور نبی رسول مبعوث نہیں کیا جائیگا آپ خاتم النبیین ہیں :-

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ
کہدیجئے اے نوع انسانی بیشک میں ہوں رسول اللہ کا طرف تمہاری
جَمِيْعَا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ
سب کی - جو کہ واسطے اسکے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی نہیں حاکم
اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
مگر وہ ، زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے پس ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے
وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
اور رسول اسکے نبی مکی کے ، جو ایمان رکھتا ہے ساتھ اللہ کے
وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ١٥٨
اور احکام اسکے اور اتباع کرو اسکی تاکہ تم ہدایت پاؤ

(اُے رسول!) اعلان کر دیجیئے کہ اُے نوع انسانی! بلاشبہ میں تم سب کے سب کی طرف اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں (اُس اللہ کا رسول کہ) آسمانوں اور زمین کی حکومت صرف اسی کی ہے - اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں - وہی اپنے متعینہ قوانین کے مطابق زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے - پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اسکے رسول نبی مکی پر ایمان لاؤ ، جو خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اُسکے مجملہ احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اُس اللہ ہی کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ -

آنحضور آخری نبی رسول تھے

● سلہ اس آیت مجیدہ میں سرفہرست آنحضور سے یہ اعلان کرایا گیا ہے کہ مجھے ساری نوع انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا - ان الفاظ سے جو بدیہی نتیجہ

ہر آمد ہوتا ہے وہ اسکے سوا نہیں کچھ کہ نوع انسانی تا قیام قیامت موجود رہنے والی ہے اس لئے آپ قیامت تک کی نوع انسانی کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ بالفاظ دیگر آپکے بعد دوسرا نبی و رسول ہرگز ہرگز نہیں بھیجا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت مبارکہ یہ تھی کہ ایک نبی و رسول کے بعد دوسرا نبی و رسول اسوقت بھیجا جاتا تھا جب لوگ اللہ کی کتاب کے متن میں بوجہ یا بلا وجہ تحریف کر لیتے تھے لیکن آنحضور کے بعد اسلئے کوئی نبی و رسول نہیں آئیگا کہ آپکی کتاب قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھا ہے۔ اور اسکے متن میں کوئی قوم یا فرد زیر زبر تک کی تحریف نہیں کر سکتا۔ دیکھئے ارشاد باری :-

● إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ ۹/۱۵ بیشک اس نصیحت نامے (قرآن کریم) کو ہم ہی نے نازل فرمایا ہے اور ہم خود ہی اسکی حفاظت کر رہے ہیں۔ اس خداوندی حفاظت کی شاہانہ صورت یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ پاکیزہ صحیفہ اوراق پر لکھا ہوا موجود ہے اور دوسری طرف یہ عظیم کتاب حفاظ کرام کے حافظوں میں محفوظ ہے۔ اگر بتقاضائے بشریت کسی نسخۂ قرآن میں کوئی زیر زبر غلط لکھی گئی ہو تو اسکی تصحیح حفاظ کرام کر دیتے ہیں۔ اور اگر بشری تقاضے کے مطابق کسی حافظ کو اپنے حافظے کا کوئی مغالطہ درپیش ہو تو وہ اوراق میں محفوظ نسخۂ قرآن سے مغالطہ دور کر لیتا ہے۔ اس طرح پورے کرۂ ارض پر مستقل طور پر خدا تعالیٰ کا نازل کردہ صحیح متن مصحف اور صرف ایک ہے جو اوراق مبارکہ اور حفاظ کرام کے حافظوں میں ہر آن موجود و محفوظ ہے اور قیامت تک موجود و محفوظ رہیگا۔ تو اس طرح چونکہ اللہ کا پیغام اپنی صحیح شکل و صورت میں قیامت تک کیلئے موجود و محفوظ رہنے والا ہے اسلئے کسی پیغمبر کے آنے کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور کے بعد رسل انبیاء کی آمد کا سلسلہ مطلقاً بند کر دیا گیا ہے۔

باقی سب نبی اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے مگر آنحضور کو پوری نوع انسانی کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا

● آنحضور پر رسل انبیاء کا سلسلہ مطلقاً بند کر دینے کی ایک قرآنی دلیل إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا بھی ہے کہ آنحضور کو قیامت تک کی نوع انسانی کیلئے رسول بنایا گیا ہے مگر سابقہ سب نبی و رسول اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے جیسا کہ آیات ذیل سے عیاں ہے:-

● حضرت نوح :- لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ ۵۹/۷ اور بیشک ہم نے نوح کو اسکی قوم کی طرف بھیجا تھا۔

● حضرت ھود :- وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۶۵/۷ اور قوم عاد کی طرف انکے بھائی ھود کو بھیجا۔

● حضرت صالح :- وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۷۳/۷ اور قوم ثمود کی طرف انکے بھائی صالح کو بھیجا۔

● حضرت لوط :- وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ ۸۰/۷ اور لوط کو بھیجا۔ اس نے اپنی قوم کو کہا۔

● حضرت شعیب :- وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۸۵/۷ اور اہل مدین کی طرف انکے بھائی شعیب کو بھیجا۔

● حضرت موسیٰ :- ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۱۰۳/۷ پھر انکے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کیساتھ فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف بھیجا۔

● حضرت عیسیٰ :- وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم ۶/۶۱ اور جب عیسیٰ ابن مریم نے

جب عیسٰی ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوں - یہ ترجمے سابقہ انبیاء کے متعلق ارشادات خداوندی کہ وہ سب الگ الگ اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے - لیکن آنحضور کے متعلق خود آنحضور ہی سے اعلان کرایا گیا تھا :-

حضور نبی اکرم :- قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا ۱۵۸/۷ اے رسول! اعلان فرما دیجئے کہ اے قیامت تک کی نوع انسانی! بیشک میں تم سب کے سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں ـــــ پس آیات بالا کے مطابق چونکہ سابقہ انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے مگر آنحضور قیامت تک کی نوع انسانی کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے - اس لئے اور دیگر آیات مجیدہ سے ثابت ہوا کہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی رسول نہیں آئیگا، آپ یقیناً یقیناً خاتم النبیین ہیں - اور آپکی رسالت قرآن کریم، صدیقہ بہ متن کیساتھ گھر گھر موجود و محفوظ ہے اور قیامت تک موجود و محفوظ رہیگی - آنحضور کی شان خاتم النبیین پر آیت ذیل بھی ایک دلیل قاطع ہے :-

● وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۲۸/۳۴ اور اے رسول! ہم نے آپکو نہیں بھیجا مگر آپ (قیامت تک کی) پوری نوع انسانی کیلئے کافی ہیں خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے - اس آیت سے بھی کھل کر ثابت ہو چکا کہ آنحضور بحیثیت رسول البشیر اور نذیر قیامت تک کی نوع انسانی کیلئے کافی ہیں - بالفاظ دیگر آپکے بعد قیامت تک کیلئے کسی اور نبی رسول کی ضرورت ہی نہیں - آپکی رسالت یعنی قرآن کریم موجود ہے -

آنحضرت خاتم النبیین ● مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَ لٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۴۰/۳۳ - محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں (تم سب کے دینی باپ ہیں) اور آپ وہ ذات گرامی ہیں جن کیساتھ نبیوں کی (آمد) کو ختم کر دیا گیا ہے -

لفظ خاتم کی بحث ● لفظ خاتم کا سہ حرفی مادہ خ - ت - م ختم ہے - جب اسکا صلہ علیٰ آئے تو اسکا معنی ہوتا ہے مہر جیسے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِہِمۡ - لیکن چونکہ ۴۰/۳۳ میں خاتم کا صلہ علیٰ نہیں آیا اسلئے یہاں اسکا معنی مہر نہیں بلکہ اسکا معنی ختم کرنا ہے - اب آیئے حقیقت حال کی طرف! - تا مفتوحہ کیساتھ لفظ خاتم اسم آلہ ہے فَاعَلٌ کے وزن پر - اب فَاعَلٌ بہ عین مفتوحہ کا معنی ہے مَا یُفۡعَلُ بِہٖ الۡفِعۡلُ یعنی وہ آلہ جسکے ساتھ کام کیا جاتا ہے - اسی طرح :-

● کَاتَبٌ بہ تاء مفتوحہ کا معنی ہے مَا یُکۡتَبُ بِہٖ الشَّیۡءُ - یعنی وہ آلہ قلم پنسل وغیرہ، جن کیساتھ کچھ لکھا جاتا ہے -

● کَابَرٌ بہ باء مفتوحہ کا معنی ہے مَا یُکۡبَرُ بِہٖ الۡقَبۡرُ یعنی کسی وغیرہ وہ آلہ جس سے قبر کھودی جاتی ہے - اسی طرح :-

● ضَارَبٌ بہ راء مفتوحہ کا معنی ہے مَا یُضۡرَبُ بِہٖ یعنی لاٹھی یا گرز وغیرہ وہ آلہ جسکے ساتھ مارا جائے - اسی طرح :-

● عَالَمٌ بہ لام مفتوحہ کا معنی ہے مَا یُعۡلَمُ بِہٖ الشَّیۡءُ یعنی وہ آلہ جس کے ساتھ کسی چیز کو جانا جائے، کائنات کو عالم اسلئے کہا جاتا ہے کہ اسکے ساتھ اسکے پیدا کرنیوالے، اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا علم حاصل ہوتا ہے - پس اسی طرح :-

● خَاتَمٌ بہ تاء مفتوحہ کا معنی ہے مَا یُخۡتَمُ بِہٖ الشَّیۡءُ یعنی وہ آلہ جس کے ساتھ کسی چیز کو ختم کر دیا جائے - اور

نوٹ

● خاتم النبیین کا معنی ہے مَا خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ یعنی وہ ذات مقدس جس کے ساتھ نبیوں کی آمد کو ختم کر دیا گیا۔
● پیچھے واضح کیا جا چکا ہے کہ ختم یعنی مہر لگانا اسوقت ہوتا ہے جب اسکا صلہ عَلٰی آئے جیسے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ۔ چونکہ خاتم النبیین پر عَلٰی نہیں آیا اسلئے اسکا نبیوں کی مہر معنی لینا خود قرآنی لغت اور قرآنی قواعد کے خلاف ہے۔

آنحضورؐ کیلئے خاتَم النبیین پر تاءِ مکسور کیوں نہیں آیا؟

● اس سلسلے کا ایک سوال یہ ہے کہ اگر خاتم النبیین پر فتح تا سے نبیوں کا ختم کرنا ہی مراد ہے تو خاتم النبیین پر تاءِ مکسور کیوں نہیں لایا گیا کہ تنازعہ ہی ختم ہو جاتا؟ جواباً عرض ہے کہ خاتِم پر تاءِ مکسورہ فاعل کے وزن پر فاعل ہے۔ اور آنحضورؐ کو خاتِم النبیین اسلئے نہیں کہا گیا کہ آنحضورؐ کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ آپ نبیوں کی آمد کو ختم کر دیتے یا جاری رکھتے۔ نبیوں کو ختم کرنے کا اختیار صرف اسی ذات گرامی کو ہے، جس نے یہ سلسلہ جاری کیا تھا۔ آنحضورؐ کا جو صحیح منصب ہے، $\frac{۳۳}{۴۰}$ میں اس کی خبر دی گئی ہے کہ آپ کی ذات کیساتھ نبیوں کی آمد اسی ذات مقدس نے ختم کر دی ہے جس نے ان پاک نفوس کا سلسلہ جاری فرمایا تھا۔ (وما علینا الا البلاغ)

● پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۵۶ میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا تذکرہ گزر چکا ہے، جس میں اخیر میں بنی اسرائیلؑ کی قوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ آیات مجیدہ ۱۵۷ تا ۱۵۸ میں جملہ معترضہ کے طور پر حضورؐ کی شان خاتم النبیین بیان کیگئی ہے۔ اس کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں زمانۂ رسالتِ محمدی کے یہودیوں کے ایک گروہ کی خبر دینے کے بعد دورِ موسوی کے یہودیوں کے متعلق مزید بتایا گیا ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰىٓ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ اور سے قوم موسیٰ کی ایک گروہ رہنمائی کرتے ہیں ساتھ حق کے اور	اور قوم موسیٰ میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق (تورات) کے ساتھ لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اور وہ اسی کے ساتھ (جھگڑوں کے) فیصلے کرتے ہیں۔ ۱ اسی جماعت کی خبر $\frac{۳}{۱۱۳}$ میں بھی موجود ہے۔ آگے موسوی دور کے یہود کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔
بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ ۱۵۹ ساتھ اس کے فیصلہ کرتے ہیں	
وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا اور بانٹا ہم نے ان کو دو دس قبیلے جماعتیں۔	اور ہم نے انہیں (یعنی بنی اسرائیل کو ان کی داخلی انتظامی سہولت کیلئے) بارہ قبیلوں کی (بارہ) جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ اور جب انہوں نے (فوجی ٹریننگ کے دوران) موسیٰ سے پانی مانگا (یعنی پانی کی کمیابی کی شکایت کی) تو ہم نے موسیٰ کو وحی کی اپنی جماعت کو لیکر چٹانی زمین کی طرف لے چل (پھر انہوں نے دیکھا کہ اس (کوہستان) سے) بارہ چشمے جاری ہو گئے تحقیق ہر جماعت نے اپنا مشرب
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ جب مانگا پانی اس سے قوم اس کی نے کہ	
اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ چل ساتھ جماعت اپنی کے پتھر کو پھر جاری ہوئے اس سے دو دس	

عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا

چشمے بیشک جان لیا ہر گروہ نے گھاٹ اپنا اور سایہ کیا ہم نے

عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ

اوپر ان کے بادلوں کو اور نازل کئے ہم نے اوپر ان کے میٹھے پھل اور بٹیر

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا

کھاؤ سے پاکیزہ جو رزق دیا ہم نے تم کو اور نہ ظلم کیا انہوں نے ہم پر

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ۱۶۰

اور لیکن تھے جانوں اپنی کو ظلم کرتے

گھاٹ پہچان لیا - اور ہم نے اُن پر بادلوں کا سائبان کی طرح سایہ کر دیا - (بارشوں کی بہتات کر دی) اور ان کے ساتھ ہم نے میٹھے پھل اور بٹیر کی قسم کے پرندے نازل فرمائے (جو اکثر ملتے تھے اور کہا کہ) جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے کھاؤ - اور انہوں نے (ہماری ناشکری کر کے) ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا - بلکہ انہوں نے اپنے آپ ہی ظلم کر لیا تھا ۹

● یہ سارا مضمون سُورہ بقرہ آیت نمبر ۵۷ تا ۶۰ میں گزر چکا ہے جس کی تفسیر تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۴۳ تا ۴۷ پر گزر چکی ہے - یہاں پر انتہائی اختصار کے ساتھ الفاظ کی قرآنی لغت پیش خدمت ہے -

● ۱ اِسْتَسْقٰى کا مصدری معنی ہے پانی مانگنا - یہاں اسے محاورہ کے طور پر لایا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ صحرا میں کے سامل (؟) انگار بنی اسرائیل کو جنگلوں میں فوجی ٹریننگ کیلئے لے گئے تو وہاں پانی کی کمی کی شکایت کی -

● ۲ عصا کا معنی جماعت بھی ہے - تفصیل کیلئے پیچھے اسی سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۰۷ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں -

● ۳ الحجر میں الف لام عوض مضاف ہے اور اصل لفظ ہے الارض الحجر یعنی پتھریلی زمین - اس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ پانی کے چشمے میدانی علاقوں میں نہیں ہوتے بلکہ پہاڑی علاقوں میں چشمے بہہ رہے ہوتے ہیں -

● ۴ اِضْرِبْ فعل امر مادہ ض - ر - ب ضرب سے ہے جس کا معنی چلنا بھی ہے جیسے کہ ۴/۱۰۱ میں گزر چکا ہے وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ کا معنی ہے جب تم زمین میں چلو - یہ ساتھ کی آیت نے ایسے متعدد معنی بتا دیا ہے - اور معنی یہ ہے اپنی جماعت (عصا) کو پہاڑی زمین میں لے چلو جہاں قدرتی چشمے پھوٹ کر پھوٹے ہیں -

● ۵ فَانْۢبَجَسَتْ کا متبادل لفظ ۲/۶۰ میں فَانْفَجَرَتْ آیا ہے - جب حضرت موسیٰ حکم باری کے مطابق اپنی جماعت کو پہاڑی علاقے (کوہسار) میں لے گئے تو وہاں بارہ چشمے جاری تھے - ہر قبیلے کیلئے الگ الگ چشمہ متعین کر دیا گیا - اور اس طرح ہر جماعت نے اپنے اپنے گھاٹ کو پہچان لیا اور سب اپنے اپنے چشمے سے پانی حاصل کرتے رہے -

● ۶ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ بطور محاورہ آیا ہے - یعنی اتنی زیادہ بارشیں برسیں گویا کہ بادلوں کے سائبان تن گئے -

● ۷ مَنّ کا معنی نعمت بھی ہے، ہمیشہ بہ طور بات اور میٹھی چیز بھی ہے - بنی اسرائیل کو جنگلوں اور کوہساروں میں فوجی ٹریننگ کے دوران درختوں کے میٹھے پھل اور میٹھی گوند بھی میسر تھی - انہی کو منّ یعنی نعمت کہا گیا ہے -

● ۸ اَلسَّلْوٰى بمعنی بٹیر ہے جس پر الف لام عہدی داخل ہے - یعنی بٹیر کی قسم کے پرندے - بارشوں کی بہتات سے درختوں

میں سیمی گوندی، میٹھے پھل اور بٹیری قسم کے پرندے بکثرت پیدا ہو گئے تھے۔

● ملہ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى، اَنْزَلْنَا کا معنی پیدا کرنا ہے آسمان سے نازل کرنا نہیں۔ جیسے يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۴۰ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے اور وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۲۲ میں آسمان سے انزالِ رزق کی تشریح کر دی گئی ہے کہ آسمان سے پانی نازل کیا جاتا ہے اور اسکے ساتھ تمہارے لئے ثمرات میں سے رزق نکالا جاتا ہے۔ اسی طرح اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا جس سے جنگل میں خودرو پھل اور میٹھی گوندی پیدا ہوئی۔ نیز بٹیر کی قسم کے پرندوں کی بہتات ہو گئی۔ اسکے برعکس آسمان سے بھنے ہوئے بٹیر نازل نہیں ہوتے تھے۔

● ملہ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ کے الفاظ میں بنی اسرائیل کی ہر نافرمانی کو اپنی جان پر ظلم بتایا گیا ہے، جیسے کہ اگلی آیت میں مثال کے طور پر بنی اسرائیل کے ایک بستی میں عوام کے ذمہ دارانہ انداز میں سکونت کرنے کے حکم کی روگردانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ حِطَّةٌ کے الفاظ میں اس مسلک و منشور کا اعلان کرو کہ غریب عوام کے بوجھ اتارنا ہماری ذمہ داری ہے۔ مگر انہوں نے یہ منشور بدل کر استحصالی نظام کے الفاظ استعمال کئے۔ جس کے بدلے ان پر ذلت و غلامی مسلط کر دی گئی۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَ
اور جب کہا گیا واسطے ان کے رہو اس بستی میں اور
كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا
کھاؤ اس کے جہاں سے چاہو تم اور کہو بوجھ اتارنا اور داخل ہو دروازوں میں
الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ
دروازے میں فرمانبردار ہو کر دور کر دیں گے ہم تمہاری برائیاں تمہاری اور ضرور ہم زیادہ کریں گے
الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۱۶۱
توازن قائم کرنے والوں کو

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب انہیں کہا گیا کہ اس بستی میں سکونت اختیار کرو اور اس میں سے کھاؤ جہاں سے تم چاہو۔ اور کہو (اعلان کر دو کہ ہمارا فرض عوام کے) بوجھ اتارنا ہے اور دروازوں میں داخل ہونا پورے پورے فرمانبردار ہو کر (اس طرح) ہم دور کر دیں گے بدحالیاں تمہاری۔ اور ہم ضرور معاشرے میں توازن قائم کرنے والوں کو زیادہ کریں گے (زیادہ دیں گے)۔

● ملہ حِطَّةٌ کا سہ حرفی مادہ ح - ط - ط - حطّ ہے اسکا بنیادی معنی ہے کسی چیز کو اوپر سے اتار کر نیچے رکھنا (متعدی) اور خود اوپر سے نیچے آنا (لازم) حَطَّ فِي الْمَكَانِ کا معنی ہے وہ مکان میں اترا۔ المَحَطّ اترنے کی جگہ۔ اَلْحَطِيْطَة بمعنی گراوٹ ہے۔ ۲ ۵۸ میں یہ لفظ حِطَّةٌ بنی اسرائیل کو اسلامی معاشرہ کے منشور کے طور پر دیا گیا تھا کہ ہم عوام کے بوجھ اتار دیں گے۔ ایک اور بستی کا بھی ذکر آیا ہے کہ حکمران عیش و عشرت میں پڑ کر استقدر کمزور ہو گئے تھے کہ بنی اسرائیل کو صرف فاتحانہ انداز کے ساتھ داخل ہونے کی ضرورت تھی مگر وہ داخل نہ ہوئے اور حِطَّةٌ کے لفظ کو بھی بدل دیا۔ اس کی پوری تفصیل اسی جلد میں سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۲۱

۱۶۱ تا ۲۶ میں گزر چکی ہے۔

● سلہ سُجَّدًا کے مادہ س ۔ ج ۔ د ، سجد کا بنیادی معنی ہے پوراپورا فرمانبردار رہنا ۔ سجدہ صلوٰۃ اسکی تمثیلی شکل ہے۔

● سلہ نَّغْفِرْ کے مادہ غ ۔ ف ۔ ر ، غفر کا ایک معنی ڈھانپنا چھپانا اور خطرے کو دور کر دینا بھی ہے۔

● سلہ خَطِيْٓـٰٔتِ کا معنی خطائیں ، مالی کمزوریاں اور معاشی بدحالیاں بھی ہے۔

● مُحْسِنِيْنَ کا سہ حرفی مادہ ح ۔ س ۔ ن ۔ حسن ہے جسکا بنیادی معنی ہے توازن قائم کرنا اور مُحْسِنِيْن کا معنی ہے توازن قائم کرنے والے ۔۔۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کے منشور حِطَّةٌ کو بدل دینے کی بدولت ذلّت کے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ
پس بدل دیا جنہوں نے ظلم کیا ، میں سے انکے قول سوائے
الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ
اسکے جو کہا گیا واسطے ان کے پس بھیجا ہم نے اوپر انکے عذاب سے
السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۰ / ۱۰
آسمان بوجہ اسکے جو تھے وہ ظلم کرتے

پس اُن میں سے ظالموں نے (حِطَّةٌ کو) اُس لفظ کے ساتھ بدل دیا ، جو انہیں نہیں کہا گیا تھا ۔ پھر ہم نے اُن پر آسمان کی طرف سے (یعنی اپنے متعینہ قانون کے مطابق) ذلّت (یعنی غلامی کا عذاب) بھیج دیا ۔

● سلہ مِنَ السَّمَآءِ کے الفاظ کا ایک قرآنی محاورہ بھی ہے ۔ انسانی بداعمالیوں کی بدولت قانونِ مکافات کیمطابق جو سزا اللہ تعالیٰ کیطرف سے لازم ہو جاتی ہے اس کیلئے مِنَ السَّمَآء کے الفاظ آئے ہیں۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کی اُس نافرمانی کا ذکر لایا گیا ہے جو انہوں نے اجتماعیت کی مخالفت میں کی تھی۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ
اور پوچھ ان سے بابت اس بستی کے جو تھی موجود
الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ
سمندر جب سرکشی کی بیچ ہفتے ، جب آتیں انکی مچھلیاں آتی
يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ
دن ہفتہ انکے کے زور باندھ کر اور دن ہفتہ نہیں منایا کرتے تھے نہ آتیں انکو
كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾
اسی طرح ۔ ہم نے ظاہر کیا انکو بسبب اسکے تھے حدیں توڑتے

اور (اے رسولؐ !) آپ ان (اپنے زمانہ کے بنی اسرائیل) سے پوچھیئے ، اُن بستی والوں کے متعلق جو سمندر کے کنارے پہ آباد تھے ۔ جب ہفتہ وار اجتماع سے سرکشی کرتے تھے ۔ جب ان کا غلط گمان تھا کہ مچھلیاں انکے اجتماع کے وقفہ میں زور مار کر آتی ہیں اور اجتماع کے وقفہ سے باقی وقت میں نہیں آتی تھیں ۔ مذکورہ ہی تھا گمان ان کا جسے انہیں ان کی حدود شکنی کے ساتھ ظاہر کر دیا۔

● ۱؎ لفظ سبت کا سہ حرفی مادہ س - ب - ت = سبت ہے - اسکا بنیادی معنٰی ہے کام چھوڑ دینا - اور یوم السبت کا معنٰی ہے وہ وقفہ جس میں کام چھوڑ دیا جائے - قرآن کریم نے اسی وقفہ کو یَوْمُ الْجُمُعَةِ یعنی کام چھوڑ کر جمع ہونے کا وقفہ بتایا ہے - از روئے قرآن کریم یہ سارا دن چھٹی کا نہیں ہے کیونکہ جمعہ کی صلوٰۃ کیلئے کام چھوڑ کر آنے کا حکم دیا گیا ہے ۶۲/۹ اور صلوٰۃ کے ختم ہونے پر پھر جا کر کام پر لگ جانے کا حکم ہے ۶۲/۱۱ -

● ۲؎ یوم کا معنٰی عربی لغت میں دن رات ۲۴ گھنٹے کا وقفہ بھی ہے - اور ہر وقفہ بھی مراد ہے خواہ وہ بہت چھوٹا ہو یا قیامت جتنا لمبا ہو۔

● ۳؎ نبلوھم میں بلو کا سہ حرفی مادہ ب - ل - و = بلو ہے - اسکا بنیادی معنٰی ہے آزمانا - امتحان کرنا - لیکن جب اس فعل کا فاعل اللہ تعالٰی ہو تو اللہ علیم و خبیر کیلئے آزمانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا - اسلئے اسکا معنٰی ظاہر کرنا ہوتا ہے - اگلی آیت میں آیا ہے :-

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۨ

اور جب کہا ایک جماعت نے ان سے کیوں تم سمجھاتے ہو قوم کو

اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ

اللہ ہلاک کرنیوالا ہے انکو یا عذاب کرنیوالا ہے انکو عذاب سخت

قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ ۱۶۴

کہا معذرت طرف رب تمہارے اور تاکہ وہ بچ جائیں

وہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو (جنکی بدعملی اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ) اللہ ہلاک کرنیوالا ہے اور یا انہیں بہت سخت عذاب کرنیوالا ہے تو انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے ہاں معذرت کیلئے (کہ اتمام حجت ہو جائے) اور شاید کہ وہ (ایمان لائیں) اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا

پھر جب بھول گئے جو نصیحت کئے گئے تھے ساتھ اسکے بچا لیا ہمنے

الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ

انہیں جو منع کرتے تھے سے برائی کے اور پکڑا ہمنے انکو جنہوں نے

ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـيِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ ۱۶۵

ظلم کیا ساتھ عذاب برے بسبب اسکے جو تھے حد سے بڑھتے

پھر جب وہ اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی بھول گئے تو ہم نے ان لوگوں کو عذاب سے بچا لیا جو انہیں برائیوں سے منع کرتے تھے اور پکڑ لیا ہمنے بہت برے عذاب کے ساتھ ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا بسبب اسکے جو وہ اللہ کی حدیں پھاندتے تھے۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ

پھر جب حد پھاندی سے اس جو منع کئے گئے تھے اسکے کہا ہمنے واسطے انکے

كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ○ ۱۶۶

ہو جاؤ بندر ذلیل

پھر جب وہ مجرم لوگ ان برائیوں میں حد سے گزر گئے جن سے وہ منع کئے گئے تھے تو ہمنے انہیں کہا انکے لئے فیصلہ کر دیا کہ (دوسروں کے اشاروں پر ناچنے والے) ذلیل بندروں کی مانند ہو جاؤ۱؎۔

وَمِّثْلُهٗ يَأْخُذُوْهُ ۚ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ
تو اسکو لیتے ہیں اسے کیا نہ لیا گیا اور پر ان کے وعدہ

الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا
کتاب کا کہ نہ کہینگے ذمہ اللہ کے مگر حق اور درس دینگے

مَا فِيْهِ ۗ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ
اسکا جو بیچ اسکے - اور گھر آخرت کا بہتر واسطے اُنکے جو بچتے ہیں

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ ۱۶۹
کیا پھر نہیں تم عقل کرتے

کے ذمہ حق کے سوا کچھ نہ لگائیں گے (یعنی جو چیز کتاب میں موجود نہیں اُسے اللہ کی طرف منسوب نہیں کریں گے) اور اسی چیز کا لوگوں کو درس دیا کریں گے جو کتاب کے اندر موجود ہے حقیقت یہ ہے کہ اچھا انجام اُن لوگوں کے لئے ہے جو ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ پھر تم لوگ عقل سے کیوں کام نہیں لیتے۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا
اور جو لوگ وابستہ ہوتے ہیں ساتھ کتاب کے اور قائم کرتے ہیں

الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ○ ۱۷۰
اجتماعی نظام، بیشک ہم نہیں ہم ضائع کرتے بدلہ اصلاح کرنیوالوں کا

اور جو لوگ (غیر اللہ کتابوں سے مُنہ موڑ کر) ہماری کتاب کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور اجتماعی منصفانہ نظام مساواتِ قائم کریں (وہی معاشرہ کے مصلح ہیں) بیشک ہم معاشرہ کی اصلاح کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

تمسّک بالکتٰب ● سلہ تمسک بالکتاب کی مظہر صورت صلوٰۃ کا نظام مساوات ہے، جو صلوٰۃِ موقّت کے اجتماعات سے شروع ہوتا اور اس مقام پر جا پہنچتا ہے کہ اُس نظام کی حدود میں نہ کوئی بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا، نہ بے علاج ہوتا ہے نہ بے مکان۔ ہر فرد معاشرہ کی اُن بنیادی ضرورتوں کا اہتمام مسجد کی نظام صلوٰۃ کے ذمہ ہوتا ہے جو اسلامی ریاست کا ایک اہم شعبہ متعینہ ہے ——— سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ
اور جب ہلایا ہم نے پہاڑ کو اوپر اُنکے گویا کہ وہ سائبان تھا اور

ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
گمان کیا انہوں نے بیشک وہ گرنیوالا اوپر اُنکے، پکڑو جو دیا ہم نے تم کو

بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۧ ۱۷۱ ع
ساتھ قوت کے اور یاد رکھو جو بیچ اسکے تاکہ تم بچ جاؤ

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے (بنی اسرائیل سے وادیٔ طُور میں عہد لیتے وقت اپنے قانون کیساتھ زلزلہ (کے ذریعہ پہاڑ کو ہلا دیا۔ وہ اسوقت پہاڑ کے دامن میں تھے گویا کہ وہ ان پر سائبان کی طرح تھا۔ (زلزلے کی بدولت) انہوں نے گمان کیا کہ وہ ان پر گرنے ہی والا ہے۔ (ہم نے وعدہ لیا کہ) پکڑو زور سے اُس کتاب کو جو ہم نے دی ہے۔ اور جو کچھ اسکے اندر موجود ہے۔ اُسے خوب یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) تاکہ تم دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔

● سلہ یہ واقعہ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۹۳ میں وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ کے الفاظ میں ذکر ہوا ہے کہ جب

وَمِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ ۚ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيثَاقُ
تو اسکو لیتے ہیں اسے، کیا نہ لیا گیا اوپر ان کے وعدہ

الْكِتَابِ أَن لَّا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا
کتاب کا کہ نہ کہیں گے ذمہ اللہ کے مگر حق اور درس دیتے

مَا فِيهِ ۗ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ
اسکا جو بیچ اسکے - اور گھر آخرت کا بہتر واسطے انکے جو بچتے ہیں

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ ۱۶۹
کیا پھر نہیں تم عقل کرتے

کے ذمہ حق کے سوا کچھ نہ لگائیں گے (یعنی جو چیز کتاب میں مرقوم نہیں اُسے اللہ کی طرف منسوب نہیں کریں گے) اور اسی چیز کا لوگوں کو درس دیا کریں گے جو کتاب کے اندر موجود ہے حقیقت یہ ہے کہ اچھا انجام اُن لوگوں کے لئے ہے جو ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ پھر تم لوگ عقل سے کیوں کام نہیں لیتے۔

وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا
اور جو لوگ وابستہ ہوتے ہیں ساتھ کتاب کے اور قائم کرتے ہیں

الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ○ ۱۷۰
اجتماعی نظام، بیشک ہم نہیں ہم ضائع کرتے بدلہ اصلاح کرنیوالوں کا

اور جو لوگ (غیر اللہ کتابوں سے مُنہ موڑ کر) ہماری کتاب کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور اجتماعی منصفانہ نظام مساوات قائم کریں (وہی معاشرہ کے مصلح ہیں) بیشک ہم معاشرہ کی اصلاح کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

تمسک بالکتب

● ملہ تمسک بالکتب کی مظہر صورت صلوٰۃ کا نظام مساوات ہے، جو صلوٰۃ موقت کے اجتماعات سے شروع ہوتا اور اس مقام پر جا پہنچتا ہے کہ اُس نظام کی حدود میں نہ کوئی بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا، نہ بے علاج ہوتا ہے نہ بے مکان۔ ہر فرد معاشرہ کی اُن بنیادی ضرورتوں کا اہتمام مسجدی نظام صلوٰۃ کے ذمہ ہوتا ہے جو اسلامی ریاست کا ایک اہم شعبہ متعینہ ہے —— سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَّ
اور جب ہلایا ہم نے پہاڑ کو اوپر انکے گویا کہ وہ سائبان تھا اور

ظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ۚ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم
گمان کیا انہوں نے بیشک وہ گرنیوالا اوپر انکے، پکڑو جو دیا ہم نے تم کو

بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۚ ○ ۱۷۱
ساتھ قوت کے اور یاد رکھو جو بیچ اسکے تاکہ تم بچ جاؤ

ع ۲۱ / ۹ / ۱۱

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب ہم نے (بنی اسرائیل سے وادی) طور میں عہد لیتے وقت اپنے قانون کیساتھ زلزلہ کے ذریعہ پہاڑ کو ہلا دیا۔ وہ اسوقت پہاڑ کے دامن میں تھے گویا کہ وہ ان پر سائبان کی طرح تھا ملہ۔ (زلزلے کی بدولت) انہوں نے گمان کیا کہ وہ ان پر گرنے ہی والا ہے۔ (ہم نے وعدہ لیا کہ) پکڑ لو زور سے اُس کتاب کو جو ہم نے دی ہے۔ اور جو کچھ اسکے اندر موجود ہے اُسے خوب یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) تاکہ تم دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔

● ملہ یہ واقعہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۹۳ میں وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم کے الفاظ میں ذکر ہوا ہے کہ جب

بنی اسرائیل سے کتابِ خداوندی کو مضبوطی کیساتھ پکڑے رہنے کا عہد لیا گیا، اسوقت وہ وادیِ طور میں اُسکی جھکی ہوئی چٹان کے نیچے تھے گویا کہ پہاڑ اُن پر سایہ کئے ہوئے تھے ۔ اخذِ عہد کے وقت پر زلزلہ آگیا ۔ تو انہوں نے گمان کیا کہ پہاڑ ان کے اُوپر گرنے والا ہے ۔

● اللہ کی کتاب پر عمل کرنے کا جو عہد لیا گیا ہے، اُسکی غرض بتائی گئی ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔ اِس دُنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے نوعِ انسانی دُنیوی خطرات سے بچ جاتی ہے اور اُخروی نجات کی بھی مستحق ہو جاتی ہے ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ کے سامنے لانے سے پہلے چند تمہیدی سطور پیشِ خدمت ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیں ۔ واضح رہے کہ کتابِ خداوندی پر صحیح صحیح عمل اِسی صورت میں ممکن ہے کہ نوعِ انسانی اپنے خالق و مالک کو رب مانے اور اُسکی کتاب کے اوّلین سبق ربوبیتِ عالمینی پر پورا پورا ایمان لائے ۔ یعنی انفرادی مفاد پرستیوں سے بالا تر ہو کر پُوری نوع کی ربوبیتِ عالمینی کے مشاہدات انفس و آفاق میں موجود ہیں $\frac{51}{20-21}$

● انفس میں اس طرح کہ خود انسان جو خوراک کھاتا ہے اسکے جسم کا اندرونی نظام شاہد ہے کہ وہ اُس غذا سے حاصل کردہ خُون کو سر کے بالوں سے لیکر پاؤں کے ناخنوں تک ہر عضو پر ٹھیک ٹھیک تقسیم کرتا اور ہر عضو کو اُسکا پُورا حصّہ پہنچاتا چلا آ رہا ہے ۔ اور کائنات میں سے ہر جگہ اور ہر آن موجود جیز درخت پر غور فرمائیں کہ اسکی جڑیں زمین سے غذا حاصل کرتی ہیں مگر درخت کا داخلی نظام اس خوراک کے ہر عضو تنا، ٹہنوں، ٹہنیوں، شاخوں، پتّوں اور پھل تک صحیح صحیح تقسیم کرتا ہے ۔ نہ تو وہ درخت کے نچلے اعضاء میں کوئی تمیز روا رکھتا ہے نہ اوپر کے اعضاء میں، نہ اسکے شمالی اور جنوبی حصّوں میں تمیز روا رکھتا ہے نہ مشرقی نہ غربی میں، بلکہ سب کو ایک سطح پر رکھ کر سب کی مساوی اور متوازن ربوبیتِ عامہ کرتا چلا جا رہا ہے ۔ پس ربوبیتِ عامہ سے متعلقہ انفس و آفاق کی اِن دو مثالوں کے بعد اگلی آئت کا مفہوم ملاحظہ فرمائیں جو ربوبیتِ عامہ ہی کے متعلق ہے :-

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ
اور جب نکالا رب تیرے نے سے نوعِ آدم سے پیٹھوں اُن کی

ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ
اولاد کو اُن کی اور گواہ کیا اُن کو اُوپر اپنے آپ کے کیا نہیں میں

بِرَبِّكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ
ساتھ رب تمہارا ۔ کہا ہاں گواہ ہوئے ہم یہ کہ تم کہو دن

اور (اے رسولؐ!) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب آپکا پروردگار نوعِ آدم کی پیٹھوں سے اُنکی اولاد کو نکالتا ہے (پیدا کرتا ہے) اور (اُنکے شعور کی آمد پر) اُنہیں اُنکی اپنی جانوں پر گواہ ٹھہراتا ہے اور (بزبانِ حال) کہتا ہے کیا میں تمہارا رب نہیں ۔ وہ (بزبانِ حال) کہتے ہیں ہاں (تو ہمارا رب ہے) ہم اِسکی گواہی دیتے ہیں ۔ (لوگو! تمہیں اس حالی عہد پر اسلئے گواہ ٹھہرایا جاتا ہے) کہ تم قیامت

الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۱۷۲ قیامت کے بیشک ہم تھے اسکے بے خبر	کے دن نہ کہو کہ ہم اس (ربوبیت عامہ کے تصور) سے بے خبر تھے۔
اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ یا تم کہو سوائے اسکے نہیں کہ شرک کیا باپ دادا ہمارے نے سے قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا پہلے اور تھے ہم اولاد سے پیچھے ان کے کیا پھر تو ہلاک کرتا ہے بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۱۷۳ بسبب اسکے جو کیا جھٹلانیوالوں نے	یا تم یہ کہو کہ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ شرک تو (یعنی ربوبیت عامہ میں خیانت ہمارے) باپ دادا نے کی تھی اور ہم تو انکے بعد آنیوالے انکی اولاد تھے (جو تواتر سے ان سے پایا اس پر چل پڑے، قصوروار تو وہ تھے) کیا تو ان جھٹلانیوالوں کے بدلے ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ (اس کی سزا ہمیں دیتا ہے)

آیتِ الست

● ملہ اس آیت مجیدہ میں اِذْ اَخَذَ، اَشْهَدَ، قَالُوْا اور شَهِدْنَا پے در پے آنیوالے چار ماضی کے صیغوں کا ہمنے مضارع میں ترجمہ کیا ہے۔ کیوں؟ اس کیوں کا جواب تو اپنے مقام پر آگے آرہا ہے۔ پہلے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کی روائتی تفسیروں میں اس آیت کو آیتِ الست کہا جاتا ہے اور اسکے ساتھ یہ قصہ چسپاں کیا گیا ہے کہ نوعِ آدم کی پیدائش سے کروڑوں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے پوری نوعِ آدم کی روحوں کو حضرت آدم کی پشت سے نکال کر انہیں یکجا جمع کر کے ارشاد فرمایا:۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا بلیٰ۔ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ اس روائتی تصور کے مطابق مولوی احمد علی صاحب لاہوری مرحوم نے آیتِ بالا کا یہ ترجمہ لکھا ہے:۔

● "اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں میں سے انکی اولاد کو نکالکر ان سے خود انکی جانوں پر اقرار کرایا، کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ کبھی قیامت کے دن کہنے لگو کہ ہمیں اسکی خبر نہیں تھی"۔ (مترجم نسخہ خدام الدین)

● محترم مولوی احمد علی مرحوم نے بنی آدم کا صحیح ترجمہ لکھا اور صحیح مفہوم تحریر کیا ہے کہ اس آیت مجیدہ میں بنی آدم کی پیٹھوں سے انکی اولاد کو نکالنے کا ذکر ہے اکیلے حضرت آدم کی پیٹھ سے انکی قیامت تک کی اولاد کو نکالنے کا ذکر نہیں۔ لیکن شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم کے موضح القرآن میں جو سرمترجم قرآن مجید کے حاشیے پر موجود ہے اس آیت کی تفسیر بالفاظِ ذیل درج ہے:۔

● "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے انکی اولاد نکالی، سب سے اقرار کرایا اپنی خدائی کا، پھر پشت میں ڈالا"۔

● اب غور فرمائیں کہ آیت مجیدہ میں مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے نہیں، بلکہ بنی آدم کی پیٹھوں سے انکی اولاد نکالنے یعنی پیدا کرنے کا ذکر کیا ہے جس کیلئے بنی آدم بھی جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اور ظُهُوْرِهِمْ میں بھی جمع کے دو صیغے لائے گئے۔ لیکن روائتی تفاسیر میں عربی ادب کو پامال کر کے حضرت آدم کی اکیلی پیٹھ سے بیک وقت انکی ساری اولاد کو نکالنے کا تصور دیا گیا ہے جو بنی آدم کی پیٹھوں سے شبانہ روز نکلتی چلی آرہی ہے۔

عہدِ الست کیا ہے

● یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت آدم کی پیٹھ سے بیک وقت پوری نوعِ آدم

کو نکالنے اور اُن سے عہد لینے کا روائتی تصور غلط ہے تو پھر عہدِ الست کیا ہے؟ جس کیلئے آئت زیرِ بحث ۷/۱۷۲ میں اِذْ اَخَذَ، اَشْهَدَ، قَالُوْا اور شَهِدْنَا کے پے در پے چار فعل بصیغہ ماضی لائے گئے ہیں جن سے روائتی تراجم نے ان افعال سے ماضی کا مذکورہ بالا فقرہ اخذ کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں سب سے پہلے اس چیز کا کیا جواب ہے کہ قواعدِ عرب کیمطابق ماضی کا معنی مضارع میں لینے کا کوئی کلیہ ہے؟ جواباً عرض ہے کہ قواعدِ عرب میں ماضی کا معنی مضارع میں لینے کے گیارہ کلیے ہیں، جنہیں اہلِ قواعد نے ذیل کی رُباعی میں بیان کر دیا ہے:-

آمدہ ماضی بمعنی مضارع چند جا۔ عطف ماضی بر مضارع، در مقام ابتدا
بعد موصول و ندا و بعدِ حیث و کلما۔ در جزا و شرط و عطف ہر دو در دعا

قرآنِ کریم اہلِ قواعد کی غلطیاں بھی نکالتا ہے

● یہ تو ہیں ماضی بمعنی مضارع کے دہ کلیے جو اہلِ قواعد نے لکھے ہیں۔ لیکن قواعد کی موجودہ معلومہ حد چونکہ صرف انسانی کوششوں تک محدود ہے جس میں سہو ممکن ہے اسلئے انکی سہو کی نشاندہی خود قرآنِ کریم کرتا ہے جو وہ خود جامع علوم ہے۔ قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ رب تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کیلئے بھی ماضی کا صیغہ استعمال ہوتا ہے لیکن اُسکے معنے مضارع کے لئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ آسمان سے پانی نازل کرنا خدا تعالیٰ کی سنّتِ جاریہ ہے جو زمانہ ماضی میں بھی آسمان سے پانی برستا رہا ہے، زمانہ حال میں بھی برستا ہے اور مستقبل میں بھی قیامت تک برستا رہیگا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی اس سنّتِ جاریہ کو قرآنِ کریم نے بصیغہ ماضی بیان کیا ہے:-

● وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۲۳/۱۸ ● وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا ۲/۲۲

دیکھئے! ۲/۲۲ میں افعال اَنْزَلَ اور اَخْرَجَ دونوں ماضی ہیں۔ اب اگر ان کا ترجمہ ماضی ہی میں لیا جائے تو ذیل کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جو مشاہدات کی مخالفت کی بدولت غلط ہے، مطلقاً غلط ہے:-

(ترجمہ بصیغہ ماضی):- اور اللہ تعالیٰ نے ماضی کے کس زمانے میں آسمان سے پانی برسایا، پھر اُسکے ساتھ میووں سے رزق نکالا۔

اب بتلائیے! کیا آسمان سے پانی صرف زمانہ ماضی میں برساتا تھا اور کیا اسکے ساتھ زمین میں سے میووں کا رزق زمانہ ماضی ہی میں نکالا تھا حالانکہ زمانہ حال میں بھی یہ سب کام بدستور ہو رہے ہیں اور زمانہ مستقبل میں بھی قیامت تک بدستور ہوتے رہینگے؟ ہمارے اس سوال کا جواب مشاہدات کی زبان میں یہی مل رہا ہے اور قیامت تک ملتا رہیگا کہ یہ سب کام صرف ماضی کیساتھ مختص نہیں بلکہ بصورت سنّتِ جاریہ زمانہ حال میں بھی جاری ہیں اور قیامت تک بھی جاری رہینگے۔

● **فلہٰذا** قرآنی شہادت اور عالمینی مشاہدات کیمطابق ماضی بمعنی مضارع کا ایک کلیہ یہ بھی نکھر کر عیاں ہو چکا کہ ہر وہ کام جو کائنات کی وسعتوں میں خدا تعالیٰ کی سنّتِ جاریہ کی صورت میں ہو رہا ہے اُسے بھی عربی قواعد میں بصیغہ ماضی بیان کیا جاتا ہے لیکن اسکے معنے بصیغہ مضارع لئے جائینگے خواہ ماضی پر اِذْ بھی داخل ہوا ہو۔ تو اس طرح چونکہ نوعِ آدم کی پشت سے انکی اولاد کا پیدا ہونا صرف زمانہ ماضی کیساتھ مخصوص نہیں، بلکہ رب تعالیٰ کی سنّتِ جاریہ کی صورت میں زمانۂ حال میں بھی بدستور پیدا ہو رہی ہے اور قیامت تک پیدا ہوتی چلی جائیگی، اسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آئت زیرِ بحث ۷/۱۷۲ میں اِذْ اَخَذَ وغیرہ فعل ماضی چونکہ سنّتِ جاریہ پیدائشِ اولادِ بنی آدم

کیلئے آتے ہیں، اسلئے انکا معنی مضارع میں لیا جائیگا اور ؛-

● وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ کا صحیح معنی بصورتِ مضارع ہی لیا جانا لازم ہے اور جو مشاہداتِ عالم کے عین مطابق ہے؛ وہ یہ ہے ؛- اے رسول! وہ وقت قابلِ غور ہے جب آپکا پروردگار بنی آدم کی پشتوں سے انکی اولاد کو نکالتا ہے، پیدا کرتا ہے اور ؛-

● وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی کا صحیح معنی یہ ہے ؛- اور (انکی آمدِ شعور پر) انہیں انکی اپنی اپنی ذات پر گواہ ٹھہراتا اور (بزبانِ حال) کہتا ہے، کیا میں تمہارا رب نہیں؟ وہ سب الگ الگ بزبانِ حال کہتے چلے جا رہے ہیں ہاں (تو) ہمارا رب ہے، ہم تیری ربوبیت کی گواہی دیتے ہیں)

ہر شخص اپنے رب کی ربوبیت کا خود گواہ ہے

● غور فرمائیں کہ ہر شخص، مرد ہو یا عورت، جب بنی آدم میں سے اپنے باپ کی پشت سے رحمِ مادر میں منتقل ہونے سے مقررہ مدت کے بعد پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے اپنی ربوبیت ہی کی فکر لاحق ہوتی ہے اور اسی فکر میں ماں کی چھاتیوں کی طرف لپکتا ہے، جہاں اسکے رب نے اسکے پیدا ہونے سے پہلے ہی دودھ کی دو نہریں جاری کر دی ہوتی ہیں۔ چنانچہ اسکی اولین ربوبیت ماں کی چھاتیوں کے دودھ سے ہوتی ہے، جسکے ذریعہ ہر بچہ پلتا اور بڑھتا ہے۔ دودھ کی ان نہروں کے خشک ہونے سے پہلے ہی اسے دانت مل جاتے ہیں۔ اور اب اناج اسکی ربوبیت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور اس طرح ہر شخص ربِ تعالیٰ کی ربوبیت سے فیضیاب ہوتا ہوا صبح شام اپنے اندر بھوک محسوس کرتا ہے، جسے مٹانے اور ربوبیت کو بدستور جاری رکھنے کیلئے اسے انواع و اقسام کے کھانے مہیا ہوتے ہیں، جسے پیدا کرنے کیلئے اسکے رب نے پوری کائنات کو مصروفِ عمل کر رکھا ہے، سورج شبانہ روز پانی سے بخارات بنا کر آسمانوں میں پہنچا رہا ہے جو رزق کی پیداوار کیلئے بارشوں کا موجب بنتے ہیں۔ زمین فصلیں اور پھل اگاتی اور انہیں سورج پکاتا ہے۔ تو اس طرح جب وہ شعور کی نگاہ سے اپنے چاروں طرف سامانِ ربوبیت کی افزائش کی طرف غور کرتا ہے تو بزبانِ حال یا بزبانِ قال پکار اٹھتا ہے کہ اے میرے پیدا کرنے والے **بیشک تو میرا رب ہے۔**

● وہ رب جس نے میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی میری ابتدائی ربوبیت کیلئے میری ماں کی چھاتیوں پر دودھ کی نہریں جاری کر دی تھیں، یہ نہریں ابھی خشک نہیں ہوتے پائی تھیں کہ دانت عطا کر دئے۔ اور دانتوں کے ذریعہ جو اناج میری ربوبیت کا ذریعہ بننے والا تھا، اسکی افزائش کیلئے پورے کارخانۂ کائنات کو مصروفِ عمل کر رکھا ہے۔ تو ہی ہے جو سورج کی تپش کیساتھ سمندروں، دریاؤں، جھیلوں اور جوہڑوں کے پانی کو بھاپ بنا بنا کر ہر آن فضا میں پہنچاتا رہتا ہے، اور پھر اسے بارش کی صورت میں زمین میں برسا کر غلوں اور میووں کی افزائش کا سامان کرتا رہتا ہے۔ تو ہی میرا رب ہے جس نے زمین میں فصلیں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھ دی ہے اور زمین سے نکلی چھوٹی نرم و نازک انگوری کی حفاظت کیلئے بادِ نسیم کو اسے پنکھا کرنے کی خدمت پر متعین کر دیا ہے۔ اس طرح میری ربوبیت کا سامان بننے والی فصلیں انگوری کی کمزور حدود سے نکل کر قدموں پر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ پھر آفتاب کی تمازت ہی کیساتھ بڑھتی

جھوٹی پودا بنتا جاتی ہیں، چاند ان میں پھل لاتا ہے، آسمان کے اَن گنت ستارے ان پر کیمیادی اثرات نازل کرتے ہیں اور سورج اُس پھل کو پکا کر فصلیں تیار کر دیتا ہے۔ آندھیاں فصلوں سے زہریلے اثرات زائل کر دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ سینکڑوں قسم کے اناج اور پھل پک کر میری ربوبیت کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور ربوبیت کا یہ سلسلہ سردی، گرمی، بہار اور خزاں ہر موسم میں جاری رہتا ہے۔ پس میری پیدائش سے لیکر آخری دم تک سلسلۂ ربوبیت کو جاری رکھنے والے بلا شبہ تو میرا رب ہے۔

● علیٰ ہذا القیاس ہر شخص اپنے آپ میں بھوک محسوس کرتا ہے اور اسکے دماغ کیلئے مندرجہ بالا طریقوں سے پوری کائنات کو سامانِ ربوبیت کیلئے مصروفِ عمل پا کر چار وانگ عالم میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے خداوندی فرمان کو بزبانِ حال گونجتا ہوا پاتا ہے اور خود بزبانِ حال یا بزبانِ قال پکار اٹھتا ہے بَلٰی - ہاں تو ہی میرا رب ہے۔ یہ کارخانۂ کائنات جسے تو نے شبانہ روز سامانِ ربوبیت پیدا کرنے کیلئے وقفِ عمل رکھا ہے، یہ کسی مخصوص طبقے کی عیش پرستی کی تکمیل کیلئے پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ اسے میرے رب! تیری پیدا کردہ نعمت پر تیرے ایک ایک بندے کا مساوی حق ہے۔

برادرانِ عزیز! ● یہ ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا خداوندی عہد جو کارگاہِ کائنات میں ہر آن بزبانِ حال گونج رہا ہے اور ہر شخص اپنے آپ میں بھوک محسوس کرنے اور اسے نعماءِ خداوندی کیساتھ مٹانے کی عملی صورت میں بَلٰی کا جواب دے رہا ہے۔ حالی قال کی خبر ۱۱/۴۱ میں دیگئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تو انہیں بزبانِ حال کہا:- اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۱۱/۴۱ تم دونوں آجاؤ خوشی کیساتھ یا ناخوشی کیساتھ۔ تو زمین و آسمان نے بزبانِ حال جواب دیا:- قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۰ ۱۱/۴۱ (زمین و آسمان) دونوں نے بزبانِ حال کہا کہ ہم دونوں آ گئے ہیں فرمانبردار ہو کر۔ جو لوگ رب تعالیٰ کے نظام ربوبیت پر غور نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو قرآنِ کریم نے ڈنگروں سے بدتر قرار دیا ہے:-

● لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ ۹/۱۷۹ انکے پاس ہمارے دئیے ہوئے دماغ ہیں جو انکے ساتھ سوچتے نہیں، انکے پاس ہماری دی ہوئی آنکھیں ہیں وہ انکے ساتھ دیکھتے نہیں، انکے پاس ہمارے دئیے ہوئے کان ہیں، انکے ساتھ سنتے نہیں۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔

● پس جو لوگ غور و فکر نہیں کرتے انہیں دائرہ آدمیت سے خارج قرار دیدیا گیا ہے، انکے غور نہ کرنے سے ربوبیتی حقائق میں کوئی فرق نہیں آتا۔ حقیقتِ حال کا اعلان وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو خود اسکے اپنے آپ پر گواہ ٹھہرا دیا ہوا ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں ہر شخص متعدد بار سامانِ ربوبیت کا محتاج بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامانِ ربوبیت سے سرفراز بھی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کا حالی اقرار ہر فرد نوعِ آدم سے لے رہا ہے اور ہر فرد بحال اقرار کرتا چلا آ رہا ہے۔

● ے اسی ناقابلِ انکار حالی اندازکے متعلق آیت زیرِ بحث کے آخری الفاظ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ میں تنبیہ کر دیگئی ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس نظامِ ربوبیت سے بے خبر تھے اور اگلی آیت مجیدہ ۹/۱۷۳ میں یہ تنبیہ کیگئی ہے کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمنے باپ دادا کو ربوبیتِ عامہ میں خیانت کرتے پایا تھا اسلئے ہم تو انکی روش پر چلتے رہے تھے۔

قصوروار تو وہ ہیں ہم نہیں۔

اسلاف کا تواتر حجت نہیں

● آیت نمبر ۱۷۲-۱۷۳ میں اسلاف کے تواتر کو یہ کہکر درجۂ حجت سے خارج کر دیا گیا ہے:۔ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ۔ یا کہیں تم قیامت کو یہ کہنے لگو کہ ربوبیت میں خیانت کا شرک تو کیا تھا ہمارے باپ دادوں نے۔ مجرم وہ ہیں ہم نہیں۔ پس آبائی متوارث عقائد و اعمال اس صورت میں قابلِ حجت نہیں ٹھہرتے کہ باپ دادا سے ایسا ہوتا چلا آرہا ہے۔ بلکہ دلیل و حجت اللہ کی کتاب ہے۔ چنانچہ اسلاف کے ہر اُس تواتر کو رد کر دیا گیا ہے جو قرآن کریم کے بنیادی مسئلۂ ربوبیتِ عامہ کے خلاف ہو۔

● مثلاً اسوقت ربوبیت کے متعلق ہمارا آبائی متوارث تواتر یہ ہے کہ معاشرہ میں بعض افراد کے ہاں سامانِ ربوبیت کی اسقدر فراوانی ہے کہ وہ اُنکے پیروں تلے ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے مگر بعض کے ہاں اِسکا اسقدر فقدان ہے کہ انکے ہاں جائز اور لازمی ضرورت کے طور پر اپنی اور اپنے بچوں کی بھوک مٹانے کیلئے بس میسّر نہیں۔ اب چونکہ یہ تواتر صدیوں سے چلا آرہا ہے، اسلئے اسے صدیوں سے یہ کہکر عین اسلام قرار دیدیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بے پرواہی ہے کہ بعض کو چاروقت انواع و اقسام کی نعمتیں مہیا کر رہا ہے اور بعض کے بچوں تک کو دو وقت کا پیٹ بھر سوکھی روٹی بھی نہیں دیتا۔ قرآنِ کریم نے ایسے تواتر کو گمراہی اور اُخروی ہلاکت کا موجب قرار دیا اور اعلان کر دیا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ اور مثل مذکورہ بالا ہم کھول کھول کر بیان کرتے ہیں آیتیں اپنی اور تاکہ وہ	اور مثل مذکورہ بالا ہم اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ (لوگ آبائی تواتر کو حجت ٹھہرانے اور قرآنی دلائل کو پس پشت پھینکنے سے) باز آجائیں۔
يَرْجِعُوْنَ ۝ ۱۷۴ لوٹ آئیں	

● واضح رہے کہ پیچھے آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۵۵ میں مسلسل حضرت موسیٰؑ، فرعون اور موسوی دور کے بنی اسرائیل کا ذکر چلا آرہا ہے۔ آیت نمبر ۱۵۶ تا ۱۵۹ میں دورِ محمدی کے اُن بنی اسرائیل کا ذکر آیا ہے جو آنحضورؐ پر ایمان لائے تھے اور آپکی اطاعت و معاونت کی تھی۔ آیت نمبر ۱۶۰ تا ۱۷۱ میں دورِ موسوی کے بنی اسرائیل کے ذکر کا بقیہ لایا گیا ہے اور ۱۷۲ تا ۱۷۴ میں ربوبیتِ عالمینی کی چاروانگ عالم میں حالی گونج اور ہر فرد نوعِ آدم کے حالی اقرارِ ربوبیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اب چونکہ حضرت موسیٰؑ، فرعون اور دورِ موسوی کے بنی اسرائیل کے ذکر کا بنیادی مسئلہ ربوبیتِ عالمینی ہے اور فرعون نے رب تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کو اس حالت میں ٹھکرا دیا جب اُنکے پاس اللہ کے نبی حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ لیکر آئے۔ لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اسی فرعون کی حالت عوام پر بیان کرنے کا آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا اور پڑھو اوپر ان کے خبر اس شخص کی دی ہم نے اُسے آیتیں اپنی	(اے رسول!) پڑھیگا اُن (مخاطبینؐ) پر خبر اس شخص کی جسے ہم نے (اپنے رسولوں موسیٰ و ہارون کے ذریعہ) اپنی آیتیں

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ ۱۷۵

پھر وہ نکل گیا ان سے پھر پیچھے لگا اس کے گمراہ کرنے والا پس وہ تھا میں سے گمراہوں کے

پہنچائیں پھر وہ اُن سے صاف نکل گیا۔ پس نفسِ شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ اور وہ گمراہوں میں تھا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ ۱۷۶

پس بیان کر قصّہ تاکہ وہ غور کریں

اور اگرچہ ہم تو اپنے قانونِ مشیّت[۵] کے مطابق چاہتے تھے کہ اُسے (اپنی آیتوں کی اتباع کی بدولت) بلند مرتبہ عطا کریں۔ لیکن وہ (ہماری آیتوں کا انکار کرکے) پستی کے ساتھ چمٹ گیا۔ اُس نے اپنی ہوائے نفس کی اتباع کی۔ پس اُسکا حال کتّے کے حال جیسا تھا۔ کہ اگر تُو اس پر بوجھ لادے[۶] تو وہ پھر بھی ہانپے اور اگر تُو اُسے چھوڑ دے تو وہ پھر بھی ہانپے۔ یہ حال اس قوم کا ہوتا ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ پس آپ (سابقہ آیات کریمات میں غور طلب کا) قصّہ اپنے مخاطبین پر بیان کیجئے تاکہ وہ غور و فکر کریں (کہ قوموں کا کتّوں جیسا حال کیوں ہو جاتا ہے)۔

● ۱ عَلَيْهِمْ میں ھُمْ ضمیر کا مرجع سابقہ آیات کریمات میں مذکور دورِ رسالت محمدی کے بنی اسرائیل ہیں۔

● ۲ اَلَّذِيْ سے مراد فرعون ہے۔ کیونکہ سیاقِ کلام میں موجود آیت نمبر ۱۰۳ سے جس گمراہ شخص کی گمراہی کا ذکر مسلسل شروع، آیات کریمات میں مذکور ہے۔ وہ فرعون ہی ہے۔ جسے حضرت موسیٰ اور ہارون سلام علیہما کے ذریعہ اسکے رب کی آیتیں پہنچائیں گئی تھیں مگر وہ انہیں مسلسل جھٹلاتا چلا گیا۔ اِسکے برعکس روایتی تفاسیر نے اس اَلَّذِيْ کیساتھ ذیل کا عجیب و غریب قصّہ چسپاں کر رکھا ہے۔

۱۷۵ کی روایتی تفاسیر

● تفسیر حسینی مطبوعہ مطبع محمدی کانپور کے صفحہ ۲۱۰ پر اَلَّذِيْ سے بلعم باعورنامی کوئی روایتی ولی مراد لیا گیا ہے اصلی تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادر مرحوم کے صفحہ ۱۶۱ پر تفسیر حسینی والا ہی روایتی قصّہ بالفاظ ذیل درج ہے۔

"یہ قصّہ بلعم باعور کا ہے جو کنعانیوں اور جباروں میں سے تھا۔ اور صحیفے حضرت ابراہیم کے پڑھتا تھا۔ اور اسم اعظم جانتا تھا جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام متوجہ لڑائی جباروں سے ہوئے تو جباروں نے رجوع بلعم باعور سے کیا جو مستجاب الدعوات تھا۔ اور کہا کہ اُوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور قوم اُسکی کے بددُعا کر۔ بلعم باعور نے انکار کیا اور آخر اپنی بیوی کے بہکانے پر جباروں سے رشوت قبول کی۔ اور اُوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور اسکی قوم کے بددعا کی۔ حق تعالیٰ نے اسم اعظم یاد اسکی سے بھلا دیا۔ اور وہ بے ایمان ہوگیا۔۔۔۔۔۔ اور جب حضرت موسیٰ کی طرف بددُعا کرنے کو۔ جس گدھے پر سوار تھا وہ لولا کر اس ارادے سے پھر جا۔ (مگر) وہ مد[illegible]

مانا اور باز نہ آیا"۔

● یہ ہے اَلَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانۡسَلَخَ کی روائتی تفسیر کہ زمانۂ موسوی میں بلعم باعور نامی ایک شخص مستجاب الدعوت موجود تھا۔ یعنی اسکی دعا اور بددعا بارگاہِ الٰہی میں رد نہیں کی جاتی تھی۔ کیوں؟ ——— اسلئے کہ اسے اسم اعظم یاد تھا۔ اہلِ روایات نے اسم اعظم کا بھی عجیب و غریب تصور پیدا کر رکھا ہے کہ جسے اسم اعظم یاد ہو اسکی دعا یا بددعا ضرور ضرور قبول ہو جاتی ہے۔ اور اس تصور کیمطابق بعض لوگ اسم اعظم کی تلاش میں زندگی برباد کر لیتے ہیں حالانکہ اسم اعظم اسم ذات اللہ ہے۔ اور دعا کیا ہے؟ اس کے لئے پمفلٹ "فلسفۂ دعا" ملاحظہ فرمائیں۔

● ۳؎ اٰتَیۡنٰہُ اٰیٰتِنَا کا وہ روائتی مفہوم ہرگز صحیح نہیں ہے جو اوپر بیان ہوا ہے کہ بلعم باعور کو اللہ کی آئتیں اور اسم اعظم دیا گیا تھا جو اسے یاد ہو گیا تھا جس کی بدولت اسکی دعا یا بددعا بارگاہِ الٰہی سے رد نہیں کی جاتی تھی۔ بلعم باعور کا قصہ تو محض ایک تراشیدہ ہے۔ یہ فرعون کا قصہ ہے اور اٰتَیۡنٰہُ اٰیٰتِنَا میں نبیوں کا واسطہ محذوف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون یہ ہے کہ وہ نوعِ انسانی کو اپنی آئتیں اپنے نبیوں کے ذریعہ ہی دیتا رہا تھا۔ کسی غیر نبی کو اپنی آئتیں اور نام نہاد اسم اعظم ہرگز نہیں دیا کرتا تھا۔ چنانچہ فرعون کو بھی اپنی آئتیں اپنے دو نبیوں حضرات موسٰیؑ اور ہارونؑ کے ذریعہ دی گئی تھیں۔

● ۴؎ فَانۡسَلَخَ مِنۡہَا میں سَلَخَ مادہ س۔ ل۔ خ سے ہے۔ جسکا بنیادی معنی کسی چیز سے اس طرح صاف نکل جاتا ہے جس طرح سانپ کینچلی سے صاف نکل جاتا ہے۔ حضرتِ موسٰیؑ فرعون کو اللہ تعالیٰ کی آیات مجیدہ مسلسل پہنچاتے رہے مگر اس نے اپنے اوپر انکا معمولی سا اثر بھی نہ رہنے دیا، صاف نکل گیا۔

● ۵؎ لَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰہُ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ مشیت کی وضاحت فرمائی ہے اور وَلٰکِنَّہٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ اور اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا کے الفاظ میں اپنے قانونِ مشیت کی خبر دی ہے کہ اگر فرعون ہماری آئتوں سے نصیحت حاصل کر کے عروج و بلندی کی راہ پر چل پڑتا تو ہمارا قانونِ مشیت اُسے رفیع کر دیتا۔ لیکن چونکہ وہ زمین، یعنی پستی کیساتھ چپٹا رہا اسلئے اُسے ہمارے قانونِ مشیت کے مطابق بلندی نصیب نہ ہوئی۔

● ۶؎ ارض کا معنی زمین ہے۔ چونکہ یہ ہمیشہ پیروں کے نیچے رہتی ہے اسلئے اس لفظ کا مجازی معنی پستی ہے۔

● ۷؎ تَحۡمِلۡ کا سہ حرفی مادہ ح۔ م۔ ل ہے حمل جس کا مصدری معنی ہے بوجھ اٹھاتا اور اٹھواتا۔ ہمارے ملک میں کتوں پر توجہ نہیں لادا جاتا۔ لیکن آئتِ مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ اس پر اسکی طاقت کیمطابق بوجھ لادا جا سکتا ہے یعنی اس سے یہ خدمت لی جا سکتی ہے۔ بعض ممالک میں کتوں کو چھوٹی چھوٹی گاڑیوں کے آگے جوت کر ان سے بوجھ اٹھوایا جاتا ہے۔ مگر کتبِ روایات نے اسے اسقدر منحوس قرار دے دیا ہے کہ جس گھر میں کتا موجود ہو وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ دیکھئے مترجم بخاری شریف مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

● ۸؎ مَثَلُ بفتحِ مفتوحہ کا معنی حال بھی ہے جیسے کہ ۲/۲۱۴ میں آیا ہے اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاۡتِکُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہارا ابھی وہ حال ہوا نہیں جو تم سے پہلے لوگوں کا ہو چکا ہے۔

● ۹ۓ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ' یہ اس آیت مجیدہ کا آخری جملہ ہے۔ جس آیت مجیدہ کے داخلی مفہوم کے مطابق دعوت تفکر دی گئی ہے کہ اُن اسباب پر بنظر غائر توجہ دی جائے جن کی بدولت قومیں ہر حالت میں ہانپتی رہتی ہیں، خواہ وہ مال و دولت کے ساتھ لدی ہوئی ہوں یا ذلیل ہوئی ہوں۔ یہ حالت اُس قوم کی ہوتی ہے جس کا ہر فرد حصول زر کی دوڑ میں باؤلے کتے کی طرح شبانہ روز دیوانہ وار بھاگ رہا ہو، خواہ وہ مالدار ہو یا غریب۔ ہانپتے کتے کی مثال ایسی اقوام پر صد فیصد صادق آتی ہے۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت میں قوموں کے اس حال کو بہت بُرا حال قرار دیا گیا ہے:۔

سَآءَ مَثَلًا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بُرا حال قوم کا جو جھٹلاتے ہیں

بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ ۱۷۷
کو آئتیں ہماری اور جانوں اپنی ہیں وہ ظلم کرتے

بہت بُرا حال ہے اُس قوم کا جو ہماری آئتوں کو جھٹلاتے ہیں اور خود آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں ۔ملے

● ملے اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ کے الفاظ میں اَنْفُسَهُمْ کا یہ معنی بھی صحیح ہے کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور یہ معنی بھی صحیح ہے کہ وہ آپس میں ایکدوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔ جسکی عملی صورت یہ ہے کہ پوری کی پوری قوم اسقدر پست ہو چکی ہو کہ داخلی طور پر ہر فرد دوسرے ایکدوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے کھا رہا ہو یعنی سب کے سب ایکدوسرے پر ظلم کر رہے ہوں۔ وکاندار اشیاء خوردنی میں ملاوٹ کر رہے ہوں، دودھ میں پانی، آٹے میں پھک، ہلدی میں رنگ، گھی میں چربی جیسی مضر صحت چیزیں ملا کر خود اپنے ہی افراد کو نشانۂ ظلم بنا رہے ہوں۔ تھوک فروش مصنوعی قحط پیدا کر کے غریب عوام کی جیبیں کاٹ کر خود ایکدوسرے پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہے ہوں۔ العیاذ باللہ!

● ایسی قومیں خود گمراہ ہو جاتی ہیں۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ہدایت و گمراہی کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے:۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ
جس کو ہدایت دے اللہ پس وہ ہدایت پانیوالا ہے

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ۱۷۸
اور جسے گمراہ کر دے پس وہی ہیں گھاٹا پانیوالے

جو (کوئی ہدایت پائے) اُسے اللہ ہدایت یافتہ ٹھہراتا ہے۔ وُہی ہدایت پانیوالا ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے) اُسے اللہ گمراہ ٹھہراتا ہے۔ پس ایسے لوگ گھاٹا پانے والے ہیں۔

● ملے۔۲ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ اور مَنْ يُّضْلِلْ کا یہ معنی صحیح نہیں کہ جسے اللہ ہدایت دے وہ ہدایت پانے والا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے وہ گمراہ ہونیوالا ہے۔ یہ آیت متشابہ ہے جو ذیل کی محکم آیت کے ماتحت رکھی جائیگی:۔

● فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۳۹/۴۱ پس جس شخص نے خود ہدایت پائی اُسکا فائدہ خود اُس کے لئے ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہو گیا اُسکا وبال اُسکے اپنے اوپر ہے۔ نیز اسی مسئلہ کے متعلق ایک اور محکم آیت مجیدہ میں اعلان کر دیا گیا ہے:۔ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹ اے رسولؐ! اعلان کر دیجئے کہ حق قرآن کریم

تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے اس پر خود ایمان لائے اور جو چاہے خود کافر ہو جائے ـــــــ اِن محکم آیات مجیدہ کے ماتحت اُوپر ۷/۱۷۸ کا معنی لکھا گیا ہے کہ جو شخص خود ہدایت پائے اُسے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ ٹھہراتا ہے۔ اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے اُسے اللہ تعالیٰ گمراہ ٹھہرا دیتا ہے۔ ہدایت پانا یا گمراہ ہو جانا حضرتِ انسان کا اپنا کام ہے اللہ تعالیٰ نہ کسی کو زبردستی ہدایت دیتا ہے نہ کسی کو زبردستی گمراہ کرتا ہے۔ ہدایت گمراہی کی مکمل بحث تفسیر جلد اوّل کے دیباچہ کے صفحہ ۳۱ تا ۳۴ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِسی مسئلہ کی تائید کی گئی ہے کہ لوگ خود ہی سننے، دیکھنے اور غور نہیں کرتے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ
اور بیشک پھیلایا ہم نے واسطے جہنم کے بہت میں سے

الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ
جنوں کے اور انسانوں کے واسطے انکے دماغ ہیں نہیں غور کرتے

بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا
ساتھ انکے اور واسطے انکے ہیں آنکھیں، نہیں دیکھتے ساتھ اُن کے

وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ
اور واسطے انکے ہیں کان نہیں سنتے ساتھ انکے وہ ہیں مثل چوپایوں کے

بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿۱۷۹﴾
بلکہ وہ ہیں زیادہ گمراہ وہ ہی ہیں وہ بے خبر

اور بیشک ہم نے لوگوں کی اکثریت کو خواہ وہ استحصال کرنیوالے ہیں یا استحصال ہونیوالے ہیں، جہالت میں بکھرے ہوئے (منتشر) پایا ہے۔ اُنکے پاس (ہمارے دئیے ہوئے) دماغ ہیں وہ اُنکے ساتھ غور نہیں کرتے۔ اُنکے پاس (ہماری دی ہوئی) آنکھیں ہیں وہ اُنکے ساتھ دیکھتے نہیں، اور اُنکے پاس ہمارے دئیے ہوئے کان ہیں، وہ اُنکے ساتھ سنتے نہیں۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ اُن سے بھی گمراہ (اُن سے بھی گئے گزرے) یہی لوگ (ربوبیت کے نظامِ خداوندی سے) غافل ہیں۔

● ۱ـــ قرآن کریم میں استحصال کرنیوالوں کو بھی جن کہا گیا ہے اور اُنکا شکار ہونیوالوں کو انسان کہا گیا ہے ۶/۱۲۹ ـ مسئلہ جن کی تفصیلی بحث اسی جلد کے صفحہ ۲۴۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲ـــ ذَرَأَ کا لفظی معنی بکھیرنا بھی ہے۔ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ۴۲/۱۱ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی جوڑے جوڑے اور چوپایوں کو بھی جوڑے جوڑے بنایا ہے اور اُس نے تمہیں زمین میں بکھیر دیا ہے۔ ہم نے آیتِ بالا زیرِ بحث میں ذَرَأْنَا کا معنی قرآنی مترجم کے خاصہ وجدان کے مطابق یہ لکھا ہے کہ ہم نے جن و انسان کو جہالت میں بکھرے ہوئے (منتشر و پراگندہ) پایا ہے۔ قومی انتشار موجب جہالت ہوتا ہے۔

● ۳ـــ قلوب کا معنی لکھا گیا ہے اذہان، چونکہ قلوب کا فعل بتایا گیا ہے تفقہ کرنا۔ مگر یاد رہے کہ تفقہ صرف ذہن کرتا ہے، دل کا کام تفقہ کرنا نہیں۔ دل تو محض ایک پمپ ہے جو ہر آن پورے جسم میں سر کے بالوں سے لیکر پاؤں کے ناخنوں تک خون پہنچاتا ہے۔ عربی زبان میں دل کو بھی اسلئے قلب کہا جاتا ہے کہ وہ انسانی جسم کے اندر اُلٹا لٹکا ہوا ہے۔ جس آیت مجیدہ میں قلب کا فعل تفقہ

کرنا ثابت ہو وہاں قلب کا معنیٰ ذہن اور دماغ ہوتا ہے دل نہیں ہوتا۔

● ے اس آیت مجیدہ میں بھی گمراہی کے متعلق فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ اُسے انسان خود اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ اس نے تو ہر کسی کو ذہن، دماغ عطا فرمایا ہے تاکہ وہ اُسکے ساتھ تفقہ کرکے (سوچ سمجھ کر) سیدھا راستہ اختیار کرے ہر کسی کو آنکھیں دیگئی ہیں تاکہ وہ ہر بُرے عمل کا بُرا نتیجہ خود اپنی آنکھوں دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔ ہر کسی کو کان دئے گئے ہیں کہ ہر داعئ صراطِ مستقیم کی آواز کو سُنے اور عقل و بصیرت کی میزان پر تول کر اور ذہن و دماغ کی کسوٹی پر کس کر خود صحیح راستہ اختیار کرے۔ مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آنکھوں، کانوں اور دماغ سے کام نہیں لیتے وہ خود گمراہ ہوجاتے ہیں۔ انہیں اللہ گمراہ نہیں کرتا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ان ڈنگروں سے صرفِ نظر کرکے اللہ کے حضور میں اسمآء حسنیٰ کیساتھ دعا کیا کرو۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ	اور اللہ ہی کیلئے ہیں اچھے نام، پس تم اس (اللہ) کے حضور میں اسکے اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ دعا کیا کرو[1]۔ اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اس (اللہ) کے ناموں میں کجی پیدا کرتے ہیں۔ (تاکہ وہ اُس اللہ ہی کی سند کے ساتھ غلط راہ پر چلیں) وہ ضرور اُنہی عملوں کا بدلہ دئے جائیں گے جو وہ خود کیا کرتے تھے[2]۔
اور واسطے اللہ کے ہیں نام اچھے پس دعا کرو اس سے	
بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ	
ساتھ انکے اور چھوڑ دو انکو جو کجی پیدا کرتے ہیں بیچ ناموں اسکے	
سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ۱۸۰	
ضرور بدلہ دئے جائینگے جو تھے وہ عمل کرتے	

● ے فَادْعُوْهُ بِهَا کے الفاظ میں بصورتِ نصف النہار ثابت و مبرھن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسکے اسمآء حسنیٰ کیساتھ دعا کرنے کا نہ ٹلنے والا حکم دیا گیا ہے۔ نیز چونکہ فَادْعُوْهُ کا حکم بصیغۂ جمع آیا ہے اسلئے ہر مسلمان پر فرض کردیا گیا ہے کہ وہ اسمآء حسنیٰ کیساتھ اللہ کے حضور میں دعا کیا کرے۔ اِس سے اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کہاں سے اور کس کتاب میں ملیں گے؟ باری تعالیٰ نے جن اسمآء کے ساتھ اپنے حضور میں دعا کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں اپنی کتاب لاریب ہی میں خود ہی بیان کردیا ہے۔ سورہ حشر میں آیا ہے۔

● هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ۲۲ تا ۲۴/۵۹

ایک لمحۂ فکریہ

● اَب فَادْعُوْهُ بِهَا کے والی حکم کی روشنی میں آنحضور کی شانِ فرمانبرداری کے مطابق عیاں ہے کہ آپ اور آپکے صحابۂ کرام ضرور اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ حضورِ الٰہی میں دعا کیا کرتے تھے لیکن اگر مسلمانوں کا جائزہ لیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ اسلام میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس حکم پر عمل نہیں ہورہا، سوائے اُن حضرات کے جنہوں نے اللہ کے حکم اور سنتِ رسول کے

کے مطابق اسماء الحسنیٰ والی آیات مجیدہ ۵۹/۲۲ تا ۲۴ کو اذکارِ صلوٰۃ کا حصہ تسلیم کیا ہے۔ واضح رہے کہ مساجد اور صلوٰۃ مقامِ دعا ہیں:۔
وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۷۲/۱۸ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ ۷۲/۱۹ مسجدیں یعنی صلوٰۃ کی جگہیں خاص اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی اور کے حضور میں دعا نہ کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا بندہ محمدؐ رسول اللہ جب مسجد کے اندر قیام صلوٰۃ میں کھڑا رہتا ہے تو اللہ کے حضور میں دعا کرتا ہے۔

● پس آیاتِ بیّنات ۷/۱۸۰ فَادْعُوْهُ بِهَا اور ۷۲/۱۹ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ کو جب ایکدوسری کے قریب لاکر غور کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ فَادْعُوْهُ بِهَا کا حکم صلوٰۃِ موقّت (نماز) کے متعلق ہے اور ۷۲/۱۹ سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ آنحضور سلام علیہ اپنی نماز میں اسماءِ حسنیٰ والی آیات کریمات ضرور ضرور پڑھا کرتے تھے، جس سے نہ صرف یہ کہ آنحضور بھی اپنی نماز میں فَادْعُوْهُ بِهَا کے خداوندی حکم پر زندگی بھر عمل کرتے رہے تھے، بلکہ آپکی سُنّتِ مطہرہ پر آپکے صحابہؓ بھی عامل رہے تھے اور آج آنحضور کی اُمّت بھی آنحضور کی سُنّتِ مطہرہ پر عمل کر کے یعنی نماز میں اسماءِ حسنیٰ والی آیتیں ۵۹/۲۲ تا ۲۴ تلاوت کر کے ۷/۱۸۰ کے خداوندی حکم کی عدم تعمیل کے جرمِ عظیم سے بچ سکتی ہے۔

● ۷/۱۸۰ يُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآئِهٖ کی تفسیر ساتھ ہی اس سے اگلے الفاظ میں کر دی گئی ہے سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں معنوی الحاد کر کے اُنکے مفہوم کو اپنی منشا کے مطابق پھیر کر بُرے عملوں میں لگ جاتے ہیں انہیں اُن کے بُرے اعمال کی سزا ضرور دی جائیگی۔ يُلْحِدُوْنَ کے سہ حرفی مادہ ل-ح-د۔ لحد کا معنی ہے کسی چیز کو پھیر دینا۔ مثلاً غفورٌ رّحیم کے معنوں کو اس طرح پھیر لینا کہ ہم کتنے بھی گناہ اور کتنی بھی اُسکی نافرمانیاں کرتے رہیں، وہ غفورٌ رّحیم ہے، وہ ہمیں ضرور ضرور بخش دیگا۔ اور اس معنوی الحاد کو بنیاد بنا کر نیکیوں سے بے پرواہ اور بُرائیوں میں مشغول ہو جانا۔ مذکورہ بالا معنوی الحاد ہی کا نتیجہ ہے سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کے الفاظ میں متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اس غلط گمان میں نہ رہیں، اُنکے اُن عملوں کی سزا ضرور دی جائیگی، جن پر وہ اسماءِ خداوندی میں الحاد کر کے دلیر ہو جاتے ہیں۔ اور توبہ کر کے اُن سے الگ ہو جانا ضروری نہیں سمجھتے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ملحدین کی ضد مؤمنین کا ذکر ہے جو خود بھی حق (قرآن) پر قائم رہیں اور اُسی کی ہدایت کریں

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ
اور جن سے جو پیدا کیا ہمنے ایک گروہ ہے ہدایت کرتے ہیں

اور جو (مخلوق) ہمنے پیدا فرمائی ہے اُن میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق (قرآن) کی طرف (لوگوں کی) رہنمائی کرتے ہیں۔ اور اُسی کیساتھ (لوگوں کے جھگڑوں کے) فیصلے کرتے ہیں۔

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿ع﴾ ۱۸۱
ساتھ حق کے اور ساتھ اسکے وہ فیصلے کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ
اور جو لوگ جھٹلائیں کو ہماری آیتیں ضرور ہم انکو بتدریج پکڑیں گے

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، انہیں ہم ضرور بتدریج اس مقام سے پکڑیں گے، جسے وہ جانتے ہی نہیں۔ (جس کا

مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾
سے جہاں کہ نہیں جانتے وہ

(انہیں گمان بھی نہیں ہے)۔

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾
اور مہلت دیتا ہوں واسطے انکے بیشک تجویز میری پکی ہے

اور میں لوگوں کو (توبہ اور اصلاح کیلئے) مہلت دیتا ہوں۔ بلاشبہ میری یہ تجویز پکی (مبنی بر انصاف) ہے۔

● ۱ اس آئت مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ حق پرست جماعت ہمیشہ موجود رہتی ہے اور آئندہ بھی موجود رہیگی۔

● ۲-۳ نافرمانوں کو بتدریج پکڑنا، توبہ اور اصلاح ہی کیلئے مہلت دینے کی غرض سے ہے۔ اور مہلت دینے کے بعد کے اندازِ گرفت کو مبنی بر انصاف بتایا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اُن پر گرفت کس طرف سے آرہی ہے اور نہ ہی اُن اقوام اور اُن افراد کو آمدِ عذاب کا پتہ چلتا ہے جن کا پیمانۂ ظلم اس دنیا میں لبریز ہو جاتا ہے۔ انہیں آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی عذابِ خداوندی آپکڑتا ہے۔ باوجود اسکے کہ اپنے آپکو بڑے ہوشیار اور چالاک شمار کرتے ہیں مگر وہ بھانپ ہی نہیں سکتے کہ کس جانب سے ان پر تدریجاً عذاب آرہا ہے۔ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ذریعہ اپنے گرد خود ہی عذاب کے جال بُن رہے ہوتے ہیں، جن میں خود ہی پھنس جاتے ہیں۔ اسی چیز کی خبر ۴۲/۳۰ میں دی گئی ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ "اور جو بھی مصیبت تمہیں آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔

● سلسلہ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے اُن لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے جو آنحضورؐ کو دیوانہ اور آپکی تبلیغ کو دیوانگی قرار دیتے ہیں:۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا سکتہ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ
اور کیا نہیں غور کیا انہوں نے نہیں ہے ساتھی ساتھی ان کے میں سے

جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾
دیوانگی۔ نہیں ہے وہ مگر آگاہ کرنیوالا ظاہر

کیا اور (انہوں (بہتان تراشوں) نے غور نہیں کیا (انہیں ہمارے رسول کے لائے ہوئے پیغام کی عظمت پر غور کرنا چاہیئے) انکا ساتھی دیوانہ نہیں (یہ تو انکے مکہ کا) ساتھی ہے (اب اسکا منصب یہ ہے کہ) نہیں ہیں وہ مگر انہیں اُنکے فرائض منصبی سے کھلے طور پر آگاہ کرنیوالا ہے۔

● اس آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کی قبل نبوت کی زندگی کیلئے صَاحِبِهِمْ کے الفاظ آئے ہیں۔ آپ اُن جھٹلانیوالوں کے ہر آن دیگو سکہ کے ساتھی تھے۔ آپنے اپنی قبل نبوت کی زندگی بھی عوام کی خدمت کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ اور بعد نبوت بھی آپکا پیغام اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ سے شروع ہوا تھا، جس میں ہر فردِ نوعِ انسانی کی ربوبیت کا اعلانِ عام موجود ہے۔ کیا ایسا شخص دیوانہ شمار کیا جاسکتا ہے؟ آنحضورؐ کی عظیم شفقت انسانی کا نقشہ ۹/۱۲۸ میں بالفاظِ ذیل کھینچا گیا ہے:۔

● لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ "بیشک بیشک (اے انکار کرنیوالو!) تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آگیا ہے۔ اُس پر تمہاری بدحالیاں گراں گزرتی ہیں۔ تمہاری بھلائی پر حریص

ہے اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان پر خصوصی شفقت کرنیوالا مہربان ہے ـــــ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ کے الفاظ میں کھول کر بتا دیا گیا ہے کہ آپکی انسانی شفقت کی یہ حالت تھی کہ خواہ کانٹا کسی بھی فردِ انسانی کو چبھتا، مگر درد آنحضور کو ہوتی تھی۔ واضح رہے کہ یہ مومن کافر ہر فردِ انسانی کیلئے آنحضور کا خاصہ تھا، کیونکہ مومن کیلئے الگ باندازِ خصوص بر عموم ارشاد ہوا ہے بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ، یعنی یہ پوری نوعِ انسانی کا مونس و غم خوار مومنوں پر خصوصی رحمت و شفقت کرنیوالا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ہم آنحضور کے مخالفین ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ کیوں حکومتِ الٰہیہ پر غور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز پر دعوتِ تفکر دی ہے کہ دیکھو کس طرح ہر چیز قوانینِ خداوندی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے:۔

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کیا اور نہیں غور کیا بیچ حکومت آسمانوں کے اور زمین کے

وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤی اَنْ یَّکُوْنَ
اور جو پیدا کیا اللہ نے سے چیز کے اور کہ ہو قریب یہ کہ ہو

قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُہُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَہٗ
بیشک قریب میعاد اُن کی۔ پھر ساتھ کس بات کے پیچھے اس کے

یُؤْمِنُوْنَ ○ ۱۸۵
ایمان لائیں گے

کیا اور اُنہوں (یعنی ضابطۂ خداوندی کے منکروں) نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کی حکومت پر اور ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا کنٹرول ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے (کہ کس طرح آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ ربّ العزت کے قوانین کیمطابق معروفِ عمل ہے) اور ہوسکتا ہے کہ انکی میعاد بلاشبہ قریب ہو۔ پھر یہ لوگ اس (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات[1]) کے سوا اور کس حدیث پر ایمان لائیں گے؟

مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ؕ
جسے گمراہ قرار دے اللہ پس نہیں ہدایت دینے والا واسطے اسکے

وَیَذَرُھُمْ فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَھُوْنَ ○ ۱۸۶
اور وہ چھوڑ دیتا ہے انہیں بیچ سرکشی انکی کے سرگردان

جو شخص کہ اللہ تعالیٰ اُسے (اسکی انتہائی سرکشی کی بدولت) گمراہ قرار دیدے، اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور وُہ انہیں اُنکی سرکشی میں سرگرداں چھوڑ دیتا ہے۔

● [1] فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ میں قابلِ ایمان صرف اپنے نازل کردہ ضابطۂ حیات قرآن کریم کو ٹھہرایا گیا ہے $\frac{۳۹}{۲۳}$ میں آیا ہے اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا۔ اللہ تعالیٰ نے احسن حدیث اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ اور $\frac{۴۵}{۶}$ میں فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ میں صرف اپنی آیتوں کو اسلئے قابلِ ایمان قرار دیا گیا ہے کہ قیامت تک کیلئے شک و ریب سے پاک صرف اور صرف اُسکی آیات کریمات ہیں جو اُسکی آخری کتاب قرآن مجید میں محفوظ ہیں۔ اسکے سوا باقی کوئی بھی کتاب دستبرد زمانہ سے ہرگز ہرگز محفوظ نہیں۔ حتیٰ کہ تورات، زبور اور انجیل کی بھی یہ حالت ہے کہ انکا ایک ایڈیشن دُوسرے ایڈیشن سے مختلف و متضاد ہوتا ہے خود تورات و انجیل والے اِن کتابوں میں اپنی مرضی کی ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے ہیں۔ صرف قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس کی حفاظت

کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۞ ۱۵/۹ نیز یہی وہ واحد کتاب ہے:۔
● جس میں باطل نہ آگے کی طرف سے داخل ہو سکتا ہے نہ پیچھے کی طرف سے لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۴۱/۴۲ اسی لئے دنیا بھر میں اِس ایک اکیلی کتاب کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کی سند حاصل ہے اور اسی لئے اسکے سوا کسی اور کتاب کو ناقابلِ ایمان قرار دیا گیا ہے ۴۵/۶ نیز ناقابلِ اتباع ۳/۷ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ اتباع کرو صرف اُسکی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اُسکے سوا (جھوٹے) خیر خواہوں کی اتباع ہرگز نہ کرنا۔
● پیچھے آیت نمبر ۱۸۵ میں استفہامی حصر کیساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کے سوا کوئی حدیث واجب الاتباع نہیں۔ اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ
سوال کرینگے آپ سے متعلق سزا کے وقت کے کونسا وقت ہے آنے اسکا
قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا
کہہ سوائے اسکے نہیں، علم اسکا ہے پاس میرے رب کے نہیں ظاہر کریگا وقت اسکا مگر
هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا
وہ بھاری ہے بیچ آسمانوں کے اور زمین کے نہیں آئیگی تم کو مگر
بَغْتَةً ؕ يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا
اچانک سوال کرینگے آپ سے گویا آپ آگاہ ہیں اسکے کہہ سوائے اسکے نہیں
عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ ۱۸۷
علم اسکا ہے پاس اللہ کے اور لیکن بہت لوگ نہیں جانتے

(اے رسول!) لوگ آپ سے (نافرمانی کے عذاب کے آنے کے) وقت کے متعلق پوچھینگے کہ اسکے آنے کی گھڑی کونسی ہے۔ آپ فرما دیجیئگا کہ اسکا علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔ اسے اُسکے وقت پر وُہی ظاہر کریگا۔ آسمانوں اور زمین میں وُہ (عذاب کی گھڑی) بہت سخت ہے۔ نہیں آئیگی تمہارے پاس مگر اچانک۔ (اے رسول!) لوگ آپ سے اسکے متعلق اس طرح پوچھینگے گویا کہ آپ اس کے وقت سے آگاہ ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اُس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور لیکن اکثر لوگ (اس حقیقتِ حال کو) نہیں جانتے۔

● ۱؎ اَلسَّاعَةُ کا لفظ قرآنِ کریم میں مختلف معنوں میں آیا ہے۔ وقوعہ قیامت کیلئے استعمال ہوا۔ نیز کسی بھی وقفہ کیلئے۔ ایک لمحہ کیلئے۔ انقلاب کی گھڑی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دُنیوی سزا کے وقت کیلئے بھی آیا ہے۔

● ۱ السَّاعۃ بمعنی قیامت:۔ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۞ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۞ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۞ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۞ ۳۰/۱۱ تا ۱۶۔

(مفہوم) اللہ ہی مخلوق کو پیدا کرتا ہے۔ پھر وُہ (اُس میں سے نوعِ انسان کو اُسکی موت کے بعد قیامت کے دن) دوبارہ پیدا کریگا

پھر تم اسی کے حضور میں حاضر کئے جاؤ گے - اور جس دن الساعۃ (قیامت) قائم ہوگی، اُس دن مجرم لوگ (اپنے جرموں کی سزا سے بچنے) سے مایوس ہو جائینگے - اور اُس دن انکے ٹھہرائے ہوئے (اللہ کے) شریکوں میں سے کوئی بھی انکا شفیع نہ ہوگا - اور وہ اپنے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں کا انکار کرنیوالے ہونگے - اور جس دن اَلسَّاعَۃ (قیامت) قائم ہوگی (اُسدن شریک ٹھہرانے والے اور شریک ٹھہرائے گئے ایکدوسرے سے) الگ الگ ہو جائینگے - پھر جو لوگ ایمان لائیں اور اصلاح کے کام کریں وہ (جنت کے) باغ میں خوش رکھے جائینگے - اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا انکار کریں اور اُنہیں جھٹلائیں وہ عذاب کیلئے حاضر کئے جائینگے -

● ۲ السَّاعَۃ بمعنی کوئی بھی وقفہ :- لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ ۹/۱۱۷ بیشک اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہوا اپنے نبی (عربی) پر اور ان مہاجرین و انصار پر، جنہوں نے اسکی اتباع کی تنگی کے وقفہ میں۔

● ۳ السَّاعَۃ بمعنی ایک لمحہ :- فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ○ ۱۶/۶۱ = جب اُن پر تباہی کا وقت آتا ہے تو پھر نہ ایک لمحہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکتے ہیں -

● ۴ السَّاعَۃ بمعنی انقلاب کی گھڑی :- اصحاب کہف جو ملک میں ربوبیت بروش انقلاب لانا چاہتے تھے مگر ناسازگار حالات کی بدولت درمیانی وقفہ ایک غار میں گزار رہے تھے - آخر جب انکی خوراک ختم ہو گئی تو خوراک لانے کیلئے اپنے ایک آدمی کو باہر بھیجا تو اسوقت سابقہ ظالم حکومت بدل چکی تھی، حالات سازگار ہو چکے تھے - قرآن مجید میں اس انقلاب کی گھڑی کو بھی السَّاعَۃ کہا گیا ہے :- وَکَذٰلِکَ اَعْثَرْنَا عَلَیْھِمْ لِیَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَۃَ لَا رَیْبَ فِیْھَا ۱۸/۲۱ = اور اسی طرح ہمنے الکو (خوراک لانے کے ذریعہ) مطلع فرمایا کہ وہ جان لیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور انقلاب کی گھڑی میں کوئی شک نہیں - (وہ انکی انتھک اور صبر آزما کوشش کی راہ میں طویل مشکلات کا مقابلہ کرنے کی بدولت ضرور ضرور آنیوالی ہے) اصحاب کہف ایک انقلابی جماعت تھی جو انتہائی کٹھن مصائب کا مقابلہ کرنے کے بعد معاشرہ میں نظام ربوبیت کے قیام کا انقلاب لانے میں کامیاب ہوئی پورے حالات کیلئے ادارہ بلاغ القرآن کا پمفلٹ "قصہ اصحاب کہف" ملاحظہ فرمائیں۔

● ۵ اَلسَّاعَۃ بمعنی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی دُنیوی سزا کی گھڑی :- قوموں کی گوناگوں نافرمانیوں کے بدلے بعض قوموں کے جرائم کا پیمانہ جب اسی دنیا میں چھلک جاتا ہے تو اُن پر قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم شعیب اور قوم لوط وغیرہ کی طرح دنیا ہی میں عذاب لازم کر دیا جاتا ہے چنانچہ ایسے عذاب کی آمد کی گھڑی کو سورہ یوسف میں بالفاظ ذیل السَّاعَۃ کہا گیا ہے :- وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ ○ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَھُمْ غَاشِیَۃٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰہِ اَوْ تَاْتِیَھُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ ۱۲/۱۰۶-۱۰۷ اور لوگوں کی اکثریت اللہ پر ایمان نہیں لاتی مگر وہ اس طرح ایمان لاتے ہیں کہ وہ ایمان باللہ کے باوجود مشرک بھی ہوتے ہیں - کیا پھر وہ نڈر ہو گئے ہیں کہ انکے پاس اللہ کا ڈھانپ لینے والا (چھا جانیوالا) عذاب آئے (یعنی اس طرح اُن پر اچانک) اللہ کے عذاب کی گھڑی آجائے کہ انہیں شعور تک نہ ہو کہ عذاب آرہا ہے -

● سلسلہ درس کی آیت زیر بحث ۱۸۷ میں اَلسَّاعَۃ کے لفظ میں آنحضور کے مخالفوں کو اُنکی گوناگوں نافرمانیوں کی اس دنیوی سزا کی آمد کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسکا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، جسکے متعلق اُنکا سوال تھا اَیَّانَ مُرْسٰھَا ۔ یعنی ہماری سزا کی آمد کا وقت کونسا ہے ۔ مخالفوں کے اس سوال کا جواب آنحضور سے دلوایا گیا ہے قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ کہہ دیجئے گا کہ اسکا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، اُسکے سوا کوئی غیب نہیں جانتا ۔ وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ ۶/۵۹ = میں غیب دان نہیں ہوں غیب کی چابیاں صرف اور صرف اللہ کے پاس ہیں، غیب کو اُسکے سوا کوئی نہیں جانتا ۔ چنانچہ سلسلہ درس کی اگلی آیت میں آنحضور کے غیب دان نہ ہونے کے ساتھ ساتھ خود آنحضور سے یہ بھی اعلان کروایا گیا ہے کہ میں کسی چیز کا مختار نہیں ہوں ۔ اس تفصیل کے لئے اگلی آیت کی آمد کا انتظار کریں ۔ فی الحال سابقہ آیت مجیدہ ۱۸۷ کے بقایا فٹ نوٹ ملاحظہ فرمائیں یہاں تک صرف ایک فٹ نوٹ نمبر ۱ ختم ہوا ہے ۔

● نمبر ۲ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ کے جملہ میں اِنَّمَا کے حصر کیساتھ خود آنحضور سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ لوگو! تمہاری نافرمانیوں کی سزا کے آنے کے وقت (اَلسَّاعَۃ) کا علم صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے میرے پاس نہیں ہے ۔

● نمبر ۳ لَا یُجَلِّیْھَا لِوَقْتِھَا اِلَّا ھُوَ کے جملے میں بھی نفی اثبات کے حصر کیساتھ کہلایا گیا ہے کہ لوگو! تمہاری نافرمانیوں کی سزا کو اُسکے وقت پر صرف اللہ تعالیٰ ہی ظاہر کریگا ۔ اِن ہر دو جملوں میں خود آنحضور سے آپکی عدم غیب دانی کا اعلان کرایا گیا ہے ۔

● نمبر ۴ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ قوموں پر عذاب کی گھڑی بڑی سخت ہوتی ہے خواہ وہ سماوات کے کسی بھی کرے میں ہوں اور خواہ زمین میں ہوں ۔ کیونکہ اسکا عذاب ٹالا نہیں جا سکتا ۔

● نمبر ۵ لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَۃً کے الفاظ سے عیاں ہے کہ اللہ کا عذاب اچانک آجاتا ہے، یعنی اُس وقت کہ جب نافرمان قوم کو گمان تک نہیں ہوتا کہ اب عذاب آنیوالا ہے ۔

● نمبر ۶ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْھَا کے الفاظ میں بھی آنحضور کے غیب دان ہونے کی دلیل استفہامیہ انداز میں پیش کیگئی ہے کہ اے رسول! یہ لوگ عذاب کی آمد کے وقت کے متعلق اس طرح پوچھینگے، جیسے کہ آپ اس سے آگاہ ہیں، یعنی آپ تو غیب دان ہیں ہی نہیں ۔

● نمبر ۷-۸ پیچھے ضمنی نوٹ نمبر ۲ میں گزر چکا ہے قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ کہہ دیجئے گا اے رسول! کہ عذاب کے وقت کا علم میرے رب کے پاس ہے ۔ یہاں نوٹ نمبر ۷ میں پھر اسی چیز کا اعادہ ان الفاظ میں کر دیا گیا ہے قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ ۔ یہ تکرار تاکیدی ہے جس میں انتہائی وضاحت کیساتھ اعلان فرما دیا گیا ہے کہ آنحضور غیب دان نہیں تھے ۔ اور نوٹ نمبر ۸ میں بھی اسی چیز کی خبر دیگئی ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس حقیقت سے بے خبر ہے جو باقی انبیاء کو عموماً اور آنحضور کو خصوصاً غیب دان قرار دیتی ہے ۔ نیز واضح رہے کہ آنحضور کی ذات والا صفات کو نہ صرف یہ کہ غیب دان قرار دیا جاتا ہے بلکہ نفع نقصان کے مالک بھی ٹھہرایا جاتا ہے لیکن اگلی آیت میں دونوں چیزوں کی نفی کر دیگئی ہے ۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا
کہہ نہیں میں مالک واسطے جان اپنی کے نفع کا اور نہ تکلیف کا

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ
مگر جو چاہا اللہ نے اور اگر ہوتا میں جاننے والا غیب کا کثرت حاصل کرتا

مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ
میں سے خیر کے اور نہ تکلیف مجھے تکلیف نہیں میں مگر آگاہ کرنیوالا اور

بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۸ ع ۲۳/۱۴
خوشخبری دینے والا واسطے قوم کے جو مانتے والے ہیں

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ میں اپنی جان کیلئے بھی کسی نفع اور تکلیف کا مالک نہیںؑ (کوئی اختیار نہیں رکھتا) سوائے اسکے کہ مجھے بھی نفع اور ضرر اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کیمطابق ہی پہنچا ہےؑ اور (میں غیب دان بھی نہیں کیونکہ) اگر میں عالم الغیب ہوتا تو بہت سی بھلائی اکٹھی کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتیؑ۔ نہیں ہوں میں مگر اس قوم کو انکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنیوالا اور اچھے عملوں کی اچھی جزا کی خوشخبری دینے والا ہوںؑ جو (قرآنی حقائق پر) ایمان لانیوالے ہیں۔

● ۱؎ لَآ اَمْلِكُ کے الفاظ میں آنحضورؐ کے مختارِ کل ہونے کی نفی کر دی گئی ہے کہ آپکو یہ صفات نہ ذاتی طور پر حاصل تھیں نہ عطائی طور پر کیونکہ ملکیت کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں ذاتی یا عطائی۔ جیسے کہ سمیع و بصیر کی صفات خدا تعالیٰ کی ذاتی ہیں اور انسان کیلئے عطائی، فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۷۶/۲ لیکن کسی بھی انسان یا نبی رسول کیلئے یہ نہیں آیا جَعَلْنٰهُ مُخْتَارًا لِكُلِّ شَیْءٍ۔

● ۲؎ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کے الفاظ میں اِلَّا استثنٰی بالمشیت ہے، جس سے قانونِ مشیتؐ ہی کی استثنٰی مراد ہے کہ آنحضورؐ کو بھلائیاں اور نفع بھی میسر آیا کرتے تھے اور آپ کو تکالیف و مصائب بھی آتے تھے مگر وہ سب قانونِ مشیت کیمطابق آتے تھے۔ آنحضورؐ کا قانونِ خداوندی میں کوئی عمل دخل ہرگز نہیں تھا۔

● ۳؎ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ...... الخ کے الفاظ میں بھی آنحضورؐ کی غیب دانی کی نفی کر دی گئی ہے۔ سورہ جن میں ہر ایک رسول کے متعلق آیا ہے لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ۷۲/۲۶ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی ایک کو بھی مطلع نہیں کرتا تھا۔ سوائے اپنے رسولوںؑ کے کہ انہیں وحی کے ذریعہ حقائق سے باخبر کیا کرتا تھا۔ اس پر قرآنِ حکیم کی آیاتِ ذیل گواہ ہیں کہ سورہ آل عمران ۳/۴۴ میں حضرت مریمؑ کے صحیح حالات بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ (اے رسولؐ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سورہ یوسف ۱۲/۱۰۲ میں حضرت یوسف کے صحیح صحیح حالات بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ۔ (اے رسولؐ!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں ـــــ دیکھئے ان آیاتِ کریمات میں ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کیساتھ جس کے مشارٌ اِلَیْهِ حضرت مریمؑ اور حضرت یوسف کے صحیح صحیح حالات ہیں، جو ماقبل مذکور ہیں۔ مطلع کیا گیا ہے۔ اور اس طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ ۱۲/۱۰۲ + ۷۲/۲۶-۲۷ میں جو خبریں دی گئی ہیں، فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ کا یہ مطلب نہیں کہ کسی نبی رسول کو عالم الغیب بنایا جاتا ہے بلکہ سابقہ واقعات کے صحیح صحیح حالات اور عالی حقائق سے نبی رسولوں کو بذریعہ وحی باخبر کیا جاتا تھا۔

حقیقت با نیمروز | ● آنحضورؐ یا کسی بھی نبیؐ رسولؐ کو اگر عالم الغیب بنایا جاتا تھا تو جس وقت سے وہ عالم الغیب بنا دئے گئے

تھے اسوقت وحیِ الٰہی کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔ حالانکہ آنحضورؐ جملہ انبیاءؑ کی زندگی کے آخری دم تک کیلئے وحیِ الٰہی کا اجراء اہلِ اسلام کی متفقہ مسلّمہ حقیقت ہے، جس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول بعض آنحضور عالم الغیب تھے تو آنحضور پر آپکی آخری زندگی تک وحی کا سلسلہ کیا محض تکلّف برائے تکلّف تھا؟ العیاذ باللہ!

● ۵؎ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ کے الفاظ میں بھی آنحضورؐ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کر دی گئی ہے کہ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو آپکو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی، جیسے کہ جنگِ اُحد کے موقعہ پر جو مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی تھی اور آنحضور کو جو تکلیف پہنچی تھی اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو آپکو پتہ چل جاتا کہ عقبی درہ خالی ہو گیا ہے اور دشمن پیچھے سے حملہ کرنیوالا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے، نہ ذاتی نہ عطائی۔

● ۶؎ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ میں ان نافیہ آیا ہے اور اِلَّا اثبات کا ہے، یعنی نفی اثبات کیساتھ خود آنحضورؐ سے اعلان کروایا گیا ہے کہ آپ نہ غیب دان تھے نہ مختارِ کل بلکہ عوام کو انکے فرائض منصبی سے آگاہ کرنیوالے تھے، بُرے کام کے بُرے انجام سے ڈرانے والے تھے اور نیک کاموں کے نیک انجام کی خوشخبری دینے والے تھے۔ بالفاظِ دیگر الفاظ زیرِ بحث میں آنحضورؐ کے صحیح مقام نبوت و رسالت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

● ۷؎ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ کے الفاظ محولہ بالا نصائح کے متعلق آئے ہیں جن میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ آنحضورؐ کے صحیح مقام کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو محولہ بالا نصائحِ خداوندی پر ایمان لانیوالے ہیں اور جو خود آنحضورؐ کی قرآنی احادیثِ مبارکہ پر ایمان لاتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے قل کے فعل امر کیساتھ اپنے الفاظ میں آنحضور کی زبانِ مبارک سے کہلوا دئیے ہیں، کہ نہ میں عالم الغیب ہوں اور نہ ہی کارخانۂ کائنات میں میرا کوئی عمل دخل ہے، نہ ذاتی نہ عطائی۔

نہ اپنے لئے نہ تمہارے لئے

● سلسلہ درس کی آیت مجیدہ ۷/۱۸۸ میں جن الفاظ کیساتھ آنحضور سے اعلان کرایا گیا ہے، وہ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا کے الفاظ میں آیا ہے۔ نیز معمولی تبدیلی کیساتھ یہی اعلان آنحضورؐ سے سورہ یونس میں بھی کرا دیا گیا ہے:۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۱۰/۴۹ کہدے اے رسول! کہ میں اپنی جان کیلئے بھی نہ کسی ضرر کا مالک ہوں نہ نفع کا۔ اور ساتھ ہی سورہ جن میں آنحضور سے اس امر کا اعلان بھی کرا دیا گیا ہے کہ لوگو! میں تمہارے لئے بھی نہ کسی تکلیف کا ہی مالک ہوں نہ کسی بھلائی کا:۔ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۝ ۷۲/۲۱ تا ۲۳ اے رسول! کہدے بھیّا کہ نہ میں تمہارے لئے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں نہ بھلائی کا۔ نیز کہہ دیجئے گا کہ (اگر میں اللہ کا پیغام پہنچانے میں کوتاہی کروں تو) مجھے بھی اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں، اور نہ مجھے اسکے سوا کسی کے ہاں پناہ ملیگی۔ مگر (میرا فریضہ) پہنچانا ہے اللہ سے آئے ہوئے اسکے پیغامات کو۔ (یہ میرے فرض کی ادائیگی ہی مجھے اللہ سے بچا سکتی اور اسکے ہاں پناہ کا موجب بن سکتی ہے)۔

مسئلہ حیات النبی و حاضر و ناظر

● واضح رہے کہ اہلِ اسلام میں آنحضورؐ کے متعلق مسئلہ غیب اور مختارِ کل کے علاوہ دو

مسائل اور بھی متنازعہ چلے آرہے ہیں ۔ یہ مسئلہ حیات النبی (حاضر وناظر) اور مسئلہ بشر نورہے۔ مسئلہ اول الذکر کا فیصلہ تو آنحضورؐ کی وفات مبارکہ کا اعلان ہے جو آپکے مخالفین کے ساتھ ہی متوازی انداز میں کر دیا گیا ہے ۔

● اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○ ۳۹/۳۰ (اے رسولؐ!) بلاشبہ آپ بھی مرنیوالے ہیں اور وہ آپکے مخالفین بھی مرنیوالے ہیں ۔ اس آیت مجیدہ کے خلاف اگر آنحضور کو موت سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو یہی استثنیٰ آپکے مخالفین کیلئے بھی لازم آتی ہے ۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ کسی کیلئے بھی کسی استثنیٰ کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔ چنانچہ خود آنحضور مرض الموت میں مبتلا ہو کر فوت ہوگئے تھے صحابہ کرامؓ نے آپکی تجہیز و تکفین فرمائی اور آپکی قبر مبارک آج تک مدینہ منورہ میں موجود ہے ۔ اس قرآنی دلیل کیمطابق جب آنحضور فوت ہو چکے ہیں تو حاضر وناظر کا مسئلہ خود ختم ہوگیا ۔ جسکے متعلق قرآن مجید میں الگ کھلے دلائل بھی موجود ہیں ۔

● سورہ آل عمران میں حضرت مریمؑ کی کفالت کا صحیح واقعہ بیان کرنے کے بعد کہ آپکی کفالت کے ۔ دعویداروں کے جھگڑنے کے باوجود کفالت مریمؑ کا فیصلہ حضرت زکریاؑ کے حق میں ہوا اور باقی دعویداران کفالت سے اس پر دستخط لئے گئے، آنحضور کو کہا گیا ہے ۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○ ۳/۴۴ اے رسول! یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کرتے ہیں ۔ اور آپ اسوقت اُن کے پاس حاضر وناظر نہیں تھے جب وہ دستخط دے رہے تھے کہ مریمؑ کی کفالت کون کریگا اور نہ ہی آپ اسوقت انکے پاس حاضر وناظر تھے ۔ جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے، اسی طرح سورہ یوسف میں حضرت یوسفؑ کا قصہ بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ○ ۱۲/۱۰۲ اے رسول! یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کرتے ہیں ۔ اور آپ اسوقت انکے پاس حاضر نہیں تھے جب برادران یوسف اپنی مہم پر اکٹھے ہوتے تھے اور جب انھوں نے یوسف کیلئے بُری تجویز بنائی ۔

● یہ تو ہوئیں قرآنی دلائل قاطعہ آنحضور کے قبل پیدائش عدم حاضر ناظر ہونے کی ۔ اسکے علاوہ آنحضور کو آپکی زندگی میں ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرنا بھی حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے کہ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ ہجرت مبارکہ سے ماقبل آنحضور مکہ معظمہ میں تھے مدینہ منورہ میں نہیں تھے اور ہجرت مبارکہ کے بعد آپ مدینہ منورہ میں تھے مکہ معظمہ میں نہیں تھے ۔ اور عین ہجرت مبارکہ کے دوران آپ منزل بمنزل سفر میں تھے، نہ مکہ میں تھے نہ مدینہ میں تھے ۔ اور اسکے بعد آپ فوت ہوگئے تو آپکا جسد اطہر قبر مبارک میں ہے، اس کے سوا آپ کہیں بھی حاضر ناظر نہیں ہیں ۔

مسئلہ بشر نور ● اسکے علاوہ آنحضور کے متعلق ایک متنازعہ مسئلہ یہ ہے کہ کیا آپ نوع البشر میں سے تھے یا اس کے سوا کسی نوری مخلوق میں سے تھے ۔ اس مسئلہ کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف اور سورہ حٰم سجدہ میں دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ خود آنحضور کی قرآنی حدیث کیساتھ آپ ہی سے کرا دیا ہے :۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶ اے رسولؐ! اعلان فرما دیجئے کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں (کسی نوری مخلوق میں سے نہیں ہوں) میری طرف وحی کی جاتی ہے ۔ مسئلہ بشریت میں ایک انتہائی نازک پہلو یہ ہے کہ آنحضور جسمانی لحاظ سے عام بشروں جیسے بشر تو تھے، لیکن عمل لحاظ سے آپ خدا تعالیٰ کے صد فیصد فرمانبردار

بندے تھے۔ اس گوشے میں آپ ہرگز ہرگز عام بشروں جیسے نہیں تھے۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔

● المختصر! آنحضور کے متعلق چاروں متنازعہ مسائل بشر، نور، حاضر ناظر، علمِ غیب اور مختارِ کل، ہر مسئلہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب لاریب میں آج سے چودہ سو سال پیشتر کا کر دیا ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ امت قرآنی دلائل کو پس پشت پھینک کر بلاوجہ معروف پیکار چلی آ رہی ہے۔

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت نمبر ۱۸۸ میں لَا اَمْلِكُ ...... الخ کے الفاظ میں آنحضور سے اعلان کروایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانینِ مشیت میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ سب کام قوانینِ خداوندی کے مطابق سرانجام ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں اس کے ضمن میں نوعِ انسانی کی شبانہ روز کی پیدائش اور افزائشِ نسل کے قانونِ مشیت کی وضاحت کیگئی ہے جو انتہائی غور طلب ہیں:-

ترجمہ	آیت
وہ اللہ ہی ہے (اے نوعِ انسانی!) تم کو ایک ہی جرثومۂ حیات سے پیدا کرتا ہے[۱]۔ اور اُس نے اسی میں اسکا جوڑا رکھ دیا ہوا ہے[۲] تاکہ مذکر مونث کیساتھ سکون حاصل کرے[۳]۔ پھر جب مذکر مونث کو ڈھانپتا ہے تو وہ حملِ خفیف اٹھالیتی ہے[۴] پھر اسکے ساتھ چلتی پھرتی ہے[۵]۔ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے[۶] تو دونوں میاں بیوی اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے ہیں کہ اگر تو ہم کو تندرست بچہ عطا فرماتا ہے تو ہم دونوں ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے۔	هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ[۱] مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ[۲] وَّ وہی ہے جو پیدا کرتا ہے تم کو سے جرثومۂ حیات اکیلے اور جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا[۳] لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا[۵] ٹھہرایا بیچ اسکے جوڑا اسکا تاکہ سکون پائے طرف اسکی۔ پھر جب ڈھانپتا ہے اسکو حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ[۶] بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا[۷] بوجھ اٹھاتی ہے بوجھ ہلکا پھر چلتی ہے ساتھ اسکے پھر جب بوجھل ہو جاتی ہے دعا کرتے ہیں دونوں اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ اللہ رب اپنے دونوں کے سے اگر عطا کرے تو ہمکو تندرست، ضرور ہونگے ہم مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۱۸۹ میں سے شکر گزاروں کے
پھر جب (اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق) تندرست بچہ عطا کرتا ہے[۸] تو پھر وہ دونوں اس میں جو اللہ نے عطا فرمایا ہے، (غیر اللہ کو) شریک ٹھہراتے ہیں[۹]۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرک لوگ جو شرک کرتے ہیں[۱۰]، اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے[۱۱]۔	فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ پھر جب دیتا ہے دونوں کو تندرست بچہ ٹھہراتے ہیں دونوں شریک فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ۱۹۰ بیچ اسکے جو دیا دونوں کو پس بلند ہے اللہ سے اسکے جو وہ شرک کرتے ہیں

● [۱] هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ میں خَلَقَ فعل ماضی مضارع کے معنوں میں آیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کا مستقل اسلوبِ بیان یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی سنتِ جاریہ کو ماضی کے صیغے میں بیان کرتا ہے تو ماضی مضارع کے معنے دیتی ہے۔ جیسے کہ بارش کی سنت جاریہ جو صرف اور صرف زمانہ ماضی کیساتھ مختص نہیں، بلکہ ماضی حال اور مستقبل تینوں زمانوں میں بدستور جاری ہے، قرآن کریم اسکے لئے ماضی کا

صیغہ استعمال کرتا ہے مگر مراد مضارع ہوتا ہے۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۲/۲۲ - دیکھئے یہاں اَنزَلَ وَاَخْرَجَ دونوں افعال ماضی ہیں جو مضارع کے معنے دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے اور اسکے ساتھ تمہارے لئے میوے پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس یہاں پر ماضی کے معنے نہ فٹ ہی آتے ہیں اور نہ مشاہدات کا ساتھ ہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ ماضی میں پانی آسمان سے برسایا تھا اور زمانہ ماضی میں میوے پیدا کئے تھے۔ جس طرح اس سنّتِ جاریہ متواترہ کیلئے اَنزَلَ اور اَخْرَجَ افعال ماضی برائے مضارع آئے ہیں، اسی طرح آیتِ زیر بحث میں خَلَقَ، حَمَلَتْ اور اَثْقَلَتْ وغیرہ افعال ماضی برائے مضارع آئے ہیں اور ان کا صحیح معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے ماضی حال اور مستقبل میں ایک ہی جرثومۂ حیات سے نوعِ انسانی کی دونوں صنفوں مذکر و مؤنث کو پیدا کرتا چلا آرہا ہے اور کرتا چلا جائیگا۔

● ۲ نفسِ واحدہ سے یہاں جرثومۂ حیات مراد ہے جو نطفہ کی صورت میں بوقت اختلاط نمودار ہوتا ہے۔ پوری نوعِ انسانی مرد اور عورتیں سب کے سب اسی سے پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں۔ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا کا معنی یہ ہے کہ اس نفسِ واحدہ جرثومۂ حیات، نطفۂ انسانی میں اس کا جوڑا رکھدیا گیا ہے مذکر و مؤنث۔ یعنی ایک جرثومۂ حیات ہے، جس میں مذکر و مؤنث دونوں صنفیں بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ رحم مادر میں جس صنف کی نشوونما غالب آتی ہے، بچہ اس صنف کا حامل پیدا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ کسی بھی صنف کی نشوونما مکمل نہیں ہوتی اور بچہ نہ لڑکا بنتا ہے نہ لڑکی، اُسے مخنث کہا جاتا ہے۔

● ۳ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا کے جملہ میں زوج کا معنی جوڑا ہے، نہ بیوی ہے نہ خاوند۔ ان لفظوں میں وضاحت کردیگئی ہے کہ جرثومۂ حیات یعنی نطفۂ خدا تعالیٰ کا وہ شاہکارِ عظیم ہے کہ اُسکے اندر لڑکا بننے کے خواص بھی موجود ہیں اور لڑکی بننے کے بھی۔ نطفے کے اس صنفی اشتراک پر مشاہدہ گواہ ہے کہ مردوں کے سینے پر بھی پستانوں کے دو نشان موجود ہیں جو صنفِ مذکر کا حصہ نہیں بلکہ صنفِ مؤنث کا حصہ ہے۔ نیز بعض عورتوں کو مونچھیں اور ڈاڑھی نکل آتی ہے جو عورتوں کا حصہ نہیں بلکہ صرف اور صرف مردوں کا حصہ ہے۔

● ۴ لَيَسْكُنَ اِلَيْهَا کے جملہ میں يَسْكُنَ فعل مضارع لاکر اس امر کی تصدیق کردیگئی ہے کہ یہاں کوئی ماضی کا واقعہ بیان نہیں ہو رہا بلکہ خدا تعالیٰ کے قانونِ جاریہ کی وضاحت کی جارہی ہے، کہ یہ ایک مستقل قانونِ خداوندی ہے کہ مذکر کو مؤنث کے بغیر سکون حاصل نہیں ہوتا، اسی لئے جرثومۂ حیات میں مذکر و مؤنث دونوں کا اہتمام کردیا گیا ہے۔

● ۵ تا ۸ پھر فَلَمَّا تَغَشّٰهَا ...... الخ میں جو افعال ماضی آئے ہیں حَمَلَتْ، فَمَرَّتْ، اور اَثْقَلَتْ وغیرہ ، یہ بھی خدا تعالیٰ کی سُنّتِ جاریہ سے متعلق ہونے کی بدولت مستقبل کا فائدہ دیتے ہیں کہ مذکر یا مؤنث بننا بھی ہمیشہ سے جاری ہے اور ہر زمانوں میں مؤنث کا حملِ خفیف اٹھا لینا، پھر اسکے ساتھ چلتے پھرتے رہنا اور پھر حملِ ثقیل کی منزل پہنچ جانا بھی ہر زمانوں میں جاری و ساری ہے۔ اسلئے یہ تمام افعال ماضی برائے مضارع آئے ہیں۔

● ۹ دَعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا کے الفاظ میں شرک کرنیوالوں کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ جب حمل ظاہر ہو جاتا ہے تو میاں بیوی

دونوں اللہ کے حضور میں تندرست بچے کی پیدائش کی دعا کرتے ہیں، یعنی حمل کے پورے وقفہ میں رحم کے اندر کے مخفی تعامل پر خالص اللہ تعالیٰ ہی کا تسلط تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن:۔

● ۱۹۰ــــــ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَآ اٰتٰىهُمَا کے الفاظ میں مشرک افراد کا طریقہ بتا دیا گیا ہے کہ پہلے تو بڑی شدت کیساتھ اللہ کے حضور میں دعائیں کرتے ہیں اگر تو ہمیں تندرست بچہ عطا فرمائے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار رہینگے۔ لیکن جب انہیں صحیح سالم بچہ عطا کر دیا جاتا ہے تو اُسے غیر اللہ کی طرف منسوب کرکے اس کا نام بھی رکھ دیتے ہیں پیراندتہ۔ العیاذ باللہ! استغفر اللہ!

● ۱۹۰ــــــ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ کے آخری جملہ مبارکہ میں یُشْرِكُوْنَ بصیغہ مضارع لاکر پوری طرح وضاحت کر دی گئی ہے کہ آیت زیر بحث ۱۸۹ میں کوئی ماضی کا قصہ بیان نہیں کیا گیا، بلکہ مشرکوں کی دائمی عادت کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

روائتی تفسیر

● آیات مجیدہ ۱۸۹ - ۱۹۰ کی قرآنی تفسیر تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اب انکی روائتی تفسیر کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں جس میں نفس واحدہ سے مراد لی گئی ہے حضرت آدم اور زوجہا سے مراد لی گئی ہے حضرت حوّاؑ۔ یعنی حضرت حوّا کو حضرت آدمؑ میں سے نکالا گیا بتایا ہے۔ چنانچہ مشہور معروف ترجمہ شاہ اشرف علی تھانوی میں لکھا ہے:۔

● "وہ اللہ ایسا قادر ومنعم ہے جس نے تم کو ایک تن واحد (آدم) سے پیدا کیا اور اس میں سے اسکا جوڑا (حوا) بنایا تاکہ وہ اُس جوڑے سے اُنس حاصل کرے۔ پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اسکو حمل رہگیا ہلکا سا۔ سو وہ اسکو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو انکا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپنے ہم کو سالم اولاد دیدی تو ہم خوب شکر گزاری کرینگے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دیدی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں، وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے۔ سو اللہ تعالیٰ پاک ہے انکے شرک سے۔"

● اب غور فرمائیے! مرحوم تھانوی صاحب کے ترجمہ میں جب نفس واحدہ سے مراد لی گئی ہے حضرت آدم اور جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے حضرت حوا مراد لی گئی ہیں۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس سے اگلا سارا ذکر جسے ایک واقعہ ظاہر کیا گیا ہے، حضرت آدم و حوا ہی کا ہوا کہ جب میاں بیوی نے قربت کی تو حضرت حوا نے ہلکا سا حمل اٹھالیا، پھر جب وہ بوجھل ہو گئیں تو میاں بیوی حضرت آدم و حوا نے صحیح سالم اولاد کے لئے حضور الٰہی میں دعا کی۔ لیکن جب آپکو صحیح سالم بچہ عطا کر دیا گیا تو معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت آدم و حوا دونوں نے اُس بچے میں غیر اللہ کو شریک کر لیا ـــــــ یہی حال باقی سب تراجم کا ہے کہ نفس واحدہ سے مراد حضرت آدم اور زوجہا سے مراد حضرت حوا لیکر، اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی رسول کو مشرک ثابت کر دکھایا ہے العیاذ باللہ!

قرآنی اسلوب بیان کو رہنما اصول بنایا جائے

● افسوس ہے کہ روائتی تراجم میں قرآنی اسلوب بیان تصریف آیات کو نظر انداز کرکے اللہ تعالیٰ کے اوّلین پاکیزہ نبی رسول کی طرف شرک تک منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ عربی قواعد کے مطابق بھی اور قرآنی اسلوب بیان کے مطابق بھی ان آیات کریمات میں اللہ تعالیٰ کے قانون جاریہ کی

کی وضاحت کیگئی ہے اور عوام الناس کی حالت بیان کیگئی ہے۔ قانونِ جاریہ یہ کہ نفس واحدہ یعنی ایک ہی جرثومۂ حیات میں اللہ تعالیٰ نے لڑکا بننے کی صلاحیت بھی رکھدی ہوتی ہے اور لڑکی بننے کی بھی۔ پھر یہ کہ مؤنث کو حمل مذکر کے اختلاط ہی سے ٹھہرتا ہے جو پہلے پہل خفیف ہوتا ہے پھر حمل ثقیل ہوجاتا ہے۔ قرارِ حمل کے بعد دورانِ حمل میں پوری احتیاط و پرہیز کیساتھ صحیح سالم بچے کا پیدا ہونا سنتِ جاریہ ہے۔ لیکن عوام الناس کی یہ حالت بتائی گئی ہے کہ وہ دورانِ حمل تو خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں مگر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُسے غیر اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اِس سے عیاں ہے کہ ان آیات کریمات $\frac{۷}{۱۸۹ - ۱۹۰}$ میں ماضی کا کوئی قصہ بیان ہی نہیں کیا گیا۔ بلکہ جیسے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ان میں قانونِ جاریہ کی حکایت اور لوگوں کی جہالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

● واضح رہے کہ ایک تو قواعدِ عرب کا مستقل قاعدہ ہے کہ جب ماضی پر اسم موصول داخل ہو تو وہ مضارع بن جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ دائمی کا مُنافی قوانینِ مشیت کیلئے بھی جب ماضی کے افعال آئیں تو مضارع کا قاعدہ دیتے ہیں چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں جن میں قوانینِ جاریہ کیلئے ماضی کے صیغے مستعمل ہیں :-

● اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً $\frac{۲}{۲۲}$ میں اَنْزَلَ فعل ماضی کا معنیٰ سنتِ جاریہ کیمطابق یہ ہے کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔

● فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا $\frac{۲}{۲۲}$ میں اَخْرَجَ فعل ماضی کا معنیٰ قانونِ جاریہ کیمطابق یہ ہے کہ اللہ پانی کیساتھ میوے پیدا کرتا ہے۔

● وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ $\frac{۲}{۱۶۴}$ میں اَنْزَلَ فعل ماضی کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے

● فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا $\frac{۲}{۱۶۴}$ میں اَحْيَا فعل ماضی کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔

● اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً $\frac{۱۳}{۱۷}$ میں اَنْزَلَ فعل ماضی کا معنیٰ ہے اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔

● فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا $\frac{۱۳}{۱۷}$ میں فَسَالَتْ فعل ماضی کا معنیٰ یہ ہے کہ پھر نالے اپنی اپنی مقدار کیمطابق بہ نکلتے ہیں۔

● فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا $\frac{۱۳}{۱۷}$ میں فَاحْتَمَلَ فعل ماضی کا معنیٰ یہ ہے کہ پھر پانی کا سیلاب پھولا ہوا جھاگ لاتا ہے۔

● اِسی طرح هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ میں خَلَقَ فعل ماضی خدا تعالیٰ کی سنتِ جاریہ کے بیان کیلئے آیا ہے اسلئے صرف زمانہ ماضی کیلئے مختص نہیں بلکہ اُسی طرح تینوں زمانوں کیلئے آیا ہے جس طرح اوپر کی مثالوں میں آسمان سے پانی کا نازل ہونا اور اس سے میووں کا پیدا ہونا تینوں زمانوں میں جاری و ساری چلا آرہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہی جرثومۂ حیات سے مذکر و مؤنث دونوں صنفوں کو مسلسل پیدا کرتا چلا آرہا ہے۔

(نوٹ) نفسِ واحدہ کی بحث اسی جلد کے صفحہ ۲۲۸ تا ۲۳۴ پر گزر چکی ہے وہاں بھی ملاحظہ فرمائیں، جو نوعِ انسانی کی اوّلین تخلیق کے ضمن میں مکمل مفصل اور ایک شاہکار بحث ہے۔ جو تصریفِ آیات قرآنیہ کی رُو سے ایک علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

رجوع الی المطلب

● سلسلہ درس کی آیات کریمات زیرِ بحث $\frac{۷}{۱۸۹ - ۱۹۰}$ میں عام انسانی حالت بیان کیگئی ہے کہ پہلے تو اولاد مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے مگر جب اللہ تعالیٰ صحیح سالم بچہ عطا کرتا ہے تو عطاءِ ربانی میں غیر اللہ کو

شریک کر لیتے ہیں کہ یہ فلاں پیر صاحب کی نظرِ کرم کا نتیجہ ہے۔ فلاں صاحبِ مزار کی کرامت ہے یا فلاں صاحبِ کشف کی عطاءِ خاص ہے۔ اس میں کسی مذہب و ملت کی تمیز موجود نہیں۔ جملہ مذاہب کے پیروکار اپنے اپنے مذہبی پیشواؤں رشیوں اوتاروں اور گرووں کو خدا کا شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ اگر ہندو ہیں تو سری رام چندر کی طرف منسوب کر کے رام دتہ ل نام رکھتے ہیں۔ سکھ ہیں تو گورو دت سنگھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، مسلمان ہیں تو پیراں دتہ وغیرہ نام رکھ لیتے ہیں۔

● سلسلۂ درس کی سابقہ آیاتِ مجیدہ کے اخیر پر ان تمام مشرکوں کے متعلق ذیل کے الفاظ میں اعلانِ بیزاری کیا گیا ہے فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اور اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے ٹھہرائے تمام شریکوں، اوتاروں، گرووں، رشیوں، پیروں وغیرہ زندوں اور مُردوں سب کے متعلق استفہام انکاری کے محکم حصر کیساتھ اہلِ فکر و نظر کو متنبہ کیا گیا ہے:۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

کیا شریک کرتے ہیں جو نہیں پیدا کرتے کچھ بھی اور وہ پیدا کئے گئے ہیں

کیا یہ لوگ اُن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں (یعنی جو خود مخلوق ہیں، خود محتاج ہیں، وہ اُنکی مدد کیا کرینگے؟)

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

اور نہیں طاقت رکھتے واسطے انکے مدد کی اور نہ اپنے آپ کی وہ مدد کرتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ وہ اُن کی مدد کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے بلکہ وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے (خود گوناگوں مشکلوں اور حاجتوں میں گرفتار رہتے ہیں)۔

● اِن آیاتِ مجیدہ میں اللہ کے شریک ٹھہرائے گئے افراد کی بے بسی کا ایسا صحیح نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے جس پر مشاہدہ گواہ ہے کہ جن لوگوں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں وہ خود مصائب و مشکلات میں گرفتار پائے جاتے ہیں۔ مگر مُریدوں کی حالت یہ ہے کہ پیر صاحب خود بیمار ہو کر ڈاکٹروں کے زیرِ علاج ہیں۔ لیکن مرید پھر بھی اپنے بیماروں کیلئے دھڑا دھڑ پانی دم کرا رہے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ایمان والو! اگر تم انہیں اس روش سے باز کرو تو وہ تمہارے پیچھے نہیں آنے لگینگے:۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور اگر تم بلاؤ انہیں طرف ہدایت کے نہ اتباع کرینگے تمہاری برابر ہے اوپر تمہارے یا بلاؤ تم انہیں یا تم چپ رہو

اور (ایمان والو!) اُنہیں تم ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہیں کریں گے۔ تمہارے لئے برابر ہے کہ تم اُن کو ہدایت کی طرف (بلاؤ یا نہ بلاؤ) خاموش رہو۔ (وہ ہدایت کی طرف آنے والے نہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اُن کو براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے کہ تم جن سے مدد مانگتے ہو وہ تو تم جیسے بندے ہی ہیں:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ ۱۹۴

بیشک وہ لوگ جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے بندے ہیں وہ مثل تمہاری پس پکارو ان کو پھر چاہیئے کہ قبول کریں واسطے تمہارے اگر ہو تم سچے

(اَے شریک ٹھہرانیوالو!) جن کو تم اللہ کے سوا (مرادوں کے حصول کے لئے) پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے ہی (محتاج) بندے ہیں۔ پھر بھی تم اُنہیں پکارتے ہو پھر اگر تم اُنہیں پکارنے میں سچے ہو تو چاہیئے کہ وہ تمہاری پکار کو قبول کریں (یعنی تمہاری مرادیں پُوری کریں۔ وہ کیا مرادیں پوری کریں گے مرادیں تو سب کی ہم پوری کرتے ہیں)۔

● لوگ جن متوفی بزرگوں سے مرادیں مانگتے ہیں، اگلی آیت میں انکی بے بسی کی بھی خبر دیدی گئی ہے اور مرادیں مانگنے والوں کو چیلنج دیا گیا ہے:۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ ۱۹۵

کیا واسطے انکے پاؤں ہیں چلتے ہیں وہ ساتھ ان کے یا واسطے انکے ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں ساتھ انکے یا واسطے انکے آنکھیں ہیں او دیکھتے ہیں ساتھ انکے یا واسطے اُن کے کان ہیں سنتے ہیں ساتھ انکے۔ کہہ پکارو شریکوں اپنوں کو پھر وہ تجویز کریں میری اور نہ مہلت دیں مجھے

(اور اَے میرے شریک ٹھہرانیوالو! پھر سُن لو کہ جن متوفی بزرگوں سے تم مرادیں مانگتے ہو) کیا انکے پاس پیر ہیں جن کے ساتھ وہ چلتے ہیں۔ یا انکے پاس ہاتھ ہیں جن سے وُہ پکڑتے ہیں۔ یا انکی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے ہیں۔ یا کیا ان کے پاس کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے ہیں (اُن کے پاس تو کچھ بھی نہیں سب گل سڑکر مٹی ہو چکا ہے) اَے رسول! آپ اِن سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے ٹھہرائے ہُوئے (زندہ مردہ سب) شریکوں کو پکارو۔ پھر وہ میرے لئے بری تجویز کریں اور مجھے مہلت نہ دیں (یقیناً یقیناً وُہ میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے)۔

اِنَّ وَلِیِّ َۧ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖۗ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ۝ ۱۹۶

بیشک مددگار میرا اللہ جس نے نازل کی کتاب اور وہ ہے مددگار نیکوکاروں کا

(یہ بھی اعلان کر دیجئے گا کہ میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے (مجھ پر) کتاب نازل فرمائی ہے۔ نیز وہ تمام نیکوکاروں کا مددگار ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرانیوالوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور تکرار تاکیدی کے حصر کے ساتھ

انکے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے متعلق اعلان کر دیا گیا ہے کہ وہ اتنے بے بس ہیں کہ نہ وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں:-

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
اور جن کو تم پکارتے ہو سوا اسکے بس نہیں کی طاقت رکھتے

نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ ۱۹۷
مدد تمہاری کی اور نہیں اپنے آپکی وہ مدد کرتے ہیں

اور (اے اللہ کے شریک ٹھہرانیوالو! پھر سن لو کہ) جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہرا کر مدد کیلئے) پکارتے ہو۔ وہ تمہاری مدد کی طاقت ہی نہیں رکھتے، بلکہ وہ تو خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا
اور اگر تم بلاؤ اُن کو طرف ہدایت کے نہیں وہ سنتے

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○ ۱۹۸
اور دیکھتا ہے تو انکو دیکھتے ہیں طرف تیری اور وہ نہیں غور کرتے

اور (اے ایمان والو! شریک ٹھہرانیوالوں کو) اگر تم ہدایت کی طرف بلاؤ (یہ لوگ اس شرک میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ) سنتے ہی نہیں۔ (اے رسولؐ!) آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں مگر وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (کیونکہ وہ عقل و بصیرت کے پٹ بند کئے ہوئے ہیں)۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ
پکڑئیے درگزر اور حکم کیجئے ساتھ احکام قرآنیہ کے اور منہ ہٹا لیجئے

عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ ۱۹۹
طرف سے جاہلوں کے

(اے رسولؐ!) درگزر کی راہ اختیار کیجئے اور (ایمان والوں کو) احکام قرآنیہ دیجئے اور (غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والے) جاہلوں سے اعراض فرمائیے[1]

● [1] اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ غیر اللہ کو اللہ کے اختیارات خصوصی میں شریک کر کے اُن سے غائبانہ مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ لوگ اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ انہیں سمجھانا اور نہ سمجھانا برابر ہے، اسی لئے پہلے ارشاد ہوا ہے خُذِ الْعَفْوَ کہ آپ اِن سے درگزر کیجئے اور پھر حکم دیا گیا ہے کہ ان جاہلوں سے مطلقاً اعراض کر جائیے۔ کیونکہ یہ لوگ عقل و بصیرت سے کام ہی نہیں لیتے اس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور کو اس کے ضمن میں ایک مخصوص نصیحت فرمائی گئی ہے:-

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ
اور اگر وسوسہ ڈالے تجھے اللہ کا نافرمان وسوسہ تو پناہ مانگ

بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ۲۰۰
ساتھ اللہ کے بیشک وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

اور (اے رسولؐ!) اگر کوئی خدا تعالیٰ کا نافرمان شخص آپ کو (ان سے اعراض کے ضمن میں) کوئی وسوسہ ڈالے تو آپ (اسکے خلاف) اللہ سے پناہ طلب کیجئے۔ بلاشبہ وہ (اللہ تعالیٰ) خوب خوب سننے والا بھی ہے اور خوب خوب جاننے والا بھی ہے۔

● [2] نزغ کا معنی جھگڑا بھی ہے اور وسوسہ بھی ہے۔ یہاں وسوسہ مراد ہے۔ ارشاد ہوا کہ آپکو جو مذکورہ مشرکوں سے اعراض کر جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی فسادی انسان آپکو یہ وسوسہ ڈالے کہ آپ نے اللہ کا رسول ہو کر مشرکوں کو تبلیغ کرنے کی بجائے

اعراض کر لیا ہے تو اسکے وسوسہ میں نہ آئیے اور ان غالی مشرکوں کیساتھ اپنا وقت ضائع نہ فرمائیے، اس وسوسہ سے خدا کی پناہ طلب کیجئے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے وہ آپکی مدد فرمائے گا۔ اس سے آگے ارشاد ہوا ہے کہ تقوٰی شعار ایسا ہی کرتے ہیں:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ

بیشک جو تقوٰی شعار ہیں جب ملے انہیں گروہ میں سے شیطان کے

تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ ۲۰۱

نصیحت لیتے ہیں پھر اچانک وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں

بیشک جو لوگ تقوٰی شعار ہیں جب انہیں وسوسہ ڈالنے والا کوئی فسادیوں کا گروہ ملتا ہے تو اللہ کا حکم یاد کرکے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ پھر وہ (ان وسوسہ انداز فسادیوں سے) فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں۔

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا

اور بھائی ان کے مدد کرتے ہیں ان کی بیچ شرارت کے پھر نہیں

يُقْصِرُوْنَ ۝ ۲۰۲

وہ کمی کرتے

اور ان (فسادیوں) کے بھائی (بندؑ) اس شرارت میں انکی مدد کرتے ہیں (انہیں سکھاتے پڑھاتے رہتے ہیں) پھر وہ اس میں کمی نہیں کرتے۔

● ملہ اِخْوَانُهُمْ کا معنی ہم نے لکھا ہے انکے بھائی بند جو انہیں سکھا پڑھا کر بھیجتے تھے کہ آنحضورؐ سے یہ سوال کرو آپ پر یہ اعتراض کرو۔ دراصل وہ لوگ چاہتے تھے کہ آنحضور ایسی آئتیں انکے پاس لائیں جن میں انکے باطل نظریات کی تائید موجود ہو جیسے کہ ۱۰/۱۵ میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یا تو اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لائیں یا اسے ہمارا کی مرضی کیطابق بدل دیں۔ لیکن آنحضور کو حکم ہوا کہ آپ کہہ دیجئیگا کہ میری یہ شان ہی نہیں کہ میں اس میں تبدیلی کردوں، میں تو اُسکی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے یسلسلۂ ورس کی اگلی آئت مجیدہ میں اسی چیز کی خبر دیگئی ہے اور قل کے حکم کیساتھ آنحضور سے مذکورہ بالا اعلان کرا دیا گیا ہے:۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا

اور جب نہیں آتے آپ پاس انکے ساتھ آئت کے کہتے ہیں

لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا

کیوں نہیں پسند کرتا تو اسکو، کہہ سوائے اسکے نہیں میں پیروی کرتا ہوں جو

يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ

وحی کی جاتی ہے طرف میری، طرف سے رب میرے کے یہ ہیں عقل کی باتیں سے

رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ۲۰۳

رب تمہارے اور ہدائت اور رحمت واسطے قوم کے جو ایمان لاتے ہیں

اور (اے رسولؐ!) جب آپ انکی مرضی کی کوئی ایک بھی آئت نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ تو ایسی آئت (بنا لاتا) کیوں پسند نہیں کرتا (جو ہمارے نظریات کی تائید کرے) آپ کہہ دیجئیگا کہ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ میں تو صرف اسکی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے (نازل کردہ) عقل و بصیرت کی باتیں ہیں اور ہدائت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔

● سلہ ھٰذَا بَصَآئِرُ کے الفاظ میں ایک اہم حقیقت بیان کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم میں درج ہر بات عقل و بصیرت پر مبنی ہے۔ اور ساتھ ہی بتادیا گیا ہے کہ یہ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے۔ لیکن اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموشی کیساتھ سنا کرو تاکہ اس کے مندرجات کو سمجھو اور اللہ کے احکام پر عمل کر کے دنیا و آخرت کے جملہ خطرات سے بچ جاؤ۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا
اور جب پڑھا جائے قرآن تو سنو واسطے اسکے اور چپ رہو

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ۲۰۴
تاکہ تم رحم کئے جاؤ

اور (اے ایمان والو!) جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے سنو، اور خاموش رہو (تاکہ اُسے سمجھو اور اُس پر عمل کرو)، تاکہ تم رحم کئے جاؤ (عمل کے بغیر تم رحم کے مستحق نہیں ہو سکتے)

قرآنِ کریم کے خلاف کفارِ مکہ کا منصوبہ

● آیت بالا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ دو حکم دئے گئے ہیں اور ایک حکم کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔ پہلا حکم یہ ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو سنو۔ دوسرا حکم یہ کہ خاموش رہو تاکہ اُسے سمجھو اور اُس پر عمل کرو۔ اور تیسرا اسکا نتیجہ بتایا گیا ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اسکے مقابلے پر کفارِ مکہ کے سرداروں نے بھی اپنے پیروکاروں کو دو حکم دئے تھے اور تیسرا نتیجہ بتایا تھا جسے $\frac{۴۱}{۲۶}$ میں درج قرآن کر دیا گیا ہے:۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ اور کہا کافروں نے نہ سنو اس قرآن کو اور اس میں شور مچاؤ تاکہ تم غالب آؤ۔ اس میں دو حکم مذکور ہیں پہلا یہ کہ اس قرآن کو مت سنو، اور دوسرا یہ کہ اس میں شور مچاؤ اور تیسرا نتیجہ بتایا گیا ہے تاکہ تم شور مچانے سے مسلمانوں پر غالب آؤ۔ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو دلائلِ قرآنیہ سے لاجواب ہو جاتے ہیں تو شور و غل مچا کر غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کفارِ مکہ کی سنت بتایا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی سنتِ مبارکہ یہ ہے کہ دلائلِ قرآنیہ کو خاموشی کیساتھ سنا جائے اور سمجھنے کے بعد احکامِ قرآنیہ پر عمل کیا جائے۔

● آیتِ بالا میں چونکہ قرأتِ قرآن کے آداب بیان ہوئے ہیں۔ اسلئے چونکہ قرأتِ قرآن، قرآنی صلوٰۃِ موقت (نماز) کا ایک مخصوص فروری حصّہ ہے اسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صلوٰۃ موقت کا بھی حکم دیا گیا ہے اور طریقۂ قرأت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً
اور یاد کر رب اپنے کو بیچ جی اپنے کے عاجزی سے اور خوف سے

وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ
اور خلاف آواز اونچی کے سے بات کے وقت صبح کے اور شام کے

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ ۲۰۵
اور نہ ہو بیچ سے غافلوں کے

اور (اے رسولؐ!) اپنے پروردگار کو اُسکی فرمانبرداری کرتے ہوئے اور اُس کا خوف رکھتے ہوئے صبح اور شام یاد کیا کریں۔ (یعنی صلوٰۃ موقت ادا کیا کریں، $\frac{۴}{۱۰۳}$، اگر اکیلے ہوں تو بآوازِ خفی) اپنے جی میں (اور اگر آپ امیرِ صلوٰۃ ہوں تو) عام گفتگو سے اُونچی آواز میں۔ اور (تارکِ صلوٰۃ ہو کر فرضِ منصبی کے) غافلوں سے نہ ہو جانا۔

● چونکہ قرآن کریم کی رُو سے قرآنی معاشرہ صلوٰۃِ موقت اور اُسکے اجتماعات سے شروع ہوتا ہے اور اُسی پر قائم رہتا ہے اِس لئے مخالف جاہلوں سے کنارہ کش رہنے کے حکم کیساتھ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ کے الفاظ اختصار کیساتھ لا کر آنحضورؐ کو صلوٰۃِ موقت پر دوام کا حکم دیا گیا ہے :-

● ۲؎ فِیْ نَفْسِكَ کا معنی لکھا گیا ہے بآوازِ خفی یعنی بلا آواز جلی، اپنے جی میں اور وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا معنی لکھا گیا ہے، عام گفتگو سے اُونچی آواز میں۔ اِس سے ظاہر ہے کہ آیۃ احکام حضورؐ کو ان اوقات کیلئے الگ الگ دیئے گئے ہیں جو اُٹل تھے۔ یعنی آپکو اکیلے بھی صلوٰۃ ادا کرنی تھی اور جب مومنوں کی جماعت موجود ہو تو امیرِ صلوٰۃ کے فرائض بھی آپ ہی کو ادا کرنے تھے اس لئے دونوں حالتوں کیلئے الگ الگ حکم دیئے گئے ہیں کہ جب آپ اکیلے صلوٰۃ ادا کر رہے ہوں تو اذکارِ صلوٰۃ بآوازِ خفی ادا کریں اور جب آپ امیرِ صلوٰۃ ہوں تو عام گفتگو سے اُونچی آواز رکھیں تاکہ حاضرین سن سکیں۔ اِسی چیز کی وضاحت تصریفِ آیات کے ذریعہ سورہ بنی اسرائیل میں بالفاظِ ذیل کر دی گئی ہے :-

● وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝ ۱۷/۱۱۰ اور (اے رسولؐ!) آپ اپنی صلوٰۃ میں (یعنی جب آپ امیرِ صلوٰۃ کے فرائض ادا کر رہے ہوں تو) نہ بالکل اونچی آواز رکھیں اور نہ اسے مخفی کریں بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار فرمائیں (یعنی عام گفتگو سے اونچی آواز میں صلوٰۃ ادا کریں ۷/۲۰۵)۔

● ۳؎ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ کے الفاظ میں صلوٰۃِ موقت کے دو وقت صبح اور شام بطور اختصار آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تعلیم دادہ پورے اوقات تین ہیں، صبح یا فجر، دلوک، عشی یا ظہر اور عشا یا مسا۔ سورہ ھود میں صلوٰۃِ موقت کے اوقات کی تعداد بھی بتا دی گئی ہے تین، اور وقت بھی بتا دیئے گئے ہیں :- وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ اور ہمیشہ ایک ایک صلوٰۃ ادا کیا کریں دن کے دو حصوں میں اور رات کی ابتدائی گھڑیوں میں۔ بیشک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں (برائیوں سے روک دیتی ہیں ۲۹/۴۵) ذکر کرنیوالوں یعنی صلوٰۃ گزاروں کیلئے صرف مذکورہ بالا تین اوقات ہی کی) نصیحت ہے۔

● دیکھئے! اس آیتِ مجیدہ میں صلوٰۃِ موقت (نماز) کے تین وقفوں کی نصیحت کی گئی ہے۔ دو دن کے الگ الگ پہلے اور پچھلے حصے میں اور ایک رات کی ابتدائی گھڑیوں میں۔ اِن تین اوقات پر خود ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ کا وہ تالا لگا دیا ہے جو کبھی کھل نہیں سکتا۔ ذٰلِكَ بمعنی مذکورہ بالا، اور ذِکر بمعنی نصیحت اور لِلذّٰكِرِيْنَ کا معنی ہے ذکر کرنیوالوں یعنی صلوٰۃ گزاروں کیلئے۔ اِنہی تین وقتوں کا حکم سورۃ بنی اسرائیل میں بالفاظِ ذیل دیا گیا ہے :-

● اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ ۱۷/۷۸ ہمیشہ ایک صلوٰۃ ادا کیا کریں سورج ڈھلتے رہنے کے وقفے میں ایک صلوٰۃ رات کے ابتدائی اندھیرے کے وقفے میں اور ہمیشہ ایک صلوٰۃ ادا کیا کریں فجر کے وقفہ میں بیشک پڑھنا صلوٰۃِ فجر کا (مسجد میں نمازیوں کی حاضری کا وقت ہے۔

● ۲-۷ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ کا معنی ہمنے صلوٰۃ کے ہر وقفہ میں ایک ایک صلوٰۃ ادا کرنا لکھا ہے کیونکہ الصلوٰۃ بصیغہ واحد آیا ہے، نہ بصیغہ تثنیہ آیا ہے صلوٰتین اور نہ بصیغہ جمع آیا ہے صَلَوٰت - اسلئے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ ایک وقفہ میں دو نمازیں قرار دینا از روئے قرآن کریم صحیح نہیں - روائتی تفاسیر نے زوالِ الشمس سے غروب تک کے ایک وقفہ میں بھی دو وقت از خود مقرر کرتے ہیں اور بعد غروب سے غائب شفق تک کے ایک وقفہ میں بھی دو وقت از خود مقرر کرتے ہیں نیز ہمنے نماز کی ادائیگی کیلئے وقت کا وقفہ (PERIOD OF TIME) لکھا ہے اسلئے کہ اگر نماز (POINT OF TIME) پر فرض کردی جاتی تو اسکی ادائیگی ممکن ہی نہیں - مثلاً فجر کی نماز عین پَو پھٹنے کے سیکنڈ پر، صلوٰۃ دلوک، دلوک کے عین مابعد، اور صلوٰۃ عشاء کو صرف عین غروب کے بعد کے سیکنڈ پر ادا کرنا ممکن ہی نہیں - اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ فجر کا حکم پَو پھٹنے سے لیکر قبل طلوعِ آفتاب کے پورے وقفے میں کسی بھی وقت پر کیلئے دیا ہے - صلوٰۃ دلوک کو زوالِ آفتاب سے لیکر غروب سے ماقبل کے وقفہ میں اور صلوٰۃ عشاء کو غروبِ آفتاب کے بعد سے لیکر غائب شفق تک کے پورے وقفہ میں کسی بھی وقت پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے - اوقات الصلوٰۃ کی پوری تفصیل کیلئے ادارہ بلاغ القرآن کا شائع کردہ پمفلٹ الصلوٰۃ ملاحظہ فرمائیں کہ اوقات الصلوٰۃ $\frac{11}{114}$ + $\frac{17}{78}$ + $\frac{20}{130}$ + $\frac{30}{18-17}$ + $\frac{50}{40-39}$ + $\frac{54}{49-48}$ + $\frac{76}{25-54}$ سات مقامات پر لائے گئے ہیں، ہر مقام پر $\frac{11}{114}$ کیمطابق تین ہی وقتوں کا حکم دیا گیا ہے -

● آئت مجیدہ زیر بحث $\frac{205}{7}$ میں صلوٰۃ موقت (نماز) کو باقاعدگی کیساتھ ادا کرتے رہنے کا حکم دینے کے بعد اخیر پر متنبہ کیا گیا ہے وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ - اس جملے سے ثابت ہے کہ صلوٰۃ موقت معاشرہ کے فرائض ادا کرنے کے ضمن میں ہوشیار و بیدار رکھنے والی چیز ہے جو برے کاموں اور بے حیائیوں سے منع کرتی ہے $\frac{29}{45}$ - اسلئے صرف نماز پڑھنا اور اُسے اچھے اعمال پر کنٹرولر قرار نہ دینا حقیقت صلوٰۃ سے بے خبری بے غفلت ہے - صلوٰۃ گزار مومن اپنی صلوٰۃ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا اقرار کرتے ہیں کہ بار الٰہا ہم تیری ہی فرمانبرداری کرینگے اور تجھ ہی سے مدد مانگینگے، چنانچہ سلسلہ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں اسی ربط کیمطابق صلوٰۃ کی کارکردگی کے اثر کو نمایاں کرکے، صلوٰۃ گزار بندوں کے پورے اوصاف بیان کردئیے گئے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے کبھی بھی تکبر نہیں کرتے -

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ	بیشک جو لوگ قریب ہیں رب تیرے کے نہیں تکبر کرتے سے
عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ	فرمانبرداری اسکے اور حکم بجالاتے ہیں اُس کا اور واسطے اسی کے
يَسْجُدُوْنَ ○ ۲۰۶	فرمانبرداری کرتے ہیں

(اے رسولؐ!) بیشک جو لوگ تیرے پروردگار کے قریب ہیں وہ اپنے رب کی فرمانبرداری سے انکار نہیں کرتے اور نہ تکبر کرتے ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں - اور وہ صرف اُسی کی پوری پوری فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں -

ع ۲۴ ۱۸ ۱۴

اللہ تعالیٰ کی قربت

● ملہ اَلَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ کے الفاظ سے روائتی تراجم نے ملائکہ مقرب مراد لیکر یہ ترجمہ کیا ہے

کہ اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان پار کسی تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور اسکے تخت کے ارد گرد رہنے والے ملائکہ مقرب ہیں۔ حالانکہ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۵۸/۴ کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ اُس لامحدود ذاتِ پاک کو کسی ایک جگہ پر محدود کر دینا اسکی شانِ کبریائی کے خلاف ہے پس سیاقِ کلام کے مطابق جب پیچھے صلوٰۃِ موقت کا حکم دیا گیا ہے اسلئے سیاقِ کلام میں سچے صلوٰۃ گزاروں کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ جو صلوٰۃِ موقت میں کئے گئے وعدہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ پر عملاً کاربند رہنے والے ہیں وہ اپنے رب کے مقرب ہیں جن میں سرفہرست اللہ تعالیٰ کے نبی رسولؐ اور انکے صحابہ کرامؓ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تقرب اِلَى اللّٰہ کا مجرب نسخہ بتا دیا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری کر اور اسکے قریب ہو جا۔ پس اللہ تعالیٰ کے قریب وہ ہیں جو اللہ کے حکم کیمطابق صلوٰۃِ موقت (نماز) بھی ادا کرتے ہیں اور جملہ احکام خداوندی کی مخالفت بھی نہیں کرتے۔ نہ رشوت لیتے ہیں نہ قانون شکنی کرتے ہیں۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو ڈنڈی نہیں مارتے، کم نہیں تولتے۔ اللہ تعالیٰ کے قریبی وہی ہیں جو اپنے حق سے آگے نہیں بڑھتے کسی کا حق نہیں کھاتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو مقدمات کے غلط فیصلے نہیں کرتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو مزدور کو اسکی محنت کی کم اجرت نہیں دیتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو کام کی اُجرت ٹھہرا کر پھر کام میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے۔

● اللہ کے قریب وہ ہیں جو وعدہ خلافی نہیں کرتے، جو امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو نہ بخل کرتے ہیں اور نہ فضول خرچ ہوتے ہیں۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو والدین کا احترام کبھی ضائع نہیں کرتے، جو اولاد کو قتل نہیں کرتے نہ حقیقی قتل اور نہ مجازی قتل، یعنی اُسے باوقار شریف شہری بناتے ہیں۔ واضح رہے کہ اللہ کے قریب ہونے کا ایک ہی نسخہ ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری کر اور اسکے قریب ہو جا۔

● آئیے! اب آیتِ بالا ۷/۲۰۶ کے باقی ضمنی نوٹ ملاحظہ فرمائیں:۔

عبادت کا معنیٰ

● ۲۔ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ کے الفاظ میں عِبَادَتِهٖ کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا۔ لفظ عبادت کا سہ حرفی مادہ ع-ب-د = عبد ہے۔ اس مادہ کا بنیادی معنیٰ ہے بندہ بننا، فرمانبردار اور حکم بردار ہونا۔ اسلئے صرف صلوٰۃِ موقت (نماز) ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی عبادت کا ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی فرمانبرداری اللہ کی عبادت ہے۔ سچ بولنا عبادت ہے، پورا تولنا عبادت ہے، رزق حلال کمانا عبادت ہے۔ ماں باپ کی خدمت کرنا عبادت ہے اولاد کی صحیح تربیت کرنا عبادت ہے، اپنے اپنے فرائض منصبی کو دیانتداری کیساتھ بجالانا عبادت ہے، اسی طرح سچی گواہی دینا عبادت ہے اور عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر عدل و انصاف کیساتھ مقدمات کے فیصلے کرنا عبادت ہے کاش کہ مسلمان قوم عبادت کے صحیح معنے جان لیتی تاکہ تو ارض پر ایک مثالی قوم امتِ مسلمہ ہوتی۔

تسبیح کے معنے

● ۳۔ يُسَبِّحُوْنَهٗ کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے۔ وہ اللہ کے احکام کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ اس کا سہ حرفی مادہ س-ب-ح = سبح ہے جسکا بنیادی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ فرائض کی ادائیگی

میں ہمہ تن معروف رہنا۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۶۲/۱ کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اُس فریضے کی ادائیگی میں ہمہ تن معروف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد فرمایا ہے۔ سورج چاند ستاروں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔ كُلٌّ فِی فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۳۶/۴۰ سب کے سب فضا میں اپنے اپنے مدار پر چل رہے ہیں۔ سورۂ نور میں ارشاد ہوا ہے :۔

● اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ۲۴/۴۱ اے مخاطب! کیا تُو نے غور نہیں کیا، یعنی تجھے غور کرنا چاہیئے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتے (یعنی اپنے اپنے فرائضِ منصبی میں لگے ہوئے ہیں) خصوصاً صفیں باندھ کر اُڑنے والے پرندے، سب کے سب اپنا اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو جانتے ہیں (یعنی سب اپنے اپنے فرائضِ منصبی کو خوب سمجھتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ خوب خوب جانتا ہے جو وہ الگ الگ عمل کرتے ہیں ——— روایاتی تفاسیر نے تسبیح کا معنی لیا ہے صرف زبانی زبانی اللہ اللہ کرنا۔ حالانکہ آیتِ بالا ۲۴/۴۱ میں ہر جاندار کے ہر عمل کو اُسکی صلوٰۃ اور تسبیح بتایا گیا ہے۔ مثلاً گھوڑے کی تسبیح اور صلوٰۃ ہے دوڑنا، خواہ اُس پر زین کس کر سواری کی جائے اور خواہ تانگے یا چھکڑے میں جوت دیا جائے۔ گائے بھینسوں کی تسبیح اور صلوٰۃ ہے چارہ کھانا اور دودھ کی نہریں بہانا۔ بھیڑ بکریوں کی تسبیح و صلوٰۃ ہے نوعِ انسانی کیلئے زیادہ سے زیادہ گوشت اور اُون وغیرہ مہیا کرنا۔ اونٹ کی تسبیح اور صلوٰۃ ہے ریگستانوں میں کئی کئی دن بھوکے پیاسے سفر کر کے انسانوں کو منزلِ مقصود پر پہنچا دینا۔

● یہ تو ہوئی جانداروں کی تسبیح اور صلوٰۃ، اب آیئے بے جان مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تسبیح کی طرف جو يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۶۲/۱ سے ثابت ہے۔ مَا بے جان چیزوں کیلئے آتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز جس جس غرض کیلئے پیدا کی گئی ہے، اُسے عملاً بجالا رہی ہے۔ مَا میں سورج چاند ستارے، حجر، شجر، آگ، پانی، ہوا، مٹی سب شامل ہیں اور مشاہدہ گواہ ہے کہ سب کے سب اپنے اپنے فرائضِ منصبی ادا کر رہے ہیں۔ یہی اُن کی تسبیح ہے۔

ہر چیز کی تسبیح کو جاننا انسانی فریضہ ہے

● سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے :۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۱۷/۴۴ اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں، لیکن ہر چیز اُسکی حمد اُسکی تسبیح کر رہی ہے اور لیکن تم اُنکی تسبیح پر غور نہیں کرتے (یعنی تمہیں ہر چیز کی تسبیح پر غور کر کے اسے سمجھنا چاہیئے۔ اِس آیتِ مجیدہ سے روایتی تفاسیر نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ چڑیاں چوں چوں کرتی ہیں۔ کوّے کائیں کائیں کرتے ہیں۔ کتے بھونکتے ہیں، بلیاں میاؤں میاؤں کرتی ہیں، گدھے ہینگتے ہیں، گھوڑے ہنہناتے ہیں، شیر چنگھاڑتے ہیں، ہاتھی دہاڑتے ہیں، یہ سب الگ الگ اُنکی تسبیحیں ہیں، لیکن اُنکی اِن تسبیحوں کا مفہوم ہم نہیں جانتے۔ واضح رہے کہ اس آیتِ مجیدہ ۱۷/۴۴ میں اِنْ مِّنْ شَیْءٍ کے الفاظ آئے ہیں، اِن میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کی زبان ہی کوئی نہیں۔ مثلاً آگ پانی، مٹی لوہا کوئلہ بجلی ایتھر اور ایٹم وغیرہ۔ قرآنی شہادت کیمطابق یہ سب کی سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ اِس سے ثابت ہوا کہ تسبیح زبان سے نہیں بلکہ عمل سے ادا کرنے کی خبر دی گئی ہے نوعِ انسان کو اُنکی الگ الگ تسبیحوں پر تفقہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے کہ غور کرو :۔

● **آگ** میں کون کونسی قوت پنہاں ہے - کس طرح اس سے دُخانی جہاز اور سٹیم انجن چلائے جا سکتے ہیں - پانی میں کیا کیا کچھ پوشیدہ ہے - کس طرح اس کے جھرے بڑے بڑے جنریٹر متحرک کر کے زیادہ سے زیادہ بجلی پیدا کی جا سکتی ہے - نیز بجلی میں کیا کیا کچھ چھپا ہوا ہے - کس طرح اسکے ساتھ کمروں کو گرم بھی رکھا جا سکتا ہے اور ٹھنڈا بھی - کس طرح اس کے ساتھ بڑے بڑے کارخانے چلائے جا سکتے ہیں، گھر گھر بلکہ کمرے کمرے میں پنکھے متحرک رکھے جا سکتے ہیں - کس طرح اسکے ساتھ موٹروں، کاروں، ریلوں، اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ مہینوں کے سفر ہفتوں، دنوں اور گھنٹوں میں طے کئے جا سکتے ہیں -

● **ایتھر** کیساتھ کس طرح دنیا بھر کی خبریں اور تصویریں گھر بیٹھے سُنی اور دیکھی جا سکتی ہے - ایٹم کیساتھ کس طرح اُن تعمیری اور تخریبی کاموں کو چشمِ زدن میں انجام دیا جا سکتا ہے جو مہینوں اور برسوں میں کئے جا سکتے ہوں - ان تمام چیزوں کے مذکورہ کام انکی الگ الگ تسبیحیں ہیں - اور نوعِ انسان کو کہا گیا ہے وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ مگر تم ہو کہ تم انکی تسبیحوں پر غور ہی نہیں کرتے - یعنی اُنکے فرائضِ منصبی پر زیادہ سے غور کرو اور اُن سے زیادہ سے زیادہ خدمت لو۔

تسخیرِ کائنات

● قرآن کریم نے اس عنوان کو سورہ جاثیہ میں نہایت وضاحت کیساتھ اجاگر کر دیا ہے :-

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۚ ۴۵/۱۳ اور اے نوعِ انسان اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے - اور تسخیر کا معنی بھی اس آیت سے آیت ماقبل ۴۵/۱۲ میں بالفاظِ ذیل بتا دیا ہے :-

● اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ ۴۵/۱۲ اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا ہے تاکہ اُسی اللہ کے قانون کے مطابق کشتیاں اور جہاز چلا کریں جو اُس نے ان کیلئے خود مقرر کر رکھا ہے - اب ظاہر ہے کہ سمندر کی تسخیر یہ ہے کہ کشتیاں اور جہاز اللہ تعالیٰ کے اُس سائنٹیفک قانون کے مطابق تیار کئے جائیں، جسکے مطابق وہ سمندر کی چھاتی پر تیرتے رہیں، ڈوب نہ جائیں - اللہ تعالیٰ نے پانی میں دو صفتیں پیدا کر رکھی ہیں، ڈبونے کی بھی اور تیرانے کی بھی - خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ سائنٹیفک قانون یہ ہے کہ جو چیز اپنے حجم کے پانی کے وزن سے ہلکی ہوگی وہ پانی پر تیرتی رہیگی اور جو چیز اپنے حجم کے پانی کے وزن سے بھاری ہوگی وہ ڈوب جائیگی - اور اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون تفقہ اور تجربہ ہی سے جانا جا سکتا ہے، جس کی ۱/۴۴ میں تاکید کیگئی ہے - اسی طرح :-

● **بجلی** کے متعلق تفقہ اور تجربہ ہی کے ذریعہ معلوم کیا جا سکا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ کس سائنٹیفک قانون کے مطابق بلبوں میں روشنی، ہیٹروں میں گرمی، کولروں میں ٹھنڈک، پنکھوں میں حرکت پیدا کر دیتی ہے - اسی طرح -

● **پانی**، خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ کس سائنٹیفک قانون کے مطابق کبھی برف میں منتقل ہو جاتا ہے - اور کس خداوندی قانون کے مطابق کبھی سٹیم کی صورت اختیار کر کے طاقت کا سرچشمہ بن جاتا ہے - ایتھر سے کس قانونِ خداوندی کے مطابق ملکوں کے ڈبے میں قریب گویائی آجاتی ہے - اور کس قاعدہ کے مطابق وہ دُور دراز کی تصویریں ساتھ کھینچ کرتا ہے -

● ایٹم کے اندر کس خداوندی سائنٹیفک اصول کے مطابق الیکٹرون، پروٹون اور نیوٹرون میں سے دو برق پارے تیسرے کو مرکز مانکر اسکے گرد لاکھوں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ایکدوسرے کے پیچھے دوڑ رہے ہوتے ہیں۔ یہ سب الگ الگ ان چیزوں کی تسبیحیں ہیں جن کے متعلق وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ کے الفاظ میں نوع انسانی کو تاکید کیگئی ہے کہ جملہ اشیاءِ کائنات گوناگوں تسبیحوں (مضمر صلاحیتوں سے) معمور ہیں مگر تم انکی تسبیحوں، فرائض منصبی، مضمر صلاحیتوں پر غور نہیں کرتے۔

● کرہ ارض کی جن قوموں نے اشیاءِ کائنات پر تفقہ (غور) کیا ہے وہ انکی تسبیحوں کے گوناگوں فوائد سے سرفراز ہو رہی ہیں اور جوں جوں مزید تفقہ کرتی چلی جائینگی زیادہ سے زیادہ سرفراز ہوتی چلی جائینگی۔ اور وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ کی قرآنی خبر کی مصداق بنتی چلی جائینگی۔

● لیکن ہم ہیں کہ آیت مجیدہ ۱۷/۴۴ کے الفاظ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ کا معنی ہمارے علماءِ کرام نے یہ لے رکھا ہے کہ ہم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ حالانکہ تسبیح بمعنی فرائض منصبی خود رسول اکرمؐ کو مخاطب کرکے بھی کھل کر بتا دیا گیا ہے۔ سورہ مزمل میں نماز تہجد کیلئے رات کو اٹھنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۷۳/۷ آپکو قرآن کریم پر غور کرنے کیلئے رات کو اٹھنے کا حکم اسلئے دیا گیا ہے کہ) بلاشبہ دن کے وقت آپکے ذمہ طویل فرائض منصبی ہیں۔ (اسلئے دن میں آپکو فرصت نہیں ہوتی) آپکے ذمہ دن کے وقت کیا کیا فرائض تھے؟ قرآنی حکومت کے داخلہ اور خارجہ امور کی نگرانی، باہر سے آنیوالے وفود سے خصوصی ملاقاتیں، معاشرہ کے داخلی تنازعات کے فیصلے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب آنحضورؐ کے سَبْحًا طَوِیْلًا تھے۔ یہاں بھی سَبْح یعنی تسبیح کا معنی فرائض منصبی ہے۔ اور سَبْحًا طَوِیْلًا سے مراد لمبے فرائض منصبی ہیں۔

سجدہ کا معنی

● ۲۰ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ کا معنی ہمنے لکھا ہے:۔ وہ صرف اسی کی پوری پوری فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں۔ لغوا سجدہ کا اصل معنی ہے اتنا زیادہ جھکنا کہ پیشانی زمین پر جا لگے۔ اسی لئے پیشانی کو عربی ادب میں اَلْمَسْجَدُ کہتے ہیں۔ اور جس مقام پر سجدہ صلوٰۃ ادا کیا جائے یعنی جہاں پیشانی زمین پر رکھدی جائے اُسے اَلْمَسْجِدُ کہتے ہیں۔ سجدہ کے حقیقی معنوں پورا پورا جھک جانے کے مطابق ہی اسکے مجازی معنے ہیں پورا پورا فرمانبردار ہو جانا۔ عربوں کے ہاں کہا جاتا ہے سَجَدَ الْبَعِیْرُ اونٹ نے پوری طرح سر جھکا دیا کہ سوار اس پر بیٹھ جائے اور اسکی نکیل سنبھال کر جدھر کو چاہے لے جائے۔ چنانچہ پورا پورا فرمانبردار ہو جانے کے مجازی معنوں کے مطابق سورہ نحل میں آیا ہے:۔

● وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِکَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ۰ ۱۶/۴۹ اور صرف اللہ ہی کے پورے پورے فرمانبردار ہیں جتنے بھی جاندار ہیں اور جتنی بھی پیدا کردہ اللہ تعالیٰ کی کائناتی قوتیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے انکار نہیں کرتیں۔

● اب غور فرمائیں کہ جس طرح تسبیح کے عنوان میں آیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتے

ہیں۔ ۲۲/۱۸ اسی طرح سجدہ کے عنوان میں بھی ارشاد ہوا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب کے سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے جو تسبیح کے عنوان میں پیدا ہوا تھا کہ گھوڑا ایک جاندار ہے اسکا سجدہ کیا ہے۔ گدھا ایک جاندار ہے اسکا سجدہ کیا ہے، بیل ایک جاندار ہے اسکا سجدہ کیا ہے اور اونٹ بھی ایک جاندار ہے اسکا سجدہ کیا ہے؟ کیا یہ سب زمین پر ماتھا ٹیکتے پھرتے ہیں؟

● اس سوال کا جواب بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں سجدہ کے مجازی معنے مراد ہیں کہ گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے پورے پورے فرمانبردار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جس جس جبلت پر پیدا کیا ہے، یعنی جو فرض منصبی انہیں الگ الگ سونپا گیا ہے اُسے پوری طرح بجا لا رہے ہیں۔ گھوڑا بدستور بھاگتا چلا جا رہا ہے، گدھا بدستور ایک مکان کی پچھلی کوٹھڑی سے بوجھ اٹھا کر دوسرے مکان کی پچھلی کوٹھڑی میں پہنچاتا چلا جا رہا ہے۔ اور یہی حال باقی تمام جانداروں کا ہے کہ جس جس جبلت پر پیدا کئے گئے ہیں، اسکے مطابق عمل درآمد کرتے چلے جا رہے ہیں۔ شیر سبزہ زار جنگل میں رہتا ہے، مگر بھوکا مر جائیگا کبھی گھاس نہیں کھائے گا۔ ہرن اور لومڑی دونوں ایک ہی جنگل میں رہتے ہیں، لومڑی شیر کا پس خوردہ گوشت شوق سے نوش جان کرتی ہے مگر ہرن بھوکا مر جائیگا، گوشت کو کبھی سونگھنے تک کی جرأت نہیں کریگا۔ اس طرح ہر جاندار کی جبلت کیمطابق خدا تعالیٰ نے جو جو فرض منصبی اسکی سرشت میں رکھ دیا ہے اُسی کیمطابق اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کرتا رہیگا اور اسی کو سجدہ بھی کرتا چلا جائیگا۔

● اسی طرح آیت مجیدہ ۱۶/۴۹ میں دابہ یعنی جانداروں کے سجدہ مجازی، بمعنی فرمانبرداری کے ذکر میں ملائکہ کو بھی شامل کر دیا گیا ہے کہ وہ بھی صرف اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کائناتی قوتیں ما تحت زمین پر رکھے ہوئے ہیں۔ بالفاظِ دیگر بجلی کا سجدہ کیا ہے؟ ایتھر کا سجدہ کیا ہے، ایٹم کا سجدہ کیا ہے؟ ان سوالوں کا جواب بھی ظاہر ہے کہ جو جو فرائض اللہ تعالیٰ نے اُنکی جبلت کے مطابق اُنہیں تفویض فرمائے ہیں۔ وہ عین اسکے مطابق عمل درآمد کرتے چلے جا رہے ہیں، اُس سے سرِ مُو انحراف نہیں کرتے۔ لیکن :-

● واضح رہے کہ آیت مجیدہ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ کے مطابق حضرتِ انسان کا فرض ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز کو مسخر کرے اور ہر چیز سے نوع انسانی کیلئے تعمیری خدمات حاصل کرے۔ اس تسخیر کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کے ملک بجلی کو مسخر نہیں کیا گیا تھا اسوقت تک اُسکا کام صرف یہ تھا کہ جہاں گری جلا کر راکھ کر گئی، مکانوں کو گرا گئی، مویشیوں اور انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار گئی۔ لیکن جب اسے مسخر کر لیا گیا ہے، اب اس سے چولہے جلانے، پنکھے گھمانے، کپڑے دھونے اور برتن مانجنے کی خدمات لی جا رہی ہیں اور اس میں مضر و نفع کے ساتھ راتوں کے دن بنایا جا رہا ہے۔ اسکی یہ خدمات اسکی تسبیح بھی ہے اور یہی اسکا سجدہ بھی ہے۔

ایک لمحۂ فکریہ

● آیت زیر بحث ۷/۲۰۶ پر ایک طویل سورہ مجیدہ الاعراف ختم ہوئی ہے جس میں نوع انسانی کو عموماً اور اہل اسلام کو خصوصاً خبر دی گئی ہے کہ تسبیح اور سجدہ کرنیوالے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا

ہے کہ اس سے نہ صلوٰۃ موقت (نماز) میں زبانی کی جانیوالی تسبیح ہی مراد ہے اور نہ صرف زمین پر ماتھا ٹیک کر ادا کیا جانیوالا سجدہ ہی مراد ہے۔ بلکہ اس سے فرض منصبی کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری کرنا اصل مقصود ہے۔ صلوٰۃ موقت (نماز) میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے الفاظ میں فرض منصبی کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری ہی کا اقرار کیا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان نے صرف نماز کی تسبیح و سجدہ پر اکتفا کیا اور نماز میں حسن عمل تسبیح اور عمل سجدہ، جس میں ۴۵/۱۳ کے مطابق تسخیر کائنات بھی شامل ہے، اُس سے غافل ہو گئے، حتیٰ کہ اس روش پر صدیاں گزر گئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ جن قوموں نے فرائض منصبی کو پہچانا اور تسخیر کائنات کو اپنا فریضہ جانا وہ اس پر عمل کر کے آگے نکل گئیں۔ اور مسلمان کرۂ ارض کی پسماندہ قوم بن کر رہ گئے ہوئے ہیں لیکن مسلمانوں کی پسماندگی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہر کامیابی کیلئے قرآن مجید کی آیات کریمات کا صرف پڑھنا، ورد کرنا اور قرآن مجید کو زیادہ سے زیادہ مرتبہ ختم کرنا قرار دے دیا گیا۔ اور ہر کامیابی کیلئے الگ الگ جو حکم دئے گئے انہیں نظر انداز کر دیا گیا مثلاً دشمن قوم کے مقابلے کیلئے قرآن حکیم میں حکم دیا گیا ہے :-

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸/۶۰ اور دشمنوں کے مقابلے کیلئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوت تیار کرتے رہو اور ذرائع رسل و رسائل کی تمہارے ہاں وہ بہتات ہو کہ تم اس فوجی قوت کے ساتھ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔ (وہ تمہاری طرف میلی آنکھ کیساتھ دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکیں، تم سے گھر بیٹھے کانپتے رہیں۔

● دیکھئے! اس آیۂ مجیدہ ۸/۶۰ میں دشمن کے مقابلے پر کامیابی کا صحیح نسخہ یہ بتایا گیا ہے کہ فوجی قوت زیادہ سے زیادہ پیدا کرتے رہو۔ مگر اس حکم خداوندی سے بے اعتنائی کی عملی صورت یہ ہے کہ ساٹھ باسٹھ اسلامی سلطنتوں میں سے کسی کے ہاں اسلحہ فیکٹری کا وجود تو کیا، لوہے کا کارخانہ تک موجود نہیں (صرف پاکستان میں رشیا کی مدد سے آئرن فیکٹری کا قیام ہوا ہے) اور اسلحہ سازی سے اہلِ اسلام کی غفلت کی یہ حالت ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں اسلامی سلطنتوں میں کوئی مشترکہ اسلحہ فیکٹری بھی موجود نہیں —— اسکے برخلاف تصور یہ چلا آرہا ہے کہ جب دشمن حملہ کرے تو زیادہ سے زیادہ قرآن کریم ختم کئے جائیں تو مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے۔ لیکن غور طلب یہ امر ہے کہ کیا یہ نادانی کی انتہا نہیں کہ قرآن تو یہ کہے کہ دشمن کا مقابلہ فوجی ہتھیاروں کیساتھ کرو۔ اور ہم اسی آیت کو پڑھ پڑھ کر دشمن پر فتح کی اُمید لئے رہیں۔

● یہ تو وہی مثال ہے جو پیچھے بھی بیان ہو چکی ہے کہ حکیم صاحب مریض کو نسخہ لکھ کر دیں کہ اسے فلاں فلاں طریقے سے استعمال کرو۔ لیکن مریض اس نسخے میں لکھی ہوئی دواؤں کو پڑھ پڑھ کر دم کرنا شروع کر دے۔ اسلئے کہ حکیم صاحب نے یہ کہا تھا کہ اس نسخہ میں مندرج دواؤں کو گھول کر پیو اور مریض اس نسخہ کا غذ کو گھول کر پینے لگے۔ العیاذ باللہ!

● قرآن کہتا ہے :- لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۳/۱۳۹ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ اگر تم اس نصیحت پر ایمان لانیوالے ہو تو دشمن کو کہ تم ہی غالب رہو گے۔ قرآن کریم پر عمل کرنے والوں کیلئے ناکامی اور شکست کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا - بشرطیکہ وہ اللہ کے احکام پر پہلے ایمان لانیوالے ہوں اور پھر اپنے ایمان کی تصدیق کے لئے اس حکم پر عمل کرنیوالے ہوں -

● اس آیت مجیدہ ۳/۱۳۹ کے الفاظ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا میں مکمل کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ حزن وغم یعنی شکست و ناکامی تمہاری اپنی سستی کا نتیجہ ہو گی - اگر سستی کروگے تو اسکے نتیجے میں ناکامی و نامرادی کا غم کھانا پڑیگا - سب سے بڑی نادانی سستی یہ ہے کہ کامیابی کیلئے جس عمل کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہوا ہے تو پس پشت پھینک دیا جائے اور اس حکم کے الفاظ کا ورد شروع کر دیا جائے - اور حکم کے الفاظ زیادہ سے زیادہ ختم کر کے یہ امید رکھی جائے کہ جو نتیجہ اس حکم پر عمل کرنے سے برآمد ہونیوالا ہے وہ اس حکم کو بار بار رٹنے سے برآمد ہوگا۔

حاصل کلام یہ کہ ● سورہ اعراف کی آخری آیات کریمات میں خداوند عالم نے صلوٰۃ موقت کی حقیقت اور تسبیح و سجدہ کے حقیقی اور مجازی احکام کیساتھ مسئلہ تکمیل انسانیت کو انتہائی بلیغ انداز میں سیٹ کر رکھ دیا ہے تاکہ اہل اسلام حقیقت سے باخبر ہو کر زبانی، جسمانی اور ذہنی تسبیح، نیز زبانی، جسمانی اور ذہنی سجدہ کی بجا آوری کیساتھ نہ صرف یہ کہ سورہ اعراف کی آخری آیت مجیدہ کے ان الفاظ عِنْدَ رَبِّكَ کے مطابق اللہ کے قریب ہو جائیں، بلکہ احکام خداوندی پر عمل کر کے دنیا بھر کی قوموں کی صف اول میں آجائیں، قوموں کی امامت انکا حق ہو جائے اور یہ آیت ذیل کی مصداق ہو جائیں:۔

۳/۱۱۰ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۲۳/۹۷-۹۸

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ !

بفضل ایزدی سورہ اعراف تک کی تفسیر القرآن بالقرآن ختم ہوئی - ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۲/۲۸۶

قرآن حکیم

اللہ تعالیٰ کی ' کتاب ہے ۔ اور صحیفۂ فطرت اللہ تعالیٰ کی فعلی کتاب ہے ۔ قرآن مجید کی تفسیر و توضیح عالمی مشاہدات کی صورت میں اس کی فعلی کتاب میں اور تصریف آیات کے ذریعہ اُس کی قولی کتاب میں موجود ہے ۔ اس کتاب مقدس کا مفسّر خود صاحب کتاب ہے ۔ ہم مفسّرین نہیں ۔ بلکہ باتباع خاتم النبیین سلام علیہ ، خادمین قرآن بتصریف آیات القرآن ہیں ۔ صرف روایات کے دبیز پردوں کو چاک کرنے کی مخلصانہ کوشش ہے ۔ حرفِ آخر نہیں ۔ ہمیشہ کے لئے دعوتِ فکر و تدبر ہے ۔ ۴ ۲۴

اس میں پائی جانے والی ہر خوبی کتاب الٰہی کی اپنی خوبی ہے ۔ بالفرض اگر اس میں کوئی کمی یا خامی پائی جائے تو وہ ہماری سہو اور کمزوری ہے ۔ قرآن مبین ہر قسم کے کمیوں اور خامیوں سے پاکیزہ اور منزہ ہے ۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ ۲ ۲

شائع کردہ :-

اِدارۂ بلاغُ القرآن ۱۱۰- این سمن آباد لاہور

معاونت :-

اُمّتِ مُسلمہ (اہل الذکر و القرآن پاکستان)

نقل سرٹیفیکیٹ

محترم حامد حسن صاحب فاضلِ دیوبند"

میں نے تفسیر القرآن بالقرآن کی سورۃ مائدہ، سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کے متن قرآن کی تصحیح کی ہے۔ اب اس کے متن میں کتابت کی کوئی غلطی نہیں۔

(محترم) حامد حسن فاضلِ دیوبند و خطیب جامع پولیس قلعہ گوجر سنگھ لاہور

۸۲-۷-۸

مجلسِ مدبرہ

ادارہ بلاغ القرآن کی شائع کردہ تفسیر القرآن بالقرآن چند اہل علم کی بشری کاوش کا نتیجہ ہے جو صرف خدمتِ قرآن کے جذبہ سے معمور ہے۔ جس میں نہ نام و نمود کی خواہش ہے اور نہ علمی حلقوں میں شہرت کی طلب۔ یہی وجہ ہے۔ کہ

تفسیر القرآن بالقرآن کو ادارہ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ان حضرات نے اپنے اسمائے گرامی بھی شائع کرنے کی اجازت نہیں دی۔

جَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ